اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

ہزار ہزار شکر اُس ناظمِ کون و مکان کا کہ زبان اُردو کے شعرائے ماضی و حال کا یہ مکمل تذکرہ موسوم بہ

جس کا تاریخی نام

خمخانۂ جاوید

جلد اول

قرار پایا ہے اور جو

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر صاحب بیرسٹر [illegible] رئیس دہلی کی لگاتار محنت تلاش اور کوشش کا نتیجہ ہے

مطبع منشی نول کشور واقع لاہور میں چھپکر شائع ہوا

سنہ ... باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپا

بار اول ... قیمت فی جلد مجلد (کاغذ قسم اول ... کاغذ قسم دوم ...) علاوہ محصول

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

۱۳۲۵ھ

مؤلفہ

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب
آنریبل رائے بہادر سُرگباشی

مطبوعہ مخزن پریس دہلی

دیباچہ

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

حضرات ناظرین ! جب میں ابتدائی تعلیم کے پنجے سے چھوٹا اور کالج میں داخل ہوا۔ تو ادھر مذاقِ سخن دامنگیر ہوا۔ اُدھر تعلیم کی مشکلیں گلوگیر۔ غرض ایک طرف کلام اور اہل کلام کی واقفیت کا عشق تام تھا۔ دوسری جانب دنیوی دھندوں اور خاندانی حصول علم کا تقاضاے صبح وشام نہ اسے چھوڑے بنتی تھی اور نہ اُس سے مُنہ موڑے سرتی تھی ۔

یہ از خود رفتہ جنوں یہاں تک بڑھا کہ گھر کے مطالعہ کو طاق پر اور اوقات کالج کو زبردستی سر پر رکھا۔ اساتذۂ سلف وحال کی خوش کلامی کو مونس اور اُن کے حالات کو اپنا وظیفہ قرار دیا۔ اور دل میں ٹھیرالیا کہ جملہ اساتذۂ و دلدادگان سخن کی ایک مجلس منعقد ہو۔ اور اُن کے کلام کا لُب لُباب یکجائی صورت میں مہیّا کیا جائے ۔

اس خیال سے مختلف تذکروں کی فراہمی اور مطالعہ شروع کیا۔ مگر افسوس اُن میں سے کوئی بھی دل میں نہ کھبا۔ آب حیات جو تلاش وتحقیقات کی انتہا۔ تنقید حسنہ کا قابل قدر نمونہ اور اُردو ادب وزبان کی خدمت میں ایثار کے ساتھ فصاحت وبلاغت اور اعلیٰ انشاپردازی کا ایک بے مثال مرقع ہے۔ اس کی نسبت شروع سے میرا یہ خیال تھا کہ یہ تذکرہ محققانِ زبان مشتاقان عروض اور خاصکر مشتاقانِ انشاپردازی کے حق میں خضر راہ ہوگا۔ اور آب حیواں کا کام دیگا۔ مگر جب مجھ تشنہ لب سخن کی ان اوسوں سے پیاس نہ بجھی تو کسی دوسرے سرچشمہ کی تلاش ہوئی۔ کیونکہ اس کے جامع نے اوّل تو اس میں خاص الخاص چند مشاہیر شعرا کے حال اور ان کے نام

غرض ادھر تو کوئی دلپسند مجموعۂ کلام دستیاب نہ ہُوا - اور اُدھر اپنا شوق پورا کرنے کے واسطے مختلف شعراء کا کلام جمع کرنا پڑا - پس یہی اس کی تدوین اور ترتیب کا باعث ہُوا - اور یہاں تک ذخیرہ بڑھا کہ اس تذکرۂ ہزار داستان کو پانچ جلدوں میں تقسیم کئے بغیر کوئی اَور صورت نظر نہ آئی +

اس تذکرہ کی پہلی جلد پیش نظر ہے - اس وقت کو جب میں نے دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا اوّل جزو لکھا تھا آج پورے سترہ برس ہو گئے - گو سترہ برس کہنے میں دو لفظ اور سُننے میں ایک بات ہے - مگر اس برق رفتار زمانے میں کسی کام کو انجام تک پہنچانا درحقیقت نہایت دشوار کام ہے - تعلیم کی تکمیل - امتحانات کی تیاری - ملازمت کی پابندی - خاندانی سانحات تفکرات و مکروہات اور دائمی مریض رہنے کے باعث یہ تذکرہ اس عرصہ تک تعویق اور التوائے اشاعت میں پڑا رہا - مگر پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہا - میرے دل کی کیسی ہی حالت کیوں نہ ہوئی - ناپسند واقعات زندگی نے کتنا ہی مجبور کیوں نہ کیا - مجھے مختلف بیماریوں نے کیسا ہی کیوں نہ گھیرا - گرم و سرد زمانہ نے کتنا ہی جی سرد اور دماغ بیکار کیوں نہ کیا - لیکن اس تذکرے کی تکمیل کا جن میرے سر سے نہ اُترا - اور اس کی اشاعت کی دُھن عاشقانہ دُھن بن کر میرے دل و دماغ کو اُبھارے گئی +

جس دوست یا بزرگ کی خدمت میں باریابی ہوئی - شعراء کے حالات اور کلام کا ذکر میرا مشغلہ اور مکالمہ ٹھیرا - بات کوئی ہوتی - مگر میری زبان سے اُس کے جلب میں کسی شاعر کا کلام یا اُس کا ذکر نکل جاتا +

باسے خدا خدا کر کے جناب باری کے فضل و کرم سے آج یہ دن نصیب ہُوا کہ ارباب مذاق کے حضور میں یہ دل شگفتہ کرنے والا گلدستہ جو چمن چمن کے پھلوں - گلشن گلشن کی پتیوں - ڈال ڈال اور پات پات کی کلیوں سے چُن چُن کر موزوں ہوئے

کلام کے سوا دیگر مشتاقانِ سخن سے غرض نہیں رکھی۔ دوسرے کلام بھی لیا تو بطور نمونہ ہی لیا۔ انتخاب کا حظ نہ آنے دیا۔ گو انھوں نے مجبوراً یہ امر اختیار کیا۔ ورنہ چار دور کیا۔ وہ ایک دور کے شاعر بھی نہ لکھ سکتے۔ مگر اس سے وہ بات نہ ہوئی جس سے اپنی طبیعت کھلتی۔ اور اُن اہلِ دور کا میلانِ طبع معلوم ہوتا۔ خدا جھوٹ نہ بُلائے تو جدید و قدیم بیسوں تذکرے دیکھ ڈالے سینکڑوں بیاضیں وقفِ نظر کر دیں۔ لیکن افسوس صد افسوس جملہ تذکروں کو عام اور ہمہ گیر پایا۔ اُن مدوّنوں نے رطب و یابس۔ عام و خاص۔ بلکہ عوام الناس میں بھی کچھ تمیز نہ رکھی۔ یہاں تک کہ بعض تذکرے تو عامیانہ درجے پر پہنچ گئے۔ بھرتی کے شاعروں اور اُن کے کلام کی وہ بھرمار دیکھی کہ ان سے طبیعت پھر گئی۔ اس طوفانِ بےتمیزی میں تو لنگڑے لولے ہر قسم کے سوار بھرتی تھے۔ جنہیں قافیہ کی خبر۔ نہ ردیف کی سُدھ۔ خوبیٔ مضمون سے بحث نہ موزونیت سے لینا +

ہاں **گلستانِ سخن**۔ **گلشنِ بیخار** اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ دونوں تذکرے مجھے پسند آئے اور دل سے پسند آئے۔ ارکانِ تذکرہ نویسی سے مالامال۔ محققانہ پابندی سے اپنے مدوّنوں کا کمال دکھا رہے تھے۔ لیکن گلستانِ سخن نے جس کی تدوین مولانا امام بخش **صہبائی** نے کی۔ اور مرزا قادر بخش **صابر** نے اپنے نام سے چھپوایا۔ دہلی سے آگے قدم بڑھانے کو عار سمجھا۔ لفظ صابر کی رعایت سے اس نے شاہجہانی شہر پناہ کے اندر کی زمین کو زمین اور اُس کے اوپر کے آسمان کو آسمان جانا۔ صرف سرو قدانِ دہلی سے کام رکھا۔ باہر کے لہلہاتے ہوئے شمشادوں کو وہیں کا وہیں کھڑا رہنے دیا۔ البتہ دوسرے گلشنِ سدابہار نے خاص خاص رنگ کے پھول چُنے اور ان کے گلدستے بنائے۔ مگر پھر بھی چمنستانِ سخن کے صدہا خوشنما پھول گلچیں کی مہربانی یا تغافل (جو چاہو اس کا نام رکھ لو) کی بدولت اپنی شاخوں پر پژمردہ ہو کر رہ گئے +

متاخرین میں سخن شعرا کا پایہ بڑھ جاتا۔ اگر وہ غلط بیانی اور ذاتی تعریف پر دہ جھک پڑتا +

کہ اس مجموعہ میں بعض مندرجات نقادانِ سخن اور مبصران کلام جدید وکہن کی نظروں میں کھٹکیں۔ مگران کی ذات بابرکات سے اُمید ہے کہ وہ میری اُس حالت پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ منصفانہ نظر ڈال کر ان لغزشوں اور کوتاہیوں کو راقم کی کم مائگی پر محمول فرماکر طبع ثانی کے موقع تک اُن نقائص سے آگاہ فرمائینگے تاکہ اس کا دوسرا ڈیشن حسب دلخواہ ہوسکے۔

کیونکہ میں نے اس تذکرہ کے لکھنے میں بہم رسانی حالات۔ فراہمی کلام گم شدہ ازیاد رفتہ سے ہی سترہ برس تک سروکار نہیں رکھا۔ بلکہ جہاں تک بنا ہے۔ اُن ڈانواں ڈول طبیعتوں کو اُبھار دیا جو موجودہ زمانے کی تیز رفتاری سے ٹھوکریں کھا کھاکر گر رہی تھیں۔ اُن فسردہ اور ٹھٹھرے ہوئے دلوں کو گرمایا ہے جو زمانہ کی سرد مہری اور ناگزیر صدموں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دم واپسیں سے کشمکش کرنے والوں۔ بستر مرگ پر دم توڑنے والوں کے سرہانے جاجاکر بیٹھا۔ تذکرہ کا ذکر چھیڑ کر اپنی طرف مخاطب کیا۔ جن جوہر نایاب کے اُن کے ساتھ دفن ہوجانے میں ذرا شبہ نہ تھا۔ دم دلاسا دیکر اُن کے سینوں کے گنجینوں سے اکثر ایسے بے بہا لعل اور دُر شاہوار جن کی چمک کے آگے چاند ماند اور آفتاب بے آب وتاب تھا۔ نکال کر لایا۔ اکثر سخن سنجوں کو یہ سمجھایا کہ اس سے تمہاری زندگی ہمیشہ قائم رہیگی۔ لوگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم دلوں میں رہوگے۔ سخن فہم تمہارے اشعار سے حظ اُٹھائینگے اور ہمیشہ دعاے خیر سے یاد رکھینگے۔ گو زمانے کی ناموافقت نے اُنہیں خاک میں ملا رکھا تھا۔ اور اُنہوں نے مجبوراً ان جگر گوشوں کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن اس خوشہ چین ارباب سخن نے بہم پہنچاکر آنکھوں سے دھویا۔ پلکوں سے بُرش کیا اور مبصران سخن کو دکھایا۔ جنہوں نے اس تلاش وجستجو کی داد دی اور سچی قدردانی سے حوصلہ بڑھایا ۔

میں اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ مجھ اکیلے کا انتخاب۔ ذاتی پسند شخصی مذاق اس قابل ہو کہ ہر رنگ میں اپنا رنگ پیدا کردے اور سب کو اپنا سا بنالے۔ لہذا اس

پیشکش کرنے سے اُن کے دل کی شگفتگی اور قبولیت کا فخر حاصل کروں۔ جس طرح گلدستہ کی تہ جمانے کے واسطے طرح طرح کی پتیاں اور اُس کے دلاویز بنانے کے لئے رنگ برنگ کے پھول قرینے سے لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ اس مجموعۂ کلام و مجمع اہلِ کلام میں مختلف مذاق۔ مختلف خیال۔ مختلف انداز پائینگے۔ کہیں طرزِ جدید۔ کہیں طرزِ قدیم کے سخن سنجوں سے ملاقات فرمائینگے۔ یہ وہ محفل ہے کہ اس میں سلطان ابن السلطان۔ خاقان ابن الخاقان۔ امیر سے امیر اور غریب سے غریب موزوں طبع۔ فصیح الکلام کا پہلو دباتے نظر آئینگے۔ اگرچہ میں اس بات کو دل سے مانتا اور انصاف سے جانتا ہوں کہ تاریخ نویسی کی نسبت تذکرہ نگاری ایک بڑے دماغ۔ بڑی تلاش۔ طبع نقاد اور ذہن وقاد کا کام ہے جملہ شعرائے ماضی و حال کا بتمامہ حال لکھنا۔ کیا بقید ولدیت وسکونت۔ کیا بہ تخصیص اُستاد یا ولادت وممات سخت دشوار امر ہے اور خاصکر زمانۂ حال کی شاعری کہ طوائف الملوکی سے کم درجہ نہیں رکھتی اور ہر شخص بہ زعم خود اُستاد ہے۔ ایسی صورت میں شعرائے حال کا حصر محالات سے تھا۔ اساتذہ نے بہت سے تذکرے لکھے اور لکھینگے۔ لیکن ہر شخص کا مذاق جدا۔ کوئی بال کی کھال کھینچنی پسند کرتا۔ کوئی نکتہ چینی کو اپنا فرض جانتا ہے۔ کوئی بالغ نظری پر گرا ہؤا ہے۔ کوئی معاملہ بندی پر جھکا ہؤا ہے۔ کوئی محاورہ بندی کا دلدادہ ہے۔ کوئی روزمرہ پر فریفتہ۔ کسی کو سادگی پسند ہے۔ کسی کو لفاظی۔ کوئی مراعات ومناسبات لفظی کا پابند ہے۔ کوئی تماثیل ونظائر کا دلبستہ۔ کوئی بلاغت پسند ہے۔ کوئی فصاحت طلب۔ مگر میں اَور ہی باتوں کا دیکھنے والا ہوں۔ میرے نزدیک جس کلام سے دل پر چوٹ لگے۔ جس بات سے سوتا ہؤا چونک پڑے۔ جو نصیحت دل میں گھر کرے۔ جو ذکر نمونہ بننے کا سبق دے۔ جو حکایت شکایت سے بچائے۔ وہی غذائے رُوح اور حظِ نفس ہے لیکن ہمیں پھر بھی اس تذکرہ کی خوش اسلوبیوں پر ناز زیبا نہیں۔ جس طرح ہر گل کے ساتھ خار لازم اور ہر ایک پنکھڑی کے ساتھ کچھ نہ کچھ خلش مستلزم ہے۔ پس ممکن ہے

اس تذکرہ میں صرف متوجہ یا اب تک شائع شدہ تذکروں ہی سے مدنہیں لی۔ بلکہ چند غیر مطبوعہ قلمی تذکرے بھی ایسے بہم پہنچے جو اُن تذکرہ نگاروں کے وارثوں یا شوقینوں کے کتب خانوں میں محفوظ تھے۔

جن جن تذکروں سے ہم نے مدد لی۔ اُن کے نام نامی ذیل میں درج ہیں :-
گلستان سخن۔ گلشن بیخار۔ نغمۂ عندلیب۔ انتخاب یادگار۔ سخن شعرا۔ سراپا سخن۔ آبحیات۔ شمیم سخن۔ تذکرہ شعرائے دکن۔ طبقات الشعرائے شوق۔ تذکرہ قاسم۔ تذکرہ مصحفی۔ تذکرہ میر للل۔ شمع سخن۔ مجموعۂ یوسفی۔ ریاض فردوس۔ تذکرہ نواب کلب حسین نادر۔ طورِ کلیم۔ طرازِ عشق۔ غنچۂ ارم۔ تذکرہ شبستان عالمگیری۔ آثار الشعراء۔ چمنستان کشمیر۔ مجموعۂ سخن۔ تذکرہ شعرائے پٹنہ۔ تذکرہ لطف۔ جلوۂ خضر۔ نکات الشعرا۔ فرح بخش۔ طبقات الشعراء جسے ڈاکٹر فیلن صاحب نے فرنچ زبان سے گارسن ڈی ٹیسی کے تذکرہ سے اُردو میں ترجمہ کرایا اور مولوی کریم الدین نے اُس میں اپنے وقت کے شعراء کو بڑھا کر قبل از غدر چھاپا۔ تذکرہ شعرائے ہنود۔ تذکرہ شعرائے بدایوں۔ بریلی۔ تذکرہ شعرائے ٹونک۔ تذکرۂ ضیغم۔ تذکرۂ مولوی مظہر الحق۔ غرض ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

ان کے علاوہ سینکڑوں قلمی بیاضوں۔ کچکولوں۔ اگلے پچھلے گلدستوں۔ رسالوں۔ قلمی و مطبوعہ دیوانوں۔ نامی اخباروں۔ غیر مشہور قلمی دیوانوں سے بھی بہت کچھ سامان حاصل کیا۔ اور اپنے وقت کے موجودہ شعراء میں خاص خاص شعراء سے خط و کتابت کرکے اُن کا کلام اور اُن کے حالات منگوائے۔ بعض مرحوموں کے دیوان اپنے صرف سے چھپوائے۔ صدہا اصحاب سے وعدے لیئے کہ ہم اپنا اور اپنے بزرگوں کا کلام تذکرہ کے لئے دینگے۔ لیکن ۹۵ فیصدی صورتوں میں وہ "کل" کے وعدے آج تک پورے ہوتے ہیں۔ فقط کلام اور حالات کے فراہم کرنے اور بہم پہنچانے پر ہی جس کی اکثر تذکروں میں کمی ہے زور

کے انتخاب اور اقتباس میں یہ التزام رکھا کہ متقدمین کا کلام ہو یا متاخرین کا۔ طرز قدیم کے وابستہ ہوں یا طرز جدید کے ہوا خواہ۔ ان کی طبیعتوں کا اصلی میلان۔ ان کے دلوں کا رُجحان۔ بلند پروازیوں کا رنگ جوں کا توں قائم ہے۔

"نہ تو میں شاعر کہ شعراء کے کسی زمرہ میں شامل ہو کر دھڑے بندی یا طرفداری سے کام رکھوں۔ یا حریفانہ دل آزاری سے اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ نہ میں کسی خاص ٹکسالی شہر کی محبت کا گرفتار کہ ہر طرح سے اُسی کو ترجیح دئے جاؤں۔ مجھے اپنے وطن اور غیر وطن کی تخصیص منظور نہیں۔ فرخ آبادی روپیہ ہو یا نہ ہو۔ سچّے کھرے روپے سے کام ہے وہ جے پوری ہوا خواہ جودھپور کا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کن اُستادوں کے نام لیوا ہیں اور کن شہروں کے بسنیا۔ میں ایک ادنےٰ سا خوش کلاموں کے کلام کا جامع اور اُن کی مختلف طبائع کا مدّاح ہوں۔ حسد میرے پاس نہ میں حسد کا رُوشناس۔ جو لوگ کچھ بھی شاعر کہلانے کا استحقاق رکھتے تھے۔ اُنہیں کو ہزار داستان کے مشاعرہ میں جگہ دی۔ اور اُنہیں کے آگے شمع مشاعرہ لئے پھرا۔ تک بندوں سے ملا اور نہ اُن کے کلام سے اس مجلس مشاعرہ کو بھرا۔ کس لئے کہ تک بندی کا نام شاعری نہیں۔

اور ہمارے تذکرے کو دو مصرعی شاعروں سے واسطہ نہیں۔ بہت سے اصحاب صرف تذکرہ کے شاعر ہیں۔ مگر اشعار کہنے کے شاغل نہیں۔ ہمیں فہرست کو طوالت دینا مقصود نہیں۔ اس انتخاب کی حالت میں بھی جو سات سو صفحوں کی اوّل جلد ناظرین باتمکین کی پیش نظر ہے۔ گویا اس خمخانۂ جاوید کے پانچ دوروں میں سے ایک دور۔ یا پانچ کنٹروں میں سے ایک ساغر ہے۔ اسی سے صاحب نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کے مدوّن نے نازک مزاجی یا استخراج وتخریج سے واسطہ نہیں رکھا۔ ہاں بعض جگہ معمولی شعراء کے بعض اشعار کی خوبی نے جو ہمارے نزدیک کسی حالت میں بھی مسلّم الثبوت اُستادوں کے کلام سے گرے ہوئے نہ تھے۔ ہمارے قلم کو نہیں روکا۔

اُستادانِ دہلی میں اکثر کے کلام نہ تو اُن کے خاندان والوں نے جمع کرائے۔ اور نہ جن لوگوں کے ہاتھ دستبردِ زمانہ سے لگے۔ اُنہیں یہ بات گوارا تھی۔ مگر میری نظر سے وہ گزرے اُن کا انتخاب کیا اور بہت سا کلام ایسے لوگوں کے عزیزوں سے سُن سُن کر لکھا جب مختلف لوگوں سے بھی اُس کی تصدیق ہوگئی تو درج تذکرہ کیا۔ مشہور و مستند شعرا کے شاگردوں اور رشید تلمیذوں کے حالات سے بھی پہلوتہی نہیں کی۔ بلکہ کوئی تاریخی واقعہ اُن سے متعلق ہُوا تو اُسے بھی بخوشی تذکرہ میں جگہ دی + زمانہ جس عاشقانہ روش پر چل رہا ہے۔ اُس سے کوئی بے خبر نہیں۔ بچے بچے کے دل میں عشق و محبت کا بیج بوتا چلا جاتا ہے۔ موزونیِ طبع اور تک بندی گھٹی میں پڑگئی ہے۔ سریلی آواز ہو یا نہ ہو مگر بھیرویں لے نے آدھا گویّا بنا دیا ہے۔ جو گاتے گاتے ایک دن کلاونت ضرور ہو جائیگا۔ بس ان تمنائی اُمنگوں کا توڑنا اور اُنہیں مایوس کر دینا میری طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ جس طرح مجھے اپنے ذاتی مذاقِ سخن کا خیال رہا۔ اسی طرح میں نے پابندی کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ رکھا کہ شعرائے قدیم و جدید کے نتائجِ افکار کو جنہیں اُنہوں نے خونِ جگر کھا کر ملک کی تفریح و دلبستگی کے واسطے تیار کیا تھا۔ بقائے نام و یادگارِ دوام کے واسطے قائم و برقرار رکھوں +

گو کسی تذکرہ نویس نے اس فن کو شاخِ تاریخ قرار نہیں دیا۔ بطور بیاض یا کچکول جس طرح چاہا۔ اُن کے حالات اور کلام کو لکھ لیا۔ لیکن اس وقت کہ زبانِ اُردو منجھدھار میں غوطے کھا رہی ہے۔ یہ بھی بسا غنیمت ہُوا کہ پچھلے حالات کی جستجو کے لئے بنیاد پڑگئی۔ اور آئندہ کے لئے اساس اُٹھانے کی آس بندھی۔ ہمارا تذکرہ اس حالت میں بھی ایسے لوگوں کا ممنون اور اُن کا خوشہ چیں ہے۔ گو اُنہوں نے بپاس حسد یا بلحاظِ رشک سچے حالات لکھنے سے گریز کی۔ یا اپنے کمال کے آگے اوروں کے کمال کی حقیقت نہ سمجھی۔ البتہ عبارت آرائی میں آسمان زمین کے قلابے ملا دیئے۔ کالے کوسوں کے رہنے والے۔ فرانس کے باشندے گارسن ڈی ٹیسی نے فرانس میں بیٹھے ہوئے انہیں تذکروں اور اپنے ایجنٹوں کی تحقیقات

نہیں دیا بلکہ جہاں تک ممکن ہؤا۔ بقید سن و سال درج تذکرہ کیا تاکہ ہر زمانے کے شعراء کی زبان اُن کے خیالات کا فرق۔ زبان کی ترقی و تنزل کا بخوبی پتہ لگ جائے +

اگرچہ آجکل کے لوگوں کا دماغ اَور ہی خیالات اور مصروفیت کا رُخ لئے ہوئے ہے۔ جو تغزل اور شاعری کے بالکل برخلاف ہے اور ایک نہ ایک زمانے میں یہ رنگ بالکل بدل جائیگا۔ مگر ایسی صورت میں بھی ہمارا تذکرہ گراموفون کا کام دیگا۔ جو زبان۔ جو آوازیں جو راگ۔ جو لہجے ان صندوقچوں میں محفوظ ملینگے وہ ہمیشہ اپنے اپنے وقت کا راگ گائینگے۔ اور مصلحان زبان کو پکار پکار کر رستہ بتائینگے۔ اس برق رفتار تبدیلی کے زمانے میں اور نئی روشنی کے شور و شغب کے سامنے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ گراموفون جس میں گلشن سخن کے نوا سنجوں کے رنگا رنگ ترانے بھرے ہوئے ہیں ایک آوازِ بے ہنگام ٹھیرے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ عین اس وقت جبکہ ہماری تہذیب اور تمدن کا ہر صیغہ معرض تغیر میں ہے تو اُنکے ساتھ ساتھ زبان اور فن شاعری بھی ہلچل میں ہے۔ موقع ہے کہ پُرانی آوازوں کو جنہیں زمانہ عنقریب بُھلا دیگا۔ ایک مجموعی اور یادگاری حیثیت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔ پس یہ خمخانۂ جاوید جو سرستان ازل کا اکھاڑا ہے۔ ابد تک زبان و اہل زبان کو اپنی مستانہ آواز سناتا اور غفلت کے ماتوں کو جگاتا رہیگا +

ہم نے کسی شاعر پر چوٹ کرنا خود چوٹ کھانے سے کم نہ سمجھا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے رنگ اور اپنی اپنی حالت میں اچھا جانا ہے جس طرح کوئی مخلوق بیکار نہیں اسی طرح کوئی تصور کوئی مضمون خالی از اسرار نہیں۔ بقول غالب ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

ہم نے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ جن کے دیوان ابھی تک نہیں چھپے۔ ان کا کلام زیادہ لیا ہے۔ تاکہ اُن کو اپنی جوہر نمائی کا موقع از سرِ نو مل جائے اور تلافی مافات ہو سکے +

ممدوح نے جلد اوّل کے ابتدائی اجزا کی نظر ثانی کی اور ضروری مشوروں سے امداد دی ۔

ان کے بعد صاحب عالم مرزا محمد احمد الدین شاہی گورگانی جنہیں اب مرحوم اور مغفور کہتے سخت افسوس ہوتا ہے۔ آپ نے اکثر حضرات خاندان شاہی دہلی کے حالات اور بالخصوص مرزا ارشد کے سوانحات زندگی بہ تصریح ارقام فرمائے۔ اور ہمیشہ اس کام سے دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ آپ نے ایک چند روزہ علالت کے بعد عین ہنگام اشاعت تذکرہ میں انتقال کیا۔ صاحب عالم مغفور آخری تاجدار ہند بہادر شاہ کے نبیرہ اور مرزا مغل مرحوم کے فرزند تھے ۔

مشفقی و مکرمی شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لا کو بھی ہمیشہ اس علمی خدمت سے خاص دلبستگی رہی اور اس کی اشاعت کے متعلق وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے راقم کی امداد کرتے رہے ۔

اسی طرح میرے محب بے ریا مخلص باوفا سیٹھ کیخسرو سوراب جی جو پارسی نژاد ہونے کے باوصف ہماری مادری زبان سے ایک خاص مذاق رکھتے ہیں۔ میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی۔ اُن کی اس عنایت کا نہ صرف مجھے بلکہ تمام ہوا خواہان اُردو کو شکرگزار ہونا چاہیئے ۔

محبی پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی بھی ہمیشہ تذکرہ کی عام ترتیب اور انتظام اشاعت میں معقول امداد دیتے رہے ۔

آخر میں اپنے محب صادق اور مخلص گرامی نواب ذوالفقار علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا خاص طور پر ممنون ہوں جنہوں نے دوران اشاعت تذکرہ میں انتہا درجے کے خلوص اور نوازش کا اظہار فرمایا۔ اور اس علمی کام کی نسبت اظہار پسندیدگی

سے فضیح زبان میں ایسا با اصول تذکرہ لکھا کہ ہر ایک ملک والے کو پسند آیا اور کئی زبانوں میں اُس کا ترجمہ ہوا ۔

مجھے افسوس ہے تو اس کا کہ ہم لوگ اپنے ملک میں رہ کر وہ کام نہیں کر سکتے۔ جو ہزاروں کوس کے رہنے والے ہم سے بہتر اور صحیح کر گذرتے ہیں۔ میں اس تذکرہ کو آئندہ نسلوں کے واسطے ایک ذخیرہ سمجھ کر اب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور بشرط حیات مستعار آئندہ بھی اضافہ کے ساتھ طبع کراتا رہونگا ۔

یہ مثل سچ ہے کہ خدا تعالےٰ کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا۔ پس میری محنت بھی ٹھکانے لگی۔ اور ایسی صورت سے ٹھکانے لگی کہ اس کا فخر مجھ کو۔ میرے خاندان کو۔ میرے احباب کو بلکہ ہزارداستان کے تمام موجودہ وازجہاں رفتہ ندیموں۔ جلیسوں۔ ہمنشینوں کو تا قیام تذکرہ وہ شرف وافتخار حاصل رہیگا جس کی تمنا میں لوگ عمریں گنوا دیتے ہیں اور میسّر نہیں ہوتا۔ بھلا وہ کونسا فخر ہے وہ یہی فخر ہے کہ ہمارے ہندوستان کی شاہی زبان کے حامی۔ اُردو کے پورے پورے سرپرست۔ اہل سخن کے قدر دان۔ سخن سنج۔ سخن گو۔ سخن شناس۔ سخن فہم۔ اعلےٰ حضرت۔ والا شوکت بندگان عالی متعالی سپہ سالار مظفر الممالک۔ فتح جنگ ہزہائنس میر **محبوب علی خاں** بہادر نظام الملک آصف جاہ سادس جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ نے اپنی کمال قدردانی و جوہر شناسی سے اپنے نام نامی کے ساتھ اس کا معنون ہونا منظور فرمایا۔ نہیں نہیں بلکہ دیگر ہوا خواہانِ اُردو کا دل بڑھایا ۔

آخر میں میں اُن دوستوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے ترتیب تذکرہ میں شعرا کے حالات اور کلام کی فراہمی سے امداد کی۔ ان میں سب سے اول نمبر پر اُردو زبان کے فدائی اور اُس کے استقلال و قیام پر اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کرنیوالے منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وظیفہ خوار نظام قابل تذکرہ ہیں منشی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرۂ ہزار داستاں

معروف بہ

خمخانۂ جاوید
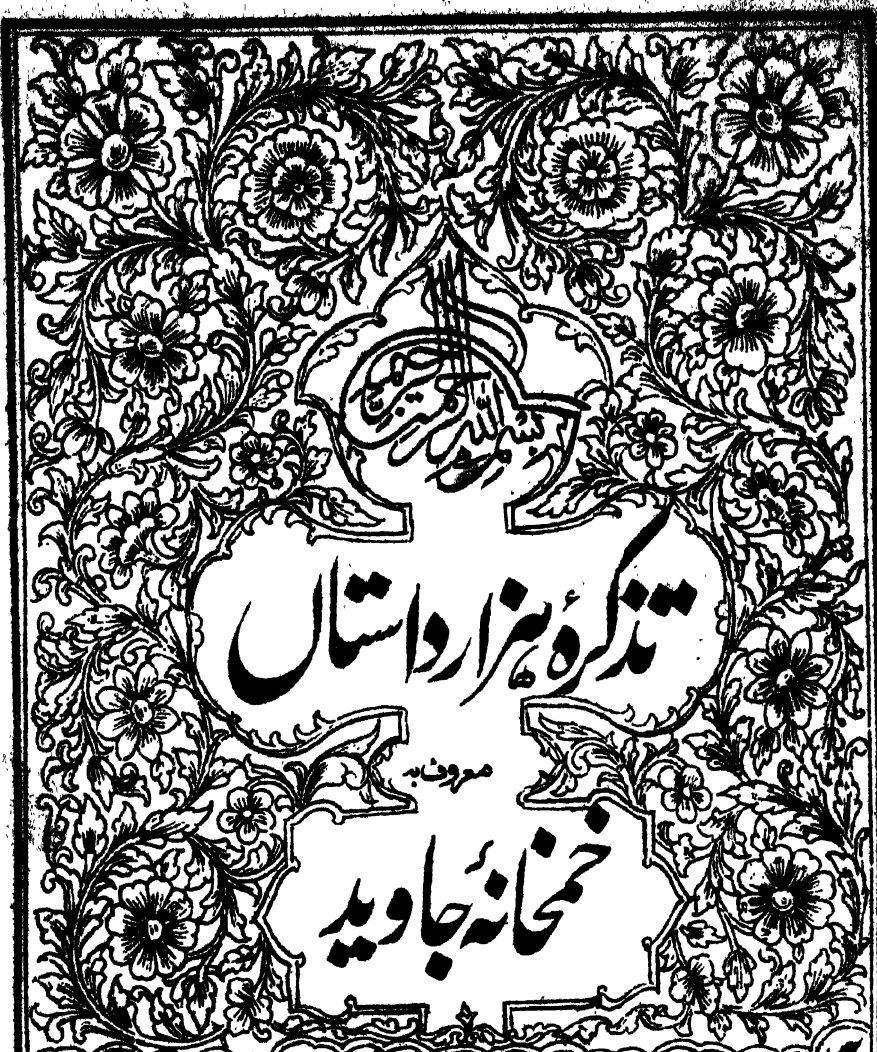
آباد

آباد۔ مرزا مہدی حسن خاں خلف مرزا غلام جعفر خاں لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شیخ ناسخ کے نامی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں سنہ ۱۲۲۸ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگ لکھنؤ کے عمائدین میں سمجھے جاتے تھے۔ نواب فرخ آباد کے قریبی رشتہ دار تھے۔ تمام عمر لکھنؤ میں رہے اور اپنی عمر فراغ بالی سے بسر کی۔ اگلے لوگوں کی طرح وضعداری کے پابند اور مجالس مشاعرہ کے ازبس دلدادہ تھے۔ وضعداری جو پُرانے لوگوں کا عام شیوہ تھا ان کا خاص شعار تھا۔ چنانچہ آجتک مشہور ہے۔ کہ آپ مشاعروں میں نہایت پابندی سے شریک ہوتے۔ اور حتی الامکان کوئی جلسہ غزل خوانی سے ناغہ نہ ہونے دیتے تھے ان کی پُرگوئی بھی شہرت رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک تذکرہ نویس نے تو یہانتک غلو کو کام فرمایا ہے

سے راقم کا حوصلہ بڑھایا ۔ فقط

لاہور ۔ ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء } خادم انام گمنام سریرام دہلوی

وار ہیں بعد فنا قبر میں آنکھیں آباد — حشر تک حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

ہجر میں اے رشکِ شیریں جان شیریں تلخ ہے — کام نالے کر رہے ہیں تیشۂ فرہاد کا

روشنی پائی سخاوت سے جہاں میں نام ہے — ہر درم گویا چراغِ مرقدِ حاتم ہوا

بگڑ گیا جو نکلتے ہی روح کا نقشہ — طلسم تھا کوئی یا اپنا خانۂ تن تھا

جب ہوئے برباد اسے آباد تب پایا پتا — بے نشاں ہو کر ملا ہم کو نشانِ کوئے دوست

ترے غم میں گریباں گیر ایسی ناتوانی ہے — کہ گر پڑتا ہوں ساتھ اشکوں کے میں بھی اپنے دامن تک

ہاتھ کیا اس نے اٹھایا سینکڑوں بسمل ہوئے — دے رہا ہے عاشقوں کو موت کا پیغام رقص

ممکن نہیں کسی کا رہے برقرار رنگ — ہے مثلِ گل جہان کا ناپائدار رنگ

اے گل ذرا شبابِ دوروزہ کی قدر کر — کس پھول کا ہمیشہ رہا برقرار رنگ

فقط امید ہے بخشش کی تیری رحمت سے — وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں

جو تم کو انس ہے آباد کو محبت ہے — تمہیں نہیں تو اسے بھی تمہاری چاہ نہیں

مثالِ چرخِ گرداں جن کے لاکھوں قصرِ عالی تھے — اب اُن کی خاک اُڑتی پھرتی ہے دشت و بیاباں میں

قیامِ زندگی بحرِ فنا میں غیر ممکن ہے — یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

ہے رنگ کب گلوں میں جو ہے روئے یار میں — اک عندلیب کیا ہے میں کہہ دوں ہزار میں

کوئے صنم سے دیکھئے آتی ہے پھر کے کب — اپنی نظر کے آپ ہیں ہم انتظار میں

محوِ جمالِ یار نہیں مجھ سا دوسرا — جھپکی نہ تا بہ زیست پلک انتظار میں

خوں گرفتہ نہ کوئی عشق میں ہم سا ہوگا — دم بدم منتِ جلاد کیا کرتے ہیں

پس از مردن بھی مجھ سے دشمنی ہے شوخ بدظن کو — مرے مرقد سے جاتا ہے اُٹھائے اپنے دامن کو

جہاں تک ہو سکا اپنی زباں سے اس سے کہہ گذرے — جتائی بات ہم نے دوستی کی اپنے دشمن کو

دل لگانے میں تو ہے جور اُٹھانے کا مزہ — لطف کیا ہے کہ جو معشوق ستمگار نہ ہو

لطف جینے کا یہ ہے جان کسی پر نکلے — نہ جیئے وہ جسے مرنے سے سروکار نہ ہو

کہ عروض کے ہر ایک بحر میں ان کا ایک ایک دیوان ہے بہرحال دو اور بقول بعض اس سے زیادہ دیوان اور ایک مثنوی - تین واسوخت ان کی یادگار ہیں - جن میں سے ایک دیوان موسوم بہ نگارستان عشق ۱۲۶۲ھ ہجری میں لکھنؤ کے مرتضوی مطبع میں شایع ہُوا تھا - اب یہ بھی کمیاب ہے - مگر ان کی مستقل یادگار بہارستان سخن سے قایم ہوئی جس میں ناسخ آتش کے بالمقابل ہم طرح غزلیں درج ہیں - یہ مجموعہ بیشک ملتا ہے - حق یہ ہے کہ گو ان کا کلام اُن دونوں اُستادوں کے پایہ کو نہیں پہنچا مگر تاہم بجائے خود قادر الکلامی کا پتہ دیتا ہے - اگرچہ ان کی طبیعت بھی استعارہ پسندی سے (جو اس زمانہ میں عام رواج تھا) خالی نہیں مگر اِس کے سوا کہیں کہیں اخلاقی اشعار بھی لطافت طبع کی جھلک دکھا رہے ہیں - چھوٹی بحروں میں اکثر زور فکر لائق تحسین ہے - واسوخت بھی اپنے رنگ میں بہت مقبول اور معاملہ بندی کا پہلو لئے ہوئے ہے - مگر محاورات سے اس نے بھی پہلوتہی کی ہے - نمونۂ کلام بطور انتخاب ذیل میں درج ہے :-

واللہ کیا ہے حُسن بتوں کے غرور کا
بندوں کو شک ہُوا ہے خدا کے ظہور کا

شعبدے دکھلائے حسنِ یار نے ہر دم نئے
سامنے آنکھوں کے یہاں کیا کیا تماشا ہو گیا

کوئی ثروت میں بھی ایذائے غربت دل سے جاتی ہے
نہ بھولا تخت پر یوسف کو صدمہ چاہِ کنعاں کا

پائے گا اک دن کمالِ سربلندی شکلِ بدر
ماہِ نو کی طرح جو بہرِ تواضع خم ہُوا

فوراً تڑپ کے حرف سے ہر حرف ہو جُدا
لکھ دوں جو خط میں حال کبھی اضطراب کا

سیلابِ اشک سے نہ فقط ہر مکاں گرا
کرّوبیوں میں غُل ہے کہ اب آسماں گرا

بلبل ہوں ایسے گلشنِ نازک بہار کا
موجِ شمیمِ گل سے میرا آشیاں گرا

اتنا بھی نہ رہ محفلِ ہستی میں تو بدمست
دُور آنکھوں سے کرشمہ مئے بے خبری کا

جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا
جیتے جی میں گلشنِ جنت میں داخل ہو گیا

تیری آنکھوں کی فسوں کاری جو دیکھی اے پری
کچھ نہ بولا سامری پر دل میں قائل ہو گیا

قیامت آئے اُٹھے روئے یار سے پردہ	خدا وہ صبح دکھائے کہ جسکی شام نہیں
سمندِ عمر کو آباد روکے کیوں عکر	زیادہ اس سے کوئی رخش تیز گام نہیں

آباد

(آباد) ان کا نام یعقوب علی تھا - اور والد کا اسحاق خاں - دہلی شاہ جہاں آباد کے قدیم باشندے تھے - نہایت خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے - مگر افسوس ہے کہ اِس حُسن صورت پر حُسن سیرت کا شفاف آئینہ زنگ آلود تھا - گو طبیعت کی اس ناہمواری نے پڑھنے لکھنے پر اچھی طرح دل نہ جمنے دیا مگر موزونی طبع نے درس گاہ سخن میں ضرور داخل کر دیا جس کی بدولت سلک نظم میں کہیں کہیں ان کے اشعار کے موتی اپنی چمک دکھا رہے ہیں - عمر کا ٹھیک حال معلوم نہیں لیکن یہ سنتے ہیں کہ ۵۷ء کے غدر میں جوان تھے - اگرچہ ان کے چند اشعار سے پُورا پُورا طبیعت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا مگر صاف گوئی میں شبہ نہیں - چنانچہ اس شعر میں اپنی بد صحبتوں کا خود مستاقانہ اقرار کرتے ہیں ؎

ان خراباتیوں کی صحبت نے	تجھ کو آباد کیا خراب کیا

اشعار ذیل ان کی زندہ یادگار ہیں :-

اُس کے قامت کی یاد میں ہم نے	مصرعِ سرو انتخاب کیا
تو نے دریا میں اک نگاہ کے ساتھ	قطرۂ آب کو شراب کیا
اِن خراباتیوں کی صحبت نے	تجھ کو آباد کیا خراب کیا

آباد

(آباد) منشی سید تہذیب حسین - بریلی کالج میں تعلیم پائی ہے - ایام طالب علمی کی کلام سے چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوتے ہیں :-

عاجز ہم آ گئے فلکِ بد شعار سے	جائیں گے اب وہاں کہ جہاں آسماں نہ ہو
یہ تھی آرزو وقتِ رحلت ہماری	بنے اس کے کوچے میں تربت ہماری
ترے ہجر میں نیم جاں ہو رہے ہیں	تأسف کے قابل ہے حالت ہماری

تجھ کو جو دیکھے خراماں وہ نہ آسکے آپ میں
دل کو وارفتہ کرے وہ طور ہیں رفتار کے

کب دیکھیں چھڑاتا ہے خدا قیدِ الم سے
الجھے ہوئے ہیں سلسلۂ زلفِ صنم سے

کچھ پوچھ نہ حال خرد و صبر کو اے عشق
مدت ہوئی ان دونو کو چھوٹے ہوئے ہم سے

دل کرے گا نہ خیالِ رخِ جاناں خالی
کبھی اس گھر کو نہ چھوڑے گا یہ مہماں خالی

ہے تماشہ کی جگہ عالمِ اسباب سب مجھے
بخت بیدار دکھاتا ہے نئے خواب مجھے

اب بھی منظورِ نظر ہونے کے قابل کیا نہیں
پس کے دل سرمہ ہوا طرزِ خرام یار سے

ابرِ غم میں گھر گئے آباد زلفیں دیکھ کر
بجلیاں دل پر گریں برقِ نگاہِ یار سے

بھلا دیکھیں گے کیونکر غیر اس کو
مری آنکھوں کے پردے میں نہاں ہے

سینکڑوں ہی کشتۂ رفتارِ جاناں ہو گئے
پاؤں رکھا جس جگہ گنجِ شہیداں ہو گئے

اُمید قطع ہوئی پرزے ہو گئے دل کے
پیامبر کا سر آیا جواب کے بدلے

آباد

(آباد) شیخ علی باقر ساکن عظیم آباد سنہ ۱۳۲۲ ہجری میں ان کا دیوان بھی چھپ گیا ہے۔ چند سال ہوئے کہ انتقال فرمایا۔ خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ شعر خاصا کہتے تھے۔ کلام مغلق الفاظ سے پاک سیدھا سادا اور دل گداز ہے۔ بطور یادگار چند اشعار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں :۔

قتل کرتا ہے شوق ہی دل کا
مفت میں نام بد ہے قاتل کا

صاف کہتا ہے حالِ دشمن و دوست
دل ہے آئینہ حق و باطل کا

میری آنکھوں سے دیکھ اے مجنوں
پردہ اٹھا ہوا ہے محمل کا

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں

گلوں کو کہتی ہے چونکا کے یوں نسیم سحر
چلے چلو کہ ٹھہرنے کا یہ مقام نہیں

خدا کی یاد میں حوروں کی یاد اے واعظ
نگاہ غیر پہ کرنا۔ یہ کیا حرام نہیں

گلے پہ چلنے دو رک کر کے تیغِ قاتل کو
مقامِ صبر ہے عجلت کا یہ مقام نہیں

سے ہرگز بے بہرہ نہ تھے۔ اپنی خوش خلقی اور نیکدلی سے دلوں کو تسخیر کر رکھا تھا۔ اپنے زمانہ کے لوگوں میں ہر دلعزیز تھے۔ اگرچہ اُن کے کلام میں پُرانے محاورے اور اس وقت کے متروک الفاظ بکثرت ہیں۔ مگر جن اشعار کو اس وقت کی ہوا نہیں لگی وہ بالکل اس زمانہ کے موافق ہیں اور ہُو بہُو آج کل کے روزمرہ کا لطف دے رہے ہیں لہذا ناظرین تذکرہ کو دونو چاشنیوں کا لطف چکھایا جاتا ہے +

چھوڑ مت دام زلف سے دل کو
بال باندھا غلام ہے تیرا

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہُوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہُوا

اندازے سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال اپنی حد سے بڑھا سو مسا ہُوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جُگ بیتا

لگا دل یار میں تب اس کو کیا کام آبرو ہم سے
کہ زخمی عشق کا پھر مانگ کر پانی نہیں پیتا

نین سے نین جب ملائے گیا
دل کے اندر مرے سمائے گیا

یہ رسم ظالمی کی دستور ہے کہاں کا
دل چھین کر ہمارا دشمن ہُوا ہے جاں کا

بوسہ لباں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس گلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

گرچہ قائل ہوں سجن تیری کمر معدوم کا
لیک مشکل ہے بیاں اس رمز نامعلوم کا

رو رو کے بے وفا کو کیا آشنا کیا ہے
دیکھو تو آبرو نے کس گھاٹ لا اوتارا

بوالہوس کو ہُوا ہے تب سے دماغ
جب سے تم نے اُسے بلا بھیجا

دل تو دیکھو آدمِ بے باک کا
عشق سے بھرتا ہے پُتلا خاک کا

کیوں چھُپا ظلمت میں گر اس لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

آبرو کے قتل کو حاضر ہوئے کس کر کمر
خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھکر

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

حسینوں پہ آبا د مائل نہ ہونا	یہ تم یاد رکھنا نصیحت ہماری

آبرو

(آبرو) شاہ نجم الدین عرف شاہ مبارک۔ ان کا نسبی سلسلہ ایک مشہور بزرگ شاہ محمد غوث گوالیاری سے ملتا ہے۔ آپ عالم شباب میں دہلی چلے آئے اور یہیں رہ کر مشق سخن سے اپنے ریختے کی بنیاد کو مستحکم کیا یہانتک کہ مسلّم الثبوت اُستاد مانے گئے طبقہ اول کے نامی شعرا میں آبرو کو نہایت آبرو کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ باوجود مشّاقی خانِ آرزو اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر نے اپنی یادگار ایک بہت بڑا دیوان چھوڑا مگر غدر کی دست بُرد نے اس مرتبہ پر پہونچا یا کہ اب وہ عنقا سے کم نہیں۔ ہاں راقم نے اپنے ایک دوست کے پاس ایک مختصر دیوان دیکھا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبع رسا کو تشبیہات و صنعت ایہام کا زیادہ شوق تھا گو ان صنعتوں کا الجھاؤ معاملہ سلجھانے میں ہارج تھا لیکن ساتھ ہی اس کے محاورہ کی گرہیں بھی لگاتے جاتے ہیں طبیعت رسا اور فکر معنی یاب تھی۔ محمد شاہی عہد کے شاعروں میں تھے۔ اُسی کس مپرسی کے زمانہ میں زندگانی کا شیریں عیش تلخی سے مبدل ہوگیا تھا +

مرزا جان جاناں مظہر - ناجی - مضمون کے معاصرین میں تھے۔ مرزا صاحب سے کبھی کبھی نوک جھوک بھی ہو جاتی تھی۔ آپ سب کو ایک آنکھ دیکھتے تھے +

حضرت کو شاہ کمال بخاری کے بیٹے پیر مکھن متخلص بہ پاکباز سے کمال اُنس تھا اپنے مرغوب الطبع دوست پیر مکھن کے نام کا سجع بھی کہا ہے گویا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے دکھایا ہے۔ وہ سجع یہ ہے :-

عالم ہمہ دوغ ست و محمدؐ مکھن

اگلے زمانے کے شرفا کی علمی تحقیقات تحصیل حاصل ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعلیم عام نہ تھی ایسی حالت میں اگر خواص بھی جاہل رہتے تو صفحۂ عالم پر عبادت گاہوں کی طرح درس گاہوں میں بھی اللہ ہی اللہ نظر آتا بس یہ کہنا بیجا نہیں کہ شاہ مبارک آبرو۔ کم از کم درسی علوم و فنون

تم اپنی بات کے ماجا ہو پیارے — کہے سے ضد تمہیں ہووے سوائی

اب تلک کھینچ کھینچ جور و جفا — ہر طرح دوستی نباہی ہے

طور کیا پوچھتے ہو کافر کا + — شوخ ہے بانکا ہے سپاہی ہے

آبرو کیوں نہ ہووے خاموش — درد کہنے کی یہاں منائی ہے

ملو جا آبرو سے خود بخود تم — کہ اُس کو تو پیارے بیخودی ہے

آبرو

(آبرو) سید اصغر علی ساکن علی گنج واقع ٹونک ۱۸۹۷ء میں دربار ٹونک (راجپوتانہ) کے دفتر الانشاء میں ملازم تھے۔ اعتبار الملک سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی کے شاگرد ہیں طبیعت رواں ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ بندش بھی بُری نہیں ہے۔ کلام میں صفائی ہے زبان سُتھری ہے۔ جو کلام ہماری نظر سے گزرا اُس سے طبیعت کی مشاقی معلوم ہوتی ہے +

صدقے ہزار جان سے تجھ پر بہار گل — قربان لاکھ دل سے تری بانکپن کے پھول

پہلو میں خار بن گیا دل واہ ری خلش — غربت میں یاد آئے جو ہمکو وطن کے پھول

کھائیں گے کبک ٹھوکریں رفتار یار سے — جائیں گے آنکھیں دیکھ کے پاؤں ہرن کے پھول

وہ بیماروں سے بدتر کیوں نہو جس سے نہ تم بولو — وہ اچھا کیوں نہو بیمار غم جس کی دوا تم ہو

آتش

(آتش) اِن کا نام خواجہ حیدر علی اور باپ کا نام خواجہ علی بخش تھا۔ خواجہ زادوں کے خاندان سے تھے جن میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ خواجہ صاحب کے تاریخی حالات اور تذکروں میں بالاجمال اور تذکرہ آب حیات میں بالتفصیل موجود ہیں پس ہم اختصار پر اکتفا کرتے ہیں +

خواجہ صاحب اور شیخ ناسخ چونکہ دونوں اُستاد ہمعصر تھے اور ایک ہی جگہ ہونے سے گویا ایک بن میں دو شیر تھے اس باعث سے اکثر باہم چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ معتمد الدولہ نواب آغا میر کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ یہ وہی مشاعرہ ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ نواب صاحب نے آتش کے مقابلہ میں شیخ صاحب کو خلعت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ دونو

نکلے تم آ صبا کی طرح جب چمن میں بھول
دھمکاؤتے ہیں ہم کو کمر بند باندھ کر

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہُوا ہوں میں

مت قہر سیتی ہاتھ میں لے دل ہمارے کون*
ٹک باغ میں شتاب چلو اے بہارِ حُسن

پھر پھر کے دیکھ ہم کو کیوں مسکراؤتے ہو
زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ

وہ بخیتہ کا رکب لکھتا ہے نامہ
نہ دیوے لے کے دل وہ جعد مشکیں

پھرتے تھے دشت دشت دیوانے کدھر گئے
شور ہے اُس کی اشک باری کا

رستم تیری آنکھوں کے ہوئے اگر مقابل
کیا شیخ و کیا برہمن جب عاشقی میں آدے

اب دین ہُوا زمانہ سازی
تم نے بجادنے کو جب ہاتھ بیچ نے لی

تمہارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے
تمھارا دل اگر ہم سے پھرا ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
لباسِ پُنبئی بن کیونکہ گذرے موسم سرما

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل انکھیاں
گلشن کے دیکھ تجھکو گئے ہاتھ پاؤں پھول

کھولیں ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

یہاں تک تو فنِ عشق میں کامل ہُوا ہوں میں
جل جائیگا پکڑتا ہے ظالم انگارے کون*

گل چشم ہو رہا ہے تمہارے نظارے کون
مدت میں آ پڑا ہے یہ اتفاق حسنہ

تار تار اسکی میں دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ
نہیں کچھا جو لیوے ہاتھ خامہ

اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

آبرو چشم تر قیامت ہے
آنکھوں کو دیکھ تیری تلوار بھول جاوے

تسبیح کرے فراموش زنار بھول جاوے
آفاق تمام دُھر یا ہے

مجنون ہو گئے سب یہ اس طرح کی نے لی
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

تو بہتر ہے ہمارا ابھی خدا ہے
خاک اگر ہو گیا بگھولا ہے (بگولہ)

قیامت ہے تری یہ سرد مہری تپ بے رُوئی
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں قتل ہوئے

نوٹ:* اس زمانہ میں ہمارے کو کون مستعمل تھا۔

سے خاطر خواہ تکمیل علم نکر سکے طبیعت کی موزونی اور آتش بیانی خداداد تھی۔ حضرت مصحفی کی اصلاح نے اور بھی چمکا دیا تھا۔ اخیر میں بعض اشعار کی اصلاح پر استاد سے کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ مگر دامن تہذیب دست ادب سے نہ چھوڑا تھا۔ کسی کے ملازم نہیں تھے۔ سرکار لکھنؤ سے اسی روپے ماہوار بطور وظیفہ ملتے تھے۔ مزاج میں قناعت بہت تھی صرف وظیفہ پر ہی تکیہ کئے بیٹھے رہتے تھے کبھی کسی امیر رئیس کی تعریف میں قصیدہ نہیں لکھا حتی کہ شاہ اودھ کے حضور میں بھی حاضر نہیں ہوئے۔ دیوان غزلیات حیات میں ہی شائع ہو کر قبولیت کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ عاشقانہ کلام اکثر زبان زدِ خاص و عام ہے۔ جس طرح کلام ظاہری تصنع سے پاک صاف ہے باطن بھی ریاکاری کے لوث سے منزہ تھا گو تخلص کی رعایت سے آتش تھے مگر طبیعت کی مسکینی سے اپنے آپ کو خاک جانتے تھے۔ سپاہیانہ وضع پسند خاطر تھی ہر وقت تلوار قبضے میں رکھتے تھے۔ کبر و غرور کو پاس نہیں پھٹکنے دیتے تھے ۱۲۶۳ھ ہجری میں اس دار فنا سے ملک بقا کو سدھارے +

شاگرد تو بہت تھے مگر مشاہیر تلامذہ میں جنہوں نے اُستاد کے نام کو اُسی چمک دمک سے زندہ رکھا یہ ہیں۔ نواب سید محمد خاں۔ رند۔ میر وزیر علی۔ صبا۔ میر دوست علی۔ خلیل۔ صاحب مرزا شناور۔ ہادی علی بیمل۔ عنایت علی بسمل۔ پنڈت دیا شنکر نسیم صاحب گلزار نسیم

وہ یاد ہے اُسکی کہ بھلا دے دو جہان کو	حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا
آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے	محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا
چال ہے مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ	ہر قدم پر ہے یقیں یہاں رہ گیا وہاں رہ گیا
آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے	میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا
بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا +	جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا
دو نعمتیں یہ میری ہیں میں ہوں فقیر مست	ایک نان خشک ایک پیالہ شراب کا
صیاد نے تسلی بلبل کے واسطے	کُنج قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

اُستاد اپنی اپنی غزلیں لکھ کر لے گئے۔ پہلے شیخ صاحب نے غزل پڑھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے	تماشا ہے تہِ آتش دُھواں ہے

خواجہ آتش بھی پرکالۂ آتش تھے آتش کا لفظ سنتے ہی آگ بگولا ہو کر بھڑک اُٹھے جب شمع سامنے آئی تو یہ مطلع پڑھا ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے	زمیں جسکی چھارم آسماں ہے

حسنِ اتفاق سے یہ مطلع حسب حال ہو گیا کیونکہ چونکہ مکان کی چھت پر مشاعرہ ہو رہا تھا (یہ مکان اب تک موجود اور آغا میر کی ڈیوڑھی کے نام سے مشہور ہے) نواب صاحب نے دونو استادوں کو خلعت سے مفتخر فرمایا +

دونو کے معتقد اپنی اپنی عقیدت کے جوش میں ایک دوسرے کو جو چاہیں سو کہیں مگر در اصل آتش و ناسخ اپنی اپنی روش و رنگ میں کامل تھے۔ اگر شیخ صاحب موزونی وصحت الفاظ و تلاش مضامین عالی میں بڑھے ہوئے تھے تو خواجہ صاحب بھی لطف محاورہ فصاحت۔ نفاستِ بندش۔ خوش اسلوبی طرز بیان میں اُن سے کم نہ تھے۔ اسی وجہ سے پڑھنے والے کے دل پر ان کے کلام کا بالمقابل زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں باہم کچھ مخالفت تھی تو صرف اتنی کہ ہر ایک اصناف سخن میں فوق لیجانا چاہتا تھا نہ کہ دلوں میں عداوت و مخاصمت جمی ہوئی تھی اُس زمانہ کے شرفا۔ وضعداری۔ انصاف پسندی اور حق گوئی پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ اُن کی طبیعت میں جہل و نفسانیت کو بہت کم دخل تھا چنانچہ باوجودیکہ شیخ ناسخ نے خواجہ صاحب سے نو برس پہلے انتقال کیا مگر خواجہ صاحب نے یہ وضعداری برتی کہ اُس وقت سے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا جس سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر میں ناسخ کے بعد کلام کی داد دینے والا کوئی نہ تھا۔ ہم اس جگہ اُن کے مذہب اور اُن کے والد کی اصلی مقام سکونت کو زائد از بحث سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں +

چونکہ خواجہ صاحب کو شعر گوئی کا شوق ابتدائے سن شعور ہی سے دامنگیر ہو گیا تھا اس وجہ

کوچہ سے یار کے نہ صبا دور پھینک اسے
مدت کے بعد آئی ہے خاک اپنی راہ پر

مشتاق اہل میکدہ ہیں یاں کرم کرے
ابرِ سیاہ کا لطف نہیں خانقاہ پر

رخسار زرد پر مرے بہتے ہیں اشکِ خوں
یکجا دکھا رہی ہے خزاں و بہار رنگ

وحشی تھے بوئے گل کی طرح سے جہاں میں ہم
نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم

جوشِ وحشت میں جو ہوں مائلِ رفتار قدم
شہرِ ہستی سے ہے صحرائے عدم چار قدم

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست
مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

دیدارِ عام کیجئے پردہ اُٹھائیے
تا چند بندہ ہائے خدا آرزو کریں

برابر جان کے رکھا ہے اسکو مرتے مرتے تک
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیئے ہیں
پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اُٹھا دیئے ہیں

سر کون سا ہے جس میں کہ سودا نہیں ترا
ہوتی ہیں تیرے نقشِ قدم کی زیارتیں

عاشق ہیں ہم کو مدنظر کوئے یار ہے
کعبے کے حاجیوں کو مبارک زیارتیں

بانئ عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں
کھیل لے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں

پھیر کر منہ کو دکھاتے ہیں وہ زلفیں اپنی
سانپ پالو تو ہیں موجود مگر گنج نہیں

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

جام غرابِ عشق سے دونوں ہیں بے خبر
بلبل چمن میں مست ہے ہم کوئے یار میں

دردمندِ عشق جو یاں دوا ہوتا نہیں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

چمنِ دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں میں
باغِ جنت کی ہوا سے بھی جو بیدار نہ ہو

چال وہ چلتے ہو دل پستے ہیں جس پر ہر قدم
کام وہ کرتے ہو تم جس میں کسی کا کام ہو

باغ میں آئے ہو ساتھ اسکے بھی پھر لو دو گام
کبک طاؤس کا جھگڑا ہی چکاتے نہ چلو

سرمہ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار کو
نیلگوں گنبد اپنا یا مرقدِ بیمار کو

رات بھر آنکھوں کو اس امید پر رکھتا ہوں بند
خواب میں شاید کہ دیکھوں طالعِ بیدار کو

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روز محشر تک
لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
زینہ صبا کا ڈھونڈتی ہے اپنی مشتِ خاک
چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
صیاد گلعذار دکھاتا ہے سیرِ باغ
ترچھی نظر سے طائرِ دل ہو چکا شکار
ساقی کی نگاہوں نے میرے ہوش اڑائے
باغِ عالم کا ہر ایک گل ہے خدا کی صورت
خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
سُنا کرتا ہوں ان کو چھیڑ کر پاؤں سے میں مجنوں
حیف کی جا ہے نہووے نرم چرب اسکی زباں
کسیکی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی
شبِ فراق میں مجھکو سُلانے آیا تھا
قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مرے
دو مرینگے زخم کاری سے تو حسرت سے ہزار
اُس بلا سے جاں سے آتش دیکھئے کیونکر بنے
مشتاق دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے
تا چند کروں سینے میں میں آہ و فغاں بند
ہم الفتِ دیں سے ہے ایسے ہم الفتِ دنیا

نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا
کہتی ہے تجھکو خلقِ خدا غائبانہ کیا
بامِ بلند یار کا ہے آستانہ کیا
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا
جب تیر کج پڑے گا اڑے گا نشانہ کیا
آنکھوں نے دیا جام مئے بے خبری کا
باغباں کون ہے اسکا یہ چمن ہے کس کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہوا ایسے سنبلستاں کا
میری زنجیر کا نالہ ہے افسانہ بیاباں کا
پرورش پایا ہوا یہ آدمی ہے شیر کا
حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا
جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشاں کوئے دوست
چار تلواروں میں شل ہو جائینگے بازوئے دوست
دل ہوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست
کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ
کب تک رہے اس گھر میں الٰہی یہ جواں بند
وہ گنج ہے دل جسمیں ہے نقدِ دو جہاں بند

میری ایذا کے لئے مُردے میں جاں آتی ہے ۔ کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے

ظاہر ہے یہ اے یار تیری کم سخنی سے ۔ لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہنی سے

بیخود ہے یار دولت حسنِ شباب سے ۔ سچ ہے زیادہ نشۂ زر ہے شراب سے

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے ۔ زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی ۔ کل جو آئی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ ۔ قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

جو چلن چاہے چلیں آتش بتانِ بیوفا ۔ حُسن جب پیدا ہوا سب عیب پنہاں ہو گئے

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے ۔ جس طرف دیکھا مقام ہُو نظر آیا مجھے

دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہکر کمانداروں میں ہم ۔ اس نشانے کو اُڑا دے جو وہ تیر انداز ہے

آثم

(آثم) شاہ عنایت اللہ نام تھا مگر شاہ آثم مشہور تھے۔ شاہ خادم صفی کے مرید اور مولوی محمد حسن بلگرامی کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک مختصر دیوان مطبع دریائے لطافت کانپور میں چھپا تھا۔ انکے کلام میں کچھ معرفت کا رنگ بھی جھلکتا ہے +

بیخودی میں عجب مزا دیکھا ۔ سرِّ مخفی کو بر ملا دیکھا

اس دل میں اگر جلوۂ دیدار نہ ہوتا ۔ زنہار یہ دل مظہرِ اسرار نہ ہوتا

ہے دل وہاں یہ فضل خدا سے پہنچ گیا ۔ وہم فرشتہ بھی نہ جہاں پر رسا ہوا

شکل جانانہ جا بجا ہیں ہم ۔ کہیں ناز اور کہیں ادا ہیں ہم

عاشقِ زار ہوں جز عشق مجھے کام نہیں ۔ طالبِ کفر نہیں تابعِ اسلام نہیں

عجب تو نے جلوہ دکھایا مجھے ۔ کہ عالم میں پھر کچھ نہ بھایا مجھے

اسلام اور کفر ہمارا ہی نام ہے ۔ کعبہ کنشت میں اپنا مقام ہے

آثم

(آثم) مرزا والا بخت گورگانی مقیم بنارس - مرزا قیصر بخت بہادر فروغ مرحوم کے خلف اکبر اور شاگرد رشید تھے علوم مروجہ میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے - وجیہہ - خوش خُلق - ذی مروّت - شریف نواز

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

تیغ میں جوہر کہاں وہ ابروے خمدار کے
زخم دکھلائی نہیں دیتے ہیں اس تلوار کے

ہم کو پردہ محبت غائبانہ عشق ہے
لن ترانی اُس سے ہو سائل ہیں جو دیدار کے

حُسن کا نظارہ وہ نعمت نہیں جو دل بھرے
سیر ہو وینگے نہیں بھوکے ترے دیدار کے

تم سیر کرکے کیا پھرے اندھیر ہو گیا
بازار آ کے رونق بازار لے چلے

بازار دہر میں نہ رہی جنس دل پسند
سودا جو تھا وہ تیرے خریدار لے چلے

بہار آئی مراد چمن خدا نے دی
شگفتہ غنچے ہوئے بوسے گل خدا نے دی

نہ مُر کے بھی بیدرد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

زمین چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

یہ صدا دیتی ہے خلخال ان کی ہنگام خرام
خاک میں مل جائے جسکو حسرت پابوس ہے

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

خدا یاد آگیا مجھکو بتوں کی بے نیازی سے
ملا بام حقیقت زینۂ عشق مجازی سے

گیسوئے مشکیں رخ محبوب تک آنے لگے
چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری

پیمبر میں نہیں عاشق ہوں جانی
رہے موسےٰ ہی سے یہ لن ترانی

ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزہ عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گذر لیتا ہے

آنکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے

دیکھیے کرتا ہے کیونکر یار سے گستاخیاں
شوق کے بھی حوصلہ کو آزمایا چاہئے

سامنا جب اُس مسیحا کا ہوا بیمار سے
بھر دیئے آنکھوں کے کاسے شربت دیدار سے

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

تری سلک دُرِ دنداں کی ایسی آبداری ہے	کہ جسکے سامنے پانی درِ خوش آب بھرتے ہیں

آرام

(آرام) راے پریم ناتھ - کھتری - دہلی کے قدیم رؤسا میں تھے - انکے بزرگ بزمانۂ شاہ عالم ثانی شاہی سرکار میں ملازم اور یہ خود بھی صاحب اقتدار تھے - آخر عمر میں تارک الدنیا ہوکر بندرابن (متھرا) میں جا بسے تھے - تیراندازی اور خوشنویسی میں یدِ طولےٰ رکھتے - فارسی اور اُردو دونو زبانوں شعر کہتے تھے - دو ہزار شعر کا ایک دیوان یادگار زمانہ ہے - انکے کلام میں کسی قسم کی جدت اور بلند پروازی نہیں پائی جاتی البتہ کلام کی موزونی اور زبان کی سادگی میں کچھ شبہ نہیں ہ

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا	دل کا فوّارہ اچھلتا ہی رہا
کون غم خواری کرے آرام کی	ایک مجنوں تھا سو جلتا ہی رہا

آرام

(آرام) راے بہادر منشی شیو نرائن صاحب بیکنٹھ باشی سابق سکرٹری میونسپل کمیٹی آگرہ - انکے بزرگ قدیم الایام سے دارالسلطنت اکبرآباد میں سکونت پذیر تھے - انکے جد امجد ناظر نبسی دھر کایستھ حضرت غالب مغفور کے نانا خواجہ غلام حسین خاں کی سرکار میں معتمد باختصاص اور داروغہ تھے - منشی صاحب کے والد بنسی لال بھی ذی رتبہ بارسوخ بزرگوار تھے - جناب آرام کو حضرت غالب کی فیض صحبت سے شعر و سخن کی طرف توجہ ہوئی - چونکہ خوش فکر تھے جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے - تصوّف کی طرف زیادہ رجحان تھا اور عشقیہ مضامین سے کم رغبت تھی اسی وجہ سے کلام میں چلبلاپن نہیں ہے - غالب مرحوم ان کو نہایت عزیز رکھتے تھے - اُردوے معلی کے متعدد رقعے اسکی شہادت دے رہے ہیں - کلام میں سادگی - نازک خیالی - متانت بہت ہے - باوجود تلاش ایک ہی غزل دستیاب ہوئی اُسکا انتخاب حوالۂ قلم ہوا - منشی شیو نرائن نے انگریزی ڈاکٹر فیلن صاحب مولف فیلن ڈکشنری سے پڑھی تھی - جناب آرام تمام عمر عہدہ ہاے جلیلہ پر ممتاز رہے - چونسٹھ برس کی عمر میں ۱۴ اگست ۱۹۰۸ء کو راہی ملک بقا ہوے انکے دونوں صاحبزادے ڈپٹی کلکٹری کے عہدوں پر ممتاز ہیں آگرہ کے عمائدین میں گنے جاتے ہیں - ہ

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھیرے	جو اپنا دشمنِ دل ہو وہی دل کی دوا ٹھیرے

حکام رس - صاحب رسوخ تھے - عنفوانِ شباب میں جب شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو چند شعر کہہ ڈالے جب اتفاق سے وہ صاحب عالم مرزا فروغ کی نظر پڑ گئے - اپنے نورِ نظر کے اس کلام موزون سے متبسم ہوئے - ہونہار سمجھکر اصلاح دینے لگے - یہ بھی ذہن کی رسائی - طبیعت کی شوخی - فکرِ بلیغ سے چند ہی روز میں اچھے مشاق ہو گئے - ابھی جوانی کی حد سے آگے نہ بڑھے تھے کہ ۱۰ - جون ۱۹۰۰ء کو ۳۱ برس کی عمر میں دنیا سے دوں کو خیرباد کہکر عالم جاودانی میں گھر جا بسایا - ترتیب تذکرہ کے موقع پر جس قدر ان کے چھوٹے بھائی صاحب نے ان کا کلام بھیجا وہ ہی درج تذکرہ ہوا +

ملو نہ غیروں سے عزت پہ حرف آئیگا	کہ آب جاکے پھر آتی نہیں ہے گوہر پر
اجل نے آنکھیں نکالی ہیں مجھپہ غصے کی	نہیں ہے حلقۂ جوہر تمہارے خنجر پر
ساغر میں ہے ضیا جو رخ شعلہ تاب کی	ہر بوند آفتاب ہے ساقی شراب کی

آثم

(آثم) حافظ حضور احمد خاں صاحب بریلی کے رہنے والے اور امیر مینائی کے شاگرد تھے گو ابتدا میں حکیم نیاز احمد خاں صاحب ہوش کو بھی اپنا کلام دکھایا تھا - تذکرہ منظور حق ان کی یادگار ہے ۱۸۹۱ء میں کلکتہ جاکر تجارت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا ان کے چند شعر درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

یوں محبت پہ مری ناز ہے اسکو اے چرخ	شاد تھی جیسی دلِ قیس کو لیلا لے کر
حسینانِ جہاں دیکھیں جو اُسکے روئے روشن کو	یہ حسرت ہو ملا دیں خاک میں سب اپنے جوبن کو
جو ہیں اہل کرم شرمندہ ہوتے ہیں وہ سائل سے	جھکاتا ہے سرِ ساغر پہ شیشہ اپنی گردن کو

آرام

(آرام) منشی مکھن لعل صاحب کایستھ دہلی کے رہنے والے تھے - میر انشاءاللہ خاں انشا کے شاگردوں میں خیال کئے جاتے ہیں انکے صرف یہ دو شعر دستیاب ہوئے - جن سے کلام کی فصاحت اور محاورہ کی لطافت ٹپکتی ہے ؎

ہمدم ہو مجھسے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل	اسکو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

ٹھیر گیا ہے کہ چند الفاظ تغیر تبدل کر کے پُرانے مضمون موزوں کر لئے اور جدت سے کچھ غرض نہ رکھی ۔ متقدمین کو ابتدا ہی سے مضمون تلاش کرنے اور زبان کی ابتدائی حالت ہونے کی وجہ سے الفاظ ہم پہنچانے میں بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا تھا اس قدر خون جگر کھا کر حسب مراد ایک آدھ لخت جگر ہاتھ آتا تھا ایسی صورت میں خان آرزو جیسے فارسی گو شاعر کو کیا دقتیں پیش نہ آتی ہوں گی ۔ یہ انہیں کی رسائی طبع کا نتیجہ تھا کہ اپنے اصلی فارسی مذاق کے پیرایہ پر اُردو اشعار میں ایک خاص رنگ پیدا کر دیا تھا صرف رنگ ہی پیدا نہیں کیا بلکہ خاص خاص محاوروں اور دہلی کے روزمرہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا چنانچہ اکثر ایسے محاورے باندھے ہیں جو اسوقت جوں کے توں مروج ہیں ۔ سخن فہمی اور تحقیق زبان میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا ۔ شمس العلما پروفیسر آزاد دہلوی خان آرزو کی نسبت لکھتے ہیں کہ "خان موصوف کو زبان اُردو پر وہی دعوے پہنچتا ہے جو ارسطو کو فلسفہ کی منطق پر ہے ۔ جب تک کل منطقی ارسطو کی عیال کہلائینگے ۔ اہل اُردو خانِ آرزو کی کہلاتے رہینگے ۔ خان آرزو وہی ہیں جنکے دامن تربیت سے ایسے شائستہ فرزند پرورش پا کر اُٹھے جو زبان اُردو کے اصلاح دینے والے کہلائے ۔ یعنی مرزا جان جاناں مظہر ۔ مرزا رفیع سودا ۔ میر تقی میر ۔ خواجہ میر درد وغیرہ" میر تقی خان آرزو کے بھانجے بھی تھے ۔ خان موصوف نے ۱۱۶۹ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا ۔ دو دیوان فارسی میں یعنی ایک بجواب فغانی دوسرا بجواب کمال خجندی ۔ دو کتابیں فن لغت میں ایک مسمیٰ سراج اللغات دوسری موسومہ بہ چراغ ہدایت ۔ دو کتابیں شرح میں ایک خیابان یعنی شرح گلستانِ سعدی ۔ دوسری شرح سکندر نامہ انکے علاوہ اور بھی چند کتابیں جیسے تنبیہ الغافلین ۔ مجموعہ النفائس ۔ تذکرہ شعرائے ہند وغیرہ ان کی یادگار ہیں ۔ ان میں سے بعض کتابیں راقم تذکرہ کے پاس بھی موجود ہیں ۔ خان موصوف کے حالات سے جو شوقِ کلام پیدا ہوا ہے اب اُسکی آرزو پوری کیجئے اور اشعار ذیل کو ملاحظہ فرمائیے ۔

کیا حصارِ قلب دلبر نے کھُلے بندوں کیا	کھول کر بندِ قبا کو ملکِ دل غارت کیا

نہ ٹھیرے ناامیدی اُسکے دل میں اور کیا ٹھیرے	کہ جسکا بعد مرنے کے حصولِ مدعا ٹھیرے
وہ چاہیں جسقدر جور و جفا ہم پر کریں لیکن	ہمیں تسلیم لازم ہے کہ پابندِ رضا ٹھیرے
یہ دنیا اک سرا ہے اسکو آخر چھوڑ جانا ہے	اگر دو چار دن آکر یہاں ٹھیرے تو کیا ٹھیرے
کٹے ہیں سر بہت تیغِ جفا سے بے گناہوں کے	عجب کیا ہے اگر قاتل کا کوچہ کربلا ٹھیرے
اِدھر آنے کو وہ ہیں اور اُدھر وقت سفر آیا	عجب مشکل نہ وہ آئیں نہ دم بھر کو قضا ٹھیرے
اُسی کو زندگی کا لطف ہے اس دہرِ فانی میں	کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھیرے
قیام اپنا ہو اس محنت سرا سے دہر میں کیونکر	جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھیرے

آرام

(**آرام**) حکیم آرام الدین نام ہے - سورت (گجرات) کے رہنے والے فصیح الملک داغ دہلوی کے شاگرد ہیں اس سے زیادہ حال معلوم نہیں اشعار ذیل اُن کی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

کیوں بتایا تو نے بلبل آشیاں	دشمنِ جاں برق ہے صیاد ہے
قتل کی میرے شہادت اور کیا	تر لہو سے دامنِ جلاد ہے

آرزو

(**آرزو**) سراج الدین علی خاں کے نام نامی سے کون واقف نہیں اکبر آباد اِن کا وطن تھا*۔ والد کا نام شیخ حسام الدین - تخلص حسام تھا - منشیان شاہی کے زمرہ میں منسلک تھے - شیخ محمد غوث گوالیاری کے خاندان سے منسوب اور گوالیار میں قاضی القضاۃ مشہور تھے مگر سب کچھ چھوڑ چھاڑ دہلی چلے آئے انہیں شاہجہاں آباد کی سرزمین سے بے حد الفت تھی - اگرچہ انتقال لکھنؤ میں ہؤا مگر مرتے وقت یہ وصیت کی کہ مجکو خاک دہلی کا پیوند کرنا چنانچہ انکی نعش دلّی میں آکر مدفون ہوئی - لطف نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ خان آرزو فرخ سیر کے عہد ۱۱۳۲ھ ہجری میں گوالیار سے دہلی آئے اور بعہد شاہ عالم ثانی بادشاہ گردی کے ایام میں نواب سالار جنگ کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے - خان آرزو فارسی زبان کے زبردست عالم اور مستند اور ایک نامور قادر الکلام شاعر تھے گو اُردو زبان میں کبھی کبھی شعر کہہ لیتے تھے مگر یہ کبھی کبھار کا کہنا بھی آج کل کے ہر وقت فکر سخن میں مستغرق رہنے والوں سے بدرجہا بہتر ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں فکرِ سخن کا یہ دار و مدار

* آپ ۱۱۰۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے -

کیسے حال کی تجھکو نہیں خبر مطلق
تڑپ رہا ہے پڑا ایک نیم جاں کیسا

کرے ہے پند ہمیں پند گو خدا کی شان
کہاں کا آج ہمارا یہ غمگسار آیا

رو رو کے خون اُس نے بھی حسرت نکال لی
عاشق کا تو نے خوں نہ بہایا تو کیا ہُوا

آزادگاں کو مانع وحشت نہیں ہے قید
زلفوں میں تم نے دل کو پھنسایا تو کیا ہُوا

ہے وہی غفلت اور وہی بے نیازیاں
احوال دل گر اُس کو سنایا تو کیا ہُوا

یہاں بیخودی ہے مانعِ نظارہ ہمنفس
اُسنے جمال اپنا دکھایا تو کیا ہُوا

آرزو مے کی مجھے کیا ہے کہ ساقی ہر دم
ان نگاہوں سے ہی شکار ہوا جاتا ہوں

نگاہوں کے ملاتے ہی نہ تھا گویا کہ سینہ میں
عجب ہی دل کے لینے کا ہے ڈھب اُس شوخ پرفن کو

آخر اُس آہوئے رم خوردہ کو لایا ہی نہ کھینچ
میرے اس جذبۂ الفت کے اثر کو دیکھو

زاہد نہ توڑ بت کو کہ اس کا ہی ہے ظہور
کرتا ہے کیا معاملہ ناداں خدا کے ساتھ

رہتا ہے غم سدا ترے اِس مبتلا کے ساتھ
گویا کہ آشنا کو ہے ربط آشنا کے ساتھ

اس پر بھی بد دماغ وہ ہوتے ہیں یا نصیب
ہر چند بات کہتے ہیں ہم التجا کے ساتھ

وہاں بے نیازیوں سے نہیں کچھ خیال بھی
ہم لب کو کس امید پہ کھولیں دعا کے ساتھ

اس کو لڑائیوں کا کہاں ضعف سے دماغ
کیجیے نہ جنگ آرزوئے مبتلا کے ساتھ

احباب جو کچھ حال کہیں میرا تو کہوے
لے بیٹھے ہو تم ذکر کہاں کا مرے آگے

ہے ایک بوسہ پہ سودا ہمارے دل کا کہ ہم
لحاظِ نفع و خیالِ ضرر نہیں رکھتے

روز یوں ہی وصل میں لازم ہے تمکو گفتگو
شوق بڑھتا ہے زیادہ آپ کی تکرار سے

آرزو کو بھی نہ افسوس قضا نے چھوڑا
عاشقوں میں ترے اک یہ ہی رہا تھا باقی

فارغ البال ہوئے تم مجھے دے کر بوسہ
ابھی سو طرح کا ہے آپ سے دعویٰ باقی

بعد مرنے کے بھی اُسکی ہے تمنّا باقی
سر تو باقی نہیں اور ہے وہی سودا باقی

(آرزو) منشی سید بندہ رضا خلف حکیم مولوی سید حسن رضا خاں بلگرامی وزیر شاہ اودھ — انکا

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سُنے
کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

آتا ہے ہر سحر اُٹھ تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

اُس تند خو صنم سے ملنے لگا ہوں جب سے
ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا ہے

میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

تجھ زلف میں اٹک رہے دل تو کیا کرے
بیکار ہے اٹک رہے دل تو کیا کرے

دکھائی چشم مست اپنی جب اُس رندِ شرابی نے
نہ دم مارا اکٹورے نے نہ ہچکی لی گلابی نے

آرزو

(**آرزو**) مرزا علاء الدین عرف مرزا کالے دہلی کے شہزادوں میں سے تھے تذکروں میں انکے باپ کے نام میں اختلاف ہے جناب صابر اور نساخ - باپ کا نام مرزا منور بخت نبیرہ مرزا فیروز بخت خلف حضرت شاہ عالم نور اللہ مرقدہٗ بتاتے ہیں اور بعض مرزا مظفر بخت کہتے ہیں مگر جناب صابر کا قول درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ آرزو انہیں کے شاگردوں اور خاندان میں تھے - گو انکا کلام اپنے زمانے کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اشعار میں طبیعت کی سادگی - کلام کی بے تکلفی - ایک موثرانہ طریقے سے جلوہ نما ہے مگر محاورات و روزمرہ دہلی سے جیسے اہل دہلی مٹے ہوئے ہیں بہت کم التفات رکھتے ہیں - جناب صابر انکے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "نومشق اور کم گو تھے" پینسٹھ ۶۵ برس کے سن میں غدر سے پیشتر انتقال کیا - مرزا قادر بخش صابر کے اس فقرے سے کہ نومشق تھے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ عمر نہ پائی ہو کیونکہ اتنی عمر پانے کے بعد کسی شاعر کو نومشق نہیں کہا جا سکتا یا شاید آخر عمر میں شوق سخن ہوا ہو - اِن کا منتخب کلام یہ ہے ؎

پھنکے ہے آگ سے ہر دم یہ آسماں کیسا
چڑھا ہے زور یہ اب نالہ و فغاں کیسا

لگائیں ہاتھ بھی جو بوٹوں تو یوں کہے بلبل
کہ آج لوٹے ہے گلچیں یہ گلستاں کیسا

صبا تو کیا نفس صبح دے ہے مجھ کو اُڑا
ہوا ہوں روز کے صدموں سے ناتواں کیسا

بن ٹھن کے پیشِ داورِ محشر چلے تو ہو ‌ ‌ ‌ ہو جائے سامنا نہ کہیں دادخواہ کا

ہوئی جاتی ہیں وہ ترچھی نگاہیں پار سینوں کے ‌ ‌ ‌ دلِ خوں گشتہ پر تیر و نکی یہ بوچھار کیسی ہے

عشق میں ایسے ہو گئے بیخود ‌ ‌ ‌ دل کے جانے کی بھی خبر نہ ہوئی

آرزو

(آرزو) منشی ممتاز احمد صاحب خلف دوم امیر الشعرا حضرت امیر مینائی مرحوم قریباً ۴۰ سال کی عمر ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - کیوں نہ کہیں کس باپ کے بیٹے ہیں - طباعی - ذہانت - قابلیت اِن کا خاندانی ورثہ ہے - بیان میں صفائی - کلام میں مزہ - خیال پاکیزہ ہے - زبان اچھی ہے مطلب سلیقے سے ادا کرتے ہیں - اشعار ذیل انکی موروثی طبیعت کا نتیجہ ہیں

پہلے سنگھا کے زلف مجھے لاؤ ہوش میں ‌ ‌ ‌ پھر مجھسے پوچھنا مرے بیمار کیا ہوا

ہو کے برباد کسی کا قدِ بالا دیکھا ‌ ‌ ‌ خاک میں مل کے قیامت کا تماشا دیکھا

یہ ہچکیاں نہیں کشتوں کی زیرِ خنجرِ ناز ‌ ‌ ‌ دعائیں مانگتے ہیں اپنے قدرداں کے لئے

وہ حور ہے مرے گھر میں رقیب جلتے ہیں ‌ ‌ ‌ تڑپ رہے ہیں پڑے دوزخی جناں کیلئے

ذرا سا دل ہے وہ کیا مجھکو آزمائیں گے ‌ ‌ ‌ کلیجا چاہئے عاشق کے امتحاں کے لئے

گئے وہ قہر بھری انکھڑیاں دکھا کے مجھے ‌ ‌ ‌ پیالے زہر کے تھے چلدئے پلا کے مجھے

کسی کا نقشِ قدم لے کے راہ میں بیٹھوں ‌ ‌ ‌ کہ لوگ سجدہ کریں ہر طرف سے آ کے مجھے

سنگھائیں آپ اگر بوئے گیسوئے مشکیں ‌ ‌ ‌ اٹھائے غش سے اُسیوقت ہوش آ کے مجھے

دہائی داورِ محشر کی ہو مرا انصاف ‌ ‌ ‌ بتوں نے لوٹ لیا ہے غریب پا کے مجھے

بے وفائی کے گلے پر ناز سے کہنے لگے ‌ ‌ ‌ بیوفا کو کیوں دیا دل تم سے نادانی ہوئی

(آرزو) صاحبزادہ محمد یونس خاں عرف چھٹن صاحب - آپ صاحبزادہ محمد اسفندیار خاں مرحوم عزیز والئ ٹونک کے فرزند ارجمند ہیں اور اعتبار الملک منشی سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی کے شاگرد رشید - عمر میں نوجوان - صورت شکل میں نہایت وجیہ - خوش وضع - خوش فکر - رئیس زادے ہیں - شکار کا بہت شوق ہے گھوڑے پر خوب سوار ہوتے ہیں - ایک لاکھ روپے کے قریب

سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے۔ ۱۲۷۸ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ عربی کی صرف و نحو منطق اور طب کی کتابیں علماے لکھنؤ سے دیکھیں۔ جب طبیعت نے شعر و سخن کی طرف میلان کیا تو منشی محمد زکی صاحب زکی بلگرامی اور شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کو اپنے کلام کا مشیر بنایا۔ مرثیہ گوئی میں میر انیس کے شاگرد ہوئے اکثر مجالس عزا میں لکھنؤ سے باہر جانے کا بھی اتفاق ہوتا رہا۔ کتب دینیات کی تصنیف کے علاوہ تین ۳ واسوخت اور ایک دیوان غیر مطبوعہ موجود ہے۔ ترتیب تذکرہ کے ایام میں جو کلام براہ راست حضرت موصوف سے دستیاب ہوا شکریہ کے ساتھ درج تذکرہ کیا جاتا ہے طبیعت میں جودت اور کلام میں بلند پروازی پائی جاتی ہے ؎

ہوئی ایذا میں راحت یہ ہے احساں دشمنِ جاں کا
لبِ زخمِ جگر پر لی جو چٹکی لگ گیا ٹانکا

زلیخا نے تو رسوائی میں کچھ باقی نہ رکھا تھا
خدا پردہ نہ رکھ لیتا اگر یوسف کے داماں کا

کیا ہم سے تمکو کام ہے غیروں کی لو خبر
ناخوش ہیں یا کہ خوش ہیں تمہاری بلا سے ہم

بتوں کے دور میں اچھی بڑھی توقیر پتھر کی
جدھر دیکھو ادھر پجنے لگی تصویر پتھر کی

نہ منہ سے بولتے ہو کچھ نہ سر سے کھیلتے ہو کچھ
اجی کیوں آدمی سے بن گئے تصویر پتھر کی

نہ دیکھا اک نظر مڑ کر ادھر سے بارہا نکلے
بڑے ناآشنا نکلے بڑے تم بیوفا نکلے

یہ کیا جب آؤ تو ہنستے ہوؤں کو تم رلا جاؤ
کرو وہ بات دل سے ایک عالم کی دعا نکلے

دوبارہ جان بخشی آرزو کو ایک بوسے میں
دکھایا معجزہ عیسیٰؑ کا تم معجز نما نکلے

آرزو

(آرزو) نواب جعفر علی خاں رئیس کرنول علاقہ ریاست حیدرآباد دکن۔ جناب محفوظ شاگرد حضرت داغ مرحوم سے مشورہ کرتے ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ گو حضرت محفوظ کے شاگرد ہیں مگر کلام میں جناب فصیح الملک داغ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں ؎

شوق تھا تیغ آزمائی کا
کہیے کیا حال ہے کلائی کا

بخدا ان بتوں کے ہاتھوں سے
تنگ ہے قافیہ خدائی کا

شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو فرماتے ہیں
آرزو عشق میں تنگ آتے ہیں ایسے اس سے
رکھے دیتے ہیں اِسے مجمع خوباں میں ہم آج
حال اور وہ بیوفا پوچھے مگر مطلب یہ تھا
ادھر ہوش آیا اُدھر تیری یاد
درد فرقت اسی باعث سے سوا ہوتا ہے
در پہ اک بُت کے جبیں سا ہیں مسلماں ہو کر
بیخود عشق ہوں میں مست مئے حسن وہ ہیں
ہزار جاں سے اس روٹھنے کے میں صدقے
پسند آئی ہے اِس وجہ کو سنے کی ادا
نشانہ دل کا اُڑا دے کوئی تو ہم جانیں
آپ مٹ جائیں ہم مگر دل سے
جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں
زبانوں پر لگا دی ضبط جنکے مُہر خاموشی
نکلنے کے لئے بیتاب ہے وہ جوہر پردے سے
گرا ہے پاؤں پر سر کٹ کے ٹھکرانے کو ہے قاتل
یہ کہتا ہے ترا گردن جھکا کر حال دل سُننا
فرقت میں ساتھ چھوڑ دیا کیوں جناب دل
زباں جسکی نہو جز صبر وہ فریاد کیا جانے
دعا بھولے سے بھی لب تک نہیں آئی جدائی میں

ڈھونڈ کر کوئی حسیں اور لگا لے دل کو
خود کئے دیتے ہیں دشمن کے حوالے دل کو
مستحق جو کہ ہو اُس کا وہ اُٹھالے دل کو
شکر ہو جائے شکایت تا زباں آتے ہوئے
یہ پھر کھائی ٹھوکر سنبھلتے ہوئے
تیرا خنجر جو گلے مل کے جدا ہوتا ہے
جو مقدر کا لکھا ہے وہ ادا ہوتا ہے
ہوش دونوں کو نہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے
کہ دل لبھانے کی جس میں ادا نکلتی ہے
کہ مرنے والے کے دل سے دعا نکلتی ہے
سُنا ہے آپکے ناوک خطا نہیں کرتے
داغ الفت نہیں مٹانے کے
صدقے اِس مُنہ چھپا کے جانے کے
کہیں اُن دردمندوں سے شکایت ہونیوالی ہے
سنبھل جا دیکھنے والے قیامت ہونیوالی ہے
جبیں پر ثبت اک مُہر شہادت ہونیوالی ہے
کہ شکوہ کرنے والے کو ندامت ہونیوالی ہے
خود ہو گئے الگ ہمیں آفت میں ڈال کے
دہانِ زخم اُو بیداد گر فریاد کیا جانے
جو مرتا ہو بتوں پر وہ خدا کی یاد کیا جانے

(آرزو) حافظ محمد احمد صاحب ۔ غالباً امیر مینائی کے شاگردوں میں خوش کلام چلبلی طبیعت کے

سالانہ جاگیر ہے۔ ان کا ہر ایک شعر جولانی طبع کا نمونہ ہے جب عالم نومشقی میں یہ کیفیت ہے تو آیندہ ترقی کرنے کی کیوں نہ امید ہو چند اشعار ذیل ہدیہ ناظرین ہیں ؎

تاریکیٔ لحد کا ہو کیسا آرزو خطر
ہے داغ دل چراغ ہمارے مزار کا

میں چھوٹا ہوں تو مجھ چھوٹے سے پردہ کی ضرورت کیا
جو سچے ہو تو چھپتے مجھ سے کیوں روز جزا تم ہو

تمہاری آرزو تو مینے کی ہے مجھ سے تم بگڑو
خطا ہے آرزو کیا آرزو سے کیوں خفا تم ہو

آرزو

(آرزو) منشی سید انوار حسین لکھنوی خلف اصغر میرزا ذاکر حسین۔ یاس شاگرد جناب جلال لکھنوی سے پہلے ان کا تخلص۔ امید تھا۔ اب آرزو ہے۔ تیس بتیس برس کی عمر ہے طبیعت میں روانی ہے۔ صاف صاف اور سیدھا سیدھا مزیدار کلام ہے زبان بھی اچھی ہے۔ روزانہ مشق آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے اشعار ذیل زیب تذکرہ ہیں ؎

کوئی امید نہیں اور جان دیتے ہیں
یہ دل ہے ہجر کے صدمے اُٹھانیوالوں کا

وہ باتیں کرتی ہو تم کم نہیں جو نشتر سے
یہی علاج ہے میرے جگر کے چھالوں کا

یہ بلائیں اگر آئیں تو مجھی پر آئیں +
اُن کی زلفیں ہوں پریشاں تو مرے شانوں پہ

کلمہ پڑھ کر ہوئے جاتے ہیں بتوں کے بندے
قہر ٹوٹا ہے خدا کا یہ مسلمانوں پہ

دل کا آنا دے رہا ہے جان جانے کی خبر
انتہا پہچان لی ہے ابتدا کو دیکھ کر

اثر آفت کا ہے سوز نہاں میں
کہ دل میں آگ ہے چھالے زباں میں

ترا دل نرم کر سکتے نہیں صرف
وگرنہ لاکھ تاثیریں فغاں میں

نہ بچے کیا غیر کی کاوش سے دامن بزم جاناں میں
بہت اُبھرا ہے یہ کانٹا جگہ پا کے گلستاں میں

ترقی چاہئے اب اے زلیخا سوز پنہاں میں
کہ سنتے ہیں اندھیرا ہے بہت یوسف کے زنداں میں

کیا ترک تعلق گل سے نکہت نے گلستاں میں
نکل چل تو بھی تن کو چھوڑ کر اے روح زنداں میں

یہ ہیبت جسکی آمد میں ہے جلوہ اُسکا کیا ہوگا
کہ تیرہ ہو گیا دن بھی خیال شام ہجراں میں

اِن حسینوں نے نہ چھوڑا کوئی پہلوئے ستم
کہ جفا دوست کو ایذا بھی یہ کم دیتے ہیں

تذکرہ موسوم بہ شجرۂ طیبہ اپنے خاندان کا لکھا ہے۔ آخر الذکر دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ اُردو زبان میں بھی ایک جوہے بلی نامہ رقم کیا ہے۔ سید صاحب ۲۵ صفر ۱۱۱۶ ہجری کو بلگرام میں پیدا ہوئے اور اپنی عمر کا اخیر حصہ اورنگ آباد دکن میں بسر کیا۔ یہاں انکی زر خرید جاگیر ابتک موجود ہے۔ قصیدہ گوئی اور تاریخ میں یدطولیٰ حاصل تھا بعض کا خیال ہے کہ اُردو زبان میں حکیم قایم چاندپوری سے مشورہ لیتے تھے۔ ۲۱۔ ذیقعدہ ۱۲۰۰ہجری میں انتقال فرمایا ان کی ایک غزل دستیاب ہوئی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ؎

کیا دھواں دھار اس مسی سے اسکی ہے تحریر لب	دل جلوں کا ہے یہ دُودِ آہِ دامن گیر لب
جسکی ٹھوکر سے مسیحائی ہو اسکے لب کو میں	گر لبِ عیسیٰ سے دوں تشبیہ تو ہے تحقیر لب
دانہ خالِ لب سے اسنے دام میں باتوں کے آہ	کل دکھا کر مرغِ دل میرا کیا تسخیرِ لب
تیری تحریرِ مسی نے قتل اِک عالم کیا	ہے بجا اسکو میاں کہیے اگر شمشیرِ لب
باد کی تحریک سے ہلتے جو دیکھا برگِ گل	پھر گئی اس بت بنے کی آنکھوں میں تصویرِ لب
کیا مسی یہ رنگ یاں ہے زلفِ مشکیں کی قسم	پھر یہ کس سودائی کا ہے خوں گریباں گیرِ لب
اس بتِ پُرفن کی میٹھی باتوں کے افسوں سے ہیں	وحش و طیر و انس و جن و مور و ملخ تسخیرِ لب
اسکی باتوں سے کلیجا چھن کے چھلنی ہو گیا	آہ یہ باتیں نہیں ہیں بلکہ ہیں یہ تیرِ لب
لب ہلا نا روبرو قایم کے ہے ترکِ ادب	عذر کر آزاد تا ہو عفو یہ تقصیرِ لب

ایک دو مصرعی تاریخ ہندی میں بھی کہی تھی وہ یہ ہے ؎

بھلی تاریکھ ہندی سوں کہانی	رہے آنند سوں یہ پتّر گیانی

(آزاد) کپتان الگزینڈر ہیدرلی۔ مسٹر جیمس ہیدرلی فرانسیسی کے چھوٹے بیٹے ایک مسلمان شریف زادی کے بطن سے تھے۔ ان کے والد اُن چند یورپین سے تھے جنہیں ہندوستان جنت نشان کی آب و ہوا خصوصاً دارالسلطنت شاہجہان آباد کی دلچسپیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا چنانچہ ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لینے کے باعث اُنہیں کی طرز معاشرت بھی اختیار

آزاد

آدمی ہیں - اِنکے کلام سے طبیعت کی جودت اور مضمون آفرینی ٹپکتی ہے ؎

دل بچنے کی اب کیا کوئی تدبیر نکالے | سینے پہ چڑھے بیٹھے ہیں دل چھیننے والے
ہم ہاتھ ملیں خونِ دل آنکھوں سے بہاکر | ہیہات کہ بوسے ترے ہاتھوں کے حنا لے
اے آزؔ نہ بیدل ہو غمِ عشق بتاں ہیں | کھاتے ہیں یونہی ٹھوکریں سب چاہنے والے

آزاد

(آزاد) میر فقیر اسد دکنی - طبقہ اول کے شعرا میں گذرے ہیں - شاہ ولی الدین - ولیؔ کے ہمعصر اور اپنے وقت کے مسلم الثبوت اُستاد تھے - درویشانہ اوقات بسر کرتے تھے - افسوس کہ اب ان کا کلام نہیں ملتا صرف ایک شعر دستیاب ہُوا جو لکھا جاتا ہے ؎

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہمسکو آئیں | پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد

(آزاد) منشی رام سنگھ دہلوی - گو بعد تحصیل علم نابینا ہو گئے تھے مگر دل کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں شعر گوئی میں ایسا ملکہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے شاعر انکے سامنے غزل پڑھتے جھجکتے تھے - نواب مہدی علیخاں عاشقؔ - صاحبِ تذکرہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے تھے - اپنے عہد کے جرأت مانے جاتے تھے - افسوس کہ اِن کا کلام تلف ہو گیا صرف ایک شعر ہاتھ لگا جو تیمناً درج کیا جاتا ہے ؎

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اَور ہے | طور چشمک اور ہے طرحِ تبسّم اَور ہے

آزاد

(آزاد) حسان الہند مولانا سید غلام علی واسطی بلگرامی - میر عبدالجلیل بلگرامی کے نواسے تھے - انہوں نے ہندوستان کے عربی گو شعرا کا تذکرہ موسوم بہ سبحۃ المرجان عربی زبان میں لکھا ہے جو بمبئی کے علاوہ مصر میں بھی شایع ہُوا ہے - عربی - فارسی کے زبردست عالم - ادیب اور ایک قادر الکلام سخنور تھے - فارسی گو شعرا کے بھی دو تذکرے لکھے ہیں ایک کا نام سروِ آزاد اور دوسرے کا خزانۂ عامرہ ہے یہ چھپے ہوئے ملتے ہیں - خزانۂ عامرہ میں صرف اُن شعرا کو لیا ہے جنہیں اپنے کلام کے صلہ میں امرا کی سرکاروں سے انعام یا خلعت مِلا - ایک تذکرہ موسوم بہ مآثر الکلام فی التاریخ بلگرام بھی انہیں کی تالیف ہے اسمیں خاص بلگرام کے علما و صلحا و شعرا کے حالات درج ہیں - ایک

سے پی کے تجھے دیکھئے تو لطف ہے دونا
دیکھیں تری آنکھیں تو نشا اور بھی چمکا

وہ گرم روِ راہ معاصی ہوں جہاں میں
گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا

کچھ پاؤں میں طاقت ہو تو کر دشت نوردی
ہاتھوں سے مزا دیکھ ذرا جیب دری کا

کھلتی ہی محبت ہی تری اور نہ عداوت
ہے سب سے نیا ڈھنگ تری عشوہ گری کا

تیروں کی جراحت جو میرے سینہ میں کم ہے
باعث ہے ستمگر یہ تری کم نظری کا

چہلم کو عیادت کے لیئے وہ مری آئے
آزاد ٹھکانا بھی ہے اس بے خبری کا

ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا

دیکھا وہ جہاں میں جو نہ دیکھا تھا ولیکن
دریائے محبت کا نہ ساحل نظر آیا

جب کعبہ سے بتخانہ میں آیا میں تو آزاد
جلوے مجھے واللہ نظر آئے ہیں کیا کیا

جب مصیبت آ پڑی جز صبر بن آتا نہیں
نو گرفتار قفس پھڑ پھڑا کے رہ گیا

غموں سے گھل کے نہ کچھ تیرے خستہ تن میں رہا
رہا تو کچھ یونہیں دھوکا سا پیرہن میں رہا

زہر قاتل ہے دوا درد محبت کے لئے
تھا مرا فیصلہ اک دم میں جو درماں ہوتا

کیا کریں تم نے گر چرائی آنکھ
آپ سے کچھ لڑا نہیں جاتا

سن چکے حال بس ترا آزاد
ہم سے آگے سنا نہیں جاتا

ہو گیا کچھ کششِ دل میں اثر آپ سے آپ
آ گئے کل وہ یکا یک مرے گھر آپ سے آپ

کوئی باعث نہ کوئی وجہ نہ موجب نہ سبب
کھچ گیا ہم سے بتِ رشکِ قمر آپ سے آپ

سوکھنا غم سے میرے حق میں ہوا ہے مرہم
ہو گئے خشک مرے زخمِ جگر آپ سے آپ

کاہشِ تن اور ضعف سے آزاد عشق میں یاں تک پہنچی ہے نوبت
کوہ ہوا ہے رائی ہلکوں کی بدولت انکی بدولت

ترکِ عادت بھی تو بیجا ہے چھٹے کیونکہ شراب
ہو جو ہے آمدِ ماہِ رمضاں اے واعظ

چمنِ کوچۂ جاناں کا خریدار ہوں میں
مفت بھی دے تو نہ لوں باغِ جناں اے واعظ

ہم وہ آزاد زمانہ ہیں کہ اکثر اوقات
ذکر بت کرتے ہیں مسجد میں بھی ہاں اے واعظ

کرلی تھی- الگزینڈر ہیدرلی کی تربیت و پرورش دہلی کے شرفائے اہل اسلام کی مانند ہوئی تو ادیبوں کی صحبتوں نے اِن میں شعر وسخن کا مذاق پیدا کردیا- اٹھارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے- طبیعت کی شوخی اور چلبلے پن نے اپنا ظاہری رنگ بھی اُن پر چڑھادیا جسکے سبب سے بہت جلد ان کا نام بذلہ سنج احباب کی زبانوں پر چڑھ گیا ہیدرلی کی زندہ دلی اور رنگین مزاجی نے اخیر دم تک انکی صحبت کو مرجع ارباب مذاق بنائے رکھا- آغاز شباب میں آگرہ چلے گئے تھے مشورۂ سخن نواب زین العابدین خاں عارف سے لیتے تھے جنکی تعریف میں ایک قصیدہ بہاریہ اور ماتم میں ایک مرثیہ مع تاریخ وفات اِن کے دیوان میں موجود ہے- فن طب میں بھی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی تھی- مریضوں کا صرف علاج ہی نہیں کرتے بلکہ دوا بھی اپنے پاس سے مفت دیتے تھے- اس طریق عمل سے شہرت بڑھتی اور دولت گھٹتی گئی مجبوراً ملازمت اختیار کی جو انکی شان کے لایق ریاست الور میں مل گئی- انکی وجاہت ولیاقت سے امید تھی کہ توپ خانہ کی کپتانی سے جلد ترقی کرکے کسی اعلیٰ منصب پر پہنچیں گے مگر تفنگ اجل نشانہ لگائے بیٹھا تھا اسنے اتنی مہلت نہ دی اور ۷- جولائی ۱۸۶۱ء میں بتیس۳۲ برس کی عمر پاکر ملک جاودان کو سدھارے-
اِن کے بڑے بھائی طامس ہیدرلی نے جو ریاست بھرت پور میں ڈپٹی تھے اپنے بھائی کے دوست میر شوکت علی فتحپوری کی مدد سے اِن کا متفرق کلام جابجا سے جمع کرکے ترتیب دیا اور ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ میں شایع کرایا- دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں رنگینی اور مضمون آفرینی کا خاصا مادہ تھا- زبان بھی سلیس پائی تھی- سنگلاخ زمینوں میں صفائی زبان رسائی خیال کا لطف دکھایا ہے- قطعات میں بھی کہیں کہیں اچھوتے خیال- پاکیزہ بول چال کا پتہ لگتا ہے- اخیر میں ناسخ وغالب کی دو غزلیں تضمین کی ہیں اِن خمسوں سے کپتان آزاد کی سخن فہمی و نکتہ سنجی صاف ظاہر ہے- خلاصۂ کلام یہ ہے ؎

واعظوں سے جو سنا کرتے تھے جنت کا نشاں	جب کہ تحقیق کیا کوچۂ جاناں نکلا
کیا کہوں اُسکا شبِ ماہ میں عالم آزاد	وہ فلک پہ یہ زمیں پر مہِ تاباں نکلا

اُس شرمگیں کی شرم کا اُٹھنا محال ہے　　نازک بہت ہے کیونکہ وہ توڑے حجاب کو

جاں تم اپنی بچاؤ گے کہاں تک آزاد　　یا مرو عشق میں یا عشق کا دعوے چھوڑو

کب سے ہیں زنداں میں ہم دیکھو تو گھس گھس کر تمام　　طوق آدھا رہ گیا زنجیر آدھی رہ گئی

قانع ہوں اس پہ عشق میں جو خشک و تر ملے　　کھانے کو داغ پینے کو خونِ جگر ملے

کی فقیروں کی بھی اغیار نے بندی آزاد　　اب درِ یار پہ کیا خاک رسائی ہوگی

اندیشۂ فراق نے قصہ کیا تمام　　کہتے تھے روز مر بھی کہیں لو جی مر چکے

اہلِ جنت کے لئے ہیں نہ وہ رضواں کیلئے　　جو مزے آج ہیں حاصل ترے درباں کیلئے

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا　　در و دیوارِ سرِ کوچۂ جاناں کے لئے

آزاد

(آزاد) میرزا اعظم شاہ- معروف زلفوں والے نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی بادشاہِ دہلی- ذکی الطبع وجیہہ- قوی الجثہ- رند مشرب- آزاد وضع تھے- حافظ قطب الدین مشیر سے بھی مشورۂ سخن کیا ہے- لکھنؤ میں نشو و نما پائی تھی- ان کے والد مرزا عادل شکوہ کو سرکار انگریزی سے گزارے کے لائق وظیفہ ملتا تھا مرزا اعظم شاہ انکے بڑے بیٹے تھے انکے والد صاحب اگرچہ سلوک ہوتے رہتے تھے مگر مذہبی تخالف کی وجہ سے کہ وہ شیعہ تھے اور یہ سنی باہم کشیدگی رہتی تھی سنہ ۱۳۰۱ ہجری تک زندہ تھے اجمیر اور دکن بھی گئے تھے آخر عمر میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی- ستر برس سے زیادہ عمر میں انتقال کیا ہے

ہم یہ سمجھے تھے چھپائے گا گنہگاروں کو　　پر بہت تنگ ہی محشر ترا داماں دیکھا

گھبرائے گا کیا جی مرا تنگیٔ قفس سے　　سو بار بھی کیا ہو کے گرفتار نہ آیا

وہ اور ہیں جنکی شبِ ہجراں کو سحر ہے　　یاں شام ہوئی حشر کی اور یار نہ آیا

آزاد کو مت پوچھو کیا اُس کا ٹھکانا ہے　　جس کوچہ میں دن گذرا واں شب بھی رہا ہوگا

آزاد چپکا رہنا آٹھوں پہر بُرا ہے　　پھٹ جائے گا کلیجہ کچھ بات بھی کیا کر

عجب اعجاز ان آنکھوں نے دکھایا چشم قاتل میں　　کہ اِک تیرِ نگہ اور آ کے بیٹھے لاکھ کے دل میں

سارے عالم میں نہ کیونکر ہو مرا غم روشن — چرخ فانوس ہے اور آہ ہے فانوس میں شمع

تیرہ روزی میں نہ کیوں آہ غنیمت ہووے — ہے یہ ظلمت کدۂ عاشقِ مایوس میں شمع

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے — سر دھنا کرتی ہے پروانہ کے افسوس میں شمع

جب سے پایا دشمنوں نے پانو کا تیرے سراغ — سر کے بل چلتا ہوں تب سے کوے جاناں کی طرف

کھوئے گئے ہم ایسے کہ ڈھونڈھا کئے مگر — آزاد ہمکو اپنا نہ پایا نشاں تلک

وہ اُس سے بلا میں ہے تو ہم اس سے غضب میں — آنکھوں سے گلا دل کرے اور دل سے گلا ہم

ہے سجدہ ادھر فرض جدھر رُخ ہے ہمارا — کاشانہ تیرا قبلہ ہے اور قبلہ نما ہم

ہنگامِ سحر بادہ گُساری کا مزا ہے — اوقات کریں اپنی تلف بہرِ دعا ہم

ہیں شمع صفت انجمنِ دیر میں آزاد — سرگرم رہِ وادیِ اقلیم فنا ہم

جیتا نہ ایک دم بھی رہوں ہجرِ یار میں — مجبور ہوں کہ موت نہیں اختیار میں

پردہ ہمارا خاک اُڑانے میں رہ گیا — آئے نظر کسیکو نہ گرد و غبار میں

اولٹا جہاں میں گر ہمیں کھویں کہا کریں — سر کے ہی بل چلیں گے سدا کوے یار میں

تنگی سے ہے مسکینی کی بدولت جنوں نہیں — کپڑے گلے کے پک گئے ہر فصلِ بہار میں

ہے مجکو وہم ہم رہیِ غیر راہ سے — چھوٹے بڑے ہیں نقش قدم رہگزار میں

بھولے نہیں ہیں تنگیِ کاشانہ یاد ہے — کرتے ہیں شکر لپٹ کے کنجِ مزار میں

کیا گھر میں تمھارے در و دیوار کو دیکھوں — تم اپنی جو صورت سب مجھے دکھلاؤ تو آؤں

گر کوئی بُلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ ضد سے — آزاد کو محفل میں نہ بلواؤ تو آؤں

سبک جو کر کے مجھے تم نے کر دیا ہلکا — تو پھول ہو کے تمھارے گلے کا ہار ہوں میں

سب پالیا بدن کے چرانے کو دیکھکر — ہیں شوخیاں غضب تری شرم و حیا کے ساتھ

نہ پڑو جان کے پیچھے مرا پیچھا چھوڑو — لے کے دل دیں بھی تو پر مجھے جیتا چھوڑ دو

پھاہا پھکے نہ جن سے مرہم جلے نہ جن سے — اُن میں جلن نہ ہوگی وہ داغِ غم نہ ہوں گے

لکھنؤ پہنچے وہاں کے مشاہیر سے ملے اور کچھ عرصہ تک اطراف و جوانب میں سفر کرتے پھرے
سنہ ۱۸۶۴ء میں تقدیر راہ پر آئی لاہور آکر سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے۔ حضرت آزاد کی
بابرکت زندگی کا بڑا حصہ لاہور ہی میں گذرا ہے انجمن پنجاب کے جلسوں کا بانی اگر آپ کو کہا جائے
تو بیجا نہیں۔ انہیں کی کوششوں سے حکام بالا کی عموماً اور افسران تعلیم کی خصوصاً زبان اُردو
کی نشوونما اور ترقی کی طرف خاص توجہ مبذول ہوئی یہ بھی آپ ہی کی کوشش کا یادگار نتیجہ تھا
کہ نواب لفٹننٹ گورنر پنجاب کے قدوم میمنت لزوم سے انجمن پنجاب میں مشاعرہ کی بنیاد
پڑی۔ حضرت آزاد کچھ عرصہ تک اسسٹنٹ سکرٹری رہے اور یونیورسٹی کالج کے صیغہ علوم
مشرقی میں بعہدہ پروفیسری مدتوں کام کیا۔ اسی اثنا میں تعلیمی کاموں کے علاوہ ملکی خدمات
بھی وقتاً فوقتاً کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں بکار سرکار کلکتہ کا
سفر کیا اور کچھ دنوں بعد پنڈت من پھول صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے ہمراہ کابل و بخارا
کا سفر کیا سنہ ۱۸۸۳ء میں دوبارہ ایران گئے۔ کرنل ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم
پنجاب نے جناب آزاد سے قصص ہند کا دوسرا حصہ لکھوایا جو مصنف کی اعلیٰ زباندانی و لیاقت
کی شہادت دے رہا ہے۔ اُردو زبان کی ترقی کے واسطے جس شخص نے کہنہ طرز سخن کو
بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی عاشقانہ خیالات کو قدرتی مضامین کی طرف سب سے پہلے
ڈھالا وہ کس کی لیاقت کا نتیجہ ہے سچ پوچھو تو انہیں حضرت آزاد کی آزادانہ طبیعت کا ظہور ہے
اس طرز کے رواج دینے کو آپ نے پہلے بطور نمونہ چند چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں۔ یہ طرز ایسی مقبول
خلائق ہوئی کہ وہ پُرانے اور نامی ایشیائی شاعر جنکی طبیعتوں پر پُرانی روش اپنا سکہ جما چکی تھی یک قلم
بھول گئے اور بمصداق کل جدید لذیذ اس نئی مفید طرز پر ایسے فریفتہ و دلدادہ ہوئے کہ کہ وہ بھی
نے یہی رستہ اختیار کر لیا۔ شمس العلما مولوی حالی صاحب کی جدید شاعری اور جزر و مد اسلام کا
رہنما حضرت آزاد ہی کا روشن خیال ہے۔ جناب آزاد نے اپنے نیرنگ خیال کے دو حصے
سنہ ۱۸۸۰ء میں تالیف کئے۔ اسمیں زیادہ تر انگریزی روش کا پرتو ہے جس میں مضمون نویسی کی

تمھارا جذبۂ الفت جو لیجائے تو لیجائے	وگرنہ کام کیا ہم ہیچوں کا روزِ محشر میں
آزاد تیرے پاس نہ زر ہے نہ زور ہے	تجھسے کوئی ملے توکس امید پر ملے
یہ تو کہیئے کہ ملے گا مجھے مرقد میں تو چین	یاد ہاں بھی ہے کوئی فتنہ اُٹھانا باقی

آزاد

(**آزاد**) شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب دہلوی۔ جنھون نے تذکرۂ آب حیات لکھکر اپنے نام کو زندۂ جاوید بنادیا۔ مولوی باقر علی مرحوم دہلوی کے خلف الرشید ہیں۔ حضرت آزاد کے والد خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کے دلی دوست اور شمالی ہندوستان میں اُردو اخبار نویسی کے موجد تھے۔ حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کے سایۂ عاطفت میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور نکات عروض و فن سخن۔ انہیں کے فیض سے حاصل کئے۔ علوم مروجہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں پرانے دہلی کالج کے مشہور ترین یادگاروں میں سے ہیں۔ اس حُسن عقیدت اور خلوص لحاظ سے جو انہیں اپنے اُستاد حضرت ذوق سے آج کے دن تک قائم ہے فی الواقع انکے شاگرد رشید بلکہ زندہ یادگار کہلانے کے صرف یہی مستحق ہیں اپنے اُستاد کی بدولت اکثر نامی گرامی اشخاص سے ملتے جلتے رہے اور معرکہ کے مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کمال حاصل کیا اسمیں زیادہ حصہ اُستاد کی فیض صحبت کا ہے۔ حضرت ذوق کی وفات کے بعد بڑی سرگرمی و تن دہی سے انکے کلام کی ترتیب کے اہم کام میں مصروف ہوئے مگر افسوس ہے کہ ہنگامہ غدر نے کئی سال کے علی الاتصال محنتوں اور مشقتوں کا یک قلم نشان مٹا دیا یعنی وہ تمام مجموعہ دہلی کی تباہی کے وقت برباد و تاراج ہوگیا او رحضرت خاقانی ہند کے صلبی فرزند کے ساتھ روحانی اخلاف بھی واصل رحمت الٰہی ہو لئے۔ حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کی وفات کے بعد حکیم آغا جان صاحب عیش سے بھی جو دربار شاہی میں بزمرہ اطبا منسلک تھے استفادہ کیا ہے۔ جناب آزاد کی تصانیف میں سے کوئی مجموعہ نظم ۱۲۷۶ھ سے پہلے کا دستیاب نہوا چند غزلیں جو کلام آزاد میں طبع ہوئی ہیں وہ غدر کے بہت بعد کی کمائی ہے۔ غالباً پُرانا ذاتی سرمایہ بھی غدر میں ہی تلف ہوگیا۔ آزاد اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد ۱۲۷۵ھ کے اخیر میں عیال و اقربا کے ہمراہ

جناب ماسٹر صاحب ممدوح وہ شخص ہیں جنہوں نے جناب آزاد کی از ابتدا تا انتہا بہت حالتیں دیکھی ہیں اور وقتاً فوقتاً بہت سے کاموں میں انکو مدد دیتے رہے ہیں - ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ جب ۱۸۵۶ء میں حضرت آزاد پنجاب میں وارد ہوئے تو اول اول مولوی رجب علی صاحب کے پاس جگراوان میں مقیم رہے پھر مولوی صاحب کے ذریعہ سے پنڈت من پھول صاحب لفٹنٹ گورنر صاحب کے میر منشی کے پاس آئے اور میر منشی صاحب کی سفارش سے لاہور میں ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے دفتر میں پندرہ روپے ماہوار کے ملازم ہوئے - ادنیٰ عہدہ کی وجہ سے نہیں ایسا موقع ملتا تھا کہ اپنی لیاقت و استعداد کو اعلیٰ افسروں پر ظاہر کریں - اسکے علاوہ میجر فلر صاحب ڈائرکٹر اگرچہ عربی فارسی کا مذاق رکھتے تھے - علم دوست تھے مگر اجنبی کے لئے انکا ظاہری رعب داب اُن تک پہنچنے میں سد راہ تھا - اتفاق سے اسی زمانہ میں جناب قبلہ ماسٹر صاحب موصوف کسی سرکاری کمیٹی میں شریک ہونے کی غرض سے لاہور تشریف لائے چونکہ فلر صاحب ماسٹر صاحب سے از حد مانوس تھے - اس موقع پر حضرت آزاد نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ ہم کو میجر صاحب سے نہیں ملا دیتے؟ ماسٹر صاحب نے ان سے وعدہ کر لیا اور موقع کے منتظر رہے - کمیٹی سے فارغ ہوکر میجر صاحب سے جو ملے تو صاحب نے ایک تحریر ماسٹر صاحب کو دکھائی اسمیں صاحب بہادر نے لفظ (ایجاد) کو مونث لکھا تھا - ماسٹر صاحب نے دیکھکر اعتراض کیا کہ یہ لفظ مذکر بولا جاتا ہے - صاحب نے جواب میں فرمایا مولوی کریم الدین صاحب سررشتہ دار کو یہ تحریر دکھائی ہے وہ اس عبارت کی صحت کے ذمہ دار ہیں - مولوی صاحب بُلائے گئے - میجر صاحب نے ماسٹر صاحب کا اعتراض بیان کیا - مولوی صاحب نے جواب میں سند چاہی - عالی جناب ماسٹر صاحب نے حضرت آزاد کے لئے یہ موقع مناسب خیال کرکے میجر صاحب سے کہا کہ آپ کے دفتر میں ایک شخص محمد حسین آزاد دہلی کے رہنے والے ہیں انہیں مثال کے ہزاروں شعر یاد ہیں - یہ سنتے ہی آزاد صاحب طلب کئے گئے اور فلر صاحب بہادر نے اُن سے دریافت کیا کہ لفظ ایجاد مذکر ہے یا مونث؟ پروفیسر صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ مذکر -

جدید طرز کا چربہ اُتارا ہے۔ تذکرۂ آب حیات جو مشاہیر شعراے اُردو کا مُنہ سے بولتا تذکرہ ہے اسی روشن دماغ کی قابل قدر تالیف ہے۔ یہ کتاب طرز بیان۔ سلاست زبان۔ شستگی الفاظ۔ برجستگی۔ بیساختگی۔ روشن خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے اس نادر تالیف کی جسقدر تعریف و توصیف کی جاے کم ہے۔ یہ تذکرہ تمام تذکروں سے ہر طرح فایق و ممتاز ہے اسلیئےکہ محققانہ طریقے سے ہر ایک شاعر کا حال قلمبند کیا ہے اور ہر پہلو پر انصافاً نظر ڈالی ہے حق یہ ہے کہ پروفیسر آزاد کا رنگ تحریر ایسا موثر اور شوق انگیز ہے کہ اُسکی نظیر اسوقت تک نہیں دیکھی گئی سیدھے سیدھے صاف اور سادے بیان میں جابجا رنگینی طبع کی ایسی جدولیں کھنچی ہیں کہ کہیں بھی بھونڈاپن جھلکنے نہیں دیا۔ سیدھی بات کو پیچدار الفاظ میں بیان کرجاتے ہیں مگر کیا مقدور کہ پڑھنے والے کو مطلب سمجھنے میں ذرا بھی دقت یا رکاوٹ ہو۔ انکی ایک پُرانی تالیف موسوم بہ دربار اکبری۔ جسے خود ترتیب و نظر ثانی کر کے نہ چھپوا سکے حال میں شایع ہوئی ہے مگر اس صورت میں بھی یہ کتاب عبارت کی رنگینی کے اعتبار سے اُنکی بہترین تصنیفات میں ہے۔ کچھ عرصہ سے پیرانہ سالی او بعض امراض کی وجہ سے دماغ کی حالت خراب ہوگئی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی اس دلاویز تصنیف کو خود نہ چھاپ سکے مگر اس بگڑی ہوئی حالت پر بھی جب کبھی قلم دوات کے نصیب کُھلجاتے ہیں تو عجیب عجیب گل افشانیاں کرتے ہیں کہ اب کوئی ذی ہوش بھی ایسی گلکاریاں نہیں دکھا سکتا۔ اس زمانہ کی دو ایک تالیفیں جنہیں پروفیسر صاحب الہامی باتیں کہتے ہیں مولوی ممتاز علی صاحب نے چھپوادی ہیں جن میں سے ایک رسالہ کا نام سپاک وسناک رکھا ہے اس جنون کی ابتدا ۱۸۹۰ء سے ہوئی ہے مکرمی و معظمی جناب عموی راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب فرماتے ہیں کہ جنون کے شروع میں ایک دن آزاد مجھسے ملنے آئے اور تقریباً دو ڈھائی گھنٹے باتیں کرتے رہے مگر ان الفاظ کے بجز اور کچھ زبان پر نہیں لائے (راے صاحب آپ اس شعر کو پڑھا کیجیے اور اسکے معنی آپ جو چاہیں سمجھ لیں شعر

پردہ درِ کعبہ سے اُٹھادینا ہے آسان	پر پردۂ رخسارِ صنم اُٹھ نہیں سکتا

پچھتر سال کے قریب عمر ہے اگرچہ دماغی عارضہ کے سبب اب عدم وجود برابر ہے تاہم علم دوست طبیعتوں - قدرداں نگاہوں کے لئے اِن کا شربت دیدار مسرت افزا ہے - چنانچہ اس موقع پر یہ شعر حسب حال ہے ؎

تیری دانائی کے قائل تھے سب افلاطوں منش	شاعری نے کردیا اے داغؔ سودائی تجھے

حضرت ممدوح نے اپنی ذاتی تالیفات و تصنیفات کے علاوہ اپنے استاد ذوق کا حق شاگردی بھی کماینبغی ادا فرمایا ہے یعنی اُستاد ذوق کا ایک دیوان خاص اپنے اہتمام سے مرتب کیا ہے جسمیں انکی سوانح عمری اور اوائل عمر سے بالترتیب کلام جمع کرکے دکھایا ہے کہ فلاں غزل فلاں قطعہ فلاں محل اور موقعہ پر کہا تھا - یہ دیوان چھپ گیا ہے - بعض لوگوں کا اسکی نسبت خیال ہے کہ آپ نے اسمیں جابجا تصرف کیا ہے بہرحال مجموعی حیثیت سے یہ امتیاز ضرور ہے کہ سابقہ مرتب دیوان سے اسکا کلام زیادہ ترصحیح ہے - حضرت کی تالیفات و تصنیفات مطبوعہ ذیل ہیں - تذکرہ آب حیات - نیرنگ خیال (دو حصہ) - زباندان فارس - دربار اکبری - مجموعہ نظم اُردو - قصص ہند کا دوسرا حصہ - ابتدائی درسی کتب اُردو - جامع القواعد فارسی - قواعد اُردو اِن کے سوا بہت سی مختلف نظمیں اور مضامیں - جنون کے زمانہ کی سیاک و نماک مزید برآں ہیں - اُردو نظم کا انتخاب یہ ہے :- ؎

بلا سے دشمنِ جانی مرا سارا جہاں ہوتا	کسی صورت سے ایجانِ جہاں توجانِ جاں ہوتا
جو کوئی چوٹ دل کے ساتھ تیشے کے اثر کرتی	تو جاے آب ہر چشمہ سے شیریں خوں رواں ہوتا
صنم ہے گردش عالم نگاہِ مہر سے تیری	اگر تو مہرباں ہوتا تو عالم مہرباں ہوتا
خدا کے واسطے آزاد روکو نالۂ دل کو	کہ کوئی آن میں کون و مکاں ہی لامکاں ہوتا
ہاتھ چومیں گے مرے گبر و مسلماں دونوں	ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا
سر اپنا کاٹ کے پھینک آیا کوے قاتل میں	یہ بوجھ بھاری گردن پہ سو اُتار آیا
جوان معرکہ حسن و عشق تھا آزاد	چلا نہ دل پہ جو قابو تو جان ہار آیا

صاحب نے سند مانگی انہوں نے برجستہ سودا کا یہ شعر پڑھ دیا **شعر**

ہاے کس بھڑوے کا یہ ایجاد ہے	نسخے میں معجون زر ابناد ہے

اسوقت سے فلن صاحب کی خدمت میں حضرت آزاد کی رسائی ہوگئی اور کچھ ترقی بھی ہوئی اُسکے بعد کرنل ہالرائیڈ صاحب نے اُن کی قدردانی فرماکر پچھتر روپیے ماہوار کر کے سب اڈیٹر مقرر کردیا - جس اخبار کے یہ سب اڈیٹر ہوئے اسکے اڈیٹر راے بہادر جناب ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب تھے اخبار کا نام اتالیق پنجاب تھا - یہ اخبار سرکاری تھا - سالانہ قیمت پبلک کے اخباروں سے نسبتاً کم تھی - کچھ تو اس وجہ سے کہ سرکاری تھا اور زیادہ تر اس باعث سے کہ اڈیٹر و مددگار دونوں نہایت قابل و یگانۂ روزگار تھے یہانتک مقبول خاص و عام ہُوا کہ اپنے ہمعصر اخباروں سے بدرجہا بڑھ گیا اسکے مضامین کی خوبی - عبارت کی برجستگی و خوش اسلوبی نے ہردلعزیز بنا دیا یہ کیفیت دیکھکر ہندوستانی اخباروں نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ گورنمنٹ کا رعایا کے مقابلے میں اخبار شایع کرنا دربردہ ملکی لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے - گورنمنٹ کی عادلانہ پالسی نے یہ معقول عذر تسلیم کر کے اخبار مذکور کی جگہ ایک رسالہ پنجاب میگزین کے نام سے جاری کردیا - حضرت آزاد کے بعد خواجہ حالی نے بھی کچھ دنوں اتالیق پنجاب کی سب اڈیٹری کا کام انجام دیا - چونکہ آزاد طبع حضرت آزاد کے مزاج میں کچھ تعلی و خودبینی کا مادہ بھی موجود تھا اِس وجہ سے اکثر اپنے معاصرین سے علمی نوک جھوک اور مخالفت رہا کرتی تھی - پروفیسر صاحب کا خاندانی مذہب امامیہ ہے مگر بعض بعض باتوں میں اپنی ذاتی راے خاندانی مذہب سے الگ رکھتے ہیں انکی گفتگو اور بعض مضامین سے پایا جاتا ہے کہ آپ آواگون کے قائل ہیں بلکہ اس خیال کی تائید میں اکثر اوقات فرمایا ہے کہ ہمارے اُستاد ذوق بھی تناسخ کی صحت کے قائل تھے - اسوقت جگت اُستاد* حضرت آزاد کو خدمات ماضیہ کے صلے میں گورنمنٹ سے پچھتر روپیے ماہوار پنشن ملتی ہے - حضرت موصوف نے اپنی تصانیف اور کفایت شعاری سے خاصا سرمایہ جمع کرلیا ہے - یہ قابل زیارت پروفیسر لاہور موچی دروازہ میں رہتے ہیں - اور اب

نوٹ * ۱۸۸۷ کی جوبلی پر آپ کو شمس العلما کا خطاب ملا -

تیری الفت نے کیا جینے سے بیزار مجھے
جان سے کھوتا ہے پیارے یہ ترا پیار مجھے

دیتے کیا کیا ہیں دلاسے شبِ فرقت میں ہم
دلِ بیمار کو میں اور دلِ بیمار مجھے

دیکھنا قیدِ تعلق میں نہ آنا آزاد
دام آتے ہیں نظر سبحہ و زُنار مجھے

دُنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اُسے
پی جامِ مرگ آبِ بقا ہی سمجھ اُسے

جو کچھ فلک کے نیچے ہے سب گرد باد ہے
پھر جو ہوس ہو دل میں ہوا ہی سمجھ اُسے

سنے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہاں میری
تمہارے عشق کی ہے داستاں اور ہے زباں میری

سناؤں داستانِ عشق سب قلقل کے پردہ میں
صراحی کے دہن میں کاٹ کر رکھ دو زباں میری

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو
تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیاں میری

ہوا لیلیٰ پہ مجنوں کوہکن شیریں پہ سودائی
محبت دل کا اک سودا ہے جس کی جس سے بن آئی

انتخاب از مثنوی موسم زمستان

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے لئے برگ و نوا ہے تجھ سے

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

ہند کو کابل و کشمیر بنا دیتا ہے
ملکِ تاتار کی تصویر بنا دیتا ہے

ابرِ باراں تو تہِ چرخِ بریں دیکھا تھا
یہ برستا ہوا کافور نہیں دیکھا تھا

جبکہ ہوتا ہے گزر جانبِ کہسار ترا
فنِ صنعت سے وہاں اور کچھ اے یار ترا

بت تراشی میں ہے تو غیرتِ فرہاد وہاں
قصرِ شیریں کی ہے تو ڈالتا بنیاد وہاں

اِک طلسمات کا عالم ہے دکھاتا جاتا
صورتیں برف سی کیا کیا ہے بناتا جاتا

پتے پتے کا ہے تصویر میں انداز درست
اور ہر اک میوہ ہے قدرت سے خدا ساز درست

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن
مُنہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن

ہم اُن سے دُور بظاہر ہزار بیٹھے ہیں
یہ لاکھ جان سے دل میں نثار بیٹھے ہیں

ادھر بھی چشمِ عنایات ہو ذرا ساقی
کہ مست دیر سے امیدوار بیٹھے ہیں

چمن میں اُلجھے ہوئے ہیں جو دامنِ گل سے
وہ دل ہیں بلبلِ شیدا کے خار بیٹھے ہیں

جلا کے ہجر میں تم نے جو خاک کر دیا دل
ہم اُس کا داغ لئے یادگار بیٹھے ہیں

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ جو بظاہر حال
بگاڑ بیٹھے ہیں یاں وہ سنوار بیٹھے ہیں

نگاہِ ناز کا ساقی کے ایک ہے یہ کمال
کہ بزم ہو گئی مدہوش و یار بیٹھے ہیں

کمانِ ابروئے جاناں کے دل سے ہوں قرباں
کہ جتنے تیر ہیں سینے کے پار بیٹھے ہیں

وہ صاف ہوویں گے کیا اپنے خاکساروں سے
کہ آپ دِل پہ یہ بن کر غبار بیٹھے ہیں

تمہارے زلف کو تھے باندھتے پریشاں ہم
سو دامن آج لئے تار تار بیٹھے ہیں

نظر اٹھا کے نہیں دیکھتا وہ صید افگن
دلوں کو ہاتھوں پہ رکھے شکار بیٹھے ہیں

گئے وہ غیر کے گھر اُٹھ کھڑے ہو حضرتِ دل
اب آپ کس کا کئے انتظار بیٹھے ہیں

عمامہ شیخ کا چھوڑیں گے کیا بھلا وہ رند
جو اپنی پگڑی کو پہلے اُتار بیٹھے ہیں

قمارِ عشق میں اب کیا لگائیں گے آزاد
کہ نقد دل کو تو پہلے ہی ہار بیٹھے ہیں

دلوں میں کرتے جو الفت سے ہیں جہانداری
جہاں کو ایک نظر میں غلام کرتے ہیں

اس دلِ پُر داغ سا گلشن میں اک لالہ تو ہو
پر یہ گل جیسا ہے کوئی دیکھنے والا تو ہو

آفریں ہمت کو اُس کی دل کی جسنے عشق میں
جاں تک پیاری نہ کی ایسا جگر والا تو ہو

ایک ہی ساغر میں کچھ ایسا پلا دے ساقیا
بے خبر دنیا و دیں سے تیرا متوالا تو ہو

ہاتھ خالی مردمِ دیدہ بتوں سے کیا ملیں
موتیوں کی پنجۂ مژگاں میں اک مالا تو ہو

ناخنِ خار آ کے خود عقدہ ترا کر دے گا وا
پہلے پائے شوق میں پیدا کوئی چھالا تو ہو

کچھ نہ کچھ آزاد کو بھی چاہئے دل بستگی
گر نہ ہو خمخانۂ چیں سیرِ بنگالہ تو ہو

پوچھتا حالت ہے کیا میرے دلِ ناشاد کی
آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

نا ہو مراقبہ کا ہے دم سب کو دے رہا ۔۔۔ اور آپ مارے نیند کے جھکے ہے لے رہا

سونے کو تھرمی ہے بہ خواب عدم گیا ۔۔۔ دریا بھی راب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

اے رات تیرے وصف کہاں تک رقم کروں ۔۔۔ اور اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر ۔۔۔ بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے ۔۔۔ رکھ کر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے

اسکے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے ۔۔۔ سکہ ہے اب ستاروں پہ اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اُس کا تو راحت ہے پھل ترا ۔۔۔ چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا

قطعہ

مزدور تھے جو دن کو مصیبت اُٹھا رہے ۔۔۔ اور پاؤں تک سروں کے پسینے بہا رہے

سو سو طرح کے بار دلوں پر اُٹھائے ہیں ۔۔۔ جب چار پیسہ شام کو لے گھر میں آئے ہیں

قطعہ

اکثر امیر ہیں کہ یہاں بے نظیر ہیں ۔۔۔ دولت کے آسمان پہ بدر منیر ہیں

اُن کو خدا کی یاد نہ بندوں کی شرم ہے ۔۔۔ دن ہو کہ رات عیش کا بازار گرم ہے

قطعہ

اور وہ جو لکھپتی ہے مہاجن جہان میں ۔۔۔ آدھی ڈھلی ہے پر وہ ابھی ہے دکان میں

گنتی میں دام دام کے ہے دم دئے ہوئے ۔۔۔ بیٹھا ہے آگے سب بہی کھاتا لئے ہوئے

ہے سارے لین دین کی میزان تمام کی ۔۔۔ پر سوئے کیا کہ بدھ نہیں ملتی چھدام کی

انتخاب از مثنوی ابرِ کرم

مُنہ پر زمیں کے دیکھو تو ہے خاک اُڑ رہی ۔۔۔ اور گرد چار سو تہِ افلاک اُڑ رہی

دنیا میں بوند بوند کو خلقت ترس رہی ۔۔۔ پانی کی جائے آگ فلک سے برس رہی

شہروں میں سوکھ سوکھ کے جنگل چمن ہوئے ۔۔۔ اور جنگلوں میں دھوپ سے کالے ہرن ہوئے

طفل نبات پیاس کے مارے بلک رہے ۔۔۔ خلق خدا کے نالے بہت دور تک گئے

سیماب ہو کے سینے سے ہر دل نکل چلا ۔۔۔ اور آفتاب شمع کی صورت پگھل چلا

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے ۔ گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے
تو نہ تھا جب تو نہ تھا جان کو جینے کا مزا ۔ تھا نہ کھانے کا مزا اور نہ پینے کا مزا
اب عمل میں ترے آرام سے سب جیتے ہیں ۔ گرم کھاتے ہیں غذا آبِ خنک پیتے ہیں

خطاب بہ قلم

آ قلم آ کہ سرنامہ لکھوں نامِ خدا ۔ جو کرے نامِ خدا اُس پہ ہے انعامِ خدا
تو جوانی میں مری تیغ شرربار رہا ۔ کرتا اعدائے بد اندیش کو فی النار رہا
پر اب ایامِ ضعیفی نظر آتے ہیں قریب ۔ فضل اپنے سے جو اللہ کرے عمر نصیب
اے مرے دوست نہ تو مجھ سے جدا ہو جانا ۔ اپنے آزاد کی پیری کا عصا ہو جانا

مناجات

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں ۔ آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے ۔ اور کرتا صدقِ دل سے دعا بار بار ہے
مجکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض ۔ رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض
یا رب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے ۔ وہ بات دے زباں کو کہ دل پر اثر کرے

انتخاب از مثنوی شب قدر

قطعہ

اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے ۔ ہر گوہر اُس میں ملک حبش کا خراج ہے
ہر چند مہر حسن میں کیا کیا پھبن نہیں ۔ پردہ دلک سے تجھ میں کہ جس میں کرن نہیں
روشن تجھی سے روئے زمیں پر چراغ ہیں ۔ اور کھلتے آسماں پہ ستاروں کے باغ ہیں
بجلی ہنسی تو اُسکی تجھی سے بہار ہے ۔ شبنم سے تیرا فیض کرم آشکار ہے
اے رات سلطنت کا ترے دیکھکر حشم ۔ کھاتا فلک ہے تاروں بھری رات کی قسم

زیادہ معلوم نہیں مگر یہ سب جانتے ہیں کہ شعر و سخن کا ایک رسالہ موسوم بہ گلدستہ شعرا انکے اہتمام سے شہر لکھنؤ میں جاری تھا - مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے -
ان کا کلام یہ ہے ؎

کچھ غم نہیں مٹا جو نشاں میری قبر کا
کافی ہے یہ نشان کہ میں بے نشاں گیا

غفلت میں آ بکی میں گیا اپنی جان سے
فرمایئے تو آپ کا کیا مہرباں گیا

سختیٔ نزع کا تو بتائے علاج کچھ
بالیں سے میری اُٹھ کے مسیحا کہاں گیا

مہمان ہم بھی ہیں کوئی دم کے جہان میں
کیا غم جو وہ رقیب کے گھر میہماں گیا

پیش نظر تھی موت فراقِ حبیب میں
گزرا ہے مجھ پہ نزع کا عالم تمام شب

جی چاہتا ہے بس یہی بے اختیار آج
دریا پہ کھیلئے بطِ مے کا شکار آج

وہی ہیں ہم کہ ہیں اب خار دشت غربت کے
شگفتہ رکھتی تھی دل کو کبھی وطن کی بہار

فرقت میں جان دینے کا ہر دم ہے جا خیال
ڈھونڈی کہیں چھری کہیں تلوار کی تلاش

کیا سناتا ہے صدائے لن ترانی وقت نزع
چاہیئے مشتاق کو صورت دکھانی وقت نزع

وصل دلبر نہوا سینکڑوں تدبیریں کیں
سچ کہا ہے کہ ہر اک کام ہے تقدیر کے ہاتھ

آزاد (آزاد) منشی محمد امجد علی ولد محمد امداد علی صاحب - قصبہ گوپامؤ ضلع ہردوئی کے رہنے والے ہیں ۱۲۶۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے ریاست بھوپال میں محکمہ نظامت کے سررشتہ دار ہیں - فارسی - اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں انکا اردو کلام یہ ہے ؎

جلا کے خاک کیا جس کو اک نظر دیکھا
بھری ہے کیسی الٰہی نگاہِ یار میں آگ

لیا جو بوسہ شبِ وصل بولے جھنجلا کر
چلو ہٹو لگے ایسے تمہارے پیار میں آگ

شفق یہ پھول ہے کب آہ آتشیں سے مرے
لگی ہے دامنِ چرخِ ستم شعار میں آگ

آزاد (آزاد) خواجہ ضیاء الدین دہلوی انکی طبیعت کی موزونی خداداد تھی - اصلاح کسی سے نہیں لیتے تھے صرف طبیعت کی رسائی سے شعر کہتے تھے - زندہ دل اور خلیق آدمی تھے -

دل تشنگی کے مارے یہ بیتاب ہو گئے
انساں تڑپ کے ماہی بے آب ہو گئے

پر آب ہے دور دورۂ برشگال کا
چھایا فلک پہ ابر ہے جاہ و جلال کا

آنے سے تیرے آگیا آنکھوں میں نور ہے
دیوار و در سے آج برستا سرور ہے

تیرے ہی دم قدم کی یہ سب لہر بہر ہے
سیراب کوہ و دشت تو شاداب شہر ہے

اے ابر سب یہ ساز و نوا تیرے دم سے ہیں
یہ لطفِ عیش و لطفِ ہوا تیرے دم سے ہیں

غنچوں کے مارے پیاس کے بیٹھے منہ کھلے ہوئے
گلشن کے نونہالوں کے منکے ڈھلے ہوئے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دلوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

اے ابر تو تو چھایا ہوا ہے جہان پر
چھایا ہوا سماں ہے زمیں آسمان پر

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آتی اِدھر صبا ہے اُدھر ہے نسیم بھی
اور اُن کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا
جُھک جُھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا

سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز
سیراب باغ و دشت تو کُہسار سبز سبز

جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے
اور بچے آم کے ہیں پپیہے بجا رہے

ساون کے گیت اُٹھا ہے طوفان دُھنیں ہیں
پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں

ہر تان میں ملہار کے مستی کا شور ہے
بادل گرج کے پردے میں دیتا ٹکور ہے

اے ابر تیری رات کی تعریف گر کروں
لازم ہے پہلے میں رہ ظلمات سر کروں

کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا

سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا

بجلی کبھی کبھی نگہ فتنہ ساز سے
کرتی نقاب ابر میں چشمک ہے ناز سے

(آزاد) سید محمد امیر الدین عرف شاہ میرزا خاں لکھنوی شاگرد عشرت و فضل احمد کیف۔ اِن کا حال

آزاد

فیض کی جھلک ٹپک رہی ہے- آپ اُن خوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے داغ مرحوم کے زمانہ قیام دکن میں پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی- جسوقت سے حضرت داغ دکن میں پہنچے اُسوقت سے اپنے شفیق اُستاد کے انتقال تک روزانہ حاضرباشی میں فرق نہ آنے دیا- اُستاد بھی انہیں خاص لوگوں میں سمجھتے تھے اور اپنے عزیزوں کا سا اُنکے ساتھ برتاؤ کرتے ہے- چھوٹی موٹی کوئی تقریب غیر معمولی بات آزاد صاحب کی شرکت بغیر نہیں ہوتی تھی- حضرت داغ کا تیسرا دیوان مہتاب داغ انہیں کے اہتمام سے چھپا ہے- جناب آزاد نہایت شریفانہ خیال کے آدمی ہیں- دکن کے اکثر گلدستے اُنکے گل سخن سے زینت پاتے ہیں- اُنکے تازہ کلام کا گلدستہ نذر ناظرین ہے ہ

ہچکی آتے ہی لیا اُس بت نے نام آزاد کا — مسکرا کر پھر کہا قائل ہوں میں اس یاد کا

وہ کن انکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں — وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا

اس ڈھٹائی کے تصدق اس جفا رت کے نثار — داور محشر سے دعویٰ ہے مری فریاد کا

اور یہ دو دم ملیں مجکو تو عمر بھی کٹے — اک تری شمشیر کا اک خنجر فولاد کا

تم نئے ہو تو فسانہ بھی نرالا ہی سنو — ہو گیا قصہ پرانا قیس کا فرہاد کا

تغافل ہائے بیجا دیکھتا ہوں — گلہ آتا نہیں لیکن زباں پر

بس کار الفت سوچنا کیا — نظر کیا کیجئے سود و زیاں پر

ہے اقتضائے رشک عدو مانع قیام — کتنا ہے ضعف بیٹھ بھی جا کوئے یار میں

پہلو میں آج میرے دل ناتواں نہیں — کیا جانئے یہ غریب کہاں ہے کہاں نہیں

جب تک فغاں تھی لب پہ میرے یا اثر نہ تھا — وقت اثر ہوا تو مجال فغاں نہیں

مزا اُسوقت آئے جب کسی کا کوئی شیدا ہو — مجھے رسوا کیا جس نے الٰہی وہ بھی رسوا ہو

یہ کیا تو نے کہا دل مجکو دے ڈالو تو اچھا ہو — تجھے اسواسطے دیدوں کہ تو لے اور چلتا ہو

ڈبائیں تو اُسے جو کوئی بدنامی سے ڈرتا ہو — جو خود مختار ہو خود سر ہو اُسکو خوف کس کا ہو

انکا کلام ہدیۂ درج ذیل ہے

کہتے ہیں نعش پر تری آیا نجائے گا ... لو خاک میں بھی ہمکو ملایا نجائے گا
جز دیدِ اُن سے اور تمنا نہ کیجئے ... لے بڑھ گئی تو شوق گھٹایا نجائے گا
اُس روئے آتشیں کا نہ دل میں خیال لا ... شعلہ بھڑک اُٹھا تو بجھایا نجائیگا
دعوئے آب و تاب اور اُس رشکِ مہر سے ... مُنہ بھی تو آئینہ سے دکھایا نجائے گا
اعجاز گو تمام کریں حضرتِ مسیح ... مارا ہُوا بتوں کا جِلایا نجائے گا

آزاد

(آزاد) حکیم غلام حسین خاں ولد حکیم غلام رسول خاں کشمیری - کچھ عرصہ سے انکے آباواجداد نے رام پور کو اپنا وطن بنالیا تھا - نواب احمد علیخاں والیٔ رام پور کے عہد میں نیابت کے عہدہ پر مامور تھے شعر و سخن کے مشغلہ سے بھی دلچسپی تھی - انکی دیانت داری و نیک کرداری کی ایک روایت مشہور ہے جو تذکرۂ انتخاب یادگار میں حضرت امیر مینائی مرحوم نے اسطرح لکھی ہے کہ "جب زیارت حرمین شریفین کو چلے تو لاکھ روپے انکے پاس تھے - سب اموال کی فرد بناکر نواب صاحب کے حضور میں پیش کی - حکم ہُوا کہ مال تمہارا ہے سرکار کو اس سے کچھ علاقہ نہیں" انکے انتقال کے بعد بھی انکے اقارب سرکار رام پور کے دامن دولت سے وابستہ رہے اِنکے دو شعر انتخاب یادگار میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں اشعار

جا بجا کرتے ہیں چرچا تری بدوضعی کا ... دو کہیں چار کہیں پانچ کہیں سات کہیں
فہم پر تیری ہنسی آتی ہے مجھکو آزاد ... پھوٹتی ہی نہیں کہتا ہے مری بات کہیں

آزاد

(آزاد) مولوی ابوالحمید - اصل وطن انکا غازی پور زمانیہ ہے - ریاست حیدرآباد دکن میں عدالت عالیہ کے سرآوردہ وکیلوں میں ہیں - نواب فصیح الملک مرحوم داغ دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں ہیں - انکے اسلاف شاہی زمانہ میں اچھے اچھے منصبوں پر ممتاز تھے اُنہوں نے السنہ مشرقیہ میں معقول استعداد پیدا کی اور قانون کو اکتساب معاش کا ذریعہ قرار دیکر دکن میں اقامت اختیار کرلی - انکا سن پچاس برس سے کم نہیں ہے مگر کلام سے شباب کی شوخی اور اُستاد کے

خلق، جوہر ہیں نواب ڈھاکہ کی سرکار سے انہیں کچھ وظیفہ بھی ملتا ہے۔ شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے موقعہ پر کلکتہ کے جلسہ میں ان کا قصیدہ پیش کش شاہزادہ ہوا تھا۔ یہ اُردو کلام کا لب لباب ہے ؎

بیخودی شوق کی اور عرضِ تمنا اُن سے
نہیں معلوم کہ مُنہ سے مرے کیا کیا نکلا

لاکھ نیرنگوں کا رکھتا ہے اثر جلوہ ترا
لاکھ امیدوں کی دیتا ہے خبر جلوہ ترا

اے وفا تیرا بُرا ہو کہ بنا نغمۂ شُکر
لب پہ بھولے سے بھی گر شکوۂ بیداد آیا

اے اضطرابِ دل وہ سُنیں میرا حال کب
دیتا ہے فرصت اِن کو عدو کا خیال کب

واقف تو ہوں ذرا مرے دردِ جگر سے آپ
اے کاش دیکھیں اپنے کو میری نظر سے آپ

آزاد نظمِ ریختہ کچھ میرا فن نہیں
واقف ہیں فارسی کے مرے شعرِ تر سے آپ

ہم اور اخفائے غمِ عشق بایں بیتابی
آپ اور پردہ دری سینہ میں پنہاں ہو کر

نئی روش ہے ترے ظلم جانستاں کے لئے
ستم ہے ہم پہ رقیبوں کے امتحاں کیلئے

آزاد

(آزاد) حافظ سید فضل حق صاحب رئیس عظیم آباد۔ بانکے پور کے مشہور نامی گرامی شاعر ہیں گذشتہ زمانہ میں اخبار الپنچ بانکے پور میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا۔ اُردو شاعری کے علاوہ فارسی میں بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر سخن کرتے ہیں۔ عربی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے آج کل رسالہ مخزن لاہور اور اُردوئے معلیٰ علیگڑھ میں اِن کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا ہے۔ معمولی فرسودہ خیالات سے آپکی جدت پسند طبیعت متنفر ہے۔ آپکی نظم میں اچھوتے نیچرل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں بوجہ علوی معلومات و تبحر علمی شوکت الفاظ زیادہ ہوتی ہے مگر نہ ایسی جو قابل گرفت ہو۔ آپکی ذات مجمع کمالات ظاہری و باطنی ہے آپکی کوئی نظم لطف سے خالی نہیں پائی بلکہ جدتِ خیال اور سلاست بیان اس پر مستزاد ہے۔ اگر حضرت کی مشہور نظموں کا انتخاب ہی درج تذکرہ کیا جاوے تو صد ہا صفحے درکار ہوں اور اصول تذکرہ نویسی کے بخلاف اسلئے صرف عاشقانہ غزلوں کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے ؎

شراب حسن سے آنکھوں کو خوب مست کیا
ہمارے قتل کا قاتل نے بندوبست کیا

یہی ہے رسم الفت کی یہی شیوہ محبت کا | جو تمکو چاہتا ہے چاہئے تم بھی اُسے چاہو
مجھے دعویٰ نہیں میں باز آیا داد خواہی سے | جو ہونی ہو وہ مجھپر ہو الٰہی وہ نہ رسوا ہو
دیکھنا فرطِ نزاکت سے نہ اُٹھا عکس یار | رہ گیا حیران مصوّر اور ششدر آئینہ
میرے دل کا آئینہ ہو آپ کی تصویر پر | ہاتھ آنے کا نہیں پھر اس سے بہتر آئینہ
وقت تزئیں تو میری حیرت کا باعث کچھ نہ پوچھ | دیکھتا ہوں دیکھتا ہے تجھکو کیونکر آئینہ
اسے نہ ہے قسمت ہوا میں انکا جو محوِ جمال | دیکھتے ہیں میری صورت وہ سمجھکر آئینہ
بےوفا میں ہوں کہ دشمن باوفا تم ہو کہ میں | اب ہوا جاتا ہے اسکا حال سب پر آئینہ
واں شبِ اقرار صرفِ زیب و زینت ہو گئی | یاں غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی
جھوٹے وعدوں نے کسی کے کر دیا خانہ خراب | منزلِ دل رہگذارِ یاس و حسرت ہو گئی
جب تلاش شاہدِ مقصود میں رکھا قدم | رہنمائی کے لئے آگے مصیبت ہو گئی
جفا میں لطف - کرم میں جفا نکلتی ہے | ادا ادا میں تمہاری ادا نکلتی ہے
مرے نکالے نہ نکلے گی یہ شبِ فرقت | جو تم نکالو ابھی یہ بلا نکلتی ہے ++
عشق کر بیٹھے مگر کس کو خبر | سہل کیا اس میں ہے کیا دشوار ہے
کیا چیز ہے کیا سینۂ بسمل میں نہیں ہے | دل تیر میں یا تیر ترا دل میں نہیں ہے
کیوں سمجھے نہ کوئی ترے اقرار کو انکار | ہاں تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے

آزاد

(آزاد) مولوی سید محمود صاحب ابن سید اسد الدین حیدر - جہانگیر نگر ڈھاکہ کے قدیم باشندے آغا احمد علی احمدؔ کے شاگرد ہیں* - فارسی - اُردو دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے - چند قصیدے نہایت پُر زور لکھے ہیں - اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں عرصہ تک انکی قلم سے ظرافت کے مضمون نکلتے رہے ہیں قابل دید نوابی دربار آپ ہی لکھا کرتے تھے دیوان آزاد اور خیالات آزاد یہ دونو کتابیں چھپ گئی ہیں اُردو انشا پردازی کے بے جان قالب میں انکی تحریروں نے ایک نئی روح پھونکدی ہے - جدت پسندی اور ظرافت انکی طبیعت کا

* اب آپ کی ۶۰ برس کی عمر ہے -

خلقی جوہر ہیں نواب ڈھاکہ کی سرکار سے انہیں کچھ وظیفہ بھی ملتا ہے - شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے موقعہ پر کلکتہ کے جلسے میں ان کا قصیدہ پیش کش شاہزادہ ہوا تھا - یہ اُردو کلام کا لب لباب ہے ؎

بیخودی شوق کی اور عرضِ تمنا اُن سے
نہیں معلوم کہ مُنہ سے مرے کیا کیا نکلا

لاکھ نیرنگوں کا رکھتا ہے اثر جلوہ ترا
لاکھ امیدوں کی دیتا ہے خبر جلوہ ترا

اسے وفا تیرا بُرا ہو کہ بنا نغمۂ شکر
لب پہ بھولے سے بھی گر شکوۂ بیداد آیا

اسے اضطرابِ دل وہ نہیں میرا حال کب
دیتا ہے فرصت اِن کو عدو کا خیال کب

واقف تو ہوں ذرا مرے دردِ جگر سے آپ
اے کاش دیکھیں اپنے کو میری نظر سے آپ

آزاد نظم ریختہ کچھ میرا فن نہیں
واقف ہیں فارسی کے مرے شعرِ تر سے آپ

ہم اور اخفائے غمِ عشق باایں بیتابی
آپ اور پردہ دری سینہ میں پنہاں ہو کر

نئی روش ہے ترے ظلمِ جانستاں کے لئے
ستم ہے ہمیہ رقیبوں کے امتحاں کیلئے

(آزاد) حافظ سید فضل حق صاحب رئیس عظیم آباد - بانکےپور کے مشہور نامی گرامی شاعر ہیں گذشتہ زمانہ میں اخبار الپنچ بانکےپور میں اُنکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُردو شاعری کے علاوہ فارسی میں بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر سخن کرتے ہیں - عربی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے آج کل رسالہ مخزن لاہور اور اُردوئے معلیٰ علیگڈہ میں اِن کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا ہے - معمولی فرسودہ خیالات سے آپکی جدت پسند طبیعت متنفر ہے - آپکی نظم میں اچھوتے نیچرل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں - اگرچہ کہیں کہیں بوجہ علوی معلومات و تبحر علمی شوکت الفاظ زیادہ ہوتی ہے مگر نہ ایسی جو قابل گرفت ہو - آپکی ذات مجمع کمالات ظاہری و باطنی ہے آپ کی کوئی نظم لطف سے خالی نہیں پائی بلکہ جدتِ خیال اور سلاست بیان اس پر مستزاد ہے - اگر حضرت کی منتخب نظموں کا انتخاب ہی درج تذکرہ کیا جائے تو صدہا صفحے درکار ہوں اور اصول تذکرہ نویسی کے خلاف اسلئے صرف عاشقانہ غزلوں کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے ؎

شرابِ حسن سے آنکھوں کو خوب مست کیا
ہمارے قتل کا قاتل نے بندوبست کیا

یہی ہے رسم الفت کی یہی شیوہ محبت کا | جو تمکو چاہتا ہے چاہئے تم بھی اُسے چاہو
مجھے دعویٰ نہیں میں باز آیا دادخواہی سے | جو ہونی ہو وہ مجھ پر ہو الٰہی وہ نہ رسوا ہو
دیکھنا فرط نزاکت سے نہ اُٹھا عکس یار | رہ گیا حیران مصور اور ششدر آئینہ
میرے دل کا آئینہ ہو آپ کی تصویر پر | ہاتھ آنے کا نہیں پھر اس سے بہتر آئینہ
وقت تزئیں تو میری حیرت کا باعث کچھ نہ پوچھ | دیکھتا ہوں دیکھتا ہے تجھکو کیونکر آئینہ
اسے نے ہے قسمت ہُوا میں انکا جو محو جمال | دیکھتے ہیں میری صورت وہ سمجھکر آئینہ
بے وفا میں ہوں کہ دشمن باوفا تم ہو کہ میں | اب ہُوا جاتا ہے اسکا حال سب پر آئینہ
واں شب اقرار صرف زیب و زینت ہو گئی | یاں غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی
جھوٹے وعدوں نے کسی کے کر دیا خانہ خراب | منزل دل رہگذار یاس و حسرت ہو گئی
جب تلاش شاہد مقصود میں رکھا قدم | رہ نمائی کے لئے آگے مصیبت ہو گئی
جفا میں لطف - کرم میں جفا نکلتی ہے | ادا ادا میں تمہاری ادا نکلتی ہے
مرے نکالے نہ نکلے گی یہ شب فرقت | جو تم نکالو ابھی یہ بلا نکلتی ہے **
عشق کر بیٹھے مگر کس کو خبر | سہل کیا اس میں ہے کیا دشوار ہے
کیا چیز ہے کیا سینۂ بسمل میں نہیں ہے | دل تیر میں یا تیر ترا دل میں نہیں ہے
کیوں سمجھے نہ کوئی ترے اقرار کو انکار | ہاں تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے

آزاد

(آزاد) مولوی سید محمود صاحب ابن سید اسد الدین حیدر - جہانگیر نگر ڈھاکے کے قدیم باشندے آغا احمد علی احمد کے شاگرد ہیں* - فارسی - اُردو دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے - چند قصیدے نہایت پُرزور لکھے ہیں - اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں عرصہ تک انکی قلم سے ظرافت کے مضمون نکلتے رہے ہیں قابل دید نوابی دربار آپ ہی لکھا کرتے تھے دیوان آزاد اور خیالات آزاد یہ دو کتابیں چھپ گئی ہیں اُردو انشا پردازی کے بے جان قالب میں انکی تحریروں نے ایک نئی روح پھونک دی ہے - جدت پسندی اور ظرافت اِنکی طبیعت کا

* [illegible]

لوگ آبرو کو بیچ کے لیں جان دے کے لیں ٹکڑا اسے ملے جو علم و ہنر کی جناب ہے
کب کمال علم و ہنر سے شرف یہ ہے انسان ورنہ کم نہیں ہر گز دواب ہے

(آزاد) منشی صدیق حسن انصاری - سہارنپور کے باشندے اور ریاست بھوپال میں ملازم ہیں انکے چند شعر ایک گلدستہ میں نظر سے گزرے وہی درج کئے جاتے ہیں ؎

جب یار ہنو پاس تو پھر جینے سے حاصل مرجاؤں کہ ہو نام ہی اربابِ وفا میں
مختار ہیں اب آپ جلائیں کہ کریں قتل گردن ہے مری خم رہِ تسلیم و رضا میں
ہیں عشق حقیقی کے مزے جنکے دلوں میں حاصل ہے حیاتِ ابدی اِن کو فنا میں
آزاد کا دل بہرِ خدا کیجیے آزاد کیوں قید کیا تم نے اُسے زلف دوتا میں

(آزاد) بابو کالی چرن ایک موزوں طبیعت کے آدمی ہیں - کلام سیدھا سادا اور صنائع شعری سے آزاد ہے ؎

دام کاکل سے کیوں کیا آزاد اب کہاں جائے تیرا آزاد افسوس
ہے بجا بدشکل دنیا میں کریں جتنا حجاب اچھی صورت تو نہیں صاحب چھپانے کیلئے
جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں تو بولا وہ صنم ہم نے کب تم سے کہا تھا دل لگانے کے لئے

(آزاد) منشی الطاف احمد سہارنپور کے رہنے والے مولانا بیدل سہارنپوری کے شاگرد ہیں اِن کا صحیح پتا نہیں معلوم ہوا اس وجہ سے زیادہ حالات درج تذکرہ نہ ہو سکے دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

تجھ سے اے نورِ مجسم ہر مکاں پُرنور ہے ہر کلیسا کعبہ ہے ہر کوہ کوہِ طور ہے
بدزبانی کی بھی کوئی حد ہے آخر تا کجا ہر کہ تنگ آمد بہ جنگ آمد مثل مشہور ہے
ہوچکے آزاد دنِ آرام کے ++ آدمی بن جاؤ بس اب کام کے
ہم تو صبح شام ہی کے ہو لئے گر یہ ہی وعدے ہیں صبح شام کے
کب تک آخر وقفِ ناکامی رہیں کام آجاؤ کسی ناکام کے ++

نگاہِ ناز نے کیا خوب بندوبست کیا
کہ ایک جام سے ساقی نے سب کو مست کیا

ابھی اُس نونہال پر عالم
باغباں سے ہے نکلتی کونپل کا +

چشم بدور آنکھ ساقی کا +
اُس میں ڈورا سیاہ کاجل کا

نظر آتی ہے نظر بند پری شیشے میں
آج ساقی نے مئے سرخ بھری شیشے میں

حور پردے میں ہے چوتھی کی دُلہن چلمن میں
مئے گلرنگ ہے یا لال پری شیشے میں

نخلِ مینا میں لگا ساغرِ گلرنگ کا پھل
اب نہیں وہ اثرِ بے ثمری شیشے میں

نگہِ ناز کوئی چشم فسوں ساز میں ہے
یا بھری ہے یہ مئے بے خبری شیشے میں

ہوں سخن سحر تو عجب کیا آزاد
انہیں باتوں سے اُترتی ہے پری شیشے میں

بجلیاں گرتی ہیں دل پہ ساز کی +
اُس میں پھر شرکت تری آواز کی

جس کو دیکھا اُس کو بسمل کر دیا
پھیر دیں چھُریاں نگاہِ ناز کی

جا چکی گلشن سے جب فصلِ بہار
آہ کب رخصت ملی پرواز کی

زلف سے دونی ہے عارض کی بہار
شب کو کھلتی ہے گرہ آواز کی

اُسکی آنکھوں کے کرشمے دیکھئے
سحر کی کہئے نہ کچھ اعجاز کی

جام مے سرشار ساقی مہرباں
لب تک آجائیں نہ باتیں راز کی

رنگ میں آزاد یہ اُردو غزل
ہے بھری بوتل مئے شیراز کی

موت سے لو لگائے بیٹھے ہیں
یہ بھی تیری نظر نہ ہو جائے

گھر جن میں بنا لیا تھا تُو نے
اے دوست ہیں وہ مقام تُو نے

لالہ کو کہاں نصیب وہ داغ
جو دل کو دیے ہیں آرزو نے

خنجر ہوا سرخرو لہو سے
لالی رکھ لی رگِ گلو نے

جاری ہو وہ لین دین ساقی
ساغر نے لیا دیا سُبو نے

جینا دشوار کر دیا ہے
اے شوقِ وصالِ یار تو نے

آزاد

(آزاد) منشی سید محمد نذیر احمد صاحب ملازم دفتر رجسٹری سیتا پور۔ جدت پسند۔ ظرافت خیز ولولہ انگیز طبیعت پائی ہے۔ روزمرہ قابل داد اور کلام صاف صاف عام فہم ہے ؎

آپ بیتی کبھی اک ہم بھی کہانی کہتے
کیا کہیں شوق نہیں آپ کو افسانے سے

غم نہیں اسکا جو ہم جان سے اے جان گئے
خیر عاشق تو ہمیں آپ کا سب جان گئے

بادہ خواروں سے یہ چھپ چھپ کے شرابیں پینا
شیخ جی آج تو سب آپ کو پہچان گئے

کیا کہوں سینہ میں تھا جو دل بیتاب کا حال
جس گھڑی کہہ کے وہ "اللہ نگہبان" گئے

لاکھ پردے میں چھپیں آپ تو کیا ہوتا ہے
کہیں چھپتی ہی چھپائے سے بھی صورت اچھی

نقد دل دیتا ہوں انکار عبث کرتے ہو
دے بھی دو بوسۂ رخ ملتی ہے قیمت اچھی

آزاد

(آزاد) مولوی نعیم الحق شیخوپوری۔ علمی استعداد معقول اور حضرت امیر مینائی کے خرمن فیض سے بہرہ اندوز اور نکات شاعری سے باخبر معلوم ہوتے ہیں انکا کلام رسالہ فتنہ میں اکثر نظر سے گزرتا رہا ہے انتخاباً چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

دل مضطرب کو تو کاکل میں باندھا
اب آنچل میں کیا جانے کیا باندھتے ہیں

قیامت بپا ہوگی اُٹھے گا فتنہ
وہ جوڑا نہیں اک بلا باندھتے ہیں

ہم نفس پا بھی بن کے نہیں پاتے بیٹھنے
باد صبا اُٹھاتی ہے کوئے حبیب سے

شکوہ کسی سے ہے نہ شکایت ہے غیر کی
جو کچھ شکایتیں ہیں وہ اپنے نصیب سے

پیری میں دل سے پوچھ نہ حالت شباب کی
ذکر چمن خزاں میں نہ کر عندلیب سے

آزاد

(آزاد) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ مچھلی شہر کا ــــ رسالہ فتنہ میں کچھ شعر نظر سے گزرے پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

وحشت دل کا ٹھکانا چاہئے
چارہ گر اور ایک صحرا چاہئے

زندگی کا کچھ سہارا چاہئے
مر رہے ہیں ایک بوسا چاہئے

اور سب کو چھوڑ دینا چاہئے
فضل پر مولا کے تکیا چاہئے

کردیئے اے ناامیدی تو نے پست	حوصلے سارے دلِ ناکام کے

آزاد

(آزاد) منشی سید افتخار عالم خلف سید مقبول عالم نبیرہ حضرت صاحب عالم المتخلص بہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مارہرہ ضلع ایٹہ ممالک متحدہ - آپ کی ولادت ۱۲۸۰ھ ہجری میں ہوئی - اُردو فارسی کے علاوہ انگریزی بھی معمولی کارروائی کے لایق جانتے ہیں - ۱۸۹۶ء میں انگریزی زبان میں مثل عربی فارسی اُردو بحساب جمل تاریخ نکالنے کا قاعدہ قائم کیا اور انگریزی حروف کے اعداد مقرر کئے - کئی تاریخیں بھی لکھیں مگر غیر ضروری ہونے کے باعث یہ ایجاد مقبول نہ ہؤا - انہوں نے ایک تذکرۃ الخواتین کا ترجمہ کیا اسکا نام حورِ مقصورات رکھا - دوسری محمڈن کالج کی ہسٹری تالیف کی ۱۹۰۰ء میں چند مہینے اخبار مفید عام آگرہ کی اڈیٹری کو بھی زینت دی کبھی کبھی اپنا تخلص بجائے آزاد عالم بھی لکھتے ہیں - حیدرآباد جاکر سال ڈیڑھ سال کے قریب حضرت داغ کے پاس رہے اور انکے فیض صحبت سے مستفید ہوئے یہ خلاصۂ کلام ہے ؎

یوں سنور کر بیٹھنا اچھا نہیں	موت کس کی آئی دیکھا چاہیے
جذب دل خود کھینچ لے گا اسکو آپ	دل کسی پر میرا آنا چاہیے
ازل سے سبحہ و زنار میں رشتہ ہے جب قایم	تو پھر تم میں لڑائی کا فرو دیندار کیسی ہے
اگر خاکِ شفا مجھکو نہیں ملتی تو کیا پروا	مریضِ ہجر کو خاکِ در دلدار کیسی ہے

آزاد

(آزاد) مولوی احمد ابو محمد صاحب غازی پوری - دوڑتی ہوئی طبیعت اور تلاش مضامین کے مائل پائے جاتے ہیں - کلام خاصہ ہے اور اُسی سے یہ اندازہ ہے ؎

کیوں پریشاں ہے طبیعت جاں کیوں مشکل میں ہے	میں نہیں ہوں اُسکے دل میں وہ تو میرے دل میں ہے
اک قدم بڑھتا ہے تو بڑھتی ہے منزل دو قدم	کسکے بختِ نارسا کا کارواں منزل میں ہے
میرے قاتل جان سے پہلے نکلجاتی کہیں	دید کی حسرت جو اسدم دیدۂ بسمل میں ہے
گھبراتے کیوں ہو کشمکش دادخواہ سے	فتنے ہی کیوں اُٹھیں جو چلو اور راہ سے
آؤ تو دل لو جانے لگو تم تو جان لو	باز آیا میں حضور کی اِس رسم و راہ سے

(آزر) منشی لچھمن پرشاد عرف لچھمن نراین کایستھ - اِنکے والد منشی ہر سُکھ راے صاحب نواب ٹونک کی سرکار میں ملازم تھے دربار قیصری کے موقع پر دلّی بھی آئے تھے - یار باش و خلیق آدمی ہیں - منشی دیبی پرشاد کے مشورہ سے شعر کہتے ہیں - کلام پُرلطف اور سیدھا سادا ہے ملاحظہ ہو ؎

کیا کروں تصویر کھنچوا کر تری اے غنچہ لب	میں تو ہوں مشتاق تیرے خندۂ گفتار کا
ہے محبت میں عبث ہندو و مسلماں کا خیال	عشق میں رہتا نہیں ہے دین و ایماں کا خیال
کہیں بیٹھ جائے نہ بنیاد گردوں	کہ اشکوں سے طوفاں اُٹھا چاہتا ہے

آزردہ

(آزردہ) وحید العصر یکتاے دہر افضل العلما مولوی مفتی صدر الدین خاں صاحب خلف الرشید مولوی لطف اللہ کشمیری شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و مولوی فضل امام والد مولوی فضل حق منطقی خیرآبادی قبل از غدر حکام وقت کی طرف سے عہدہ صدر الصدور پر ممتاز تھے یہ عہدہ اہل ہند کے لئے اُس زمانہ میں اعلیٰ ترین عہدہ سمجھا جاتا تھا - باوجود مشاغل ملازمت فکر سخن کا بھی شوق رکھتے تھے - بعض تذکروں میں مرقوم ہے کہ اوائل میں چند غزلیں شاہ نصیر صاحب کو دکھائیں اور کچھ دنوں میاں مجرم اکبرآبادی سے بھی مشورہ لیا انجام کار میر ممنون کے شاگرد ہو کر اس فن میں کمال حاصل کیا - اِنکی تاریخ ولادت لفظ چراغ ۱۲۰۴ اور تاریخ وفات چراغ امم ۱۲۸۵ سے نکلتی ہے - عربی - فارسی - ریختہ تینوں زبانوں پر قادر تھے ہر ایک زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت سے داد سخن دی ہے - جناب آزردہ مرحوم ان چند اشخاص میں تھے جنہوں نے اعلیٰ درجے کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک سخن میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھایا ہے - آپ اپنے زمانہ کے مشاہیر سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے - منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوصف آپکی طبیعت ظاہری نمایش سے کوسوں دور تھی - دنیوی آسایش کے تمام سامان بہم پہنچائے مگر خود سیدھی سادی وضع سے بسر کرتے رہے - عدالتی کاروبار سے فرصت کے وقت طلبا کا حلقہ آپکے گرد رہتا تھا طالب علموں

آزر

(آزر+) نواب ذوالفقار علیخاں نبیرہ معتمد الدولہ نواب احمد علیخاں جو احمد شاہ ابدالی کے وزیر اور شاہ ولی خاں کے بھتیجے تھے دلّی کے رہنے والے - بادشاہ کی طرف سے شاہجہاں آباد کے قلعہ دار تھے - نواب اسد اللہ خاں غالب سے تلمذ تھا خوبصورت وجیہ - جامہ زیب نوجوان تھے - کلام میں جدّت اور طبیعت میں جودت پائی جاتی ہے ؎

شکر پرواں زبان کٹتی ہے +		شکوہ کرنے کی کیا مجال ہمیں
میرے ستانے نے کام اس سے اِک جہاں کیلیے		جو میں نہوں تو نہو گردش آسماں کے لئے
ہوئے ناخوش بتاں دیکھا جو مجھکو		خدنگِ غمزہ نے گویا خطا کی +

آزر

(آزر) پنڈت جوالا پرشاد خلف بشن چند پار مو - انکا اصل وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے - اوائل عمر میں اپنے بڑے بھائی گنگا پرشاد - رند کے پاس بریلی اور اکبر آباد میں رہے پھر بتقریب ملازمت محکمہ پولیس مظفر نگر - شاہدرہ - اور متھرا میں متعین رہے انجام کار پنشن لے کر باقی زندگی متھرا میں بسر کی - فن شعر میں اپنے بڑے بھائی رند سے مشورہ لیتے تھے - ۲۱ - دسمبر ۱۸۶۲ء میں پینسٹھ برس کی عمر پاکر انتقال کیا - کلام میں روانی اور طبیعت میں رجحان فقیری پایا جاتا ہے - اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ؎

شوق ہیں کھائے ہیں اک چہرۂ گل گون کے گل		کیوں نہ رنگیں ہوں مرے گلشن مضموں کے گل
نہ ہمیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی		اسکا جی چاہے سو یہ گردش افلاک کرے
		ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں	رباعی	عقبٰے میں حساب معصیت سے چھوٹے
دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے		
ہر چار طرف کے مٹ گئے وہم وخیال		ہم عشق میں کُل شش جہت سے چھوٹے

+ اس لفظ کی کتابت میں بعض لوگوں کی بے پروائی سے بجائے زائے معجمہ ذال معجمہ داخل ہوگئی ہے حالانکہ کسی لغت سے ذال کا ہونا ثابت نہیں ہوتا - صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں - آزر بفتح زائے معجمہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے چچا کا نام تھا چونکہ انہوں نے ابراہیم کو پالا تھا اور اہل عرب چچا کو بھی باپ کہتے ہیں اسی سبب سے قرآن میں بھی باپ سے تعبیر کیا گیا الخ +

آ پھنسے بیڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے	مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

ذوق - مومن - غالب - صہبائی - شیفتہ - نیر رخشاں سے دلی اتحاد تھا۔ ۱۲۸۵ھ ہجری مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء میں اکیاسی برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا - اور درگاہ چراغ دہلی میں دفن ہوئے ایک تذکرہ شعراے ریختہ انکی یادگار ہے مگر نایاب ہے - دیوان مرتب ہونے نہ پایا بلکہ متفرق کلام کا بھی بڑا حصہ تلف ہوگیا - باوجود شوق طبع زادگان سخن کی غور پرداخت پر زیادہ توجہ نہ تھی کبھی کبھی دوستوں کے اصرار یا تفنن طبع کے لحاظ سے شعر کہہ لیا کرتے تھے - ایک مرتبہ آپ کے اس شعر پر ؎

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے	گر ہم بھی سبک حرکت نااہل سے ہوتے

کسی نے اعتراض کیا کہ حرکت بفتحتین چاہئے اس پر آپ نے اساتذہ فارس کے بیسیوں شعر راے مہملہ کے سکون کی سند میں پیش کرکے مخالف کو ساکت کرکے چھوڑا - آپ کے اشعار ہر قسم کے اغلاق و تنافر سے پاک ہوتے تھے جو عربی کے جید عالم فاضل کے لئے کچھ آسان بات نہیں ہے - شوخی طبع - سلاست زبان دیکھکر بھی تعجب ہوتا ہے کہ آپ کسطرح استعداد عربی کے زبردست اثر کو غالب نہیں آنے دیتے تھے - غدر کے بعد آپ کی شاعری بھی طبیعت کی طرح سرد پڑگئی اگر کبھی کچھ کہتے بھی تو حضرت شیفتہ یا حضرت غالب کے اصرار سے کہتے -

آپ دہلی میں مجالس علمیہ کے رکن رکین تھے آپ کی وفات سے شعر و سخن کی دنیا کو بڑا صدمہ پہنچا آپ کی یہ وضعداری بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ قلعہ کے ترپولیے میں حضرت بہادر شاہ کی سواری قریب سے گزر گئی نہیں معلوم آپ اسوقت کس دُھن میں تھے سلام نہ کرسکے جب صاحب رزیڈنٹ بہادر کو یہ خبر ہوئی تو اُنھوں نے بُلاکر دو روپے جرمانہ کیا - آپ نے اُس دن سے مرتے دم تک کسی کے ساتھ بھی سلام کرنے میں سبقت نہیں کی گویا خود سلام کرنے کی عادت ہی اُڑادی -

لطیفہ - ایک روز مکرمی منشی بہاری لال مشتاق اپنے دوست لالہ رامچند قمر کے ساتھ جناب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شعر شاعری کا ذکر چلا - قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت

کو بڑے شوق سے پڑہاتے تھے - علمی فیض کے علاوہ ضرورتمند کے ساتھ نقد وجنس سے
بھی سلوک ہوتے تھے - نہایت منصف مزاج - خوش مزاج - نیک نفس - نفاست پسند تھے -
چنانچہ آپکی نفاست پسندی کی اکثر حکایتیں مشہور ہیں - اِن اوصاف کے ماسوا - زندہ دل خلق
مجسم کہنا مبالغہ نہیں ہے - انکے شاگردوں میں کئی شاگرد صاحب کمال اور نامور گزرے ہیں -
آپکے انتقال سے برسوں پہلے یہ بات زبان زدِ خاص وعام تھی کہ جسنے آپ سے فیض
پایا اور موردِ عنایات رہا وہ ضرور اعلےٰ مدارج پر پہنچا - نواب یوسف علیخاں - ناظم - والی ریاست
رامپور نے بھی اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں اِن سے پڑہا تھا - نواب صدیق حسن خاں مرحوم
شوہر رئیسہ بھوپال - آنربیل ڈاکٹر سرسید احمد خاں بہادر بانی محمڈن کالج علی گڈہ جیسے فرد زمانہ
اصحاب کے نام آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہیں - سرسید کے حال پر تو آپ کی خاص
نظر عنایت تھی - آپ کاملین کے نہایت قدردان تھے - انہیں کے اجلاس میں حضرت
غالب مرحوم یہ شعر بطور جواب دعویٰ پڑہا تھا شعر

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں	رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایکدن

مفتی صاحب نے یہ شعر سنکر اِنکے قرضہ کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر دیا - غدر ۱۸۵۷ء کے
بعد آپ بھی مختلف مصائب اور دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبان زد
خاص وعام ہے یعنی مفسدوں نے آپسے جواز جہاد کے فتوے پر زبردستی مُہر کرانی چاہی تو آپ
نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھدیے (فتوے بالجبر) مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھکر
پیچھا چھوڑ دیا - مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب
طلب کیا آپنے فتوے بالجبر ثابت کرکے رہائی پائی - اسی رستخیزِ بیجا کے زمانہ میں تمام
جائداد بھی ضبط ہوگئی تھی - جب کوئی جرم عاید ہوا تو لاٹ صاحب کے رحم نے نصف جائداد واگزاشت
کردی - اِسی ہنگامہ دار و گیر میں کچھ روز حوالات میں نظربند رہے - وہاں بیٹھے بیٹھے ایک ترکیب بند
لکھ ڈالا جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

اٹھنے میں صبح کے یہ کماں سر گرانیاں
زاہد نے مے کا جلوہ یہ دیکھا ہے خواب میں

تحقیق ہو تو جانو کہ میں کیا ہوں قیس کیا
لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں

ہر ہر روئیں سے خرقہ کے میرے ہے خونچکاں
غوطے تو سو دیے اسے زمزم کے آب میں

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں

امدادِ چشم کیا ہو لگی دل کو آگ جو
جلنے کے بعد خوں نہیں رہتا کباب میں

ہیں دونو مثلِ شیشہ یہ سامانِ صد شکست
جیسا ہے میرے دل میں نہیں ہے حباب میں

یہ عمر اور عشق ہے آزردہ جائے شرم
حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں

پلا ساقیا مئے خنک آب میں
کہ تھمتی نہیں توبہ مہتاب میں

گیا دین کیسا حضورِ نماز
وہ یاد آئے ابرو جو محراب میں

ملے کچھ تو زخمِ جگر کا مزہ
بجھا کر رکھا تیغ زہر آب میں

الٰہی فلک جس سے پھٹ جائے وے
وہ تاثیر آہِ جگر تاب میں

بلند آشیانوں پہ بجلی گری
جو سینچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں

وہ عریاں ہیں سرما میں بھی جنکی شب
گزرتی سمور اور سنجاب میں

نہ آئے ہوں آزردہ لینا خبر
پڑی دھوم یہ سارے پنجاب میں

کہ کاشش مقبول ہو دعائے عدو
کیا کروں وہ بھی مستجاب نہیں

اب تو اِس چشمِ تر کا چرچا ہے
ذکر دریا نہیں سحاب نہیں

جمع طوفان و چشمِ تر مسرف
اب مصارف کا کچھ حساب نہیں

دھو دیا سب کو دیدۂ تر نے
وہ نہیں درس وہ کتاب نہیں

عشق بازی کا منہ چڑھاتا ہے
اب وہ موسم نہیں شباب نہیں

تیری آنکھوں کے دور میں کیا کیا
سحر رسوا نہیں خراب نہیں

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے
اسکو آرام اُس کو خواب نہیں

تعریف کی۔ مولانا نے چیں بجبیں ہو کر فرمایا کہ نہایت مشکل کہتا ہے اور پھر زانو پر ہاتھ مار کر شگفتہ جبیں ہوئے اور فرمایا کہ ہائے اچھا کہتا ہے تو ایسا کہتا ہے ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

مفتی صاحب کے صلبی اولاد نہ تھی اس وجہ سے اپنی بیوی کے حقیقی بھانجے مولوی عنایت الرحمن خاں صاحب سابق ڈپٹی کمشنر محکمہ دریافت انعامات گورنمنٹ نظام دکن کو متبنٰی کر لیا تھا۔ آپکے اشعار آبدار کا انتخاب ہدیۂ اولو الالباب ہے ؎

مر کر بھی ہمارا دلِ بیتاب نہ ٹھہرا
گُشتہ بھی ہُوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکل جائے
آزردہ میرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامنگیر کوئی جانکر قاتل تجھے
تو بھی رونا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر

برگشتہ بخت جذبۂ دل تم کو آفریں
آ کر وہ پھر گیا مرے بیت الحزن کے پاس

آمد آمد ہوئی پھر موسمِ گُل کی شاید
اِن دنوں چاک کو پائی ہیں گریبان سے اُنس

ہوئے ہیں وہ ناقابلوں میں شمار اب
جنہیں مانتے تھے زمانے کے قابل

کروں چاک سینہ تو سو بار لیکن
نہیں داغِ دل یہ دکھانے کے قابل

یہ کہہ کے رخنہ ڈالئے اُن کی نقاب میں
اچھے بُرے کا حال کھُلے کیا نقاب میں

کیا جانو کیا اثر ہے دلِ شعلہ تاب میں
یہ وہ ہے برق آگ لگا دے نقاب میں

قسمت تو دیکھ کھولی گرہ کچھ تو رہ گئی
ناخن ہمارے ٹوٹ کے بندِ نقاب میں

یارب وہ خواب حق میں مرے خواب گہ ہو
آوے وہ مستِ خواب اگر میرے خواب میں

حال اس نگہ کا اسکے سراپا میں کیا کہوں
مورِ ضعیف پھنس گئی جا شہدِ ناب میں

یارب یہ کس نے چہرہ سے اُلٹا نقاب ہے
سو رخنے اب نکلنے لگے آفتاب میں

خورشید زار ہووے زمیں دے جھٹک ذرا
سو آفتاب ہیں ترے گردِ نقاب میں

کیا عقل محتسب کی کہ لایا ہے کھینچکر
سودا زدوں کو محکمۂ احتساب میں

اُسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر
ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو
دلِ پُر زخم ہی کو آگ لگا دی ہم نے
محتسب کو کیا بیکار تری آنکھوں نے
مژدہ اے چرخ کہ اب میری طرح سے رکھتا
ہے نیا قاعدہ یاں ذبح کا قاتل کی طرف
دامن اُسکا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کون سا دن ہے کہ خورشید جہاں تاب سحر
ترک روئی خوش آزردہ محالات سے ہے
گیا کون سا صید افگن ادھر سے
گھر سے گھبرا کے کھُلے بالوں ہر اک کھٹکے پر
اے بلبلان شعلہ دم اک نالہ اور بھی
اچھا ہُوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ
کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شبِ فراق
گو اسیری میں ہوں پر مثلِ اسیرِ تصویر
ترے مجروح کے سینے میں کچھ گرمی سی باقی تھی
اُلجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب
اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے
عالم خراب ہے نہ نکلنے سے آپ کے
پروانہ وار ہے حدِ پرواز شعلہ تک
باہم ملاپ تھا یہ ترے دورِ حسن میں

کہیں پُرسشِ داد خواہاں نہیں
ہے فکر بخیہ تجھکو گریباں کے چاک میں
چارۂ جز شعلہ پے خانۂ زنبور نہیں
ایک میخانہ بھی اس دور میں معمور نہیں
طاقت اُٹھنے کی ذرا نالۂ رنجور نہیں
دیکھنا پھر کے کن انکھیوں سے بھی دستور نہیں
کیوں ہے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں
خاکِ در سے ترے دریوزہ گرِ نور نہیں
یوں خدا کی تو خدائی سے ہے کچھ دور نہیں
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں
کیوں نکل آتے ہو دھوکے میں جو بیتاب نہیں
گم کردہ راہ باغ ہوں یاد آشیاں نہیں
اِک قہر تھی بلا تھی قیامت تھی جاں نہیں
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں
نہ غمِ قید نہ پروائے رہائی مجھکو
وہیں بس ہو گیا ٹھنڈا جو کھینچا تیرے پیکاں کو
لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلفِ پریشاں کو
گر ہم بھی سُبک حرکت و نا اہل سے ہوتے
نکلو تو دیکھو خاک میں کیا گھر کے گھر ملے
جلنے ہی کے لئے مجھے یہ بال و پر ملے
یہ رسم اُٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے

جوں سراپائے یار آزردہ ٭
تیرے دیواں کا انتخاب نہیں

یہ چھپے نہ دیکھو مجھ سے شبِ وصل میں کہے
تو اجنبی ہے بندِ قبا کیونکہ وا کروں

ہزار شیوہ ہیں پنہاں کہ جی ہی جانے ہے
تری نگہ کا تغافل ہی اک جواب نہیں

شب جوشِ گریہ تھا مجھے یاد شراب میں
تھا غرق میں تصورِ آتش سے آب میں

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمین و زمیں آسماں نہیں

قاتل کی چشم تر ہو یہ ضبط آہ دیکھ ٭
جوں شمع سر کٹے پہ اُٹھایاں دھواں نہیں

آنکھوں سے دیکھ کر تجھے سب ماننا پڑا
کہتے جو تھے ہمیشہ چنیں ہے چناں نہیں

افسردہ دل نہ ہو درِ رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا درِ پیرِ مغاں نہیں

لب بند ہوں تو روزنِ سینہ کو کیا کروں
تھمتا تو مجھ سے نالۂ آتش عناں نہیں

ملنا ترا یہ غیر سے گر ہو بہر مصلحت
ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں

شب اسکو حال دل نے جتایا کچھ اسطرح
ہیں لب تو کیا نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

بے وقت آئے دیر میں کیا شورشیں کریں
ہم پیر و پیرِ میکدہ بھی تو جواں نہیں

اس بزم میں نہیں کوئی آگاہ ورنہ کب
واں خندہ زیر لب اِدھر اشکِ نہاں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ناز و نگہ روش سبھی لاگو ہیں جان کے
ہے کون ادا وہ تیری کہ جو جاں ستاں نہیں

آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے روبرو
مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ نے پڑھی غزل اک میکدہ میں کل
وہ صاف ترکہ سینۂ پیرِ مغاں نہیں

نکلنا ہوا دل سے دشوار کیوں
یہ اک آہ ہے اس کا پیکاں نہیں

یہ ہاتھ اس کے دامن تلک پہونچے کب
رسائی جسے تا گریباں نہیں

فلک نے بھی سیکھے ہیں تیرے سے طور
کہ اپنے کئے سے پشیماں نہیں

مرا نامۂ شوق تووں سے تلے ٭٭
نہ ملئے یہ خونِ شہیداں نہیں

گاج کا جن سے ڈوپٹہ نہ سنبھالا جاتا ۔ لاکھ حکمت سے اُڑھاتے تو نہ اُڑھایا جاتا

سر پہ وہ بوجھ لئے چار طرف پھرتے ہیں
دو قدم چلتے ہیں مشکل سے تو گر پڑتے ہیں

طبع جو گہنے سے پھولوں کے اذیت پاتی ۔ منہدی ہاتھوں میں لگا سوتی تو گھبراتی
شام سے صبح تلک نیند نہ جن کو آتی ۔ ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی

اُنکو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
سنگ پہلو سے اُٹھایا تو سرہانے رکھا

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے ۔ سر ہے اور جوش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جان پہ بن جاتی ہے ۔ مصطفےٰ خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

کیوں نہ آزردہ نکلجائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

آس

(آس) للن میاں کے نام سے مشہور ہیں ۔قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں رہتے ہیں ۔ ۲۵-۲۶ برس کی عمر ہے ۔ سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد اور طبیعت فن شاعری سے بہت مناسبت رکھتی ہے ۔ مزاج میں مزاح و ظرافت بہت ہے ۔ فارسی کی قابلیت خاصی ہے ۔ کچھ عربی سے بھی بہرہ یاب ہیں اور انگریزی سے بھی ماہر ۔ اگرچہ مشق سخن کو بہت زمانہ نہیں گزرا مگر طبیعت کی جودت نے اچھا ملکہ حاصل کیا ہے ۔ اپنے طرز بیاں کو فصیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں ۔ اُستاد ظہیر انکو بہت چاہتے اور اکثر انکی غزلوں کی تعریف فرماتے ہیں تھوڑا سا کلام انتخاباً درج ہے ؎

نہ ملو کھل کے تو چوری کی ملاقات رہے ۔ آیا جایا کرو تم رات گئے رات رہے
چال رفتار میں گفتار میں کچھ گھات رہے ۔ لطف تو جب ہے کہ ہر بات میں اک بات رہے
حسرت دید شماران ملاقات رہے ۔ آس پھر جائیں مرے دن جو وہ اک رات رہے

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضعداریاں
اُسکی گلی میں لے گئے آزردہ کو اُسے

آنکھ اُٹھائی نہیں وہ سامنے سو بار ہوئے
کام اِس خرقۂ زہاد میں اُٹھا نہ کوئی

نہ اُٹھی بیٹھ کے خاک اپنی ترے کوچے میں
صبح لے آئینہ اُس بت کو دکھایا ہم نے

کچھ تعجب نہیں گر ابکے فلک ٹوٹ پڑا
مصر میں آج تجھے دیکھ کے پچھتاتے ہیں

مبتذل میں ہی تو ہوں آپ جو کہیے سچ ہے
یہ ہیں آزردہ جو کہتے ہوئے شیئاً للہ

مبتذل دوست بنایا نہ اُسے کیوں اول
مکھڑا وہ غضب زلفِ سیہ فام یہ کافر

نقشے تو بہت صانع قدرت نے بنائے
بالیں پہ کھڑا روتا ہے راتوں کو مسیحا

جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے
دی تھی دعا یہ کس نے کہ جنت میں گھر ملے

ہجر میں ایسے فرامشگرِ دیدار ہوئے
کچھ ہوئے تو یہ ہی رندانِ قدح یار ہوئے

ہم نہ یاں دوش ہوا کے بھی کبھی بار ہوئے
رات اغیار سے ملنے کے جو انکار ہوئے

آج نالے جو کوئی اور بھی دو چار ہوئے
سادہ لوحی سے جو یوسف کے خریدار ہوئے

رات جھگڑے تو مجھی پر سرِ بازار ہوئے
آج دریوزہ گر خانۂ خمار ہوئے

جس نے اُس شوخ کی نظروں میں کیا خوار مجھے
کیا خاک جیے کوئی شب ایسی سحر ایسی

پر بن نہ سکا پھر دہن ایسا کمر ایسی
کچھ آن بنی ہے ترے بیمار پر ایسی

انتخاب مُسدّس مرثیہ دہلی

جنکو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا
اُنکی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا
اہل نا اہل سے خلط جنھیں زنہار نہ تھا
آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی وہاں بار نہ تھا

وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشاں در در
خاک بھی انکو نہیں ملتی کہ ڈالیں سر پر

زیورِ الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا
بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا

ہزاروں داغ کھائے جو ہمارے مثل اے آسان
فروغِ حسن جہاں ہیں جو تجھکو ہے منظور
خفا ہو کس سے کہو تو یہ رنج کس سے ہے
ہے فزوں ترگلِ تر سے بھی بہارِ عارض
میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے
کثرتِ تارِ نظر سے نہ رہائی دیجے
کہکشاں مانگ ہے اُنکی شبِ یلدا زلفیں
دام میں طائرِ دل کو نہ پھنسائیں اپنے
آنسو مرا آنسو نہیں اے اہلِ نظر ہے
جاتا ہے اُدھر رخ ترے عاشق کا جدھر ہے
یہ چشم ہے یا ہے صدفِ قلزمِ الفت
تعریف کروں اور میں کیا اس سے زیادہ
ہوتی نہیں آخر کسی صورت یہ خدایا
پاتا ہے جو قاتل تری تلوار کا پانی +
ہے موتیوں کے ہار میں اک لعلِ بدخشاں
اب ہوش میں آ خوابِ تغافل سے ہویدا
مشکل نہیں فردوس تجھے حشر میں پانا
عشق میں حسن دکھائے جو طبیعت میری
آسماں عیش کے پردے میں ستم کرتا ہے
فرقت کی شب ہے درد مرا کچھ نہ پوچھئے
کس شوخ نے کیا مجھے بسمل میں کیا کہوں

جگر ایسا ہے قمری کا نہ دل ایسا عنادل کا
زبانِ شمع کی مانند رکھ زباں خاموش
بتاؤ بیٹھے ہو کیوں آج مہرباں خاموش
کس طرح بلبلِ دل ہو نہ نثارِ عارض
یوں سمجھ لو کہ یہ تھا عاشقِ زارِ عارض
پھینک کر دامِ نگہ کیجے شکارِ عارض
خالِ رخ پر ہیں ستارے مہِ انوارِ عارض
دانۂ خال کو زلفوں میں دکھا کر عارض
دریا ہے روانی میں صفائی میں گہر ہے
قرباں ہیں اس تیر کے کیا تیرِ نظر ہے
یہ اشک ہے یا بحرِ محبت کا گہر ہے
تارِ نظرِ دیدۂ عنقا وہ کمر ہے
کیا صبحِ قیامت شبِ فرقت کی سحر ہے
اب رنگ میں ہمشکلِ گُلِ زخمِ جگر ہے
اشکوں میں ہمارے یہ نہیں لختِ جگر ہے
پیری نہ سمجھ شام جوانی کی سحر ہے
آسان غمِ شبیر ترے دل میں اگر ہے
صاف آئینہ حسینوں کا ہو حیرت میری
لفظ عُسرت سے بدل دیتا ہے عشرت میری
ہر حال میں ہے شکرِ خدا کچھ نہ پوچھئے
تڑپا گئی ہے کس کی ادا کچھ نہ پوچھئے

وصل کی شام کی اللہ کرے صبح نہو ایک شب کو جو وہ آ سوئے تو کہی رات رہے
چھین لوں گا انہیں اغیار سے میں لڑ بھڑ کر تو سہی حشر کا میدان میرے ہات رہے
وہ چلے جائینگے پہلو سے مرے پچھلے پہر صبح ہو جائیگی افسوس یہاں رات رہے
نہ وہ رونق نہ وہ رنگت نہ وہ جوبن نہ وہ روپ کچھ بتائیں تو سہی آپ کہاں رات رہے
کھینچتا ہوں جو تصور میں کسی کی تصویر مدعا ہے کہ وہ آگے مرے دن رات رہے
مانگتا ہے کوئی ساغر کو تو دیتا ہے وہ خم شاد آباد مرا پیر خرابات رہے
سچ اگر پوچھو تو انصاف کے یہ معنی ہیں ہے جہاں غیر سے مجھسے بھی ملاقات رہے
میری آنکھوں کی اگر اشک فشانی دیکھے پانی پانی عرق شرم سے برسات رہے
جو کیا آس نے الفت میں کرے گا نہ کوئی یاد یہ آپ کو سو بات کی اک بات رہے

آسمان

(**آسمان**) منشی سید محمد جعفر کانپوری ابن مولوی میر محب علی صاحب سلیس مرحوم مرثیہ گو متوطن کانپور - خواجہ مرتضیٰ خاں بقا معروف بہ مستند الشعرا کے شاگرد رشید اور نواب سید بنیاد حسین صاحب جاہ رئیس اعظم کانپور کے صاحبزادے کے اتالیق ہیں - رنگینی طبع خوش فکری ہر شعر سے ظاہر ہے - تشبیہیں اور استعارے نہایت لطافت سے باندھے ہیں - روزمرہ صاف ہے سن شریف پچاس سال کے قریب ہے ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام وصول ہوا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ہ

شگفتہ ہو گیا دل دیکھکر ہر ایک بسمل کا کھلا ہے باغ کیسا جوہر شمشیر قاتل کا
ہلال آسماں بھی صورت ماہی نظر آئے جو دریا آسئے طغیانی پہ آب تیغ قاتل کا
پس مردن بھی میرا نام روشن ہے زمانے میں بنا ہے غیرت خورشید ہر کاسہ مری گل کا
برستے ہیں سر عشاق مقتل میں تماشہ ہے اٹھا ہے ابر کیسا جوہر شمشیر قاتل کا
خدا محفوظ رکھے ناز و انداز حسیناں سے وہ دشمن جان کا میری یہ دشمن ہے مرے دل کا
ہوا ہے جلوۂ وحدت سے یکتا یہ صفائی میں ذرا دیکھیں تو آ کر آپ آئینہ مرے دل کا

عشقِ حقیقی میں مستغرق ہوگئے۔ آپکے کلام سے آپکی شوخیِ طبع۔ بلند پروازی۔ بندشِ مضمون۔ تلاشِ الفاظِ مانوس و موزوں۔ برجستگیِ کلام۔ شستگیِ زبان کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ غرض اصنافِ علوم پر پورے پورے قادر اور ہر علم و فن سے بخوبی واقف و ماہر ہیں مگر افسوس ہے کہ تدوینِ کلام کی مطلق اجازت نہیں دیتے جو کچھ متبرک کلام مختلف ذرائع سے بہم پہنچا ہے وہی نور افزاے ناظرین تذکرہ کیا جاتا ہے وھو ہذا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا ‌ اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

میں اور کوے عشق مرے اور یہ نصیب ‌ ذوقِ فنا خضر کی طرح رہ نما ہوا

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے ‌ کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

رباعی

پھر بادۂ تند غصہ پینا ہوگا ‌ پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا

جینے نے یہاں کے مار ڈالا آسی ‌ سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

رباعی

یا مجھکو ترا حسن نہ بھایا ہوتا ‌ یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا

یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا ‌ ہر جزو بدن کو دل بنایا ہوتا

وہ کون حسرت تھی دل کے اندر کہ وقفِ پیچ و تاب ہوکے ‌ جب آنکھوں تک جوش کھا کے آئی ٹپک پڑی خونناب ہوکر

ہزاروں کی جان لے چکا ہے یہ چہرہ زیرِ نقاب ہوکر ‌ مگر قیامت کروگے برپا جو نکلوگے بے حجاب ہوکر

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں ‌ کسیکو لوٹا ثواب ہوکر کسی کو مارا عذاب ہوکر

وہ ہیں سوارِ سمندِ خوبی ہلالِ شوال کی یہ شوخی ‌ گلے لگا اُنکے ہوکے کنٹھا قدم لئے ہیں رکاب ہوکر

بلندی اُسکی اُسکی پستی ہر ایک شے میں اُسکی ہستی ‌ عروج اُسی کا رسول ہوکر نزول اُسی کا کتاب ہوکر

وہ حسن جسپر نظر نہ ٹھیرے بہار اسکی دکھا رہی ہے ‌ کہیں صباحت نقاب ہوکر کہیں ملاحت حجاب ہوکر

خبر جو محشر میں چھڑکی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا ‌ وہ داغ ہوگا کسیکے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہوکر

شناخت اُسکی ہو سہل کیونکر کہ جب نہ تب بھیس اک نیا ہو ‌ وہ دن کو خورشید ہوکے نکلے تو رات کو ماہتاب ہوکر

میں دل سے اُس شیخ کا ہوں قائل کہ میکدہ میں پئے تہجد ‌ لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے خودِ دورِ شراب ہوکر

فراق میں اس قدر تردد ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے ‌ بڑھے گی کچھ اور بیقراری وصال میں کامیاب ہوکر

جس نے گلے لگا لیا اس کو ہوا شہید — حال عروس تیغ ادا کچھ نہ پوچھیے

اچھا تپ فرقت سے بھلا کیوں نہیں کرتے — ہو رشک مسیحا تو دوا کیوں نہیں کرتے

کیا اہل جہاں کرتے ہیں ظاہر کی صفائی — آئینۂ باطن کو جلا کیوں نہیں کرتے

جز ذات خدا اور بقا کسکو ہے آسان — فانی ہے جہاں یاد خدا کیوں نہیں کرتے

گنج قفس ملا عوض بوستاں مجھے — افسوس لے گئی مری قسمت کہاں مجھے

بولے وہ گرد مجمع عشاق دیکھکر — یوسف سمجھ کے گھیرے ہے یہ کارواں مجھے

پستی میں اوج اوج میں پستی رہی مدام — ہے آسماں زمیں تو زمیں آسماں مجھے

مشتاق میں اشارۂ ابرو کا رہ گیا — خنجر تمہارا چھوڑ گیا نیم جاں مجھے

اہل عدم نے مڑ کے نہ دیکھا جو میرا حال — سمجھے بنے گیا غبار پس کارواں مجھے

باطن میں پاس یار کے رہتا ہوں رات دن — ظاہر میں دیکھتے ہو تم آساں یہاں مجھے

آسی

(**آسی**) - مولانا شاہ عبد العلیم صاحب سکندرپوری آج کل غازی پور میں مقیم ہیں ایک نہایت لائق - برگزیدہ اخلاق - ستودہ صفات - صوفی مشرب - عالم باعمل - ادیب کامل - مانے جاتے ہیں - صدہا طالبین باصدق و صفا نے آپ سے فیض پایا ہے - آپ کو عربی وفارسی میں وہی قدرت حاصل ہے جو اپنی مادری اُردو زبان میں دسترس ہے - فن شاعری میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں - علوم صوری کے درجے سے فراغ کر علوم معنوی میں روزافزوں ترقی کر رہے ہیں اسوقت سن شریف بہتر برس کے قریب ہے مگر طبیعت ہنوز جوان اور عالم شباب کی طرح بدستور زوروں پر ہے - اعلیٰ درجے کے مستغنی المزاج - اکابرین سلف کی زندہ یادگار ہیں ایام طالب علمی سے شعر و سخن کی طرف بھی طبع مائل رہی ہے - اس فن میں ناسخ مرحوم کے خاندان سے مشورہ لیا ہے - ناسخ اور میر علی اوسط - رشک - نے جو روش اختیار کی ہے اسی کی تقلید کرتے ہیں - ایک زمانہ میں آپ کا کلام بالکل عالمانہ و مشکل پسند رنگ لئے ہوئے تھا - لیکن جب سے آپ کی توجہ تصوف کی طرف مائل ہوئی وہ رنگ ہی بدل گیا عشق مجازی سے

بنیادِ روزگار کی ناپختگی نہ پوچھ
گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے

واعظ مرا معاملہ میکش خدا کو سونپ
میں ہوں گناہگار وہ آمرزگار ہے

مستی میں کوئی راز جو آسی سے فاش ہو
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

آشفتہ

(**آشفتہ**) شاعر باکمال عنبر شاہ خاں - باشندۂ رام پور شاگرد قائم چاندپوری - جوانِ وجیہہ تھے - شگفتگی طبع - خوش روئی - لطیفہ گوئی - بذلہ سنجی میں مشہور تھے - ۶۷ برس کی عمر پائی - فنِ انشاپردازی سے بخوبی واقف و ماہر اور نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل تھی - اُردو فارسی دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے - فارسی میں قدرت اللہ **شوق** سے اصلاح لیتے تھے - ۱۲۳۰ھ ہجری تک زندہ تھے مزاج میں ظرافت حد سے زیادہ تھی - قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں انہیں حافظ بڈھا کا شاگرد لکھتے ہیں - فارسی کا زیادہ شوق تھا - ریختہ کی طرف کم توجہ تھی - کبھی کبھی مشاعروں میں دوستوں کے اصرار سے غزل پڑھ دیا کرتے تھے - انکا اکثر کلام نظر سے گزرا - محاورات کہنہ اور زبانِ قدیم کا بہت استعمال کیا ہے - کبھی کبھی صاحبقراں کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے - رنگین عبارت لکھنے میں فرد تھے - بہت سی کتابیں انہوں نے تالیف و تصنیف کیں - منشآت میں گلشنِ **فیض** - جوشِ ہوش - گلزارِ عنبر - اشراق الخیال - سویدائے عنبر - اور فارسی قواعد میں جوہرِ عنبر - ایذان الاوزان - نوادر المصادر - اور مصطلحات میں **مرآۃ الاصطلاحات** اور ذکرِ شعرائے ہند و عجم میں ایک بیاض **ریاض عنبر** اور دو **دیوان** انکی یادگار ہیں - اُردو دیوان کا نام **تدقیق الخیال** اور فارسی دیوان کا نام **تشریق الخیال** ہے - فارسی میں اپنا تخلص عنبر رکھتے تھے - مراد آباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھیر میں دفن ہوئے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

زندہ مانندِ شمع پھر نہ اُٹھا
اس کی محفل میں جا کے جو بیٹھا

نہ پھرا اس شرمِ نارسائی سے
خط مرا نامہ بر کو کھو بیٹھا

کس لئے کرتے ہو تم یہ نظر ہوش رُبا
بس ہے عشاق کو اسکا اثرِ ہوش رُبا

قتلِ عشاق کی خاطر نہ نکالو خنجر
ہمکو کافی ہے تمہاری نظرِ ہوش رُبا

نہ کرتو اتنی مذمت اسکی بہشت کی چیز ہے یہ واعظ
وہ عصا بدن یا کوئی گلِ تر ہو اسکی خوشبو وہ روح پرور
نگاہیں برچھی نہیں ہیں انکی کہ غمزہ انکا نہیں ہے خنجر
جنابِ ناسخ کی یہ ہدایت ہے یاد رکھنا تم اسکو آسی

نا بکے حسرتِ وصل و غمِ فرقت مجھکو
ہوں گنہگار مگر حسرتِ دیدار بھی ہے
میں بھی باطل میری ہستی بھی سراسر باطل
نورِ خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے
بے حجابی کبھی ممکن نہیں جب تک میں ہوں
اب تو دیدار دکھا دیجئے تقصیر معاف

میں کہاں میں تو ہوں معدوم مگر ہے کوئی
قطرہ وہ ہے کہ رو کش دریا کہیں جسے
بیمار غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے
یہ بخشش اپنے بندۂ ناچیز کے لئے
آسی جو گل سے گال کسیکے ہوئے تو کیا

عہدِ شباب عہدِ وفائے نگار ہے
کیوں تجھکو اسقدر غمِ روزِ شمار ہے
صیاد و عندلیب میں کیا واقعہ ہوا
خونریز تو یہ زہد شکن اتقا گداز
کیا چیز تیری نذر کریں اے رسولِ یار
ہستی ہے عین موجۂ دریائے نیستی

یہ بلکہ ہے جوشِ بحرِ رحمت اگرچہ آیا شراب ہوکر
جدھر سے گذرے بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہوکر
کرینگے اقرار خون عاشق کبھی تو وہ لاجواب ہوکر
غزل میں ایسے ہوں شعر جن میں کمی نہو انتخاب ہوکر

اپنی ہستی سے کسی طرح ہو غفلت مجھکو
جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھکو
یہ سجھائی ہے انا الحق کی حقیقت مجھکو
تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہو خلوت مجھکو
خلل انداز ہوں کر دیجئے رخصت مجھکو
ہوگیا وعدۂ فردا بھی قیامت مجھکو

کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہئے
یعنی وہ میں ہی کیوں نہو سمجھا کہیں جسے
وہ درد دل میں دے کہ دوا کہیں جسے
تھوڑی سی چیز ایسی کہ دنیا کہیں جسے
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

کتنا ہی پائدار ہو ناپائدار ہے
اے محتسب شراب بڑی غمگسار ہے
گل دلفگار سنبل تر سوگوار ہے
رات آپکے شباب کی صبح بہار ہے
اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے
درکار رقتِ نگہ اعتبار ہے

برنگِ نقشِ پا دائم ہو افتادہ کہ آشفتہ
بگولے کی طرح نت سر کشوں کے خاک بر سر ہے
بھبوت اُس حُسن سیناسی پسر کا زیب پرور ہے
رُخ آئینہ خاکستر سے پیوستہ منوّر ہے
حذر تر دامنوں سے صاف دل کے حق میں بہتر ہے
کہ چشمِ آئینہ پانی کی صحبت سے مکدر ہے
آیا نہ کچھ نظر ہمیں بیداری میں مگر
شب خواب میں تھی اُسکی کمر دست کے تلے

آشفتہ

آشفتہ - حکیم مرزا رضا علی بیگ خلف حکیم محمد شفیع اکبرآبادی - آگرے میں پیدا ہوئے مگر جب عہدِ شباب آیا تو لکھنؤ چلے گئے - وہاں میر سوز کی شاگردی اختیار کر کے شعرا کے دربار میں داخل ہو گئے - قیام لکھنؤ کے زمانے میں خود بھی بزم مشاعرہ منعقد کرتے رہے - زبان پاکیزہ - صاف اور دردمندانہ طبیعت اس فن کے مناسب حال پائی تھی - شعر گوئی اور شعر خوانی میں اپنے اُستاد کا بہت تتبع کرتے تھے - علم طب کی فضیلت کی شہرت بلاد مشرقیہ تک پہنچی تھی - چنانچہ حسب الطلب نواب مبارک الدولہ ناظم بنگالہ کے معالجے کے لئے مرشد آباد گئے گو وہ جاں بر نہوئے - مگر اُنکے قدرداں خلف نواب ناصر الملک بہادر ان سے بہت اچھی طرح مسلوک ہوئے کامل سات برس تک اپنے پاس رکھا - آشفتہ بدرجہ غایت بے پروا - وارستہ مزاج اور فراخ دست آدمی تھے - اسلئے اکثر مقروض رہا کرتے تھے - آخر کار سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں کلکتے چلے گئے وہاں بھی اُنکی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی - مرزا علی **لطف** اور **مصحفی** دونوں نے اپنے تذکروں میں ان کا حال لکھا ہے - فن موسیقی میں درجہ کمال حاصل تھا - اور شعر گوئی میں مہارت تام رکھتے تھے - شعر صاف اور درد انگیز کہتے تھے - شوق کے تذکرے میں بھی ان کا کلام ہے -

لڑتے تو اُس سے رات میں غصہ میں لڑ لیا
پھر جب وہ اُٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا
جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں
یاں تلک انتظار تھا دل میں
مر گئے پھر بھی ہم کو خاک نہ دی +
آج تک یہ غبار تھا دل میں
فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
اِدھر اُدھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ

دل ہے واماندہ اور اُس زلف کی ہے راہ دراز
سخت پیش آئی ہے اسکو سفرِ ہوش ربا

زباں سے اُسنے نگاہِ بتاں کا کام لیا
حضورِ قلب سے جسنے خدا کا نام لیا

سبک رواں نہیں منت پذیرِ اہلِ کرم
تہی حباب نے دریا سے اپنا جام لیا

رہائی دل کی ہے مشکل کہ قید کو اسکے
مژہ نے اُسکے قفس گیسوؤں نے دام لیا

کبھی نہ بات بھی ہنگام دلستانی کی
دیا دل اُسکو اور اُسنے بھی لا کلام لیا

رہائی اُسکے رخ و زلف سے ہے بس دشوار
دل اپنا یار نے آشفتہ صبح و شام لیا

نکال مُنہ سے نہ آشفتہ نام قامتِ یار
جہاں میں شورِ قیامت کو تو نکر برپا

ہر باغ میں ہے شورشِ آوازِ عندلیب
فصلِ بہار پھر ہوئی دمسازِ عندلیب

خوباں بغیر کون ہے عاشق کا رازداں
گل کے سوا نہیں کوئی ہمرازِ عندلیب

ہے ہجوم داغِ سوزاں اور دل مایوس ایک
ہر طرف جلوہ چراغاں کا ہے اور فانوس ایک

دل جگر تاب و تواں فرقت میں اُسکے چل بسے
رہ گئی زندانِ تن میں جانِ غم مایوس ایک

وصل کی شب خوف سے اُسکی رہی اُس سے جدا
روزِ ہجراں دل میں ہے اپنے یہی افسوس ایک

عشق گلرویاں میں بلبل اور ہم یکرنگ ہیں
جسکو ہم سر پر چڑھا دیں وہ گلے کا ہار ہو

آفتابِ حشر تارک پر تری روشن ہوا
اب تو اے آشفتہ مستی سے ذرا ہشیار ہو

مثلِ حباب بحرِ جہاں میں الم کے ساتھ
وابستہ اپنی زندگی ہے ایک دم کے ساتھ

گو کف پہ آبلہ ہے صدف ساں پہ مثلِ بحر
اہلِ سخا کو کام ہے ہر دم کرم کے ساتھ

پاس نفس سے راہِ رواں جوں حبابِ بحر
اک دم میں آشنا ہے وجود و عدم کے ساتھ

آشفتہ نام عشق نہ لے پھر تمام عمر
دیکھے جو کوئی میرے دلِ زار کی شبیہ

قاصد مرے نامہ میں عبارت نہیں رنگیں
ملفوف ہیں دل میں دلِ مہجور کے ٹکڑے

اپنا دل ملول ہے وہ غنچہ اے نسیم
گلشن میں جو کھلا نہو بادِ بہار سے

کشورِ عشق میں ہے اپنا مکان بر سرِ راہ
جو غم درد رو ہے سو آکے یہاں رہتا ہے

سر دیا یار پہ اک گام نہ سرکے آگے	پاؤں کو توڑ کے جو بیٹھے ترے در کے آگے

آشفتہ

(آشفتہ) منشی گلاب سنگھ۔ دہلوی۔ قوم کے کھتری اور نہایت وجیہ طرحدار جوان تھے عین آغاز شباب میں بیوتامی ایک خانگی پر عاشق وفریفتہ ہوگئے۔ اور وہ بھی ہزار جان سے انکی شیداو والہ تھی۔ کچھ ایام تو نہایت عیش وعشرت سے ایک جگہ بسر کیئے۔ مگر زمانہ کے انقلاب نے آخرکار عاشق ومعشوق میں جدائی کرادی۔ وفور شوق واضطراب سے بے بس ہو کر جب دوسرے پر کچھ بس نہ چلا تو خنجر آبدار سے اپنا ہی کام تمام کر ڈالا۔ انکی چوٹ کھائی ہوئی طبیعت سے ایسے وہ مضامین نکلتے تھے جنہیں سُن سُن کر عاشقان دلریش بے اختیار کلیجہ پکڑ لیتے ہیں۔ آشفتہ کے فیض صحبت سے وہ نازنین بھی فکر سخن کرنے لگی تھی۔ بعہد اکبر شاہ ثانی غازی الدین خاں کے مدرسے میں جب مجلس مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی تو یہ بھی کبھی کبھی اُس مشاعرے میں شریک ہو کر داد سخن لیا کرتے تھے۔ غدر سے پچیس برس پہلے انتقال کیا۔ مگر کلام اب تک زندہ ہے انتخاب ملاحظہ ہو

اُسمیں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مرگیا	پوچھتے کیا ہو کہ شب آشفتہ کیونکر مرگیا
آدمی تھا آخرش صدمہ اُٹھا کر مرگیا	جان دی عاشق نے تیرے شکوۂ نالہ کے ساتھ
سُن ہی لوگے اک نہ اک دن پھوڑ کر سر مرگیا	ہے جدائی میں زبس آشفتہ جینے سے تنگ
یہ تجھکو رحم اے کافر نہ آیا	تیرا شکوہ کبھو لب پر نہ آیا
نہ آیا تو ہی ظالم پر نہ آیا	نہ سوئے ہم شب وعدہ سحر تک
کہ تجھکو بولنا ہنسکر نہ آیا	اسی غم نے رُلایا ہم کو عمر
نہ ادے وہ جفا جو گر نہ آیا	نہ کر آشفتہ اتنا شکوہ ہر دم
کیا بنے گی گر کبھی وہ بدگماں پا جائے گا	گو دعا کے ہی لئے ہو ہے خدا کا تو خیال
مجھکو مت چھیڑو کہیں آشفتہ یاں آجائیگا	ہائے یہ غیروں سے کہنا اُسکا رُک رُک کر اب
کافر جو تھے سو تھے یہ مسلماں کو کیا کہوں	زلفوں سے بھی زیادہ کیا رُخ نے دل پہ جور
وہ میری ایک جاں پہ آتے ہیں	درد و غم جو جہاں میں آتے ہیں

اگرچہ ہووے گی تصریح لیکن آشفتہ — کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ
چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے — ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے
ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے — الٰہی موت دے گزرا میں ایسے جینے سے
اپنے کے ہوتے بھلا غیروں کو تو صدقے نکر — ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے
چلا ہے کعبے کو آشفتہ پارسا بنکر — خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے

آشفتہ

(آشفتہ) عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں دہلوی قوم کے افغان۔ ایک وارستہ مزاج اور میر مہدی مائل کے شاگردوں میں تھے۔ فارسی میں فرزند علی مضمون سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ معروف نے سو روپے دے کر ان سے فقط ایک لفظ ہری چُگ خرید لیا تھا۔ یہ ۱۷۹۳ء میں کچھ عرصے تک لکھنؤ میں بھی رہے ۱۲۱۱ہجری میں وفات پائی۔ آخر عمر میں دنیوی تعلقات قطعی ترک کردئے تھے اور کسب باطن کی طرف متوجہ ہو کر مولانا فخر الدین کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ فکر سخن سے بھی دست بردار ہو گئے تھے۔ مقطع میں اکثر زلف کا مضمون لاتے تھے۔ فارسی اور ریختہ دونو زبانوں میں دیوان موجود ہیں۔ انتخاباً اُردو کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں ؎

ناخواندہ مرے خط کو اُلٹا ہی پھرا لایا — قاصد کا گلہ کیا ہے قسمت کا لکھا لایا
ہوتا ہے تازہ آہ سے جوں گل ایاغ دل — کھلتا ہے اس نسیم سے اپنا تو باغ دل
جام گدائی ہاتھ میں لے نت شام سویرے پھرتے ہیں — شمس و قمر ہیں دونو بھکاری حسن کے تیرے پھرتے ہیں
پنڈت پوچھو ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پر — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کسکے پھیرے پھرتے ہیں
عقل ہوئی اب سلب ہماری آہ جنوں رے واہ جنوں — کوچہ بکوچہ اب تو ہمکو لڑکے گھیرے پھرتے ہیں
یوں کاندھے پر زلفیں اُسکے بل کھاتی ہیں وقت خرام — مار سیہ کو ڈال گلے میں جیسے سپیرے پھرتے ہیں
جوگ لیا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی — گلیوں گلیوں حال پریشاں بال بکھیرے پھرتے ہیں
دیوانگی ہماری ہے ہر لحظہ یاں سے تازہ — شیدا ہیں اُس پری پہ ہم گرچہ مدتوں سے

کانٹا سا ہو گیا تھا میرا سوکھ کر بدن
لاشہ اُلجھ کے دامنِ قاتل میں رہ گیا

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی
کیا ہم نے بتلاؤ لیا کیا

ہم وحشیوں کا گھر ہے کہ لڑکوں کا کھیل ہے
دن میں ہزار بار بنا اور بگڑ گیا

غیر اچھا ہے یا بُرے ہیں ہم
آپ ہی دل سے پوچھئے صاحب

سر پر اور آنکھوں پہ ہے ناصح نصیحت آپکی
پر کروں کیا دل پہ میرا کچھ نہیں ہے اختیار

آشفتہ تیری گور میں تڑپے سے ساری خلق
ہے بیقرار آمدِ محشر کو جان کر

تم غیر سے ملے میں کسی سے ملا نہیں
سچ ہے کہ بے وفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

عاشق کو لطف سے ہے فزوں لطف جور میں
یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں

نے قتل کا خیال اُنہیں اور نہ موت کا
قسمت میں کیا خدا میرے مرنا لکھا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں
اب جی میں ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم
ظاہر میں ہُوں پاس پر جدا ہُوں

آوارہ ہُوں آپ پر جہاں کو
میں خضر کی طرح رہ نما ہوں

اللہ رے یاوریِ طالع
ٹھکرا کے چلے وہ میرے سر کو

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہوگی
یارب ہے گا یہ غم و رنج و الم جان کے ساتھ

غش ہونگے ہم آشفتہ تابِ رُخِ جاناں سے
پوچھے گا قیامت میں بیہوشوں سے کیا کوئی

میرا ہی کیا قصور ہے بیتاب و بیقرار
جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے
ستم کو وہ بد خو ادا جانتا ہے

ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی
میرے خوں کو رنگِ حنا جانتا ہے

سُنتا تھا ہم نے آشفتہ کہ کوئی دم کا ہے مہماں
کئی دن ہو گئے اُسکو نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے

(آشفتہ) جرار الدولہ ضیغم الملک ہادی علی خاں بہادر قائم جنگ خلف نواب حیدر علی خاں بہادر نواب محسن الدولہ بہادر کے سی ایس آئی کے علاتی بھائی اور لکھنؤ کے نوابزادوں میں تھے شیخ امان علی سحر کے شاگرد تھے انکا یہی ایک شعر ملا

اک نہ آنے سے تیرے اے ظالم — شکوے سو سو زباں پہ آتے ہیں

رکھا سر پاؤں پر اُس کے تو بولا — کہ تو بھی بے سروپا کس قدر ہے

دم کا مہماں ہے اور آشفتہ — بے خبر تجھکو کچھ خبر بھی ہے

آشفتہ کی معشوقہ ہنوا انکے انتقال کے بعد کسی سے ملتفت نہوئی - اور اپنے عاشقِ صادق کے فراق میں برابر چھ مہینے تپ محرقہ میں گھُل گھُل کر اپنے عاشق جاں باز سے جا ملی بطور یادگار اُسکے بھی چند شعر لکھے جاتے ہیں جو درد مفارقت کے اثر سے دردانگیز اور حسرت خیز ہیں ؎

چھوڑ کر مجھکو کہاں اے بت گمراہ چلا — تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

چھُٹ گیا غم سے میرا کشتۂ ابرو مرکر — اک چھُری میرے گلے پر بھی میری آہ چلا

میں تپِ غم سے جلوں اور یہ کریں دق کا علاج — ہو سمجھ اُلٹی طبیبوں کی تو کیا اسکا علاج

نہ تو موت آتی ہے نے زیست کا یارا مجھکو — ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجھکو

موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ — تُو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھکو

اب کسے چین کہاں عیش کدھر بسترِ خواب — نہیں مخمل بھی کم از بسترِ خارا مجھکو

کیا ہوئی ہائے فغاں کی ترے شورانگیزی — لے چلے تجھکو تو تُو نے نہ پکارا مجھکو

ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں کبھو — موت آجائے تو ہو عمر دوبارا مجھکو

نعشِ آشفتہ کو بیرحموں نے بھونکا آگ سے — آتش غم بھی جوانا مرگ کی کچھ کم نہ تھی

آشفتہ

(آشفتہ) حکیم منور علی خاں خلف سید علی نواز مقیم شاہ جہاں آباد - فنِ طب میں حکیم غلام حیدر خاں کے شاگرد - اور فنِ شعر میں حکیم مومن خاں اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم سے مستفید تھے - مزاج میں خلقی بے باکی تھی - کچھ دنوں میرٹھ کی عدالت میں ڈگری نویس رہے - نہایت ذکی وفہیم تھے - اور فن سخن سے قدرتی مناسبت رکھتے تھے - سنہ ۱۸۴۸ء میں چالیس سال کے قریب عمر تھی ؎

اجل تو نے کیا کیا مجھے شرمندۂ قاتل ہے — تماشا تھا اُسے میرے تڑپنے کی اذیت کا

نہ ہستی کا تھا نام ونشاں تھا ذرا کچھ
نہ ہم تھے نہ دل تھے نہ غم جان وتن تھا
نہ خوفِ قیامت نہ تشویشِ دنیا
نہ مرگ اور نہ سودائے گور وکفن تھا
نہ سر تھا نہ شورِ جنوں کی یہ شورش
نہ دل تھا نہ اُس کا یہ دیوانہ پن تھا
کُھلی آنکھ خوابِ عدم سے تو دیکھا
اجل سر پہ اور رُوبرُو گورکن تھا

آشفتہ

(آشفتہ) مولوی شیخ نصیر الدین خلف الرشید شیخ محمد ظہیر الدین ظہیر جہاں آبادی میر منشی مہاراجہ صاحب اجے گڈھ ملک بندھیل کھنڈ۔ نہایت ذی علم اور با استعداد ہیں۔ اُردو اشعار میں نواب شمشیر بہادر اخگر سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ انکے اُستاد جناب اخگر نے کچھ غزلیں عنایت کی تھیں جنکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

دشتِ وحشت میں چٹکتے ہیں پھپولے پاؤں کے
دو قدم چلنا ہمیں اب سخت مشکل ہو گیا
عشق میں تیرے ہوا آشفتہ ایسا ناتواں
آہ کیسی سانس لینا بھی تو مشکل ہو گیا
جب یہ سمجھ لیا کہ محبت میں ہم نہیں
لاکھوں پھر انقلابِ فلک ہوں تو غم نہیں
ابرو کا بوسہ لے ہی کے اب تو ٹلیں گے ہم
ہٹ جائیں معرکہ سے ابھی ایسے ہم نہیں
دیکھا کسی کو شاد نہ دنیا میں آج تک
آشفتہ کون ہے جسے رنج و الم نہیں

آشفتہ

(آشفتہ) خواجہ محی الدین نام۔ حیدرآباد دکن کے رسالوں میں انکا کلام نظر سے گزرا چند شعر انتخاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

اب کہاں شکوہ بیوفائی کا
بھا گیا طرزِ دلربائی کا
زاہد اُس بت کو دیکھ لے جو کبھی
پھر نہ لے نام پارسائی کا
لوٹنے لگتے ہیں کالے سے مری چھاتی پر
یاد آتی ہیں جو وہ کاکلِ پیچاں ابتک
تیغ کھینچے ہوئے ہیں ابروئے پُرخم کب سے
نیزہ تانے ہوئے ہے پنجۂ مژگاں ابتک
تیغ ابرو ہے نگہ تیر مژہ ہے خنجر
پھر بھی کہتے ہو نہیں قتل کا ساماں ابتک
خال وخط زلف سیہ گیسوئے مشکیں کاکل
حُسن کے تیر نگہبان ہیں اسکے یار سے

اجی اب بنتے صاحب حضرتِ غم تمکو پہچانا
کرم فرمائے من تم تو بڑا سے آشنا نکلے

سمجھ کر ہمکو دیوانہ پکارے ہے پری پیکر
جنون میں ہم تو مجنوں سے بھی ہیں بڑہ کر سوا نکلے

نکلنک اس طرح خنجر کہ میں قرباں ہو جاؤں
دہانِ زخم سے قاتل ترے حق میں دُعا نکلے

مجھے مارا ہے بیدردی سے ہے جس مسیحا نے
اُسی سے میرے یہ ہمدرد بھی لینے دوا نکلے

کروں گر فتنہ پردازوں کی نسبت سے زباں بندی
نہ تو تقدیر ہی میں پھر تو کیونکر مدعا نکلے

ہمیں جس زلف کا فرکیش سے ڈر تھا بلاؤں کا
اُنھی زلفوں کے اے آشفتہ تم بھی مبتلا نکلے

ترچھی نگاہ یار کی کیا کام کر گئی
دنیا اُلٹ نظر میں ادہر کی اُدہر گئی

دل سے جو اُسکی یاد ہمارے اُتر گئی
کیا ہائے موت تو بھی زمانہ سے مر گئی

تیغِ نگاہ اُسکی غضب کاٹ کر گئی
سینہ سے دل میں دل سے جگر میں گذر گئی

معشوق کی بگاڑ میں بھی سو بناؤ ہیں
جتنے وہ بگڑے اُتنی ہی رنگت سنور گئی

وہ جور ہے صبا بھی کہ آتی ہے باغ میں
دامن قبائے غنچہ و گُل کا کتر گئی

گویا نگاہِ شوق کترنی سے ہے سوا
چاکِ نقاب عارضِ زیبا کتر گئی

گھبرا رہا تھا پہلے ہی دل انتظار میں
بیتابیوں سے اور بھی بن جان پر گئی

جب یہ سُنا کہ یار نے عزمِ سفر کیا
قالب سے پا تراب مری روح کر گئی

عُریانیِ حباب کا رکھا نہ کچھ خیال
مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی

ٹکڑے اِدہر جگر ہے اُدہر چاک دل
مقراضِ چشم یار کی گل سا کتر گئی

یاد آئی بکھری بکھری جو آشفتہ اُسکی زلف
دل کی طرح سے جان پریشان کر گئی

آشفتہ

(**آشفتہ**) حاجی عبد اللہ۔ ولد عبد المجید۔ سلہٹ کے رہنے والے ہیں۔ حافظ ضیغم بنگالی کے شاگرد ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں ۱۲۹۱ھ ہجری تک زندہ تھے۔ انکے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

قطعہ

ہوا نہ حور میں انداز گر بشر کا سا
تو رنج خلد میں ہوگا ہمیں سقر کا سا

وہی عالم اچھا تھا آشفتہ جس میں
وجودِ عدم کا نہ رنج و محن تھا

آشنا

(آشنا) میر امیر علی نام - میر سبزو مرشد آبادی کے فرزند اور مرزا غلام حسین آتش کے شاگرد تھے - سنہ [illegible] ہجری میں انتقال کیا - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - انکے دو شعر درج ذیل ہیں ؎

وہ حسن جلوہ گر ہے وہ رُخ بے نقاب ہے　　لیکن کچھ اپنی آنکھوں کا پردہ حجاب ہے
مجھ کو تو بات کل کی نہیں یاد آشنا　　کہتے ہیں روزِ حشر کو دینا حساب ہے

آشنا

(آشنا) سید محمد نام تھا - حافظ سید وارث علی مرحوم لکھنوی کے بیٹے اور شیخ ناسخ کے شاگرد تھے - مگر اُستاد کے رنگ کی ہوا تک نہ لگی سیدھے سیدھے شعر کہہ لیتے تھے چنانچہ نمونۃً دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

کیونکر نہ رگڑوں آنکھیں میں ہر بار پانوں میں　　اے دل لگی ہے خاکِ درِ یار پانوں میں
زنجیر سے باندھئے دستِ گناہ گار　　چوکھٹ کا کاٹ ڈال دے واللہ پانوں میں

آشنا

(آشنا) مولوی عبد الکریم خاں - فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے منشی تھے - گلشن نگران کا وطن تھا - کلکتے میں رہتے تھے - اگرچہ شعر کم کہتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے سنہ ۱۲۸۲ یا ۱۲۸۳ ہجری میں انتقال کیا ؎

جو قطرہ خوں کا مرے دل کے داغ سے ٹپکا　　تو گویا شعلۂ تر اک چراغ سے ٹپکا
چھاتی اُٹھی تری دل خلق کا خرسند ہوا　　شکر بعد شجرِ حسن برومند ہوا
ضبطِ نالہ باعث چاکِ گریباں ہو گیا　　کام یوں دستِ جنوں کا اپنے آساں ہو گیا

آشوب

(آشوب) میر امداد علی خاں خلف میر روشن علی فروغ - شاگرد میر نظام الدین ممنون - ساکن شاہجہاں آباد - سادات عظام بارہ سے تھے - خوش خلقی اور روشن ضمیری کے سبب ہمعصروں میں ہر دل عزیز تھے - اپنے اُستاد کی طرز پر اس طرح سخن طرازی کرتے تھے - کہ بعض لوگوں کو اُستاد کے کلام کا دھوکا گزرتا تھا - سنہ ۱۸۳۶ء میں عالمِ شباب تھا - بعد کی خبر نہیں - یہ انکا کلام ہے ؎

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک نہ پہنچ سکے　　اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا
نہ آ تو میری بالیں پہ تماشہ جذبۂ دل کا　　دکھا دوں گا تجھے گر آپ میں میں بھی کبھو آیا

(**آشنا**) مرزا محمد اکرم ولد مرزا محمد اسلم۔ ریاست رام پور کے متوسلوں میں تھے۔ مروتین اور ذہین تھے۔ متانت کے ساتھ ظرافت بھی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اُنکا کلام لطیف ہوتا تھا۔ پچھتر برس کی عمر پاکر ۱۲۲۹ھ ہجری میں انتقال کیا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار میں دو شعر درج تھے وہی یہاں نقل کئے جاتے ہیں ؎

آئنہ اُس کے ہاتھ سے اک بار گر پڑا	آنکھوں کی اپنی جب اُسے مستی نظر پڑی
آشنا کو نہ اُٹھا بزم سے اپنی ظالم	ایسے ملنے کے نہیں ناز اُٹھانے والے

(**آشنا**) میر زین العابدین عرف میر نواب۔ اول میں گجرات کے رہنے والے تھے۔ مگر بعد میں دہلی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ انکے باپ کا نام حکیم اصلح الدین تھا۔ خانِ آرزو کے ہم عصر تھے ؎

ہم سے بندوں پہ ظلم کرتے ہیں	اِن بتوں کا کوئی خدا بھی ہے

(**آشنا**) منا سنگھ نام تھا۔ قوم کے کھتری تھے۔ محمد شاہ کا زمانہ پایا تھا۔ طبقۂ اول کے شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے۔ یہاں ایک اُردو کا شعر لکھا جاتا ہے ؎

تری برگشتہ مژگاں جب سے میں دیکھی ہیں اے ظالم	وہی آن اب تلک جی میں مرے ہردم کھٹکتی ہے

(**آشنا**) حکیم میر علی سہارنپوری مرحوم۔ قوم سادات سے تھے۔ مدت تک نجیب الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم رہے۔ فن طب میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ نجیب الدولہ بہادر کے بعد نجف قلیخاں مرحوم کے طبیبوں میں داخل ہوئے۔ اُردو اور فارسی دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرد باد کے مانند دم کا آشنا تھا دل	اُڑ گیا خدا جانے کون سے بیاباں کو

(**آشنا**) مرزا جگن۔ قاضی رحمت اللہ کے خلف الرشید تھے۔ جوان صالح۔ نیک خو۔ خوش طبع اور کشادہ رو اور بحر سخن کے آشنا تھے۔ یہ انہیں کی فکر سخن کا خلاصہ ہے ؎

نام خدا جوان ہو شوخی کو چھوڑ دو	مہندی لگا کے چُپکے رہو تو لگی رہے
کرد بچ مجھکو کہنے لگا آشنا ہے تو	گردن جدا تو کیا کردوں اِک جو لگی ہے

اپنے ایک دوست کے ساتھ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی وقت سے روز افزوں تعارف کی بنیاد پڑی۔ مرزا صاحب نے قلمدان کے واسطے جو قطعہ موزوں فرمایا وہ یہ ہے ؎

گوڑگانویں کی ہے جتنی رعیت وہ یک قلم سو یہ نگسر فروز قلمدان ندر ہے	عاشق ہے اپنے حاکمِ عادل کے نام کی مسٹر کو آن صاحب عالی مقام کی نذر

مرزا صاحب کو جو محبت رائے صاحب سے تھی اُسکی شہادت اُردوے معلی کے چند رقعوں سے ملتی ہے۔ ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں میک لاؤڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا۔ اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اُس دربار میں شریک ہوئے۔ مرزا صاحب بوجہ ضعیفی کسی سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتے تھے۔ رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے ایسے موقع پر مرزا صاحب کو سہارا دینے کے لئے رائے صاحب ہمراہ ہو گئے۔ میک لاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر نے مرزا صاحب سے پوچھا کیا یہ تمھارا بیٹا ہے۔ مرزا صاحب نے جواب میں کہا نہیں مگر بیٹے سے زیادہ عزیز ہے۔" رائے صاحب جب دہلی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا۔ کبھی اتفاق سے جانے میں دیر ہو جاتی تو بار ہا مرزا صاحب ایک نہ ایک شعر لکھکر رائے صاحب کے پاس بھیجدیتے جس کا مضمون حسن طلب ہوتا۔ چنانچہ ایک شعر جناب کو اب تک یاد ہے **شعر**

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤ گے	یا فقط رستہ ہمیں بتلاؤ گے

دہلی کالج کے نہم درجے طے کر کے ۱۸۵۷ء میں تکمیل علم کے لئے آگرہ کالج میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے سند حاصل کرنے کے بعد ۱۸۵۸ء میں بریلی جاکر سرکاری ملازمت اختیار کی۔ مگر ایک سال کے بعد پنجاب چلے آئے تھوڑے عرصے تک گوڑگانویں اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے ۱۸۶۲ء میں دہلی سے تبدیلی کے وقت جو سپاس نامہ اہل شہر کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش ہوا اس سے اُس خلوص و عقیدت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے جو ہر طبقہ کے لوگوں کو آپ کی ذات خاص

پوچھا جو میں نے یار سے انجامِ سوزِ عشق	شوخی سے اِک چراغ کو اُس نے بجھا دیا
کوئی دم خاک میں ہم خاک کے آسودہ نہ ہو	اُسکے ہنگامۂ رفتار نے سونے نہ دیا
ناوکِ غم سے چھپایاں تک تن اس ناکام کا	استخواں پر ہے گماں میرے ہما کو دام کا
دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئینگے	ہائے اپنا بھی ہُوا واں سے پھر آنا مشکل
پاسِ آلودگیٔ دامنِ قاتل نہ کیا	کسقدر ذوقِ تپیدن سے پشیماں ہوں میں
دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں	ہائے کتنا شبِ ہجراں میں پریشاں ہوں میں
یہ دیدہ و دل اس پر مائل میرے دونو ہیں	دشمن میرے دونو ہیں قاتل میرے دونو ہیں

آشوب

(آشوب) قبلہ و کعبہ معظمی و محترمی عالی جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب۔ راقم تذکرہ کے عمِ نامدار ہیں سنہ ۱۸۳۸ء میں بمقام دہلی جو تین سو برس سے بزرگوں کا مسکن ہے پیدا ہوئے ان کے جدامجد رائے بال مکند و رائے سیتا رام مرہٹوں کے عہد میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ خاندانی نسبی سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل تک پہنچتا ہے۔ جنکے آئین و قوانین دربارہ مال گزاری آج تک دستور العمل چلے آتے ہیں۔ پُرانے دہلی کالج کے برگزیدہ متعلموں سے ہیں۔ آپ ٹنڈن فرقہ کے کتری اور آنگرس گوتر سے ہیں ؛

ریاضی کے مشہور پروفیسر ماسٹر رام چندر اور مولانا صہبائی آپکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کسب علم اور حصول کمال کے شوق نے مرزا غالب کی خدمت میں بھی پہنچایا تھا رائے بہادر ماسٹر صاحب مرزا غالب مرحوم کی پہلی ملاقات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جب ہم گوڑگانوے میں ہیڈ ماسٹر تھے تو وہاں کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کووان صاحب بہادر کی تبدیلی کا موقع پیش آیا صاحب موصوف ہمارے حال پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے۔ انکی مفارقت کے متعلق جو جلسہ قرار پایا اُس میں لوگوں کی رائے ہوئی کہ صاحب ممدوح کو کوئی چیز بطور یادگار نذر دینی چاہیئے چنانچہ کمیٹی کی رائے سے چاندی کا ایک قلمدان تجویز ہُوا۔ اور اُس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرا دینا قرار پایا۔ رائے صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت تک مرزا صاحب سے ہمیں خاص تعارف نہ تھا۔ ہم اس شعر کے واسطے

آپ ہی کی صحبت میں ہُوا اور آپ ہی کی مدد سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی +

معظمی و محترمی جناب عموی رائے صاحب بہادر نے اگرچہ نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اپنے کلام کی ترتیب و تدوین نہیں فرمائی - اِس کی وجہ اہم مشاغل سرکاری کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آپ نے مدت ہوئی کہ اپنے دل سے اس قسم کے خیالات قصداً محو کر دئے ہیں - اور جب کبھی اس طرف توجہ تھی اُسوقت بھی محض تفنناً نہ کہ شاعر بننے کی غرض سے کچھ کہہ لیا کرتے تھے - شاعری کی ابتدا مکتب ہی سے ہوگئی تھی انکے ہم مکتب و ہم عمر متخلص بہ طرب ایک مرتبہ ایک غزل لکھکر لائے اُس میں خاکے کا ایک قافیہ سبز کیا دعویٰ تھا کہ ایسا کوئی کہے تو جانیں - رائے صاحب کی خلقی طبّاعی اور ذہانت میں اسوقت ایک خاص حرکت ہوئی آپنے اُسی وقت چند شعر اسی ایک قافئے میں کہہ ڈالے اِسکے فیصلہ کے واسطے حضرت صہبائی کے چھوٹے بیٹے عبد الکریم سوز کے پاس وہ شعر لے گئے اُنہوں نے بہت داد دی بلکہ اپنی طرف سے کچھ اور شعر بڑھا کر رائے صاحب کی غزل پوری کردی کہا کہ اب مشاعرے میں جاکر بیدھڑک پڑھ دو - آپ ہی نے تخلص بھی آشوب رکھ دیا - اب تو اپنے اُستاد کی شفقت اور خداداد جودت طبع کی بدولت روز بروز مشق بڑھتی گئی - افسوس ہے کہ بندہ کے ازحد اصرار پر بھی جناب رائے بہادر نے اپنے اشعار گُہر بار سے اس تذکرے کو افتخار نہ بخشا - نہ وہ بیاض ہی ملی جس میں کبھی کبھی کچھ اشعار لکھ دیا کرتے تھے - آپکی تصانیف اور ترجمہ کی ہوئی کتابوں میں سے چند کتابوں کے نام اِس جگہ لکھے جاتے ہیں +

رسوم ہند کے پہلے تین باب - قصص ہند حصہ اول و سوم - اُردو کی تیسری کتاب ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں رسالہ اتالیق پنجاب کے اکثر مضامین - ترجمہ دربار قیصری سنہ ۱۸۷۷ء مولفہ مسٹر ویلر اس شستہ و بامحاورہ بلکہ برجستہ و دلآویز ترجمہ کے صلہ میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر کیطرف سے ایک تمغہ اور ایک جلد مطلا و مذہب مرحمت ہوئی - سنہ ۱۸۹۲ء سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو ہیں - سنہ ۹۲ میں رائے بہادری کا خطاب سرکار سے ملا - سنہ ۱۸۹۵ء میں کامل ۳۶ سال کی ملازمت کے

کے ساتھ تھی۔ حضرت غالب مرحوم نے جو فقرہ اُس کاغذ پر اپنے دستخط کے نیچے لکھا تھا وہ قابلِ ذکر ہے آپ لکھتے ہیں "بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہیں رہا" +

آپ نے لاہور میں آکر سررشتۂ تعلیم کی کیوریٹر کے نازک عہدے کے فرائض کو ۱۵-۱۶ برس تک نہایت بیدار مغزی۔ ہوشیاری۔ لیاقت اور دیانت سے انجام دیا۔ اُنہیں خدمات کے صلے میں جب ہندوستانیوں کو عہدۂ انسپکٹری مدارس ملنے کی تجویز سرکار سے منظور ہوئی تو آپ ہی سب سے اول اُس عہدۂ گرامی کے واسطے منتخب ہوئے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۴ء سے سنہ ۱۸۹۵ء تک کامل بارہ برس دہلی اور جالندھر میں اس عہدہ کا کام انجام دیا۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں آپ ہی نے دہلی لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی اور ایک عرصے تک اُس کے سکرٹری رہے۔ اور متعدد لکچر علمی اور تاریخی مضامین پر دئے۔ قیام لاہور کے زمانہ میں کئی برس تک سرکاری اخبار کے اڈیٹر رہے۔ حکام وقت کی نگاہوں میں اپنی اعلیٰ قابلیت اور حسنِ خدمت کے لحاظ سے ہمیشہ موقّر و ممتاز رہے خاصکر میجر فلر صاحب اور سائم صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب تو آپ سے نہایت مانوس تھے +

میجر فلر صاحب عربی فارسی اُردو کے خوب ماہر تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے جو سررشتہ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات آیا کرتے تھے اُن کے جواب میجر فلر صاحب خود لکھا کرتے اور اُن میں اکثر رائے بہادر صاحب سے مدد لیتے تھے۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسجع و مقفیٰ عبارت میں کیا فرق ہے مع مثال بیان کرو۔ حسب معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا۔ رائے صاحب نے یہ سوال بجنسہ مرزا غالب کے پاس بھیجدیا اور اُنہوں نے اسکا جواب مع امثال نظم میں لکھکر دیا جسکا اخیر شعر یہ تھا

شعر

تحریر ہے یہ غالب یزداں پرست کی ‏ ‏ ‏ تاریخ اس کی آج نویں ہے اگست کی

شمس العلما پروفیسر مولوی محمد حسین آزاد اور شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی آپ کی وجہ سے اپنے ابتدائی زمانے میں بہت کچھ فروغ پا چکے ہیں۔ بلکہ سنا ہے کہ مولانا حالی کو نیچرل شاعری کا شوق اور خیال

نواب آصف الدولہ فن سخن اور جملہ علوم و فنون کے قدر دان تھے - اِن کا مولد فیض آباد اور مسکن و مدفن لکھنؤ ہے - ملک الشعرا مرزا رفیع السودا اور خدائے سخن جناب میر اور میر سوز - انکی سرکار دولت مدار کے مداح و وظیفہ خوار تھے - میر سوز صرف مداح ہی نہیں انکے اُستاد بھی تھے - آصف الدولہ کے زمانۂ حکومت میں لکھنؤ نے ہر قسم کی ترقی کی - امن و اماں اور قدر کمال کی شہرت سُن سُن کر اکثر امرا - شرفا و کملائے دہلی وہاں چلے گئے - نواب ممدوح کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا اور شکار کے بڑے شوقین تھے سچ ہے ؎

شہاں را ضرور است مشقِ شکار		کہ آید پئے صید دلہا بکار

ان کی سخاوت ہندوستان میں ضرب المثل ہے - چنانچہ مشہور ہے "جسے نہ دے مولا اُسے دے آصف الدولہ" یہ مثل آج تک زبان زد خاص و عام ہے - انکی فیاضی کی عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں - ایک مرتبہ آپ نے لاکھ کے دانوں کی تسبیح بھولے بن کر ایک بڑھیا سے لاکھ روپے میں خرید لی - کسی اور موقع پر ایک ضعیفہ کو اُسکے اُس گمان پر کہ وہ کچے لوہے کی تلوار کو پارس سمجھتی تھی اُس تلوار کے ہم وزن سونا دلا دیا - غربا کی پرورش اور اہل کمال کی قدر افزائی کی نئی نئی تجویزیں نکالا کرتے تھے - داد و دہش کو بمنزلۂ ضروریات زندگی سمجھتے تھے - اِن کا اُردو زبان پر یہ بڑا احسان ہے کہ اُس کے منشا و مرکز (دہلی) پر تباہی آنے کے وقت اہل کمال کی دستگیری فرمائی - اور فکرِ معاش سے آزاد کر کے زورِ طبع دکھانے کا موقع دیا - میر مغفور کی بے اعتنائیوں کا بُرا نہ ماننا اور ارکانِ ریاست سے زیادہ اُن کی توقیر کرتے رہنا خاص سرداری اور سچی قدر دانی کی شان تھی فیض آباد کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ کو دار الامارۃ بنایا اور اُسے بہت کچھ رونق دی - لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ جو فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے قحط کے امدادی کام کی پہلی مثال ہے - انکی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ جو باکمال لکھنؤ پہنچ کر باریاب ہو جاتا تھا پھر اُسکا جی وہاں سے نکلنے کو نہ چاہتا تھا - انکے کلام میں اپنے اُستاد میر سوز کی سی سادگی و درد نمایاں ہے - خیال ستھرا ہے زبان پاکیزہ لکھنؤ کے شاہی کتب خانہ میں اِن کا دیوان موجود تھا ۱۲۱۲ھ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء میں اکیاون برس

بعد پنشن لیکر گاہے لاہور گاہے دہلی رہے مگر اب مدت سے اپنے وطن مالوفہ میں سکونت پذیر ہیں +
آپکے حسن اخلاق دہلی میں ضرب المثل ہیں - جب بات کرتے ہیں تو اسطرح خندہ پیشانی اور خوش بیانی سے تکلم ہوتے ہیں کہ دشمن کا دل بھی موہ لیتے ہیں - ہر ایک کار خیر میں جھک پڑنا آپ کا وتیرہ ہے - اور ہر شخص کی مصیبت میں ہمدردی فرمانا آپ کا قدیمی شیوہ - ہندو آپکو دیوتا اور مسلمان ولی کامل کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں - اگر کوئی دشمن بھی صلاح مانگتا ہے تو گو اُسکے حق میں وہ خود مضر ہو مگر یہ کبھی بُری صلاح نہیں دیتے - دہلی میں رفاہ عام اور خاصکر تعلیمی انتظام کے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں - ہندو کالج دہلی کے ٹرسٹی اور منتظم ہیں - سینکڑوں بے روزگاروں کو روزگار سے لگا دینا - بیکاروں کو مناسب حیلہ و کام بتا دینا آپ کی ہمدردی کا ایک ادنی نمونہ ہے - ہماری دعا ہے کہ اس فیض رسانی اور انسانی دردمندی کے ساتھ خدا تعالی ہمیشہ اُن کو زندہ و سلامت رکھے - آمین یارب العالمین تبرکاً چند شعر تذکرہ کیے جاتے ہیں

گر شیخ پا کدامن طالب نہ ہو ریا کا	رندوں کی محفلوں میں اُسکا اُڑے نہ خاکا
مجنوں کو ہمنے اپنے مانند خاک دیکھا	گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی	اور ہمنے اپنے دل پہ کھینچا ہے تیرا خاکا
اپنا تو سر پہ جھکے ہے دو نو طرف کہ اُسکی	تصویر میکدے میں اور ہے حرم میں خاکا
آشوب خستہ جاں کو پھرتے ہوس وہیں کی	کل ہی تو اُڑ چکا ہے اُس کی گلی میں خاکا
زاہد چھوئے جو دامن رندان بادہ کش	تو چاہئے کہنے سے اُسے شست و شو کریں

آصف

(**آصف**) وزیر الممالک نواب یحیی خاں عرف میرزا امانی معروف بہ آصف الدولہ بہادر فرماں روائے لکھنؤ - وزیر حضرت شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - نواب شجاع الدولہ صوبۂ لکھنؤ کے فرزند رشید اور جانشین تھے - ستائیس برس کی عمر میں بمقام فیض آباد ۱۱۸۸ ہجری میں مسند نشین ہوئے کسی نے اسطرح تاریخ جلوس موزوں کی ہے

گشت از پائے + آصف الدولہ	رونق مسند وزارت ہند

+ اس تاریخ میں پانچ کا تعمیہ ہے جو پائے آصف الدولہ کی ہ سے موزوں سے کیا گیا ہے ۱۲

بتوں کی گلی میں شب و روز آصفؔ		تماشہ خدائی کا ہم دیکھتے ہیں
ایک دن یار سے یہ میں نے کہا	ق	اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف		یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے
تو اپنے شیوۂ جور و جفا سے کیوں گزرے		تری بلا سے میرا دم رہے رہے نہ رہے
قمر کو ہوتا ہے ہر ماہ میں کمال زوال		ترے بھی حسن کا عالم ہے رہے نہ رہے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے		پر ہمکو چاہیئے کہ تگ و دو لگی رہے

آصف

(**آصف**) اعلیحضرت بندگان عالی کیواں خدم دارا حشم نوشیرواں معدلت سکندر شوکت حاتم سخا خورشید عطا مہر سپہر اقبال زیبندۂ تخت اجلال حضور پُر نور رستم دوراں افلاطون زماں فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ سادس جی۔سی۔ایس۔آئی و جی۔سی۔بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ ✤

آپ ۱۸۔اگست ۱۸۶۶ء کو عالم وجود میں جلوہ افروز۔ اور ۲۶۔فروری ۱۸۶۹ء کو کچھ کم تین برس کی عمر میں مسند آرائے سلطنت ہوئے۔ آپ نواب قمر الدین خاں آصف جاہ اول کے وارث اور جانشین ہیں جو اولاً شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی افواج میں ایک بہت ہی بڑے ممتاز اور سربرآوردہ افسر تھے اُن کا نسبی سلسلہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے نواب قمر الدین خاں آصف جاہ ۱۷۲۳ء میں محمد شاہ شہنشاہ دہلی کی طرف سے صوبہ داری دکن کے منصب جلیلہ پر مامور ہوا اور نظام الملک کے خطاب سے ممتاز ہوئے تھے ۱۷۴۸ء میں حضرت ممدوح رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ اُس وقت چونکہ اُنکے خلف اکبر نواب غازی الدین خاں دربار دہلی میں وزارت کے عہدے پر مشرف تھے اس وجہ سے آصف جاہ کے دوسرے فرزند ناصر جنگ مسند آرائے ریاست ہوئے۔ نواب غازی الدین خان کے بعد گو اُنکے بھتیجے نواب مظفر جنگ بہادر نے مسٹر ڈوپلے فرانسیسی گورنر کی حمایت سے صوبہ داری دکن کا دعوی کیا مگر بہی مراد کو نہ پہنچے اور نواب ناصر جنگ انگریزوں کی مدد سے صوبہ دار رہو گئے۔ لیکن جب دوسرے ہی برس نواب

تک فیاضی و نیک نامی کا چشمہ جاری رکھکر حوض کوثر کی سیر کو سدھارے۔ فیاضی میں حاتم سے بڑھکر اور سخاوت و ہنر پروری میں اسلاف سے زیادہ نام پایا نواب وزیر علی خاں انکے بیٹے جو ایک حرم کے بطن سے تھے جانشین ہوئے مگر چند ماہ بعد اُنہیں اپنے چچا نواب سعادت علیخاں کے لئے مسند خالی کرنی پڑی۔

بڑی شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
چلے گا رُو برُو کس کس کے معاملہ دل کا

یاڈر ہے مجھے تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہتا ہے بہت کچھ وہ مجھے چپکے ہی چپکے
ظاہر میں یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ق
موا ہے تیرے لئے تیرا عاشقِ غم کش
ذرا تو فاتحہ پڑھ چل کے تاکجا وسواس

وہ قبر سے نہ نکل آئیگا میرا ذمہ
ٹک اُسکی روح تو خوش ہو نہ دل میں لا وسواس

ق
جب مرنے لگی بلبل شوریدہ قفس میں
آصف یہ ہی کہتے تھے بہ تکرار دم نزع

صیاد تجھے بخش دیا خون میں اپنا
ٹک جا کے دکھا لا مجھے گلزار دم نزع

ق
کل ہنس کے بولا نالۂ بلبل پہ یوں پتنگ
کم ظرف دیکھ ہم بھی تو آخر ہیں زارِ شمع

رو رو کے یہ جواب دیا عندلیب نے
انصاف دل میں کیجیو اے دل فگارِ شمع

ہے شمع کے بھی دل میں محبت پتنگ کی
گر ہے پتنگ سوختہ جاں بیقرارِ شمع

پروانہ کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام
جینا بغیر یار کے ہے ننگ و عارِ شمع

فریاد و آہ و نالہ بھلا کس لئے کرے
جتنے موئے پتنگ رہا ہم کنارِ شمع

گل مہرباں سنا ہے کبھی عندلیب پر
تو شکر کر کہ مہر و وفا ہے شعارِ شمع

میں آہ و نالہ نہ کھینچوں تو کیا کروں
جلتی ہیں غم سے میری رگیں مثل تارِ شمع

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں
وہاں اپنا ہم سر قلم دیکھتے ہیں

جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں
خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں

گزرتے ہیں سو سو خیال اپنے دل میں
کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں

ناصر الدولہ نے مسند ریاست کو زینت دی - انکے زمانے میں معاون فوج کے مصارف کی بابت
انگریزوں کو برار کے اضلاع دھاراسیو اور رائچور دو آب سپرد کیئے گئے - نواب ناصر الدولہ نے
۱۸۵۷ء میں رحلت کی اور اُنکے خلف اکبر نواب افضل الدولہ مسند نشین ہوئے - اس زمانہ میں
نواب سر سالار جنگ اول مدار المہام ریاست تھے - بلوائیوں نے رزیڈنسی پر حملہ کیا - مگر سر سالار جنگ
کی بیدار مغزی اور عالی دماغی کام آئی - اور اس نازک وقت میں انہوں نے ہر طرح سے سرکار انگریزی
کی اعانت کی اور امن و امان قائم رکھا - نظام افضل الدولہ نے جن کو گورنمنٹ نے جی سی - ایس
آئی - کا خطاب دیا تھا - ۲۶ - فروری ۱۸۶۹ء کو چند روزہ علالت کے بعد انتقال فرمایا - اور حضور
پُرنور نواب میر محبوب علیخاں بہادر آصف جاہ سادس اُنکے اکلوتے فرزند وسادہ آرائے ریاست
ہوئے - چونکہ اُسوقت ہز ہائنس کی عمر تین برس سے زیادہ نہ تھی اسلئے ایک ریجنسی کے قیام
کی ضرورت ہوئی - انتظام ریاست کے فرائض سالار جنگ اول و امیر کبیر شمس الامرا بہادر
کے سپرد ہوئے لیکن فی الحقیقت عنانِ حکومت سر سالار جنگ ہی کے ہاتھمیں رہی - نو عمر نظام کی
تعلیم و تربیت کی نسبت ابتدا ہی سے بے انتہا کوشش ہوئی - چنانچہ سر سالار جنگ کی رائے
کے اتفاق سے اول کپتان جان کلارک صاحب جن کو سابق میں انگریزی شاہزادوں کی تعلیمی خدمت
سپرد تھی اور پھر اُنکے بھائی کپتان کلاڈ کلارک صاحب سی - آئی - ای - ہز ہائنس کی تعلیم کی
نگرانی پر مامور ہوئے - انکے علاوہ انگریزی عربی فارسی - اُردو میں تربیت کے لئے برگزیدہ اتالیق
اور لائق معلم مقرر ہوئے - شہسواری تیر اندازی - نشانہ بازی - کرکیٹ اور دیگر مردانہ کھیلوں میں ہز ہائنس
کو باقاعدہ مشق کرائی - چنانچہ ہز ہائنس نے عربی - فارسی - اُردو - انگریزی میں کافی دست گاہ بہم
پہنچائی - فوٹوگرافی میں بھی مہارت حاصل ہے آپ نے اپنے والد ماجد نواب افضل الدولہ بہادر کے
انتقال کے بعد اپنی دادی دلاور النسا بیگم صاحبہ کے زیر سایہ پرورش پائی یہ بیگم صاحبہ نواب ناصر الدولہ
بہادر کی زوجہ اور نواب افضل الدولہ کی والدہ تھیں - ہز ہائی نس کو امور سیاسی میں سر سالار جنگ
مغفور سے تعلیم ملی ہے - ۸ - فروری ۱۸۸۳ء کو سر سالار جنگ اول نے دنیائے فانی سے رحلت

ناصر جنگ کو باغی پٹھانوں نے قتل کر ڈالا تو نواب مظفر جنگ فرانسیسیوں کی اعانت سے حیدرآباد دکن کے بے کھٹکے صوبہ دار ہو گئے انہوں نے پانڈی چری کے قریب فرانسیسی گورنر کو ایک قطعہ ملک از شہر اور ضلع مچھلی پٹن عطا فرمایا۔ نواب مظفر جنگ ایک فوجی بغاوت میں شہید ہوئے۔ چونکہ انکا اکلوتا بیٹا نابالغ تھا اس سبب سے نواب صلابت جنگ جو آصف جاہ کے تیسرے فرزند تھے فرانسیسی اثر کی وجہ سے مسند نشین ہوئے انہوں نے فرانسیسیوں کی امدادی فوج کی تنخواہ وغیرہ کے نام سے شمالی سرکار کے کئی اضلاع اُنکے نام لکھدئے۔ اور اسکے علاوہ اُنکے ساتھ بہت کچھ مراعات کیں ۱۷۵۶ء میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ شروع ہوئی تو انگریزی فوج نے فرانسیسیوں کو شمالی سرکار سے نکال دیا۔ نواب صلابت جنگ اولاً انگریزوں کی مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر ۱۷۵۹ء میں ایک معاہدے کے رو سے اُنہوں نے انگریزوں کو مچھلی پٹن اور دیگر اضلاع جن کا رقبہ سات سو مربع میل تھا بطور انعام کے مرحمت کر دیا اور اپنے ملک سے فرانسیسیوں کے نکال دینے کا وعدہ کیا۔ نواب صلابت جنگ کے بعد اُنکے بھائی نواب نظام علی وارث مسند ریاست ہوئے اُنکے اور انگریزوں کے مابین ایک عہدنامہ ہوا جس کی رو سے بعض اضلاع کے عوض برٹش گورنمنٹ نے نظام سے عند الضرورت فوجی اعانت کا وعدہ کیا۔ اور نظام نے بھی انگریزوں کو اسی قسم کی مدد دینی منظور فرمائی۔ بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عہدنامہ منسوخ ہو گیا۔ سرجان شور صاحب کے زمانے میں جب نظام کو مرہٹوں کے خلاف فوجی کمک کی ضرورت ہوئی اور گورنمنٹ ہند نے اُس سے انکار کیا تو نواب نظام نے فرانسیسی افسروں کی سرگروہی میں ایک فوج قائم کی اور انگریزی فوج کو برخاست کر دیا۔ مگر جب نواب نظام علی کے بیٹے عالی جاہ نے بغاوت کی تو اُنہوں نے گورنمنٹ انگلشیہ سے پھر معاون فوج کی واپسی کی درخواست کی ۱۷۹۸ء کے عہدنامے کی رو سے امدادی فوج مستقل طور سے قائم ہو گئی۔ ٹیپو سلطان کے مقابلے میں نظام نے سرکار کمپنی کی فوج اور روپیہ سے امداد کی اور فتوحات میں سے ایک ثلث حصہ پایا۔ ۱۸۰۳ء میں نظام علی نے انتقال کیا اور اُنکے بیٹے سکندر جاہ مسند حکومت پر متمکن ہوئے چھبیس ۲۶ سال کی حکومت کے بعد یہ بھی رہگرائے عالم جاودانی ہوئے اور ۱۸۲۹ء میں اُنکے بیٹے نواب

بلا مبالغہ نامکمل اور ادھوری خیال کی جاتی - بلکہ قدیم محاورے تو دنیا سے نابود ہی ہو جاتی حضور ممدوح نے صرف خریداری اور انعام سے ہی اعانت نہیں فرمائی بلکہ مصنف کا پچاس روپیہ کا وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا - اسکے علاوہ تمدن عرب - سوانح عمری نواب سرسالار جنگ - تاریخ دکن - وغیرہ بہت سی قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں حضور ہی کی قدردانی کی بدولت حیدر آباد جملہ علوم و فنون اور بالخصوص شاعری کا مرجع بن رہا ہے ؀

حضور نظام اوصاف مذکور الصدر کے علاوہ شعر و سخن سے بھی خاص لگاؤ رکھتے ہیں - اُردو زبان میں آپ کا کلام کیا بلحاظ فصاحت کیا بلحاظ بلاغت و مضمون آفرینی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے - آپکی شاعرانہ قابلیت ایک بادشاہ کثیر الاشغال ہونے کی حیثیت سے ضرور قابلِ داد ہے - آپ آصف تخلص فرماتے ہیں - نواب فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دہلوی مرحوم کو آپ کی اُستادی کا شرف حاصل تھا زبان کے لحاظ سے حضور کے کلام میں مرزا داغ کے کلام سے کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا - آپ اپنے اُستاد سے اکثر مشورہ کلام اسطرح لیا کرتے تھے کہ اپنے دست و قلم سے غزل لکھ کر ایک لفافہ میں بند کر کے خاص چوبدار کی معرفت اُستاد کے پاس بھیجدیتے تھے - جناب داغ کی عالمگیر شہرت کے ساتھ ساتھ حضرت آصف کی اُستاد نوازی مشہورِ انام ہے - ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ کے علاوہ سات سو روپیہ ماہوار کا منصب اُستاد کی صاحبزادی اور نواسے کا مقرر فرمایا جو اب تک بدستور جاری ہے - اس قدردانی کی مثال اب مفقود ہے اسیطرح مولانا شبلی نعمانی - ملک الشعرا شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی - مولوی عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی - مولانا غلام قادر گرامی مولانا ظہیر دہلوی - مولانا قدر بلگرامی - حضرت امیر مینائی - وغیرہ صدہا باکمال عالم و مصنفین نے اس دربارِ دُربار سے وہ فیض پایا ہے اور پا رہے ہیں کہ مامون رشید اور ہارون رشید کی علمی قدردانیوں کو پردے بٹھا دیا - ہمارے تذکرہ میں اس قدر گنجایش نہیں کہ ہم اِس جلیل القدر - علمی قدردان رئیس کا ایک شمہ حال بھی حسب دلخواہ لکھ سکیں ؀

ہزہائی نس ہی کے بابرکت عہد میں ریاست میں متعدد ریلیں جاری ہونے سے سفر میں سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں - حضور نظام کی آمدنی کل ممالک محروسہ ہند کی ریاستوں سے زیادہ ہے - جاگیرداران اور

کی اور مہاراجہ نرندر پرشاد صاحب بجائے مدار المہام کونسل آف ریجنسی کا کام انجام دیتے رہے ہز ہائینس کو لارڈ رپن نے ۵۔ فروری ۱۸۸۴ء کو کامل انتظامی اختیارات ریاست عطا کئے۔ نیز اسی دربار میں آپ نے نواب لائق علیخاں صاحب سر سالار جنگ ثانی کو عہدۂ وزارت سے ممتاز فرمایا۔ فروری ۱۸۸۵ء میں اعلیحضرت قیصرہ ہند کے حضور سے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب مرحمت ہوا *

ہز ہائی نس کے عہد معدلت مہد میں بہت سی ترقیاں اور اصلاحیں عمل میں آئیں۔ حیدرآباد۔ گلبرگہ۔ اورنگ آباد میں مختلف قسم کے کارخانے جاری ہوئے۔ تمام ریاست میں پہلے کی نسبت بہت کچھ ترقی ہوئی۔ آب پاشی کے کاموں میں بھی کافی اصلاحیں ہوئیں۔ جن سے ریاست کے محاصل میں ترقی اور معقول اضافہ ہوگیا۔ چونکہ ہز ہائینس تعلیم کے بہت بڑے حامی و مددگار ہیں اس سبب سے تمام ریاست میں جابجا مختلف مدارس اور کالج قائم ہوگئے ہیں۔ اعلیٰ رؤسا و عہدداران ریاست کی اولاد کیلئے خاص مدرسے اور تکمیل علمی کے لئے ولایت جانے کو وظائف کا انتظام کیا گیا۔ عورتوں کی طبی تعلیم اور شفاخانوں کے قیام سے ایک اشد ضرورت اور کی نہایت فراخ حوصلگی سے پوری کی ہے۔ ہز ہائینس نے وقتاً فوقتاً اپنی خیر سگالی اور وفاداری کے نمایاں ثبوت دئے ہیں۔ جس نے ہمیشہ سے انکے خاندان والا دودمان کو دولت برطانیہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے ۱۸۸۵ء میں حضور نظام نے مہم مصر کے لئے گورنمنٹ ہند سے اپنی امدادی فوج دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اسی قسم کی درخواست آپ نے اُس زمانے میں بھی کی تھی جب کہ روس افغانستان پر حملہ کی دھمکی دے رہا تھا۔ اسوقت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ آپ کے وزیر او رمدار المہام ہیں جو مہاراجہ چندولال سابق مدار المہام کی نسل میں ہیں۔ حضور نظام کو شکار کا بہت شوق ہے۔ آپ کا فیاضانہ اور رحیمانہ برتاؤ مشہور انام ہے۔ آپ کے عہد میں صدہا مفید انام بلکہ باعث قیام نام کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں جنمیں سے فرہنگ آصفیہ مولفہ مکرمی منشی سید احمد دہلوی کی دستگیری نے تمام ہندوستان میں حضور نظام کی قدردانی کی دھوم مچادی۔ اگر یہ لغات نہ چھپتی تو اردو زبان

یہ اسکے دل سے پوچھ یہ اُسکے جگر سے پوچھ
یہ ہاتھ سے چُرائے تو وہ آنکھ سے چُرائے
آصف سے یہ چُھٹا ہے نہ ہرگز کبھی چھٹے
واہ رے شانِ کریمی ترے صدقے قرباں
عاشق و معشوق کی دل کی لگی ہے یہ فرق
اتنی راہوں پر نہ نکلی حسرتِ بسمل ذرا
فیضِ پیرِ میکدہ سے یہ گیا دریا سے کئے
گو بظاہر وہ نہ زاہد تھا نہ وہ تھا متقی

کیسا مزہ ہے چاہنے والے کو چاہ کا
دزدِ حنا سے چور ہے بڑھ کر نگاہ کا +
لپکا ہے اس کو دید کا چسکا ہے چاہ کا
جس گناہگار کو دیکھا وہ گنہ گار نہ تھا
شمع گھُلتی ہی گھُلی پروانہ پل میں خاک تھا
سینہ تیروں سے ہے چھلنی تیغ سے دل چاک تھا
کیوں نہ پیتے پارسا بھی آبِ دریا پاک تھا
عاشقِ صادق تھا آصف عشق اسکا پاک تھا

اے کماندار تجھے شست کی حاجت کیا تھی
میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح
بے تمنا بھی کہیں عشق میں ہوتی ہے بسر
مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تم نے
وہ تشنہ کام پھر لبِ کوثر یہ کیا کرے
پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور
کھیل ہے دل لگی ہے کیا ناصح
ذکرِ محشر عبث ہے اے واعظ
وہ نقشِ پائے غیر مٹاتے ہوئے چلے
ایسا گمان تجھ پہ نہ تھا اے دغا شعار
فریاد بے سبب تو نہیں دادخواہ کی
ہوتا چلا ہے رنگ گلابی نقاب کا
جس بات کی دُھن بندھ گئی وہ کر ہی کے چھوڑی

مرغِ دل آپ ترے تیر پہ قرباں ہوتا
تو نہ ہوتا میرا اللہ نگہباں ہوتا
ایک مٹتا تو مجھے دوسرا ارماں ہوتا
آن سے تیغ کھنچی ناز سے خنجر نکلا
جس کو مزا ہو یار کی جھوٹی شراب کا
کس کو دعوے ہے پارسائی کا
چھوٹ جانا لگی لگائی کا +
اس خدائی میں اُس خدائی کا
نقشِ قدم پہ اور بھی نقشِ قدم ہوا
دھوکا بڑا مجھے ترے سر کی قسم ہوا
تو نے ستم کیا تو کسی پر ستم ہوا
چھپتا ہے کب چھپانے سے چہرہ عتاب کا
سنتا ہے کہا کب دلِ دیوانہ کسی کا

صرف خاص کے علاوہ تقریباً چار کروڑ سالانہ محاصل ہے۔ اور اقطاع مفوضۂ برار کے علاوہ ریاست دکن کا رقبہ بیاسی ہزار چھ سو ستانوے میل مربع ہے اور آبادی ایک کروڑ پندرہ لاکھ۔ نظام حیدرآباد کی سلامی ۲۱ ضرب توپ ہے۔ ہز ہائینس کے صاحبزادے اور ولی عہد کا نام میر عثمان علیخان ہے جو ۲۱۔ مئی ۱۸۸۶ء کو تولد ہوئے۔ آپ نے اطراف ہند کی خوب سیر فرمائی ہے دربار قیصری ۱۸۷۷ء میں اور جشن تاجپوشی ملک معظم منعقدہ ۱۹۰۳ء میں بھی بمقام دہلی رونق افروز ہوئے تھے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

انصاف اپنا اے بت عیار ہو چکا
بس انتظار وعدۂ دیدار ہو چکا

جب تو ہوا عدو تو خدا یار ہو چکا
وہ آئے یا نہ آئے یہ بیمار ہو چکا

کرتا ہوں آہ تیغ نگہ کھا کے لے سنبھل
اب میرا وار روک ترا وار ہو چکا

میں بھی تو آزمائش مہر و وفا کروں
میرا تو امتحان کئی بار ہو چکا

پوچھا یہ میرے مردہ پہ اُس بدگمان نے
کچھ اس میں جان ہے کہ یہ بیمار ہو چکا

جلوۂ یار کیا کہوں کیا تھا
اُس کی قدرت کا اک تماشہ تھا

اب یہ جانا کہ ہم کو دھوکا تھا
دل ہمارا نہ تھا تمہارا تھا

لوٹتا تھا کوئی تڑپتا تھا
کوئے قاتل میں اک تماشہ تھا

حشر میں بھی کہیں گے تجھسے ہم
تجھپہ دعویٰ ہے تجھپہ دعویٰ تھا

کہتے ہیں وہ کہے سنے پہ نجاؤ
غیر کے پاس تمنے دیکھا تھا

اللہ بچائے کہ یہ کہتا ہے وہ کافر
میں ساری خدائی کو گنہ گار کروں گا

دیکھا یہ شعبدہ تری چشم سیاہ کا
محفل میں ہو گیا ہے تماشا نگاہ کا

بجلی بنی کبھی کبھی تلوار بن گئی
دیکھا عجیب شعبدہ اُس کی نگاہ کا

برسوں میں اُسنے ملنے کا وعدہ کیا ہے آج
اِس شرط پر کہ حرف نہ آئے نباہ کا

کس کو سنوگے کون سا قصہ پسند ہے
یوسف کی چاہ کا کہ زلیخا کی چاہ کا

دزدیدہ نگہ دل کو چُرا کے ہوئی بدنام　　پروا نہیں کچھ اس کی ہمیں دے گا خدا اَور

میخانہ میں کیا لطف ہے کیا مانگ سے ساقی　　آواز چلی آتی ہے لاؤ رے پلا اور

جب دل دیا کسی کو تقدیر یہ پکاری +　　درد و الم ہو فتح رنج و محن مبارک

کشتے کو اپنے قاتل دے ہاتھ سے جو اپنے　　خلعت سے ہو زیادہ اُس کو کفن مبارک

کہتے ہیں ناز سے وہ ہے ملک حُسن اپنا　　آصف تمہیں تمہارا ملکِ دکن مبارک

کیا ہے پوشیدہ وہ غارتگر ایماں ابتک　　کعبے جاتے ہیں ہزاروں جو مسلماں ابتک

گھل کے پانی بھی ہوا بن کے وہ آنسو بھی بہا　　کیا مرے دل میں دھرا ہے ترا پیکاں ابتک

خراب و خستہ ہو کر خوب سنبھلا　　محبت میں بگڑ کر بن گیا دل

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور نہ کریں　　مرد جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیتے ہیں

اِن حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نہ کرے　　خوں بہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں

لبِ جاناں کو چکھائیں گے مزہ وصل کی شب　　ہوتی آئی ہے کہ جھوٹے کو سزا دیتے ہیں

قطعہ

دل نہ دیتا اگر تو کیوں سُنتا　　یار کے طعنے چار کی باتیں

بے وفا ایک تیری خاطر سے　　سُن رہا ہوں ہزار کی باتیں

کہا جب میں نے رنجیدہ عدو ہو　　وہ بولے سنتے ہی وہ کیوں تو ہو

اِدھر میں ہوں اُدھر محشر میں تُو ہو　　جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

تجھے دل میں تو رکھوں میں یہ ہے رشک　　اُسی میں جان ہو تمہیں ہی تو ہو

گداز عشق نے چھوڑا بھی کیا ہے　　مژہ سے ٹپکے گر دل میں لہو ہو

شبِ وصل یوں ہی بسر ہو گئی　　نہیں کہتے کہتے سحر ہو گئی

تمہاری نرگسِ بیمار بھی بیمار کیسی ہے　　کہ یہ بیمار ہو کر پھر غریب آزار کیسی ہے

نامہ بر دیکھ لے خطِ لفظ ہیں سارے پیارے　　میں نے لکھے اُسے مضمون بھی پیارے پیارے

تیرے صدقے ترے قرباں یہ ضد خوب نہیں　　مان لے مان لے کہنے کو ہمارے پیارے

اللہ رے تجاہل تجھے اب تک نہیں معلوم
عالم کی زبانوں پہ ہے افسانہ کسیکا

دعوے ہے غلط شیخ و برہمن یہ تمہارا
مسجد نہ کسیکی ہے نہ بتخانہ کسیکا

آصف کا یہ ہے قول سینے صاحبِ غیرت
احساں نہ لے ہمت مردانہ کسیکا

میں اگر غم کہوں جدائی کا
شور محشر میں ہو دُھائی کا

نالہ کیا لب تک آکے رہ جاتا
پاس ہے عرش کبریائی کا

وہ بھی کیا دن تھے ہمیں غم سے سروکار نہ تھا
دل کو ارمان نہ تھا جان کو آزار نہ تھا

جان دیتا نہ تڑپ کر یہ وہ بیمار نہ تھا
دل پہ جب ہاتھ رکھا تمنے تو آزار نہ تھا

ایلچی کو بھی کوئی قتل کیا کرتا ہے
میں خطاوار تھا قاصد تو خطاوار نہ تھا

منصفی شرط ہے شایانِ کرم غیر ہی تھی
میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا

کیا عیادت کی توقع ہو ستمگر تجھ سے
بچ گیا کوئی تو کہتا ہے یہ بیمار نہ تھا

عرصۂ حشر کی مانند تھی نفسی نفسی
اُس کو محفل میں کسیکا بھی کوئی یار نہ تھا

مجکو کیا کوئی پھنسائے گا ازل سے ابتک
دل تو آزاد رہا میرا گرفتار نہ تھا

جنسِ دل داب کے ہم اپنی بغل میں لے آئے
جا کے بازار کو دیکھا تو خریدار نہ تھا

نرگسِ جادو دکھا کے کوئی جادو گر گیا
دوستو لینا خبر میرا دلِ مضطر گیا

گھُلتے گھُلتے عاشقِ بیمار تیرا مر گیا
دل میں زہرِ عشق آخر کام اپنا کر گیا

آئے تھے میرے دل کے خریدار بنکے وہ
دل دیکھتے ہی اُن کا خریدار ہو گیا

ہم کہے دیتے ہیں اے دل عشق ہے خانہ خراب
اِسنے جب رکھا قدم بھر لاکھ کا گھر خاک تھا

خوبرویوں کی بھی حالت ایک سی رہتی نہیں
اب مسیحا اُس کو دیکھا جو کبھی سفّاک تھا

انقلاب دہر کی نیرنگ دیکھو تو سہی
لہلہاتا سبزہ ہے جس جا خس و خاشاک تھا

جلانے والوں کو اللہ یوں جلاتا ہے
رقیب پر ہے وہ پروانہ شمع رو ہوکر

تمکین میں شرارت تری دیتی ہے مزہ اور
شوخی میں ترا حسن بڑھاتی ہے حیا اور

رات تڑپتے کٹی چین نہیں دن کو بھی + دل کو مرے اضطراب دیکھیے کبتک رہے

ازل کے روز سے اک لاگ حسن و عشق میں ہے نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا اُن کی +

نہ ان کا قول ہے میری بلا سے تجھسے بلائیں اُس کی بھی لوں گر ملے بلا اُنکی

نیا ہو ناز ہر اک ناز میں نزاکت ہو ادا ادا سے ادا ہو ادا ادا اُن کی

تجھکو دل دے کے اپنی رسوائی وہ ہوئی اب جو عمر بھر نہوئی

پھر کہاں جائیں گے الٰہی ہم + خلد میں بھی اگر بسر نہوئی

بت کدے میں جو دیکھی ہے صورت وہ بھلے کو خدا کے گھر نہوئی

عمر بھر جتنی جفا ہو سب اُٹھانی چاہیے چاہیے جسکو اُسے تا زندگانی چاہیے

تشنۂ مے ہوں شرابِ ارغوانی چاہیے ایسے پیاسے کے لئے ایسا ہی پانی چاہیے

داغِ فرقت دے گئے وہ اپنے چھلے کے عوض عاشقِ مہجور کو کچھ تو نشانی چاہیے

رفتہ رفتہ دن مصیبت کے گزر ہی جائینگے ان بتوں کی کیا خدا کی مہربانی چاہیے

تیسوں روزے ہو چکے رخصت ہؤا ماہِ صیام عید کے دن بھی نہ کیا پینی پلانی چاہیے

صدمے بیاں کیا ہوں شبِ انتظار کے سو بار چُپ ہؤا ہوں اجل کو پُکار کے

دل میں ہمارے ایک صنم پردہ دار ہے آئے خیالِ غیر تو پردہ پکار کے

بیتابِ دل کے ہاتھ سے ہی میری لاش بھی اندر مزار کے کبھی باہر مزار کے

یہ عرصہ گاہِ حشر ہی محفل نہیں تری اغیار رہے تو جائیں تجھے اب اُبھار کے

آجکل ہمنے زمانے کی یہ حالت دیکھی ایک کے دل میں مروت نہ محبت دیکھی

غم کونین بھی کھا کر نہیں سیری اے دل دیکھی دیکھی ارے بھوکے تری نیت دیکھی

ایک ہی جام پلا کر جو کرے اپنا سا ہمنے یہ پیرِ مغاں ہی میں کرامت دیکھی

رخصت کے وقت ہائے اس انداز کے نثار انگڑائی لے کے اُسنے کہا دیکھنا مجھے

مزاجداں ہو تمہیں جب تمہیں سے کچھ نہؤا مریضِ عشق کو راس آگئی دوا کس کی

سچ ہے پیاروں کی ہر اک بات ہے پیاری ہوتی
لطف کیا جو بھی ہمکو ہیں تمہارے پیارے

جاں لو جان ہماری بھی گئی ساتھ کے ساتھ
اپنے گھر تم جو خفا ہو کے سدھارے پیارے

پیار یا اخلاص کی باتوں میں یہ رنجش کیسی
شرط جو پیار کی تھی تم اُسے ہارے پیارے

ناتواں قلب ہوا ہجر میں تیرے ایسا
دم بھی آتا ہے تو لے لیکے سہارے پیارے

کیوں نہ عشق حسینوں کا ثواب اے واعظ
جو ہیں اللہ کے پیارے وہ ہمارے پیارے

سہل ہے بات جو بگڑی کو بگاڑے کوئی
کام اُسکا ہے جو بگڑی کو سنوارے پیارے

ابھی کمسن ہو نہ کہتے ہیں کسیکے آنا
نہ اُبھرنا جو کوئی تمکو اُبھارے پیارے

کھُل گیا راز عدو اُس سے یہ کہدو **آصف**
ہم تمہارے ہیں نہ تم اب سے ہمارے پیارے

یہ دل آشنا اور نا آشنا ہے
بھلوں سے بھلا اور بُروں سے بُرا ہے

نہیں ہے اگر تو ہمارا تو کیا ہے
زمانے میں کوئی کسی کا ہوا ہے

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزا ہے
یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

مزا ہے یہی بات میں بات نکلے
ادا سے ادا جب نہو پھر تو کیا ہے

نشانہ نہ بنے دیکھئے کونسا دل
یہ تیرِ دعا ہے وہ تیرِ ادا ہے

کریں بتکدہ سے عبث قصدِ کعبہ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

کہاں جائے انسان انسے نکل کر
زمیں فتنہ گر ہے فلک فتنہ زا ہے

شب وصل کسطرح طے ہو یہ جھگڑا
نہ تم مانتے ہو نہ دل مانتا ہے

کہو پھر تو گھبرا کے ذکرِ عدو پر
نہیں ہم تو واقف خدا جانتا ہے

یہ کافر حسیں ایک جا جمع ہونگے
جہنم میں بھی اک طرح کا مزا ہے

بہت دور ہے منزلِ وصل اے دل
جو یہ طے ہوئی پھر خدا ہی خدا ہے

کوئی بے وفاؤں کے دم میں نہ آئے
محبت جو کی تھی یہ اُسکی سزا ہے

ہمارے بھی ہے امتحاں میں یہ آصف
لگانا ہی دل کا سراسر خطا ہے

سے گولیاں کھا کر راہئ ملکِ بقا ہوئے - کچھ عرصہ ریاست جھجر میں بھی ملازم رہے تھے وہاں نواب صاحب نے ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے ایک نہایت بیش بہا اور قابل قدر گلستاں ان سے لکھوائی - پھر الور میں ملازم ہوکر ویسی ہی دوسری گلستاں لکھی - یہ دونو نسخے خوشخطی اور خوبئ نقش و نگار کے باعث عدیم النظیر ہیں - جھجر والی گلستاں مہاراجہ منگل سنگھ مرحوم والی الور نے خرید کر دوران سیاحت پنجاب میں ۱۸۸۰ء میں مہاراجہ راجندر سنگھ مغفور والی پٹیالہ کو بطور ہدیہ دیدی تھی - دوسرا نسخہ اب تک الور کے کتب خانے کی زینت ہے اسپر متعدد نمایشوں میں تمغہ بھی ملا ہے - آغا صاحب گاہے گاہے فکرِ سخن بھی کرتے تھے - دو شعر ملے بطور یادگار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کوئی دارا کوئی جم اور کوئی اسکندر ہوا	داغ سر اپنا ہیں نام خدا افسر ہوا
سرخ ہے موباف قاتل آج دیکھا چاہئے	قصد اس قاتل کا اب ہے کس کے شنجوں پر ہوا

(آغا) سخنور شیریں بیاں میرزا آغا حسین مرحوم اکبرآبادی خلف میرزا علی اعظم - میرزا آغا حسین میر علی حسین قیصر مغفور کے حقیقی بھائی تھے اور فنِ سخن میں میرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی - راجہ بلوان سنگھ راجہ - میرزا عنایت علی ماہ وغیرہم کے ہم صحبت و ہم مشق رہے - شعر خوب کہتے تھے - دیوان ریختہ چھپ گیا ہے - ۱۲۹۶ھ ہجری میں انتقال کیا - کلام صاف - بامزہ اور پر لطف ہے ؎

شوق زوروں پہ ہے ضعفِ دلِ بیمار گھٹا	آؤ میخانے چلیں آئی دھواں دھار گھٹا
اللہ الحمد کہ پانچوں ہیں میسر آغا	مئے و معشوق پریوش - گل و گلزار - گھٹا
کوچۂ یار کو دعوے ہے کہ جنت میں ہوں	خلد کہتے ہیں کسے روضۂ رضواں کیسا
دل کے آئینہ میں تصویر صنم رکھتا ہے	نہیں معلوم کہ آغا ہے مسلماں کیسا
گلچیں سے دوستی تھی موافق زمانہ تھا	اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
وحشت نے یہ دھجیاں اڑائیں	باقی نہیں تار پیرہن کا +
بے سبب زاہد نہیں خالق سے جنت مانگتا	زہد کے بدلے میں ہے مزدور اُجرت مانگتا

ہزار رنگ سے نیرنگ ہیں ہم زمانے میں	ہوئی ہے شعبدہ گر چشم فتنہ زا کس کی

آصف

(**آصف**) حکیم سید محمد آصف۔ حضرت جلال لکھنوی کی شاگردی سے نامور ہیں۔ موجودہ رسالوں میں اکثر کلام شائع ہوتا رہتا ہے اُس سے انکی استعداد علمی خاص معلوم ہوتی ہے طبیعت موزوں اور زباں صاف ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ناصحوں کے کہنے میں آتا نہیں	ایسوں کو میں دھیان میں لاتا نہیں
ہے عجب دلکش مقام کوئے دوست	جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں
دینا اُسے پیامبر عاشق چشم کا پیام	آنکھیں سفید ہوگئیں آپکے انتظار میں
نہ پوچھ اے شیخ بت ہے یا خداوہ	اسے بندہ بھلا کیا جانے کیا ہے
تری بد دعا ہی دعا ہوگئی	کہ بیمار غم کو شفا ہوگئی

آصفی

(**آصفی**) مرزا عبدالرحمن بیگ نام ہے حیدرآباد دکن میں قیام ہے۔ اور علاقہ مہاراجہ یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد کے شفاخانے میں منشی ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

یہ توکل کو لے کے دل میرا	اور ہو جائیں یار کی باتیں
یہ بھی اچھا ہوا کہ اپنی دُعا	کبھی شرمندۂ اثر نہوئی
وعدہ کرتے تو ہو قیامت کا	وہ بھی تقدیر سے اگر نہوئی
اُسنے چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا	موت بھی اپنی چارہ گر نہوئی
کیوں جی الفت اسی کو کہتے ہیں	مر گئے ہم تمہیں خبر نہوئی
نہ مرتا ہے عاشق نہ ہوتی شفا ہے	الٰہی عجب یہ مرض لادوا ہے

آغا

(**آغا**) مرزا آغا جان عرف آغا صاحب۔ دہلی کے باشندے تھے۔ اصل میں عیسائی تھے مگر اپنے اُستاد سید محمد امیر پنجہ کش کی ہدایت و تلقین سے مسلمان ہو گئے تھے۔ خوشنویسی میں ایسی مشق بہم پہونچائی تھی کہ سید محمد امیر پنجہ کش کے شاگردوں میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ اخیر دم تک ریاست الور میں ملازم رہے ہے۔ ۱۲۷۴ھ کے ایام غدر میں یہ دونوں اُستاد شاگرد گوروں کے ہاتھ

اچھی صورت پہ حسینو تمہیں نخوت کیا ہے	چار دن کی ہے فقط حُسن کی دولت کیا ہے

آغا

(آغا) میرزا آغا حسن لکھنوی - شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم لکھنوی سنہ ۱۳۰۳ ہجری تک مرزا سلیمان قدر بہادر کے ہاں داروغہ تھے - شعر خاصا کہتے تھے - عیوب ظاہری سے ان کا کلام پاک و صاف ہے مگر اُسی پُرانی ڈگر پہ چلتے ہیں جو ابتدا سے ایشیائی شعرا نے اختیار کر رکھی ہے - زبان - بندش ترکیبِ بیان کے لحاظ سے کلام میں کوئی نقص نہیں ہے - مولوی عبد الغفور نساخ اپنے تذکرے میں اس نام اور تخلص کا ذکر اسطرح کرتے ہیں کہ آغا حسن ولد مرزا میر لکھنوی شاگرد صبا سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں بمقام کلکتہ تجارت کرتے تھے - شاید یہی آغا حسن ہوں بلکہ ظنِ غالب ہے کہ یہی ہوں گے - کیونکہ جس غزل کے اشعار ہمنے آخر میں درج کئے ہیں اُنکا مقطع تذکرہ نساخ سے لیا ہے ٥

لُوٹ لی میری دولتِ ایماں کعبۂ دل کو تو نے ڈھا کے	ہاں ذرا بھی اُو بتِ کافر تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا
ہٹا دو انکو بالیں سے مری وہ خوف کھائینگے	سُنا ہے دم نکلتا ہے بڑی مشکل سے عاشق کا
وصل کی شب یہی کرتا ہوں دعا اے آغا	حشر تک اب نظر آئے نہ سحر کی صورت
تمہارے بعد تمہیں یاد کرتے سب آغا ،	کوئی تو زیست میں ایسی بھی بات کر جاتے
نکلنا سخت مشکل ہو نہ کیونکر کوئے قاتل سے	تڑپتے ہوں جہاں عاشق ہزاروں مرغِ بسمل سے
ترے کوچہ میں اُو ظالم نہ میں آتا نہ میں آتا	مگر مجبور ہوں کچھ بس نہیں بیتابئ دل سے
تپِ فرقت سے ایسا بڑھ گیا ہے ضعف اے آغا	کہاں کروٹ بدلنا سانس بھی لیتا ہوں مشکل سے

آغا

(آغا) مرزا عبد القادر خاں عرف میرزا آغا جان - رئیس سونگھڑہ (مالوہ) شاگرد حضرت داغ دہلوی - انکے والد میرزا جان کابلی الاصل اور مدار المہام ریاست سونگھڑہ ہیں - انتخابِ کلام ہدیۂ ناظرین ہے آپکی فارسی قابلیت بہت اچھی ہے ٥

خاک میں چاہنے والوں کو ملا دیتے ہیں	فتنۂ حشر وہ اُٹھتے ہی اُٹھا دیتے ہیں
آدمی سُن نہیں سکتا ہے کسی کے طعنے	دل میں شمشیر سے یہ زخم سوا کرتے ہیں
ادا ہے کون سی حوروں میں جسپہ دم نکلتا ہے	کسی کافر میں بھی زاہد وہی عالم نکلتا ہے

تیرہ بختی نے نچھوڑا ایک دم پیچھا مرا ٭ رنج آگے سے مرے مِلتا تو راحت مانگتا

جب تک رہی بہار زرِ گل لٹا کیا ٭ کیا جانے اسکے پاس کہاں کا خزانہ تھا

بجائے اشک مژگاں پر اگر لختِ جگر ہوگا ٭ ترا احسان میرے حال پر اے چشمِ تر ہوگا

کتریوں کو نہ اسے بانیِ ستم صیاد ٭ قفس کو توڑ کے اُڑ جائیں گے نہ ہم صیاد

کرے گا قتل مجھکو یار کیونکر ٭ اُٹھے گی ہاتھ سے تلوار کیونکر

گھٹا آئی ہے بوندیں پڑ رہی ہیں ٭ نہ ٹوٹے تو یہ منجھار کیونکر ٭ ٭

اپنے کئے کی آپ سزا کیوں نہ پائے شمع ٭ خود کیوں جلے اگر نہ کسیکو جلائے شمع

مرنے کی مانگتے ہیں دعائیں خدا سے ہم ٭ تنگ آگئی ہے ہم سے دوا اور دوا سے ہم

نگاہوں میں اقرار سارے ہوئے ہیں ٭ ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں

سچ ہے کہ بُرے وقت نہیں کوئی کسیکا ٭ لب خشک ہیں اور دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

کیا قید سے جنکو آزاد تم نے ٭ وہ حسرت سے طوق و رسن دیکھتے ہیں

ابھی مُنہ موڑ کر نہ جا قاتل ٭ جان باقی ہے تیرے بسمل میں

ہر کوئی پھرتا ہے اپنے قتل کی تدبیر میں ٭ یہ نئے جوہر ہیں اے قاتل تری شمشیر میں

کاٹ بڑھکر تیغ سے ہے ابروے خمدار میں ٭ سینکڑوں بیدم ہوں یہ جوہر کہاں تلوار میں

بوسہ کا نیل عارضِ جاناں سے دُور ہو ٭ دھبا خدا کرے مہِ تاباں سے دُور ہو

کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہو ٭ ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہو

قتل کا حکم نہ بے جُرم و خطا دے مجھکو ٭ میرے قاتل کوئی الزام لگا دے مجھکو

جیتے جی کے آشنا ہیں پھر کسی کا کون ہے ٭ نام کے اپنے ہُوا کرتے ہیں اپنا کون ہے

جانِ جاں تیرے سوا رشکِ مسیحا کون ہے ٭ مار کر ٹھوکر جلا دے مجھکو ایسا کون ہے

وہ آئے سب اسیروں کو آزاد کر گئے ٭ مجھپر جو مہربان ہوئے مر کے رہ گئے

تیغِ نگاہِ ناز کلیجے پہ چل گئی ٭ جانِ قتیلِ حسرتِ قاتل نکل گئی

ہم کو غم کھانے کا دعویٰ تھا مگر	خود ہمیں کھانے لگا غم کیا کریں
صورت ہی سے سوال کو پہچان جائیے	دل میں ہمارے جو ہے صنم جان جائیے
یہ تو خوشی ہے آپ کی میری خوشی نہیں	میں کس طرح کہوں کہ مری جان جائیے

آفاق

(**آفاق**) میر فرید الدین خلف سید بہاؤ الدین۔ شاہ سلیمان متخلص بہ اولیا باشندۂ دہلی کے قرابت داروں میں تھے اصل میں انکا وطن کشمیر تھا - حکیم ثناء اللہ خاں **فراق** سے تلمذ رکھتے تھے قدرت اللہ **شوق** کے تذکرے کی ترتیب کے وقت دکن بھی گئے تھے اور وہاں نواب مشیر الملک کی سرکار میں بعزت و آبرو بسر کرتے تھے خلاصہ کلام یہ ہے ؎

تسکین ہوئی دل کو آرام ہوا جی کو ٭	وہ راحتِ جاں میرے پہلو میں جو آبیٹھا
اُس گل سے مل کے پیوینگے جام شراب ہم	لالہ کا دل جلا کے کریں گے کباب ہم
میخانۂ دنیا میں ہر اک مست ہے غافل	ہے مرد وہی جو رہے ہشیار نشہ میں
ہاتھ کا اُس کے خط لکھا لایا	تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

آفاق

(**آفاق**) منشی غلام حسین خان - باشندۂ بنارس - شعر خاصا کہتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں سُنا ہے کہ اب **جلیل** کے شاگرد ہو گئے ہیں کلام درج تذکرہ ہے ؎

کہتے ہیں کہ ہم غیر سے یوہیں گے ہنسیں گے	تم بزم سے اُٹھ جاؤ جو دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں میں پھرا کرتی ہیں وہ شوخ نگاہیں	نظروں سے وہ جادو کا تماشا نہیں جاتا
ٹھہر کے دیکھ لے بسمل کا لوٹنا قاتل	شہیدِ ناز یہی خوں بہا سمجھتے ہیں
جو پوچھا میں نے کہ تمکو وفا نہیں آتی	بگڑ کے بولے کہ کہہ تو دیا نہیں آتی
یا خدا کیا ہے جو ہوتی ہے کھٹک سی بار بار	پھانس ہے دل میں چبھی یا وہ نگاہِ ناز ہے
گردن میں میری طوقِ محبت پنہا دیا	باہیں گلے میں اُسنے شبِ وصل ڈال کے
وہاں محتسب سر پٹکتا رہا ٭	یہاں خوب رندوں میں ڈھلتی رہی

آفت

(**آفت**) میرزا منیر بیگ ابن مرزا وزیر بیگ ۱۲۸۵ھ میں بمقام قصبہ پٹن ضلع اورنگ آباد دکن

تری نظروں میں بھی تیر قضا کا رنگ ہے ظالم
جسے تو دیکھ لیتا ہے اُسی کا دم نکلتا ہے

بوسہ دینے میں جو پوچھا کہ بگڑتا کیا ہے
بولے لینے میں کہو آپ کو ملتا کیا ہے

ہم بھی ہاں مانتے ہیں رشک مسیحا تم ہو
مگر اس جاں بلب غم کا مداوا کیا ہے

ہاتھ آیا تجھے کیا میرے ستانے والے
کیا ملا تجھکو میرے جی کے جلانے والے

سُن کے شہرے تمہاری قامت کے
ہوش جاتے رہے قیامت کے

میرے زخموں پہ وہ چھڑک کے نمک
کہتے ہیں یہ مزے ہیں چاہت کے

جگر تک آئی یہ برچھی کدہر سے
کوئی یہ پوچھ دے ترچھی نظر سے

آغا (آغا) منشی عبدالاحد خاں - باشندۂ رام پور (روہیلکھنڈ) شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم - تخمیناً ۵۰ برس کی عمر ہوگی - سرکار رام پور میں ملازم ہیں - کلام مزیدار ہے طبیعت میں متانت ہے اور بیان میں صفائی پائی جاتی ہے کیوں نہ آخر ہیں کس اُستاد کے خوشہ چینوں میں - کلام حاضر ہے ؎

دل لے کے پوچھنا کہ دلِ زار کیا ہُوا
خیر اُو ستم شعار فسوں کار کیا ہُوا

تم جاگتے میں آتے تو آنے کا لطف تھا
طالع ہُوا جو خواب میں بیدار کیا ہُوا

رکھ لوں اسے کلیجے میں گر اختیار ہو
کیا پیاری پیاری شکل مرے دلربا کی ہے

دامن سے چھوٹنے کا نہیں لاکھ دھوئیے
قاتل ہمارے خون میں رنگت وفا کی ہے

دل کیا ہے کروں جان بھی میں اُسکے حوالے
لینے کو جو پردے سے کوئی ہاتھ نکالے

جانباز جو لاکھوں ہیں تھکا جاتا ہے قاتل
اے موت گھڑی کیا ہے ذرا ہاتھ بٹالے

آئے تھے جو سننے کو فسانہ مرے غم کا
وہ جاتے ہیں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

آغاز (آغاز) منشی امداد حسین خاں کانپوری - شاگرد حضرت عزم مرحوم - یہ ہمارے زمانے کے شاعر ہیں کلام خاصا اور اچھا ہے - ملاحظہ ہو ؎

نہیں ہر وقت کی یہ ضد اچھی
کبھی کہنا بھی مان لیتے ہیں

ہم تو مرتے ہیں کسی سفاک پر
چارہ اس کا ابن مریم کیا کریں

خدایا بڑھ ہے دردِ الفت زیادہ | ہے اس رنج میں مجھکو راحت زیادہ
ہمیں سے ہے تمکو عداوت زیادہ | تمہیں سے ہے ہمکو محبت زیادہ
محبت دبانے سے دبتی نہیں ہے | چھُپانے سے ہوتی ہے شہرت زیادہ
وہ کم کرتے ہیں جس قدر مجھسے ملنا | مجھے اُن سے ہوتی ہے الفت زیادہ
غضب اُس ستمگر کی محشر خرامی | قیامت سے ہے یہ قیامت زیادہ
دل اک بوسہ پر دیدو آفت خوشی سے | نہ آئے گی اب اِس سے قیمت زیادہ

بلائیں بھی وہیں آتی ہیں جس جا تنگدستی ہے | یہ زنجیرِ مصیبت بیکسوں کو خوب کستی ہے
یہ کیا کم ہے اگر ہے میرے دل کی قیمت اک بوسہ | محبت اُس صنم کی جان دیکر بھی تو سستی ہے

مینے دل دینے میں تکرار جو کی بولے وہ | جائیے جائیے بس آپ کی الفت دیکھی
دشنام میں ملا ہمیں بوسہ سے بڑھکے لطف | ہاں گالیاں سنائیے دو چار اور بھی

آنکھ اور ہو گئی ہے پڑ کر نگاہ تجھپر | دل اور ہو گیا ہے جب سے کہ دل میں تُو ہے
ملجاؤں ذات میں تیری جاؤں خاک ہو کر | وہ جان کی ہے خواہش یہ دل کی آرزو ہے

آیار کی محفل میں دکھادیں تجھے زاہد | اک حور اُتر آئی ہے گلزارِ ارم سے
وعدہ میں نہیں شبہہ کچھ اے قول کے پورے | شک دل میں جو آتا ہے تو بس تیری قسم سے
تھا عشق سے پہلے ہمیں عزت کا بہت پاس | یہ بات بھی الفت کی بدولت گئی ہم سے

(**آفتاب**) حضرت فردوس منزل ابوالمظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ غازی - خلف الرشید عرش منزل عزیزالدین عالمگیر ثانی ۱۱۳۱ھ ہجری قلعہ معلی دہلی میں پیدا ہوئے - اور ۱۴ جمادی الاول ۱۱۷۳ھ ہجری مطابق ۱۷۵۹ء میں بمقام کھتولی نواح پٹنہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت میرزا عالی گوہر شجاع الدولہ صوبہ اودہ کے ساتھ ملک بنگال پر قبضہ کرنے کی نیت سے عظیم آباد کا محاصرہ کئے پڑے تھے - والد ماجد کی خبر وفات سُنکر شاہ عالم کے لقب سے تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا اور اپنے خلفِ اکبر میرزا جہاندار شاہ عرف میرزا جواں بخت کو ولیعہد

پیدا ہوئے ہائی اسکول اورنگ آباد میں جماعت انٹرنس تک عربی فارسی انگریزی میں تعلیم پاکر ۱۸۹۲ء میں سرشتۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے آجکل خاص اپنے وطن کے مدرسہ میں مدرس انگریزی ہیں - ملازمت اختیار کرنے کے بعد شاعری کا شوق ہوا تھوڑے عرصہ بعد اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی سے استفادہ کیا - اب اُنکے شاگردوں میں آپ کا نام عزت سے لیا جاتا ہے - مذاق سخن اچھا ہے - زبان اور خیالات بھی پاکیزہ ہیں ہنگام اشاعت تذکرہ کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے جسقدر اشعار پسند آئے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کسقدر رازِ محبت جلد افشا ہو گیا
دل اِدہر آیا اُدہر دنیا میں چرچا ہو گیا

روکنے پر بولے "صبحِ وصل" جانے دیجئے
دیکھئے اب آپکا کہنا بھی پورا ہو گیا

دل کو لے لیتے تم تو اچھا تھا
کیا یہ اِک بوسہ کو بھی مہنگا تھا

ہجر کا حال پوچھتے کیا ہو
سو بلاؤں میں دل اکیلا تھا

میرے ہی دل کا وہ دھواں نکلا
جس کو میں آسمان سمجھا تھا

ابتدائے شباب اے **آفت**
ہائے وہ بھی عجب زمانہ تھا

اہل ظاہر کہتے ہیں جس عشق کو آزارِ جاں
فی الحقیقت ہے وہی آرام جانِ اہلِ درد

بھُلا دیا در پہ اُسکے آخر
تقدیر نے دربدر پھرا کر

اب نکلی کدورت اسکے دل کی
خوش ہیں ہمیں خاک میں ملا کر

سمجھتے ہیں وہ اب کیا قید سے میری یہ چھوٹیگا
جبھی دیوانہ گیسو کو بے زنجیر رکھتے ہیں

بتاؤ وعدہ کی شب انتظار ہو کہ نہو
جو تم نہ آؤ تو دل بیقرار ہو کہ نہو

جو تیغ ہاتھ میں لی ہے تو سوچنا کیسا
لگا بھی دو کوئی تقصیر وار ہو کہ نہو

دشمنوں کی دشمنی سے دوست کی ہوتی ہے قدر
چاہئے ہمدرد اپنے تو بیگانے بھی دو

جب میں کہتا ہوں کہ تیر جان جاتی ہے مری
ہنس کے وہ فرماتے ہیں اچھا تو ہے جانے بھی دو

دل لگانے کا لگا کر جرم وہ لیتے ہیں جاں
دل کا دل لو اور پھر دل دیکے جرمانے بھی دو

خوب ہی سیدھا بنے گا دیکھ اے سرو چمن — اسکی رعنائی سے تو مت اپنی رعنائی جتا
بعد مجنوں کیوں نہ ہوں میں کارفرمائے جنوں — عشق کی سرکار سے ملبوس رسوائی ملا
کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا — ہم تو بندے اُسکے ہوں وہ یار ہو اغیار کا
خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اُسنے آہ — ہو جیو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا
دیکھکر کل نبض میری یوں لگا کہنے طبیب — کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا
صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ — ڈھونڈ جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا
اس قدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب — دیکھکر ہوتا ہے مجکو تنگ دل گلزار کا
چھیڑنے کا تو مزا یہ ہے کہو اور سنو — بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر — اے آفتاب دولت دیدار سمجھئے

قطعہ

صبح تو جام سے گزرتی ہے — شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گذرتی ہے

سلطنت دہلی کی تباہی کے وقت حضرت شاہ عالم نے فارسی زبان میں فرمایا تھا ۵

صرصر حادثہ برخواست پئے خواری ما — داد برباد سر و برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم — برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از جور فلک بہتر شد — کہ نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغاں بچہ شوکت شاہی برباد — کیست جز ذات منزہ کہ کند یاری ما
کردہ بودیم گناہے کہ سزا اش ایں بود — ہست امید کہ بخشند گنہگاری ما
گرد سی سال نظارت[۵] کہ مرا داد بباد — زود تر یافت تلافی ستمگاری ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند — نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما
حق طفلاں کہ ز سی سال فراہم بودند — کرد تاراج نمودند سبکساری ما
عہد و پیماں ہمبیاں بعادہ نمودند دغا — مجلسیاں خوب نمودند وفاداری ما

۵ ناظر مراد از منصور علی خاں ۱۲

قرار دیکر دار الخلافتہ میں بجائے خود نائب مقرر فرمایا - اور قلمدان وزارت نواب شجاع الدولہ کو مرحمت کیا ۱۷۶۵ء مطابق سنہ ۶ سال جلوس میں ملک بنگالے - بہار - اور اوڑیسہ - کی دیوانی چھبیس لاکھ روپے سالانہ کے بالعوض تاجرانِ فرنگ کی کمپنی کو عطا فرمائے - دس سال یعنی ۱۷۸۲ء تک الہ آباد میں مقیم رہے - پھر مہاراجہ مادہوجی سیندھیا کی ترغیب سے دہلی آ گئے اور انتظام مہام سلطنت مرہٹوں کے ہاتھ میں آگیا ۱۷۸۹ء میں کورنمک غلام قادر رُہیلے نے اس واجب التعظیم بادشاہ کی دہلی کے دیوانِ خاص میں چھاتی پر چڑھ کر آنکھیں نکال لیں - اور خاندان شاہی پر بڑی بڑی سختیاں اور زیادتیاں کیں - چونکہ ظلم سرسبز نہیں ہوتا مہاراجہ پٹیل مادھوجی سیندھیہ نے بہت جلد اِس نابکار کو اپنے کیئے کے پاس بٹھایا اور بادشاہ کو پھر تخت نشین کر دیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کا دہلی میں تسلط ہو گیا اور ذاتی املاک کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر ہو گیا - ۷ - رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں نوے برس کی عمر پا کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے آستانۂ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے غرب میں دفن ہوئے - انتقال کی تاریخ میر نظام الدین ممنون معروف بہ فخر الشعرا نے برعایت تخلص یہ فرمائی ہے ؎

شور بس روئے زمیں سے یہ اُٹھا		ہے کسوفِ آفتابِ سلطنت

مگر مرقد منور پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

وہی آفتابِ روئے زمیں بود پیش ازل		شد آفتاب زیر زمیں آہ وا آسماں

"فردوس مکان شاہ عالم بادشاہ" سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے فنِ شعر سے کمال اُنس تھا - آفتاب تخلص فرماتے تھے - سودا - میر - نصیر - انشا - اعظم - نثار - ممنون - احسان - قاسم - فراق - سب ان کی سرکار کے دعاگو تھے - چار دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر اب کمیاب ہیں شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے قول کے بموجب ایک ضخیم قصۂ نثر بھی نہایت شستہ دلچسپ عبارت میں حضرت کی یادگار رہے - اُردو کلام کے بعد وہ مرثیہ شہر آشوب لکھا جاتا ہے جو

میں میر احمد مشہور قصہ خواں کے شاگرد تھے اس کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق تھا میر ضیاءالدین ضیا کے شاگرد تھے - اپنے زمانے کے خوش رو جوانوں میں شمار ہوتے تھے سنہ ۱۸۵۷ء تک زندہ موجود تھے - افسوس کہ اُنکا یہ ایک ہی شعر دستیاب ہؤا ؎

ہاں تیغ کھینچ اے بتِ نازک مزاج تو	مرنے پہ آج یہ بھی گنہ گار گرم ہے

(آگاہ) نور خاں نامی - قوم کے افغان اور قصہ خوانی کیا کرتے تھے - ضیا کے شاگردوں میں تھے زیادہ حال نہیں معلوم ہؤا یہ دو شعر اُنکی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہے دم پا بہ رکاب	ہے کہاں کا ہمیں درپیش سفر دیکھیں تو
مُنہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم جاہ کی	باتیں بنا بنا کے نہ کیجے نباہ کی

(آگاہ) پنڈت جوالا ناتھ خلف پنڈت داتا رام برہمن - فارسی شعر بھی کہتے تھے تذکرہ سخن الشعرا مولفہ نساخ کی ترتیب کے وقت آپ کلکتے میں قیام پذیر تھے جسے ۱۲۹۰ ہجری کا زمانہ سمجھنا چاہئے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہؤا یہ دو شعر جو اُس تذکرے میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں جن سے طبیعت کی شوخی اور درد ظاہر ہوتا ہے ؎

جان جاتی ہے تڑپتا ہوں پڑا	دیکھتے کیا ہو تماشا کیا ہے
تیرا دیدار میسر ہووے	اِس سوا اور تمنا کیا ہے

(آگاہ) نواب سید محمد رضا دہلوی معروف بہ احمد میرزا خاں خلف الصدق سید امیر میرزا ابن نواب سعظم الدولہ محمد علی خاں مغفور شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب - آپ ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۵ ہجری میں بمقام دہلی پیدا ہوئے آپکے جد امجد نواب روشن الدولہ سید مظفر مرحوم محمد شاہ کے دوران سلطنت میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے - ایام غدر تک دو موضع صدر پور و رئیس پور ضلع میرٹھ جمعی سات ہزار سالانہ آپکی دادی کی جاگیر میں تھی بعد غدر ضبط سرکار ہوئی

پریشانئ غدر میں شدہ شدہ جے پور میں پہونچے اور بہ سرپرستی مہاراجہ سوائی رام سنگھ بیکنٹھ باشی جے پور میں سکونت پذیر اور سرکار مہاراجہ سوائی جے پور میں بصیغہ روزینہ داران منسلک ہوئے تا حال اُسی

قوم افغاں[1] و مغلیہ ہمہ بازی دادند
بسکہ گشتند مجوزیہ گرفتاری ما

آن گدا زادۂ ہمدان کہ بدوزخ برود
بانیٔ جور و ستم شد بدل افگاری ما

گل محمد کہ ز مردان بشرارت کم نیست
چہ قدر کرد و کالست بگرفتاری ما

ہم اسد یار و سلیماں و بدل بیگ لعیں
ہر سہ بستند کمر بہرِ دل آزاری ما

شاہ تیمور[2] کہ دارد سرِ نسبت با من
زود باشد کہ بیاید بمددگاری ما

مادہوجی سیندھیا فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

راجہ و راؤ زمیندار و امیر و چہ فقیر
حیف باشد کہ نسازند بغم خواری ما

حال ما گشتہ بتر ہمچو اماماں ز یزید
کرد تقدیر یازل روزیٔ ماخواریٔ ما

بود جاں کاہ زر و مالِ جہاں ہمچو مرض
دفع از فضلِ الٰہی شدہ بیماریٔ ما

آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند
چہ عجب گر بنمایند مددگاریٔ ما

آفتاب از فلک امروز تباہی دیدی
باز فردا دہد ایزد بسر داریٔ ما

آفریں

(آفریں) شیخ قلندر بخش ساکن سہارنپور۔ انکا سلسلہ نسب حضرت امام ابو حنیفہ سے ملتا ہے۔ اوائل انیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ عروض و صنائع بدائع شعر سے خوب باخبر تھے چنانچہ ایک رسالہ موسوم بہ تحفۃ الصناعۃ مرتب کیا تھا۔ جملہ اصناف سخن مثل قصیدہ۔ مثنوی۔ غزل پر قادر تھے۔ سنہ ۱۸۴۸ء میں جوانی کا عالم تھا۔ کلام کا خلاصہ بھی درج ذیل ہے ؎

سجا چمن میں تو اب آفریں کہ جوں غنچہ
لبوں میں اُسکے نہاں ہے بہار خندۂ گل

بہت ہیں گرچہ تمہیں اور ناز کرنے کو
بُرے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

آگاہ

(آگاہ) میر حسن علی نام۔ دہلی کے رہنے والے اور بادشاہی قصہ خواں تھے۔ ان کی جودتِ طبع اور جدتِ ذہن مشہور تھی۔ قصہ خوانی کے علاوہ چند اور فنون میں بھی درک رکھتے تھے۔ قصہ خوانی

[1] افغان مراد از غلام قادر رہیلہ نمک حرام ۱۲

[2] تیمور مراد از تیمور شاہ والی کابل پسر احمد شاہ ابدالی کہ خواہر شاہ عالم در نکاح او بود و زمان شاہ خواہر زادہ ۔ شاہ ہند بود ۱۲

شکر ہو کس سے ادا قاتل کی تیغ تیز کا	موت کی دشواریاں دم بھر میں آساں ہو گئیں
غیر تو انجمن ناز سے ٹلتا ہی نہیں	یہ بھی کیا دم ہے ہمارا کہ نکلتا ہی نہیں
ایک ہم ہیں کہ گھلے جاتے ہیں یوں شمع صفت	اور اک دل ہے تمہارا کہ پگلتا ہی نہیں

تم ہمیں دل سے بھلا دو لاکھ بار	ہم نہ بھولیں گے تمہاری یاد کو
اب کہاں آگاہ غالب سا شفیق	رو دیجئے دل کھول کر اُستاد کو

قہر میں لطف کے آثار خدا خیر کرے	مہرباں وصل میں ہے یار خدا خیر کرے
غیر سے آنکھ نہ ملتی تو اثر بھی ہوتا	اب تمہاری نگہِ ناز میں رکھا کیا ہے

یہ بھی اک رنگ ہے محبت کا	روئیں ہم اور ہنسا کرے کوئی

(آہ) نام معلوم نہیں - خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں تھے یہ تین شعر اُنکے دستیاب ہوئے

آہ اور نالے کو ہے درد و اثر سے نسبت	جس طرح چشم کو ہوتی ہے بصر سے نسبت
قصد کرتا ہوں جو اُس جا سے کہیں جانے کا	دل یہ کہتا ہے کہ تو جا میں نہیں جانے کا
نہ وہ در کھولتا ہے اور نہ ہم چوکھٹ سے ٹلتے ہیں	یہ راز و ناز کا جھگڑا ہے دیکھو کیونکر ملتے ہیں

(آہ) شیخ فرید الزماں خاں - شیخ وحید الزماں خاں مرحوم کے خلف اکبر ان کا اصل وطن قصبہ بجنور مگر یہ باعثِ ملازمت دارالریاست رام پور میں قیام پذیر رہے - آغاز جوانی میں بطور تفننِ طبع شعر و سخن سے مذاق رہا - آدمی ذہین اور ذکی تھے - فارسی کلام میں قاضی محمد خاں اختر سے اور اُردو میں مولوی ہادی علی اشک سے مشورہ لیتے تھے - غدر ۱۸۵۷ء میں سب کلام تلف ہو گیا - تذکرہ انتخاب یادگار مولفہ جنابِ امیر مینائی کی ترتیب کے وقت ان کی عمر پچاس برس کی تھی - اُردو کے دو شعر ان کی یادگار ہیں

خوب پرزے اُڑا کے قاصد کے	میرے نامے کا یہ جواب آیا
بعد مُردن بھی ہوا رنج کا باعث میں آہ	ذبح کے بعد مرے روتا ہے صیاد مجھے

(آہ) منشی میر اکبر علی خاں لکھنوی ولد سید ولایت علی خاں بن محمد حسین خاں مخاطب بہ مرصع رقم خاں

سرکارِ فیض رساں کے دعاگو ہیں - گو سن شریف ۸۰ سال کے قریب ہے مگر طبیعت اب بھی جوانی کی آن بان دکھائے جاتی ہے - مزاج کی سادگی اور وضع کی پابندی نے شغلِ سخن کو ذریعہ شہرت بنانے کی انہیں اجازت نہ دی - آپ نے اپنے واجب الاحترام اُستاد سے فارسی کی وہ پیچیدہ بندشیں اور نغز گفتاری حاصل کرنے کے بجائے خیال کی بلند پروازی اور نشستِ الفاظ کا سلیقہ بہم پہنچایا اور اُس طرز کو پورا پورا نبھایا ہے ؎

جناب محمد سلیم خاں صاحب خستہ حضرت ظہیر اور سید لمراؤ مرزا آنور کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں ۱۸۵۵ء کے ہنگامہ غدر سے پہلے شہزادہ مرزا خضر سلطان بہادر خلف ظلِ سبحانی حضرت ابوظفر کے مصاحب تھے ؎

حضرت آگاہ سے اُس نواح کے لوگوں کو بہت کچھ فیض پہنچا ہے جسکی وجہ سے علاقہ جے پور میں آپ کا دم غنیمت سمجھا جاتا ہے - دیوان مرتب ہو چکا ہے مگر اشاعت کا خیال نہیں آیا - انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

جھوٹی شراب اُسکی ہوئی قسمتِ رقیب
اب زہر ہے علاج ہمارے خمار کا

گھر غیر کا ہو راہ میں یہ بھی مری قسمت
لایا تو اُسے جذبۂ محبت کا ہمیں تھا

اسی کی یاد میں سب عمر ہمنے کاٹی ہائے
جسے خیال ہمارا نہ ایک بار آیا

یہ کس کی چشمِ مست کا ساقی اثر ہے آج
جو ہے وہ میکدہ میں ترے بیخبر ہے آج

ابر آئے تو اے بادہ کشوں توبہ ہے کسکی
توڑو اُسے قفلِ درِ میخانہ سمجھکر

جلوہ ہر جائی جب اُسکا ہے دوئی پھر کیسی
کھینچدو ایک جگہ دیر و حرم کی تصویر

کاٹیں گے کس امید پہ فرقت کا ہم پہاڑ
شیریں نے جب لئے نہ کبھی کوہکن کے پھول

الفت عجیب شئے ہے کہ جب کیجیئے خیال
آتے نظر ہیں خار بھی اپنے وطن کے پھول

ایک دم میں قلقِ ہجر مٹا دیتے ہیں
لب سے جب وہ لبِ جاں بخش ہلا دیتے ہیں

خوگرِ جور ہیں اتنے کہ دمِ مشقِ جفا
جو نہ سوجھے اُسے ہم اور سجھا دیتے ہیں

جو نگاہیں اُٹھ نہ سکتی تھیں خدایا شرم سے
بے محابانہ وہ کیونکر دل میں پیکاں ہو گئیں

تمکو اس انداز سے خنجر کھینچ آتا نہ تھا
کیا کہیں کس کسکی جانیں مفت قرباں ہو گئیں

بحر ہستی میں مری ہستی ہے مانند حباب
جب کھلے گی آنکھ دنیا سے سفر ہو جائیگا

بھرتا ہوں دم انہیں کا کچھ اپنا نہیں خیال
وہ دل کو کیا مجھے بھی ملائے ہوئے سے ہیں

خدا ان کی جدائی کا نہ دے داغ
میں زخموں کو لگائے ہوں جگر سے

شانِ رحمت دیکھکر زاہد کو پچھتانا پڑا
کیا مزا ہے پینے پی اسکو پشیمانی ہوئی

تیری تصویر کی شوخی سے ہے کہتی
کہ مجھ میں جان عاشق کی پڑی ہے

یہ زاہد جیتے جی ہی مر گئے ہیں
کہ ان کی جان جنت میں پڑی ہے

بلبے دعوی لیکے دل اُٹھتا ہے جو اُس بزم سے
چتونیں کہتی ہیں پھر آؤ گے پچھتاتے ہوئے

قطعہ

خدایا رقیب اب کسے میں کہوں
اُنہیں آپ اپنی ادا بھا گئی

جفا پر ان سے کوئی لاکھ روٹھے
مگر جب وہ منانے کی نظر سے

گلے میں مسکرا کر ڈالدیں ہاتھ
بھلا پھر ضبط کیونکر ہو بشر سے

کہتی ہے شوخی نظر گھری پڑی عشاق پر
شرم سکھلاتی ہے چتون اور شرمائی ہوئی

تو اور اُس در پہ مری خاک بھلا رہنے دے
کیوں اُڑاتی ہے مجھے بادِ صبا رہنے دے

لوٹا ہے اُس نگاہ نے ملکر نگاہ سے
چوری گیا ہے دل انہیں آنکھوں کی راہ سے

آنکھوں میں رکھ لیا تجھے دل میں بٹھا لیا
ہم تجلیے کے اُٹھے تری جلوہ گاہ سے

خجل ہوگیا کہ ایسا گنہگار بچ گیا
رحمت کی دُھوم ہوگئی میرے گناہ سے

ہٹ گیا آنچل تو غمزے نے کہا چل دور ہو
ٹوٹنے کی اور تجھ سے جوبن کی نگہبانی ہوئی

رباعی

سرکار سے جو تجھے ملا دیتا ہے
نادان اپنی گرہ سے کیا دیتا ہے

ملتی ہے تجھے مفت میں دولت یعنی
لیتا ہے دعائیں تو خدا دیتا ہے

گر پڑی تیغ دست قاتل سے
لڑ گئی آنکھ چشم بسمل سے

کوئی جیسے پناہ لے آکر
تیر لپٹا ہوا ہے یوں دل سے

ملیں آنکھیں ترازو ہوگیا تیرِ نظر اُس کا
کوئی جیسے بتادیتا ہے ظالم کو کہ یہ دل ہے

صاحب دیوان گزرے ہیں - اپنے رنگ میں اچھا کہتے تھے - تذکرۂ سخن الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے یہ اُنہیں کا شعر ہے **شعر**

اس قدر رویا ہوں خوں میں یادِ چشمِ مست میں	ہیں حنائی پنجۂ مژگانِ ترکی انگلیاں

آہ

(**آہ**) مولوی محمد عبدالعزیز ملازم محکمۂ بندوبست ریاست بھوپال - امیر مینائی کے شاگرد ہیں - کلام درج ذیل ہے ؎

ابرو کی طرح کاٹ مژہ کر نہیں سکتی	تلوار کا دے کام سناں ہو نہیں سکتا
یہ کہہ رہی ہیں وصل میں آنکھوں کی شوخیاں	کیسا لحاظ اب نگہِ شرمسار کا
ڈر تھا کہ وصل میں کوئی جوبن نہ لوٹ لے	پہرہ بٹھا دیا نگہِ شرمسار کا

خون سے میرے بجھی اُسکی پیاس	تیغِ قاتل پہ ہے احساں میرا
مجھکو غش آیا تو ہنس کر بولے	اور دیکھو رخِ تاباں میرا

آہ

(**آہ**) منشی ممتاز علی ولد منشی سخاوت علی رئیس قصبۂ امیٹھی - فی الحال ڈونگرگڑھ میں بعہدۂ تحصیلداری ممتاز ہیں - ۴۰-۴۵ سال کے قریب عمر ہے - انکی تعلیم و تربیت ارباب ثروت کی طرح بہت اچھی ہوئی - مذاق سخن بزرگوں سے ورثے میں ملا - طبیعت رسا واقع ہوئی آغاز مشق ہی میں چبھتے ہوئے شعر کہنے لگے - جب سے امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی سونے میں سُہاگہ ہو گیا - اُستاد سے فیض حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا - رام پور میں عرصہ تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری بھی رہے پہلی جلد پوری اور دوسری جلد کا ایک حصہ انہیں کے اہتمام سے شائع ہوا - اسوقت امیر مینائی کے مشہور شاگردوں میں ان کو بھی امتیازی نمبر حاصل ہے - ترتیب دیوان کا ابھی تک خیال نہیں آیا مگر متفرق غزلیں اور منتخب اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں - اشعار انتخاباً یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

جِلانا مارنا کیا مجھ حزیں کا	کرشمہ ہے تمہاری ہاں نہیں کا
اُڑائی خاک وحشت میں یہانتک	بنایا آسماں ہمنے زمیں کا
معرفت سے قصۂ غم مختصر ہو جائیگا	جو خبر پائیگا اُسکی بیخبر ہو جائیگا

اور اسکا نہیں خیال دل میں
اب گھر میں ہمارے کچھ نہیں ہے

اب تو سید ہی کیجیئے ترچھی نگاہ
سینکڑوں ٹکڑے جگر کے ہو چکے

سر قبر ٹھوکر لگاتے ہوئے
چلو سوتی قسمت جگاتے ہوئے

کبھی وہ جان کا دشمن وہ قاتل یاد آتا ہے
کبھی پہلوئے خالی دیکھکر دل یاد آتا ہے

کبھی جس دل کو ظالم دمبدم تو یاد آتا تھا
اب اپنا ہمکو وہ آیا ہوا دل یاد آتا ہے

ہماری بیگناہی پوچھتی رہتی ہے قاتل سے
کبھی تمکو کوئی ناکام بسمل یاد آتا ہے

اثر کیونکر رہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا
مزاج اپنا ہے رندانہ طبیعت لاابالی ہے

یہ کس نے اپنے پیارے ناخنوں سے چٹکیاں لی ہیں
کہ دل میں جو نشان زخم باقی ہے ہلالی ہے

(آہ) لالہ رام کشن باشندۂ لکھنؤ۔ منشی جے نراین اثر لکھنوی کے شاگرد اور عزیز ہیں چند سال ہوئے کہ عین عالم شباب میں رہگرائے عالم بقا ہوئے ؎

دل مرا لے کر اداے یار بولی ناز سے
بیوفا تھا کھو گیا جاتا رہا جانے بھی دو

سانس بسمل میں بھی تو باقی نہیں کیا فکر ہے
دم اگر تلوار کا جاتا رہا جانے بھی دو

بنا الفت کا ان دو نازکوں میں سخت مشکل ہے
ادھر نازک مزاج یار ادھر نازک مرا دل ہے

وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں کہ مت توڑ
وہ کہتا ہے کھلونہ ہے میں کہتا ہوں مرا دل ہے

ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہے سخت جھگڑے میں
جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہے مشکل ہے

(آہ) منشی سید یعقوب علی لکھنوی۔ شاگرد مولوی سید محمد مصطفٰے خورشید مالک رسالہ انتخاب لکھنؤ۔ اسی رسالے کے دفتر میں ملازمت بھی کر چکے ہیں۔ کلام کا خلاصہ حاضر ہے ؎

شکوۂ بیداد بھی کرتا نہیں ہوں اب تو میں
کچھ تو ان باتوں سے وہ بت مہرباں ہو جائیگا

جان و دل حاضر ہیں لیجے بوسے دیتے جائیے
دل ہی دل میں کچھ حساب دوستاں ہو جائیگا

نہ چین آیا نہ تم آئے اور نہ موت آئی
شب فراق نہ کس کس کا انتظار کیا

حال طول شب فراق نہ پوچھ
مر گئے ہم مگر سحر نہ ہوئی

نگاہِ یاس کے ہاتھوں دگرگوں ہوگئی حالت
جو بسمل تھا وہ قاتل ہے جو قاتل تھا وہ بسمل ہے

کیا ہے کیسا کیسا پیار پھر بھی جی نہیں بھرتا
وہ بھولی بھولی صورت دل میں رکھ لینے کے قابل ہے

سلامت چاہنے والے رہیں پھر پاؤں کیوں رکھے
ادھر زیرِ قدم دل ہے اُدھر زیرِ قدم دل ہے

یہ تم کیا جانو کیوں دن رات نالے آہ کرتے ہیں
تمہارے سینہ میں پتھر ہمارے سینہ میں دل ہے

آہ

(آہ) منشی غلام یسین نام ہے اور ابو نصر کنیت - اصل وطن دہلی ہے - مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم ہیں - جوانی کے ساتھ طبیعت میں بھی نہایت شوخی اور رنگینی پائی جاتی ہے - عربی فارسی میں اچھی قابلیت ہے چنانچہ فنونِ مختلفہ میں انکے اکثر مضامین رسالہ زمانہ وغیرہ میں شایع ہوتے رہتے ہیں جن سے اِن کی قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے - اِس وقت اخباری دنیا میں خاصی شہرت ہے - کلکتے سے ایک رسالہ بھی **الصدق** نامی شائع کیا تھا - ایک مرتبہ حیدرآباد دکن بھی گئے تھے - مگر بے نیل مرام واپس آئے - نثر کے علاوہ نظم میں بھی خاصی دستگاہ ہے - جدت شوخی اور طرزِ بیاں قابل تعریف ہے - فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی مرحوم سے اصلاح لی ہے - انتخاب کلام حاضر ہے ؎

کیا کہوں خنجر اُٹھایا اسنے کس انداز سے
مرنے والا قتل سے پہلے ہی بسمل ہو گیا

تپِ عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے
مجھے بھی جلائیگی دل کو جلا کر

اب نہ وہ جوش جوانی ہے نہ داغوں کی بہار
صبح پیری آئی بجھتے ہیں چراغِ شامِ عشق

چارہ گر چپکے سے کیا پڑھ کے دوا دیتے ہیں
کوستے ہیں مجھے ظالم کہ دعا دیتے ہیں

ہم فقیروں کو بھی کچھ حسن کی خیرات ملے
جن کو دیتا ہے خدا راہ خدا دیتے ہیں

کیوں کروں میں خلشِ خارِ تمنا کا علاج
یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو مزا دیتے ہیں

رو برو کی چوٹ ہے وہ بھی بڑا بیباک ہے
دیکھئے صاحب دمِ تزئیں سنبھل کر آئینہ

موجزن اِک نور کا دریا نظر آیا مجھے
آگیا جس وقت اس رُخ کے برابر آئینہ

قطعہ

اسراف کی دھوم ہر کہیں ہے
پابندی رسم دلنشیں ہے

سامنے رکھنی مرے تصویر جاناں چاہئے		دل لئے جاتی ہیں حوریں نزع میں اے ہمدمو

آہی

(آہی) آنریبل ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر المخاطب بہ جواد الدولہ عارف جنگ۔ کے۔ سی ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی۔ بانیِ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علیگڈھ۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے دربار سے انکے دادا میر ہادی کو منصب ہزاری ذات پانسو سوار اور خطاب جوّاد الدولہ جواد علی خاں مرحمت ہوا اور اُنکے بعد بھی یہی خطاب انکے والد سید محمد تقی خاں کو بحال رہا۔ انکے نانا خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر دبیر الدولہ امین الملک مصلح جنگ پہلے سرکار کمپنی سے شایستہ توسل رکھتے اور شاہ ایران کی سفارت پر مامور ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے حسن تدبیر سے بڑی بڑی مہیں سر کی تھیں۔ ایک مدت کے بعد دہلی میں آکر اکبر شاہ ثانی کے وزیر ہوئے۔ اوپر کا حال تذکرۂ گلستان سخن مولفہ مرزا صابر سے لیا گیا ہے اور یہی امر اس بیان کی تصدیق کے واسطے کافی ہے گو مخالف کچھ ہی کہا کریں +

سید احمد خاں ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سرکار انگلشیہ کی ملازمت اختیار کی۔ اور سررشتہ داری سے ترقی کر کے اپنے وطن ہی میں ایک مدت تک منصفی کے عہدے پر ممتاز و دادگستری و انصاف کی وجہ سے خاص و عام میں نیک نام رہے۔ دہلی کے بعد کچھ دنوں فتح پور سیکری میں اسی عہدے پر کام کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں سید بجنور کے منصف تھے۔ ۱۸۵۹ء میں دوران قیام مراد آباد میں ایک رسالہ "اسباب بغاوت ہند" چھپوایا۔ جس میں اُنہوں نے غدر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے صحیح وجوہ دکھائے تھے۔ غازی پور۔ بنارس اور دیگر مقامات میں بھی وقتاً فوقتاً سب ججی کے عہدۂ جلیلہ کے فرائض کو انجام دیتے رہے یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوئے۔ اور اپنے دو صاحبزادوں سید حامد اور سید محمود کو بغرض تکمیل تعلیم وہاں چھوڑ کر اکتوبر ۱۸۷۰ء میں ہندوستان واپس آگئے۔ ولایت سے واپسی کے بعد ۲۴۔ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڈھ میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی ۱۸۷۶ء میں پنشن لے کر اپنی زندگی کو اپنی قوم کے لئے وقف کر دیا۔ آج علمی دنیا میں سرسید کے کارناموں سے

بیکار پھر زبان ہمارے دہن میں ہے	جب اُن سے دل کا حال بیاں ہی نہ کر سکیں
اور مرنے کا مدعا کیا ہے	حشر میں تم ملو سوا اس کے

آہی

(آہی) - میر عبدالرحمن خلف ارشد ناظم بے تمکین میر حسین تسکین - شاگرد و برادر زادہ حکیم مومن خاں مومن درسیہ کتابیں مولوی امام بخش صہبائی سے دیکھی تھیں - معنے کے فن میں مہارت کامل رکھتے اور سرکار رامپور سے وظیفہ پاتے تھے - عربی و فارسی کی تحصیل عالمانہ درجے تک پہنچی ہوئی تھی - صاحب مذاقِ سلیم - سخن فہم بے نظیر - بڑے طباع - خلیق - ملنسار اور زندہ دل لوگوں میں تھے - مومن مرحوم نے انہیں متبنٰی کر لیا تھا - عزیز آبادی بیگم کی حویلی میں جو مشاعرے غدر بعد ہوئے تھے اُن میں آپ میر مشاعرہ تھے - وہیں یہ مصرع طرح ہوا تھا مصرعہ

گر شوق بڑھ گیا تو گھٹایا نجائے گا

یہ امر خاص کر قابلِ ذکر ہے کہ اکثر سخن سنجانِ گرامی کے زعم میں اِن جیسا سخن فہم کوئی کم ہوا ہو گا ۱۸۶۰ء کے قریب انتقال فرمایا انتخابِ کلام درج ذیل ہے ؎

تو چاہئے تھا قاصد جیتا نہ پھر ا ہوتا	دیکھا تھا اگر اسکو ہم بزم رقیبوں سے
شہر میں چاک کسی کا تو گریباں ہوتا	ہے غلط دھوم کہ نکلا تھا وہ گھر سے باہر
اگر ہو وے تو وا بندِ قبا ہو	تمہارے حسن میں گرمی کہاں ہے
زہر میں خنجر کو وہ اپنے بجھا کر لے گئے	مژدہ اے شوق تپیدن خلق میں ہے آج دہوم
اہل محشر مجھکو یہ مژدہ سُنا کر لے گئے	اُٹھ کہیں سے ہے آمد اس ستمگر کی واں
قدر واں مے کی ہے جس جا کوئی میخوار ہے	واعظا خلد سے لاخانۂ خمار میں رکھ
اُٹھ جائے گی جہان سے اب رسم جاہ کی	سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی
شرما کے یار نے جو ہیں نیچی نگاہ کی	شکوہ کہاں کا کیسا گلہ جی نکل گیا
لوگ کہتے ہیں مر گئے کب سے	کچھ تمہیں بھی خبر ہے آہی کی
پر دلِ وحشی یہ کہتا ہے بیاباں چاہئے	کھل گیا دروازہ جنت بھی اپنی گور میں

پولیس کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا - دوسرے صاحبزادے آنریبل جسٹس سید محمود بڑے نامور بیرسٹر اور الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے۔

سید ۲۴- مارچ ۱۸۹۸ء کو بعارضہ احتباس بول علیل ہوئے اور آخر اسی عارضے میں ۲۷- مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ ۸۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے میں دفن ہوئے - ایک شعر انکا دستیاب ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے ؂

ہزار حیف کہ عمر اپنی مفت صرف ہوئی	نہ کچھ خدا کی عبادت کی نے بتوں کی چاہ

آہی

(آہی) مرزا محمد داؤد خاں نام - اور نواب سید محمد زکریا خاں صاحب زکی کے تلمیذ با تمیز ہیں جو نواب اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد رشید تھے - آپ نواب مولوی عطاؤ اللہ خاں بہادر مستقیم جنگ رئیس دہلی کے پوتے ہیں سلسلۂ نسب نواب شرف الدین محمد خاں بہادر بخشی الملک اور نواب حسام الدولہ حسام الدین خاں بہادر وزیر شاہ عالم بادشاہ سے ملتا ہے جو دہلی میں ایک موقّر خاندان مانا جاتا ہے طبیعت میں روانی ہے - کلام میں صفائی اور دلچسپی - صاحب دیوان اور فی الحال وارد حیدر آباد دکن ہیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؂

سجدے کل پاؤں پر اُس بت کے دم رخصت تھے	آج آہی تمہیں دعوےٰ ہے مسلمانی کا
اُس کا کہیں جو خواب میں دیدار ہو گیا	یوسف متاع جاں سے خریدار ہو گیا

مسیحائی نہیں کرتے ترے لب	ترا بیمار مر جائے تو اچھا
وہ ہم سے پوچھتے ہیں چھیڑ کر کے اے آہی	کہو گزرتی ہے اب کس طرح تمہاری رات
نہ ہے وصل ممکن نہ ہے صبر ہمدم	بتا تو ہی پھر زندگانی کی صورت
ہوئی خود ہی نقاش قدرت کو حیرت	بنا کر مرے یار جانی کی صورت
ٹھوکریں کھاتی ہے محشر میں قیامت کیا کیا	اُس ستمگر کی جو ہے شوخیٔ رفتار پسند
آہی وصال میں بھی رکھا اُس نے تلخ کام	یہ کہہ کے بار بار کہ جاتے ہیں گھر کو ہم
ان مریضوں میں ہیں ہم چارہ گرد	درد دل کو جو دوا کہتے ہیں

ہر فرد بشر واقف ہے - مسلمانوں میں نئی تہذیب اور مغربی علوم کا پھیلانے والا اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ سرسید ہی ہے - انکی مفصل اور مکمل لائف شمس العلما مولٰنا حالی نے لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کر دئے ہیں +

تذکرۃ الشعرا میں سرسید کا ذکر کرنا لوگوں کو تعجب میں ڈالتا ہے - مگر بات یہ ہے کہ اُنکے ابتدائی زمانے میں عموماً تمام ملک کے شرفا اور خصوصاً دلّی کا بچہ بچہ مذاقِ سخن سے لذت یاب تھا - اُس زمانے کا یہ ایک عام مشغلہ تھا کہ ضروری تعلیم کی تکمیل کے بعد اکثر تفنّنِ طبع کے لئے اس مشغلہ کو اختیار کر لیتے تھے جنکا کلام اچھا ہوتا تھا وہ قلعہ تک پُہنچکر شاہی رسوخ حاصل کرتے تھے - سرسید کے ابتدائی زمانے میں - جناب صہبائی - غالب - ذوق - مومن - شیفتہ - آزردہ - جیسے باکمال اساتذہ موجود تھے - مہینے میں دو ایک مرتبہ مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے - ایسی حالت میں اور خاص کر ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر کیوں نہ شعر گوئی کا شوق ہوتا ہر حال سرسید نے اُسی زمانے میں کبھی کبھی اس مشغلے سے اپنا جی بہلایا ہے - مگر چونکہ بہت جلد سرکاری ملازمت کی وجہ سے دہلی کو خیرباد کہنا اور ملکی مشاغل میں منہمک رہنا پڑا اس سبب سے اس لایعنی مشغلے سے نجات پائی - انکے اشعار کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی - جسکی وجہ یہ ہے کہ سرسید نے جو کچھ لکھا نہ تو اُسے جمع کیا اور نہ اُسکے چھپوانے کا شوق ہؤا - ہم نے اس تذکرے میں تبرّکاً شاعروں کے زمرہ میں انکا ذکر کر دیا ہے ورنہ وہ تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

حاشا کہ فخر از ہنر شاعری کنیم	مقصود فضل ماست کمالِ ہنروری

سرسید کی تصانیف سے سلسلۃ الملوک - آثار الصنادید - اسباب بغاوت ہند - خطبات احمدیہ تفسیر القرآن - اور سینکڑوں مضامین مفید یادگار ہیں - سرسید نے اپنی یادگار میں صرف اُس عالی شان کالج ہی کو نہیں چھوڑا جس کی اُنھوں نے بنیاد ڈالی بلکہ ایک قومی کالج کی زندہ اور زندہ کن طاقت، اُس کے تعلیم یافتہ گروہ کی اعلیٰ تربیت حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اُن کی اخلاقی حالت اُس ریفارمر کی زندہ جاوید یادگار ہے - آپکے بڑے صاحبزادے سید حامد صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا - دوسرے صاحبزادے آنریبل جسٹس سید محمود بڑے نامور بیرسٹر اور الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے ۔

سید ۲۴ - مارچ ۱۸۹۸ء کو بعارضہ احتباسِ بول علیل ہوئے اور آخر اسی عارضے میں ۲۷ - مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ ۸۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے میں دفن ہوئے - ایک شعر انکا دستیاب ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے ؎

ہزار حیف کہ عمر اپنی مفت صرف ہوئی	نہ کچھ خدا کی عبادت کی نے بتوں کی چاہ

آہی

(**آہی**) مرزا محمد داؤد خاں نام - اور نواب سید محمد زکریا خاں صاحب **زکی** کے تلمیذ باتمیز ہیں جو نواب اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد رشید تھے - آپ نواب مولوی عطاؤ اللہ خاں بہادر مستقیم جنگ رئیس دہلی کے پوتے ہیں سلسلۂ نسب نواب شرف الدین محمد خاں بہادر بخشی الملک اور نواب حسام الدولہ حسام الدین خاں بہادر وزیر شاہ عالم بادشاہ سے ملتا ہے جو دہلی میں ایک موقّر خاندان مانا جاتا ہے - طبیعت میں روانی ہے - کلام میں صفائی اور دلچسپی - صاحبِ دیوان اور فی الحال واردِ حیدر آباد دکن ہیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

سجدے کل پاؤں پر اُس بت کے دمِ رخصت تھے	آج آہی تمہیں دعوے ہے مسلمانی کا
اُس کا کہیں جو خواب میں دیدار ہو گیا	یوسف متاعِ جاں سے خریدار ہو گیا

مسیحائی نہیں کرتے ترے لب	ترا بیمار مر جائے تو اچھا
وہ ہمسے پوچھتے ہیں چھیڑ کر کہ اے آہی	کہو گزرتی ہے اب کسطرح تمہاری رات
نہ ہے وصل ممکن نہ ہے صبر ہمدم	بتا تو ہی پھر زندگانی کی صورت
ہوئی خود ہی نقاشِ قدرت کو حیرت	بنا کر مرے یار جانی کی صورت
ٹھوکریں کھاتی ہے محشر میں قیامت کیا کیا	اُس ستمگر کی جو ہے شوخیِ رفتار پسند
آہی وصال میں بھی رکھا اُسنے تلخ کام	یہ کہہ کے بار بار کہ جاتے ہیں گھر کو ہم
ان مریضوں میں ہیں ہم چارہ گرد	درد دل کو جو دوا کہتے ہیں

ہر فرد بشر واقف ہے۔ مسلمانوں میں نئی تہذیب اور مغربی علوم کا پھیلانے والا اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ سرسید ہی ہے۔ انکی مفصل اور مکمل لائف شمس العلما مولانا حالی نے لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کر دئے ہیں ❖

تذکرۃ الشعرا میں سرسید کا ذکر کرنا لوگوں کو تعجب میں ڈالتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ اُنکے ابتدائی زمانے میں عموماً تمام ملک کے شرفا اور خصوصاً دلّی کا بچہ بچہ مذاقِ سخن سے لذت یاب تھا۔ اُس زمانے کا یہ ایک عام مشغلہ تھا کہ ضروری تعلیم کی تکمیل کے بعد اکثر تفنّنِ طبع کے لیئے اس مشغلہ کو اختیار کر لیتے تھے جنکا کلام اچھا ہوتا تھا وہ قلعہ تک پہنچکر شاہی رسوخ حاصل کرتے تھے۔ سرسید کے ابتدائی زمانے میں۔ جناب صہبائی۔ غالب۔ ذوق۔ مومن۔ شیفتہ۔ آزردہ۔ جیسے باکمال اساتذہ موجود تھے۔ مہینے میں دو ایک مرتبہ مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے۔ ایسی حالت میں اور خاص کر ان لوگونکی صحبت میں رہ کر کیوں نہ شعر گوئی کا شوق ہوتا بہر حال سرسید نے اُسی زمانے میں کبھی کبھی اس مشغلے سے اپنا جی بہلایا ہے۔ مگر چونکہ بہت جلد سرکاری ملازمت کی وجہ سے دہلی کو خیرباد کہنا اور ملکی مشاغل میں منہمک رہنا پڑا اس سبب سے اس لایعنی مشغلے سے نجات پائی۔ اُنکے اشعار کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ سرسید نے جو کچھ لکھا نہ تو اُسے جمع کیا اور نہ اُسکے چھپوانے کا شوق ہؤا۔ ہم نے اس تذکرے میں تبرکاً شاعروں کے زمرہ میں انکا ذکر کر دیا ہے ورنہ وہ تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

حاشا کہ فخر از ہنرِ شاعری کنیم		مقصود فضل ماست کمالِ ہنروری	

سرسید کی تصانیف سے سلسلۃ الملوک۔ آثار الصنادید۔ اسباب بغاوت ہند۔ خطبات احمدیہ تفسیر القرآن۔ اور سینکڑوں مضامین مفید یادگار ہیں۔ سرسید نے اپنی یادگار میں صرف اُس عالی شان کالج ہی کو نہیں چھوڑا جس کی اُنہوں نے بنیاد ڈالی بلکہ ایک قومی کالج کی زندہ اور زندہ کن طاقت، اُس کے تعلیم یافتہ گروہ کی اعلیٰ تربیت حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اُن کی اخلاقی حالت اُس ریفارمر کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ آپکے بڑے صاحبزادے سید حامد صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

اُسکا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا - یہ حال تذکرہ گارسین ڈی ٹیسی سے لکھا گیا - اِس شخص کا دیوان موسوم بہ "دیوانِ ابجدی" ولایت کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے - اسوجہ سے اُسکے اشعار کا انتخاب متعذر ہُوا کہ وہ یہاں مفقود ہے ۔

ابلہ

(ابلہ) نواب فیض اللہ خاں خلف نواب عبداللہ خاں نبیرۂ نواب بہادر خاں رئیس قلعہ شاہ جہاں پور نہایت صاحب مروت - حلیم - شجاع - خلیق اور ذی حوصلہ امیر تھے - اہلِ کمال کی عموماً اور شعرا کی خصوصاً بڑی ہی قدردانی فرماتے اور خود بھی شاعری میں اچھا مذاق رکھتے تھے - ایک رسالہ رسم خط میں بہت اچھا لکھا تھا - قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت ابلہ کا عالم شباب تھا - فن شعر میں نثار اور مرزا مظہر سے مشورہ لیا کرتے تھے ؎

سر کو ٹھکرائیے کے سر درد کو پوچھا میرے	آج ایسی ملی ہے لذتِ بیداد کہ بس
کچھ تو کبھو رحم آنسو واں پر یار	لوٹتے ہیں زمین پر بالک
تو دل کو چاہتا ہے کہ باتیں ہیں یہ مول	سو دانھو گا زلف کی اپنی گرہ تو کھول
احوال فراق اسے قلم لکھ	گر بیش نہ لکھ سکے تو کم لکھ

ابر

(ابر) منشی سید تفضل حسین نام میر مظفر علی اسیر کے شاگردوں میں تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں کلام موجود ہے ؎

جس سے کہ فیض خلق کو ملتا تھا اے فلک	وہ ہاتھ خشک ہے صفتِ پشتِ خار آج
گلگشت میں جو ساتھ وہ نازک بدن نہیں	جتنے ہیں گل نظر میں ہمارے ہیں خار آج
انساں کو ہے مصاحبِ بد سے کمال رنج	دیتا ہے پڑ کے آنکھ میں مژگاں کا بال رنج

ابر

(ابر) حکیم منشی سید علی محسن خاں نقوی خلف حکیم سید محمد نقی خاں صبر ابن سید محمد عرف میرن صاحب لکھنوی - شوق سخن ۱۸ سال کی عمر سے دامنگیر ہُوا اسلئے تکمیل علوم کی نوبت نہ آئی اسوقت سنہ ۱۹۰۷ء میں ۴۶ سال کی عمر ہے - شیخ محمد جان صاحب شاد پیرو میر مرحوم کے تلمذ سے بہرہ یاب ہیں اور فی الحقیقت شاگرد رشید ہیں چنانچہ اُنکا دیوان بھی چھپوا کر حق شاگردی ادا کر دیا ہے

اسکا جلوہ وداع طاقت ہے — دیکھ لے اے ہمنشیں سنبھال ہیں

زندگانی تھی جس کو سمجھے موت — مرکے حاصل ہوا وصال ہیں

کسطرح سیرِ چمن سے دلِ غمگین وا ہو — خواہش اس گل کی ہے مجھکو جو گلستاں میں نہیں

تیرے ہم صدقے برہنہ پائی — خارِ صحرا کے مزا دیتے ہیں

مت بچاؤں کیوں نہ ہوجاؤں فدا — جب تجھے دکھائی اک آن میں

اسلئے بند کئے آنکھ پڑے رہتے ہیں — کہ کہیں منہ نہ دکھائے شبِ ہجراں ہمکو

منتظر یار کی ٹھوکر کا پڑا ہوں میں تو — دیکھو اے حضرتِ عیسیٰ نہ کھو تم مجھکو

دیکھکر اسکو ہوئے حضرتِ موسیٰ بیخود — آنکھ آپ اس سے ملائینگے ادھر دیکھیں تو

کعبہ کا رہا نہ دیر کا وہ — جس دل نے تمہاری آرزو کی

بتوں کو کیا فائدہ ہمکو ستاکر — کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے

طلبِ بوسہ پہ جھنجلا کے وہ بولے آہی — کیوں اجل آئی تری کیوں تری شامت آئی

کچھ مے کشی کا ہمکو نہ چسکا تھا واعظو — خوبی یہ سارے آپ کے حسنِ بیاں کی ہے

اہلِ حرم نہ روکئے جانے سے دیر کے — لیجائیں گے وہیں مری مٹی جہاں کی ہے

کوئی دن کی ہے رونقِ باغِ عالم — تو کیا شاد اے باغباں ہو رہا ہے

فغانِ الم ہے یہ ہے بھول تیری — کہ مرغِ چمن نغمہ خواں ہو رہا ہے

مسلماں کعبہ سمجھے ہیں برہمن بتکدہ سمجھے — خدا جانے بنائی یار نے تربت کہاں میری

شورِ رستا خیز پامالِ خرامِ ناز ہے — فتنۂ محشر ہیں اسکی ٹھوکریں کھائے ہوئے

ابجدی

(ابجدی) ایک پرانے گمنام شاعر کا تخلص ہے۔ انکا دیوان دکھنی زبان میں تھا۔ لیکن اردو زبان سے مشابہت رکھتا تھا۔ تذکرۂ شعرائے ہند مرتبہ مسٹر ایف فیلن صاحب بہادر میں ان کا حال تحریر ہے جسکا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں بقول شکسپیر یہ شاعر بمبئی کے قریب ایسے مقام میں رہتا تھا جہاں کی زبان آگرے اور دلی کی بول چال سے مشابہ ہے۔

پاک دامن ہو تو یہ خون کا دھبا کیسا
مجھ شکستہ دل کی طرز دادخواہی ہو جدا
جی لگا کر پھر سنو ن گا حرمتِ مے کا بیاں
شرم اے جذبِ محبت در تک آکر وہ پھرے
ان کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی یادِ عہدِ غیر

منکرِ قتل بھی ہو اسکو چھڑاتے بھی نہیں
جو صدا نکلے شکستِ رنگ سے فریاد ہو
شیخ جی دو گھونٹ پی لوں میں تو پھر ارشاد ہو
کچھ کرامت تجھ میں گر ہوتی تو آکر بیٹھتے
میری خواہش بھی کوئی خواہش تھی کیونکر بیٹھتے

حلق پر تیغ ہے وہ سینے پر
کہنے کو تیغ ہوائی ہے نظر
مفت دل ملتا ہے اور اُسپر بھی
پروانہ عجز کی نہ اُنہیں التجا کی ہے
جائیگی جان بھی جو یہ صورت ادا کی ہے
نظارہ سوز ہو تو عجب کا مقام کیا
کس بیکسی سے تکتے ہیں منہ دادخواہ کا

قابلِ نازگُستری ہے
زخم ظالم کا کارگاری ہے
نہ پسند آئے تو نا چاری ہے
بت بے نیاز بنگئے قدرت خدا کی ہے
آتا نہیں ہے اُنکا یہ آنا قضا کی ہے
گرمیِ حسن دیکھتے ہوگس بلا کی ہے
اک اک گھڑی پہاڑ اُنہیں وزجزا کی ہے

آئینہ دیکھا بڑی تم سے یہ نادانی ہوئی
دستِ وحشت سے اُڑیں جب پیرہن کی دھجیاں
نگاہِ شوق جب حدِ ادب سے بڑھ کے ڈالی ہے
بوجھ تلوار کا اور تیری کمر

شانِ یکتائی ہم آغوشِ پشیمانی ہوئی
خاکِ غربت پردہ دارِ شرمِ عریانی ہوئی
چھری چین جبیں نے کھا کے بل مجھپر نکالی ہے
اُس کو تو تارِ نظر بھاری ہے

(**ابر**) منشی غلام دستگیر حیدرآبادی - مولانا محمد کاظم شیفتہ کے شاگرد ہیں - کو موجودہ زمانہ کے شعرا میں ہیں مگر زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اُنکا کلام ہے ؎

آجائے جسم عاشقِ مضطر میں جاں کہیں
اُٹھیں گھٹائیں ابر کا دل بیقرار ہے
اب خدا حافظ ہے جانِ بلبلِ ناشاد کا

صاحب ہلائیے لبِ معجز بیاں کہیں
اب جلد پیرِ میکدہ کھولے دُکاں کہیں
پتہ پتہ پر نظر ہے آج کل صیاد کی

کئی سال سے معیار انکے اہتمام سے نکلتا ہے - جو اشعار درج کئے جاتے ہیں اُن سے خوش کلامی ٹپکتی ہے ؎

قبر میں جاتے ہیں شاید یہیں سے راحت ملے
اس زمیں سے دور کچھ تو آسماں ہو جائے گا

حالت مری کہتی ہے کہ موت آئے شب ہجر
قسمت مری کہتی ہے ابھی دردِ جگر اور

جی بھر کے اُنہیں وصل میں دیکھا نہ اسی سے
جُھک جائے نہ زانو پہ کہیں شرم سے سر اور

میں بھی غم دوست ہوں یہ دل بھی ہے دیوانۂ غم
نیند آجائے جو چھیڑے کوئی افسانۂ غم

دل مردہ کا ہے ہر عضو بدن ماتم دار
چار دیوار عناصر ہے عزاخانۂ غم

شمع کی خاک نہ برباد کرے بادِ سحر
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے پر پروانۂ غم

انکی تصویر لئے ہاتھ میں یہ کہتا ہوں
تُو نے چُپ رہ کے بنایا مجھے دیوانۂ غم

کمسن ہیں انہیں تیر لگانے کی خوشی ہے
کچھ اس سے نہیں کام یہ دل ہے کہ جگر ہے

اُن سے کہہ دو جو ہیں ہر بات سے ڈرنے والے
آپ ہٹ جائیں تو مرجائیں یہ مرنے والے

خونِ ناحق کا تو محشر میں کیا تھا دعوے
کیا کروں میں جو مکر جائیں مکرنے والے

ہے زیست کی عادت کا شمار اپنے نفس [illegible]
چبھتے نہ یہ ہوا کے ہیں برباد کریں گے

(ابر) منشی واحد علی - پیشکار مدار المہام ریاست راجپور مبلکھنڈ - جناب امیر مینائی کے شاگردوں میں نہایت خوش مذاق - اورخوش کلام شاعر ہیں - ان کی متانت وسنجیدگی کے لحاظ سے ان کی نازک خیالی عظمت ووقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے - اہل سخن ان کے کلام کی جسقدر ستائش کریں موزوں ہے طرزِ بیان بہت ہی دلچسپ ہے کوئی شعر لطافت ومتانت سے خالی نہیں - پاکیزہ الفاظ کی تلاش اور خاص موقع ومحل پر انکا برتاؤ قابلیت کے کمال کی داد دیتا ہے انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

مقبرہ بنا سر پہ لائے گی کوئی
تری زلف پیچاں پریشان ہو کر

جو ہونا تھا وہ ہو چکا وصل کی شب
پشیماں نکر اب پشیمان ہو کر

ہمکو اندازۂ تاثیر دعا ہے معلوم
کچھ تو ہے بات جو ہم ہاتھ اٹھاتے بھی نہیں

فوارے کی زباں پہ یہ جاری ہے رات دن | سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں

(اٹل) عبدالجلیل نام - قوم سادات سے تھے - مولف تذکرۂ شعراء ہند (مسٹر الیف فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابو الفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے - اور مولوی عبدالغفور نساخ نے تذکرۂ سخن شعرا میں دہلوی بیان کیا ہے - جناب نساخ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے - مسٹر الیف فیلن صاحب نے غالباً علامہ میر عبدالجلیل واسطی بلگرامی کے دھوکے میں ان کو بھی بلگرامی لکھدیا - حالانکہ وہ جعفر زٹلی کے زمانے سے پہلے گزر چکے ہیں اور اٹل جعفر زٹلی کے شاگرد ہیں - بہرحال یہ شاہجہاں آباد دہلی ہی میں رہتے تھے - اور اپنے اُستاد جعفر زٹلی کے قدم بقدم تھے - معمولی قابلیت کے آدمی تھے - کبھی کبھی فارسی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے - طبیعت از حد شوخ تھی اپنے معاصرین سے اکثر اُلجھتے رہتے تھے - دہلی کے رنگیلے اور بانکے نوجوانوں میں شمار کئے جاتے تھے - اکثر محمد عطا بانکے سے نوک جھوک رہتی تھی - اکثر مزخرفات کہا کرتے تھے - ان کا جتنا کلام نظر سے گزرا اُسمیں صرف ایک شعر ان عیوب سے پاک اور صاف پایا چنانچہ سب سے اول وہی درج کیا جاتا ہے باقی چند اشعار تفریحاً ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے | جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج | زلفاں کج و ابرو کج و مژگان خنجر دار کج
ظالم کمالے شوخ و شنگ او بے مروت پر جفا | دستار او تکمدار کج زلفش عجب بل دار کج
کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہے وہ ترچھی نگاہ | گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتیار کج
این طرۂ خوش رنگ او نیرنگ کاری بردل | گامے کج و طرہ کج و اس طرہ پر ہر تار کج
سید اٹل مقبول ہو وے راجو بان وہ بھول دو | ہنستے کرے گفتار کج جانے اچھی رفتار کج
دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی | روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اچک اچک
زلفیں پتنگ کے تئیں اسطرح تجھ لگن میں | ناگن ہو کالی کالی لہراتی جوں پون میں
جوبن کے مدہ کے ماتے پگ دھر لٹک چلے ہے | نازک کمر وہ لچکے ہر ہر قدم چلن میں

سخت جاں جیسا ہوں میں ویسا ہی قاتل نازنیں	کسطرح نکلے وہ ارماں قتل کا جو دل میں ہے
زندگی میں واعظو کیونکر چھٹے گی مے کشی	الفت بنت العنب رندوں کی آب و گل میں ہے

(ابر) منشی بلدیو پرشاد۔ ورما۔ فتح پور ہنسوے کے رہنے والے ہیں۔ حضرت داغ دہلوی کے شاگرد اور مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی کے معتقد ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

سرمگیں آنکھیں ہیں کیا جادو بھری	جس کو دیکھا اک نظر وہ مر گیا
تیغ ابرو نے کیا مجکو حلال	کون کہتا ہے قضا سے مر گیا
ہے کہاں امید کی دل میں جگہ	حسرت و ارماں سے یہ گھر بھر گیا
تمہیں پر پہلے دل آیا تمہیں پر جان جاتی ہے	ہماری ابتدا تم ہو ہماری انتہا تم ہو
دو دن کی بہار رہے نو سے	بلبل کی ندا یہ چار سو ہے

(ابر) پنڈت بشن نراین صاحب در کشمیری لکھنوی بیرسٹر ایٹ لا - زبان انگریزی میں ید طولے رکھتے ہیں۔ پولٹیکل معاملات میں ساعی جمیلہ فرمانے کے سبب ہندوستان کے ممتاز اور برگزیدہ اہل الرائے مشاہیر کے طبقے میں انکا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے - انگریزی زبان میں سنجیدہ مضامین نگار ہیں اکثر اخبارات میں انکے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں علاوہ ان اوصاف کے وسیع الاخلاق - خندہ پیشانی شیریں زباں - نیک طینت - پاک صورت ہیں بمقتضائے رنگینئ طبع کبھی کبھی اپنی مادری زبان اُردوے معلیٰ میں بھی گوہر افشانی فرماتے ہیں چنانچہ مثنوی گلزار کشمیر آپ ہی کی طبعزاد ہے - مرحمت الدولہ بہار الملک حضرت حکیم لکھنوی خلف الرشید حضرت امیر مرحوم سے استفادہ کیا ہے - سن شریف اسوقت ۵۰ برس کے قریب ایک غزل کے چند اشعار تیمناً درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ؎

غنچوں کو گو زبان بھی ملی اور گل کو گوش	رازِ ریاضِ دہر مگر کچھ کھلا نہیں
گل سے یہی اشارۂ شبنم ہے باغ میں	رونے کا ہے مقام یہ ہنسنے کی جا نہیں
زیب بدن ہوا اُتنی ہی جتنی ہو چاک چاک	کچھ کم قبائے گل سے ہماری قبا نہیں

منت رہیگی حشر تلک تیری اے اجل
گو جی گیا پہ ہمکو تو آرام ہوگیا

کبھو منہ بھی مجھے دکھائیے گا
یا یوہیں دل مرا دُکھائیے گا

دل چراتے ہی بس چرائی آنکھ
ابھی آگے تو جی چرائیے گا

کون ہوسے چلے ہو کس لئے دل
نام اپنا ذرا بتائیے گا

دل ہر اک سے لڑاتے پھرتے ہو
آنکھ تو ہم سے بھی لڑائیے گا

جی میں ہے کچھ ارادۂ فاسد
ٹک سمجھ کر ادھر کو آئیے گا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہی خیال رہا

شمع ساں جلتے بلتے کاٹی عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا

کوں وہ ہے کہ خیر خواہی سے
حال میرا تجھے سناوے گا

دیکھیو یہ انتظار مرا
ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا

یاد رکھنا بھلا نہیں بہتر
پھر کبھو تو خدا ملاوے گا

اثر اب تو ملے ہے تو اس سے
پر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

کچھ اور بھی شاہی کے سوا رتبہ ہے یعنی
گر یوں ہیں نہیں ہے تو کوئی شاہ نہ ہوتا

خواہ بوسہ دو خواہ گالی سب
کچھ تو دل کے عوض دیا ہوتا

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا
قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

اُس سنگدل کے دل میں تو نالہ گیا نہ آہ
کیا فائدہ جو اَور کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جو راز اسکے معلوم
داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا + +
دل میں اثر اُس کے راہ کرنا

تیرا وہ جور میرا یہ صبر
انصاف سے ٹک نگاہ کرنا

کیا لطف ہے لے کے دل مکرنا
اور اُلٹے مجھے گواہ کرنا

جی اسکے بچا خدا اگر
پھر اور بتوں کی چاہ کرنا

کل سے آتی گیا ہے وہ مجھ سے روٹھ کر کے	رہ چت میرا لگ رہا ہے اُس سانورے سجن میں

اثر

(اثر) سید محمد میر - برادر خرد و شاگرد رشید خواجہ میر درد مرحوم و خلف اصغر خواجہ **ناصر عندلیب** - علوم ضروریہ و مروجہ کی تحصیل خواجہ احمد خاں سے اور نکات علوم باطن و تصوف جو اس خاندان میں سینہ بسینہ چلے آتے تھے اپنے برادر بزرگ سے حاصل کئے بھائی کی محبت میں جو حسن عقیدت و ارادت میں ڈوبے ہوئے تھے - یہانتک کہ سخن طرازی بھی اپنے برادر والا قدر کی روش پر کرتے تھے - انکے چھوٹی بحروں کے اشعار نہایت پُراثر اور پُرلطف ہوتے تھے اور جو کچھ کہتے شگفتہ بحر میں کہتے جس سے اہل درد کے دل بھر آتے - ان کا کلام آورد سے پاک آمد سے لبریز اور عجب لطف انگیز ہے - تصنع کا نام نہیں - روزمرہ کے سوا اجنبی الفاظ کا کام نہیں - تصوف سے خوب ماہر تھے - کلام میں محاورے کی خوش اسلوبی کا زیادہ خیال رکھتے تھے - ایک چھوٹا سا دیوان اور مثنوی **خواب و خیال** ان کی یادگار ہے - مثنوی لاجواب لکھی ہے - دیوان ابھی تک طبع نہیں ہوا مگر تلاش سے مل جاتا ہے - راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے - غدر سے بیشتر ان کی مثنوی بہت مشہور اور جابجا موجود تھی مگر اب وہ بھی عنقا ہے - ترکمان دروازے کے باہر اپنے برادر میر درد کے پہلو بہ پہلو بابا اللہ کے تکیے میں آسودہ ہیں +

خواجہ میر درد کے عالم ضعیفی میں اُنکے ایک مرید نے عرض کی کہ دنیا دار فانی ہے اور حضرت کا وقت آخر حضور ہدایت فرمائیں کہ آپ کے بعد کسکو آپ کا جانشین اور صاحب سجادہ مانیں آپ یہ سنکر آنسو بھر لائے اور جواباً یہ قطعہ پڑھا **قطعہ**

موت کیا ہم سے فقیروں سے تجھے لینا ہے	مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے	درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

تبرکاً حضرت کے کلام کا انتخاب پیش کش ناظرین ہے +

انتخاب دیوان سید محمد میر - اثر

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا	ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا +

تیری کیا کیا میں باتیں مانیں ہیں — تو بھی ایک بات میری مان کہیں

تھامتا ہوں اثر میں آہوں کو — جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ہے یہ جی کی بے چینی — یا رب آرام دل کو ہووے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں — تُو تو آوے بھی یاں پہ ہیں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں + — سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانہ — تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہئے خاطر داری — اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطرِ صیّاد کریں

انکے آزاد کیے ہووے گر آزاد کوئی — تو یہ صیّاد ابھی ہموں کو آزاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے — ایک بھی گل نے پر سنا ہی نہیں

واہ ری عقل تجھسے دشمن سے — دوستی کا گمان رکھتا ہوں

حال میرا نہ پوچھئے مجھسے — بات میری جو معتبر ہی نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھکو میری وفا ہی راس نہیں

تُو ہی بہتر ہے آئینہ ہمسے — ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے — پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

اس بیکسی میں آہ مرا تو نہیں کوئی — دل ایک ہے سو اور کے بس اپنے بس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی — فریاد ہے یہی کوئی فریاد رس نہیں

تجھسے تھا جو کچھ کہ گماں سو یقیں ہوا — جو تجھسے تھا یقین سو اب اُسکا گماں نہیں

مر تو چلے کہاں تئیں اب درگزر کریں — یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے کائنات — گو ہو جہاں پہ آپ نہیں تو جہاں نہیں

یہ دولتمند ہیں پابندِ انواعِ گرفتاری — چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں — آ پھنسا دام میں کیا جانیے کس بات سے میں

کہوں کیا دل اڑانے کا ترا کچھ ڈھب نرالا تھا　　وگرنہ ہر طرح سے اب تلک تو میں سنبھالا تھا
ترا غم کھا گیا میرا کلیجہ دل سبھی ایک بار　　ہوا ہو گا کہاں سے سیر یہ تو اک نوالہ تھا

تیرے مکھڑے کو یوں تکے ہے دل　　چاند کو جوں تکے ہے چکور لگا +
یہ خاک نشین ترے سر راہ جو بیٹھا　　جوں نقش قدم رہی مٹا ایک نہ سرکا
دل تھا تو سبھی بات تھی اُس سے متعلق　　اب نفع کی امید نہ ہے خوف ضرر کا
دام الفت میں مجھے پھنسوا دیا　　دیدہ و دل آہ تمنے کیا کیا
جو کیا خوب کیا اور جو ہو گا سو قبول　　تجھسے کب ہمنے کسی بات کا انکار کیا
عشق تیرے کا دل کو داغ لگا　　دیکھ تو بھی نیا یہ باغ لگا
پہلے سو بار ادھر ادھر دیکھا　　جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا
زیست ہوتی تو تعجب تھا اب　　مر ہی جانا بس ایک بات ہے اب
غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت　　واہ اپنی بنی ہے کیا قسمت
جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن　　نہوا دوست وہ بھی یا قسمت
خود فروشی میں کرے ناز نہ کیوں یارب　　جنس نایاب ہے اور ہیں کے خریدار بہت
شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپی　　کب چھپے ہے یہ منہ نقاب کے بیچ
تو ہی بتا بنے گی یوں ہیں بات کسطرح　　بالفرض دن کٹا یہ کٹی رات کسطرح
شب زندہ دار یوں آ ترے مردہ دل ہو درد　　مانوں نہ پیر تیری کرامات کسطرح
جوں گل تو ہنسے ہے کھل کھلا کر　　شبنم کی طرح مجھے رلا کر +
کن نے کہا اور سے نہ مل تو　　پر ہم سے بھی کبھو ملا کر +
نالہ مرا نہ پہنچا ترے کان تک کبھی　　جاتا ہے گو زمیں سے لے آسماں تلک

ہوا اور وہ شکست و پامال دیکھئے سینے + وہ طفل اشک جو الفت میں آ ہو کر پانی پانی پالا تھا

نوبت یہ پہنچی کہ سوز نہاں سے امنڈ آنا

دل سے گزر کے نوبت پہنچی ہے گو کہ جاں تک　　تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک
بس ہو یارب یہ امتحاں کہیں　　یا نکل جائے اب یہ جاں کہیں

کہوں کیا خدا جانتا ہے صنم
آج ادہر کدہر کو بھول پڑے
بیگانہ تو کس حساب میں ہے
اُٹھ گیا سب جہاں سے قول و قرار
اِس بحر میں جوں حباب سب کے
نسبت مجھے آہ تجھسے کیا ہے

محبت تری اپنا ایمان ہے
سچ کہو کیا یہ جی میں آئی ہے
رکھے نہ توقع آشنا سے
یادو عدے کیا کر د بیٹھے
سر میں بھری اور ہی ہوا ہے
بندہ بندہ خدا خدا ہے

ہیں حیرت سے آپ ہی تجکو دیویں کیا جواب اسکا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح سے ہنے زندگانی کی
یارب قبول ہووے اتنی دعا تو بارے
دو نوجہاں ہارے عاشق یہ جی نہ ہارے
سب ہے ایک بار مرنا بر حق کسی طرح ہو
جو آپ جی کو مارے پھر کون اُسکو مارے
ہم راست گو مسلماں حق ہی بتاں کہیں گے
تم بندے ہو خدا کے ہم بندے ہیں تمہارے

(اختر) نواب حسین علی خاں لکھنوی خلف ارشد نواب امیرالدولہ حیدر بیگ خاں وزیر نواب آصف الدولہ بہادر شیخ ناسخ کے شاگرد اور صاحب دیوان و مثنوی تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں بانوے برس کی عمر پاکر وفات پائی۔ ایک مرتبہ بطریق سیر کلکتے بھی گئے تھے۔ اِن کا دیوان رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور خلاصہ کلام یہاں حاضر ہے ہ

درس وحشت تھا یاضِ چشم آہو سے مجھے
گوشۂ صحرا مرا طفلی میں مکتب خانہ تھا
حُسن کے غل شب تا درِ زنداں وہ آکر پھر گیا
شیونِ زنجیر بخت خواب کو افسانہ تھا
تھا آخر مرگ شب فرقت میں پیمانِ عشق
سینہ کوبی خلق کی شادی کا نوبت خانہ تھا
دلا سوتے میں قندلب کا خاطر خواہ بوسے لے
مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا
اگر تصور میں وہ رشک مہ کنعاں ہوتا
دل مرا یوسفِ یعقوب کا زنداں ہوتا
سیرِ گلشن میں جو اُس کی چار آنکھیں ہو گئیں
نرگسِ بیمار کی بیمار آنکھیں ہو گئیں
کیا دیں دہن کو نقطۂ موہوم سے مثال
عنقا کا ذکر کیا کریں عنقا کے سامنے

آسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقشِ قدم نہیں ہیں یہ لوحِ مزار ہیں

نہ لگا لے گئے جہاں دل کو
آہ لیجائیے کہاں دل کو

یوں تو کیا بات ہے تری لیکن
وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو

رکھ نہ تو اب دریغ نیم نگاہ
مار ست دیکھ نیمجاں دل کو

بیگناہوں سے دل کو صاف کرو
نہیں تقصیر پر معاف کرو

امیدوار تیرے لبِ گور تک بھی آہ
ساتھ آرزو لئے گئے بوس و کنار کی

مانا آخر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹی نہ آج یہ شب انتظار کی

ٹک آکے سیر کر جگرِ داغدار کی
ہوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

دل اپنا پڑا اُس بتِ بے مہر کے پالے
دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

ساقی مئے جلوے سے انہیں کیجیے معمور
ہیں خالی پڑے مثلِ حباب آنکھوں کے پیالے

سب حیلے حوالے سے تمہارے ہوئیں واقف
مت آئیے پر دل تو مرا کیجیے حوالے

بیکسی میں آ تریگا نہ ہے
دل بھی اس کا نہیں بگانا ہے

راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے
آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

ایک دم سے لگی ہے کیا کیا کچھ
جان ہے تو جہان اپنا ہے

غیر کا تو کہاں سے دوست ہوا
دشمن اپنا گمان اپنا ہے

اب غیر سے بھی تیری ملاقات رہ گئی
سچ ہے کہ وقت جاتا رہا بات رہ گئی

نہ ترا زور چلے اُس پہ نہ تجھ پاس ہے زر
کوئی آتا ہے آخر یار فقط زاری سے

کیجیے تا مہربانی ہی آ کر
مہربانی اگر نہیں آتی

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن
رات کٹتی نظر نہیں آتی

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے
دل تجھے اعتبار آتا ہے

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

سے اصلاح لیتے تھے اب عرصہ سے شعر گوئی ترک کردی ہے جب کہتے تھے اچھا کہتے تھے جناب اثر کا منتخب کلام یہ ہے ؎

جیتے تھے ہم تو کیا تھا اور اب مر گئے تو کیا
ہے کوئی سوگوار نہ جب غمگسار تھا

جانبازوں کو ڈر ہی نہیں مرنے سے۔ ہو اگر
تو اک ملک الموت مجسّم شبِ فرقت

وا ہوگا اثر وقتِ سحر بابِ اجابت
پر آہ کہاں صبح تلک ہم شبِ فرقت

بھید ہے اور ہی کچھ بے خبری میں اُسکے
یہ نہ سمجھو کہ مری آہ میں تاثیر نہیں

جس سے دل ٹھنڈا تھا پہلے اُس سے اب جی سرد ہے
جو دوا سے درد تھی اب وہی جی کا درد ہے

زندگی کیسی مصیبت تھی کہ اللہ کی پناہ
جان نکلی ہے تو اب ہوش ٹھکانے آئے

ہر چشم حیرتی سے رواں ہے جو سیل اشک
کس درجہ آج گرمیٔ بازارِ دید ہے

اثر

(اثر) شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب خلف الرشید مولوی سید وحید الدین خاں بہادر صدر اعلیٰ مرحوم رئیس قصبہ نیورہ ضلع پٹنہ۔ ۱۷۔ اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ صوبۂ بہار کے ایک ممتاز خاندانِ سادات میں سے ہیں سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے۔ اور آپ کے والد خان بہادر سید وحید الدین مغفور کا حسب سید حسن خنگ سوار تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سید فیروز جو سید ابو الفرح واسطی کے نسل سے تھے ہندوستان میں آئے آپ کے آبا و اجداد ہمیشہ سے سرکار انگلشیہ میں مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے ہیں۔ آپ کے والد شمس العلما سید وحید الدین خاں بہادر صدر الصدور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ڈسٹرکٹ رجسٹرار جج خفیفہ۔ اور جسٹس آف دی پیس کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ آپ کے خاندان کے اکثر نوجوان اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور بعض بیرسٹر ہیں ؛

شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب نے حسب معمول عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی علوم ریاضی و معدنیات و حیوانات۔ مناظرہ۔ فلسفہ جدیدہ و قدیمہ سے بخوبی ماہر ہیں۔ زبان انگریزی میں بھی کافی دستگاہ حاصل ہے آپ اُردو کے خوش فکر خوش گو اور باخبر شاعر ہیں۔ انگریزی

اثر

(اثر) منشی عبدالرزاق خلف منشی عبدالرحمٰن تمنا شاگرد صہبائی - پرانے دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے - بہت مدت تک مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں رہ کر زبانِ فارسی اور فنِ سخن میں کمال حاصل کیا تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت ان کا عالم جوانی تھا - کلام پاکیزہ اور پُر لطف ہے ۵

پہلو میں درد سینہ میں چاک اشک آنکھ میں
تیرا ہر ایک سے ملنا بتِ وفا دشمن
ہوئی بدولتِ ضعف آہ سے بھی خاطر جمع
خواہش ہے میرے دستِ جنوں کو بہار کی
ہوں کامیاب لعلِ لبِ یار سے عدو
کیا جانتا تھا وہ کہ ستم کیا ہے جور کیا
وحشت تو دیکھئے کہ بِس مرگ بھی مرے
تم اور عیش و بادہ و اغیار ہمنشیں
اے حضرتِ اثر کہیں عاشق ہیں آپ جو

مجھ سے تو کہہ اثر کہ ترا دل لگا کہیں
کرے گا دیکھئے کس کس سے آشنا مجھکو
اثر یہ جس کے کچھ اک اعتبار تھا مجھکو
اور آرزو ہے آبلۂ پا کو خار کی
حسرت نہ نکلی آہ دلِ سوگوار کی
باتیں ہیں سب یہ اس دلِ الفت شعار کی
جنگل میں اُڑتی پھرتی ہے مٹی مزار کی
ہم اور مصیبت آہ یہ شبہائے تار کی
یوں خاک اُڑاتے پھرتے ہیں ہر کوہسار کی

میں اور یار اور شبِ ماہتاب ہے
اے چشم اسکے سامنے رو کر نہ ہو سبک
پامالِ غیر ہے مری نعش اُس گلی میں آج
عشقِ بتاں میں خاک بسر ہے تو اے اثر
ایک دن فاتحہ پڑھتا تھا کسی قبر پہ وہ
گر جاں کا نام آتا ہے آتی ہے قیامت

یارب مجھے خیال ہے یا یہ کہ خواب ہے
انساں کی آبرو جو ہے موتی کی آب ہے
مر کر بھی میری خاک پہ کیا کیا عذاب ہے
دنیا خراب اور ترا دیں بھی خراب ہے
حیلہ اک اور بھی باقی ہے - و مر دیکھیں گے
مضموں تری رفتار کا باندھا نہ کرینگے

اثر

(اثر) قاضی حاجی حب حسن بدایونی ابن قاضی غلام شہید - اصلی وطن بدایوں ہے - انکے والد عدالت شاہجہاں پور میں وکیل تھے یہ خود اوائل شباب میں شعر بھی کہتے تھے اور مذاق بدایونی

ناصح اگر ستم نہ سہیں ہم تو کیا کریں	دل دوڑتا ہے یار کی بیداد کی طرف
عدو کا رشک ہے ہنگامۂ محشر کے ساماں میں اسی جادو نے ارباب نظر کو مار رکھا ہے سبھی گل زر بکف گلشن میں ہیں انصاف کر یارب کیا کیوں ذکر اسکی دشنۂ خونریز مژگاں کا اسی سے پائی ہے شیرازۂ کونین نے بندش جفائیں ہوتی ہیں گھٹتا ہے دم ایسا بھی ہوتا ہے نکر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا ہمیں بزم عدو میں وہ بلاتے ہیں تمنا سے	قیامت ہے نہاں انکے تبسم ہائے پنہاں میں کہ شوخی ہے حیا کے ساتھ انکی چشم فتاں میں غضب ہے رند خالی ہاتھ ہوں فصل بہاراں میں چبھویا تونے نشتر ہجر کا گر میری رگ جاں میں دو عالم کی ہے جمعیت تری زلف پریشاں میں مگر ہم پر ہے جو تیرا ستم ایسا بھی ہوتا ہے محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے کرم ایسا بھی ہوتا ہے ستم ایسا بھی ہوتا ہے
کرتا ہوں عاشقی میں صنم کوہکن کا کام قید ہستی سے فنا ہو کر رہا ہو جائیے ہے پیام مرگ میں مضمر نوید زندگی ہے دل بے آرزو ہونا کمال بندگی	کچھ کم نہیں پہاڑ سے دن انتظار کے نکہت گل بنکے گلشن سے ہوا ہو جائیے تا بقا کی شکل پیدا ہو فنا ہو جائیے بندۂ بے مدعا ہو کر فدا ہو جائیے
نقاب اسنے جو اپنے چہرۂ روشن سے الٹا ہے خزان زندگی ہے تفرقہ اہل محبت کا	نمایاں نور کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے مزا دنیا میں جینے کا بہار دوستاں تک ہے

(اثر) عالیجناب مولوی خواجہ امام الدین رئیس اجمیر خلف خواجہ سید منیر الدین صاحب خواجہ خواجگاں حضرت معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد امجاد میں سے ہیں طبیعت کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے اعلیٰ درجہ کے سخن فہم و قدردان سخن ہیں۔ فارسی استعداد بھی اچھی ہے۔ شیریں کلامی اور خوش گوئی ہر ایک شعر سے ہویدا ہے۔ بالفعل اپنے وطن میں عہدۂ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر ممتاز ہیں اور خلق و مروت و شرافت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ پچاس سال کے قریب عمر ہے اجمیر میں انکی شاعری کا بڑا شہرہ ہے۔ ارباب نشاط میں اکثر غزلیں انہیں کی گائی جاتی ہیں۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

اشعار بھی آپ نے نظم کیے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں اکثر کتابیں موجود ہیں۔ کتاب مراۃ الحکما۔ اور کتاب الاشمار مصنفہ شمس العلما۔ زبان سوئیڈن میں ترجمہ ہوئی ہیں اور وہ سوئیڈن اور ناروے کی یونیورسٹیوں میں جاری ہیں۔ آپ نے ایک کتاب کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن تصنیف کی ہے جس میں آپ نے مصری۔ یونانی۔ لاطینی۔ ایطالوی۔ جرمن۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ سنسکرت۔ بھاشا۔ چینی۔ جاپانی۔ اور برہما کی طرز شاعری پر ایک محققانہ دلچسپ بحث کی ہے آپ کو با این ہمہ علم و فضل شہسواری اور صید افگنی کا بھی بہت بڑا شوق ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے سید علی امام اور سید حسن امام مشہور بیرسٹر ہیں۔ آپ کی سکونت قصبہ نیورہ (بہار) میں ہے۔ اردو کلام دیوان بھی چھپ گیا ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو

کیونکر نہوتی دل کو اُس دلربا کی خواہش
رہتی ہے مجکو اُسکی زلف دوتا کی خواہش

ظالم وہ کون دل ہے جسمیں نہیں بھری ہے
خون جگر جو کھا کر آسودہ ہو رہا ہو

باقی ہے روح بیشک فانی نہیں ہے ہرگز
پامال جور ہم ہیں باغ جہاں میں ورنہ

اے شیخ و برہمن تم کچھ تو ہمیں بتاؤ
ہے موت ہی مسیحا ہے درد ہی مداوا

آغاز عشق ہی میں اے دل بیان مطلب
دُنیا طلب کا شیوہ ہاتھوں کا ہے اُٹھانا

ہمنے اثر سُنا ہے اہل رضا کو کہتے

ناصح ہے سب پہ بالا رب العلا کی خواہش
خواہش بھی ایسی خواہش اے دل بلا کی خواہش

تیرے ستم کی حسرت تیری جفا کی خواہش
ایسے مریض غم کو کیا ہو غذا کی خواہش

وابستہ اس لئے ہے اُس سے بقا کی خواہش
تیرے قدم سے نکلی کیا کیا حنا کی خواہش

کیا ہے بتوں کی خواہش کیا ہے خدا کی خواہش
تیرے مریض غم کو کیا ہو شفا کی خواہش

لایا زباں پہ ناداں کس انتہا کی خواہش
دل میں خدا کو رکھ کر کیا ہو دعا کی خواہش

اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش

مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ
ہیں اہل حشر اس ستم ایجاد کی طرف

ناداں کہیں پناہ نہیں موت سے تجھے
کیا دیکھتا ہے قلعۂ فولاد کی طرف

آئے ہیں غیر کے گھر سے وہ لگا کر مہندی
یہ نئی آگ لگائی ہے جلانے کے لئے

تمہارے جاتے ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے
تم ایسے ہنستے ہوئے آئے تھے رُلا کے چلے

بری بنے گی اثر دیکھنا قیامت میں
بتوں کے ساتھ اگر سامنے خدا کے چلے

اچھی صورت کے لئے چاہئے عادت اچھی
ورنہ کس کام کی اچھی سے بھی صورت اچھی

دیکھا بت خانے میں اللہ کی قدرت کا ظہور
ایک سے ایک نظر آتی ہے صورت اچھی

نقش ہو جائے جو دل میں وہی نقشہ اچھا
اپنی آنکھوں میں جو بس جائے وہ صورت اچھی

جان پر آن بنی ضبطِ محبت میں اثر
ایسی کمبخت محبت سے عداوت اچھی

خرامِ ناز سے دو گام تم جو چل جاتے
تمہارے دیکھنے والوں کے دم نکل جاتے

نہ ہوتا رشک کسی کا تو یہ بھی ممکن تھا
ترے خیال میں دو چار دن بہل جاتے

یہ دل ہی موردِ برقِ جمال ہے ورنہ
یہ آگ وہ تھی کہ جس میں پہاڑ جل جاتے

ذقن میں پڑتا جو عکس اُس جبیں کی افشاں کا
کنوئیں کی تہ میں ہزاروں چراغ جل جاتے

شرابِ عشق میں تھا جوش اس قدر ساقی
جو میں نہ پیتا تو یہ ظرفِ فلک اُبل جاتے

اثر

(اثر) لالہ جے نراین ورما لکھنوی مالک رسالہ ناول - پہلے صانع تخلص تھا - بی اے تک کیننگ کالج میں تعلیم پائی ہے عنفوانِ شباب سے کسبِ کمال اور فنِ شاعری کا شوق ہے - چند انگریزی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا ہے - ایک دوست کی معرفت کچھ کلام ہم پہنچا جس کا انتخاب درجِ ذیل ہے - افسوس کہ عین عالمِ شباب میں ماہ مارچ ۱۹۰۷ء رہگرائے عالمِ بقا ہوئے - چھتیس ۳۶ برس کی عمر پائی ہے

آپ سن سکئے تو سنئے داستانِ اہلِ درد
ہے زبانِ بے زبانی سے بیانِ اہلِ درد

اضطرابِ دل کا شکوہ کفر سے کچھ کم نہیں
اے اثر ہے درد ہی آرامِ جانِ اہلِ درد

بجز دردِ غم و اندوہِ حرماں
خبر لے کون اپنی بے کسی میں

میرے سوالِ وصل پہ تم بھی تو ہاں کرو
میں تم سے دل کیواسطے کرتا نہیں نہیں

جگر کو تاکا نگہ نے تو دل فگار کیا
کسی پہ باندھا نشانہ کسی پہ وار کیا

بنا بنا کے بگاڑیں گے زلف ساری رات
وہ آپ چکلے شبِ وعدہ اگر سنگھار کیا

رقیب لاکھ شکایت کریں نہیں شکوہ
گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی اعتبار کیا

کسی کا دھیان بھی ہے کچھ کہاں گئے تھے اثر
تمھیں خبر بھی ہے کس کس نے انتظار کیا

دیکھتے ہی دیکھتے تلوار آنکھیں ہوگئیں
دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہوگئیں

عشق میں آخر کو اِن دونو پہ آفت آگئی
دل نکما ہوگیا بیکار آنکھیں ہوگئیں

روتے روتے پڑگئے ناسور آنکھوں میں اثر
ہوتے ہوتے زخم دامن دار آنکھیں ہوگئیں

کیا کروں شکوۂ بیداد کروں یا نہ کروں
داورِ حشر سے فریاد کروں یا نہ کروں

ہجر میں وصل کے آرام میں بھولوں کیونکر
شبِ غم عیش کے دن یاد کروں یا نہ کروں

کب تلک ضبط کئے جاؤں محبت میں اثر
دل میں ہو درد تو فریاد کروں یا نہ کروں

وہ ہمسے چپ ہیں ہم اِن سے چپ ہیں منانیوالے منا رہے ہیں
شکایتیں دل کی ہو رہی ہیں مزے محبت کے آ رہے ہیں

بہارِ رخسارِ عارضی ہے خزاں برابر لگی کھڑی ہے
جوانی دو دن کی پاہُنی ہے یہ دن کسیکے سدا رہے ہیں

معینِ ملت معین دیں ہو بھلے بُرے کے تمہیں غنی ہو
تمہارے قدموں میں مر رہا ہے تمہاری بستی میں آ بسے ہیں

آپکو چاہنے والوں کی ضرورت نہ رہی
خوش رہیں آپ یہاں بھی وہ طبیعت نہ رہی

اگلی باتیں نہ رہیں تمکو وہ الفت نہ رہی
مجھکو بھی جانِ جہاں تمسے محبت نہ رہی

اے صنم تجھکو کیا یاد خدا کو بھولے
مُنہ دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی

دل لگاتے ہی اثر تمنے تو جی چھوڑ دیا
چار ہی دن میں وہ صورت وہ شباہت نہ رہی

بے نقاب آج رخِ یار ہوا چاہتا ہے
دیکھئے کیا سرِ بازار ہوا چاہتا ہے

اُنکا اقرار کے انداز کہے دیتے ہیں
اب کوئی لحظے میں انکار ہوا چاہتا ہے

ذبح کرتا ہے مجھے رشکِ شبِ وصلِ عدو
یہ بھی اب آپ کی تلوار ہوا چاہتا ہے

غیر کیا دوست بھی سب میرے مخالف ہیں اثر
دل بھی اب اُنکا طرفدار ہوا چاہتا ہے

تڑپتا ہے مریضِ ہجر مر جائے تو اچھا ہو
تمھارے عاشقوں میں نام کر جائے تو اچھا ہو

مدتیں گزری ہیں شغلِ مے کشی چھوٹے ہوئے
وہ پڑے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے
بات پتے کی جو سُنی کھو گئے
اور سُنا اے دلِ خوابیدہ بخت
سُن کے وہ افسانہ ترا سو گئے

زاہد ہمیشہ قبلے کا رُخ پوچھتا پھرا
ہم بت کدے میں جب گئے بے پیش و پس گئے

زخمِ جگر میں یوں مرے نوکِ سناں رہے
جیسے کسی کے مُنہ میں کسی کی زباں رہے

پیغامبر کو آج سے موقوف ہی کریں
جو باعثِ فساد ہے کیوں درمیاں رہے

جب کہ دل ہی میں ہو موجود کسی کا جلوہ
کس لئے کوئی طوافِ حرم و دیر کرے

وائے قسمت کہ عیادت کو رقیب آتا ہے
کام جو دوست کے کرنے کا ہو وہ غیر کرے

ہم نہ توڑیں گے کبھی عہدِ وفا جیتے جی
بیوفائی اُسے کرنا ہے تو وہ خیر کرے

کی بھلائی جو بھلائی کے عوض میں تو کیا
بات تو جب ہے کہ تو شر کے عوض خیر کرے

اثر

(اثر) منشی حسین الدین احمد۔ اوائل مشقِ سخن میں حضرت امیر مینائی کے شاگرد جناب نعیم و جناب وسیم کو کلام دکھایا ہے۔ پھر کچھ دنوں خود حضرت امیر سے اصلاح لی۔ امیر اللغات کے دفتر میں بھی کام کرتے رہے ہیں کلام حسب ذیل ہے ؎

بُری ہوتی ہے اُلفت کی بیماری
وہی جانے جو مبتلا ہے کسی کا

ہو گیا جا کر گرفتار آپ دل
یار کے گیسوئے پُرخم کیا کریں

جھوٹی باتیں ہیں تیری سحر کہ ہم
جاننے پر بھی مان لیتے ہیں

اک میں کہ جھوٹی بات کا کرتا ہوں اعتبار
اک تم کہ سچی بات کا تم کو یقیں نہیں

پائی ہے میں نے ضبط سے رخصت اک آہ کی
خیر آج تیری اے فلکِ ہفتمیں نہیں

گیا ہاتھ چھوٹ اس ادا سے کہا
کلائی مری دیکھو بل کھا گئی

پڑے ہیں جو تربت میں پھیلائے پانو
تھکے عمر بھر کے تھے نیند آ گئی

جان اک رشکِ مسیحا پہ دئے جاتے ہیں
روز مرتے ہیں مگر پھر بھی جئے جاتے ہیں

کس طرح اُن سے ہو اظہار تمنائے وصال
عرضِ مطلب پہ وہاں ہونٹ سئے جاتے ہیں

دے کے فقرہ کہ ہیں چلکے کریں گے توبہ
آج میخانہ میں واعظ کو لئے جاتے ہیں

بات رکھ لیتے ہیں ہم ساقی و واعظ کی اثر
جام بھی پیتے ہیں توبہ بھی کئے جاتے ہیں

مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کئے ہوئے
کعبے کو جائیں یادِ بتوں کی لئے ہوئے

کوچۂ یار پہ ترجیح اُسے میں دوں گا
زاہدا ایسی کہاں کی تری جنت آئی

ہم نے بتخانہ میں اللہ کا جلوہ دیکھا
عینِ کثرت میں نظر صورتِ وحدت آئی

اثر

(اثر) سید مخدوم عالم صاحب پیرزادہ قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ۔ حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم **مقبول** کے خلف اکبر ہیں۔ فارسی میں عمدہ قابلیت ہے۔ ذہن رسا اور خیالات عالی پائے ہیں۔ رجب سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ خود انگریزی بہت کم جانتے ہیں مگر خیالات نہایت پاکیزہ اور روشن ہیں۔ نثر اور نظم دونوں میں طرزِ بیان دلچسپ اور مرغوب ہے۔ متانت کے ساتھ طبیعت میں ظریفانہ شوخی بھری ہوئی ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

دُرِ شہوار بحر کو بخشا
کوہ کو لعلِ شب چراغ دیا

زندگانی کی راہ تھی تاریک
اس لئے عقل کا چراغ دیا

ہے تعجب کہ دے دیا سب کچھ
لیکن اپنا نہ کچھ سُراغ دیا

اب تو کعبہ بھی رہ گیا پیچھے
گھر ترا کتنی دور ہے یارب

رباعی در تعریف انبہ

میووں میں اثر قابلِ تعظیم ہے آم
فردوس میں ہم مشربِ تسنیم ہے آم

ہے آم کا نام اپنے اسلام پہ دال
اللہ و محمد کا الف میم ہے آم

واعظ کبھی مے خانے میں ہوگا نہ گزر کیا
جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

قفس سے اب کہاں جائے گی بلبل	کترتا ہے عبث اے باغباں پر
چھپے بیٹھے ہیں بھلا سر کو اٹھائیں کیونکر	دل چرائے ہیں وہ آنکھیں نہ چرائیں کیونکر

(اثر) شیخ فیض الدین - احسان شاہجہاں پوری کے شاگرد ہیں ؎

کہتے ہیں کام ہمارا ہے جلانا دل کا	ایسے بے درد پہ اچھا تھا نہ آنا دل کا
شکوۂ جور و ستم سن وہ کہتے ہیں اثر	ہاں جی ہاں ہمکو تو آتا ہے ستانا دل کا
یہی نا مٹ گیا نام محبت	ملا کر خاک میں تجھکو ملا کیا
اثر پچھتاؤ گے دیکھو نہ دو دل	جفا کاروں سے امید وفا کیا
ہزار وعدے کئے ایک بھی وفا نہ کیا	تمہارے قول کا کسطرح اعتبار آئے

(اثر) مولوی سید جلال الدین نظاری ساکن حیدرآباد دکن ؎

تم آؤ تو آباد ہو ویرانہ کسیکا	تم جا ہو تو گلشن بنے کاشانہ کسیکا
لنڈھا دے سے خم کے خم محفل میں پیارے	تہی میخانہ ہو خالی سبو ہو
وہ مے جسکی ہوس رہجائے ساقی	وہ مے پھر جسکی دل میں آرزو ہو
وہ مے جس سے طبیعت ہو شگفتہ	وہ مے جس سے ترقی اور نمو ہو
وہ مے جس سے مضامیں مجکو سوجھیں	رواں طبع رواں جوں آبجو ہو

(اثر) منشی محمد حبیب الحق واصل باقی نویس تحصیل ملہار گڑھ علاقہ ریاست جاورہ - قمر گلشن آبادی کے شاگرد ہیں - حال کے نومشق شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں یہ انکا کلام ہے ؎

مجھسے اور ترک عشق اے ناصح	توبہ توبہ یہ کیا خیال ہوا
ملتا نہیں کفن میں مرا جسم ناتواں	منکر نکیر ڈھونڈ رہے ہیں مزار میں
زاہد تو بے خبر ہے رہ عشق سے ابھی	ناداں بڑا مزا ہے حسینوں کے پیار میں
ہرگز وہ جام کوثر و تسنیم میں نہیں	زاہد جو کچھ مزا ہے مے خوشگوار میں
حوصلہ کہتا ہے غمسے دل لگی ہوتی نہیں	اے فلک کچھ اور دے دلبستگی ہوتی نہیں

ہُوا عاشق اس بے وفا پر آثرؔ
ترے دل میں کمبخت کیا آگئی

اثر

(اثرؔ) مولوی افتخار علی - موضع گنور نواح بدایوں کے رہنے والے ہیں مولوی احمد حسن شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

قیامت اپنے قامت سے تو ہر لحظہ دکھاتے ہو
دکھانا زلف عارض کا یہ یکبار روز و شب کیسا

دسترس ہو تو ابھی چوم لُوں دستِ قاتل
کس صفائی سے اُڑایا ہے نشانہ دل کا

بتو نکلے غم میں چشم ترسے یاں پتھر برستے ہیں
ہمیں کیا ابر نیساں سے اگر گوہر برستے ہیں

سوز دل نے آثر دکھایا رنگ
آہ جو آئی شعلہ بار آئی

اثر

(اثرؔ) حکیم محمد مہدی لکھنوی عظیم آباد میں رہتے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

تیرِ قاتل نہ تھی یہ تجھ سے امید
ہائے تجھ تو بھی تو ہو گیا دل کا

ہیں کچھ نہ کچھ تو تیر میں قاتل کی شوخیاں
بیچین جس سے دل ہے جگر بیقرار ہے

نکلا جو میکدے سے تو بوتل بغل میں تھی
سُنتے تھے ہم آثر کو کہ پرہیزگار ہے

چال اُس غارتگرِ دیں کی عجب مستانہ ہے
شیخ از خود رفتہ ہے اور برہمن دیوانہ ہے

سُن کے وہ مجھ سے سوالِ وصل کس انداز سے
سر جھکا کر مسکرا کر بولے کچھ دیوانہ ہے

نہیں ہم کو گوارا آپ کی اک دم کی بھی فرقت
چلے جاؤ یہ کیونکر آپ کے مُنہ سے نکلتا ہے

اُس نے جب قصد کیا صبح کو چلنے کے لئے
مستعد جاں بھی ہوئی تن سے نکلنے کے لئے

اثر

(اثرؔ) منشی الٰہی بخش سوداگر مقیم ریاست ریواں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے - شاید آلہیؔ بھی انہیں کا تخلص ہے - کلام یہ ہے ؎

عبث ہے بیانِ غم و رنج فرقت
سُنے جب نہ کوئی فسانہ کسی کا

گالیاں دینے لگا وہ بت لبِ جاں بخش سے
اب ہمارے واسطے آبِ بقا بھی سم ہُوا

مرا دل لوٹ ہے کوئے بتاں پر
تصدق شیخ جی باغِ جناں پر

گرے کیوں طور پر غش کھا کے موسیٰؑ
کوئی پوچھے تو کیا دیکھا وہاں پر

اوائل میں حضرت داغ مرحوم سے مشورہ تھا - ۴۲-۴۳ - برس کی عمر اور نوابانہ طبیعت سے ایشیائی رئیس زادوں کی طرح عیش دوست اور رنگین مزاج ہیں کلام گلدستۂ ریاضِ سخن میں جو احسن مارہروی کے اہتمام سے نکلتا تھا دیکھا گیا - وہ انتخاباً درج تذکرہ ہے ؎

گئے صبح کو وہ مری جان ہو کر / جو آئے تھے کل شب کو مہمان ہو کر
بلا کی ہیں زلفیں تری کالی کالی / غضب ڈھا رہی ہیں پریشان ہو کر
جدائی کے غم میں مروں میں نہ کیونکر / رہو دور مجھ سے مری جان ہو کر
ادھر دیکھئے آپ کیوں جھینپتے ہیں / گئے تھے کہاں شب کو مہمان ہو کر
بتاؤ ہمیں کس پہ مرتے ہو صاحب / اثر پوچھتے ہیں وہ انجان ہو کر

تھم گئے وہ بھی تماشہ کی غرض سے دم بھر / کام نکلا دلِ ناداں کے مچل جانے سے
جب آتا ہے کبھی ذکر وفا وہ ٹال دیتے ہیں / سمجھ جاتے ہیں اب میری شکایت ہونیوالی ہے
ابھرنے والی سب چیزیں ابھر آئینگی سب ظالم / جوانی آنے والی ہے قیامت آنے والی ہے
لطف دے جائیگی مری داستاں / تیرے دل میں درد ہونا چاہئے

(**اثر**) مرزا احمد شاہ مالک نیرنگ ؎

ہم حشر کے دن ڈھونڈ نکالیں گے کسیکو / قاتل جو ہمارا ہے نہاں ہو نہیں سکتا
ابھی وہ سن ہے کہ آنکھیں ملاتے بھی نہیں / دل چرانا تو کجا آنکھ چراتے بھی نہیں

(**اثر**) منشی رادھے لال صاحب رئیس فرخ آباد - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎

جو مجھ پر مہرباں اپنے کرم سے یار ہو جاتا / تو دریائے الم سے میرا بیڑا پار ہو جاتا
اگر آنکھیں لڑاتا کوئی عاشق فرطِ الفت سے / ترا تیرِ نظر اسکے جگر کے پار ہو جاتا
عجب کیا تھا عیادت کے لئے گر تم چلے آتے / کوئی حیلہ جو بن پڑتا تو میں بیمار ہو جاتا
جمالِ یار کی عالم میں شہرت ہونے والی ہے / خرامِ ناز سے برپا قیامت ہونیوالی ہے
ابھی واقف نہیں ناز و ادا سے وہ کہ کمسن ہے / جوانی میں اسی قد سے قیامت ہونے والی ہے

اثر

(اثر) مرزا احمد اللہ بیگ حیدرآبادی - خلف ذوالفقار علی شاہ سجادہ حسینی علم - آغا شاعر قزلباش دہلوی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں ؎

فصلِ گل تو جا چکی کمبخت چھٹ کر کیا کرے	تھی رہائی بھی اسیری بلبلِ ناشاد کی +
پاؤں سے مرے دل کو نہ مل اے بتِ کافر	اللہ کا گھر ہے ارے اللہ کا گھر ہے

اثر

(اثر) منشی اصطفے خاں لکھنوی - منشی محمد افتخار علی جگر بسوانی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں یہ اُنکا کلام ہے ؎

ملے گا اور کہاں انکو اسقدر آرام	غم دلال مرے دل سے جا نہیں سکتے
مئے طہور مبارک ہو زاہد و تم کو	زباں سے کہتے ہو لیکن بلا نہیں سکتے
یہ ڈرتے ہیں نہ تمنا بھی انکی ہو مجروح	وہ تیر دل پہ ہمارے لگا نہیں سکتے

لبوں پہ دم بھی جو اے شوخ تند خو آئے	مریضِ غم کو نہ تسکین دینے تو آئے
سوال وصل پہ تیوری چڑھا کے کہتے ہیں	اب آج سے نہ کبھی ایسی گفتگو آئے

اثر

(اثر) سید ظفر حسن خاں بی اے خلف سید دیوان محمد آنریری مجسٹریٹ سرسہ ضلع حصار - نومشق شاعروں میں اور آغا شاعر دہلوی کے شاگردوں میں ہیں علیگڈھ کالج میں تعلیم پائی ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

اُف رے بے رحمیاں قاتل نمک افشاں نہ ہوا	بچھ گئے زخم ترے سامنے دامن ہو کر
ہونٹ سی دینا اگر نالہ و فریاد کریں	ہے قسم آپ نہ جی بھر کے جو بیداد کریں
ذبح کرنے لگے کیوں اُلٹی چھری سے ہم کو	ایسی سب بے دردیاں اور تمسے پریزاد کریں
محو آرائشِ جلوہ گہ سیناہوں میں	جلد آئینۂ رخسار دکھائے کوئی +
جان آنکھوں میں نظر رپہ تمنا دل میں +	اب تو دم بھر کو خدا کے لئے آئے کوئی +

اثر

(اثر) نواب عبدالجلیل خاں رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ خلف اصغر نواب عبدالشکور خاں صاحب شروانی - مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب حسرت شروانی کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں -

ممکن ہے کوئی دل سے ترا نقش محبت
تم ظلم سے خوش ہو مجھے مطلب ہے خوشی سے
رکھے خدا پناہ میں بندہ کو چاہ سے
شوخی ٹپک رہی ہے سراسر نگاہ سے
خالی ہوا نہ دل یہ حسینوں کی چاہ سے
ہیں اور عشق حور رقیبوں کے سر ہیں یہ
اب حشر بھی اُٹھا ہے تو اُٹھنا محال ہے
اُن کی نزاکتوں نے یہ کیسا ستم کیا +
یکسر چراغِ گورِ غریباں بجھا دیئے
اپنی تو سجدہ گہ ہے درِ پیر مے فروش
ہوتی ہے بعد رنج کے راحت مگر اثیم

یہ نام تو کندہ ہے عقیق یمنی میں +
کیجے نہ کمی کچھ مری خاطر شکنی میں
نکلے لب شرنہ بھول کے الفت کی راہ سے
بجلی کہیں گرے نہ تری جلوہ گاہ سے
اُٹھا بتوں کا دخل نہ بیت اللہ سے
وہم غلط ہے آپ کو اس خیر خواہ سے
ایسا گرایا آپ نے مجکو نگاہ سے
ناکام پھر کے جاتے ہیں ہم قتل گاہ سے
کیسی ہوا چلی ہے بختِ سیاہ سے
دیر و حرم سے کام نہ کچھ خانقاہ سے
یوسف عزیز مصر ہوئے گر کے چاہ سے

(اثیم) حافظ شیخ محمد ابراہیم خلف حافظ محمد باقر علی آنریری مجسٹریٹ و رئیس کانپور ۔ عنفوان شباب سے شاعری کا شوق دامنگیر ہے اور اُسمیں حضرت آہ لکھنوی سے مشورہ کرتے ہیں ۔ ایک بیاض کلام شعرا موسوم بہ ترانۂ عشاق سنہ ۱۳۱۷ھ میں شائع کر چکے ہیں اُسمیں بعض اساتذہ کے کلام کے ساتھ ہی اپنا کلام بھی درج کیا ہے جسے بہ نظرِ انتخاب معائنہ کیا تو بمشکل یہ چند شعر قابلِ اندراج نظر آئے ؎

آپ جاتے ہیں تو اچھا جائیے
زہر منگوا کر ابھی کھاتے ہیں ہم

سچ ہے کسیکو چاہتے میرے سوا نہیں
تہمت ہے ۔ تمکو غیر کی الفت ذرا نہیں

جو حال زار ہے میرا وہ آکے دیکھ لو تم
بیان کی کوئی حاجت نہیں عیاں کے لئے

غضب کی لاگ تھی بجلی نے وہ بھی پھونکدئے
جو تنکے چُنکے کئے جمع آشیاں کے لئے

تڑپنے پر مرے وہ شوخ بولا
دکھاؤ درد تو مجکو کہاں ہے

اثر

(اثر) خواجہ حسین خاں صاحب امیر مینائی کے جانشین منشی جلیل حسن کے شاگرد اور خوش کلام سخنور ہیں ؎

دل سے تا مرگ جدا یار کا پیکاں نہوا
یہ بھی کوئی مری حسرت ہوئی مہماں نہوا

جان دی رنج میں پر عیش کا خواہاں نہوا
درد میرا کبھی منت کشِ درماں نہوا

ایک بوسے پہ جتاتے ہو ہزاروں احساں
دے دیا ہمنے جو دل یہ کوئی احساں نہوا

اپنی آہوں سے جو امید رسائی ہوتی
ہمنے کیا جانئے کیا آگ لگائی ہوتی

مئے اطہر کی بہت آپ لیا کرتے ہیں
شیخ جی یاروں کو اک دن تو پلائی ہوتی

وہ دوا ہائے بجز موت کے کچھ اور نہیں
جسمیں بیمارِ محبت کی شفا رکھی ہے

اثیم

(اثیم) منشی محمد علی باشندۂ گورکھپور ۱۸۴۲ء میں گورکھپور کی عدالت میں ڈگری نویس تھے۔ کئی سال بعد بنارس میں منصفی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ عبدالرؤف شعور سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ معدن الحکمت اِن کی یادگار ہے۔ تذکرۂ گلدستۂ نازنیناں سے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

دمِ خنجر میں اگر اُسکے دمِ عیسےٰ ہے
خضر کیوں کر نہ بھلا کشتۂ خنجر ہوگا

دیکھ اُس دستِ حنائی کو منجم نے کہا
خون عشاق کا اِن ہاتھوں سے اکثر ہوگا

خدا جانے اسے منظور ہے کس کس کی بربادی
بنایا ہے جو گھر صیاد نے اپنا گلستاں میں

صدائے شیونِ زنجیر سے معلوم ہوتا ہے
تڑپ کر مر گیا شاید کوئی محبوس زنداں میں

اثیم

(اثیم) خواجہ عبدالرحیم خاں۔ رئیس ڈھاکہ۔ نواب ڈھاکہ کے خاندان سے ہیں۔ اور سید ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد ہیں زبان اور بندشِ الفاظ عمدہ ہے نومشق شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ؎

تھی الفتِ شیریں میں مگر نزع کی تلخی
فرہاد گیا جان سے اُس کوہکنی میں

تجھ سے تو زیادہ ترے انداز ہیں قاتل
ہیرے میں نہیں زہر ہے ہیرے کی کنی میں

جو لطف خلش ہے تری مژگاں میں کماندار
پیکاں میں یہ لذت ہے نہ برچھی کی انی میں

ہنسی معشوق کی ہوتی ہے وجہ گریۂ عاشق
چمن میں خندۂ گل سے ہے شیون نالۂ عنادل کا

جو عاقل ہیں انہیں راحت کی فکر اصلا نہیں ہوتی
خیالِ عیش رکھنا ہر گھڑی ہے کام کاہل کا

ترا نقشہ بنا کر صانعِ قدرت نے فرمایا
بناؤں گا نہ اب میں دوسرا تیرے مقابل کا

طوافِ کعبۂ رخ ہو چکا بس اب یہ باقی ہے
بجائے سنگ اسود بوسہ لوں رخسار کے تل کا

قاصد کو موت کوچۂ جاناں میں آگئی
میں منتظر ہی بیٹھا ہوں خط کے جواب کا

زاہد تو اُسکے کوچے میں مے پی لے میرے ساتھ
جنت میں کیا حرام ہے پینا شراب کا

اللہ رے اسیریِ بلبل کا انتظام
صیاد عطر مل کے چلا ہے گلاب کا

روشنی ہے در و دیوار پہ پھیلی ہر سو
چاندنی گھر میں ہے اک ماہ لقا سے پیدا

وہ کہتے ہیں تمہارا کیا گیا سودا ہے الفت میں
مجھے اس پردے میں رسوائے خاص و عام ہونا تھا

اللہ رے شوقِ قتل کہ کہتا ہوں بار بار
پھر جائے مجھ پہ خنجرِ قاتل کسی طرح

کیا جانئے کہ کیا ہے جو پہلو میں ایک دم
رکتا نہیں ہے آج مرا دل کسی طرح

جو پوچھا تھے کہاں اتنے دنوں تو ہنس کے فرمایا
کسی کمبخت کے دل میں تھے اب تک مدعا ہو کر

مجھے مسجد میں جاتے دیکھ کر بولے ادھر آؤ
خدا کو بھی دکھا دینگے کبھی شانِ خدا ہو کر

حسینوں کو محبت بھی ہو تو سمجھو کہ آفت ہے
وفا آخر کو ان کی رنگ لاتی ہے جفا ہو کر

کہیں لیلیٰ کی صورت جلوہ آرا ہے نہاں ہو کر
کہیں رسوائے عالم صورتِ مجنوں عیاں ہو کر

کہیں تو قاتلِ عالم نظر آتا ہے عالم میں
پھڑکتا ہے کہیں بسمل کی صورت نیم جاں ہو کر

کبھی تو بتکدے میں صورتِ ناقوس ہے نالاں
کبھی مسجد میں بول اٹھا موذن کی اذاں ہو کر

تھی تمنا اڑ کے دامن سے لپٹ جاتی یہ خاک
وہ اگر آتے کبھی گورِ غریباں کی طرف

سحر کیا جانئے قاتل نے کیا ہے ہم پر
دم نکلتا ہے مگر کہتے ہیں قاتل قاتل +

اتنی فرصت دے ہمیں جلدی نہ کر تو قتل میں
دیکھ لیں دم بھر نظر بھر کر اسے جلاد ہم

کیا قتل ایک عالم کو ولیکن وائے بیدردی
نہ دیکھا مڑ کے تو نے کس طرح بسمل تڑپتے ہیں

بوسے اتنے لئے کہ وہ بولے	پیار کی کوئی انتہا بھی ہے

احد

(احد) مولوی حکیم عبدالاحد صاحب مدرس اوّل عربی مدرسۂ مرزا پور - آپ کے صاحب استعداد اور باکمال ہونے میں شبہہ نہیں باوجود مشاغل علمی (آپ واعظ بھی ہیں اور طبیب بھی) شعر گوئی سے رغبت رکھتے ہیں - ۲۳ - ۲۴ برس کی عمر تک فنون عربیہ - منطق - فلسفہ وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہے - استعارہ اور تشبیہ سے طبیعت کو ایک خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے - خیال کی بلندی اور بندش کی چستی مزید برآں ہے - زبان بھی بُری نہیں - ہمنے سرسری نگاہ سے جسقدر اشعار آپکے مطبوعہ دیوان میں اپنے مذاق کے مطابق پائے تذکرہ میں درج کردئے ہ

لکھوں دیواں میں گر کچھ قصہ طول زلف جاناں کا	ازل مطلع ہو دیواں کا ابد مقطع ہو دیواں کا
جو شب کو میرے ماتم کے لئے منہ کھول کر آیا	ہوا روشن چراغ آرزو شہر خموشاں کا
لب جاں بخش کی سرخی کا عالم دیکھکر اے جاں	ہُوا جاتا ہے ٹکڑے ٹکڑے دل لعل بدخشاں کا
چھپانے سے نہیں چھپنے کا قاتل خون ناحق یہ	شہادت نامہ ہے دامن ترا خون شہیداں کا
بہار گلشن فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں	اٹھا دیتے ہو پردہ جس گھڑی رخسار تاباں کا
نمک پاشی کا زخموں پر مزے جب قصد کرتے ہو	خوشی منہ چومتی ہے ہنسکے اپنے زخم خنداں کا
جلوۂ رُخ سے کیا گھر بیخودی نے آنکھ میں	جب اُٹھا پردہ اُدھر تو پھر ادھر پردہ ہُوا
جان کے جانے کی کچھ پروا نہیں پر غم یہ ہے	دامن قاتل پہ میرے خون کا دھبا ہُوا
کشتۂ تیر نگاہ ناز مدفوں ہوگیا	اب تو دل اوکاوش مژگاں ترا ٹھنڈا ہُوا
رہتا ہے بے چین مدت تک تعلق دل کا بھی	غیر کے پہلو میں بیٹھے درد یاں پیدا ہُوا
مرگیا عاشق تمہارا ہوگیا قصہ تمام	آرزو ئے وصل کا بھی آج منہ کالا ہُوا
شوئے مہ گر ہوا یا خنجر ابروئے قاتل کا	نظر آئے فلک پر بھی تماشا رقص بسمل کا
لگایا اپنے سینے سے اٹھا کر اُسکو قاتل نے	تڑپ کر جا پڑا قدموں پہ جب سر اُسکے بسمل کا
خدا کا شکر کہ اب تک کمال حسن ہے ورنہ	کمال اک شب فقط رہتا ہے مہماں ماہ کامل کا

کر دیتے تھے - استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ پوری پوری غزلیں اور مختلف اشعار شعرا مع تخلص نوک زبان تھے - اپنے دیوان اور مثنوی میں بھی کئی جگہ کسی غیر معمولی حرکت یا ترکیب الفاظ کی سند میں آپ نے کئی کئی شعر حاشیے پر لکھدئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے - ایک مرتبہ حضرت شاہ عالم بادشاہ کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" پر آپ نے فی البدیہ یہ مصرع چسپاں کیا ع نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں ۔ اور پھر حضور کی فرمائش سے اسی زمین کی غزل کے بہت سے شعر اس طرح سنا دئے گویا گھر سے یاد کر کے آئے تھے - اُسی صحبت میں کسی نے "وقت سحرگاہ" کی ترکیب پر شبہہ ظاہر کیا اور لفظ گاہ کے ساتھ وقت کو فضول و زائد قرار دیا آپ نے فوراً مرزا صائب کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

خواب در وقتِ سحرگاہ گراں می گردد	آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد

قلعۂ معلی کے قریباً تمام شاہزادے اور دہلی کے اکثر امیر زادے آپکی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور حضرت شاہ عالم تو آپ کے حال پر خاص نظر عنایت فرماتے تھے - مجلس خاص کے وقت جس میں گنتی کے آدمیوں کو بار ملتا تھا آپ اکثر موجود ہوتے تھے - بادشاہ اِن کے اشعار بڑے شوق اور رغبت سے سُنا کرتے تھے - حضرت اکبر شاہ ثانی کے حضور میں بارہا آپکے اور شاہ نصیر کے مطارحات ہوئے اور اس پر بھی دربار شاہی میں آپ کی عزت برقرار رہی - باوجودیکہ خداتعالی اسنے طبیعت شاعرانہ اور رنگین عطا فرمائی تھی مگر اس پر بھی آپکو زمانہ کی ہوا نہ لگنے دی اور حافظِ قرآن ہونے کا پورا پورا لحاظ رکھا - چنانچہ شاہ نصیر نے بھی ایک مرتبہ کسی بات پر بگڑ کر حافظ قرآن ہونے پر اسطرح چوٹ کی تھی ؎

پر چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھکر	اے خالِ رخِ یار تجھے ٹھیک بناتا

علوم متداولہ اور فنونِ نفیسہ میں کامل دستگاہ تھی یا اپنے زمانے کے اُستادوں میں شمار ہوتے تھے - بڑی عمر ہونے کی وجہ سے اگر ایک طرف جرأت - انشا مصحفی اور نصیر کے ہم آہنگ

کعبہ سمجھ کے توڑتے ہیں دل کو اور بھی
سچ تو یہ ہے بتوں کو خدا کا بھی ڈر نہیں

قبر کو میری یہ ٹھکرا کے لگا کہنے وہ شوخ
فتنۂ حشر کو بیدار کروں یا نہ کروں

بیکسی و نامرادی ساتھ اب چھوڑینگی کیا
شام غربت میں گئی صبح وطن کی آرزو

صدا ہے دردناک ایسی ہمارے شور و شیون کی
بیانِ دوست کیا چھاتی بیٹھی جاتی ہے دشمن کی

تیغِ نگۂ ناز نے کشتہ کیا سب کو
عالم میں جو ہر دیکھو دُہائی (?) ہے نظر کی

چھوڑ کر عشقِ بتاں کو اے احسن
کعبے کو بت خانے سے کیونکر چلے

کیا بدنام مجھکو مارا تو نے
قضا رو کر یہ کہتی ہے او اسے

جب دونوں کی خلقت ہوئی اِک کُن کی صدا سے
پھر شیخ میں ہے کیا جو برہمن میں نہیں ہے

وہی فضلِ الٰہی ہے شریکِ مجرماں ہر دم
وہی بخشش وہی رحمت جو آگے تھی سو اب بھی ہے

بے خودی میں اس قدر محوِ جمالِ یار ہوں
جس طرف میں دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے

کہتے ہیں وہ کہ میری بلا بھی نہ آئیگی
کیا وہ نہ آئیں گے تو قضا بھی نہ آئیگی

احسان

احسان - شاعر خوش کلام سخن ور عالی مقام حافظ عبدالرحمٰن خاں خلف حافظ غلام رسول خاں شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختارِ کل تھے۔ استادِ سلاطینِ زمن کے لقب سے مشہور اور شعرائے پایۂ تخت میں ممتاز و سربلند تھے۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر مولف تذکرہ گلستانِ سخن پہلے انہیں کے شاگرد تھے۔ مشقِ سخن کمال کو پہنچی ہوئی تھی ساٹھ ستر برس کا ملکہ تھا جملہ اصنافِ سخن پر قادر اور فارسی و ریختہ دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ مگر طبیعت اُردو کی جانب زیادہ مائل تھی۔ چنانچہ اپنے ایک شاگرد کو اُردو میں غزل کہنے کا شوق دلانے کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی است"۔ بایں ہمہ فارسی کی زبردست استعداد رکھتے تھے۔ اساتذۂ فارس کے ہزاروں شعر آپ کو زبانی یاد تھے اور جب کوئی آپ کے شعر میں کسی لفظ یا ترکیب پر اعتراض کرتا تھا آپ تڑاق سے سند میں اُستادوں کا کلام پیش

اور اُن سے اُس زمانے کے بعض تاریخی واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کا کلیات اب عنقا کا حکم رکھتا ہے بڑی تلاش و جستجو سے ایک قلمی کلیات جو ضخامت میں تیس جزو کے قریب ہے دستیاب ہُوا ہے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی یوسف زلیخا بھی بہت عمدہ لکھی ہے۔ یوں شاگرد تو سیکڑوں تھے لیکن اِن سب میں صرف مرزا ثابت اور مرزا صابر نے اُستادی کا درجہ حاصل کیا۔ ایام ضعیفی میں بھی شوقِ سخن کا یہ عالم تھا کہ کوئی مشاعرہ ناغہ نہ ہوتا تھا۔ نواب اعتمادالدولہ سید فضل علیخاں دہلوی کی وزارت میں ایک مرتبہ لکھنؤ بھی گئے مگر وہاں انکے کمال کی جیسا چاہیے قدردانی نہوئی آخرکار بیچاسی برس کی عمر ۱۲۶۱؁ھ ہجری میں رحلت فرمائے عالمِ بقا ہوئے مرزا صابر نے تاریخِ وصال اسطرح موزوں فرمائی ؎

عین ہنگامِ الم میں صابرِ دلگیر نے	اپنے دل کو تھام کر با صد غم و با صد بکا
کی رقم اُس معدنِ احساں کی تاریخِ وفات	دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احساں اُٹھ گیا ۱۲۶۱؁ھ

مولوی عنایت الرحمٰن خاں مرحوم سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم حیدرآباد دکن اور مولوی احسان الرحمٰن خاں رئیس دہلی انکے پوتے ہیں۔ مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے خانبہادر غلام محمد حسین خاں دہلی میں میونسپل کمشنر ہیں اور انکے چھوٹے بھائی ابوالحسن خاں صاحب منصفی کے عہدے پر ممتاز اور راقم تذکرہ کے کرمفرما ہیں لال کنوئیں کے بازار میں انکی بنائی ہوئی ایک عالیشان حویلی اب تک موجود ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

	قطعہ	
ہوں شہِ ہند کا اُستاد یہ ہے فخر مجھے		شہرہ میرا تو شہا تا شہِ ایران گیا
عرضِ عمّاز پذیرا جو ہوئی حق میں مرے		کیا گیا میرا مگر اُسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہُوا قلعہ میں احسان نہو		سُن کے اس بات کو اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہِ جہاں قدر شناسِ احساں		خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو		قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا
قاضی مے گنگوں کی حرمت ہے کتابوں میں		لیکن ہے بڑی ذلّت رشوت کا بچا جانا

تھے تو دوسری جانب ذوق۔ ممنون۔ مومن۔ اور غالب کے ہم عصر تھے۔ چنانچہ انکے کلیات میں اِن سب اساتذہ مذکورہ کی ہم طرح غزلیں موجود ہیں۔ آپ کی اُستادی میں کچھ کلام نہیں۔ زبان کی صفائی۔ الفاظ کی شستگی اور برجستگی میں آپ نے بڑی کدوکاوش کی جہانتک بنا مغلق الفاظ بپیچیدہ تراکیب وتکرار اضافت کو پاس نہ آنے دیا۔ ہاں رعایت لفظی ومعنوی سے منہ نہ موڑا تاہم طرز بیان نہایت صاف۔ سہل اور بے تکلف ہے۔ ابوظفر سراج الدین بادشاہ خاتم سلطنت مغلیہ نے ہمیشہ آپکی عزت وتوقیر فرمائی اور حضرت احسان کو تازیست وظیفہ شاہی کے احسان سے سبکدوش نہونے دیا۔ حسب اتفاق ایک مرتبہ وظیفہ میں کچھ دیر ہوئی تو آپ نے عین شکار ماہی کے موقع پر یہ قطعہ فی البدیہ لکھکر پیش کیا ؎

صید ماہی و صیدِ دل شاہا	خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا	یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے	وہ دوماہا گیا ہے میرا ڈوب
اُس کو بھی حکم ہو نکل آئے	صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

اسی طرح ایک اور مرتبہ تنخواہ رُک جانے کی شکایت میں ایک طویل قطعہ موزوں فرماکر حضور شاہی میں گزرانا تھا جسکی وہی زمین ہے جو مرزا غالب کے اس مشہور قطعہ کی ہے ؎

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک	خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

اس قطعہ میں حضرت احسان نے کہاروں۔ بنیئے اور بنیئی کی گفتگو بڑی لطیف ومعنی خیز بیان کی ہے عجب نہیں جو مرزا غالب کو اس زمین کا خیال احسان ہی کے قطعے سے پیدا ہوا ہو +

علیٰ ہذا ایک اور مزے دار قطعہ جسے ہمنے انتخابیہ کلام کے شروع میں ہدیۂ ناظرین کیا ہے آپ نے حضرت اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں اُس موقع پر پیش کرایا تھا کہ دشمنوں نے انکی طرف سے کان بھرکر قلعہ معلی میں آمدرفت سلام ومجرا سب بندکرادیا تھا +

آپ کے کلام میں عاشقانہ رنگ خوب ہوتا ہے اکثر قطعے بڑے لطیف اور مزیدار لکھے ہیں

ہماری جان پہ گرتی ہے برقِ غم ظالم
ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ سا احساں

تجھے تو سہل سا ہے شغل مسکرانے کا
وہاں ہے شغل اُسے زلف کے بنانے کا

۴
[illegible]
۶

اے خوشی آ جا کہ بیٹھی ہے رخصتِ غم آج ہے
غم تجھے رخصت کہ لایا ابر پیغامِ شراب

تڑپا جو میں تو برقِ فلک ناز نے کہا
اللہ رے مشتِ خاک و کفِ گل کا اضطراب

جب کہ تجسا صنم اے بت ہو میسر تنہا
پھر خدا ہے کہ رہے بندے کا ایمان درست

مارا خیالِ زلف نے دل پر جو دام رات
دیکھا کیا ہوں خوابِ پریشاں تمام رات

دم کھنچا آتا ہے ساتھ اسکے مرا اے ہمدم
آہ پہلو سے مرے ناوکِ دلدار نہ کھینچ

تنخواہ ایک بوسہ ہے تسپر یہ حجتیں
ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح

پان اُسنے ہے چبایا ٹک دیکھو یہ تماشا
بنتا ہے یاں زمرد ابِ لعلِ ناب کیونکر

فکرِ شراب دل میں ذکرِ بتاں ہے لب پر
میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر

محکومت ٹھگ او بس چلئے سنبھل کر دیکھکر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھکر

کوٹھے پہ چڑھا کر تو مری جان سمجھ کر
پریاں نہ اُتر آئیں پرستان سمجھ کر

سرو سے قمری پھرے ہے بگاڑی بگڑی باغ میں
کیا شگوفہ تو گیا سرو چراغاں چھوڑ کر

فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر

نہ چمن باغ میں مجکو نہ بہار آئے نظر
کیا نظر آئے کہ جب تو ہی نہ یار آئے نظر

کشتۂ خنجرِ مژگاں ہوں کہ جس دم سوؤں
کوئی کھینچے ہوئے سینے پہ کٹار آئے نظر

دوش بدوش دوش تھا مجسے بتِ کرشمہ کوش
پردہ درِ خیامِ عقل رخنہ گرِ حریمِ ہوش

غازہ برو مسی بلب پان بدہن حنا بکف
سلکِ درِ عدن بسر طرۂ عنبریں بدوش

بل ہیں مریض وہ کرے دم میں شفا دے مجھے
آہ وہ چشمِ مے پرست واہ وہ لعلِ بادہ نوش

منکرِ مے تھا شیخ کل آج یہ حال ہے کہ ہے
جام بدست و خم بسر شیشہ ببر سبو بدوش

نچھوڑ زوجۂ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص
اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص

قطعہ

بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں　　مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بجا جانا

ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہوا یعنی　　جب بے است بجی آدھی ہم پاس تو آجانا

چھٹ گیا قصۂ دنیا سے تو مر کر منعم　　کہ غمِ مال گیا اور غمِ اولاد گیا

دلِ صد چاک کی پوچھی جو خبر اُسنے وہیں　　گُلِ صد برگ مرے سامنے لاکر توڑا

دلا دو زلف سے دل ورنہ سب سے کہتا ہوں　　کہ مجکو ایک لٹیرے نے ابھی ہے لوٹا

قطعہ

دل مرا زندانِ الفت میں سدا قیدی رہا　　پہلے اُسکی ابروئے پُرخم پہ مائل ہو گیا

جب ہوا واں سے رہا پھر زلف میں جاکر پھنسا　　طوق سے چھوٹا تو پابندِ سلاسل ہو گیا

اگر ہو اتفاق آپس میں تنگی بھی گزر جائے　　گزارا ایک پیراہن میں ہے بادام توام کا

یاروں سبھوں کو میرے گریباں کی فکر ہے　　ناصح کے مُنہ کو آن کے کوئی نہ سی گیا

سخت نادانی کی احساں جو کہا عاشق ہوں　　بھید کہتا ہے کسی سے کوئی دانا دل کا

گلے سے لگتے ہی جتنے گِلے تھے بھول گئے　　وگرنہ یاد تھیں مجکو شکایتیں کیا کیا

پہونچ اے اجل کہ لب پہ اٹکا ہے کام جاں کا　　حامی ہے کون تجھ بن آفت رسیدگاں کا

کبھی شادی کبھی غم ہے یہی عالم ہے عالم کا　　یہ عید الضحیٰ گزرا تو چاند آیا محرّم کا

آتش جگر میں لگا ہے کہ شعلہ جاں میں دیکھا　　اللہ ہمنے کیا کیا عشقِ بتاں میں دیکھا

تجکو کبھی نہ دیکھا دیکھا جہان سارا　　گرچہ تجھی کو میںنے سارے جہاں میں دیکھا

قطعہ

شہرہ ہے لکھنؤ کا لیکن نعوذ باللہ　　مومن جو واں ہیں انکو کفرِ نہاں میں دیکھا

دلّی کے ہندوؤں میں ہیں اہلِ دل ہزاروں　　دلّی سا شہر کس نے ہندوستاں میں دیکھا

جو ہیں کھرے اُنہیں کو دس کھوٹیاں سُنائے　　ہمنے نیا سلیقہ اِس نوجواں میں دیکھا

خاک ہو کر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا　　کیا کہوں لیک نہ کمبخت حیا نے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لے گیا　　خونِ محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

بجھی جو شمع تو پروانوں پر ہوا روشن　　کہ بعد مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

اہلِ دیں ہم جان کر بہرِ زیارت تھے گئے
حضرتِ احساں کو دیکھا ایک دنیا دار ہیں

عکس پر دیں دیکھ کر بولا وہ پر فن آب میں
کس نے پھینکی ہو بتوں کی میری سمرن آب میں

جو سیہ روئے ازل ہیں وہ سپید اصلا نہوں
آ اگر ہے شبہ کچھ دھو دیکھ جاسن آب میں

خریدار ایک قطرہ کا ہوں میں طوفانِ الفت سے
مگر جو لوگ دریا دل ہیں دریا مول لیتے ہیں

ترے دیدار کو جو چھوڑ کر قانع ہیں جنت پر
وہ دیں کو بیچتے ہیں اور دنیا مول لیتے ہیں

خدا محفوظ رکھے اِن بتوں سے اے مسلمانو
وہ بے ایمان یہ ہیں جو کہ ایماں مول لیتے ہیں

بنائے قصرِ عمر اپنی ڈھئی جاتی ہے یاں ہر دم
قصورِ عقل سے ہم قصر و ایواں مول لیتے ہیں

ہمارے لعلِ لختِ دل نہ لیویں گاہ یا قسمت
یہ مرجانے کی باتیں ہیں وہ مرجاں مول لیتے ہیں

جگر کو دل کو مژدہ دے تو اے پیکِ اجل جا کر
کہ بہرِ سینۂ احساں وہ پیکاں مول لیتے ہیں

چھیڑ تو دیکھو سُنا کر مجھے غیروں سے کہا
آج عاشق ہم کو صدقے کے لئے درکار ہیں

عشق ہی جسکو نہیں ہے اُسے ایمان نہیں
اپنے مذہب میں وہ کافر ہے مسلمان نہیں

ہتھیلی پر ہے سر اور پاؤں اُس کوچے میں ہے اپنا
خریدارِ محبت ہاتھ میں بیعانہ رکھتے ہیں

شکم پرور قیامت کو نہ بخشائیں تو میں جانوں
کہ دوزخ کے لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

مسجد میں یاد آوے جو نامِ خدا وہ بت
سر ٹیکوں اسطرح سے کہ منبر کو توڑ دوں

قطعہ

فرطِ الفت سے یہ فرمایا ظفر نے احساں
"ہم تمہیں جانتے ہیں تم ہمیں کیا جانتے ہو"

عرض کی مینے کہ میں ذرہ ہوں اور تم خورشید
فخرِ ذرہ ہے کہ ذرہ کو ذرا جانتے ہو

اور یہ اور عنایات گدا پر اپنے
گرچہ اُستاد ہوں شاگرد شہا جانتے ہو

دو بھی بوسہ مجھے یک ماہ میں اے ماہ ندو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ ند و ÷

جیوں میں کیونکہ خفا مجھ سے آہ جب تم ہو
کہ میری زیست کے اے جانِ من سبب تم ہو

اُس سے پوچھے ہے جو احسانِ وفا پیشہ کبھی
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

حالِ دلِ حزیں جگرِ خستگاں پہ رحم
مینے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

یاد تو حق کی تجھے یاد ہے پر یاد رہے
یار دشوار ہے وہ یاد جو ہے یاد کا حق

گو مر چکا ہوں پر دلِ مضطر کے ہاتھ سے
میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

گر ہے دنیا کی طلب زاہدِ مکار سے مِل
دیں سے ہے مطلوب تو اِس طالبِ دیدار سے مِل

گر وفا چاہئے تو ہمسے وفادار سے مِل
زر ہے درکار تو جا کر کسی زردار سے مِل

ڈھونڈتے بہرِ شکم ہیں رات دن دولت کو ہم
یاں تو دوزخ کی پڑی ترسینگے واں جنت کو ہم

قیمتِ بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ
آج بے قیمت ہی لینگے جنسِ بے قیمت کو ہم

ق
زاہدا واحد ہے وہ وحدت میں اسکے شک نہیں
رازِ وحدت کیا سُنائیں تجھسے بے وحدت کو ہم

شعرِ یہ کندہ تھا اُس شیریں بیاں کی قبر پر
خوب روئے دیکھکر فرہاد کی تربت کو ہم

واہ واہ اے بادشاہِ عشق تیری منصفی
راحت اوروں کے لئے خدمت کو ہم محنت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور
اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

غم ساتھ ہُوا گلی سے تیری
اِک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
گر عسس منع کرے اُسکا لہو پی جاؤں

میں تڑپتا ہوں غمِ عشقِ بتاں میں احساں
حکما فضلِ الٰہی خفقاں کہتے ہیں

خفا مت ہو مجکو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر ہے آستانے بہت ہیں

مجکو مت چھیڑ کہ سرتا بپا تاثیر ہوں
برق ہوں آہ سحر ہوں نالۂ شبگیر ہوں

سوالِ وصل پہ دیتا ہے شمع رو یہ جواب
دِیا دِیا نہ دیا مجھ پہ کچھ یہ دَین نہیں

قطعہ
حکم والا ہو کہ یہ دلّی بھی پھر آباد ہو
یا علیؑ تم بن کوئی اِس شہر کا والی نہیں

یا گجر ہی صبح کا فرقت کی شب بجتا نہیں
یا کوئی اس شہرِ نا پرساں میں گھڑیالی نہیں

بس ترے آتے ہی مجکو چین سا کچھ آگیا
اب وہ بے چینی وہ بیتابی وہ بے حالی نہیں

نالۂ آتش عناں ہے برق اسکو مت سمجھ
دودِ آہ عاشقاں ہے یہ گھٹا کالی نہیں

دو ہی دن کے عشق میں احساں یہ صورت بنگئی
مُنہ پہ وہ رونق نہیں چہرہ پہ وہ لالی نہیں

مجنوں کو اپنی لیلی کا محمل عزیز ہے		دل میں ہمارے تو ہے ہمیں دل عزیز ہے

(احسان) منشی احسان علیخاں آحسان ولد منشی اکرام الدین علیخاں۔ سرکار رامپور کے قدیم متوسل اور وہاں کے سخن سنجوں میں ممتاز ہیں۔ ابتدائی عمر میں مولوی حسین شاہ بغدادی سے استفادہ کیا۔ عربی فارسی کی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی۔ آغاز شباب سے طبیعت شعرگوئی پر مائل ہوئی۔ باوجودیکہ آپ خود ایک کہنہ مشق شاعر ہیں مگر پھر بھی حضرت داغ دہلوی کی قادر الکلامی اور سحر گفتاری کے قائل اور انکی شاگردی کا دم بھرتے ہیں۔ حضرت داغ کے قیام رامپور کے زمانہ میں بقدر فیض اُٹھایا کہ فی زمانہ وہاں کے سخنوروں میں رتبۂ یگانگی حاصل ہے اپنے بلند نام اُستاد کی دلفریب اور دلگداز طرز کو پورا پورا اپنا اور نباہ رہے ہیں۔ زبان کی صفائی اور کلام کی دلبستگی کے لحاظ سے آپ نامی معاصرین پر فوق رکھتے ہیں اسوقت میں سن شریف ساٹھ برس کے قریب ہے۔ مشق سخن کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپکی ہمت عالی کچھ غزل ہی تک محدود نہیں بلکہ اکثر اصناف سخن پر قادر ہیں۔ خیال کی رسائی اور معاملہ کی بندش سخن فہموں کو اپنی طرف کھینچتی ہے امیر مرحوم اپنے تذکرۂ انتخاب یادگار میں انکے حالات اسطرح تحریر فرماتے ہیں کہ "ان کو مجالس عزا میں سوزخوانی کا شوق ہے نوحہ اور سلام کہنے کا ذوق ہے۔ فکر اچھی ہے طبیعت ذکی ہے۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہیں۔ اکثر انہیں کی صحبت میں رہتے ہیں" بہرحال اسوقت حضرت داغ دہلوی کے نامی تلامذہ میں آپ کا دم غنیمت ہے ۵

شاد کیوں ہوتے ہو سُنکر غل مری فریاد کا		شور ماتم کیا ترا نہ ہے مبارک باد کا

جلوۂ ہوش رُبا یار کا اچھا دیکھا	ہو گئے آپ تماشہ یہ تماشا دیکھا
ہم رہے آپ میں جبتک نہ وہ جلوہ دیکھا	ہوئے بیخود تو خدائی کا تماشا دیکھا
اُف رے بالیدگیٔ قطرۂ اشکِ حسرت	آنکھ سے گرتے ہی جسنے اسے دریا دیکھا
ذبح پہروں میں کیا کُند چُھری سے مجھکو	گھڑیوں پھر میرے تڑپنے کا تماشا دیکھا
بن گیا آئینہ میرے لئے سارا عالم	اُٹھ گئی آنکھ جدھر یار کا جلوہ دیکھا

جنت میں مجکو اُسکی گلے سے ہیں لے چلے | کیا جانئے کہ مجسے ہُوا آہ کیا گناہ

آگ اِس دل لگی کو لگ جائے | دل لگی آگ بھڑکانے لگی

مہر تعبیر تری ہے تری تفتہ جگری روز جشر | دامن صحرئے محشر اُسکا اک رومال ہے

سرمۂ چشم بتاں کی کہوں کیا خوبی ہے بھلی | گھر کے گھر کھو دئے اور آنکھوں میں گھر کرتا ہے

دکھایا زلف کا عالم تو بس یہ میرا عالم ہے | اساس صبر برہم ہے بنائے عقل درہم ہے

نہیں ہے خوبی زیر نگین تاجداراں بھی | اگر شاہ جہاں یاں ہے برائے نام خرم ہے[51]

بوسہ لیا تو ہوکے خفا دل رُبا چلے | ہے ہے مزے کی بات سے تم ہیزا چلے

پیر مغاں کی یہ ہے کرامات ساقیا | یوں میکدے میں ساغر ہدایت ٹپا چلے

مرنے کے بعد آن کے کیوں ہیں پڑے یاں | لو آج اپنے کشتے کی منت بڑا چلے

ذرا تو دم لے دم تیشۂ غم شیریں | کہ سانس لینے کی طاقت تو کوہکن میں رہے

مجکو مسجد سے نکالا تو بس اب یہ ثواب | زاہدا تو ہی بتا خانۂ خمار مجھے

نقد ئی داغ دل غم الفت میں مل گئی | دولت لکھی تھی جو مری قسمت میں مل گئی

ولدادہ تیرے سایۂ طوبیٰ میں ہیں کھڑے | قامت کی تیری داد قیامت میں مل گئی

قطعہ

اگر جنگل میں لٹ جائے تو کوئی کیا تعجب ہے | مگر تحقیق ہو تو چور کی مشکل رہائی ہے

مری تنخواہ لوٹی ان لٹیروں نے حویلی[52] میں | بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دوہائی ہے

چین تجکو بھی نہ میرے ستانے والے | تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانیوالے

بس خاک قدم دیجئے تکرار ہبت کی | مٹی مری اس خاک نے ہی خوار ہبت کی

احسان

احسان) ان کا نام نہیں معلوم - لکھنو کے رہنے والے اور مرثیہ گوئی میں مشہور تھے - نواب سعادت علی خاں اور نواب غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا - انکا ایک شعر دستیاب ہوا وہ ہی لکھا جاتا ہے[5]

[51] اسمیں لطف یہ ہے کہ شاہجہاں کا بادشاہزادگی میں خرم نام تھا ۱۲

[52] قلعہ معلی دہلی کو عوام لال حویلی بھی کہتے تھے ۱۲

یہ اثر تیرا ہم اسے دور قمر دیکھتے ہیں
سب بے ہنر عیش میں ہیں اہل ہنر دیکھتے ہیں

قطعہ
پڑ گیا ہے ہمیں غم کھانے کا لپکا اب
رنج ہوتا ہے مسرت کو اگر دیکھتے ہیں

راہ وہ چلتے ہیں ہم لگتی ہے جس میں ٹھوکر
کام وہ کرتے ہیں ہم جس میں ضرر دیکھتے ہیں

قطعہ
عشقِ بتاں میں سود ہے اے دل زیاں نہیں
سر دے کے بھی ملے تو یہ سودا گراں نہیں

میں ہوں وہ جان جس کو نہیں احتیاجِ جسم
وہ جسم ہوں میں کچھ جسے پروائے جاں نہیں

میں وہ زیاں ہوں سود کا جس میں نہیں پتہ
وہ سود ہوں میں نام کو جس میں زیاں نہیں

ہوں وہ خزاں بہار کی جس کو نہیں امید
میں وہ بہار ہوں جسے خوفِ خزاں نہیں

وہ درد ہوں کہ جس کی میسر نہیں دوا
وہ حال ہوں جو قابل شرح و بیاں نہیں

کرتا تھا پہلے نفع بھی اکثر ہمیں ضرر
اب تو یہ حال ہے کہ زیاں بھی زیاں نہیں

یہ جھوٹ ہے خدا کو یہ بت جانتے نہیں
یہ خوب جانتے ہیں مگر مانتے نہیں +

اچھا ہے آپ ہم کو اگر جانتے نہیں
خوش رہیے ہم بھی آپ کو پہچانتے نہیں

تیری ضرور مانیں گے احسان ہم بھی
یہ بت خدا رسول کی تو مانتے نہیں

آسماں ٹوٹ پڑے سر پہ مصیبت آئے
پر کسی بت پہ الٰہی نہ طبیعت آئے

کیونکر اُسکی خبر ملے جب تک
آدمی بے خبر نہو جائے

کھا تو لیں ہجر میں مگر ڈر ہے
زہر قاتل شکر نہو جائے

قطعہ
کیوں نہ آئینہ سے ہو مجکو تنفر احساں
عیب یکتائی انساں میں لگا دیتا ہے

اِس سے بڑھکر نہیں آفاق میں مشرک کوئی
ایک کے دو یہی کمبخت بنا دیتا ہے

مجھ پہ دیتے ہیں غیر کو ترجیح +
اِس ستم کو ملاحظہ کیجیے

میں یہ کہتا ہوں نہ نکلے غمِ جاناں دل سے
دل یہ کہتا ہے کہ مشکل مری آساں ہو جائے

اُف رے بالیدگی اے دردِ محبت تیری
گر لگے پھانس کلیجے میں تو پیکاں ہو جائے

اُس کو یقیں ہے آکے میں زندہ نہ پاؤنگا
مُڑ مُڑ کے دیکھتا ہے مرا نامہ بر مجھے

قطعہ

لائی تاثیرِ محبت اُنہیں میت پہ مری
کھول کر بندِ کفن کے مرا چہرا دیکھا

مُنہ پہ مُنہ رکھ کے بصد درد یہ رو کر بولے
پیار اخلاص وہ سب آپکا جھوٹا دیکھا

بے ملے چل دئے افسوس بڑی جلدی کی
میرے آنے کا بھی احسان نہ رستہ دیکھا

کیا ہی آرام سے نیند آئے اگر ایسا ہو
ہاتھ تکیہ کی جگہ ہو تہ گردن اُن کا

سر جُھکا لینے کا انداز بھی ہے قاتلِ خلق
تیغ و خنجر سے سوا ہے خمِ گردن اُن کا

عید سے بڑھکے خوشی آج ہی ہے دن بھر
صبح دیکھا تھا جو اُٹھکر رُخِ روشن اُن کا

جو نہ تھا ہمکو گوارا وہ گوارا ہوگیا
اِس محبت کا بُرا ہو ظلم پیارا ہوگیا

غافل اُس بت سے کسی حال میں احساں نہؤا
مرتے مرتے بھی تو کمبخت مسلماں نہؤا

گھر میں اللہ کے واعظ سے نہ بولو رندو
لے چلو اسکو اٹھا کر سرِ منبر باہر

بسم اللہ اُٹھیے کسئے کمر امتحان پر
آیا ہوں میں بھی کھیل کے آج اپنی جان پر

بازار میں بکیں تو ڈریں محتسب سے ہم
جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اپنے مکان پر

ضبطِ فغاں نکرتے اگر ہم شبِ فراق
ہوتا فلک زمیں پہ زمیں آسمان پر

اچھی کہی یہ شیخ نے دنیا کو چھوڑ دو
کیا اسکو ترک کرکے رہیں آسمان پر

کس کس مزے سے کھاتے ہیں ہم ہجرِ یار میں
وہ زہر جس کو کوئی نہ رکھے زبان پر

پینے گئے تھے یا اُسے سمجھانے شیخ جی
دیکھا تھا مے فروش کی مینے دوکان پر

تمہیں چاہا ہے بیشک ہوں اسی تعزیر کے قابل
جگر ہے تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل

روکے ہوئے ہے چار طرف راہ بیخودی
ہوش و حواس کہتے ہیں آئیں کدھر سے ہم

سمجھو تو کیا سمجھتے ہیں ہم تمکو جانِ جان
دیکھو تو دیکھتے ہیں تمہیں کس نظر سے ہم

دل کو بوسہ کے عوض دینے لگا میں تو کہا
دام کھوٹے نہ دو ہم مال کھرا دیتے ہیں

نہ پوچھیں آپ مجھسے مبتلا ہوں کس پہ سچ کہدو
بتادوں جس پہ مرتا ہوں دکھادوں جس پہ مائل ہوں

پی کے ہم بادۂ عرفاں کو اگر دیکھتے ہیں
جلوہ اپنا نظر آتا ہے جدھر دیکھتے ہیں

تصنیف تھا آپ اسوقت حضرت جلال لکھنوی کے شاگردوں میں اختصاص کا درجہ رکھتے اور شعرائے روہیلکھنڈ میں مستند مانے جاتے ہیں - نواح بریلی وشاہجہانپور کے نومشق شعرا اکثر آپ ہی سے مشورہ لیتے ہیں - آپکی بدولت اُس علاقہ میں حضرت جلال کا نام خوب چمک رہا ہے - عربی کی لیاقت بقدر ضرورت اور فارسی کی استعداد زبردست ہے - آپکے اشعار عیوب واسقام سے مبرا اور پاک ہوتے ہیں - بلندیٔ مضمون وشیرینیٔ زبان کلام میں دلچسپی پیدا کرتی ہیں طبیعت غزل گوئی کی طرف زیادہ مائل ہے گو چند قصیدے بھی لکھے ہیں - چنانچہ ۱۸۸۸ء میں اپنے اُستاد کے حکم سے نواب صاحب بہادر منگرول کی تعریف میں ایک قصیدہ مشتمل بر مناظرہ حسن وعشق نہایت نفیس و پُر مضمون لکھا جسکے صلہ میں چار سو روپیہ انعام پایا - آخر دسمبر ۱۸۹۱ء میں منگرول بھی تشریف لے گئے کئی برس ہوئے آپ دکن جا کر حضرت داغ مرحوم کے بھی شاگرد ہوئے تھے مین ہنگام اشاعت تذکرہ کلام وحالات موصول ہوئے - چنانچہ باختصار حال ضبط تحریر میں آیا اب دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو

اس کو نہ سوچئے کہ ستم یا کرم ہوا
خنجر اُٹھائیے سرِ تسلیم خم ہوا

دل کیا ہے جان بھی ہم صدقے کرینگے تیر
جو کچھ دیا ہے تو نے وہ سب ہے مال تیرا

تم سلامت رہو مٹجانے دو امیدوں کو
بات کیا تھی کہ جو افسوسِ تمنا ہوتا

کوئے جاناں سے نکلوائے گئے
وحشیوں کو خاک اُڑا کر کیا ملا

چھاتی سے لگی رہتی ہے تصویر ہمیشہ
جی سے تری صورت کو اُترنا نہیں آتا

سو جلوے ہر نگاہ میں ہیں وقت انتظار
آنکھوں کو تیلیوں نے تماشا دکھا دیا

روز آتے ہیں وہ دیکھنے کو میرا اضطراب
دردِ جگر نے مجکو تماشہ دکھا دیا

آنکھ ملتے ہی دلِ درد آشنا جاتا رہا
کیا کہیں کیا مل گیا آج اور کیا جاتا رہا

برسوں خرامِ ناز کی کھائی ہیں ٹھوکریں
مجکو مٹائے گا ستمِ روزگار کیا

پیار وہ آئینہ میں عکس کو اپنے کر کے
مجھسے کہتے ہیں بُرا ہوتا ہے آنا دل کا

کچھ عجب حال ہے جب سے اُسے دیکھا کیا ہے	ہم نہیں آپ میں احسان یہ تماشا کیا ہے

احسان

(احسان) حاجی احسان اللہ صاحب سوداگر ڈیرہ دون - اپنے آپ کو مرزا غالب مرحوم کا شاگرد بتاتے ہیں اشعار ذیل سے اُستاد شاگرد کے کلام کا موازنہ ہوسکتا ہے

میں نے کہا کہ غیر کے کوچے میں کیوں گئے	کہتے ہیں کس ڈھٹائی سے پھر تمکو کیا غرض
ٹوٹے گا رنگ تار کے زُنار کی طرح	کھینچا اگر خیال میں تصویر یار کو
نہ آنا ہوسکا احباب سے افسوس اے احسان	کبھی جا کر ہمارے حال کی انکو خبر کرتے

احسان

(احسان) ابو الاعجاز منشی احسان علیخان خلف منشی قاسم علی شاہجہاں پوری - حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ سید جلال الدین بخاری کی نسل میں سے ہیں ۱۲۷۰ھ ہجری میں بمقام اونلا ضلع بریلی پیدا ہوئے - پھر انکے والدین شاہجہانپور چلے آئے اور یہیں مستقلاً سکونت اختیار کی - چنانچہ انکی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی - سولہ برس کی عمر میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی حافظ نثار احمد خاں تائب سے اصلاح لینی شروع کی - جب کچھ مشق بڑھی تو کسی سخنور کامل کی ضرورت محسوس ہونے لگی چنانچہ حکیم میر ضامن علی صاحب جلال سے جو اس زمانہ میں سرکار نواب کلب علیخاں مرحوم والی رامپور میں ملازم تھے استفادہ شروع کیا یہ ۱۸۸۰ء کا ذکر ہے - ۱۸۸۴ء میں بہ تلاشِ معاش گورکھپور پہنچے اور محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کر کے ۶ برس تک گرداوری - منصرمی اور پیشکاری کی خدمات انجام دیتے رہے - بالآخر ۱۸۹۰ء میں سند مختاری حاصل کر کے وطن آکر عدالت فوجداری و کلکٹری میں مختاری شروع کردی - اب یہی وجہ معاش ہے ۱۸۹۶ء میں گلدستہ ارمغان جاری کیا جو کئی سال تک جاری رہ کر بند ہوگیا - برسوں سے آپ کا کلام مشہور گلدستوں کی زینت کا موجب خیال کیا جاتا ہے - دیوان اول موسوم بہ خمکدۂ خیال ۱۸۹۳ء میں شایع ہوچکا ہے دوسرا دیوان بھی تیار ہے جس سے آپ کی پُرگوئی کا اندازہ ہوسکتا ہے - فی الحال اپنے وطن شاہجہاں پور کی تاریخ لکھ رہے ہیں فن تشبیہ میں ایک رسالہ موسوم بہ شبیہ یار ارمغان کے ہمراہ شائع ہُوا کرتا تھا - وہ بھی آپ ہی کی

مہمان تو ہونے دو مرے گھر میں اُنہیں آج
آنکھوں سے مری دل کو زخود رفتہ بنایا
وہ کافر ہے نگہ جو یار کو سوگندِ قرآں پر
مُنہ دکھانے کو کہا ہمنے تو یہ بولا وہ بُت
تیز نالے کو لئے جاتا ہے کیوں اے سارباں
کوچۂ یار میں مٹنا ہے تو پھر دیر ہے کیا
دو گھڑی بیٹھ کے کہتے ہیں وہ وقتِ رخصت
خاک اُڑائیں بھی تو دیں گوشۂ دامن میں جگہ

یہ دیکھنا ہے تجکو وہ کل جاتے ہیں کیونکر
اُو شوخ یہ جادو ترے چل جاتے ہیں کیونکر
سکھاتی ہے کبھی قائم نہ رہنا عہد و پیماں پر
آپ کیا ایمان لائے ہیں خدا کو دیکھکر
خاک مجنوں کو ذرا آلینے دے محمل کے پاس
تجکو سمجھائیں گے ہم اے دلِ شیدا کب تک
گھر کو ہم جاتے ہیں اب درد اُٹھے کا کب تک
کبھی برباد نہو وہ جسے برباد کریں ہم

رہی برسوں دلِ حسرت نشاں میں
مجھے شرمِ گنہ زاہد کو نخوت
گھر میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں مرنے والے
بُرا سننے میں بھی ملتی ہے لذت
قائل ہیں ہم تو اے نگہِ منتظر ترے
لڑتی ہیں اک زمانے کی تجھی سے آنکھیں
مجھسے کہتا ہے وہ ظالم کہ بچائے رکھنا
بتا دیں کہ ہم تمسے کیا چاہتے ہیں
آ گئے جگر و دل ترے تلووں کے تلے کیوں
گھر سے آئے تھے فقط عرضِ تمنا کیلئے
دلِ غیر کے حوصلے ہمکو دے دو

محبت بھی عجب شے ہے جہاں میں
وہ دوزخ میں رہے گا میں جناں میں
قتل ہونے کے لئے کوچۂ قاتل میں رہیں
مزہ ہے خوبرویوں کی زباں میں
جا لگی تار نگہ کیسی نقاب میں
بھر دئے تو نے مئے عشق سے ساغر لاکھوں
دل کو میں آنکھ ملاتے ہی اُڑا لیتا ہوں
تلافیٔ جور و جفا چاہتے ہیں
پامال ہوئے جاتے ہیں نازوں کے پلے کیوں
آپ کیوں ہمسے خفا ہوتے ہیں لو جاتے ہیں
وہاں سے تو آخر نکالے ہوئے ہیں

تری اُٹھتی جوانی نے دئے ہیں داغ لاکھوں کو
کہتے ہیں وہ کہ دل کی تڑپ کا یقیں نہیں

ہزاروں نقش اس اُبھرے ہوئے جوبن کے بیٹھے ہیں
جب تک نہ اپنی آنکھ سے تڑپا کے دیکھ لوں

روزِ جزا کہے گا ہماری ہی کس طرح
وہ دل کہ جو بتوں کا طرفدار ہی رہا

فریب مہر و وفا اب بھی مرنے والوں سے
وہی تو دل ہے ترا جو کسی پہ آ نہ سکا

کھل گیا اک بات میں قفلِ دہن
یار کو منہ چوم کے گویا کیا

انتہا بدنام ہونے کی یہ ہے
ہم نے رسوائی کو بھی رسوا کیا

چتون سے اشارہ ہے یہی چینِ جبیں کا
یوں چھین لو دل کو ہے عاشق نہ کہیں کا

چل گئی ناوکِ نگہ کس پر
کس کو آنکھیں اٹھا کے دیکھ لیا

آہِ سوزاں سے پھنک گیا عالم
تم نے ہم کو جلا کے دیکھ لیا

وہ نیند کا وصل میں بہانہ وہ نیچی نظروں سے دیکھنا پھر
یہ کہتی ہے چشم نیم بستہ ابھی ہے باقی حجاب آدھا

جو حسرتیں ہیں دل میں انہیں تم نکال دو
رہنے دو اک نشانِ محبت کے داغ کا

مکتوب نہ آیا کوئی پیغام نہ آیا
لکھا مری تقدیر کا کچھ کام نہ آیا

مجھے پہلے تم اک نظر دیکھ لینا
جدھر چاہنا پھر ادھر دیکھ لینا

تمہاری گرہ کے نہ دیتے کھڑے ہیں
جوانی کا صدقہ ادھر دیکھ لینا

اُسکا یہی ہے رحم کہ ہمکو ستائے گا
اُسکی یہی ہے صلح کہ آنکھیں لڑائے گا

تنہا نجانے پاؤ گے تم بزمِ غیر میں
ٹھہرے رہو کہ دل بھی مرا ساتھ جائیگا

اے رشک تو نے یہ بھی اجازت نہ دی ہمیں
سنتے زبانِ غیر ہی سے ماجرائے دوست

نجائے گی دل سے تمہاری محبت
کہ ہے جاں سے بڑھکے پیاری محبت

پھر کیا مضطرب کسی نے ہمیں
پھر نئی ہو گئی پرانی چوٹ

ہاتھ رکھکر ہمارے دل پر وہ
کہتے ہیں ہو گئی اب اچھی چوٹ

خانۂ دل میں وہ کب رہتے ہیں مہماں کی طرح
آئے ناوک کی طرح بیٹھے تو پیکاں کی طرح

لپٹا تو لے بڑھکر انہیں اے جوشِ تمنا
تنتے ہیں بہت کچھ وہ برابر سے نکل کر

ہمکو یہ لطف بھی حاصل نہیں او تیر افگن
زخم ہنستا لبِ سوفار کا بوسہ لے کر

فتنہ سازی نگہ ہوش رُبا رہنے دے
آنکھ کے سامنے بیہوش پڑا رہنے دے

خدا کی شان کریمی کو پوچھے ہمسے کوئی
گناہگار بھی ٹھیرے تو بے گناہ ہے

اچھی نہیں ہے وصل کی شب یہ نہیں نہیں
کہنا مرا خدا کے لئے مان جائیے

بے وجہ کب ہیں آج تصدق ہوں آپ پر
وہ کل کا ناز کل کی ادا احسان جائیے +

کہتے ہو کیا ہماری گلی میں ہے کون دفن
ٹھوکر لگا کے پوچھ لو کسکا مزار ہے +

دلِ مضطر میں میرے پھانس بن بنکر کھٹکتی ہیں
تری پلکیں ہیں اے سفاک یا نوکیں ہیں نشتر کی

نہ پوچھو وصل کیا شے ہے کہ جسپر دم نکلتا ہے
یہ وہ آیا ہؤا ارمان ہے جو کم نکلتا ہے +

اُسکے آگے ہوش تو رہتا نہیں
کیا کہے جا کر پیامی دیکھئے

کیوں اب گلی میں خاک اُڑاتا نہیں کوئی
وہ تیرے گیسوؤں کے پریشان کیا ہوئے

ملا میں خاک میں تمنے مِلا یا +
ہوٗا نامِ وفا مجسے کہ تم سے

(احسان) منشی شیخ احسان الٰہی خلف منشی محمود تاجر رونق۔ پنجاب ان کا اصلی وطن ہے فی الحال دہلی کے خوش باش لوگوں میں ہیں تجارت کا شغل ہے۔ پچاس سال کے قریب عمر ہے زندہ دل آدمی ہیں۔ اپنے والد سے اصلاح لیا کرتے تھے اب کچھ عرصہ سے شعر گوئی کا بت کم اتفاق ہوتا ہے ؎

تھا طوفِ حرم میں بھی ترے گھر کا تصوّر
کعبہ مری نظروں میں صنم خانۂ چیں تھا

خاکسترِ رقیب پہ روتے ہیں وہ کھڑے
جل جائیں کاش آپ ہی اپنی فغاں سے ہم

محو بیگانہ وحشی جان گئے ہیں شاید
آشنا یانہ جواب مجھسے ملا کرتے ہیں

محتسب اور تو کچھ دینے کو یاں خاک نہیں
ہاں جو مرضی ہو تو اک جام پلا دیتے ہیں

خنجرِ داد و ستم داد ندبے اور کسی کی
گھر دادیہ بھی وہ بتِ بیداد گر آئے

قابلیت بھی شرط ہے ورنہ
قطرہ قطرہ گہر نہو جائے

رندوں کا بھی دل خوش کیا قاضی کو بھی راضی
مے پی کے گئے مدرسہ اور توبہ کر آئے

خدا نے حشر میں پوچھا ہمیں کو کہ اے شیخ
مزہ گناہ میں آیا کہ بے گناہی میں

اٹھائے ہاتھ جو مستوں نے ابر گھر آیا
کمی ہوئی نہ کبھی رحمتِ الٰہی میں

یوں تو تنہائی میں باتیں ہیں ہزار
اُنکے مُنہ پر کچھ کہا جاتا نہیں

اب ساتھ نہیں چھوڑتے ہُشیار بڑے ہیں
وہ میرے برابر صفِ محشر میں کھڑے ہیں

اُس بت کی محبت میں سبھی ہو گئے کافر
کہنے کے لئے ایک مسلمان ہمیں ہیں

بادہ خوارانِ محبت کا خدا ہے ساقی
خلد سے ساغرِ صہبائے طہور آتے ہیں

جی میں کیا سوچ رہے ہو سرِ تربت آکر
جسطرح چاہو مری خاک کو برباد کرو

اچھا ہے اِک زمانہ بتوں پر نثار ہو
انکو کسی کے مرنے کا تو اعتبار ہو

دونو جگر و دل مرے چلنے کو ہیں طیار
پوچھوں نگہِ یار سے لیجائیگی کس کو

حال پر غیر کے جس لطف سے پیار آتا ہے
تم دکھا دو وہی اندازِ ترحم مجھکو

یہ ہوا حضرتِ واعظ کی نصیحت کا اثر
توبہ کرنے سے بھی ہر مست نے کرلی توبہ

شیخ جی جھوٹ نہ بولو کہ خدا سُنتا ہے
آپ کے سامنے مجھ رند نے کب کی توبہ

پارسائی مری اِک دن سے زیادہ نہ رہی
جب کبھی صبح کو کی شام کو توڑی توبہ

تم اپنے وصل کے سائل کے مُنہ میں رکھدو زباں
اگر یہ چاہتے ہو لاجواب ہو جائے

کہتا ہے سُن کے بیخبری کا گلہ وہ بت
تم کِسکو یاد تھے جو فراموش ہو گئے

میری الفت مدعی کا عشق دونو دیکھکر
فیصلہ کر دیجئے جھگڑا حق و باطل کا ہے

ایک ہی بار اسے فلک دیدے
جتنے صدمے ہیں میری قسمت کے

گئیں ہیں عرش تک آہیں نیاز مندونکی
تو سُنی نہ تمہیں نے خدا کے بندونکی

ڈھونڈا بتوں میں ذاتِ خدا کو تمام عمر
اے شیخ مرتکب ہوئے ہم کس گناہ کے

معشوق سے ملے رہے ہم سے خفا رہے
مطلب یہی کہ یہ حضرتِ دل ناشاد رہے

شاد ہیں عیش خداداد سے قسمت والے
بے نصیبوں کی تمنا ہے تمنا کوئی

شکوہ یہ جور کے یہ کیا اُس کا کیا گلہ ؎ یہ اپنی اپنی رسم ہے یہ اپنی اپنی راہ
پیغامِ غیر بن کے چلا آؤں کیا کروں ؎ آنے کی آپ تک کوئی ملتی نہیں ہے راہ
واں تو یہ شوق ہے کہ ہر اک سے ہو چھیڑ چھاڑ ؎ ایسوں سے حشر تک کبھی ہوتی نہیں ہے نباہ
اپنے تو آپ غیر سے برتاؤ دیکھئے ؎ الزام مجھکو دیتے ہو پھر واہ واہ واہ
مینے تو خیر آپ کو بدنام کر دیا ؎ اور دشمنوں نے خوب کیا نیکنام واہ
افسوس ہم تو کیا اُسے اپنی نہیں خبر ؎ الفت میں جس کی حال یہ اپنا ہوا تباہ
شکووں سے اپنے آپ مجھے انفعال ہے ؎ میری تو اُن کے سامنے ہوتی نہیں نگاہ
احسان اور ہی سے لگانا تھا دل تجھے ؎ کمبخت کی وفا بھی تو اچھی ہے واہ واہ

احسان

(**احسان**) محمد عبد الرحیم خاں دہلوی - نومشق شاعروں میں ہیں - آغا شاعر دہلوی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جائیے جائیے دل آپ ٹھہر جائے گا ؎ میرے دل پر جو گزرنا ہے گزر جائے گا
نادان نہ پھنس دانہ کے لالچ میں خبردار ؎ بلبل تجھے کیا دام دکھائی نہیں دیتا
سخت جاں ہوں کوئی آسان نہیں قتل مرا ؎ پہلے وہ اپنے کلیجے کو تو فولاد کریں
مریضِ عشق مرتا ہے مسیحا ؎ کوئی چارہ کوئی تدبیر ہوتی
آپڑے گیسو جو رخ پر تیرے بل کھاتے ہوئے ؎ چاند پر دو سانپ دیکھے ہمنے لہراتے ہوئے

احسان

(**احسان**) میر احسان علی نام - مولانا حبیب الرحمٰن خاں بیدل کے شاگرد ہیں - حیدرآباد دکن میں قیام ہے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جس جگہ عشق نہ ہو حسن کی قیمت کیا ہو ؎ کوئی یوسف کا فرشتوں میں خریدار نہ تھا
کسی گلرو کے پھندے میں پھنسا دل ؎ بڑی مشکل سے اب ہوگا رہا دل
منزلِ عشق میں جو رکھے قدم ؎ چھوڑ دے ننگ و عار کی باتیں
ذرا بچ کے احسان رہنا بتوں سے ؎ کہ الفت نہیں انکی قہرِ خدا ہے

احسان

(احسان) شاعر باکمال سخنور شیریں مقال صاحبزادہ محمد احسان اللہ خاں صاحب حقیقی ہمشیرزادہ و داماد عالیجناب نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر **خلیل** - والی حال ریاست ٹونک نواب احمد سعید خاں صاحب **عاشق** تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی کے شاگردوں میں نامور ہیں - مذاقِ سخن بہت اچھا ہے - عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جدت کے ساتھ طبیعت میں شوخی بھی ہے کلام بہت پُر لطف و مزیدار ہے اثناے ترتیب تذکرہ میں آپ نے جو کلام ارسال فرمایا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

سمائے ہیں نگاہوں میں خدا جانے وہ کیا بنکر　　کہ اُنکے شکوے تک بھی لب پہ آئے التجا بنکر

یہ آنکھیں کیوں نہیں ملتیں نگاہیں کیوں نہیں ملتیں　　یہ کس کی آرزو پھرتی ہے آنکھوں میں حیا بنکر

مجھے تم چھوڑ بیٹھے غیر کو امید اب کیا ہو　　کچھ اپنا ہی کیا نقصان تمنے بے وفا بنکر

وہ کہتے ہیں وفائیں لاکھ میرے حسن پر قرباں　　ضرورت کیا مجھے میں کیا کروں گا باوفا بنکر

دکھائے گا تماشا دیکھنا کیا کیا تمھیں اک دن　　جفاؤں پر ہمارا صبر تاثیر دعا بنکر

ظلم کرتے ہیں تو کچھ ظلم میں ایجاد کریں　　کہہ سکیں جس کو نہ بیداد وہ بیداد کریں

قتل کر ڈالنا غصہ کو فرو ہونے دو　　کہیں ایسا نہو پھر آپ مجھے یاد کریں

شکوۂ جور یہ کہتے ہیں کہ فریاد کرو　　ہم نے فریاد کبھی کی ہو تو فریاد کریں

ہمیں منظور ہے گھٹ گھٹ کے قفس میں مرنا　　کیا رہائی کے لیئے منتِ صیاد کریں

سن کے شکوہ کو کہا وہ بھی ہوئے اب قابل　　کوئی منہ بھی نہ لگاتا تھا وہ دن یاد کریں

بارِ خاطر ہوں تو کیوں جائیں کسی محفل میں　　خود بھی ناشاد ہوں اوروں کو بھی ناشاد کریں

تجربہ ہوتا تو احسان نہوتا شکوہ　　اُسے ناشاد ہی سمجھو وہ جسے شاد کریں

پرسش کے جب مزے ہیں کہ ہو دل کو دل سے راہ　　اور یوں تو پوچھ لیتے ہیں غیروں کو گاہ گاہ

الفت کے لطف لطف میں پنہاں ہے زہر غم　　اسکی خرابیوں پہ کسیکی نہیں نگاہ

دل پھٹ گیا ہے جبسے یہ میں نے سُنا کہ وہ　　غیروں کے پیچھے چھوڑتے ہیں مجھسے رسم و راہ

آگ سی میرے دلکو لگتی ہے
جل گیا ہوں حنا کے ہاتھوں سے

احسن

(احسن) مرزا احسن علی - انکے نام میں ذرا اختلاف ہے - قاسم نے اپنے تذکرے میں احسن قلی لکھا ہے - مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس تھے - پہلے میر ضیاء الدین ضیا سے اصلاح لیا کرتے تھے پھر مرزا رفیع السودا کو اُستاد بنایا لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ کی سرکار میں بزمرہ شعرا داخل ہوئے مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر کے اشعار ظرافت آمیز ہوتے تھے اور یہ شخص پہلے خواجہ محمد یونس خاں کی خدمت میں رہا بعد ازاں نواب آصف الدولہ مرحوم کے ہاں چلا آیا ۱۲۱۵ھ میں کئی برس سے سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں کی رفاقت میں ایام زندگی بسر کرتے تھے - انہوں نے فن نظم میں اور فنوں سے زیادہ نام پیدا کیا - بہرحال حضرت احسن صاحب دیوان شاعر تھے - اِنکے کلام میں لطافت و فصاحت دونو مزے ہیں - کلام ملاحظہ ہو

حُسن پر اپنے ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

ٹکڑے اُڑ جائینگے سینہ میں جگر کے احسن
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

یا رو وہ صنم کیوں نہ کرے کام خدا کا
رام اُسکا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل بے اِدھر نظر نہ لگا

رہی جو تن میں مری جان ٹک رمق باقی
لگا کے زخم کہا صیف کار گر نہ لگا +

اسی لئے تو میں تجھسے خفا ہوں اے احسن
گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

اشکِ گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند
یہ رکھے سنگ سے نسبت و جگر سے پیوند

یہ راہ ہے کٹھنے کہ ترے گھر تلک آتے
ہر گام پہ ہم بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر +

جو دل گیا وہاں سو وہ مٹی میں مل گیا
تیری گلی میں خاک کروں جستجوئے دل

سجدہ گہ ہے خاکِ احسن اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اُسنے کسکے حسرتِ پابوس میں

کل جو اُس ترکِ ستمگر نے دکھائیں آنکھیں
برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں

احسان

(احسان) مولوی محمد احسان حسن صاحب باشندہ چھپرا یہ - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ خلاصہ کلام ہے ؎

ہنستا ہی رہا بسمل مضطر تہ خنجر
کیوں کر نہ لیا تیز اسے پہلے سے ظالم
کچھ اپنی اداؤں سے بھی لے میرے لئے کام

اُف تک نہیں لایا وہ زباں پر تہ خنجر
تڑپا کیا جو بسمل مضطر تہ خنجر
آنے کی نہیں موت ستمگر تہ خنجر

احسان

(احسان) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ رسول پور ضلع مظفر پور بہار کا - کلام سے طبیعت کی رنگینی اور زباں کی صفائی کے ساتھ روزمرہ کا لطف آشکار ہے ؎

ستم سہیں گے جفا سہینگے ہزار ذلت اُٹھائینگے ہم
سر اپنا دیدینگے تیرے در پر یہاں سے لیکن نہ جائینگے ہم
یہ چارہ گر تجھ سے آرزو ہے لگا نہ زخموں میں میرے مرہم
کبھی وہ سفاک جو ملے گا تو زخم اپنے دکھائینگے ہم
عدو جو بیٹھے ہیں گرد اُنکے ہیں سب بُرانے اُٹھائی گیرے
جو وقت آئیگا امتحاں کا تو انکی چالیں دکھائینگے ہم
ہے رات برسات کی یہ ساقی لگا دی مُنہ سے جو کچھ ہو باقی
خبر ہے کیا وقت پھر مرے کا یہ پائینگے یا نہ پائینگے ہم
ہیں صرف قاصد کی باتیں احسان یقین اُسپر کہاں ہے ہمکو
وہ دن بھی ہوگا کہ وصل کی شب گلے سے انکو لگائینگے ہم

احسن

(احسن) - محمد احسن یا احسن اللہ نام تھا - طبقہ اول کے شعرا میں آبرو وغیرہ کے ہمعصر تھے - انکی طبیعت میں ایہام پسندی بہت تھی - اپنے زمانے کی زبان کے موافق بندش کی چستی اور مضامین کی جدت بھی خاصی تھی - ان کا مرتب دیوان نظر سے نہیں گزرا مگر پروفیسر آزاد نے جو ایک غزل اور چند شعر لکھے ہیں وہی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ۱۱۵۰ھ ہجری تک یہ زندہ و سلامت تھے

نازک کمر یہ اپنی کرتے ہو تم جو غرّہ
موسیٰ کمر نے تمکو فرعون سا بنایا

صبا کہیو اگر جاوے ہے تو اُس شوخ دلبر سوں
کہ کر کر قول برسوں کا گیا برسوں ہوئے برسوں
غزل اس طرح سے کہتے بھی احسن تجھ سوں بن آوے
جواب اب آبرو (ذیل سے) کب کہہ سکے مضمون بہتر سوں
لام نستعلیق کا ہے اُس بتِ خوشخط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہوں اس لام کے

یہی مضمونِ خط ہے احسن اللہ
کہ حسن ماہرویاں عارضی ہے

یاد ہے گلعذار کی صورت
گل ہے نظروں میں خار کی صورت

فرقت میں اُسکی یارب کھینچیں ہم آہ کب تک
آنکھیں تو تھک گئی ہیں دیکھیں گے راہ کب تک

گھر سے نکل کے باہر اپنے ذرا تو آؤ
در پر کھڑا رہے گا یہ بے گناہ کب تک

دن رات میں ہزاروں کرتے ہو برخلافی
احسن تمہارا پیارے بخشے گناہ کب تک

بوسہ میں ایک لوں گا کہا کر نہیں نہیں
مانوں گا میں نہیں تو پڑا کر نہیں نہیں

ساقی قسم ہے تجکو کہ دینے میں جام کے
سب پر نہیں ہؤا کرے ہم پر نہیں نہیں

پروا کچھ نہیں ہے ہمیں گھر کی دوستو
کوچہ سلامت اُس کا رہے گھر نہیں نہیں

احسن کو دیکھ ایک چمٹتا ہے کس طرح
کیسی نہیں نہیں نہیں کیونکر نہیں نہیں

دوستو گرچہ غم نہ کھانے دو
لیکن آنسو تو ٹک بہانے دو

زندگانی نہوگی بن دیکھے
مجکو کوچے میں اُسکے جانے دو

اے رقیبو خدا سے ڈر کے ذرا
یار کو میرے پاس آنے دو

ہاتھ مت پکڑو کوئی قاتل کا
اُس کو تلوار تم لگانے دو

منع مت کیجو میرے اشکوں کو
گھر رقیبوں کے سب ڈوبانے دو

اپنے معشوق سے ملو احسن
بُرے لوگوں کو غل مچانے دو

مجسے وحشی کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اے مصور صورتِ دلگیر کھینچا چاہیے

سب یہ کہتے ہیں کہ اس سودا زدہ کے پاؤں میں
مست ہاتھی کی طرح زنجیر کھینچا چاہیے

اُس کماں ابرو سے بیٹھا ملکے گوشہ میں رقیب
آہ پہلو سے مرے یہ تیر کھینچا چاہیے

جب گزرجی میں بار جاتا ہے
دل سے صبر و قرار جاتا ہے

تیغ ابرو سے وہ مرا قاتل
ایک عالم کو مار جاتا ہے

یاد میں تیری زلف و رخ کے سدا
مجکو لیل و نہار جاتا ہے

(احسن) حسین علی خاں خواجہ سرا مخاطب بہ احسن الدولہ - شاگرد محمد رضا برق - لکھنؤ کے

مل گئے خاک میں ہم پھر بھی تو اس ظالم نے	نہ ملائیں نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں
دوس دوں کسکو نہیں اسمیں کسی کی تقصیر	آفتیں دل پہ مرے ہیں یہی لائیں آنکھیں
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنے نکیو نرگس	آنکھیں کھل جائینگی جب اُسنے دکھائیں آنکھیں
بزم میں اُسکی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی +	دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہو +

گیا دل جو کوچہ میں چین جبیں کے	نہ پھر واں سے نکلا عجب سرزمیں ہے
قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر	کہا مان میرا۔ یہ گھر دل نشیں ہے
نہ کھینچ آسماں پر سر اپنا تو احسن +	سمجھ آخرش سب کا مدفن زمیں ہے
تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے	بات یہ بھی ہے کوئی آپکے فرمانے کی

احسن

(**احسن**) احسن خاں نام۔ قوم سے افغان اور شاہجہاں آباد کے روڑے تھے علمی فضیلت اور خداداد استعداد سے کامل بہرہ رکھتے تھے۔ تذکرہ قدرت اللہ شوق کی ترتیب کے وقت تک جوان اور زندہ موجود تھے اُنکے دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

بتاں کی سردمہری کی بیاں کیا کیجئے صورت	ہمارے اشک بھی افسردگی سے مثل ژالہ ہیں
سیاہ دردوکے چہرے ہیں داخل دفتر دلمیں	نظر کر عشق کی دولت کیا صاحب رسالہ ہیں

احسن

(**احسن**) صاحب عالم و عالمیاں شاہزادہ مرزا احسن بخت خلف الرشید شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی۔ آپ سلطنت کی برہمی کے بعد مخالفتِ روزگار و ناساعدتِ زمانۂ ناہنجار سے قلعۂ دہلی کی سکونت ترک کر اول چند روز بارادۂ ملک گیری از راہ اُلوالعزمی راجپوتانہ و چتوڑ میں گشت لگاتے رہے پھر بدیں امید عازم کابل ہوئے کہ شاہ تیمور کی اعانت سے موروثی ملک کو فتح کریں۔ مگر شوئی طالع سے کوئی کام حسب مراد نہ بنا۔ بڑے عالی حوصلہ۔ سیر چشم۔ باذل۔ اور نہایت شجاع و جری تھے۔ فنون شمشیرزنی و سپہ گری میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ موزونی طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی فکر سخن بھی فرماتے تھے۔ نو مشقی کا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا ہی تبرکاً درج تذکرہ ہوتا ہے۔ صاحب زبان تھے عاشقانہ مضامین کی جان تھے ؎

ہائے کب تک میں کروں پاسِ دماغِ نازک
ضبط کی قید میں کب تک مری فریاد رہے

اتنا تو میرے عشق نے آخر اثر کیا
مضطرب ہوں میں یہاں وہ وہاں بیقرار رہے

مے پی ہے رات محفلِ اغیار میں ضرور
اب تک تمہاری آنکھوں سے ظاہر خمار ہے

آنکھیں اُٹھا کے دیکھ لو اللہ اک نظر
بندہ بھی چشمِ لطف کا امیدوار رہے

احسن

(احسن) حکیم محمد احسن خاں احسن دہلوی خلف حکیم محمد محسن خاں صاحب مغفور۔ دہلی کے نامور اطبا میں سے تھے۔ اور میرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم کے شاگردوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے۔ عین جوانی بلکہ عنفوان شباب میں ۱۸۷۰ء میں انتقال کیا۔ ہنگام ترتیبِ تذکرہ کچھ کلام اُنکے ایک عزیز نے عنایت کیا درج تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

بے سبب آہ نے آتش سے کیا عرش پہ فرش
خانۂ غیر جلاتی تو یہ تھا عرش پہ فرش

مجھ پہ مت ظلم روا رکھ کہ بچے گا پھر کون
چادر اشک سے گر میرے ہوا عرش پہ فرش

لامکاں تک ہے رسائی خیالات مری
کہ بچھاتا ہوں میں ہر روز نیا عرش پہ فرش

قدم یار ہے یہ جائے ادب اے احسن
کہ مناسب نہیں جز نور خدا عرش پہ فرش

سوجھتا کچھ نہیں جز عارضِ جاناں مجکو
اُسکے جلوے نے کیا اور بھی حیراں مجکو

کیا خبر لیوے ہماری کہ وہ ماہِ کنعاں
خود نظر آئے ہے محبوسِ زنخداں ہمکو

لے کے ہر ذرہ سے خورشید جہانتاب تلک
وہی اک جلوہ ہے ہر جائی نمایاں ہمکو

جان پر کھیل چکے ہم تو کبھی کے لیکن
عشق کہتا ہے ابھی طفلِ دبستاں ہمکو

اُن سے پوچھا کہ ہمیں داغ دئے کیوں اتنے
تو کہا چاہئے اک تازہ گلستاں ہمکو

ناتوانی سے یہ عالم ہے کہ ہیں اور نہیں
دیکھیں اب روکے گا کیونکر ترا درباں ہمکو

ظلم کر اور کہ ہو وجہ تسلی کچھ تو
لذتِ ظلم کا ہے شوق فراواں ہمکو

اُس پریوش سے عجب عیش اُڑاتے احسن
پھر چندے ہی خدا کردے سلیماں ہمکو

احسن

(احسن) مولوی محمد احسن خلف محمد احمد۔ بزرگوں کا وطن بلگرام تھا مگر آپ صفی پور میں ۱۲۴۴ھ میں

رہنے والے اور سرکار واجد علی شاہ کے متوسل تھے۔ ایک دفعہ کلکتے میں بھی گئے تھے۔ مولوی عبد الغفور خاں نساخ نے انکو وہیں دیکھا۔ اُنکا قول ہے کہ مولف تذکرۂ سراپا سخن نے ان کا تخلص حسین[1] لکھا ہے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

صنم کی آنکھوں کے ڈوروں کی خلق بسمل ہے	ہر شش میں رکھتی ہے تلوار کا اثر رگِ سنگ
صنم کو دیکھ کے پتھرا گئیں مری آنکھیں	عجب نہیں ہے جو ہو رشتۂ نظر رگِ سنگ
بتوں کے ہجر میں وہ سخت جاں ہوں عالم میں	بجا ہے رشتۂ جاں کو کہوں اگر رگِ سنگ

احسن

(**احسن**) حکیم مظہر حسن خاں ولد حکیم محمد مجتبیٰ خاں باشندۂ رام پور۔ خطِ نستعلیق میں کامل اور ہفت قلم ہیں۔ فنِ سخن میں منشی مظفر علی اسیر سے استفادہ کیا ہے ابتدائے شوق میں مرزا غالب کو بھی چند غزلیں دکھائی تھیں۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ طب میں قرابادین مختصر تحریر فرمائی اور عروض سیفی کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں ایک رسالہ موسوم بہ خورشیدِ آفاق بھی جاری کیا تھا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار مولفہ امیر مینائی مرحوم کی ترتیب کے وقت انکی عمر چھبیس برس کی تھی۔ کلام حاضر ہے ؎

یارب ہوئی ہے عمر اسی شغل میں بسر	کوثر پہ اہتمام ہو مجھ بادہ خوار کا
خدا کے واسطے گیسو ہٹا دے اپنے چہرے سے	ارے ظالم نہ کر رتبہ برابر کفر و ایماں کا
نامہربانیوں پہ تو مرتا ہے اک جہاں	کہئے کہ کیا غضب ہوں اگر مہرباں ہوں آپ
بات کرنے میں تو شرماتے ہو	ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ
کبھی زندہ کبھی مردہ ہیں جب سے تیری فرقت ہے	قیامت ایک سنتے تھے یہاں ہر دم قیامت ہے
ایک ہیں غیر کہ رہتے ہیں وفا پر ناخوش	ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی ترے شاد رہے
ہر دم ہے جانکنی ترے عاشق کے واسطے	کہتے ہیں جس کو مرگ غمِ انتظار ہے
پیشِ نگاہ چہرۂ پُر نورِ یار ہے	موسیٰ ہیں ہم یہ جلوۂ پروردگار ہے

[1] بصاد مہملہ۔ محکم و استوار نیز یعنی قید خانہ ۱۲

کی سیاحت فرما چکے ہیں اور اکثر بڑے بڑے شہروں کی مجالس شعر وسخن میں شریک ہوئے ہیں - مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں آپ نے مہارت بہم پہنچائی ہے - جس سے اہلِ مجلس بہت کچھ متاثر ہوتے ہیں - شاعری اور معاملہ بندی آپ کا خاندانی جوہر ہے لکھنؤ کے اکثر خاندانی اساتذہ سے آپ کو قرابت حاصل ہے + عرصہ سے حضرت انیس کی سوانح عمری لکھنے کا بھی ارادہ کر رہے ہیں اس زمانے میں آپ کی قدر اچھے اچھے اُستادوں سے بڑھ کر ہو رہی ہے یہاں بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

لذتِ درد کی مشتاق رہی جانِ حزیں
دل کا دشمن تھا وہ ناوک جو دل آزار نہ تھا

کہاں تک روئے گا اے مرنے والے جینے والوں کو
کچھ اپنی فکر کر تجھکو پرائے غم سے کیا مطلب

ملے جو خاک میں اُن پر فشار ہوتے ہیں
زمیں کے دل میں بھی کیا کیا غبار ہوتے ہیں

دامنِ دشتِ ہو غربت میں کفن بعدِ فنا
ہر بگولا مری میت کو اُٹھانے آئے

خوں بہا فرہاد کا خسرو کی گردن پر رہا
جانِ شیریں تو فقط اُجرت تھی جوئے شیر کی

ہے یہ حسرت کہ وہ دریافت کریں درد میں کیوں
اے مرے پوچھنے والے مرا حال اچھا ہے

زینتِ دامنِ قاتل ہیں لہو کے آنسو
دلِ خوں گشتۂ عاشق کا مآل اچھا ہے

پروانوں نے سکھائی طرزِ وفا جہاں کو
انجام عشق یہ ہے مرجائے کوئی جل کے

راحت پسند منعم راحت رساں نہیں ہے
اوروں کا رہنما ہو پہلے چراغ جل کے

شمع کو دیکھ میرے دل کے جلانے والے
آپ ہی جل بجھے غیروں کے جلانے والے

حسرت اے قاتل لہو مجھ میں نہیں
خون کی پیاسی تری تلوار ہے

لو اُلٹتے ہیں وہ چہرے سے نقاب
امتحانِ طالبِ دیدار ہے

تم ملے ساری خدائی مل گئی
جس کے تم ہو اُسکو کیا درکار ہے

اِن جفاؤں پہ وفا کوئی کرے مشکل ہے
یہ ہمارا ہی کلیجہ یہ ہمارا دل ہے

راہ چلنی ترے کوچے میں بہت مشکل ہے
کیا رکھوں پاؤں کہ ایک ایک قدم پر دل ہے

پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - اٹھارہ برس کی عمر میں تکمیل علوم کے لیئے لکھنؤ گئے - مولوی احسان اللہ ممتاز اور مولوی گل محمد خاں ناطق کلانی کے شاگرد رشید اور خود نظم و نثر فارسی میں یگانۂ عصر ہیں ۱۲۹۴ھ تک حیدر آباد میں نواب سر سالار جنگ کی سرکار میں متوسل رہے پھر حسب الطلب نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھوپال آکر اُنکے صاحبزادوں کی اتالیقی کے منصب پر مامور ہوئے - صاحب تصانیف کثیرہ ہیں - کارنامۂ فرہنگ - آئینۂ حسن - صحیفۂ شاہجہانی - لغت شاہجہانی - تحفۂ صدیقیہ و مصطلحات شاہجہانی وغیرہ بہت سے رسالے آپکی تصنیف سے ہیں - فارسی میں اکثر اور ریختہ میں گاہے گاہے فکر سخن کا اتفاق ہوتا ہے ؎

اثر دیکھو شہیدانِ محبت کی تواضع کا
تن کا یہ نقشہ کہ بل سکتا نہیں جوں نقش پا

نکلتا ہے مرے سینہ سے تیر اسکا کماں ہوکر
دل کی وہ حالت کہ سو سو بار نکلا جائے ہے

گمانِ ذوقِ کرم تو نکر خدا کے لئے
وہاں بھی ناز سے تم میرا خوں بہا دینا

وفا میں کرتا ہوں ظالم تری جفا کے لئے
کروں میں حشر میں دعویٰ جو خوں بہا کے لئے

دیر تک ٹھیرے وہ پس کشتن
بدگمانی کا مجھ پہ احساں ہے

احسن

(احسن) سخنور باکمال سید مہدی حسن لکھنوی - نبیرۂ حکیم نواب مرزا شوق صاحب مثنوی بہار عشق و زہر عشق آپکے نانا حکیم آغا حسن صاحب آزل بھی ایک مشہور شاعر تھے ایک عالی دماغ سخن گو ہیں جنہوں نے زمانے کی ضرورت پر نظر فرماکر ڈراما نویسی پر توجہ فرمائی - اور اس رنگ میں بڑی کامیابی و شہرت حاصل کی - ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی (ینو الفریڈ مبمبئی) آپ کی معقول قدر کرتی ہے - طبیعت ایسی رسا ہے کہ زبان کی صفائی و محاورے کی پابندی کے ساتھ موسیقی کی خوش آیندہ و خاطر فریب دُھنوں میں بڑی خوبی سے ہر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرتے ہیں - اس فن میں ترقی کرنے کے علاوہ آپ نے غزل گوئی میں بھی عاشقانہ راز و نیاز کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں کو خوبی سے نباہا ہے - اشعار ولولہ انگیز و دل نشین و معنی خیز ہوتے ہیں - آپکی تصنیف سے متعدد ناٹک مشہور و مقبول ہو چکے ہیں کمپنی کے تعلق کی وجہ سے آپ اکثر اقطاع و جوانب ہندوستان

اس وقت میاں احسن فرصت پاکر حضرت داغ کی خدمت میں حیدرآباد میں تعلق ہو جانے کی امید پر حاضر ہوئے وہاں رہ کر داغ مرحوم کی سوانح عمری موسوم بہ **جلوۂ داغ** شائع کی اور ترغیب دلا کر ایک کتاب **فصیح اللغات** محاوراتِ داغ کے متعلق اپنے نام سے لکھنی شروع کی۔ نواب فصیح الملک داغ آپ پر بہت مہربان تھے ۱۹۰۳ء میں میاں احسن وہاں سے چلے آئے اور حضرتِ داغ کا انتقال ہو گیا۔ تلاشِ معاش کی فکر میں لاہور پہنچے اور راقم تذکرہ کے پاس تیس روپیہ ماہوار پر ملازم ہوئے۔ تین چار مہینے کے بعد قطع تعلق کر کے مطبع مفید عام میں نوکر ہو گئے۔ پھر اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کر کے وطن چلے گئے ۔

قیامِ لاہور کے زمانہ میں **فصیح الملک** کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور انکا آخری نامکمل دیوان یادگار داغ شائع کیا۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ۵

ظالم کچھ تو بھی رحم کھا کر اُدھر ظرفِ وضو ہے اور زاہد وہ کہتے ہیں کہاں جاتا ہے احسن	مظلوم کے واسطے دعا کر اِدھر جام و سبو ہے اور میں ہوں ٹھہر جا آج تو ہے اور میں ہوں
اک آگ سی لگجاتی ہے دل اور جگر میں تھمتا ہی نہیں آنسوؤں کا جوش کسی دم کیوں اور کسی چیز سے کرتا ہے اُسے بند باقی ہیں بعد مرگ بھی آثار ضعف کے نہ اذاں ہو نہ سحر ہو نہ گجر ہو شبِ وصل پھر ادہ بُت تو ہم کو لگ گئی کو اپنے خالق سے لے پی چکا شراب سرور آ گیا تجھے نچوڑا اے زاہدِ خشک اسکی رحمت کا ادھر ہوگا ہمارے پھول سے دلکو وہ ملتے ہیں مسلتے ہیں	کیا قوتِ برقی ہے محبت کی نظر میں کیا بند سمندر ہے مرے دیدۂ تر میں میں آنکھ ہی رکھ دوں نا ترے روزنِ در میں اُڑنے کی بھی سکت نہیں میرے غبار میں کیا مزا ہو جو کسیکو نہ جگائے کوئی بنی رہبر رہ تسلیم میں یہ بے رخی اچھی ہاں شیخ حال جو ر کا اب تو سنا مجھے مری تر دامنی بہتر ہے تیری پارسائی سے کبھی دستِ حنائی سے کبھی پائے حنائی سے

بے ترے یہ چمن ہے مجھے اندوہ فزا
خندۂ گل میں بھی آوازِ شکستِ دل ہے

اثر عشق نہ تجھ پر ہو یہ ممکن ہی نہیں
گو ترے بس میں ہے پھر بھی یہاں دل ہے

ہے شبِ ہجر مرے گھر میں عجب سناٹا
کہ سرِ شام سے خاموش چراغِ دل ہے

پیش ہے دعویٰ خوں گرم ہے ہنگامہ حشر
اک تماشہ ہے ادھر ہم ہیں اُدھر قاتل ہے

وہ گلے ملکے چلے ختم ہوئی وصل کی رات
شمع خاموش ہے بجھنے کو چراغِ دل ہے

دم تو لینے دے کمانک ستم پے در پے
کوئی پتھر نہیں ظالم یہ بشر کا دل ہے

زندگی اپنی سمجھتے ہیں جو مرنا عاشق
آبِ شمشیر میں کیا آبِ بقا شامل ہے

لذتِ درد کو ہم سے کوئی پوچھے احسن
اللہ اللہ کہ ہر عضوِ بدن اک دل ہے

رشک سے داغ کو جو چاہیں کہیں لوگ احسن
ورنہ سب دل میں سمجھتے ہیں کہ کیا دل ہے

احسن

احسن) مولوی محمد احسن ولد مولوی احسن بخش باشندہ کاکوری مقیم قصبہ مین پوری ان کا زیادہ حال معلوم نہیں ؎

تجھسے دشمن کو دوست سمجھا
دل نے مرے ساتھ دشمنی کی

خالِ ابرو نے مار ڈالا
کعبے والوں نے رہزنی کی

جی بھی نکلا تو وائے حسرت
نکلی حسرت نہ اپنے جی کی

احسن کیوں چپ ہو گئی ہے یاد
کچھ ہم سے کہو تو اپنے جی کی

احسن

احسن) سید علی احسن خلفِ حاجی سید مجتبیٰ متخلص بہ حسن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے پیرزادوں میں ایک طبیعت دار آدمی ہیں فارسی اچھی جانتے ہیں اور عربی بقدرِ ضرورت شوال ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے صغر سنی سے شعر گوئی کا شوق ہو گیا ۱۸۹۶ء میں ایک گلدستہ موسوم بہ ریاضِ سخن جاری کیا تھا جو نواب ابراہیم علیخاں صاحب خلیل والیٔ ریاست ٹونک کے حضور تک کسی وسیلے سے پہنچا۔ جس پر ایک ہزار روپیہ نقد اور آیندہ امداد کا وعدہ ہوا چنانچہ اسی وجہ سے ریاضِ سخن کا نام ریاضِ خلیل رکھا گیا مگر وہ امداد ان تک نہ پہنچی جسکے باعث رسالہ بند کرنا پڑا ؎

آسمان لے کے اِسے سر پہ رکھے جائے ہلال　　پھینک دے تو جو تراشوا کے زمیں پر ناخن

ق

مشرق پہ غرب کو تفوق ہے　　دہلوی سر ہیں لکھنوی پا ہیں

قولِ فیصل یہ سُن لو احسن سے　　گو کہ سب کچھ ہیں لکھنوی کیا ہیں

احسن

(احسن) مرزا احسن بخت گورگانی - مرزا صابر کے شاگرد اور مقیم بنارس ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

یہ ضعف وقتِ شہادت ہے جسمِ لاغر پر　　کہ خون چڑھ نہیں سکتا سرِ ستمگر پر

وہ سمجھا اپنی ہی تازِ نگاہ کا پرتو　　نظر پڑی جو کسی کی ہمارے لاغر پر

غریب جان کے بلبل پہ ظلم کرتے ہیں　　گلوں کو ناز ہے گلشن میں کسقدر زر پر

احسن

(احسن) میر باقر حسن دہلوی - زیادہ حال معلوم نہیں - دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

ایسا نہو کہ آہ خبر لے رقیب کی　　ہاں دل جلا کے رہتے تو ہیں بے خبر سے آپ

شرم و حیا سے آپ کی نیچی نہیں نظر　　جاتے ہیں کوئے غیر میں بائے نظر سے آپ

ہے لاگ برقِ آہ کو گھر سے رقیب کے　　رہئے گا دُور دُور ذرا اُسکے گھر سے آپ

ہم بھی چلیں گے خرمنِ جاں پھونکتے ہوئے　　برقِ ستم گراتے چلیں گے جدھر سے آپ

شبِ وصال میں دشمن کی گفتگو کیا ہے　　لیا ہے دل تو یہ پوچھو کہ آرزو کیا ہے

نہ خوں ہو دل ہی میں جس کا وہ آرزو کیا ہے　　کٹے نہ تیغ سے خنجر سے وہ گلو کیا ہے

ذرا تو چاہئے پاسِ ادب بھی عاشق کا　　زباں کو روکو یہ کہتے ہو کیا کہ تو کیا ہے

ہزار بار یہ دن بھر میں زاہدا ٹوٹے　　ہماری توبہ کے آگے ترا وضو کیا ہے

احسن

(احسن) مولوی نظیر الحسن باشندہ دیوبند اِن کے والد وحشی تخلص کرتے ہیں - انہیں سے مشورۂ سخن کرتے ہیں ؎

بتوں نے دل کے جلانے میں کچھ حذر نکیا　　خدا کے گھر میں بھی رہ کر خدا کا ڈر نکیا

وہ مری لاش پہ آئے تو یوں لگے کہنے　　اجل نے رحم کچھ اِس نوجوان پر نکیا

بتوں کے ظلم سے روتے ہو کسلئے احسن　　کیا تھا عشق تو پتھر کا کیوں جگر نکیا

ہمارا نام احسن ہے یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
تمہارا ذکر اے احسن اور ہم کرتے برائی سے

حسرتوں کا خون میرے دل کی قربانی ہوئی
تب کہیں جا کر غم جاناں کی مہمانی ہوئی

سینکڑوں مانگنے والے ہیں یہ تنہا دل ہے
کس کو دوں کس کو نہ دوں ہائے بڑی مشکل ہے

غیر کے باب میں کیا آپ سے تکرار کریں
نہ کوئی اسکا نتیجہ ہے نہ کچھ حاصل ہے

دکھا کر ہر گھڑی تلوار تم دیتے ہو کیا دھمکی
اڑا دو سر - جو ایسی ہی خوشی ہے میرے ماتم کی

قیامت ہے بھڑکنا آتش الفت کا سینہ میں
یہ چنگاری نہیں بجھتی اگر چمکی تو پھر چمکی

نہ پھر لے بے نقاب اسطرح ڈر ہے چشم بد ہی سے
کہ للچائی ہوئی پڑتی ہیں نظریں ایک عالم کی

کبھی دیکھا نہیں خوش تجکو رندوں کی طرح ناصح
ارے کمبخت پیدائش ہے کیا تیری محرم کی

بلا کا ہے یہ نظارہ دل اسمیں پھنس ہی جاتے ہیں
کھڑا ہونا کھلے سر پھر ادائیں زلف پرخم کی

جب اُن سے اور آئنہ سے برملا ہوئی
جتنی خودی سمائی تھی سر میں ہوا ہوئی

کیا ہی ستم ظریف ہے وہ شوخ چشم بھی
یہ پوچھتا ہے ہجر میں تکلیف کیا ہوئی +

ملنے کا لطف یہ ہے کہ وہ بولتے بھی کچھ
جب بات ہی نہ کی تو ملاقات کیا ہوئی

احسن

(**احسن**) منشی حافظ آغا جان دہلوی - خلف مرزا انور اللہ بیگ مرحوم کابلی دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی ہے کلام میں کوئی خاص دلچسپی نہیں پائی جاتی پُرگو ضرور ہیں ۵۴ برس کی عمر ہے کلام بھی ملاحظہ ہو ٥

کہیں خندہ کہیں گریہ کہیں رحمت کہیں زحمت
تماشا گاہ ہستی اک تماشہ ہے مداری کا

جو ہر عقل نہ ہوتا تو نہ ہوتی کوئی فکر
ایک رہبر سے ہوئے سینکڑوں رہزن پیدا

رگ رگ سے ہے اندھیر ہائے عدو ایک نہ ایک
کسطرح ربط کرے یار سے احسن پیدا

ربط مے چاہیئے اے شیخ کہ جنت میں شراب
دفعتاً تم جو پیو گے تمہیں اچھو ہو گا

رہائی میں اسیری کا مزہ ہم یاد کرتے ہیں
وہ بلبل ہیں تلاش خانۂ صیاد کرتے ہیں

ایسے ساقی کی نگہ پڑتی ہے مجھ پر احسن
جسکی ہیں غیرت صد ساغر صہبا آنکھیں

تھے - تذکرۂ شوق کی تیاری سے قبل انتقال کر چکے تھے - یہ دو شعر اُن کے نتائج افکار سے ہیں ؎

مت چھیڑ باغباں جو کوئی آگئی ہوا	ہم آپ ہی یہاں سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقت روا روی ہے اُٹھے قافلے کے لوگ	ساقی چلے پیالہ جہاں تک کہ بس چلے

احقر

(احقر) منشی سید غلام نبی دہلوی - عربی فارسی کے زبردست عالم اور ضروریات فن سے بخوبی ماہر تھے - فارسی شعرگوئی کی طرف توجہ زیادہ مائل تھی - احباب کے اصرار سے کبھی کبھی اُردو میں بھی کہنے کا اتفاق ہو جاتا تھا - سنہ ۱۲۷۱ھ ہجری میں حیات تھے انکے بیٹے سید آل نبی لاغر تخلص کرتے تھے - انتخاب کلام موجود ہے ملاحظہ ہو ؎

نقاش نے قاتل کی جو تصویر کو کھینچا	ابرو کی جگہ پر دم شمشیر کو کھینچا
جس وقت فاتحہ کو اُٹھے دلربا کے ہاتھ	ماتم سے شل ہوئے مرے اہلِ عزا کے ہاتھ
زور بازار جنوں سے یہ پوچھنے جو حال کیا	کردیا شہر ہی غزالوں نے بیابانی مجھے

احقر

(احقر) عالی جناب معلی القاب راجہ سری پرشاد بہادر سررشتہ دار افواج سرکار نظام حیدرآباد دکن - مشہور رؤساے دکن میں تھے - راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ راجہ بنسی بہادر کایستھ سکسینہ محبوب نواز ونت بہادر باقی مرحوم کے حقیقی برادر زادے اور لالہ خوب چند کے خلف اور خود بھی راجہ کے خطاب سے مفتخر تھے - منشی کھنو لال تائب لکھنوی کے شاگرد تھے - بعد وفات اپنے عم نامدار کے اُنکے علاقے کے مہتمم اور اپنے چچازاد بھائی کے سرپرست مقرر ہوئے - چند سال کا عرصہ ہوا کہ ۲۵ سال کی عمر میں بمقام مدراس انتقال فرمایا - اُنکا کلام بطور یادگار درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

اِنہیں نے لوٹ لیا دل مرا دکھا کے جھلک	اِدھر سے روز جو آنکھیں چرائے جاتے ہیں
ہم تو تم پر جان دیں اور تم کرو غیروں کو پیار	بندہ پرور یہ ہماری خوبیٔ تقدیر ہے
کہیں لائے نہ خونِ بیگنہ رنگ	ہو تو پونچھ ڈالو آستیں سے

ہو جو منظور کہ اب ہوش میں آئے کوئی	لخلخۂ گیسوئے مشکیں کا سنگھائے کوئی
خوگر ہجر ہوا ہے دل بیتاب مرا	اب تو پروا نہیں آئے کہ نہ آئے کوئی

احسن

(**احسن**) میر گوہر علی احسن موسوی شاگرد حضرت داغ - حیدرآباد دکن کے رہنے والے ۲۶-۲۷ برس کے نوجوان ہیں - ابھی مشق سخن کی ابتدا ہے - انتخاباً چند شعر درج ہیں ٥

حالت وہ مری دیکھ کے کہتا ہے ہنسی سے	یہ شخص مقرر ہوا دیوانہ کسیکا
یہی ہے آرزو دل کی ہمارے	کہ زیر خنجر قاتل گلو ہو
زبان پر نام ہو تیرا مری جاں	دل پُر آرزو میں تو ہی تو ہو

احقر

(**احقر**) مرزا جواد علی قزلباش - اِنکے آبا و اجداد کا اصلی وطن خراسان تھا - احقر میر حسن دہلوی کے موقر شاگردوں میں تھے - ابتدائے عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ کربلائے معلیٰ و نجف اشرف وغیرہ کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوئے تھے - ۱۷۹۳ء میں کہ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا بائیس برس کی عمر تھی اور لکھنؤ میں رہتے تھے - جوان حلیم الطبع و سلیم المزاج تھے چند بہم رسیدہ شعر لکھے جاتے ہیں جنسے طبیعت کی جودت کا حال ظاہر ہے +

٥

بزم میں اُسکی جو شب چاند کا مذکور چلا	اُٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بت مغرور چلا
ہووے نصیب جلد کہیں وصل یار کا	احوال بے طرح ہے دل بیقرار کا
آنسو کی جگہ چشم میں لخت جگر آیا	دل کا مجھے احوال بُرا کچھ نظر آیا
بندہ ہوں ترا اے اثر آہ جگر سوز	صدقے سے ترے نالہ مرا کام کر آیا
مرے حق میں یہ بہتر ہے مجھے آرام ہو ویگا	وے لے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہو ویگا
احقر وہ بدمعاملہ ہے بن لکھے پڑھے	تو نے جو دل دیا اُسے ناداں غلط کیا
کبھی دیدار بھی دکھائیگا	یا یونہیں دربدر پھرائیگا

احقر

(**احقر**) منشی محمد ملوک - عبد الجلیل سائل اور منشی فیض اللہ مکن پوری کے دوستوں میں

مشورۂ سخن کرتے ہیں ابھی نومشقی کا عالم ہے ✿

شکل پیاری ہے نگہ پیاری اشارے پیارے ۔ تیرے جوبن ترے انداز ہیں سارے پیارے
جان جانے کو ہے آجاؤ خدارا اب بھی ۔ دل میں ارمان رہے جاتے ہیں سارے پیارے
قتل غیروں کو کیا ہائے ہمارے ہوتے ۔ مر گئے ہم فقط اس شرم کے مارے پیارے

(احقر) مولوی حافظ شاہ رحمت اللہ ۔ مظفر پور بہار کے باشندے اور مدرسہ جامع العلوم کے بانی اور مہتمم ہیں ۔ بچپن سے شاعری کا شوق رہا ۔ چند غزلیں جناب تیر بنارسی کو دکھائیں ۔ پھر حضرت داغ دہلوی سے رجوع لائے ۔ مگر چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ اُنکا انتقال ہوگیا اب کسی سے مشورہ نہیں کرتے طبیعت میں شوخی ہے خیال معاملہ گوئی کیطرف دوڑتا ہے زبان بھی اچھی ہے نیچرل شاعری کی طرف طبیعت کا رجحان ہے ۔ اب تقریباً ۳۶ برس کی عمر ہے کلام ملاحظہ ہو ✿

کہتے ہیں کیا رو رہے ہو دل گیا ۔ ہم جو تم سے مل گئے سب مل گیا
اب لڑی بس اب لڑی اُن سے نظر ۔ اب گیا بس ہاتھ سے اب دل گیا
آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا ۔ آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج
اے بتو اس چار دن کے حُسن پر ۔ یہ مزاج ۔ اتنا مزاج ۔ ایسا مزاج
بھلا ہو بیخودیٔ شوق تیرے صدقے ہیں ۔ ہمیں نہ اپنی خبر ہے نہ اب کسی کی خبر
زندگی میری محبت ہے تری ۔ تجھ پہ مرتا ہوں تو جیتا ہوں میں
تیرے ملنے سے خدا ملتا ہے ۔ سو کی اک بات یہ کہتا ہوں میں
یہاں وہ نہیں یاد ہاں وہ نہیں ۔ حرم بتکدہ میں کہاں وہ نہیں
باغ میں تم آئے کلیاں کھل گئیں ✿ ۔ عندلیبوں کی مرادیں مل گئیں
تم شبِ وعدہ نہ آئے جاؤ بھی ۔ حسرتیں مٹی میں ساری مل گئیں
جب شبِ غم میں تڑپ کر آہ کی ۔ آسماں کانپے زمینیں ہل گئیں
فرقت دلدار میں موت آگئی ۔ نامرادوں کی مرادیں مل گئیں

[illegible] سے مجبور ہوں واعظ ورنہ ✿ [illegible] ہوں میں

کرچکے تم قتل ہمکو ہوگیا اسکا یقیں
آپ تھرّاتے ہو سر کاٹو گے کیا شمشیر سے

خونِ عاشق کرنے سے جنکو نہ درد آئے ذرا
اے دلِ اُمیدِ وصال اور اُس بتِ بے پیر سے

احقر

(احقر) منشی احمد جان دہلوی تلمیذ مولانا عبدالرحمن راسخ دہلوی طبیعت شوخ پائی ہے اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ؎

سنگدل تم ہو تو میں بھی سخت جاں ہوں دیکھنا
مُنہ نہ پھر جائے تمہارے خنجرِ فولاد کا

کہتے ہیں یہ بھی ہماری آن ہے
آن میں خوش ہیں خفا ہیں آن میں

میری آنکھوں سے دیکھ لے مجنوں
پردے اُٹھے ہوئے ہیں محمل کے

نہ سہی بوسہ گالیاں ہی سہی
دام دلوائیے مرے دل کے

کسکی نظروں سے چاک ہے سینہ
کسنے ٹکڑے اُڑائے ہیں دل کے

احقر

(احقر) سید محمد حسن باشندہ شمس آباد صوبہ اودھ۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی مرحوم بسبیلِ روزگار ریاست کوٹہ میں آجکل مقیم ہیں ؎

سلامت رہے گا نہ اب سر کسی کا
کہ ہوتا ہے پھر تیز خنجر کسی کا

اشاروں سے وہ مانگنا میرا بوسہ
وہ مُنہ پھیرنا ہائے ہنسکر کسیکا

ذرا دیکھ کر ناز سے ہو خراماں
نہ پس جائے دل او ستمگر کسی کا

غیر تیر نظر کا لطف اٹھائیں
ہم سے پھر جائے چشمِ یار افسوس

نگہِ لطف سے مردوں کو جلایا تم نے
تم بادنی کا اثر تیرِ نظر رکھتے ہیں

احقر

ہٹاؤ وصل میں رخسارِ انور سے دوپٹہ کو
دلِ مشتاق دیتا ہوں میں تمکو رونمائی میں

قطعہ

چلو چلکر اُنہیں ہم لائیں ہاتھوں ہاتھ اے رندو
سُنا ہے شیخ کعبہ چھوڑ کے میخانے آتے ہیں

کہا اُس سے یہ مینے اپنے دل کو ہاتھ میں لیکر
بھلا بوجھو تو ہم اک چیز مٹھی میں چھپاتے ہیں

جواب اس بات کا فوراً دیا اُس شوخ نے ہنسکر
تمہارے ہاتھ میں دل ہے کہو کیا بتاتے ہیں

احقر

(احقر) نواب غوث محی الدین بہادر رئیس حیدرآباد دکن۔ مولانا حبیب الرحمان بیدل سے

اپنے پہ آپ ہو گئے کچھ مبتلا سے ہم ✤ / اب مدعی بنے ہو مرے مدعا سے تم ✤
ہر آن دلستاں ہے ہر اک بات دلربا / گویا ادا تمھیں سے ہے اور ہو ادا سے تم
سمجھو عزیز ہمکو اگر حسن ہے عزیز / یوہیں بنے رہو گے ہماری دعا سے تم
مایوس زیست سے ہے تمہارا مسیح بھی / بیمار ہو کے آئے ہو دار الشفا سے تم
سمجھے تھے اُسکے کوچے کو احقر دوائے ہجر / لے آئے اُلٹا اور مرض اس دوا سے تم

سینے کہا کہ دیکھ لو اک بار اور پھر / نیچی نگہ سے کہدیا مجھکو کہ جائیے ✤

قطعہ
آئے ہیں اتفاق سے ہم پھر ادھر کہاں
بس وہ بھی ایک بات تھی آنکھوں میں یہ کہاں

یہی گر ضعف کی حالت ہے تو جی کی رہی جی میں / نکلنے کی بھی اب حالت نہیں ہے میرے ارماں میں
نہیں کھنچا لگا کر تیر کچھ بہتان ہے تجھ پر / نہیں ہے دل جو پہلو میں تو ہوگا تیرے پیکاں میں
بہا جاتا ہے عالم ایک جوشِ گریہ سے میرے / سما جانا ترا ہی کام تھا اس چشم گریاں میں
نہیں کر دو جوابِ وصل میں تا جاں نکل جائے / جئیں کب تک تمہاری روز کی ہوں ہوں میں ہاں ہاں میں

احقر

(احقر) سید یعقوب علی دہلوی سنہ ۱۲۸۰ھ میں حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں ؎

نہ توڑا اے بت آئینۂ دل کو میرے / کہ پھر جوڑنا اسکا آساں نہیں ہے
یہ ارماں ہے اک دن کہوں یہ بھی یارب / مرے دل میں اب کوئی ارماں نہیں ہے
قدم راہ الفت میں رکھنا ہے مشکل / خضر یہ رہِ آبِ حیواں نہیں ہے

احمد

(احمد) ان کا نام تحقیق نہیں ہوا غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے۔ گجرات کے رہنے والے تھے۔ مرزا علی ابراہیم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت احمد ولی دکنی کے ہم عہد اور ہم وطن تھے۔ زبان سنسکرت اور برج بھاکا سے بخوبی واقف تھے۔ کبھی کبھی اُس زمانے کی زبان کے موافق ریختی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے۔ اُنکے تین شعر مسٹر ایف فیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں لکھے ہیں جنہیں صرف ردیف ہندی ہے ایک شعر وہاں سے اور دو تذکرۂ شوق سے منتخب ہو کر درج کئے جاتے ہیں ؎

وقت آخر بھی نہ کچھ نکلی ہماری آرزو
دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے ساری آرزو

رہ گئے منہ دیکھ کر جب حشر میں اُن سے کہا
ہم ہوں شرمندہ یہی ہے کیا تمہاری آرزو

قیامت ہے کسی کمسن کا کہنا میری تربت پر
چلو اُٹھو ملو کیوں مجھ سے حق ناحق خفا تم ہو

کیا ہو شکوۂ جور و جفا جس سنے وہ کافر ہو
کسی کے جھوٹ سچ کہنے پہ کیوں مجھ سے خفا تم ہو

وہ سر ہے یہ جسمیں سودا ترا
وہ دل ہے تری جسمیں ہو یاد کچھ

محبت میں احقر کو سمجھائیں خاک
سمجھتا بھی ہو خانہ برباد کچھ

وہ کہتے ہیں تم سے بڑے ہیں ہزاروں
بڑے اک تمہیں ہو وفا کرنے والے

جفا کو وفا کہنے والے ہمیں ہیں
تمہیں ہو وفا پر جفا کرنے والے

اِس گھڑی تم جاؤ کوئی بات ہے
مینہ برستا ہے اندھیری رات ہے

ایک وہ لاکھ چاہنے والے
جان آفت میں پڑ گئی اُن کی

جتوں یہ کہہ رہی ہے کسی خورد سال کی
اچھا جناب آنے دو پھر دیکھنا مجھے

ساتھ میرے رہ کے لکھتے ہو بُرائی تم مری
کچھ مروت بھی کراماً کاتبیں آنکھوں میں ہے

نہ پڑے وقت کسی پر یارب
مجھ پہ تقدیر مری ہنستی ہے

احقر

(احقر) مرزا امیر الملک عرف مرزا بُلاقی گورگانی دہلوی خلف مرزا الٰہی بخش آپ کا سلسلۂ نسب جہاندار شاہ بادشاہ تک پہنچتا ہے۔ سرکار انگلشیہ سے پانچ روپیہ ماہوار اور سرکار نظام سے سو روپیہ ماہوار منصب پاتے ہیں خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت کے باعث آپ کو سرکار سے کرسی نشینی کا اعزاز حاصل ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ بہت ہیں۔ فکرِ سخن کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اکثر فارسی غزلوں پر مصرعے لگاتے ہیں کبھی کبھی غزل گوئی کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے اگر طبیعت پر زور دیں تو اچھا کہنے لگیں۔ تلمذ کسی سے نہیں ہے۔ خلیق و ملنسار بزرگ ہیں مجالسِ سوز و سماع میں اکثر شامل ہوتے ہیں۔ اب ۵۶ برس کے قریب عمر اور دہلی میں رہائش ہے انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

اور دلی کے باشندے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے تک موجود تھے۔ یہ اُنہیں کے اشعار ہیں ؎

تن کو جلائیے یا کہ تو آنسو بہائیے شمع	بنتی نہیں یہاں تجھے بن سر کٹائیے شمع
فراقِ گلرخاں میں کھا کے داغ آہستہ آہستہ	کیا سینے کو اپنے بنے باغ آہستہ آہستہ

(احمد) مرزا احمد شاہ گورگانی دہلوی۔ مرزا جمعیت شاہ ماہر کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اور غالباً فنِ سخن میں اُنہیں سے مستفید تھے۔ مروت اور دوست نوازی میں فرد تھے۔ اشعار ذیل اُنکی طبع زاد ہیں ؎

بہائیے بلبلِ بیدل کا جب لہو صیاد	تو کیوں نہ سامنے گل کے ہو سرخرو صیاد
کہو کہ کیونکہ ہو اُس سے نباہ کی صورت	کہ بدمزاج ہیں ہم اور تند خو صیاد
بچائیے جان کدہر عندلیب زار اے گل	پھریں تلاش میں جب اُسکی چارسو صیاد

(احمد) مرزا احمد بیگ یہ مرزا فاضل بیگ دہلوی کے چچازاد بھائی تھے۔ علم تسخیر و عملیات میں اچھے عامل مانے جاتے تھے۔ کبھی کبھی موزونی طبع کی اعانت سے فکر سخن بھی کرتے تھے۔ بہادر شاہ ثانی کے دورانِ حکومت میں نشو و نما پایا تھا اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ؎

اپنی اپنی گور سے سب دیکھتے ہیں سر اُٹھا	اُس خرامِ ناز سے کیا فتنۂ محشر اُٹھا
پاؤں پھیلاتا ہے ہر محفل میں کیسا بے دھڑک	طفلِ اشک اے اہلِ الفت بیطرح اِترا اُٹھا
کسکی مژگاں کا الٰہی ہے مرے دلمیں خیال	کہ کھٹکتا ہے مرے سینہ میں اک خار نیا
ہوئے جو خاک اُس کوچے میں تو یہ آبرو پائی	لگے سو بار قدموں سے لگے سو بار دامن سے
ہنگامِ نزع میں بھی ہمیں انتظار تھا	آتا ہے یا نہیں وہ ستمگار دیکھئے

(احمد) احمد بیگ قزلباش۔ دہلی کے رہنے والے اور سپاہ گری کے فن سے خوب ماہر تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے زمان ولیعہدی میں رسالۂ خاص کے افسر اور گلشنِ بیخار کی ترتیب کے وقت جوان وجیہ و خوش رو تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کیں پکڑی	نہ اُٹھ سکا ترے بسمل سے یہ زمیں پکڑی

احمد

احمد

احمد

گر بیضۂ زاغ کسے در زیر سیمرغ نہد	از اصل خود نآید بروں آخر گلیلا ہوسے پر[۱]
ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے	نیا ئی راہ دانش میں خرد شاں بیخبر نکلے
رہے نادر خیالاں میں رہے شوریدہ حالاں میں	ہوئے صاحب کمالاں میں کدہر سے آکدہر نکلے

احمد

(احمد) مولوی احمد خاں شاہجہاں پوری عالم متبحر اور خوش تقریر بزرگ تھے۔ مدتوں نواب حافظ رحمت خاں مغفور کی رفاقت میں رہے۔ فارسی دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر وہ مسودہ تباہ ہوگیا۔ ریختہ میں بھی گاہے گاہے فکر کیا کرتے تھے۔ تذکرۂ شوق میں اُنکا ذکر نظر سے گزرا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

کیوں نہووے دل مرا نخچیرِ زلف	عاشقاں کی قید ہے زنجیرِ زلف
مار ڈالے چاہنے والوں کو وہ ✢	دیکھی ہم نے کچھ عجب تاثیرِ زلف
مصحفِ خوبی کا کرتی ہے بیاں	حسنِ معنی کی لکھے تفسیرِ زلف
کیا پریشانی میں ڈالا دل کو آج ✢	میں بجا نوں کس سے کی تقریرِ زلف
دشتِ مجنوں کا مجھے احمد ہے شوق	دل پہ میرے ہے مگر تاثیرِ زلف

احمد

(احمد) احمد خاں ولد بہادر خاں۔ ساکن رام پور قوم سے کمال زئی تھے۔ رودہ واقع کوہستان تیراہ کے بڑے عالی خاندان صاحب نوبت ونشان اور پشتو زبان کے صاحب دیوان تھے۔ فن تاریخ میں اچھی معلومات تھی کبھی کبھی اُردو شعر بھی کہتے تھے۔ حضرت امیر مینائی کا قول ہے کہ قدرت اللہ شوق اور میر غلام علی عشرت کے شاگردوں میں تھے۔ مگر شوق کے تذکرہ میں ان کا حال نظر سے نہیں گزرا۔ ۸۔ شعبان سنہ ۱۲۲۱ ہجری کو عین عالمِ شباب میں انتقال کیا۔ یہ دو نو شعر انہیں کے طبعزاد ہیں ؎

مرگئے تو بھی نہ لکھا مجھے جانی تو نے	جاں فشانی کی مری قدر نجانی تو نے
خط کتابت تو بڑی بات ہے پیارے ابتک	مجھکو بھیجا نہیں پیغام زبانی تو نے

احمد

(احمد) منشی صمصام الدین خلف انعام اللہ خاں یقین شاعر قدیم۔ شاگرد مرزا مظہر۔ سپاہی پیشہ

[۱] ہوسے پر کا مفہوم آخر ہوکر رہے سمجھنا چاہیے ۱۲

جواں وہ جو تھے شیر صحرائے جنگ
چلے دشمنوں کی طرف بے درنگ
ملے دونوں لشکر بہم اس طرح
کہ ساون سے بھادوں ملے جس طرح
کسی سمت تھے گرز آتش فشاں
کہیں پار سینوں کے نوک زباں
کوئی نیم جاں تھا کوئی خستہ تن
میسر کسیکو نہ آیا کفن +
پڑی لاش پر لاش تھی اس قدر
کہ کشتوں کے پشتے ہوئے سر بسر

احمد
(**احمد**) منشی سید احمد حسین خلف سید ابن حسین شاگرد میر حامد حسین نکہت سنہ ۱۸۷۸ء تک بمقام پٹنہ عظیم آباد موجود تھے - اشعار ذیل اُن کی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

آنکھیں تو ملا کر کہو انصاف یہی ہے
ہم تم سے مریں اور تم اغیار کو جا ہو
رہتی ہے دعا یہ سحر و شام ہماری
سب ہم سے بگڑ جائیں مگر تم نہ خفا ہو
باہر یہ قدم جادۂ الفت سے نہوں گے
سر کاٹ کے رکھدے ابھی احمد جو رضا ہو
سر مقتل بھی ہم کو زیر خنجر غش پہ غش آئے
نہ دیکھی مرتے دم بھی ہمنے صورت ہائے قاتل کی

احمد
(**احمد**) منشی سید ابو احمد - ولد سید ابو محمد متوطن امروہہ ضلع مراد آباد ۱۲۷۹ہجری میں پیدا ہوئے بسبب ملازمت ریاست بھوپال میں اقامت گزیں ہیں - اور خان محمد خاں تشہیر سے تلمذ ہے - یہ ان کا کلام منتخب ہے ؎

ہزاروں غنچے کھلے ہوئے ہیں تمام گلشن مہک رہا ہے
شجر شجر پر چمن میں بلبل ہوائے گل میں چہک رہا ہے
ڈھلا ہے سانچے میں نخل قامت کرشمہ یا ہے قیامت
بہار پر ہے گل جوانی بلا کا جوبن ٹپک رہا ہے
مزاج میں ہے ابھی لڑکپن ہے طبع جور و جفا پہ مائل
عوض میں مرہم کے زخم دل پر نمک ستمگر چھڑک رہا ہے
یہ دم ہے اب کوئی دم کا مہماں شتاب آ کر مسیح دوراں
لگادے زخم جگر پہ مرہم کہ تیر اُلفت سسک رہا ہے

احمد
(**احمد**) منشی علی الدین احمد آتاجی - ضلع ورنگل علاقہ نظام حیدر آباد دکن میں تحصیلدار ہیں - انکے دادا حاجی محمد ابراہیم سرکار نظام میں بعہد افضل الدولہ بہادر منیر سبارک کے خانساماں تھے اور زمانہ حال میں پنشن یاب تھے اُنہوں نے سنہ ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا - جناب احمد امیر مینائی کے شاگرد

دل نہیں وہ شیشے کہ جو کافر بنے اور ٹوٹ جائے		ہم تمائیں سے گے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
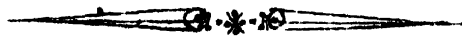
احمد

(احمد) سید احمد علی عرف میاں جان رام پوری ولد محمود شاہ ۱۲۹۰ھ ہجری میں ریاست رام پور میں ملازم تھے بعد کا حال معلوم نہیں۔ اُس وقت انکی ۲۲ برس کی عمر تھی۔ امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ اُنکے تین شعر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اپنی مژگاں کو لہو میں سنے دیا یا نہ دیا وہ خاکسار ازل ہوں کہ نقش پا کیطرح		سرخرو تجھسے تو اے نشتر فصاد رہا مدام خاک بسر کوچۂ بتاں میں رہا
روز فرقت میں جو یہ حال ہے بے تابی کا		دیکھوں کیا کرتے ہیں یہ دل یہ جگر وصل کی شب

احمد

(احمد) حافظ میر احمد علی نام۔ مسٹر ایف فیلن صاحب کی تحریر کے مطابق ۱۸۸۰ء میں ان کی ۲۵ برس کی عمر تھی۔ طبیعت موزوں پائی تھی مگر فکر سخن کا کم اتفاق ہوتا تھا نساخ انہیں میر عزت اللہ عشق کا شاگرد بتاتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے ؎

آکے ناحق ہمیں ستایا کیوں ایسی تقصیر کیا ہوئی ہم سے کیا غضب ہے کہ تو نے احمد کو آہ کچھ پہلے ہی دن اُسنے دکھا کر آنکھیں		پھر نے سے کر دل جلایا کیوں وہ خفا ہم سے ہے خدایا کیوں اس قدر دل سے ہے بھلایا کیوں دل مرا چھین لیا کچھ نہ بن آئی مجھکو

احمد

(احمد) سید معین الدین احمد ولد سید معین الدین احمد۔ رام پور میں رہتے تھے۔ انکا نسبی سلسلہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے ۱۲۴۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ احمد حسین راحت سے مشورہ رہا۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ ہجری میں ۳۷ برس زندہ رہ کر راہی ملک بقا ہوئے امیر مینائی نے اپنے تذکرہ میں انکے مصنفہ اردو سکندر نامے کے چند شعر منتخب کئے ہیں وہی یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

ہوا جب کہ تابندہ مہر منیر		صف آرا ہوا شاہ گردوں سریر

دادا منشی حاجی محمد خاں عرصہ دراز تک راجپوتانہ رزیڈنسی کے میر منشی رہے آخر میں گورنمنٹ کی منظوری سے جودھ پور کی ریاست کے مدار المہام ہوئے اسی ملازمت میں بمقام پشکر کسی ظالم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ نہایت سخی شخص گزرے ہیں اُنکا اصل وطن کابل تھا۔ سر جان لارنس صاحب بہادر کے ہمراہ آکر سرکاری ملازم ہوئے تھے۔ اِنکے والد ماجد حضرت داغ مرحوم کے سر برآوردہ تلامذہ میں تھے۔ اُنہوں نے بھی جناب داغ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا مگر اوائل مشق ہی میں تین سال ہوئے نوجوان انتقال فرمایا کلام حاضر ہے ؎

انکی جتنوں یہ کہتی ہے دل سے	جان اب تو بچے گی مشکل سے
زہر الفت کی ہے عجب تاثیر +	اسمیں تلخی بھی ہے مزا بھی ہے
اے لب یار تیرے پاس آخر	دردمندوں کی کچھ دوا بھی ہے

۱۷۱ (احمد) منشی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کا تخلص۔ آپ حافظ مولوی سید عبدالرحمن کے خلف اکبر باپ کی طرف سے حسنی اور ماں کی جانب سے حسینی سید ہیں +

منشی صاحب ۸ - جنوری ۱۸۴۶ء کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ہوش سنبھالا۔ منشی صاحب نے سرکاری مدارس اور نارمل اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ لیکن سب سے زیادہ وقت اور عمر کا بڑا حصہ فرہنگ آصفیہ کی تدوین میں صرف ہوا جسمیں بیس پچیس برس تک برابر منہمک رہے - فرہنگ آصفیہ کی تالیف پر گورنمنٹ نظام سے ساڑھے پانچ ہزار کا انعام اور پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ عطا ہوا اور چار سو جلدوں کی خریداری بھی کی گئی اور اب تک اس کتاب کی ایک نہ ایک پہلو سے دستگیری ہو رہی ہے - اِسکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تعلیم مستورات کے متعلق اِن کی تصنیف سے ہیں مثلاً انشائے ہادی النسا۔ قصۂ راحت زمانی۔ اخلاق النساء۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ۔ طبی تعلیم۔ لڑکیوں کا قاعدہ بطرز جدید مع طریقہ تعلیم۔ علم اللسان وغیرہ جو شایع ہو چکے ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے عورتوں کی خاص زباں میں اخبار النساء انہیں کی کوشش سے جاری ہوا جو کئی برس تک دھوم دھام سے جاری رہکر بند ہو گیا۔ کنز الفوائد اور وقائع درانیہ

تھے - انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

کھلائیں ٹھوکریں در در کیا رسوا زمانہ میں	ارادہ کیا خدا جانے ابھی ہے اور اس دل کا
ہمدم بھی اپنے دشمنِ جانی نظر پڑے	آنکھ اُس کی کیا پھری کہ زمانہ بدل گیا
حالِ دلِ مضطر میں سناؤں نہ سناؤں	ڈرتا ہوں وہ سنتے ہی نہ ہو جائیں خفا اور
پڑی دخترِ رز تھی جو قاضی کے گھر میں	یہ رندوں سے کیوں پارسا مل رہی ہے

احمد

(احمد) منشی احمد علی - باشندۂ کسمنڈہ مقیم دکن - یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

پہلے پانی تھا ہوا پھر خون اب خوں بھی نہیں	جائے اشک ارغوانی اک غبار آنکھوں میں ہے
تیرے میکش حشر میں اُٹھے ہیں کس انداز سے	سرگراں ہے پاؤں میں لغزش خمار آنکھوں میں ہے
کیا بیاضِ صبح ہمدوشِ سوادِ شام ہے	انقلابِ گردشِ لیل و نہار آنکھوں میں ہے
کیا پلایا مغبچے نے ساغرِ صہبائے شوق	مدتیں گزریں مگر اب تک خمار آنکھوں میں ہے

احمد

(احمد) مولوی شیخ محمد احمد خاں بہادر رئیس و تعلقہ دار ملیح آباد ضلع لکھنؤ - رسالدار فقیر محمد خاں گویا شاگرد خواجہ وزیر کے نبیرہ اور جانشین ہیں - حکامِ وقت کی طرف سے آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے عہدے پر ممتاز ہیں - گاہ گاہ فکرِ سخن بھی کرتے ہیں ؎

مجھے بھی وحشتِ دل سوئے نجد پہنچا دے	کہ راہ تکتا ہے قیس برہنہ پا میری
شفا پذیر نہ ہوں گا کبھی طبیبوں سے	مرے مسیح ترے پاس ہے دوا میری
مرے مسیح کو دیکھا جو میری بالیں پر	تو اُلٹے پاؤں وہیں پھر گئی قضا میری

احمد

(احمد) منشی شیخ احمد علی صاحب احمد رئیس آنریری مجسٹریٹ بہار - کلام کا نمونہ حاضر ہے ؎

اب بڑھا کر دوستی کم کیا کریں	وہ کریں ترکِ وفا ہم کیا کریں
اے امیدِ کامیابی دے جواب	کہتی ہے کوشش مری ہم کیا کریں
تم چھڑک دو دل کے زخموں پر نمک	لے کے جراحوں سے مرہم کیا کریں

احمد

(احمد) مرزا احمد اللہ خاں - خلف الرشید نواب عبد اللہ خاں مطلب مرحوم رئیس اجمیر انکے

وقت وضو جو ہوتا ہے ہاتھوں کو بار بار ۔ زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو

رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں ہو ۔ بھلا بچکر رہو جاتے کہاں ہو

غنیمت جاں لو صحبت کو دو اسکی ۔ خدا جانے یہ سید پھر کہاں ہو

جب آئے لطف تجکو محبت کا ناصحا ۔ تو بھی کبھی جلے کبھی بھنکر کباب ہو

اپنی غشی تو جائے جب ہی جب یہ بات ہو ۔ عارض کا تیرے گل ہو عرق کا گلاب ہو

آج بیٹھے ہیں سب ہمارے دل میں کچھ آئی ہوئی ۔ جام مے بھی سبز ہے اور ہے گھٹا چھائی ہوئی

تا بکے دوں صبر دل کو کب تلک چپکا رہوں ۔ یاد بھی آوے کہیں تم کو قسم کھائی ہوئی

جی بھی اُٹھو کہ یار آتا ہے ۔ دم یہ خاصا دیا مسیحا نے

نفرت شراب سے ہے نہ رغبت کباب سے ۔ کوسوں ہیں دور ہم غم زہد و ثواب سے

جب دُور تم ہوئے مری چشم پُر آب سے ۔ لاکھوں برس گزر گئے اپنے حساب سے

نہ روکو مجکو یہ کہکر کہ ہاں سنو تو سہی ۔ وصال میں ہے ستم یہ ادا سنو تو سہی

کسی کا جرم کسی کی خطا کسی کا قصور ۔ ہمیں ہمیشہ ملے کیوں سزا سنو تو سہی

چلو بس حضرت عیسیٰ تم اپنا کام کرو ۔ مریض عشق کو ہو کی شفا سنو تو سہی

نہ چونکا خواب عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم ۔ یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی

رما ئے بیٹھے ہو دھونی جو اُنکے در پر تم ۔ ہُوا ہے کیا تمہیں سید بھلا سنو تو سہی

احمد

(احمد) منشی احمد حسین خاں بی اے تاریخ ولادت ۲۱ - جولائی ۱۸۶۷ء ہے - انکے دادا یعقوب خاں فوج میں صوبہ دار تھے ذات کے یوسف زئی پٹھان ہیں انکے والد بزرگوار خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین خاں سابق پروفیسر میڈیکل کالج حال رئیس و آنریری مجسٹریٹ شہر لاہور ہیں - احمد حسین خاں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی اور ۱۸۹۵ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی ۱۸۸۳ء میں شعر گوئی کا شوق ہوا مرزا ارشد دہلوی کو کلام دکھایا ان دنوں میں انجمن پنجاب کا مشاعرہ بہت زور شور سے ہوتا تھا مولانا آزاد اور مولوی فیض الحسن جیسے بزرگوار شریک ہوا کرتے تھے احمد حسین خاں

کی تالیف کے صلہ میں آپ گورنمنٹ سے انعام بھی پا چکے ہیں - منشی صاحب کو تصنیف و تالیف کا ابتدا سے
زمانہ سے شوق تھا - موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے - زمانہ طفولیت میں
حافظ قطب الدین مشیر کو اپنی چند غزلیں دکھائیں انکے بعد کبھی مولوی سید محمد زکریا خاں صاحب
زکی سے کبھی خواجہ حالی سے مشورہ لیا - مولوی صاحب مشہور ڈاکٹر فیلن کے ترتیب انگریزی اردو لغات
میں عرصۂ دراز تک مددگار رہے اور اس سلسلہ سے کئی برس داناپور میں قیام رہا - تکمیل ڈکشنری
کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور دہلی اور شملے کے مدرسوں میں مدرسی کرتے رہے - اب
پنشن یاب ہیں مگر فی الحال ٹکسٹ بک کمیٹی میں نظر ثانی کتب کے کام پر مامور اور ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار
تنخواہ پاتے ہیں - راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے امداد بھی کرتے رہے ہیں
کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب ملاحظہ ہو

ایسی ہم سے ہوئی خطا کیا رب
جسکے باعث یہ کچھ عذاب ملا

مے کے بدلے ملا جو خونِ دل
تو ملا کر جگر کباب ملا

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا
اُس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا

گر تم سے اپنی ہٹ کو ہٹایا نہ جائے گا
مچلا ہوا یہ دل بھی سنبھالا نہ جائیگا

ہے قیدِ تعلق سے چھٹا کون یہاں پر
کعبہ ہے کسی کا تو ہے بت خانہ کسی کا

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم
حق کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم

لاکھ کلفت کو دیکھتے ہیں ہم
دُگنا الفت کو دیکھتے ہیں ہم

تیری کاکل سے رکھتا ہے یہ بل
دل کی شامت کو دیکھتے ہیں ہم

تم بھی واعظ پھسل پڑو جس پر
ایسی صورت کو دیکھتے ہیں ہم

اب بھی تربت پہ نرگس اُگتی ہے
اپنی حسرت کو دیکھتے ہیں ہم

جان لب پر ہمیشہ رہتی ہے
اس سکونت کو دیکھتے ہیں ہم

زاہد تجھے قسم ہے خدا کی ادھر تو آ
کیا نور سا جھلکتا ہے شیشے کے جام میں

اے شمع تجھ میں شان رخِ دلربا کی ہے	پروانوں تم میں آگ دلِ مبتلا کی ہے
اے تشنگانِ دشتِ محبت نگاہِ یار	برچھی نہیں سبیل یہ آبِ بقا کی ہے
یہ سچ ہے دونوں ہاتھوں سے بجتی ہیں تالیاں	تم کو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے
مشعل ہے بتکدے میں تو کعبے میں ہے چراغ	لَو ہے ہمارے یار کی گھر گھر لگی ہوئی
میں سزاوارِ ستم تھا پہ گیا تقدیر سے	جو سزا دیکھی وہ کم نکلی مری تقصیر سے
ضبط کا یارا نہ تھا حیرت نے رکھ لی آبرو	کب گرا کرتے ہیں آنسو دیدۂ تصویر سے
تا کجا پردہ میں رہتا اتحادِ حسن و عشق	میری حیرانی نمایاں ہے تری تصویر سے
دشمنِ ذوقِ شہادت بیقراری ہے مری	اس وفا پر تم کشیدہ ہو نہ اپنے تیر سے

احمد

(**احمد**) حاجی سید احمد صاحب مدراسی برادر سید علی بہار صاحب قادری - منشی جلیل حسن کو اپنا کلام دکھاتے ہیں ؎

دامِ سبزہ - دانہ شبنم - باغباں صیاد ہے	باغ میں بلبل بنا اپنا نشیمن دیکھ کر
جانتا ہوں حادثاتِ دہر کو ناپائدار	رنج غم کا مجھکو شادی کی خوشی ہوتی نہیں
الم افزا ہے دنیا میں وفورِ دولتِ دنیا	کہ سینے میں صدف کے گوہرِ نایاب چھالے ہیں
مٹی میں مل گئے تو اُٹھے بنکے گرد باد	حالت وہی ہے مٹ کے بھی اپنے غرور کی
نوشِ طرب کے ساتھ ہی نیشِ تعب بھی ہے	لاتی ہیں دن خمار کے راتیں سرور کی
اب جو آئے گی اجل خاک ملے گا اُس کو	جا چکی جان یہاں موت کے ڈر سے پہلے
لازم اندیشۂ عقبیٰ ہے ہمیں دنیا میں	چاہیے زادِ سفر وقتِ سفر سے پہلے

احمدی

(**احمدی**) خواجہ احمد علی مرحوم دہلوی - آخر عمر میں لکھنؤ جا رہے تھے اور جرأت کے شاگردوں میں ممتاز تھے - قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا کلام نظر سے گزرا اُسمیں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج کیئے جاتے ہیں - کلام سے سوزدلی فکر اور خوش اسلوبی طرزِ بیان آشکارا ہے ؎

محکوم عشق ہوکے میں آرام سے گیا	سونا مجھے وہ کام کہ سب کام سے گیا

بھی اپنی غزلیں پڑھا کرتے تھے ۱۸۹۶ء میں رنگ زمانہ دیکھکر غزل گوئی کو ترک کیا اور نیچرل طرز کو پسند کیا دو مجموعے خیابان اخلاق و گلستان اخلاق اس طرز میں چھپ چکے ہیں ۱۸۹۹ء میں لٹریری سوسائٹی پنجاب کی بنیاد رکھی جسکا پہلا جلسہ بصدارت آنریبل مسٹر مدن گوپال ایم اے راے بہادر بیرسٹر ایٹ لا والد ماجد راقم تذکرہ کے بڑی آب و تاب سے ہوا خاں صاحب مشہور ناولسٹ ہیں سو سے زیادہ ناول اور سوانح عمریاں لکھ چکے ہیں جو پنجاب کے عوام میں شوق کی نگاہ سے دیکھے اور پڑھے جاتے ہیں ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ نے عمدہ تصانیف کے صلہ میں انعام دیا ۱۹۰۳ء میں مسٹر بل صاحب بہادر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی کے لئے گورنمنٹ سے انکی سفارش کی ۱۹۰۵ء میں آپ ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال منتخب ہوئے ۱۹۰۶ء میں اکسٹرا اسسٹنٹی کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۸ء میں سر ہنری ٹرولین وڈ کی تحریک پر آپ فیلو سوسائٹی آف آرٹس لندن منتخب کئے گئے پنجاب کے شعرا میں آپ کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے اور واقعی عاشقانہ و طرز جدید دونو میں حق خوش گوئی ادا کرتے ہیں - انکا ایک وصف خاص تعریف کے قابل ہے وہ یہ کہ از حد جفاکش و مطالعہ پسند ہیں - اور ہر وقت کسی نہ کسی مشغلۂ علمی میں منہمک رہتے ہیں فی الحال جہلم میں ڈویزنل کورٹ کے مثلخواں ہیں ؎

تم ہو دمباز تو دم دینا ہے جو ہر اپنا
ہم بھی پھرتے ہیں ہتھیلی پہ لئے سر اپنا

کون کہتا ہے کہ مقتل میں قیامت آئی
خود بدولت ہی نہوں بھیس بدلکر اپنا

جذبِ دل نے نام زندہ کر دیا بہزاد کا +
آنکھ کے پردے میں فوٹو لے لیا صیاد کا

خوب نوچے طائرِ ہوش و خرد کے بال و پر
یہ جنوں میرے لئے اوتار ہے صیاد کا

طائرِ رنگ حنا میں تاب اڑنے کی نہیں
پنجۂ نازک یقیناً ہے قفس صیاد کا +

قرآں سے لئے کوئی فردِ عمل گیا
محشر میں میں شبیہ صنم در بغل گیا

دشتِ وحشت میں اسے کانٹوں نے ناحق چھیڑا
ہائے چھالا مری قسمت کی طرح پھوٹ گیا

نہیں رہبر کی کچھ پروا ہمیں صدقے تصور کے
کہ آنکھیں بند کیں اور جھٹ ترے کوچہ میں جانکلے

طبیعت موزوں پائی تھی شعر خوب کہتے تھے - تذکرۂ شوق سے کلام منتخب ہوا ہے

کیا خودی سے مرے دل کو تو نے خالی عشق
تفضلات ترا اے جناب عالی عشق

اس باغ سے اب جاتے ہیں با دیدۂ تر ہم
شبنم کی طرح پھر نہیں آنے کے نظر ہم

کہتا ہے بگولا یہ سر تربت مجنوں
تو مر گیا صحرا میں رہے خاک بسر ہم

محفل میں تری جمع تھے عشاق کے حلقے
لہرائی ادھر زلف اُدھر ہو گئے برہم

مردم ترے جمال پہ جب چشم وا کریں
آنکھیں اُٹھا کے پنجۂ مژگاں دعا کریں

مرا ہوش و طاقت سبھی لے چلے
اجی تم چلے کیا کہ جی لے چلے

عالم کی تیری چشم نے حالت تباہ کی
دور فلک سے کم نہیں گردش نگاہ کی

حیراں کرے گی آئنہ رویوں کی دوستی
صورت کوئی نظر نہیں آتی پناہ کی

احمدی

(احمدی) تخلص ہے کسی خوش کلام سخنور کا - ایک غزل ایک قدیمی بیاض میں (جو حضرت ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں تھی) نظر سے گزری اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے ہر شعر سے صفائی زبان اور شوخیٔ مضمون ہویدا ہے

کیا ترے حسن کی تصویر ہے اللہ اللہ
سورۂ نور کی تفسیر ہے اللہ اللہ

ایک طرف تیر و کماں ایک طرف تیغ نگاہ
کیا مرے قتل کی تدبیر ہے اللہ اللہ

زلف کو دیکھ کے کیونکر نہ گرفتار ہو دل
کس قیامت کی یہ زنجیر ہے اللہ اللہ

دل دیا جان دیا دولت ایمان دیا
پھر دیکھو ہم سے یہ تقریر ہے اللہ اللہ

احمدی زور پری رو پہ جو دیوانہ ہوا
حسن جسکا ہے جہانگیر ہے اللہ اللہ

(احمدی) عالیجناب نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی مرحوم ممبر کونسل آف ہز ہائنس ریاست گوالیار۔ آپ کنج پورہ کرنال کے مشہور خاندانی نوابی کے رکن اور سرکار انگریزی میں عمدہ عہدے جلیلہ پر ممتاز رہکر انجام کار زمانہ صغر سنی مہاراجہ سیندھیہ والی حال میں کونسل ریاست کے ممبر مقرر ہوئے تھے صاحب خصائل پسندیدہ اور بڑے بامروت اور نیک طینت بزرگ تھے - آپکے دو صاحبزادے مسٹر سلطان احمد خاں اور مسٹر آفتاب احمد خاں مشہور بیرسٹر ہیں

ساقی تری نگاہ نے ایسا چھکا دیا
غم دو جہاں کا بس ترے اک جام سے گیا

حیراں کھڑے ہیں پشت بدیوار سینکڑوں
مکھڑا دکھا کے کوئی لب بام سے گیا

اپنے عاشق کے پاس جانے کی
روز فرصت نہو تو گاہے جا

مجکو جو وہ بُرا کہے تو کہے ؛
پر دلِا اوسکو تو سزا ہے جا

تری چشم نے پہلے بیمار ڈالا
پھر اُس زلف کافر نے بس مار ڈالا

آپکے کوچے میں ہم گزریں گے دن میں لاکھ بار
کچھ اجارہ یاں نہیں رستہ ہے یہ بازار کا

اگرچہ دل میں باتیں یکہزاراں لیکے میں آتا ہوں
پر اُسکے دیکھتے ہی شکل سب کچھ بھول جاتا ہوں

مجھے گلشن میں آتا دیکھ کر وہ غنچہ لب بولا
ذرا آنے دو اسکو چٹکیوں میں کیا اُڑاتا ہوں

اُسے پروا نہیں کچھ سر اگر لاکھوں کے کٹ جائیں
جو پوچھو تو کہے ہے وہ کہ میں تیغ آزماتا ہوں

جو اُس در سے چلوں ہوں احمدی ہوتی ہے یہ حالت
بہانہ ضعف کا کر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

جاتے ہی بزم میں اُسنے یہ دکھائیں آنکھیں
جب تلک بیٹھے ہم اور نہ اُٹھائیں آنکھیں

دیکھے دیکھے سے پریردوں کے کیا کیا طوفان
تسپہ بھی دیکھنے سے باز نہ آئیں آنکھیں

بس گیا گلعذار آنکھوں میں
کیا ہے پھول بہار آنکھوں میں

یہ ان مخفی باتوں کو پیارے کب کوئی نامحرم سمجھے
جو رمزیں ہوگئیں نظروں میں کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے

مت جھوٹی جھوٹی باتوں سے بہلا ہمکو لے راہ اپنی
تو لا دے گا اُسکو ہمدم ہم خوب یہ تیرا دم سمجھے

جو وہ یہاں آکے زراہ کرم ذرا پھر جائے
تو مجھ مریض کی آئی ہوئی قضا پھر جائے

ہے اُس سے گرمیٔ صحبت نہ کھینچ تو دم سرد
مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں ہوا پھر جائے

گھر اپنے آتے وہاں سے خدا خدا کرکر
گلی میں اُس بتِ قاتل کی کوئی کیا پھر جائے

احمدی

(**احمدی**) انکا شیخ احمد نام اور زمانیہ متصل غازی پور مولد تھا قاضی شمس الدین ہردی کے قرابت داروں میں تھے۔ شوق کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میرزا رفیع السودا سے اصلاح لیتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۶ ہجری میں بعہد فضل علی خاں نواب غازی پور زمانیہ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے

ہے زمین و آسماں کا فرق قول و فعل میں	احمدی جو مُنہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہیے

اختر

(**اختر**) میر اکبر علی سرہندی ولد عبد اللہ ابن حضرت الیشاں پیرزادہ نواب قمر الدین خاں وزیر اعظم - دہلی چھوڑ کر آصف الدولہ کے وقت میں لکھنؤ جا بسے تھے - جب مرزا جانی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے تو مصحفی بھی رہیں تھے - جوان قابل ہنرمند و ظریف الطبع تھے کچھ دنوں مصحفی سے مشورۂ سخن رہا اور آخر کو قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں مشہور ہوئے - مصحفی نے اپنے تذکرے میں انکے کلام فصیح اور طرز دل پسند کی تعریف کی ہے - بعض غزلیات میں انجم تخلص بھی کیا ہے حضرت شیفتہ نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہیں صنعت آتشبازی میں بھی دخل تھا اور اکثر اس شغل کو بھی نباہے جاتے تھے ۱۷۹۳ء میں بیس برس کے تھے تذکرہ شوق اور دیگر قدیم تذکروں سے کلام انتخاب کر کے حاضر کیا جاتا ہے ٥

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لخت جگر نکلا	عجب یہ نخل ہے جسمیں بشکل گل ثمر نکلا
خواب راحت میں دلا اُس کو نہ تو ہاتھ لگا	چونک اُٹھے گا ابھی وہ جو کبھو ہاتھ لگا
اور کیا خاک کوئی ہو بجبہ ستم گر عاشق	روتے پھرتے ہیں ترے اگلے ہی گھر گھر عاشق
اللہ اللہ رے تری جلوہ گری کا عالم	نہ لگے گرد کو بھی جس کے پری کا عالم
کیا کہوں کل تری رفتار کی اٹھکیلی دیکھ	کچھ عجب حال سے تھا کبک دری کا عالم
پھر دل میں آپ میں آنا نہیں ہمدم اُس بن	مجھسے مت پوچھ مری بیخبری کا عالم
لے کے دل جان سے مارا مجھے اختر اُن نے	کیا کہوں اُسکی میں بیدادگری کا عالم

بزم میں کس کی رات جاگے تھے	ہے جواب تنک خمار آنکھوں میں

کوئی جتا دے یہ اُس شوخ بے وفا کے تئیں	کہ آشنا نہیں دکھ دیتے آشنا کے تئیں
یارب وہ ملے مجھسے تا لوگ کہیں مجھکو	ساحر اسے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں
اختر میں اُسے چاہا یاں تک کہ وہ میرا بھی	قائل ہے کہ ہاں سچ ہے مائل اسے کہتے ہیں
صدا آواز کبھی ہم تو سُننے کو ترستے ہیں	خوشحال اُنکا ہے جو آپکے ہمسایہ بستے ہیں

اخلاقی مضامین اور تصوف کی طرف زیادہ میلان خاطر تھا عشقیہ اشعار بہت کم کہتے تھے تبرکاً انتخاب کلام پیش کش ہے

تو آقا ہم ہیں چاکر تو ہے مولا ہم ترے بندے
برا ہوں یا بھلا تیرا ہوں تیرے در پہ حاضر ہوں
جو خود مٹ جائے وہ کیا ہو سکے درد کا مرہم
تری ہی دُھن میں ناقوس برہمن گرم نالہ ہے
سہارے پر تری امداد کے ہم سب توانا ہیں
ارم کہتے ہیں جسکو ظرف ہے اک اُسکی قدرت سے
نہاں ہے وہ مگر افعال قدرت ہیں عیاں اُسکے
کمی بیشی شکست و پست ہے سب اُسکے قبضے میں
نشاں کیا کیا دکھائے تونے یا رب بے نشاں ہوکر
ترا جوشِ کرم رفعت اگر دے اہل پستی کو
تمنا ہے سراپا محوِ ذکرِ ذات باری ہوں
جنہیں طفلی میں صرفِ بازئ چوگاں و گوپایا
زباں کو میری گویا کر الٰہی اپنی مدحت میں
جہاں بھولوں بتا جس جا بہک جاؤں ہدایت کے
بھروسہ پر تری امداد کے بیڑا اُٹھایا ہے
ترے در پر جبینِ **احمدی** سرگرم سجدہ ہے
دلوں کو پاک کر یارب خیالاتِ پریشاں سے
اُسیکے آستانہ پر ہمیں لازم ہے سر رکھیں
الٰہی تشنہ لب ہم ہیں ہمارا خضر رہ ہوکر
گدایانِ درِ دولت کی یہ اونچی نگاہیں ہیں
اندمالِ زخمِ ناکامانِ بیکس کے لئے
منعموں سے کہتے ہو حاضر پئے خدمت ہیں ہم

کرم شیوہ ترا یاں ہاتھ میں کاسہ گدائی کا
نہ کچھ رندی سے مطلب ہے نہ دعویٰ پارسائی کا
کرے محتاج کیونکر حوصلہ حاجت روائی کا
تری ہی یاد میں ہے مسجدوں میں غل اذانوں کا
اگر نہ سانس لینا ہو گراں ہم ناتوانوں کا
درخشاں مہر اک شعلہ ہے اُسکے طاقِ ایواں کا
جہاں دیکھو رواں سکہ ہے شاہنشاہِ پنہاں کا
بناتا ہے مٹاتا ہے یہی ہے کام یزداں کا
عیاں کیا کچھ کیا ہے تونے اے خلاق نہاں ہوکر
مہ و خور پر زمیں سایہ فگن ہو آسماں ہوکر
میرا ہر موئے تن سرگرم مدحت ہو زباں ہوکر
وہی محوِ خود آرائی نظر آئے جواں ہوکر
کروں مردہ دلوں کو زندہ دل معجز بیاں ہوکر
جو ہو لغزش تو مجکو تھام میرا مہرباں ہوکر
فلک کے بوجھ اُٹھانے پر تلا ہوں ناتواں ہوکر
تمنا ہے یہیں مٹ جائے خاکِ آستاں ہوکر
بہت چھائی ہے تاریکی قلوب اہل دنیا پر
کھلا ہے اُسکا بابِ رحم ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کرم سے تو ہی پہنچا دے ہمیں رحمت کے دریا پر
نگاہیں ٹھوکریں گر پیش پا ہو ٹھاٹھ شاہانہ
مرہم کافور ہمدردی کا پھاہا چاہئے
بیکسوں سے بھی کبھی پوچھا کرو کیا چاہئے

ہیں مگر چند غزلوں خصوصاً اِس غزل نے جسے ہم منتخب کلام کے شروع میں نقل کرتے ہیں فرط شہرت سے بقاے دوام کی سند حاصل کر لی ہے - نواب غازی الدین حیدر کی نظر عنایت نے فکرِ معاش سے فارغ البال کر کے عمائدین کے درجے تک پہنچا دیا تھا مگر وضع مولویانہ رہی طالب علموں کا ساتھ نہ چھوٹا - اگرچہ مرزا قتیل کی شاگردی کی وجہ سے حضرت غالب سے کسیقدر کھچے ہوئے رہے مگر اِن دونوں کے جھگڑوں میں انصاف کو حق اُستادی پر بالا رکھا اور حضرت غالب کی بلند پروازی و زورِ طبع کے قائل رہے۔

قطعہ

جب پردہ رخ سے دور کرے وہ نقاب کا
کل بن کے شیخ مجتہدِ عصر ساقیا
کہنے لگا ز راہ تبختر مجھے بہ طنز
ہمنے کہا کہ یہ تو ہیں ہم خوب جانتے
گستاخی ہو معاف تو ایک عرض میں کروں
تقوے ہمارے آگے ہو جب آپ کا درست
مے ہو وے کنجِ باغ ہو ساقی ہو ماہ وش
گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ شوخ بے حیا
کھینچے ہنسی سے اپنا ملا کر وہ منہ سے منہ
منت سے یوں کہے کہ ہمارا لہو پئے
اُس وقت ہم سلام کریں قبلہ آپ کو
اور امتحاں بغیر تو یہ آپ کا غلام
اگر ہے نام کی خواہش تو عنقا کی طرح رہیے
شرمسار اسقدر رہیے جہاں میں بارِ ہستی سے

جلوہ ہر ایک ذرہ میں ہو آفتاب کا
دکھلا کے باغ سبز عذاب و ثواب کا
معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا
پر کیا کریں کہ ہے ابھی عالم شباب کا
کیجیے جو آپ مجکو نہ مورد عتاب کا
اور ہو یقین آپ کے اِس اجتناب کا
اور واں مُخل نہ ہو کوئی باعث حجاب کا
دے ذائقہ زباں کو دہن کے لعاب کا
یہ ریش جس پہ جلوہ ہے رنگِ خضاب کا
گر پی بجائے جلد یہ پیالہ شراب کا
گر کچھ بھی خوف کیجئے روزِ حساب کا
قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا
کہ ڈھونڈے لاکھ کوئی پر نہ ظاہر ہو نشاں اپنا
کہ دوشِ بوئے گل پر بھی نہ ہووے تن گراں اپنا

تمہاری چین ابرو ہی کا مارا ہے وہ اے پیارے
صاف دل سے بھی جو اُسکو اپنے ہم گھر لیگئے

بولے گھبرا کر ہمیں پیٹے جو یہ حرکت کرے
کر رہے ہیں لوگ باہر کے جو چرچا سب اجی

کچھ ستارہ شاید انجم کا پھرا ہے اِن دنوں
کہ انجم کے ناحق قتل پر اب آپ کستے ہیں

تو بھی سب دلمیں گماں کچھ اور ہم پر لے گئے
سامنے اُسکے گلے تک ہم جو خنجر لے گئے

کون تھا وہ جسکو تم شب گھر کے اندر لے گئے
تم جو پاس اپنے اُسے ہر وقت بلوانے لگے

اختر

(اختر) ملک الشعرا قاضی مولوی محمد صادق خاں صاحب ولد قاضی محمد اعلی ہوگلی بنگالہ کے قاضی زادوں میں تھے مگر وطن چھوڑ کر لکھنؤ آرہے تھے - مرزا قتیل کے شاگرد رشید اور تحصیلداری کے عہدے پر مامور تھے - جامع الکمالات شخص اور لکھنؤ کے مشاہیر شعراء وقت میں شمار کئے جاتے تھے - ایک تذکرہ موسوم بہ آفتاب عالمتاب جس میں پانچ ہزار فارسی شعرا کا حال اور کلام فراہم کیا تھا ترتیم فرمایا اُسی تذکرہ کی بدولت بھوپال سے متعدد تذکرے شائع ہوئے وہ تذکرہ اب عنقا کا حکم رکھتا ہے - طبیعت کی شوخی - کلام کی بلندی - اور حُسن تشبیہ آپ ہی کا حصہ ہے غازی الدین حیدر والی لکھنؤ نے ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا - چونکہ اِن کی عمر کا بہت بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا اس وجہ سے شعرائے لکھنؤ انہیں بکمال فخر اپنا ہم صفیر و ہم وطن بیان کرتے ہیں اور درحقیقت وہ اپنی قیامگاہ کے واسطے مایۂ افتخار و نازش تھے - انہیں اکثر فنون میں خصوصاً شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا - تبحر علمی کے علاوہ فن سخن و دقائق شعر میں بے نظیر رکھتے تھے بندش مضمون - نازک خیالی - قادر الکلامی - اور خوش گوئی میں لاجواب تھے - مصحفی - انشا اور جرأت کے مشاعروں میں شریک ہوئے - آتش - ناسخ - وزیر اور صبا کے زمانہ تک زندہ رہے - صبح صادق - نور الانشا - محامد حیدریہ - دیوان فارسی - دیوان ریختہ - اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب اِن کی یادگار ہیں - بعد غدر ۱۸۵۸ء لکھنؤ میں وفات پائی - اِن کا کلام عنقا کا حکم رکھتا ہے بہرحال جسقدر مختلف تذکروں میں نظر سے گزرا اُسی کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے - افسوس ہے کہ اِن کی طبعزاد کتابیں حصار مطبع کی زیر حفاظت نہ آنے پائیں - اس سے کمیاب بلکہ نایاب

ملنا تو ایک بار نہ موقوف ہم سے کر +
تا رفتہ رفتہ ہم ترے ہجراں سے خو کریں

ڈرتے ہے بیگانے نہ میرے بعد اُسکے یار ہوں
ورنہ جی دے بیٹھنا کچھ عشق میں مشکل نہیں

کشورِ عشق میں بیکار ہے اعجازِ مسیح
لوگ یاں مرگ سے امیدِ شفا رکھتے ہیں

جان دی ہم نے ہوئی تب غمِ ہجراں سے نجات
عقلا اس لئے کچھ چیز لگا رکھتے ہیں

لوگ جب سنتے ہیں قصے ترے دیوانوں کے
قیس و فرہاد کے افسانہ اُٹھا رکھتے ہیں

دیا بوسہ دہن کا اُسنے ہمت اسکو کہتے ہیں
یہ تنگی اور یہ بخشش سخاوت اسکو کہتے ہیں

خرامِ ناز سے آسودگانِ خواب اُٹھ بیٹھے
یہ چلنا کیا ہے آشوبِ قیامت اسکو کہتے ہیں

جگر سینہ و دل ٹھکانے بہت ہیں
ترے تیر کے یاں نشانے بہت ہیں

پس از قتل باقی ہے تشہیر ہونا
ترے جور ہمکو اُٹھانے بہت ہیں

کسی نے کہا تم پہ مرتا ہے اختر
کہا اس نے ایسے دیوانے بہت ہیں

غرض جو گزرنی سو گزری فکر باقی کیجئے
ہے یہ آتش یادگارِ کاروانِ رفتہ

سیر کیا یاں خاک ہے گل کی پریشانی کو دیکھ
بیٹھ جا ہم بھی کوئی دم مثلِ شبنم رہ گئے

کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیرانِ چمن
کچھ جو اُڑتی سی سنی ہے کہ بہار آئی ہے +

روزِ عاشق کو ترے بادیہ پیمائی ہے
شب کو بیچینی ہے بیخوابی ہے تنہائی ہے

ہاتھ سے دل لیگئے جی سے قرار آنکھوں سے خواب
چشمِ جادو بھی تری کیا صاحبِ تسخیر ہے

کیوں نہ سوجھا حیف یہ نمرود اور فرعون کو
اُسکے بندے ہوکے عالم میں خدائی کیجئے

ہوں نالہ کش اُن سرمئی آنکھوں کا جو اختر
دودِ نفسِ سوختہ سینے میں فغاں ہے

دور اب وہ ہے کہ آخر جائیے جس بزم میں
ہے شرابِ دشمنی سے پُر ایاغِ دوستی

عجب ڈھب کی یہ تعمیرِ خراب آباد ہستی ہے
کہ پستی یاں بلندی ہے بلندی یاں کی پستی ہے

حصولِ جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں
ہماری سعی باطل دیکھکر تقدیر ہنستی ہے

جگر ہے مائلِ سوز آنکھ بھی رونے ہی پر غش ہے
الٰہی کیا کروں میں سخت کار آب و آتش ہے

سوز دل دیواں کا اپنے باعث تعظیم تھا — صفحۂ رنگیں خیالی باغ ابراہیم تھا

دل مجھکو ہائے بیکس و بیچارہ کر گیا — اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا

لخت دل پیہم جو آتے ہیں چلے اشکوں کے ساتھ — اشک کا ہر تار اک تسبیح مرجاں ہو گیا

دھیان ہے اسکی طرف اپنی نگاہ ناز کا — شور ہے صید حرم تک جس شکار انداز کا

خمیازہ کش ہنو لب جاناں شراب کا — محتاج کب ہے آب بقا آفتاب کا

بن تیرے مرا لب کبھی گویا نہیں ہوتا — بے موسم گل غنچہ کبھی وا نہیں ہوتا

مر کر فراق یار میں دل نام کر گیا — ناکام گو جہاں سے گیا کام کر گیا

نظر میں جلوہ گر عارض ہے کس خورشید تاباں کا — کہ ہے تار شعاع مہر ہر مو اپنی مژگاں کا

اے مے تو سرخرو رہے اس بزم میں مدام — تو نے اٹھایا یار سے پردہ حجاب کا

لطف بیحد سے ترے سب دشمن جاں ہو گئے — ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

نیند بیمار کو ہرگز نہیں آتی ہے مگر — مردم چشم تر سے رکھتے ہیں بیماری و خواب

مستی و ہوش کسی نے کہیں یکجا دیکھا — ہاں تری آنکھوں میں ہم پاتے ہیں ہشیاری و خواب

حباب آبجو میں عکس گل ہے یا مجھے ساقی — بلوری جام میں دی ہے شراب ارغوانی بھر

نکیا دل کو ترے ناوک مژگاں سے عزیز — آگے ہمت کے مرے کچھ نہیں جہاں سے عزیز

جگر آتش دل آتش دیدۂ تر شعلۂ آتش — ہوا ہوں سوز الفت سے سراسر شعلۂ آتش

ہماری خاک کو پہنچائے یار کے در تک — اجل کے بعد ہے اتنی ہمیں صبا سے غرض

کبھی بھولے سے ادھر اس نے نہ کی راہ غلط — جذبۂ دل ہے دروغ اور اثر آہ غلط

جس گل کو آب چشم سے پالا ہو سکے اب — آنکھوں میں ہم کھٹکنے لگے مثل خار حیف

کوچہ میں پریزادوں کے جاتا ہے تو اختر — اس راہ میں ہم سنتے ہیں اکثر خطر دل

جام صہبا سے تکلف ہے مجھے رکھئے معاف — میں ازل سے کیفی چشم بتان سادہ ہوں

سبزۂ بیگانہ ہوں میں گرچہ طرف باغ میں — لیکن اے باد صبا تیرا ہی پروردہ ہوں

و روش کا باغ بنوایا۔ اُسے عمارات وایوان دلکشا۔ بارہ دری نہر و پل سنگ مرمر۔ و تصاویر سنگی سے مزین کیا دو کرور روپیہ اس عمارت پر صرف ہوا ہر ایک برسات میں وہاں میلے ہونے لگے۔ ہر میلے میں بادشاہ اور ندیمانِ بارگاہ اُس میلہ کی مناسبت سے خاص خاص ایک ہی رنگ کے لباس زیب بدن فرماتے تھے۔ اور تمام جلوس بھی اُسی رنگ کا ہوتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت بیس برس کی عمر تھی۔ عین عالمِ شباب تھا۔ شروع میں چند روز انتظام امورِ خسروی کا شوق رہا۔ فوج۔ عدالت و رعایا پروری کا ذوق رہا مگر ندیمانِ کوتہ اندیش و مقربانِ بدخواہ نے رفتہ رفتہ عیش و عشرت کی طرف لا ڈالا بیشتر رقص و سرود کی طرف توجہ رہی۔ نماز صبح کے بعد سے شام تک غزل و سلام و فکر شعر میں اوقات عالی صرف فرماتے۔ شام کو اکثر سوار ہو کر نصف شب تک سیر و گلگشت کیا کرتے تھے۔ محرور المزاجی کے باعث اکثر مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف رہا۔ مثنوی غزالہ و ماہ پیکر کی تصنیف سے جلسہ رہس کی بنیاد پڑی۔ صدہا طوائف حسین و جمیل و خوش گلو اس رہس میں ملازم ہوئیں۔ ہر ایک کو لباس فاخرہ و زیور مرصع عطا ہُوا۔ پردے و دیگر سامان بھی اسی شاہانہ پیمانہ پر طیار و مرتب ہُوا ہزاروں بندگانِ خدا اسی بہانے سے برسرِ روزگار ہوئے۔ نئے نئے فسانے تیار ہوئے الغرض جملہ شوق اسیطرح بے غل و غش پورے کئے ہم۔ شعبان سنہ ۱۲۶۷ھ مطابق سنہ ۱۸۵۱ء نواب علی نقی خاں دستور معظم کی تیسری صاحبزادی نواب رونق آرا بیگم سے سلطان عالم کا عقد نکاح شاہانہ دھوم دھام سے عمل میں آیا۔ ملکۂ اودھ اختر محل اُنکا خطاب ہُوا۔ اور بھی باعث ازدیاد قرب و اعتبار رہُوا۔ چند روز بعد مزید مرحمت خسروانہ سے حضور عالم کا خطاب عنایت ہُوا۔

۱۷۔ اکتوبر سنہ ۱۸۵۱ء کو کیوان قدر۔ مرزا حامد علی بہادر ولی عہد کی شادی نواب سرفراز الدولہ کی صاحبزادی سے جو بادشاہ کی حقیقی ہمشیرہ زادی تھیں بہ تجملِ شاہانہ عمل میں آئی۔ سلطان عالم کی جود و سخا کا بیاں کما حقہ کرنے کیلئے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے مختصر یہ کہ محلات معلی و اقربائے شاہی و مصاحبین کو زیور۔ جواہر املاک و معافیات مالیت کئی کرور روپیہ عطا کیا۔ انیس الدولہ گویا ندیم خاص تھا املاک آبائی واقعہ شاہجہاں آباد جسکی قیمت کسیطرح پچاس لاکھ سے کم نہ تھی اُسے بخش دی۔ اسیطرح حکیم شفاء الدولہ

قلق ہے درد ہے کاہش ہے غم ہے ناتوانی ہے
فراقِ یار ہے یا یہ بلائے آسمانی ہے

ادھر قاصد گیا ہے اور اُدھر جاتا ہے جی اپنا
جوابِ نامہ تک کسکو امیدِ زندگانی ہے

جلد آ پیارے کہ تیرے دیکھنے کے واسطے
اشکِ حسرت اور دلِ اندوہگیں آنکھوں میں ہے

بن تیرے گلگشت گلشن میں ہیں لے رشکِ گل
شکلِ خنجر برگ برگِ یاسمیں آنکھوں میں ہے

اختر

(اختر) صاحبعالم مرزا وجیہ الدین گورگانی - مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی کے پوتے اور مرزا بلاقی بدر کے بھتیجے تھے - غدر سے پیشتر قلعہ معلی دہلی میں انکے دیوان خانہ میں اکثر محفلِ مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی - اُس زمانہ میں انکی عمر مشکل ۸ و ۹ برس کی تھی مگر تیزیٔ طبع اور رسائی ذہن کا یہ عالم تھا کہ اکثر شریک مشاعرہ ہوتے یہ اُسی زمانے کا کلام ہے ؎

یہ عمر اور عشق کا آزار دیکھنا
اور دل پہ پھر یہ صدمہ شبِ انتظار کا

واں اُسنے بلایا ہے کہ تورات کو آنا
یاں دن کو نکلنا بھی میسر نہیں ہوتا

اختر

(اختر) سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان ابوالمنصور ناصرالدین سکندر جاہ سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ بہادر جنت آرامگاہ خاتمِ خاندانِ سلاطینِ اودھ - جنت مکان حضرت امجد علیشاہ چہارمیں بادشاہ اودھ کے خلف اکبر نواب ملکہ کشور تاج آرا بیگم صاحبہ کے بطن سے تھے - ۲۶ - صفر ۱۲۶۳ھ مطابق فروری ۱۸۴۷ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے - "مبارک مبارک ہو شاہانہ تاج" تاریخ جلوس ہوئی - رفیقان قدیم ذوالفقار الدولہ قطب الدولہ رضی الدولہ - مصاحب الدولہ - انیس الدولہ - وغیرہ کو خطاب و مناصب سے ممتاز فرمایا - چند ماہ کے بعد نواب امین الدولہ وزیر جنت مکان کو برطرف کر کے اُنکی بجائے نواب مدار الدولہ علی نقی خاں رشتہ وار نسبتی بادشاہ عمو ئے ملکہ مخدرۂ عظمےٰ نواب خاص محل صاحبہ کو ۵ - اگست ۱۸۴۷ء کو خلعت ۴۹ پارچہ اور خطاب امیرالامرا مدار المہام منتظم الملک سہراب جنگ سے مفتخر فرما کر وزیر کیا اور مہاراجہ بالکرشن کو خلعت دیوانی عنایت کیا - بادشاہ نے نواب کو اپنا خیر خواہ و عزیز سمجھ کر معتمد علیہ بنایا اور سیاہ و سفید کا مالک کر دیا - تخت نشین ہوتے ہی تعمیرِ قیصر باغ مد نظر ہوئی نئی طرز

میں جو مولوی مسیح الدین خاں سفیر شاہی نے پہلے سے بکرایہ تجویز کر رکھی تھی رونق افروز ہوئے۔ ادھر چیف کمشنر نے جایزہ جملہ کارخانجات سلطانی اور ملازمین شاہی لیا۔ فوج پیادہ و رسالہ ملا کر مجموع ۸۷ ہزار ملازم ہر فرقہ و پیشہ بموجب فرد دفتر شاہی برآمد ہوئے۔ سب کو حکم برطرفی سنا دیا۔ سات ہزار چوپایہ۔ دو سو ہاتھی۔ دو ہزار گھوڑے۔ ۱۰۷ شیر دو لاکھ کبوتر اور بیشمار اسباب سرکار شاہی میں موجود پایا۔ جنکا کوٹھی دلآرام میں دو ماہ تک نیلام ہوتا رہا۔ اسیطرح اور اسباب کیا ب کوڑیوں پر نیلام ہوا۔ کروڑوں روپیہ کا سامان جو سو برس سے اوپر زمانِ وزارت و شاہی میں مہیا ہوا تھا چشم زدن میں برباد ہو گیا۔ دیکھتے دیکھتے سب کارخانۂ شاہی درہم برہم ہو گیا ؎

	بہت عہد اقبال میں زر لٹا	مگر جب زوال آگیا گھر لٹا	

بعد ورودِ کلکتہ سلطان عالم نے کچھ مشاہدۂ صعوبت سفر اور کچھ مصلحت وقت سے اپنا ارادہ روانگی ولایت فسخ فرمایا اور یہ ٹھیری کہ بجائے خود مادر مقدسہ جناب عالیہ ملکہ کشور صاحبہ کو مختار جزو کل بنا کر واسطے درستیٔ امور شاہی روانہ کیا جائے۔ چنانچہ جناب عالیہ مع فرزند دوئمی جنرل مرزا اسکندر حشمت و مرزا حامد علیخاں ولیعہد بہادر ۱۸ - جون ۱۸۵۶ء کو بوقت شب سوار ہو کر راہیٔ منزل مقصود ہوئیں اس قافلۂ شاہی غریب الدیار میں ۱۱۰ زن و مرد تھے۔ بادشاہ نے تحائف گراں بہا و نایاب برائے نذر حضرت ملکہ معظمہ اور دو برس کا زاد راہ دے کر رخصت کیا۔ انہیں پریشانیوں میں ایک برس مشکل سے گزرا تھا خبر آئی کہ میرٹھ اور دہلی میں فوج برگشتہ ہو گئی۔ اور فوج باغی نے لکھنؤ میں مرزا برجیس قدر کو مسندِ حکومت پر بٹھا دیا۔ ایسی تشویش ناک حالت میں گورنر جنرل نے بلحاظ مصلحت وقت حکم دیا کہ سلطان عالم فورٹ ولیم میں قیام فرمائیں چنانچہ صاحب سکتر اعظم یہ پیغام لیکر حاضر حضورِ شاہی ہوئے اور اُسیوقت اپنے ہمراہ فورٹ ولیم لے گئے۔ نواب مجاہد الدولہ پھوپھا مرزا فتح الدولہ برق۔ مصلح السلطان نواب عنایت الدولہ وغیرہ۔ ہمرکاب رہے چنانچہ وہیں ۲۸ صفر ۱۲۷۴ھ کو فتح الدولہ برق نے بحالت تپ انتقال کیا۔ بادشاہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اُستاد بلکہ جاں نثار تھے ابھی رہائی نہیں ہوئی تھی کہ جناب عالیہ ملکہ کشور والدہ کے انتقال کی خبر پیرس سے

کو جونپور کی جاگیر جسکا محاصل کثیر تھا عنایت کی الغرض بہ نفس نفیس ہمیشہ رعایا پروری- دادگستری ملحوظ خاطر اقدس رہی مگر وزیرا ور دیگر مقربان بارگاہ شاہی کی ناقابلیت اور غفلت سے ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور باوجودیکہ حکام انگلیشیہ نے بار بار فہمایش کی کوئی اثر مترتب نہوا- انجام کار سرکار انگلیشیہ نے ملک کی بدنظمی- محاصل کی کمی- اسراف کی زیادتی اور تعلقہ داران کی سرکشی دیکھکر ۳۱- جنوری ۱۸۵۶ء کو انتزاع سلطنت کا فتویٰ سنایا- اور ۷- فروری ۱۸۵۶ء میں ملک اودھ پر جسکی آمدنی دو کروڑ سالانہ سے کم نہ تھی قابض و متصرف ہوکر صرف پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ سلطانعالم کے اخراجات کے لئے مقرر کیا اس نازک حالت میں بھی سلطانعالم نے صبر و استقلال ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر حالت میں رضا جوئے دولت برطانیہ رہے اور خود احکام و فرامین جاری فرماکر تمام ممالک محروسہ کا دخل اہالیان سرکار کے تفویض فرمادیا- بصلاح و صوابدید اعزا و اقربا یہ تجویز ٹھیری کہ بہ نفس نفیس ولایت انگلستان تشریف لے جاکر جناب علیہ ملکہ معظمہ کے حضور میں مواہید و اقرار نامجات سابقہ کو پیش کرکے استرداد سلطنت کی درخواست کریں- چنانچہ ۵- رجب ۱۲۷۱ھ مطابق ۴- مارچ ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بہرات گئے اپنے پھوپھا نواب حسام الدولہ بہادر کو لکھنؤ میں اپنا مختار مقرر فرماکر راہی کانپور ہوئے اُسوقت جو حالت اقربا و متوسلین شاہی کی ہوئی اُسکے تصور سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے- جناب عالیہ ملکہ کشور- نواب خاص محل صاحبہ معشوق محل- جنرل مرزا اسکندر حشمت برادر حقیقی- مرزا ولی عہد اور جنرل فریدوں قدر اور نواب منور الدولہ بہادر وزیر زمان امجد علی شاہ- ہمراہ رکاب رہے- انکے علاوہ کم و بیش تین سو متوسلان بارگاہ نے بھی رفاقت کرکے حق نمک ادا کیا- سامان سفر درست کرنے کے بعد بادشاہ ۷- اپریل کو کانپور سے روانہ ہوکر ۱۶- اپریل کو بنارس پہونچے اِن ایام میں گرمی کی بڑی شدت تھی- چنانچہ سفر میں از حد تکالیف شاقہ اُٹھائیں- البتہ بنارس میں ہر طرح کا آرام ملا- مہاراجہ ایشری پرشاد نراین سنگھ نے مراسم مہمانی اس شان و شوکت اور فراخدلی سے ادا کئے کہ خود سلطانعالم باوجود آلام روحانی اُنکے حسن خدمات سے خوش و سپاس گزار ہوئے دس روز وہاں قیام کرکے راہی کلکتہ ہوئے اور ۱۳- مئی ۱۸۵۶ء مٹیا برج مہاراجہ بردوان کی کوٹھی

غالباً اسی دُھن نے امور سلطنت کی طرف سے غافل کر دیا تھا - خود اس فن میں ایسا دخل رکھتے تھے کہ جواب نہ تھا خیر اب اس قصہ کو یہیں چھوڑ کر ہم انکی نفسِ شاعری کے متعلق اپنی راے ظاہر کرتے ہیں - انکے متعدد دیوان - مثنویاں - ضخیم مرثیے - سلام اور مختلف اور بے شمار نظمیں دیکھکر ہر شخص یہ راے قائم کر سکتا ہے کہ سلطان عالم ہر وقت اور ہر لحظہ اسی فکر میں رہتے ہونگے - ہر رنگ اور ہر طرز میں لکھا ہے مگر اساتذۂ لکھنؤ کی خشک کلامی کے زبردست اثر پر حاوی نہو سکے چنانچہ کلام میں سوز و گداز کم ہے - اور زیادہ تر رعایت لفظی ہی کی تکرار ہے - غزل - قصیدہ - مثنوی - سلام - قطعہ الغرض کوئی صفتِ شاعری انکی نگر رسا سے نہیں چھوٹی بلکہ اپنی حیرت انگیز پُرگوئی کی بدولت جو کچھ لکھا جی بھر کر لکھا مگر افسوس ہے کہ جملہ تصانیف میں سے صرف ٹھمریوں نے قبولیت کا درجہ حاصل کیا - وزیر السلطان نواب امیر علیخاں صاحب نے وزیر نامے میں آپ کی تصانیف کی فہرست لکھی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے ۶ دیوان - شیوع فیض - قمر مضموں - سخنِ اشرف - گلدستۂ عاشقاں - اختر ملک - نظم نامور - متعدد مثنویاں - حزن اختری - بنی - ناجو - دولہن در فن موسیقی - قصائد فارسی و اردو - مباحثہ بین النفس و العقل - نصائح اختری - عشق نامہ - رسالۂ ایمان در بیان مصائب اہلبیت - دفتر پریشان - مقتل معتبر - دستور واجدی در سیاستِ مدن - صوت المبارک - ہیبتِ حیدری - قصائد المبارک - جوہر عروض - ارشاد خاقانی در عروض - اور خدا جانے کیا کچھ لکھا ہے - جملہ تصانیف کی تعداد چالیس جلدوں سے کم نہیں ہے - انکے زمانے میں کیا بلکہ ان سے پہلے ہی لکھنؤ کے شعرا رعایت لفظی اور استعارہ بندی کا ایسا رواج دے گئے تھے کہ وہاں والے اب تک اس طرز پر مٹے ہوئے ہیں - غزلوں میں حضرت اختر کی روش بھی وہی تھی - پس ہم نہایت آزادی سے اس رعایت لفظی کی پابندیوں کو مدنظر رکھکر ان کی غزلوں پر راے دیتے ہیں کہ انکے کلام میں اکثر جگہ موزونی طبع اور فراہمی الفاظ کے سوا کوئی خاص زبان یا بیان کا لطف نہیں پایا جاتا - مثنویوں میں البتہ اکثر جگہ روزمرہ اور بیان کی صفائی کا خیال رکھا ہے - انکی اکثر تصانیف سلطانی مطبع کی چھپی ہوئی ہیں جو اب کمیاب ہیں - راقم تذکرہ نے بہت کوشش - تلاش کے بعد انکی تصانیف کا کافی سرمایہ

آئی - چند ہی روز بعد برادر عزیز جنرل سکندر حشمت کی خبر رحلت ملی - اِن صدمات پیہم سے
از حد رنج و ملال ہوا - آخر کار خدا خدا کرکے بعد فرو ہنگامہ کامل ۲۶ ماہ کی کڑیاں جھیلکر حکم رہائی ملا -
چنانچہ ۹ - جولائی روز شنبہ ۱۸۵۹ء حضرت سلطان عالم مع رفقائے خاص قلعے سے داخل
مٹیابرج ہوئے - اُسدن جملہ محلات معلی میں شکرانۂ سلامتی ادا ہوا - ۲۹ ستمبر ۱۸۵۹ء کو مرزا
ولی عہد بہادر بھی سفر ولایت سے واپس آگئے - کم و بیش دو کروڑ روپیہ کی زیرباری اس سفر میں ہوئی
اور نتیجہ جو کچھ نکلا ظاہر ہے +

اگرچہ شاہ اودھ کی ظاہری حالت اور انتزاع سلطنت کو دیکھکر عبرت پسندوں کا خیال تھا کہ
اب وہ طمطراق و شاہانہ عیش و نشاط اس مٹیابرج میں کہاں مگر نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے
اور حقیقت حال سے آگاہ اشخاص بخوبی جانتے ہیں کہ اس فلاکت اور گئی گزری حالت میں
بھی اس باوضع بادشاہ نے تادم مرگ اپنی کسی عادت اور کسی شاہانہ عیش پرستی و شغل میں فرق
نہ آنے دیا - اور اس شعر کا مصداق بنا رہا ؎

تند بادِ قہر نے کشتی کو توڑا پر ہیاں	زمزمہ لب پر وہی ہے ہر چہ بادا باد کا

اس غریب الوطنی میں بھی بیس ہزار قدیم متوسلین حضرت کے ہمرکاب رہے اور سب کے ساتھ
حتی الوسع وہی سلوک وہی برتاؤ قائم رکھا جو زمانہ سلطنت میں برتا جاتا تھا - جس نے مٹیابرج کی اُس
زمانے میں سیر کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اس مٹی ہوئی حالت میں بھی اُسے باغ ارم بناکر راجہ اندر
کا اکھاڑا کر رکھا تھا - اسیر محلات و ایوان دلکشا کی وہی شان - سامان و اسباب آرایش کی وہی
افراط جو ہر شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے غرض وہ کون سی شوکت و شان تھی جو وہاں نمایاں
نہ تھی - ہر قسم کے جانوروں کا دلی شوق تھا - چنانچہ آپ کا چڑیا خانہ ایسا نادر اور بے مثل تھا کہ
اکثر یورپ کے سیاح اُسے دیکھنے آتے تھے اور آپکے مذاق اور تلاش کو سراہتے تھے
اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہیں کہ دنیا کا وہ کون شوق تھا جو سلطان عالم کو نہوا اور خدا کے فضل و کرم سے
سب ہی شوق پورے ہوتے تھے - ہر ایک شوق سے بڑھکر فن موسیقی کے رسیلے تھے - اور

انتخاب از دیوان سوم معروف بہ قمر مضمون

اس عشق نے رسوا کیا　　میں کیا بتاؤں کیا کیا
آہ دل ناشاد نے　　اور آسماں پیدا کیا

آتش ہجراں کا دنیا میں فسانہ ہوگیا　　موچی کھولا[۵۱] جل کے کالا جیلخانہ ہو گیا
آگے فردوس بریں تھا اب سے ہالک کا گھر　　رشک قصر ہشتیں سلطانخانہ[۵۲] ہو گیا
اے پریزادو تمہاری آگ نے پھونکا یہ گھر　　قاف سے تا قاف شہرا اور فسانہ ہوگیا
جب سے بنگلے میں بہنے کی اقامت چھینا　　ناوک سوزاں کا ہر بنگلہ نشانہ ہوگیا
دیکھا کئے جنازہ رونے کا تھا اجازہ　　اتنا مگر نہ پوچھا عاشق خفا ہے میرا
ہاتھوں سے دل نکلکر یا نسوں اچھل پڑا ہے　　ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھو گیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جاسب جانتی ہے دنیا　　مظلوم و مضطر اختر بے پرتیہ ہے میرا

فاختہ ہوں میں گل سی صورت کا　　سرو آزاد ہوں محبت کا
چال سے انکی حشر برپا ہے　　قد بھی مضمون ہے قیامت کا
شفق سرخ چرخ کے اوپر　　خون ہے جامۂ شہادت کا

کمر و مو کا دہن عقدہ غزال آنکھیں پری چہرا　　شکم ہیرا بدن خوشبو جبیں دریا زباں عیسیٰ
برائے سیر مجسا رند میخانے میں گر آئے　　گرے ساغر لنڈھے شیشہ ہنسے ساقی بہے دریا
یہی تشویش شب و روز ہے بنگالے میں　　لکھنؤ پھر بھی دکھائیگا مقدر میرا
سلطنت چھوڑدی درویشونکی صحبت کیلئے　　صنعت عشق میں ہے کوئی بھی ہمسر اپنا
جسکی جو بات ہے تا مرگ رہی اسکے ساتھ　　ایک پیوند بھی اس جامے میں جوڑا نہ گیا

۵۱ کلکتہ میں جس محلہ میں شاہ اودھ مقیم تھے اسکا نام ہے ۱۲

۵۲ اس شاہی محل کا نام ہے جسمیں خود بادشاہ بنفس نفیس رہتے تھے ۱۲

بہم پہنچایا۔ دیوانوں اور مثنویوں کے علاوہ انکے مکتوبات وغیرہ دیکھکر ایک عجیب اور قابل قدر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ اختر ہی ایک ایسے بے دھڑک اور سچے شاعر تھے جنھوں نے اپنے تمام خفیہ رازوں دلی بھیدوں اور خانگی باتوں کو اصلح صاف صاف الفاظ میں نہ صرف اپنی خاص مجلس اور چند محرم راز لوگوں میں بیان کیا بلکہ اُن خیالات کو زیور طبع پہناکر ملک کے سامنے بھی پیش کردیا۔ انکی یہ اخلاقی جرأت واقعی اس خاص روش میں تمام شعراے ماضی وحال سے بڑھ گئی ہے ایام ولی عہدی سے کلکتے کے جانے کے وقت تک منشی مظفر علی اسیر اور فتح الدولہ برق آپکے ہم صحبت وہم مشورہ رہے۔ شعرا کی بڑی قدر فرماتے تھے چنانچہ خواجہ اسد قلق۔ زکی۔ درخشاں۔ قبول۔ میر علیجان شفق۔ بیخود۔ ہنر۔ عطارد۔ ہلال۔ وغیرہ صدہا شعرا آپکے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ افسوس ہے کہ آپکی اولاد امجاد میں سے مرزا ولیعہد۔ جنرل فریدوں قدر۔ مرزا خوش بخت وغیرہ لائق اور قابل شاہزادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اخیر زمانہ میں صاحب عالم مرزا جہاں قدر بہادر خلف ارشد جنرل مرزا سکندر حشمت کو اکثر سعادتِ ملازمت نصیب ہوتی تھی اُن سے مہر ومحبت بھی ایسی تھی کہ بعینہ فرزندانہ برتاؤ اُن سے ہوتا تھا جس سے خود اُنکے اور لوگوں کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہوتی تھیں۔ انجام کار یہ سرزمین ہند کا آخری خود مختار بادشاہ ۲۱۔ ستمبر ۱۸۸۷ء مطابق سوم محرم ۱۳۰۵ھ کو ایک خفیف علالت کے بعد سلطانخانہ مبارک میں راہی عالم بقا ہؤا اور تیسرے روز اپنے تیار کردہ امام باڑہ سبطین آباد میں پیوندِ زمیں ہؤا۔ راقم تذکرہ بارہا مٹیا برج و مدفن سلطان عالم کی زیارت سے مشرف ہؤا ہے ؛

شاہزادگان والا نژاد میں پرنس افسر الملوک مرزا اکرم حسین بہادر جو بلحاظ عمر اپنے بھائیوں سے بہت چھوٹے مگر بلحاظ علم وفضل ولیاقت ذاتی ہر طرح افضل وفائق ہیں۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں عرصہ سے شرف نیاز حاصل ہے۔ از بس نوازش فرماتے ہیں ؛ اب ناظرین کی دلچسپی کے لئے مطبوعہ دیوانوں کا انتخاب پیش کش کیا جاتا ہے ؛

اختر ہوں میں فرزند مرے کوکب[51] و برجیس[52]
کیوں سلسل کیا چھوڑ دبے مجھے آتی ہے حیا

روشن ہے مہ و مہر سا گھر بھر کا تخلص
اب تو دارفتۂ گیسوئے سلطان جہاں ہوں میں

اڑیں چہرہ پہ جب جا کر تو نظریں ہٹ نہیں سکتیں
سخاوت کیا کروں گا داغہائے جسم عریاں سے
توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہے فرقت میں
وہ معشوقِ حقیقی ہے جو بے غم ہے زمانے میں
یہی منظور ہے دم بھر نہوں وہ دور آنکھوں سے
قید ہونے سے کہیں ہوئے ریاست جائیگی
نقش حُب تک کھو گیا جب سے ریاست مٹ گئی

سمندر میں بھی ٹکر کھا کے موجیں ہٹ نہیں سکتیں
خزانے میں وہ مہریں جمع ہیں جو بٹ نہیں سکتیں
وہ راتیں ہجر کی ہیں اے خدا جو کٹ نہیں سکتیں
مجھے دو چار دل اس طرح کے لادو جو بے غم ہوں
مری آنکھوں کی پتلی کی طرح وہ پاس ہر دم ہوں
لاکھ گردش آسماں کو ہو زمیں ہوتا نہیں
اب مسخر بھی کوئی زہرہ جبیں ہوتا نہیں

دکھاتے ہیں جو یہ صنم دیکھتے ہیں
زن و خویش و فرزند و دولت سے چھوٹے
اے شہِ حسن عشق نے لوٹا

خدا کی خدائی کو ہم دیکھتے ہیں
نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
عدل کر عدل بیداد ہے تو

یہی تکلفِ بخشش ہے بے غرض ہو نہال
لبالب کردے اے ساقی ہے خالی میرا پیمانہ
مجھے مشرک نہ سمجھو میں موحد ہوں زمانے میں

بھو چکا ہوں میں وہ مجھے بے سوال دیڈالو
سلامت دورِ گردوں تک یہ شیشہ اور میخانہ
تصاویرِ خیال سے بھرا ہے میرا تجانہ

[51] مرزا حامد علی ولیعہد کا تخلص ہے۔ بعالم شباب کلکتے میں سفر آخرت اختیار کیا ۱۲

[52] سلطان عالم کے خلف چہارمیں مرزا برجیس قدر کا تخلص ہے۔

آشوب غدر میں ان کی والدہ حضرت محل نے انہیں مسندِ حکومت پر بٹھا دیا تھا۔ اُس زمانے میں انکی عمر نودس سال کی تھی بعد فتح لکھنؤ اپنی والدہ کے ہمراہ نیپال چلے گئے اور ایک عرصہ دراز تک وہیں رہے۔ مہاراجہ سر جنگ بہادر نے معقول وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر کر دیا تھا۔ بعد وفات سلطان عالم وراثت پدری کے دعویدار ہو کر کلکتے آئے تھے کہ ناگہاں پیام اجل آگیا ۱۲

وفا گبر و نصارا میں کہاں اے کلک گلفام گوں — اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو بلے یاں مجھے لکھنا

نہیں چاہیئے قصر فردوس زاہد — مجھے ہے فقط کوئے جاناں سے مطلب

میرے دم سے ہوئی دنیا میں بنائے غربت — ہے وطن خواب بنی منزل وجائے غربت

ملک و مال و زن و فرزند و ریاست سے چھٹا — مجھے مظلوم بھی کہتے ہیں ورائے غربت

مرض ہجر وطن کی نہوئی کچھ تدبیر — خضر عشق بتائے گا دوائے غربت

زلف تہمت سے پھنسی آن کے کلکتے میں — ہے مجنے زنداں[۵۱] کو بھی دیکھا ہے سوائے غربت

لوگ کہتے تھے سفر[۵۲] خوب ہے لاکن ہیہات — رخ سے بڑھ کر کہیں بد یا لی قفائے غربت

شہ کس کا ہے وطن کسکا مرا نام یہ ہے — بندۂ درگہ اللہ گدائے غربت

یہ تمنا ہے زیست میں اے بار خدا — پھر مجھے لکھنؤ دنیا میں دکھائے غربت

ظلم ظالم سے نہ مفلس کوئی بے گھر ہو لے — کسی مظلوم کو یارب نہ ستائے غربت

ہاں وطن دیکھوں تو شاداں ہو دل زار مرا — یہ بھی ممکن ہے کہ روتے کو ہنسائے غربت

وسعت خلد سے بڑھکر ہے کہیں حب وطن — تنگیٔ گور سے بدتر ہے فضائے غربت

یوں تو شاہ ان جہاں پہ ہے پڑا وقت مگر — ختم ہے اختر بیکس پہ جفائے غربت

تغیر اپنی بھی گذری نئی بنا ڈالا — شبہ کرم سے نہ سر تخت گر سنوارا تاج

غرور دے مے پرستی خوئے بد رنج — یہ انساں کے لئے ہیں چار دوزخ

کس کی نگاہ تیز کا مائل ہے دیکھنا — دل سینے میں جو ہے سپر نوک سناں لودا ہے

[۵۱] ہنگام غدر ۵۷ء میں سرکار انگریزی نے بنظر مزید احتیاط سلطان عالم کو فورٹ ولیم کلکتہ میں ۲۶ ماہ تک نظر بند رکھا تھا اُسکی طرف اشارہ ہے ۱۲

[۵۲] بوقت انتزاع سلطنت رفقا و ندماء کے مشورہ سے اپیل کرنے کیلئے ولایت جانے کا ارادہ تھا چنانچہ کلکتے تک آئے تھے کہ طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور بجائے خود اپنی والدہ ملکہ کشور اور حقیقی بھائی جنرل سکندر حشمت اور مرزا حامد علی اپنے ولیعہد کو انگلستان بھیجدیا۔ اور خود کلکتے میں معاودت کے منتظر رہے۔ لیکن پھر لکھنؤ جانیکی اجازت نہ ملی ۱۲

کلکتے کے آنسو ہیں رواں بھاگا رتی میں
میں قدرداں تمہارا ہوں تم میرے قدرداں
اب نشانِ عشق کلکتے میں گاڑا چاہیے
تری یاد کا دل میں وہ جوش ہے
دیس اپنا چھٹ گیا پردیس میں رہتے ہیں ہم

غربت کو تاسف ہے مری بیوطنی سے
پروا نہیں ہے شاعرو تم کو جہاں کی
حُسن شہر لکھنؤ ہر دم او جاڑ چاہیے
غمِ دین و دنیا فراموش ہے
تجکو اے قوال مضمونِ خیالی چاہیے

خواہشِ وصل دونی ہے
طپشِ قلب زار دونی ہے

نہ ساتھ والو کرو بہانہ میں پوچھتا ہوں یہ دوستانہ
کہاں جاتے ہو صاحب سو ہوا بات بھی کہ ہے
بقا جس کو ہے وہ راہ عدم ہے اے مسافر سن

کدہر کو ہے قافلہ روانہ بتاؤ آئے ہو سب کہاں سے
کیسے ٹھنڈا کروگے تم جلا کر ہم کو اے جانی
بنا تا ہے کہاں پر قصر یہ تو دار ہے فانی

لگا ٹھوکر نہ پائے ناز سے تو
ظاہر میں ضعیف ہے تو ہو پیر نہیں ہوں
کلکتے نے نابود کیا خوابِ خوشی کو

کبھی تاجِ سرِ ہندوستاں تھے
جائیگی نہ تا حشر جوانی مرے دل کی
پل بھر مجھے اس شہر میں غفلت نہیں آتی

انتخاب از دیوان گلدستۂ عاشقاں

کیوں پھڑکتا ہے تن میں طائرِ روح
دل تلک چھین لیا وصل میں اے خانہ خراب
پھیلا ہے عبث داغِ سینہ ناخنِ غم سے
الفت ہے پری کی اُسے دیوانہ ہے اُسکا
بے عاشقِ دل سوختہ معشوق سنو گا
ہم نمازوں میں جو بے باک کھڑے رہتے ہیں
گو لے کے خط گئی ہے صبا یار کی طرف

مژدہ آزادی کا قریب آیا
خار فرقت کے سوا اب نہیں گھر میں تنکا
اختر جو تمہارا مہ تاباں تھا تو یہ تھا
دل مشق تصور سے پری خانہ ہے اُسکا
وہ شمع ہے جس جا وہیں پروانہ ہے اُسکا
سامنے یہ بتِ سفاک کھڑے رہتے ہیں
نامے کے پرزے لیکے پھرے گی جواب میں

ضعیفی میں بھی لپٹی ہے بلائے شاعری ہمسے
نہ چھوٹے گی کبھی اختر قلم سے مشقِ طفلانہ

بدوں سے چین نہیں ملتا بعدِ مردن بھی
کفن پہ آ کے جھکے سنگِ مزار لوٹیں گے

چاند کو داغ لگایا رخِ جاناں تو نے
دامنِ دل کو کیا چاک گریباں تو نے

مرے داغِ دل کا لگے داغ اسکو
رخِ ماہ پر ہو نشانی ہماری

ریاست یاد کرنا بے زر و سلطانِ عالم کی
یہاں مثلِ گدایاں جام لیکر ہم جو آجائے

مصیبت گر پڑی راحت سے تم تبدیل کر دینا
خوشی سے دور کرنا جلد اسکو غم جو آجائے

فوجِ حسن آج چڑھی آتی ہے اے شاہِ ادا
عشق نے لوٹ لیا ہمکو دہائی تیری +

درگاہ حق تعالے کا کیا بند و بست ہے
درکار ہے وکیل نہ حاجت سفیر کی +

کیونکر بجھاؤں اپنے دلِ ناصبور کو
اٹھتی جوانی اُن کی ہے اُٹھتی اُمنگ ہے

سوتا ہوں بحرِ نغمہ کا میں بادشاہ ہوں
اے بھیرویں ادب سے یہ شہرِ تلنگ ہے

نکر ظلم اتنا تو اے شاہِ خوبی
محبت نے لوٹا دہائی ہے تیری

اُرکھائی کھجاوٹ اُر کا دٹ عیاں ہے
طبیعت بتا کس پہ آئی ہے تیری

زہرہ سہیل شمس خور بدر سہا تو کون ہے
ہوش رُبا ستمگرا ماہ لقا تو کون ہے

روک نہ اس خیال میں بول نہ ایسے حال میں
ٹوکتا ہے وصال میں مجھکو بھلا تو کون ہے

راگ خیال گاتا ہے رقص خوشی دکھاتا ہے
دور سے کیوں رجھاتا ہے پاس تو آ تو کون ہے

بجالاؤں گا سجدے شکر کے اُن کی جفاؤں پر
رضائے یار پر راضی ہوں میں جائے مراسر ہے

طلعتِ حسنِ صاف جب دیکھے
آئینے پر غبار آجائے

دیکھ کر نشہ چشم میگوں کا
بے پئے مے خمار آجائے

ردِ سوال کیا ضرور بوسہ بھی دیجئے حضور
عاشقوں کا تو کام ہے آپ کا امیں نام ہے

آخر پسند آگیا مصرع ہلال[۱] کا
دولہ کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

[۱] ہلال تخلص ہے منشی امیر علیخاں لکھنوی کا جو میر علی اوسط رشک کے شاگرد اور حضرت سلطان العالم کے مٹیا برج کلکتے میں مصاحب تھے۔ حضرت جلال لکھنوی اُنہیں کے شاگرد ہیں ۱۲

اے دل یہ نصیحت کسی ناصح کی ہے سن لے
بھولے جو تجھے اسکو بھی تو یاد نہ کرنا

مری زبان سے پوچھو مزا محبت کا
یہ خوب جانتی ہے ذائقہ محبت کا

مجھسے کیا پوچھتے ہو جاؤں نہ جاؤں آختر
نہ کہے گا کوئی مجنوں اری لیلا اُٹھ جا

نہ ٹوٹیں شیشہ و ساغر صراحی چور نہو
الٰہی خیر ہو وہ مست بے حجاب آیا

فقیری فخر شاہاں ہے یہ قول احمد کا ہے ایدل
بڑا ہے تختِ سلطاں سے کہیں پایہ توکل کا

نہ رہے گا نہ رہے گا بلد غربت میں
آختر زار کو اب اپنا وطن یاد آیا

مجھی کو واعظا پند و نصیحت
کبھی اُسکو بھی سمجھایا تو ہوتا

اللہ نے وہ دولتِ صورت اُسے دی ہے
دنیا میں ہے محتاج سخی اُسکے کرم کا

رند نہ لبسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں
پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا

جسنے ہمیں دیکھا ہو وہ دیکھ لے آختر
اپنا علم عشق رخ مہر پہ چمکا

کیا ہوا گر عشق میں تیرے لُٹا ملکِ اودہ
اک گدا ادنیٰ سا ابراہیم ادہم ہو گیا

رند مشرب کا گزر ہوتا ہے چھپ جائیں سب
دین پوشیدہ کریں گبر و مسلماں اپنا

شعر گوئی میں مزا ایسا ملا ہے آختر
مرتے مرتے نہ کبھی شوق غزل جائے گا

عجیب کوچہ ہے اپنے جی کا کہ پاؤں ٹکتا نہیں خوشی کا
پتہ نہیں اسکی دل لگی کا یہ دل بھی معشوق ہر کسی کا

تیرا ابھی دکھائی نہ دیا اسے آختر
گنج قاروں کا بھی ہرگز نہ کبھی مال کھلا

کس بلبل کے دلکو جلایا کونسی بیکل کلی ہوئی
اتنی دیر رہے گلشن میں بولو کیا کیا کام کیا

میں بندہ بنا اور سے ہونہ الفت
یہ قیمت ہے پہلے چکا لیجیے گا

اک مرض جاتا رہا تو دوسرا پیدا ہوا
قلب کے جلنے کا مجکو عارضہ پیدا ہوا

گاؤں دُہر پہ کوئی کوئی ٹپہ
خواب میں بھی یہی خیال رہ

بہت زخم جراح تونے بھرے ہیں
مرے داغ کا کوئی مرہم نہ نکلا

اقلیمِ معانی میں عمل ہو گیا میرا
دنیا میں بھروسا تھا کسے تاج و نگیں کا

جنت ہے کوئے یار ضعیفوں کی جا نہیں ۔۔۔ گو شیخ اپنی ریش کو رنگے خضاب میں

اے طبیبو مرضِ عشق کی کرتے ہو دوا ۔۔۔ خوں سینہ میں مرا غم سے جگر ہو کے نہو

نکالوں کس طرح دل سے ترے مژگاں کے تیروں کو ۔۔۔ مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

تنہا جو چاہے زاہدا میرے بغیر تو ۔۔۔ اِک آہِ آتشیں سے جلا دوں بہشت کو

رشکِ زہرہ غیرتِ مہ جبیں ہے ۔۔۔ میں سلیماں ہوں تو وہ بلقیس ہے

منتخب از کلیات سلامہا موسوم بہ ایمان ۱۲۸۸ھ

رباعی

بائے بسم اللہ بھی بہبودیٔ بیمار ہے ۔۔۔ سین سے ہے اُس کا سفینہ بحرِ غم سے پار ہے

میم سے مال و منال و ملک خوش ملتا ہے روز ۔۔۔ ہے الف وحدت پہ دال اب اپنا اسیر یار ہے

رباعی

مطبوع طبائع ہے کلامِ اختر ۔۔۔ پریوں میں ہے قاف تک بھی نامِ اختر

یہ ملک نہیں مال نہیں جو چھن جائے ۔۔۔ اِس مال کا حافظ ہے امامِ اختر

رباعی

میں لکھنؤ میں جیسی عزا کرتا تھا ۔۔۔ اور گریۂ اندوہ و بکا کرتا تھا

ویسا ہی مرا حال ہے کلکتے میں ۔۔۔ پر یاد نہیں کہ عیش کیا کرتا تھا

رباعی

میں مستِ خراباتِ جہاں تو خالق ۔۔۔ بخشش تجھ ہی سے ہے ذات تیری فائق

مٹنے تو کئے جو مجھ پہ پھبتے تھے گناہ ۔۔۔ تو کر وہی ہے خدا جو ترے لائق

انتخاب کلیات موسوم بہ نظم نامور - دفتر سوم دیوان مبارک - ۱۲۸۷ مطابق ۱۸۷۰

سراغِ میکشاں اے محتسب ہوگا تجھے حاصل ۔۔۔ کبھی باندھا گیا ہے ہاتھ بھی دزدِ حنائی کا

دشت گلزار ہوا جاتا ہے ہیں عرض کرو — کف سیاح کو دیں خار بیاباں مہلت

کل قیصر و خاقان و شاہنشاہ جہاں تھے — ڈھونڈا نظر آتا نہیں تربت کا نشاں آج

ہر سو صدائے عیش و طرب منتشر ہوئی — اختر ترے مزے سے ہیں دیوار و در لذیذ

ہم بھی شریک جشن ابنائے دہر تھے — ٹھہر کر نہ ماہ قبر یہ اے خوشخرام عیش

چلتا ہے تو بھی کوئے پری میں برائے دید — اختر ہے مہ جبینوں سے لبریز بام عیش

دل جلا جس سے اسی سے ہے یہاں الفت — کہہ نہیں سکتا ہے ہر ایک سے انسان غرض

پلکیں ہیں جو نیزے تو ہے سینہ کماں بھوں — سہرے ہیں اگر وار تو موتی کی لڑی تیغ

پوچھتا ہے جو کوئی مجھکو کہ ہمراہ ہے کون — شرم سے کہتے ہیں وہ ہے یہ ہمارا عاشق

چشم تمنا تری دید سے ہے پُر ملال — اب تو ہے دل یہ بھی شوخی ننگ وصال

سایہ پری کا ہو جن کا ہو سے گزر — کھولا نہ کر کو ٹھے پہ چھپنے وقت اپنے بال

ہوتا ہے بادشاہ اُردوئے بازار خاص — اختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبان بے مثال

تو نے مجھے کیوں چھوڑا مری جاں — میں تو تیرا ہوں تابع فرماں

بلایا ہے شب فرقت کہ دن ہو تو میں آؤں — تمہارا مصحف رخسار ضامن ہو تو میں آؤں

کما کر نہ مفلس ہو تنگدستوں کو — رنج داغ فرقت سے زرد ہم ہیں

خدایا طول عمر خضر دے شہزادہ بابر کو — صدف میں حفظ و عافیت کے رکھ تو اس گوہر دُر یکتا کو

لگا یا داغ رخساروں کی ضو نے ماہ تاباں کو — سہا کو بدر کو تاہید کو مہر درخشاں کو

مری آہ فقیرانہ نے دنیا سے اٹھایا ہے — علم کو طبل کو تاج و نگیں کو جشن و ساماں کو

زبان پھیر دے ساقی لبوں پہ عاشق کے — سسک رہا ہے بڑی دیر سے جو پانی

نہ چشم تر رہی ویسی نہ خشکی لب ہے — مریض عشق کو کلکتے کا لگا پانی

جو ہے برہنہ ہے جو مرد ہے وہ ننگا ہے [1] — ہوس شہر کی آنکھوں کا ڈھل گیا پانی

[1] بنگالی بالعموم صرف دھوتی پہنتے ہیں ۱۲

دیکھ ڈالے ایک نظارے میں دو رخسار یار
ختم سینے و فعۃً قرآن پر قرآں کیا

عجب کیا نہ ہوا تیری عبادت سے ہو پسند حق
تو پڑھ مثل کلام اللہ اک پارا مرے دل کا

دہویں سے آہ دل کی محمل لیلی نظر آئی
بنایا چاک دل مجنوں نے پردا اُسکی محمل کا

اندھیرا ہوگا موئے گا بے نور سارا شہر
اختر اگر تو اپنے وطن سے نکل گیا

مژہ و ابرو و انداز و نگہ دیکھوں گا
ناوک تیر و تبر دشنہ و خنجر لوں گا

فوج اندوہ مرے ساتھ ہے اور لشکر غم
آج میں کوچۂ دلدار کو چلکر لوں گا

جو اُسکا چشم دل سے طلبگار ہو گیا
بیشک خدا اُسی کا مددگار ہو گیا

ترک محبت مے معشوق ہو چکی
اختر بھی اب تو عشق سے بیزار ہو گیا

کافران شہر بنگالہ سے ہم پہلو ہوں پر
شکر حق ہے میرے دل میں نور ایماں رہ گیا

میرے شعر تر کی لذت اُسکو جو ملجائے گی
قدرداں ہوگا جو کوئی مرتبہ داں رہ گیا

اُس سے جو الگ ہوں تو سبھی دوست ہیں مرے
اُس سے جو ملا میں تو زمانہ نہیں ملتا

لخت دل صد چاک کی فرقت میں غذا ہے
محزوں کو بجز غم کوئی کھانا نہیں ملتا

سن رکھو اے دل کا لگانا نہیں اچھا
دنیا یہ بری ہے یہ زمانہ نہیں اچھا

اے قاتل جاں روک ذرا تیغ نگہ کو
آہیں ہیں بری دل کا دکھانا نہیں اچھا

چھانے ہیں بادیۂ محبت کے بیاباں کیا کیا
پا تلووں سے ہوئے خار مغیلاں کیا کیا

تخت غربت سے کہیں بہتر ہے کاسہ فقر کا
بھیک مانگیں گے اگر اپنا وطن ملجائے گا

کیوں بسا دہر میں دل اسکا ٹھکانا کیا تھا
بے بسی میں مجھے اس دل کا لگانا کیا تھا

جس نے تجھے پیدا کیا
اُس نے مجھے شیدا کیا

برسائے کنکر بھی نہیں
ناحق فلک گرجا کیا

بے نفس کشی یاد خدا ہو نہیں سکتی
بے روئے کلک ملتا ہے پیالہ کب

اختر گناہگار ہے حاضر ہے بزم میں
نوک مژہ سے سینے پہ برچھی لگائیں آپ

سہے غم پئے رفتگاں[1] کیسے کیسے
مرے کھو گئے کارواں کیسے کیسے

ملیں غیر ہم پاس سے دور ہوں
ابھی اپنی یہ تقدیر ہے

ہمیں جانئیں بڑا اعتبار اُسکا ہے
وہ جیسا چاہے کرے اختیار اُسکا ہے

وحشت دل جو سلیماں کیطرح پھروائے
لکھنؤ میرا ابھی رشک پرستاں ہوجائے

یاد میں اپنے یار جانی کے
سب ہمنے مر مر کے زندگانی کی

اختر) صاحب عالم مرزا احمد اختر خلف صاحبعالم مرزا دارا بخت میراں شاہ بہادر ولی عہد اول بہادر شاہ ثانی چشتیہ صوفیہ خاندان میں بیعت ہے اور پیر جاچڑاں کے معتقد ہیں۔ قصبہ کرا میں طبابت کرتے ہیں۔ غدر کے بعد پچیس تیس برس تک خوف دار و گیر سے گمنامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ سرکار سے معمولی وظیفے کے بھی خواستگار نہوئے۔ بعد ازاں چند احباب خیرسگال کی کوشش اور ان کی مصنفہ مولفہ کتب طب و تصوّف کی سفارش سے صاحب کمشنر بہادر دہلی نے رحم کھاکر دس روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کردی۔ جس کے باعث کسی قدر گزر اوقات کی صورت ہوگئی ہے۔ زمانۂ گمنامی میں آپ شمال ہند کے اقطاع و جوانب کی سیاحت کرچکے ہیں۔ کچھ دنوں بھوپال میں بھی رہے ہیں۔ آپ کی ذات مستجمع الصفات شرافت۔ اخلاق۔ ہمدردی خلائق کا مجموعہ ہے۔ طبیعت فقر کی جانب زیادہ مائل اور اسباب آسائش سے متنفر ہے۔ شاہزادگی کے اظہار سے گھبراتے ہیں۔ تصوّف کی بعض قدیم نادرالوجود کتابیں آپ نے بہم پہنچا کر چھپوائی ہیں سوانح دہلی وغیرہ کے کئی رسالے آپ کی تالیف سے شایع ہوچکے ہیں۔
عمر ساٹھ برس سے گزر چکی ہے۔ مولف تذکرہ کو دہلی میں حصول نیاز کا اتفاق ہوا۔ جہاں آپ اکثر تشریف لاتے رہتے ہیں۔ شعرگوئی کا شوق پہلے کے برابر نہیں رہا۔ اب اگر کچھ کہتے بھی ہیں تو وہ اکثر بزرگان دین کی تعریف میں ہوتا ہے۔ دیوان کبھی ترتیب نہیں دیا۔ اسیوجہ سے ہم آپکے سابقہ کلام سے کچھ انتخاب درج کرتے ہیں ؎

پایا اُس وقت بس نشاں ہمنے
جبکہ اپنے کو بے نشاں دیکھا

[1] قافلۂ شاہی کی تباہی کی جانب اشارہ ہے جو براے استرداد سلطنت ولایت گیا تھا۔ اور جس کوشش بے سود میں والدہ اور بھائی کام آئے

بیمار عشق دیکھے سے اچھا ہے اے مسیح
در کار ہے طبیب نہ حاجت دوائی ہے

پرورش آگ میں کرتا ہے سمندر کو تو
کیا بجا یہ ہے مرے دلکو ستمگاروں سے

بے وفا تو نے ہماری پاسداری چھوڑدی
کیا خطا دیکھی یکایک ہم سے یاری چھوڑدی

نالہ و افغاں سے قائم ہے جہاں اے جانِ ناز
حشر برپا ہوئے گا گر آہ و زاری چھوڑدی

حُسن کے آگے تڑپ اختر کے دل کی تھم گئی
دیکھکر سیماب صورت بیقراری چھوڑدی

بوسہ رخ سے جو شرمائی ہوئی آتی ہے
نکہتِ زلف بھی بل کھائی ہوئی آتی ہے

انتخاب دیوان چہارم

پڑا ہے پاؤں میں اب سلسلہ محبت کا
بُرا ہمارا ہوا ہو بھلا محبت کا

عارضِ صاف ترا رشک قمر دیکھ لیا
جان سی آگئی جب ایک نظر دیکھ لیا

بوسہ تو مصحف عارض کا اشارہ یہ ہے
جسکا جی چاہے پڑھے وقف ہے قرآن اپنا

دل و جاں سے فدا تھا جو تجھ پہ صنم گیا عشق میں وہ سوئے ملک عدم
بھلا اور کا شکوہ تو کیا کریں ہم مرے زیست کا تجھکو بھی غم نہ ہوا

ہمارے سامنے جب شوخ مہ لقا آیا
گلے لگا لیں یہی دل میں بار ہا آیا

مرہم کوئی لگائے جو دو چار داغ ہوں
اختر کا تن تو سر سے پا تک جلا ہوا

تعشق میں بڑھکر یہ عالم نہ نکلا+
جو سمجھو تو مجنوں سے [illegible] کم نہ نکلا+

مجھے دل لیکے بے وفائی کی
میرے دلدار نے مجھے [illegible] مارا

ایک مانا نہ کہا تم نے مگر اختر نے
لاکھ رسوا ہوا پر تم سے کنارہ نہ کیا

ہوش میں لے آ ذرا انکو نگاہِ مست سے
جام رخ سے ہو چکے سب تا لب دیدار مست

چھوڑ جائیں گے زمانے میں کہے رکھتے ہیں ہم
یہ کہانی یہ فسانہ اور یہ قصہ یادگار

نام روشن ماہ کامل سے اگر چاہو سوا
[illegible] دل [illegible] کا داغ

اس دوستی میں ہوگئے اسے [illegible] تمام
جب تک [illegible] ہوئے ہم یہاں تمام

نہ تو غم کھاؤ نہ چپ بیٹھو نہ رؤو نہ کڑھو
اختر اس جور سے تم یاد کروں یا نہ کروں

گھر پر کلام مجید و چند کتب فارسی اور اسکول میں ابتدائی انگریزی سے زیادہ نہوئی تھی - مگر قدرتی جودتِ طبع و تیزیٔ ذہن کی مدد سے چند سال میں ہی اتنی لیاقت بڑہالی کہ تحریر و تقریر میں کسی سے بند نہوتے تھے فکرِ صائب و رائے سلیم سے ہر معاملے میں ایسے باریک پہلو نکالتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کئی برس تک لاہور میں میونسپل کمشنر بھی رہے اور اپنی نیک طینتی اور خوش خلقی سے عوام و خواص میں ہر دلعزیز رہے - ذوقِ شعر بھی بچپن سے تھا جس میں مشاغل تعیش سے اور ترقی ہوگئی - اشعار میں مشورہ لینے کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی - غزلوں میں شوخی و برجستگی خوب نمودار ہے جس آب ہوا میں آپ زندگی بسر کرتے تھے وہ شعر کی نشو و نما کے لیے بہت مفید تھی اس لیے آپ کی تھوڑی سی غزلیں ہی جلد مشہور و مقبول ہوگئیں - افسوس ہے کہ تیرہ چودہ سال تک دادِ عیش و نشاط دیکر ۸ - ستمبر ۱۹۰۲ء کو اس خلق مجسم نے ۴۳ برس کے سن میں رخت سفر جانبِ ملکِ عدم باندہا ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں * آپکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے

للچائے شیخ کیونکہ نہ دل بادہ خوار کا ... گھر گھر کے آنا دیکھ تو ابر بہار کا

آخر شراب چھوڑدی ہمکو یقین نہیں ... کیا اعتبار رند کے قول و قرار کا

دشمن جاں ہے ابھرتا ہوا جوبن ان کا ... رنگ لائے گا جوانی میں لڑکپن اُن کا

دام صیاد سے چھوٹے ہیں جو فصل گل میں ... برق نے پھونک دیا ہائے نشیمن اُن کا

ہاں میں ہاں سنکے ملادی تو وہ سب سے اچھا ... اور پتہ کی جو کہے منہ پہ وہ دشمن اُن کا

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں ... پس دیوار کھڑے سنتے ہیں شیون اُن کا

داورِ حشر سے کہدوں گا کہ قاتل ہے یہی ... حشر میں تھام کے بیساختہ دامن اُن کا

تم اپنے وعظ کا اے پند گو پھر کھولنا دفتر ... ذرا جلوہ تو دیکھو چل کے اُسکے روے تاباں کا

دل ہی تو ہے بس آنکھ لڑی اور نکل گیا ... آتا ہے پھر یہ ہاتھ کہیں جب مچل گیا

مجنوں سے بڑھ کے شہرہ ہے اپنا جہان میں ... چرچے ہوا کئے ہیں جدھر سے نکل گیا

عاشق ہو کوئی عشق کسیکا ہو انکو کیا ... کیسی یہ پیچھے پڑ گئی خلقت کو کیا ہوا

بسا جاتا ہے نظروں میں کھبا جاتا ہے آنکھوں میں
نظر لگ جائے گی دیکھو سنبھالو اپنے جوبن کو

ہر اک ہے دلستاں اپنا کسے تھامیں کسے روکیں
تمہارے اُبھرے جوبن کو تمہاری بانکی چتون کو

قطعہ

ہمیں ہیں اے فلک جنکا سلامی ایک عالم تھا
ہمیں ہیں کفش برداری تھی جنکی فخر بہمن کو

یہی ہم ہیں کہ شکل خار اُفتادہ ہیں صحرا میں
یہی ہم ہیں کہ مثل گل تھی زینت ہمسے گلشن کو

ہمارا ایک دل آختر کسے بخشیں کسے سونپیں
کسی کی چشم فتاں کو کسیکی بانکی چتون کو

تم ذرا چشم فسوں گر سے اشارہ کر دو
اچھی ہو جاتی ہے بیمار کی حالت اچھی

کرکے اِک آہ وہیں رہ گئے احمد اختر
چلتی پھرتی جو نظر آگئی صورت اچھی

کوئی پوچھے سکندر سے کہاں وہ قصر عالی ہے
بتا تربت میں اب حافظ کوئی عالی موالی ہے

اختر

(**اختر**) خواجہ عبد الغفار خلف خواجہ عبد الغفور - جہانگیر نگر ڈھاکہ کے مشہور کشمیری نوابوں کے خاندان اور حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگردوں میں سے تھے فارسی میں بشیر اور اُردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے - تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت تک زندہ تھے - کلام حاضر ہے ؎

حیرت ہے اُسکے آنے پہ کیا پیشکش کروں
سینے میں دل رہا ہے نہ جاں اپنے تن میں ہے

پھولا ہوا خوشی سے ہر اک گل ہے اے نسیم
کس نوبہار حسن کی آمد چمن میں ہے

شمع روشن نہ سیہ خانۂ عاشق میں ہوئی
جلوہ گر وہ نہوا کلبۂ احزاں میں کبھی

اختر

(**اختر**) شیخ محمد رفیع صاحب اختر دہلوی رئیس لاہور - شیخ رحیم بخش صاحب مرحوم سوداگر - رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور کے خلف اکبر تھے - جنہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حسن ظاہری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا اور تسخیر قلوب کا خاص مادہ دیا تھا - ۱۸۸۹ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اُن کی کثیر املاک و جائداد کے وارث ہوئے - ازل سے رنگینی - نکتہ رسی - حسن پرستی - اور عالی حوصلگی کا مادہ آپکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا - تواضع - مروت - اور اخلاق کا سب سے بڑا حصہ ملا تھا - چنانچہ خود مختار ہوتے ہی اوصاف بالا نمایاں ہونے لگے - بلکہ اسباب سرور و انبساط کی قدردانی کے متعلق آپ نے بڑی شہرت حاصل کی - آپ کی تعلیم اگرچہ

اچھا ہے - ۲۵-۲۶ برس کی عمر شباب کا عالم تازہ تازہ ذوق ہے - مشق سے امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے ٥

دل لئے حاضر تمہارا عاشقِ دلگیر ہے	کیسے تیر انداز ہو کیسا تمہارا نشتر ہے
بن کے پتلی مری آنکھوں میں سمائے کوئی	درد کی طرح مرے دل میں در آئے کوئی
وعدۂ وصل سے انکار یہ چپکے چپکے	آنکھ سے میری ذرا آنکھ ملائے کوئی
آنکھیں روتی ہیں کسی کی صفتِ ابرِ بہار	بجلیاں ہنس کے کسی پر نہ گرائے کوئی

اختر

(اختر) منشی لطیف احمد اختر مینائی - خلف چہارم حضرت امیر مینائی لکھنوی - ۱۲۸۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے - رام پور میں اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی - وجیہ اور خوبصورت نوجوان ہیں - اس وقت اپنے والد نامدار کی شہرت کو اپنے تخلص کی طرح آسمانِ سخن پر خوب چمکا رہے ہیں - ایسا بہت کم ہوا ہے کہ اساتذۂ گرامی قدر کی اولاد میں کوئی آبائی رتبہ کو پہنچا ہو مگر اختر کی چمک دمک امیر مرحوم کے عقیدت مندوں کو بہت کچھ امید دلا رہی ہے - گو اپنے والد ماجد کے فیضِ صحبت سے آپ بعض تلامیذ باختصاص کی برابر مستفید نہیں ہونے پائے لیکن کلام کی شوخی و برجستگی اربابِ مذاق کے دلوں پر قبضہ کرنے لگی ہے آپ نے علمی استعداد اچھی پیدا کی ہے - اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا ہے - منشی صاحب مغفور کی ہمت افزائی سے بچپن ہی سے مشاعروں میں غزلیں پڑھا کرتے تھے مگر آپ کی پوری پوری توجہ اس فنِ لطیف پر ۱۸۹۸ء سے مبذول ہوئی جب اپنے اہتمام سے رسالہ دامن گلچیں از سرِ نو جاری کیا - اُسوقت سے اب تک آپ کی مشق زور شور سے جاری ہے - آپ سنہ ۱۹۰۰ء میں منشی صاحب مرحوم کے ہمراہ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے جناب موصوف کے انتقال کے بعد سے مع جناب جلیل عالی جناب یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام ریاست حیدرآباد دکن کی دستگیری سے اب تک وہیں قیام پذیر ہیں - الحاصل حیدرآباد کے اکثر مقامی مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں - اور وہاں کے اہلِ مذاق استفادہ حاصل کرنیکے علاوہ آپ کی قدر بھی کرتے ہیں - مدار المہام صاحب کے ظاہری وسیلہ کے

خدا کے سامنے جاتے ہوئے اب شرم آتی ہے
حیا اُس دن کہاں تھی مجھ پہ جب خنجر چلایا تھا

چغلیاں کھاتا ہے بگڑا ہوا جوہر کیا کیا
مُنہ تو دیکھو ذرا آئینہ منگا کر اپنا

اُن کو دل دے کے ہمیں فکر زیاں سوجھی ہے
بیچ سے ہے کچھ سیکھتا ہے آدمی کھو کر اپنا

پیارے صیاد ہمیں اب تو چمن دکھلا دے
دم نکل جائے قفس ہی میں نہ پھڑک کر اپنا

حور و غلماں کے عوض تمکو حوالہ کر دے
کرے انصاف اگر داورِ محشر اپنا

ان کا پہلو شبِ مہتاب چھلکتا ساغر
اب دکھائے نہ خدا ہم کو سحر کی صورت

بیڈھب پھنسایا جاں کو دلبر کے پیچ میں
جکڑا گیا ہوں زلفِ معنبر کے پیچ میں

آتا ہے رحم مجھکو جوانی پہ شیخ کی +
بیڈھب پھنسا ہے جنت دکوثر کے پیچ میں

دنیا میں جو ملا تھا وہ سب کچھ وہیں رہا +
باقی بس اِک گناہوں کا دفتر بغل میں ہے

بول اُٹھا دل کہ چراغِ تہِ داماں ہے یہی
رُخ پہ ڈالے ہوئے اختر جو وہ آنچل آئے

کہاں ہے یارب وہ چشم میگوں نظر ہماری بھٹک رہی ہے
کسیکی نوک مژہ ابھی تک ہمارے دلمیں کھٹک رہی ہے

یہ قطرے جلتے ہوئے ہیں سے پسینہ پوچھو ذرا جبیں سے
نہیں تم آئے اگر کہیں سے تو کیوں یہ انگیا مسک رہی ہے

وہ غریب خانہ میں آ چکے ہیں گھر میں اپنے بلا چکے
وہ نگاہیں ہم سے ملا چکے وہ جمال اپنا دکھا چکے

نہ صبا تو اتنی اکڑ کے چل وہ ہرا کیا ہے باغ میں آ کے کل
وہ جو گل تھے غنچوں سے ہم بغل وہ بہار اپنی دکھا چکے

نہ کر اختر اتنا قلق تو اب تجھے چین آئے گا اور کب
تھی ہمیشہ جنکی تجھے طلب مزے خوب اُن سے اُڑا چکے

محبت محبت کیا کرتے تھے
محبت کی اب تو خبر ہو گئی

نظر اب مہینوں سے آتے نہیں
خدا جانے کس کی نظر ہو گئی

آگ الفت نے پھر لگائی ہے
میرے اللہ تری دہائی ہے

حسن طبیعت پہ ناز تھا اختر
اب وہ اپنی نہیں پرائی ہے

اختر

(**اختر**) عالی جناب سوائی راجہ پُرن پرتاب سنگھ خلف الرشید ولیعہد ہز ہائینس مہاراجہ رگھوبر سنگھ بہادر کے سی ایس آئی والی اجے گڑھ۔ نواب شمشیر بہادر اخگر کے شاگرد رشید ہیں ہندی کا علم

تمکو کسی سے عشق جو ہوتا تو جانتے
اب کیا کہوں اذیت دردِ جگر کو میں

لعل و گہر کا فرش بچھا دوں زمین پر
ٹپکوں ذرا جو دامن مژگانِ تر کو میں

اب مُنہ چھپائیں آپ کہ آنکھیں گڑا دیں یہ
مشکل ہے یہ کہ پھیر دوں ادھر سے نظر کو میں

دیکھوں ترے جمال کو ہے میری کیا مجال
ہاں حکم ہو تو دیکھ لوں اپنی نظر کو میں

فرقت کی شب پہاڑ سی ہیں نزار و ناتواں
اللہ ہی دکھائے تو دیکھوں سحر کو میں

حسیں ہیں شمس و قمر آسمان والوں میں
تم آفتاب ہو دنیا کے مہ جمالوں میں

تسکین ہو کیا خاک جہاں رشک ہو ایسا
وہ ہاتھ دھریں دل پہ لگے آگ جگر میں

زاہد سے ہمیں وہی شبِ قدر
جس شب وہ رہیں ہمارے گھر میں

ہاں مانگ جو مانگنا ہو اختر
کیا چیز نہیں خدا کے گھر میں

ہمارا ضعف ہی باعث ہے زندگانی کا
کہ اب تو قوتِ پرواز مرغِ جاں میں نہیں

یہ کسنے باغ میں رکھا قدم خدا جانے
گلوں کو ہوش نہیں جان باغباں میں نہیں

وہ خاک اُڑانے لگے جس کو کہہ دو دیوانہ
سوا تمہارے یہ بات اور کی زباں میں نہیں

زمانہ روتا ہے بلبل کی کم نصیبی پر
کہ گل تو گل کوئی کانٹا بھی آشیاں میں نہیں

دل لگا تو بچکے بتوں سے ہم
شرمِ اپنی ہے اب خدا کے ہاتھ

سیکڑوں وحشی ہوگئے دیکھ کے سر بھی
تمہاری زلف کا سودا گراں ہے

نقاب اُسنے اُلٹ دی ہے سرِ راہ
وہیں کا ہو رہا اب جو جہاں ہے

اُو زلفِ سیہ بنانے والے
یہ کیا سرِ شام ہو رہا ہے

جائیگی دل سے اب کہاں اے یاس
دل ترا ہو گیا ہے تو دل کی +

اور کیا ہے جو نذرِ یار کردوں +
ایک دل ایک آرزو دل کی

اُس بت کے سوا ہمارے دل میں
اللہ گواہ کچھ نہیں ہے +

غصے سے یہ حال ہو گیا ہے
وہ برق جمال ہو گیا ہے

سوا ابھی تک ریاست سے کوئی مضبوط اور مستقل سلسلہ نہیں ہوا ہے۔ غزلوں میں آپکی معاملہ بندی دلوں پر قبضہ کرتی ہے۔ درحقیقت یہ رنگینی و مضمون آفرینی لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہوتی ہے۔ حضرت امیر کے انتقال کے بعد سے جو کچھ کہتے ہیں اُسمیں منشی جلیل حسن صاحب جلیل سے کہ منشی صاحب کے جانشین ہیں مشورہ کر لیتے ہیں انتخاب کلام ملاحظہ ہو

بچھڑ کے یار سے ملنا عجیب ملنا تھا / کہ آنکھیں روتی تھیں دل میں کوئی ملال نہ تھا

کچھ میرا قتل مدِ نظر تھا نہ یار کو / تلوار لی تھی ہاتھ میں اک وار کر دیا
ایسی نہیں ادا کوئی جس میں جفا نہ ہو / دشمن جو اپنا آپ ہو تمکو بنائے دوست

نقابِ ابر مُنہ پر اس ماہ کے ڈال دیتا ہے / کسی معشوق کا ہوتا ہے دھوکا ماہِ کامل پر
وہ کہتے ہیں کہ اپنا مال چوری جا نہیں سکتا / ہمارا نام کا طغرا ہے کندہ ایک اک دل پر
وہ بن ٹھن کر جو آتے ہیں شبِ مہتاب میں اختر / نظر اپنی کبھی اُن پر کبھی ہے ماہِ کامل پر
جب اسیروں نے سُنا گلشن میں آئی ہے بہار / مر گئے چاکِ قفس سے سُوئے گلشن دیکھکر
ہائے کیا دن تھے وہ جب بیدار تھے اپنے نصیب / روز اُٹھتے تھے کسی کا روئے روشن دیکھکر
رنگ بدلا دہر نے دیکھا دیکھی ایک کی / ہو گئی ترچھی نظر بھی بانکی چتون دیکھکر
میں بھی ہوں اُس شعلۂ رُخ سے یہ کہتی ہے نقاب / آگ بھڑکا ہے چراغِ زیرِ دامن دیکھکر
اشارہ کر کے پھر آنکھیں چُرانا ہائے کیا کہئے / یہ سمجھے ہم گلے پر رُک گیا خنجر رواں ہوکر
یہ کیا ایسی ہے شے جسکو حسینوں سے چھپائیں ہم / جسے لینا ہو دل لیجائے لیکن مہرباں ہوکر
اُٹھائیں وہ نقابِ رُخ انھیں ہے کیا پڑی ایسی / وہ کیوں سارے جہاں کی جان لیں جانِ جہاں ہوکر
نگاہیں تیر ابرو اُن کے خنجر ہوتے جاتے ہیں / الٰہی خیر کرنا وہ ستمگر ہوتے جاتے ہیں
سحر ہوتے ہی کیا مژدہ صبا گلشن میں لائی ہے / کہ غنچے پھول کر جامے سے باہر ہوتے جاتے ہیں

گھر چھوڑے ہوئے مدت گزری / اب تو صورت بھی ہمیں یاد نہیں
ہم قفس میں ہیں چمن سے اچھے / خوفِ گلچیں غمِ صیاد نہیں
وہ سامنے ہوں اور نہ دیکھوں ادھر کو میں / نکلے تڑپ کے جاں جو روکوں جگر کو میں

کھنچ کے پہونچے مصر یوسف دل زلیخا کا پھنسا / وہ کشش ہے حسن کی یہ عشق کا اعجاز ہے

یہ کیا بتاؤں کہ دنیا میں کیا کیا سے پیئے / نہ پوچھ اے مرے پروردگار رہنے دے

کوئی پری ادا ہے کوئی مہ جمال ہے / یہ حال ہے کہ دل کا بچانا محال ہے

تم آفتابِ حسن ہو تم برقِ حسن ہو / تم سے نظر ملائے یہ کس کی مجال ہے

کشتوں کے ساتھ بھی ہے وہی چال آپ کی / تربت ادھر بنی کہ اُدھر پائمال ہے

عشاق کو جب لوٹتے دیکھا تو وہ بولے / یہ جلوہ گہِ ناز ہے میخانہ نہیں ہے

ہمیں چوکے جو ان سے ذکر کر بیٹھے قیامت کا / وہ چل کر دو قدم بولے قیامت ایسی ہوتی ہے

ہائے کیا تاثیر رکھتی ہے حسینوں کی ادا / لطف کا کیا ذکر دیتی ہے مزا بیداد بھی

تمہیں بنانے کا کیا کوئی حضرت ناصح / خدا کے فضل سے تم ہو بنے بنائے ہوئے

فلک زدوں کو وہ جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں / فلک کا نام ہے میرے ہیں سب ستائے ہوئے

پھرینگے اپنے یوں لٹ کر سفر سے / نہ نکلے تھے سمجھ کر ہم یہ گھر سے

ہوا ناوک کو نکلے اک زمانہ / کھٹک ابتک نہیں نکلی جگر سے

پئے توبہ ملا تھا شیخ سے میں / وہ خود پینے لگا میرے اثر سے

جس کا سر ہے دار پر سردار ہے / عشق کی سرکار کیا سرکار ہے

جو نگہ ہے تیر ہے تلوار ہے / کوئی دل میں کوئی دل کے پار ہے

میکدے پر آکے پہروں جھومنا / یہ گھٹا کیا ہے کوئی میخوار ہے

نوکِ مژگاں دلمیں رکھ لینے کی تھی / کیا قیامت ہے کہ دل کے پار ہے

سزا تو ہے مرا حصہ کہ میں ہوں مجرم الفت / مرے ہوتے ہوئے ظالم رقیبوں پر جفا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں کہ اے اختر جو ہم سے آشنا تو ہے / تو ہم بیدرد ہیں پھر دل ترا درد آشنا کیوں ہے

زندگی بھر حسن والوں کا خیال آیا کیا / مرے گھر میں رات دن پریوں کی مہمانی ہوئی

اسے مژگاں کی چلمن ڈال کر آنکھوں ہی میں رکھنا / خدا رکھے حیا ان کی بڑی نازوں کی پالی ہے

(اختر) منشی سید محمد اختر ولد سید محمد میر المتخلص بہ مضطر قصبہ نگینہ ضلع بجنور کے رئیس ہیں - ۲۵-۲۶ برس

ناقدر کے ہاتھ میں دل آکر
کیا مفت کا مال ہوگیا ہے

چاند اب کسکو دیکھنے نکلا
چڑھ کے کوٹھے پہ وہ اُتر بھی گئے

تم سلامت یہ غم ہو کیوں مجھکو
سب ترے ہیں مرا نہیں کوئی

چاہتے ہیں کہ جان دیدوں میں
کہتے ہیں باوفا نہیں کوئی

موت ہی ہے علاج عاشق کا
اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

کیا سحر کیا دکھاکے دیدار
اب نالہ و آہ کچھ نہیں ہے

جو مانگنا ہے مانگ لے غافل کریم سے
تاثیر منتظر تری مُنہ سے دعا کی ہے

کھلتے نہ ایسے گُل جو یہ کرتے نہ گریاں
پھولوں میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے

فتنے زمانہ بھر کے ہیں چشمِ سیاہ میں
اس کالی کوٹھری میں جگہ ہر بلا کی ہے

اُسکے مُنہ میں بھی زباں گویا نہ تھی
جو ہوا واقف ہمارے راز سے

ہائے دنیا تھی کہ اک تصویر تھی
مٹ گئی تصویر حیرت رہ گئی

دیدنی تھی وہ اُداسی کی بہار
ہو کے گُل جب شمع تربت رہ گئی

دل بیٹھنے لگا مرا پہلو سے ✤ اللہ اس بیٹھنے سے اٹھا دست

شدتِ دردِ دل و دردِ جگر کیا میں کہوں
چٹکی لیتے ہو تو تسکین ذرا ہوتی ہے

میں فنا ہو چکا دم لوٹ چکا عرش کو لے
دیر کس واسطے اے آہ رسا ہوتی ہے

جو مٹے ایسے کہیں جنکا نشاں تک نہ رہا
ہمسری ایسوں سے نقشِ کفِ پا ہوتی ہے

تم خدا کے لئے چھوڑو نہ ادائیں اپنی
ہونے دو صدقے اگر خلق خدا ہوتی ہے

پھر نہیں دیکھتے پھر کر صفتِ نکہتِ گل
قفسِ تن سے جہاں روح رہا ہوتی ہے

سخت جانی کا بُرا خنجرِ قاتل کا بھلا
جان چھٹتی ہے نہ گردن ہی جدا ہوتی ہے

کس سے پوچھوں کہ جو کر جاتی ہے عاشق کو حلال
تیغ ہوتی ہے کہ قاتل کی ادا ہوتی ہے

غیر ممکن ہے مٹے جو ہو ذاتی اختر
آبداری کہیں موتی سے جدا ہوتی ہے

عاشق و معشوق دونو پردہ دارِ عشق ہیں
کیا مزے کی بات ہے ایک ایک کا ہمراز ہے

یہ مانا اب بھی کچھ کچھ مہرباں ہو	مگر پہلی عنایت وہ نہیں ہے
ایسے جینے سے تو مرجانا بھلا	زندگانی اِک مصیبت ہوگئی

اختر

(**اختر**) سید امراؤ علی بلگرامی - آپ حمد بلگرامی کے شاگرد ہیں - ضلع سیتاپور کی عدالت میں نقل نویسی کرتے ہیں ۳۰ - ۳۲ برس کی عمر ہے - طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصا کہتے ہیں کلام ذیل ملاحظہ ہو

سمجھو نہ یہ تم ہمیں گماں ہو نہیں سکتا	یہ خون ہے عاشق کا نہاں ہو نہیں سکتا
رکھا ہے قدم کوچۂ الفت میں بصد شوق	اللہ نگہبان ہے اس جانِ حزیں کا
خبردار آہ و زاری اے دل ناشاد یہ کیسی	خدا سے اُس بت بے مہر کی فریاد یہ کیسی
نہیں باز آتے اپنے ہتھکنڈوں سے اب اے اختر	حرم میں بیٹھ کر کیوں جی بتوں کی یاد یہ کیسی
تمہیں تو آسیہ ہے مُنہ سے تمہارے پھول جھڑتے ہیں	ہماری اے حسینوں چشم گوہر بار کیسی ہے
اگر مجرم نہیں تو پھر خدا کے آگے محشر میں	یہ گھبراہٹ تجھے قاتل دم اظہار کیسی ہے
دیکھتے ہی آئنہ سکتا ہوا	دیر تک حیرت سے وہ دیکھا کئے

اختر

(**اختر**) منشی محمد نذیر علی - حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہیں یہ اُنکے کلام کا خلاصہ ہے

روز غیروں پہ تو ہوتی ہے عنایت کی نظر	میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا
ہو رہا ہے دلِ حزیں میں ساماں اب تک	آنے والا نہیں آیا کوئی مہماں اب تک
ہوں شب ہجر یار کی باتیں	زہر ہیں غمگسار کی باتیں
چشم اغیار میں کچھ بھی ہو حقیقت لیکن	بخدا تم ہو مری آنکھوں کے تارے پیارے
سب حسینانِ جہاں بزم میں یوں آئیں یوں	ماہ کے گرد ہوں جس طرح ستارے پیارے

اختر

(**اختر**) منشی رمضان علی - باشندہ سہارنپور - ایک زندہ دل - عاشق مزاج - شوخ طبع نوجوان ہیں - ابتدائے عمر سے شعر و سخن کے دلدادہ ہیں اوائل عمر میں مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے جب کلام پر کسی قدر رنگ چڑھا تو اچھے اُستاد کی تلاش ہوئی - اور حضرت ظہیر دہلوی کے دامنِ کمال

کی عمر ہے نواب فصیح الملک داغ کے شاگردوں میں ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر حالات معلوم ہوئے انہیں کی قلم سے خلاصۃً لکھے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ "مجھے زمانۂ طالب علمی میں بمقابلہ نثر نظم سے زیادہ لگاؤ تھا اپنی نثر کے سبق کا ایک آدھ مصرع یا پورا شعر موزوں کرلیا کرتا تھا۔ اسیطرح ہوتے ہوتے پہلے ایک دفعہ چھ یا سات شعر کی غزل کہی اور رسوا تخلص قرار دیا۔ میں نے یہ غزل ۱۹۰۷ء میں کہی تھی اسوقت میری عمر کا چودھواں یا پندرہواں سال تھا۔ بعض دوستوں کے کہنے سننے سے غزل مذکور نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی کی خدمت میں بغرض اصلاح حیدرآباد دکن بھیجدی خوبی قسمت سے جناب مغفور نے غزل درست فرمادی اور تخلص بھی بجائے رسوا کے اختر تجویز فرمایا۔ چنانچہ اُسی دن سے شوق بڑھتا گیا اور افتخار تلمذ حاصل ہوا۔ ۱۹۱۰ء میں چند غزلوں کا مجموعہ نظم دل افروز کے نام سے طبع کرایا۔ میرے اجداد محمد واجد علی شاہ مرحوم فرمانروائے اودھ کے دربار میں تازیست باعزاز و ممتاز رہے" +

اگرچہ بلحاظ عمر اِن کی شاعری کا ابتدائی زمانہ ہے مگر اپنی جودت طبع سے خاصا کہنے لگے ہیں اشعار کی بندش چست۔ خیال ستھرا۔ زبان صاف ہوتی ہے جیسا اُنکے کلام سے خود ظاہر ہے ۵

چٹکی سے کلیجہ کبھی ملتے نہیں دیکھا	اتنا سا بھی ارمان نکلتے نہیں دیکھا
پھر مانگ لو دل ہمسے اسیطرح مچل کر	ہمنے تمہیں مدت سے مچلتے نہیں دیکھا
میں تو قائل ہوں اس صفائی کا	دل لیا تم نے اک خدائی کا
ہر وقت چھیڑ چھیڑ کے ایدل یہ کیا کیا	اُس شعلہ رو کو اور بھی شعلہ بنا دیا
کیسی شرارتیں ہیں کیسی ہیں شوخیاں	لیتے ہیں چٹکیاں وہ دل بیقرار میں
زاہد شراب ناب سے اسدرجہ اجتناب	کمبخت پی تو دیکھ یہ کچھ بدمزا نہیں
سنتے سنتے ذکرِ دشمن دل ہمارا پک گیا	چھوڑئے اِس ذکر کو اب اور کچھ ارشاد ہو
تجھسے جو کھچتے ہیں تو اُن پہ فدا ہوتا ہے	ہوش میں آ دل بیتاب یہ کیا ہوتا ہے
وصل کی شب کبھی وعدہ جو وفا ہوتا ہے	شرم کہتی ہے کہ شرماؤ یہ کیا ہوتا ہے
دل چُرایا میرا ایسے چور نے	واہ رے جسکی نہ کچھ فریاد ہے
نہ پہلی سی عادت نہ پہلی سی خصلت	کہاں اُڑ گئی آدمیت تمہاری
صبر کر واعظِ ناداں ابھی جلدی کیا ہے +	کعبے بھی جائیں گے اُٹھیں گے جو میخانے سے

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے نہ تھے ہم عشق سے واقف
یہ دل درد آشنا کم تھا طبیعت مبتلا کم تھی

بل نہیں نکلا ترا سو سو طرح تدبیر کی
ہے ترے دل میں گرہ ظالم مری تقدیر کی

دل نہ دینے تک اُسے تھی التجا دل دیکھے اب
منتیں کرنی پڑیں ہمکو بے پیر کی +

(**اختر**) منشی محمود اختر صاحب صدیقی معروف بہ اختر ریحانی رئیس میرٹھ۔ خلف الرشید مولوی عبد الکریم صاحب آنریری ڈپٹی کلکٹر و ممبر مجلس شوریٰ ریاست بھوپال آپکا خاندانی سلسلہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی تک پہنچتا ہے۔ اسوقت نوجوان شعراے میرٹھ میں درجہ امتیاز رکھتے ہیں۔ مذاق سخن خاندانی ہے اگرچہ مشق سخن کو عرصہ نہیں ہوا مگر کلام میں پختگی اور سنجیدگی ایسی ہے کہ اچھے مشاق معلوم ہوتے ہیں۔ فارسی میں فارغ التحصیل اور عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ انگریزی میں ایف اے تک تعلیم پائی ہے فی الحال مراد آباد کے پولیس ٹریننگ اسکول میں تعلیم پاتے ہیں آپ کے اشعار میں جو دل نشینی و خاطر فریبی کی شان نکلتی ہے وہ استعداد علمی پر مبنی ہونے کے بجائے زیادہ تر رنگینی طبع پرداں ہے آپ نے اوائل مشق میں حضرت غالب کے شاگرد رشید محمد ذکریا خاں زکی سے فیض اُٹھایا۔ اُنکے انتقال کے بعد حضرت نازش سلیمانی بدایونی سے مشورہ ہے غزل گوئی کے علاوہ آپ کو ڈرامانویسی میں بھی کامل مہارت ہے چنانچہ آپ کا ایک ناٹک موسوم طلسمی راز مقبول خلائق ہے اشعار خود شاہد ہیں۔ اُن میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں سلاست زبان فصاحتِ بیان نشستِ الفاظ قابل تعریف ہے ناول کرشمۂ عشق آپ ہی کی تصنیف ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

جینے کا لطف اُنکی عنایت کے ساتھ تھا
وہ جب خفا ہوئے مرا دم بھی خفا ہوا

وسعتِ وحشتِ دل کو ہے بیاباں تھوڑا
کاش مل جائے ہمیں اور بھی میداں تھوڑا

کسطرح عالمِ کثرت سے عیاں ہو وحدت
اس کی وسعت ہے بہت اور ہے میداں تھوڑا

المدد اے تیرہ بختی دن ہو رات
یار نے وعدہ کیا ہے شام کا

چشمِ ساقی نے کیا مست الست
نشہ ہے اختر مجھے کس جام کا

سے وابستہ ہوئے - حضرت ممدوح نے بھی اپنی فطری شفقت سے اصلاح میں سعی بلیغ فرمائی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب انکے اشعار دل فریب دلپسند اغلاق و رکاکت سے پاک ہوتے ہیں - بہت دنوں سے اجمیر شریف میں مقیم اور نواب شمس الدین خاں صاحب عاشق رئیس اجمیر کی مصاحبت سے ممتاز ہیں - وہاں کے مشاعروں میں شوق سے شامل ہوتے اور داد خوش گوئی لیتے ہیں - آپکی غزلیں سلاست زبان و بلندئ خیال کا اچھا نمونہ ہوتی ہیں - ان کی عمر اس وقت تینتیس ۳۳ برس کے قریب ہے - وجیہ و خوش رو جوان ہیں - گو صاحب دیوان ہیں مگر ابھی تک ان کا دیوان شایع نہیں ہوا چند بہم رسیدہ غزلوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

بیٹھے ہو کس کے سوگ میں پوچھا تو یہ کہا / ہیں آج مرنے والے غریب الوطن کے پھول
جادو نہ کوئی کر دے خدا کے لئے کہیں / نکلا کرو نہ گھر سے مری جاں بن کے پھول

جوبن تو سنبھلتا نہیں نازک بدنی میں / کیا نوک کی لیتے ہو مری دل شکنی میں
بے وجہ کوئی صبر بھی لیتا ہے کسی کا / کچھ تو تمہیں ملتا ہے مری دل شکنی میں
ہچکی کوئی آتی ہے نہ آتا ہے کوئی خط / یاران وطن بھول گئے بے وطنی میں
یوں کہکے پلاتے ہیں مجھے جام مئے وصل / کمبخت بڑا لطف ہے توبہ شکنی میں

یہ تم نے بیوفا کہنے پہ کیوں اتنا برا مانا / چلو یوں ہی سہی ہیں بے وفا ہوں با وفا تم ہو
تماشہ ہے مجھے آواز دے کر خود وہ کہتے ہیں / میاں ہیں اور کو سمجھا تھا ہیں مرد خدا تم ہو
محشر میں بپا اور ہوا اک فتنۂ محشر / گر آئے قیامت تری رفتار کے آگے

تم سے وفا ہوئی ہے نہ ہوگی وفا کبھی / سچ ہے بتوں سے کام نہ ڈالے خدا کبھی
بھولے تو ہو تم اپنی جفاؤں یہ دیکھنا / یاد آئے گی تمہیں بھی ہماری وفا کبھی
ایسا تو کیا کہ یاد نہو کل کی بات سے / اقرار کچھ کیا تھا کسی بات کا کبھی
کچھ دل پہ اختیار ہو کچھ تم پہ اختیار / کرنی پڑے نہ غیر کی پھر التجا کبھی

مجھے رشک اپنی قسمت پر ہے دشمن سے شکایت کیا / عنایت مجھ پہ کیا کم تھی محبت مجھ سے کیا کم تھی

اختر

(اختر) منشی محمد عبدالغفور صاحب خلف حکیم محمد عبدالکریم مرحوم - بزرگوں کا وطن ملتان ہے مگر آپ کی ولادت حیدرآباد دکن میں ہوئی اور وہیں مستقلاً بود و باش ہے اپنے عم مولوی قاضی محمد علی سے اکتساب علم کیا اور بڑے بھائی منشی عبدالرحیم منظر سے نکات شاعری حاصل کیے ۳۰ برس سے شعر کہتے ہیں - پہلے مضطر تخلص تھا بارہ سال ہوئے مولوی سید کاظم حسین شیفتہ سے تلمذ اختیار کیا - اُسوقت سے اختر تخلص فرماتے ہیں - فی الحال مدار المہام سرکار نظام کے ہوم سکریٹری کے محکمہ میں مترجم انگریزی کے مددگار ہیں - دیوان اردو مرتب ہوگیا ہے اپنے اُستاد کی طرز کو خاصہ نباہتے ہیں - زبان کی نسبت مضمون کی طرف زیادہ توجہ ہے - ہنگام ترتیب تذکرہ کلام موصول ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

مکان دل میں جلوہ ہے ترے رخسار و گیسو کا — یہ کعبہ ہے مسلماں کا یہ بتخانہ ہے ہندو کا

شرف ہو ہوش پر اس بیخودی کو کیوں نہ اے اختر — ملا ہے غش میں سر تکیہ اُس سرو کے زانو کا

کھیل ہے اُس کی کبریائی کا — دعوے کرتے ہیں بت خدائی کا

اے معاذ اللہ دست عشق کیا بیباک تھا — دامن پاک مہ کنعاں بھی جس سے چاک تھا

دھو دیا رو رو کے ہمنے ہجر میں دل کا غبار — بہہ گیا ہمراہ سیل اشک جو خاشاک تھا

کسی کی تیغ ہو میرا گلو ہو — دل مضطر کی پوری آرزو ہو

تری شمشیر ابرو کا ہے گھائل — یہ دل مژگاں کے سوزن سے رفو ہو

خبر اپنی ہی جب ہمکو نہیں ہے — تو پھر کیا خاک دل کی جستجو ہو

اپنے بسمل کی تڑپ دیکھ کے قاتل نے کہا — رقص اچھا ہے یہ دو چار پہر ہونے دو

گر ہمیشہ کے لئے آنے میں انکو عذر ہے — وہ رہیں مہماں الٰہی رات بھر اتنا تو ہو

کچھ نہو شیشہ پہ رکھدو ہاتھ اے رشک مسیح — ٹھیر جائے یہ مرا درد جگر اتنا تو ہو

دیکھے گر وہ غیرت خورشید خود در آئینہ — آب عکس رخ سے ہو جسم منور آئینہ

تیرے روئے صاف سے بہتر ہو کیونکر آئینہ — نور کا پیکر ہے تیرا اور تجھ سا آئینہ

بتانِ شوخ سے کیوں بدگماں ہوئے اختر
نہیں تو ساری خدائی پر اعتبار رہا

اے ملالِ عشق تک تو ہی مرے حصے میں ہے
اے غمِ جاوید اک میں ہی تری قسمت میں ہوں

آنکھیں کھُلیں تو وقت پڑی بنکے آ گیا
ہستی کی شوخیوں پہ کسے اعتبار ہو

زمانہ تنگ ہم پر آج کل ہے حضرتِ اختر
بر رنگ بو سے گُل مجموعۂ خاطر پریشاں ہے

قدم رکھے نکلے وہ حسرت ہماری
بنے راہِ جاناں میں تربت ہماری

مجھے داغِ دل دے کے بولا وہ ظالم
حفاظت سے رکھنا امانت ہماری

سببِ ظلم بیجا کا پوچھا جو اُن سے
تو کہنے لگے ہے یہ عادت ہماری

مسیحائی دکھلا رہا ہے کوئی
مریضِ محبت سنبھلنے لگے

شورِ ہنگامۂ قیامت ہے
کیا خراماں وہ سرو قامت ہے

اختر (اختر) مولوی ظہور احمد اختر مختار بدایوں۔ انکے والد منشی امیر احمد بدایوں کے ایک قدیم اور اچھے خاندان کے رکن تھے انکے خاندان میں اکثر لوگ وکالت پیشہ ہیں چنانچہ انکے دو بھائی مولوی عزیز احمد و مولوی وزیر احمد مختار ہیں۔ اوائل مشق میں اپنے بھائی مولوی وزیر احمد فیر کو چند غزلیں دکھائیں پھر اُنہیں کی وساطت سے حافظ عبدالرحمٰن راسخ دہلوی سے استفادہ شروع کیا۔ اب ۲۹ برس کی عمر ہے۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

بحمداللہ دل سے عشقِ زلفِ پرشکن چھوٹا
گئی وحشت ہوئے ہم آدمی دیوانہ پن چھوٹا

اُن کی محفل میں دل بے مدعا جاتا رہا
ماں ہی کیا تھا جسے چھپا ہوا بسا تا رہا

دورِ روز میں برسوں کی رفاقت مری چھوڑ دی
کیا جانتے کیا سے سکھایا مرے دل کو

دانہ پانی تو ہوگیا بند
جیتے ہیں غمِ فراق کھا کے

نہیں جو مجھے محبت نہو ملال تو ہے
میں خوش اسی میں ہوں تکلو مراخیال تو ہے

مٹ جائیں گے سب خودی کے دعوے
آج آئنہ اُن کے روبرو ہے

کیا کہوں کچھ ایسی لذت خنجرِ قاتل میں ہے
قتل ہوکر قتل پھر ہونے کی حسرت دل میں ہے

کر لیا پریوں کو تسخیر تو کیا کام کیا
بات جب ہے کہ انہیں راہ پہ لائے کوئی

بوسہ لیا ذقن کا تو بولے بگڑ کے وہ
باز آئے ایسے پیار سے ہم ایسی چاہ سے

(اختر) منشی عبدالغفار خاں بی اے باشندہ الہ آباد۔ آپ کے آبا و اجداد ضلع رہتک کے رہنے والے اور اکثر سپاہی پیشہ رہے آپ الہ آباد میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے ہوش و شعور سے تحصیل علم کا شوق رہا۔ ۲۰ برس کی عمر میں علیگڈہ کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ انگریزی کا شوق آپ کو شروع سے رہا اور حالانکہ انکے والد مانع رہے چھپکر انگریزی پڑھنی شروع کی مڈل سے بی اے تک برابر انعام و وظائف پاتے رہے اپنے کلام میں قاضی غیاث الدین صاحب خورشید سے مشورہ فرماتے ہیں۔ نثر میں مضامین بھی خوب لکھتے ہیں طبیعت میں ذہانت اور تیزی خداداد ہے۔ فی الحال سکندرآباد میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکرٹری ہیں ؎

زندگی بھر نہ بھرا غم دلِ زار کبھی
حیلۂ موت تھا دل کا مرے ناسور نہ تھا

ہائے رونا وہ کسیکا مجھے یہ کہہ کہہ کر
مرنے والے کبھی میں دل سے ترے دور نہ تھا

میرے نالوں نے کہاں ہار دی ہمت اختر
دو قدم بڑھ نہ سکے عرش بریں دور نہ تھا

بیمار اس جوش پر اور چارہ گر مصروف درماں ہیں
یہاں ہیں اور تدبیریں جنوں ہے اور ساماں میں

اثر ہے خود نمائی کا ترے خونِ شہیداں میں
نہ کیونکر رنگ گل بنکر نمایاں ہو گلستاں میں

جب اُن کا ذکر آیا بیخودی میں چونک چونک اُٹھا
کسیکا نام بجلی کی طرح دوڑا رگ جاں میں

یقیں تھا کسکو اس تکرار پر وعدے کے ایفا کا
مگر اک لطف تو حاصل ہوا اسکی نہیں ہاں میں

دلِ تنگ اور خیالِ یار اسے نہ تنگیٔ قسمت
کہ پھنسایا شوق بے پایاں نے کس یوسف کو زنداں میں

مچلنا صورت زیبا پہ جسکا کھیل ہے اختر
وہی دل لے کے آج آپ آئے ہیں بزم حسیناں میں

یوں تو متاعِ دل کسی داموں گراں نہیں
سودا ہو جب کہ تم بھی کچھ منہ سے ہاں نہیں

ضد کچھ نہیں ہے مجھسے وہ عادت کو کیا کریں
کچھ غیر پر بھی خیر سے وہ مہرباں نہیں

اسکے بیمار کی جیسے جو دوا کرتے ہیں
یہ کچھ اچھا نہیں کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں

شوقِ آرائش ہے اُس رشکِ پری کو اسقدر
دور نظروں سے نہیں ہوتا ہے دم بھر آئینہ

جو قسمت بعد مدت راہ پر آئی تو کیا آئی
ادہر وہ آئے ملنے کو ادہر میری قضا آئی

مریضِ عشق کی اچھی خبر لی ہے مسیحا نے
ہوا کیا فائدہ حاصل پس مردن دوا آئی

مئے گلرنگ پینے کا مزا ہے ایسے موسم میں
چلو رندو چمن میں جھوم کر کالی گھٹا آئی

شبِ وصال میں وہ بیخودی کا عالم تھا
یہ کیا بتائیں کہ بوسے کہاں کہاں کے لئے

طپش کا گر دلِ مضطر کی ہم ظاہر اثر کرتے
ستم سیماب پر کرتے جفا ہم برق پر کرتے

اختر

(اختر) نواب مولوی عبدالقادر خاں متوطن مدراس - مدراس میں بفراغ بالی بسر کرتے ہیں - مشق سخن کی ابھی ابتدا ہے - حضور نظام کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو

اے بیکسی اللہ کو سونپا تجھے ہم نے
لو یہ بھی تو اب کرنے لگے ہیں تمہاری

ہم مر چلے تو دیکھئے جاتی ہے کدہر آج
ہنس ہنس کے رلاتا ہے مجھے دیدۂ تر آج

دل میں جو ہمت تھی وہ صرفِ محبت ہو چکی
ناتواں تیرے کسی کا ناز اُٹھا سکتے نہیں

کیسے ہو تم دمِ آخر یہ سوال اچھا ہے
جلیئے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

پائے نازک سے تو ملتا ہے مرے دلکو کوئی
ہائے مجھسے اسی ناشاد کا حال اچھا ہے

مرغِ دل ہوتے ہیں لاکھوں کے اسیرِ گیسو
میرے صیاد کے کندھے پہ یہ جال اچھا ہے

اختر

(اختر) منشی موسیٰ حسین صاحب باشندۂ جلال آباد - علاقہ ریاست ریواں میں ملازم اور فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی کے ماننے والوں میں ہیں کلام ملاحظہ ہو

حسد املتا نہیں یا وہ بُت اپنا ہو نہیں سکتا
جو انساں کرنے پر آئے تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

مغبچوں کے کہنے سے پی جاؤ کہکر یا غفور
لیتا لیتا شیخ جی بس ایک ساغر رہ گیا

کی ادہر دل نے کشش کھینچا اودہر جلاد نے
ٹوٹ کر آخر مرے سینے میں خنجر رہ گیا

کھول کر زلفِ مسلسل بام پر آتے ہو کیوں
دل اگر لینا ہے لو جال پھیلاتے ہو کیوں

جمالِ یار کو دیکھیں گے خواب میں کیا خاک
ہمیں تو نیند بھی شب بھر ذرا نہیں آتی

ابھی سے ہوگیا انکار - ابھی بادہ نوشی ہے
ذرا سی اور پی لو کچھ تو آنکھوں میں خمار آئے

مقدر کا لکھا - ہم تو رہے کُنجِ اسیری میں
ہمیں کیا اب گلستاں میں خزاں آئے بہار آئے

وہی احباب جو ہمکو بٹھاتے تھے سر آنکھوں پر
تعجب ہے کہ مرقد میں ہمیں کیونکر اُتار آئے

اُنہیں عادت ہوئی ہے غیر سے ٹھکرا کے چلنے کی
مزا آجائے رستے میں جو دشمن کا مزار آئے

اختر

(اختر) منشی علی اختر - شاہجہانپوری - نواب مرزا خاں داغ مرحوم کے شاگرد ہیں - مختلف گلدستوں میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے - چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

جاری ہوئے ہیں اشک مرے تیرے پیار میں
موتی پرو رہا ہوں میں شبنم کے تار میں

جوبن ٹپک رہا ہے تمہارے شباب کا
ڈوبا ہوا ہے حُسن کا عالم بہار میں

صیاد نے بھی تاک کے مارا ہے تیر
بلبل کو گل کے پاس جو دیکھا بہار میں

نہیں ہے یہاں بن گئی جان پر
تمہاری تو بس اک ادا ہو گئی

اخگر

(اخگر) دیوان ٹیک چند دہلوی شاہزادہ مرزا خرم بخت بہادر مرحوم ابن صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ گورگانی ولیعہد شاہ عالم ثانی مقیم بنارس کی سرکار میں دیوان تھے تبرکاً کلام درج ہے ؎

کون کہتا ہے کہ ہمنے مے پرستی چھوڑ دی
رات دن پیتے ہیں مے پر مے پرستی چھوڑ دی

دو جہاں دینے میں ملتا تھا ہمیں دیدارِ یار
ایسی شئے نایاب بھی ہے مفت سستی چھوڑ دی

اخگر

(اخگر) فتح یاب خاں نام ہے - مظفر خاں المتخلص بہ گرم کے بیٹے مقیم رامپور ہیں نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی مرحوم کی شاگردی کا فخر حاصل ہے - تذکرہ یادگار انتخاب کی ترتیب کے زمانے میں ۳۷ برس کی عمر تھی - کلام ملاحظہ ہو ؎

قابو نہ تھا جو دل پہ تو اخگر بتائیے
جانا ہی اُسکے پاس نہیں کیا ضرور تھا

دلِ ناکام کو پھر اُن نگاہوں کی تمنا ہے
جگر میں ڈوب جانا پھر وہ یاد آتا ہے نشتر کا

قاتل تھا تو تو گرچہ نہ تھا بندہ کشتنی
ظالم گیا نہ پاس کچھ اپنے بھی نام کا

جاؤ کوئے غیر میں اسے نالہ ہائے نارسا
اپنے ہی سر پہ تھے تم محشر اُٹھانے کے لئے

لاکھوں مرتے ہیں مری موت کا کیا غم ان کو ایسی خبریں تو وہ ہر روز سنا کرتے ہیں
عادت نہیں دنیا کی مگر ہے عدو کے ساتھ پہلو یہ خوب ہے کہ اُدھر ہو اِدھر نہ ہو
شوق جلوہ جو نقاب رخ جاناں اُلٹے طور سینا سے ہزاروں موسیٰ عمراں اُلٹے
اُلٹی تدبیر ہوئی ہو گئے ساماں اُلٹے میرے قاصد بنے جاسوس رقیباں اُلٹے
منظر قدرت حق جان کے چاہا تھا تمہیں بن گئے تم تو مگر دشمن ایماں اُلٹے
کرتے ہیں یار کے پیکاں کو کیوں دل سے جدا چارہ گر کرتے ہیں کیوں درد کے درماں اُلٹے
شاں مولا کی جنہیں دیکھ کے میں جیتا ہوں میں وہی ہائے مری جان کے خواہاں اُلٹے
گھٹا سینے میں غم جس دن جگر ہو جائیگا ٹکڑے ہماری سخت جانی تو تب آہ و فغاں تک ہے
خدا جانے کہاں تک بات بڑھتی کس پہ کیا بنتی جو میری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہو جاتی
ہمارے قتل پر بھی تو عدو کو رشک آتا ہے نیا ایجاد کیجے اب طریق امتحاں کوئی

اختر

(**اختر**) منشی سید ذاکر حسین - موزوں طبع سخنور ہیں اور شاید حضرت آغا شاعر دہلوی سے سلسلۂ تلمذ رکھتے ہیں طبیعت شوخ زبان پاکیزہ - اور بندش نہایت چست ہے - امید ہے کہ کثرت مشق سے اور بھی ترقی کریں گے - جو کلام نظر سے گزرا یہ اُسکا خلاصہ ہے ؎

چلی بادِ بہاری پھر گیا پانی گلستاں پر ہوئیں گلکاریاں کیا کیا کتاب شان یزداں پر
کب تک لگائے کوئی شوق وصال سے آخر بہل گیا دل مضطر ملال سے
بوسہ ہو نصیب مجھے چشم مست کا کالی گھٹائیں جھوم کر آئیں شمال سے
بارش یہ کہہ رہی ہے کہ عزت نہ جائیگی آج آستان پیر مغاں پر سوال سے
مینا مجھے سنبھالنا میں ہوش میں نہیں ساقی کی چشم مست سے ساغر کی چال سے
مری امید بر آئے مرے دل کو قرار آئے نہیں تو موت ہی مجھکو مرے پروردگار آئے
گھٹا اُٹھی - وہ میخانہ کھلا - وہ بادہ خوار آئے مرے ساقی پھر اب کس بات کی ہے دیر دار آئے
وہی محفل میں وہ یوں جھومتے مستانہ وار آئے چمن میں جس طرح اٹکھیلیاں کرتی بہار آئے

ہو گی - بہم رسیدہ کلام تحفۂ حاضر ہے ؎

اگر تم آبِ خنجر تک پلا دو گے تو پی لوں گا — کہ دے گا لطف پیارے پیار سے ان ہاتھوں سے خنجر کا

تمہاری تیغ کا مجھے تڑپ کو دے لیا بوسہ — تمہیں بھی چاہیے مُنہ چوم لو بسمل کی ہمت کا

مری جاں زلف کو عارض پہ لٹکانے سے کیا مطلب — کتابِ اتصال کا فر سے پڑھوانے سے کیا مطلب

عطا ہوتے ہیں خلعت عشق کی سرکار سے اُنکو — جو اُنکے چاہنے والے ہیں وہ کفنائے جاتے ہیں

تصدق ہوتی ہے خود زندگی اُن خوش نصیبوں پر — پسِ مردن ترے کوچے میں جو دفنائے جاتے ہیں

اخگر

(**اخگر**) نواب شمشیر بہادر جنرل فوج و رئیس اعظم ریاست اجے گڑھ واقع بندیل کھنڈ - ابتدا سے مشق سخن میں مولوی حسین علی **شورش** لکھنوی کو چند غزلیں دکھائیں اُنکی وفات کے بعد کئی برس تک میرزا اکر حسین **یاس** لکھنوی و جناب احسن شاہجہانپوری سے اصلاح لیتے رہے - اب جو کچھ کہتے ہیں اُسمیں حضرت جلال لکھنوی سے مشورہ لیتے ہیں - علوم رسمی سے بخوبی ماہر ہیں - اور اپنے آبائی فن سپاہگری یعنی شہسواری - بانک - پٹا - بنکیتی وغیرہ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں - فوٹوگرافی کا بھی بہت شوق ہے - صاحب **فسانۂ اخگر** و دیوانِ **شعلۂ عشق** ہیں راقم تذکرہ کے معزز احباب میں ہیں - آپکی عمر قریباً ۴۰ سال ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - اکثر نامی گلدستوں میں غزلیں چھپتی رہتی ہیں - کلام فرحت انجام حاضر ہے ؎

بے سوز جگر جوششِ فغاں ہو نہیں سکتا — جب تک نہ جلے آگ دھواں ہو نہیں سکتا

ہمارا خون پیو گے کی خلش میں کر دو — یہ ہر قدم پہ ہے کانٹوں سے قول چھالوں کا

رنگ لیتا دل کا آنا یار پر — کس کی طاقت کس کا یہ مقدور تھا

شمع محفل تو اگر ہے میں ہوں پروانہ ترا — بزم کی رونق ہے تجھ سے مجھ سے شانِ اہلِ درد

کبھی جاتے تھے نالے آسماں تک — نہیں آتے ہیں اب دل سے زباں تک

یہ شورِ قلقلِ مینا ہو ساقی — سنائی دے نہ زاہد کی اذاں تک

کیا ہے ضبط سوزِ دل کو ایسا — نہیں اس آگ سے اُٹھتا دھواں تک

لگی ہے دل جگر میں آگ اخگر — بجھائیں گے اسے آنسو کہاں تک

اترائیے نہ آپ زیادہ چمن کے پھول — کیا ہونگے دل کے داغوں سے بڑھکر چمن کے پھول

کچھ اس انداز سے ابرو کو وہ خم دیتے ہیں — سینکڑوں اپنا گلا کاٹ کے دم دیتے ہیں

اخگر

(اخگر) صاحبزادہ بادی یار خاں رام پوری - نواب علی محمد خاں خلد مکاں والی رام پور کی اولاد میں ہیں - امیر مینائی تذکرۂ انتخاب یادگار میں ان کا حال اس طرح لکھتے ہیں - ابھی شوق کی ابتدا ہے چند روز ہوئے کہ شعر کہنا شروع کیا ہے پہلے آغا علی نقی متخلص بہ غنی ابن آغا غمین لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے اب کبھی کبھی اس ہیچداں (امیر مینائی) کو کلام دکھلا لیتے ہیں - یہ دو شعر اُن کے ہیں ؎

نہ میں شور حشر سے بھی کبھی ہوشیار ہوتا	پڑے خواب مجھکو ملتی جو زمینِ کوے جاناں
تعظیم کو اُٹھتا ہے ادھر درد جگر کا	پہلو سے وہ اُٹھتے ہیں اُدھر صبح شب وصل

اخگر

(اخگر) افسر الاطبا حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی ولد منشی غلام غوث وکیل ملازم وطبیب حضوری دار الاقبال بھوپال - آپ کی ولادت ۱۳ - محرم ۱۲۳۵ھ ہجری میں ہوئی - فارسی اور عربی کی تحصیل عالمانہ تھی اور علم طب میں ید طولےٰ رکھتے تھے - فارسی اشعار مولوی عبد اللہ خاں صاحب علوی کو دکھاتے تھے - اور حق یہ ہے کہ اچھا کہتے تھے اُردو کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی آپ کا فارسی کلام تذکرۂ شمع انجمن میں موجود ہے - آپ اپنے وقت کے اطبّاے مشاہیر سے تھے - آپکی حذاقت و تشخیص کی دُور دُور شہرت تھی - ریاست بھوپال میں بزمانۂ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مدتوں محکمہ ہسپل کے افسر رہے - اور تین سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۲۹۷ء میں عمدۃ الاخبار نامی ایک پرچہ بھی وہاں سے جاری کیا تھا جسمیں ایک حصہ طبی مضامین کے لئے وقف تھا - مضمون نگاری میں اچھا دخل تھا - مدرسۂ طبیہ دہلی کے اکثر ممتحن ہُوا کرتے تھے - اٹھ نوبرس ہوئے انتقال فرمایا صرف ایک شعر دستیاب ہوا تبرکاً درج کیا گیا ؎

نامۂ شوق کو تحریر بقدر جانا	نہ پڑھا اُس نے کبھی مشغل خستہ پشیانی

اخگر

(اخگر) منشی امداد حسین صاحب باشندۂ مراد آباد - ملازم گورنمنٹ پریس شملہ - شبیر علی خاں تنہا کے شاگرد ہیں - طبیعت موزوں پائی ہے - شعر بُرا نہیں کہتے - اکثر شعر و سخن کا مشغلہ ادھر رہتی ہے - کبھی کبھی شملے پر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں - آجکل نیچرل شاعری کی طرف مائل ہیں - عمر تقریباً ۲۸ سال

والد بھی ریاست کے کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے انکی پیدایش ۱۸۷۷ء میں بمقام سجے پور ہوئی اور یہیں تعلیم پائی۔ شروع میں چند غزلیں مولوی اشتیاق حسین صاحب ناطق شاگرد امیر مینائی کو دکھائیں انکے انتقال کے بعد سے حضرت سید محمد رضا آگاہ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ جو کلام اُنکے اُستاد نے بھیجا اُسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے ؎

ہستی عدم فسانے ہیں گر غور کیجئے
معدوم عین عین میں عینِ وجود تھا

برقِ نگاہِ یار نے پھونکا دل و جگر
اک آگ تھی کہ جسمیں شرر تھا نہ دُود تھا

مرے اللہ کیا کہنا ہے تیری کبریائی کا
بتوں کو بھی جہاں میں آج دعویٰ ہے خدائی کا

انداز کے قرباں تصدق ہوں ادا پر
پھر کہدو اُسی ناز سے چل دُور پرے ہٹ

خالی نہیں ہیں ہاتھ کہ زنجیرِ در ہلائیں
دل تھامے پھر رہے ہیں ترے در کے آس پاس

دل بھی اگر ہی ہے زباں بھی اگر ہی ہے
کیونکر کرینگے شکوہ تمہارا خدا سے ہم

جگر میں درد دل میں درد سر میں درد کا سودا
مرض کیا ایک ہوتا ہے محبت کرنے والے میں

دیکھتے دل کو ہیں اور کہتے ہیں درکار نہیں
یہ بھی اک حسنِ طلب ہے کہ طلبگار ہیں

قاتل نے ہاتھ روک کے ارماں کا خوں کیا
کیا کیا نہ رہ گئی دلِ امیدوار میں

ہائے کتنا وہ کہیگا کہ خدارا خاموش
دیکھ بدنام نہ کردے تری فریاد مجھے

پھونک ڈالا آتشِ الفت نے جسکا جان و تن
اُسکی منتِ خاک سے شرمندہ ہے اکسیر بھی

(**اخگر**) منشی محمد عبد القادر اخگر باشندہ گیا مئی اپنے چچا حضرت سعید سے مشورہ کرتے ہیں ایک انجمن مشاعرہ بھی قائم کر رکھی ہے۔ تجارت کا مشغلہ ہے کلام کا خلاصہ یہ ہے ؎

اخگر

شبِ وصل وہ روٹھ جانا کسیکا
لگا کر گلے وہ منانا کسیکا

مری داد خواہی پہ روزِ قیامت
ندامت سے گردن جھکانا کسیکا

جلاتا ہے اُلٹی چھری میرے دل پر
نگہ پھیر کر مسکرانا کسیکا

سرِ بزم نیچی نگاہوں سے اخگر
عیاں ہو گیا دل چرانا کسیکا

راز افشا ہو جس وقت یہ آتا ہے خیال	آنکھوں تک آکے پلٹ جاتے مرے آنسو دل میں
شیخ صاحب پی کے یوں جامے سے باہر ہوں آپ	کچھ خیالِ حرمتِ مئے قبلۂ عالم رہے
مزا ہو جائے میخانہ میں اخگر	جو دن بیٹھیں اور آ جائیں پھر سے
بتوں نے کس سے وفا کی ہے جو لے دل ناداں	نہ اس طرح تو محبت ارے بڑھا ان کی
زلفیں گھبراتے ہو کیوں چاند سے رخ پر شب وصل	کہیں گھبرا اُٹھو نہ رات کے بڑھ جانے سے

اخگر

(**اخگر**) عبد المجید خاں نام ہے۔ حضرت داغ کے شاگردوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ شاید نواب رام پور کے خاندان سے ہیں۔ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

خون کرنا بھی تو ان کا ہے سراسر احساں	خوں بہا جائے گر خون بہا دیتے ہیں
لڑ گئی آنکھ تو منہ پھیر کے فرمانے لگے	صلح کل وہ ہیں جو لڑتوں کو بچا دیتے ہیں
شرم آنکھوں میں ہے اور آنکھ کا پردہ ہے نقاب	وہ حیا کب بھی حجابوں میں چھپا دیتے ہیں
میرے مطلب کی بھی ہو جائے کوئی بات ضرور	آپ تو رات کو قصوں میں اڑا دیتے ہیں
اشک تر آنکھ سے ہم اپنے بہا کر اخگر	آگ بھڑکی ہوئی سینہ میں بجھا دیتے ہیں
نہیں اچھا یہ چھیڑ کر چلنا	کوئی دیوانہ سر نہ ہو جائے

اخگر

(**اخگر**) محمد شہاب الدین اخگر دہلوی ۱۸۸۰ء میں حیات اور دہلی کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ بعد کا حال معلوم نہیں ؎

میں ہوا قیس ہوا وامق و فرہاد ہوا	دشتِ الفت میں جو آیا وہی برباد ہوا
غیر کے واسطے تو موم ہے اور پانی ہے	اور مرے واسطے پتھر ہوا فولاد ہوا
حسرت کشتہ بعد مرگ تو لی آپ نے خبر	لاشہ چلا ادھر سے اور آئے ادھر سے آپ
اخگر تمہارے نقشہ کا کھنچنا محال ہے	کچھ لاغری میں کم نہیں انکی کمر سے آپ

اخگر

(**اخگر**) مولوی سید حمید حسن پوری ولد حافظ عبد العزیز مرحوم اصلی وطن فرخ آباد ہے مگر یہ خود بوجہ ملازمت ایک عرصہ سے جے پور میں سکونت گزیں اور محکمۂ صدر سائرات میں ملازم ہیں۔ انکے

اے چارہ گر بتادے دوا میرے درد کی	انجان بن کے پوچھ نہ ہر بار کیا ہوا
ساقی ہو جام چلتے ہوں ابر بہار ہو	تب دور میکشو نکے دلوں کا غبار ہو
سچ سچ بتاؤ تمکو ستاتی ہے کس کی یاد	اخلاص کسکے واسطے تم بیقرار ہو
ہزاروں بے گنہ ہوجائینگے قتل	نہ نکلیں بن سنور کر آپ گھر سے
حضرت موسیٰ اسی پردیدکے طالب تھے آپ	آتش شوق ایک ہی نظارے میں پانی ہوئی
کسی کی چال نے محشر میں اک ہلچل سی ڈالی ہے	قیامت ہے قیامت پر قیامت آنیوالی ہے
پھرے ہیں گرد کعبہ کے رہے ہیں دیر میں برسوں	کسیکی جستجو میں ہمنے دنیا چھان ڈالی ہے

(اخلاص) شیخ نور الحسن خلف شیخ کریم حسین ۱۳۰۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے ریاست بھوپال میں ملازم ہیں کلام درج ذیل ہے

باغ عالم میں نہیں اسکا پتہ اخلاص ہائے	ہوں ازل سے شیفتہ جس گل کی میں تصویر کا
حسیں سے ہے مہ جبیں ہے اور سیرت بھی اچھی ہے	ہوں کیونکر میں بندہ ایسے خوش رو اور خوشخو کا
اخلاص چند روزہ ہیں دنیا کے عیش و رنج	کب ہے قیام گردش لیل و نہار کو

(اخلاق) سید اخلاق حسین دہلوی - یہ ایک شریف اور معزز خاندان کے رکن ہیں - عربی میں معمولی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں - عرصۂ دراز سے بحیلۂ معاش کلکتے میں سکونت اختیار کرلی ہے - اردو میں مشق سخن کو پختہ کیا ہے - ابتدائی چند غزلیں حضرت مجروح دہلوی کو دکھائی تھیں مگر زیادہ تر نادر شاہ خاں شوخی رام پوری مقیم کلکتہ سے مشورہ رہا - انکے اشعار پُرلطف اور حسرت ہوتے ہیں - مگر اُستاد کے اثر سے کہیں کہیں دقت پسندی کی جھلک نظر آجاتی ہے - عمر چالیس سال کے قریب ہے - کلام ملاحظہ ہو

نکل آئے کا پہلو وصل کا بھی	کہیں ہاں تو کہے ظالم نہیں سے
خطائیں اُسکی بجستجو یا سزا دو یو چھتے کیا ہو	ہمیں کیا کام ہے دل آپکا ہے آپ ہیں دل کے
ہنگام نزع بند زبان سوال ہے	پیچیدہ دل میں آرزوئے عرض حال ہے

اُڑا لے چل صبا کوئے بتاں میں	گر اتنا رحم تو مجھ ناتواں پر

اخگر

(اخگر) قاضی شمس الضحے اخگر بی اے - قاضی پور کے باشندے ہیں ہر شعر سے نفاست مضمون اور نازک خیالی ٹپکتی ہے - کیوں نہو آخر تعلیم یافتہ دل و دماغ رکھتے ہیں - موجودہ رسائل میں اکثر آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے ؎

عجب دھج میں ترے وحشی کو دیکھا کل بیاباں میں	چھپے ہیں خار تلووں میں بھرے ہیں پھول داماں میں
رہاں زخم دا ہیں فرط لذت سے ابھی قاتل	چھڑک دے اور اک چٹکی جو برکت ہو نمکداں میں
مرے ہوش و خرد کو بندگی تسلیم تقوے کو	نگاہ مست ساقی آج ہے پھر اور ساماں میں
راحت کی ہیں تدبیریں کیا عقل ہے دیوانی	زندانیٔ دنیا کو امیدِ تن آسانی
دل ہے نہ جگر باقی حسرت ہے نہ ہے ارماں	کیا تہ کیا تو نے اے سوزشِ پنہانی
بدنام عبث گردوں ایام عبث رسوا	ہر ظلم کے تم موجد ہر جور کے تم بانی
ہم داورِ محشر سے گر کہتے تو کیا کہتے	تھا وقت بہت تھوڑا اور قصہ تھا طولانی
کچھ سوچ سمجھ کر ہم صحرا سے پلٹ آئے	تنہائی میں گھبراتی گھر میں مری ویرانی
اپنا جسے ہم سمجھے تھا غیر سے وہ بدتر	اور دوست جسے جانا دشمن تھا وہی جانی

بار اخگر کو زندگانی ہے	ناتوانی سی ناتوانی ہے
دل ہے اک داستانِ عبرت خیز	عشق پُر درد اک کہانی ہے
عشقِ خوباں خلاصۂ صد عمر	زندگی مرگِ ناگہانی ہے
عیش دنیا حباب ہے اخگر	ایک غم ہے کہ جاودانی ہے

(اخلاص) منشی حافظ عبدالشکور - مدرس مدرسہ صدیقیہ بھوپال - شاگرد امیر مینائی مرحوم - گلشن سخن نامی ایک رسالہ انکے اہتمام سے نکلتا تھا - انکے والد شیخ عبدالرحمن نواب قدسیہ بیگم کے زمانے میں بھرتپور سے بھوپال آکر ملازم ہوئے یہ خود فنِ تاریخ میں منشی فداعلی فارغ اور شاعری میں امیر مینائی سے مستفیض ہوئے - یہ انکے کلام کا انتخاب حاضر ہے ؎

تڑپا دیا کچھ اور مرے دل پہ رکھ کے ہاتھ ۔ تسکین خوب آپ یہ فرماتے جاتے ہیں
باتیں بنا چکا ہے جو ہم سے ہزار بار ۔ کچھ ہائے اسکی باتوں میں ہم آئے جاتے ہیں
اب وہ آنکھوں میں زمانے کی پھرا کرتا ہے ۔ شرم آتی تھی جسے اپنی نظر سے پہلے
تیرے آواز اسی کا نام ہے سمجھے رہو ۔ اسے بتوڑتے نہیں ہو تم مری فریاد سے
شکوۂ بیداد پر دیتا ہے ظالم یہ جواب ۔ آپ کس دن باز آتے نالہ و فریاد سے
جس کو دل دیتے نہ کیوں جان کا گاہک ہوتا ۔ ہم نے تقدیر ہی ایسی جو نہ پائی ہوتی
غم نہ تھا ہوتا برا مجھ سے زمانہ ہوتا ۔ تم سے بھلے ہوتے تو کوئی نہ برائی ہوتی

اخی

(**اخی**) ان کا نام تحقیق نہیں ہوا۔ قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے اور شیخ قلندر بخش جرات کے ہمعصر تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں فارسی کا زیادہ رواج تھا اس سبب سے اکثر زبان فارسی میں اور کمتر ریختہ میں فکر فرماتے تھے۔ ایک قطعہ اور اس خمسے کا ایک بند ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو انہوں نے سید محمد عسکری بلگرامی کی فارسی غزل پر فرمایا تھا۔

قطعہ

کل جو ہیں دیکھے بازار میں یہ میں نے کہا ۔ سیر کر کے ہونا کہیں بدنام ذرا
مسکرا کر کے یہ فرمانے لگے شرم سے آپ ۔ آج تھا میرے تئیں چوک تلک کام ذرا

صدقے تری قامت کے کیا خوب ترا ہے قد ۔ اللہ رے ترا مکھڑا اللہ رے یہ خال و خد
ہو کیوں نہ زخود رفتہ دل دیکھ تری آمد ۔ ہر کس کہ زدیدارت بے ہوش نمی گردد
دانم کہ ز چشم او زائل شدہ بینائی

ادب

(**ادب**) سید حیدر مرزا لکھنوی۔ خلف اکبر و شاگرد سید حسین مرزا **عشق**۔ بڑے نامور استاد کے بیٹے اور خود بھی صاحب کمال سخن سنج تھے۔ تعلیم اچھی پائی تھی۔ اور لڑکپن سے اہل کمال کی صحبت اٹھائی تھی۔ چودہ پندرہ برس کے سن میں فکر سخن کرنے لگے۔ رنگینی خیال و رسائی ذہن بزرگوں سے ورثے میں آئی تھی اس سبب سے جو کچھ کہا خوب کہا تھوڑی ہی مشق میں اچھا نام

تھی اضطرابِ دل سے شمشیر چینِ بستر — کاٹی شبِ جدائی کروٹ بدل بدل کے

اِن لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے — دنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی — کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

ہے جان کے ہمراہ خلش خارِ مژہ کے — وہ پھانس نہیں ہے یہ کوئی جسکو نکالے

کیوں شام سے ہے فکرِ صبوحی مرے ساقی — تھوڑی سی پلا دے مجھے تھوڑی سی بچالے

ہنسنے سے زیادہ مرے رونے میں مزا ہے — دل جب سے پڑا ہے کسی بیدرد کے پالے

جنجو دہیں ترے جلوۂ دیدار سے دونوں — دل کو کوئی روکے کہ طبیعت کو سنبھالے

آغاز سے بدتر ہُوا انجامِ محبت — ہم دل ہی کو روتے تھے پڑے جان کے لالے

رندوں کو ہے یارب تری رحمت کا بھروسا — واعظ تو کئے دیتا ہے دوزخ کے حوالے

شانے سے کوئی پیچ جو اُس زلف کا نکلا — اُس کو بھی کیا میرے مقدر کے حوالے

کہتے ہیں وہ اخلاق گلہ رشک کا سنکر — کیا ایک ہو دنیا میں تمہیں چاہنے والے

اخلاق

(**اخلاق**) منشی سید نذیر احمد - جیلخانہ اعظم گڑھ میں نائب داروغہ ہیں - فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی سے استفادہ کرتے ہیں - ابھی نومشق ہیں مشق کرنے پر اچھا کہنے لگیں گے ؎

ہوش کیا میرے ہی کھوئے چشمِ افسوں ساز نے — سامری بھی سحر بھولا اُن کی چتون دیکھ کر

ہماری لاش کو ٹھکرا کے ناز سے بولے — پڑے ہیں آج تو خوب آپ دم چرائے ہوئے

کل تو مسجد سے چلے آتے تھے آج اے اخلاق — رہن میخانے میں دستار و قبا رکھی ہے

پائی ہے تم نے ماہ لقا شکل حور کی — روشن ضیائے رُخ سے تجلی ہے طور کی

ایک ٹھوکر کبھی تربت پہ لگائی ہوتی — میری سوئی ہوئی تقدیر جگائی ہوتی

دل لگانے کا ذرا لطف اٹھاتے ہم بھی — دل و دلبر میں کسی روز لڑائی ہوتی

اخلاق

(**اخلاق**) منشی ہاشم علیخاں باشندہ بنارس - اپنے بھائی منشی غلام حسین خاں آفاق کی طرح منشی جلیل حسین صاحب جلیل سے تلمذ ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

میں انکے علم و فضل اور مہارت انشا و دستگاہ نظم و نثر کی بڑی تعریف لکھتے ہیں - الغرض مرد قابل و ہنرور خوش مذاق اور بڑے خوش فکر تھے - فن سخن میں اپنے والد سے فیض پایا تھا فضل و کمال کے علاوہ تیر اندازی - بانک - پٹہ وغیرہ میں بھی اچھی مشق حاصل تھی - زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اسمیں سے متروک ہو گئے ہیں مگر معاملہ بندی اور صفائی بیان قابل داد ہے ؎

نکلی نہ کسی بات میں ہاں تیرے دہن سے — ہے یاد یہ کافر ہے تجھے اک لفظ نہیں کا

آتے ہیں غم و درد ادب سے مرے دل میں — ڈرتے ہیں مکاں ہے یہ کسی عمدہ مکیں کا

نازاں ہے جرس ہرزہ درائی پہ تو اپنے — ڈنک ہو جو سنے نالہ تو دلہائے حزیں کا

ممکن نہیں کہ دست جنوں ترک جو کریں — اس جیب ہی سے گذرے کہاں تک رفو کریں

برہم کریں طلسم یہ اسلام و کفر کا — زاہد جو شوق دل سے ہم اک بار ہو کریں

خالی ہیں دشت و کوہ دیوانوں سے او چلا — چل اب فراغ دل سے وہاں ہاؤ ہو کریں

کون ہے وہ کہ تمہیں جس سے ہوا راہی نہیں — ہاں مگر ہم ہیں کہ جنکے فکر ہمارا ہی نہیں

چشم کو یار کی مستی میں یہ ہشیاری ہے — بھولے بھٹکے بھی ادھر اس کو اشارہ ہی نہیں

غنچہ ساں سو ہیں زباں منہ میں ولے ہر حال — کھولنا لب کا کسی ڈھب سے گوارا ہی نہیں

جو کہ چاہا سو کہا تو نے جو چاہا ہو سو کہو — دم کبھی ہمنے ترے سامنے مارا ہی نہیں

تشنہ لب ہی رہے بھر عمر یہ غیرت سے صدف — سوئے نیساں کبھی منہ ہمنے پسارا ہی نہیں

منزل خوبیٔ باطن تو پرے ہے ادہم — ظاہر اپنے کو تو ناداں تیں سنوارا ہی نہیں
(بمعنی تو نے)

اکیلا کیا مناسب ہے کسیکے گھر میاں جاؤ — یہ جاں حاضر ہے لو ہمراہ پھر جا ہو جہاں جاؤ

بہم پہنچا نہ دنیا میں کوئی فریاد رس اپنا — بھلا اک عرش کی بھی سمت اے آہ و فغاں جاؤ

کسے ہے تاب و طاقت رنجش بیجا اٹھانیکی — ادا و ناز اپنا تا کرو اے دلستاں جاؤ

حلاوت اس جہاں کی تمکو گر درکار ہے ادہم — تو دنیا سے بہ تلخی او کے چشم خونفشاں جاؤ

عارض کو اپنے دست نگہ سے بھی تو بچا — بے آب دم میں ہو گہر انگشت کے تلے

پیدا کر لیا - ارباب زمانہ کے میلان اور اپنی خاندانی رسم کے موافق مرثیہ گوئی پر توجہ کی اور معقول دستگاہ بہم پہنچائی - لیکن اس ولوی میں اپنے والد گرامی قدر کے درجے کو نہ پہنچ سکے - مرثیہ پڑھنے کا انداز بھی نرالا تھا - جس میں آپ کا خاندان ایک خاص شہرت رکھتا ہے - لوگ آپ کی سادہ مزاجی کی بہت سی نقلیں بیان کرتے ہیں - بہرحال غزلوں میں مضموں کی بلندی کے ساتھ زبان کی شستگی کو خوب نباہا گو دیوان شایع نہیں ہوا مگر اکثر غزلیں لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں جن کا انتخاب ہدیہ الوالالباب کیا جاتا ہے آپکی تاریخ وفات ۲۰ محرم ۱۳۱۳ھ ہے -

سیر ہوتی سہ دو بالا جو زمانہ ہوتا
جبہ سائی کا دیا حکم نہ اپنے در پر

آپ نے سر سے پانوکو اُٹھانے نہ دیا
میرے تقدیر کے لکھے کو مٹانے نہ دیا

عجب محفل ہے یہ دنیا جہاں ہر ایک بیدل ہے
مگر طرفہ یہ ہے پھر دیکھئے ہر ایک مائل ہے

وہاں اغیار خوش ہیں سنکے میرے قتل کا چرچا
یہاں مجھکو ملال زحمتِ بازوئے قاتل ہے

گل بازی کو سمجھ کس لئے تم پھینک دیتے ہو
مگر سمجھے ہوئے ہو عاشق ناشاد کا دل ہے

گئی شام جوانی سو چکے اب صبح پیری ہے
ادب اُٹھو بہت کم وقت ہے اور دور منزل ہے

آتی نہیں اب موت بھی یہ طرفہ بلا ہے
مشتاقِ شہادت سے وہ قاتل جو خفا ہے

ادب

(ادب) نواب فیاض الملک بہادر - مہتمم سبزخانہ نظام حیدرآباد دکن - زیادہ حال معلوم نہیں - موزوں طبع شاعر ہیں - انکے کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں - چند دستیاب شدہ اشعار درج ذیل ہیں ؎

ایک تو رخسار گلگوں دوسرے گلگوں کا دور
اس پئے دو آتشہ سے نشہ بالا ہو گیا

آتی ہے نظر گلشن جاناں کی فضا اور
اس باغ میں شاید کوئی گل تازہ کھلا اور

مسی کی دھڑی اُس پہ غضب پان کا رکھا
دل خون کئے دیتا ہے پھر رنگ حنا اور

بوسہ کی طلب پر تو قیامت ہوئی برپا
کیسا غضب آتا جو کوئی ہوتی خطا اور

ادہم

(ادہم) شیخ الاسلام ادہم خلف حافظ بُدھا - متوطن قصبہ تھانہ - قدرت اللہ شوق اپنے تذکرہ

چار آنکھیں جس سے ہو گئیں مخمور ہو گیا
ساقی کی چشم مست میں عالم ہے نور کا
دیکھ کر جب سے اُسے آیا ہے
اِک تماشہ ہے تماشائی کا

حرفِ رخصت کا تو سنتے ہی ہوا دل بیتاب
چین جانے سے تمہارے مجھے کیونکر ہوگا
کورِ باطن کو نظر کیا پڑے جلوہ اُن کا
دیکھتا ہے اُنہیں ہر شئے میں شناسا اُن کا

کیا کہوں دنیا میں آکر کیا کیا
کھیل قدرت کے ترے دیکھا کیا
ہم کو بھی اُس نے بنایا خاک سے
جس نے تم کو نور کا پتلا کیا
آئینے کو ہے دیکھ کر حیرت
دی ہے خالق نے تمکو صورت کیا
دل کسی طرح بھی نہیں بھرتا
تیرے غم کھانے میں ہے لذت کیا
حج اکبر ہے دل کا خوش کرنا
کعبہ جانے کی ہے ضرورت کیا

اُس بت کافر نے لیکر دل کیا پامال حیف
خوب ہی کی خانۂ کعبہ کی حُرمت دیکھنا
ہم پریزادوں کے عاشق ہوں پر سے ہیں آب
شیخ صاحب ہمکو کرتے ہیں نصیحت دیکھنا
رحم کرتے تو ہزاروں ہی دعائیں ملتیں
ہم غریبوں کے ستانے سے بھلا کیا پایا
کیا ہو بہار جو مئے گلگوں سے سنج ہو
ریشِ سفید زاہدِ شب زندہ دار آج
اُس کے سر عشق کا سہرا ہے جو سر کو پھوڑے
سن رہے ہیں یہ صدا تیشۂ فرہاد سے ہم
کب شب تڑپ تڑپ کے سحر ہونے کی نہیں
کس روز رات آنکھوں میں اپنے کٹی نہیں
زاہد ہے مردہ دل مئے جاں بخش پی نہیں
کچھ لطفِ زیست کیفیت زندگی نہیں
یارب ترے سوا کوئی گلزار دہر میں
پرسانِ حالِ بلبل بے بال و پر نہیں

سیر ہوتے نہیں ہیں پھر بھی ہم
غم زمانے کا گو کہ کھاتے ہیں

نہیں معلوم کہ کب پیکِ اجل آجائے
چاہئے موت کا ہر دم رہے کھٹکا دل میں
اُس ستمگر کے ستم کرنے سے دل شاد نہیں
اے ادیب اُس کو ذرا لذتِ بیداد نہیں
اُس کا ملے دل جو تصور ہے تو سب کچھ ہے ہم
وہ اگر یاد نہیں تجھکو تو کچھ یاد نہیں

ادیب

(ادیب) منشی سید تفضل حسین نام اور حضرت امیر مرحوم کے شاگردوں میں ہیں - کلام میں شوخی ہے مذاق اچھا ہے - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا ؎

دم نزع کا آنکھوں میں رندوں کا جو نشہ اُترا ... بادۂ عمر چھلکنے لگا پیمانوں میں +
قید مذہب ہے نہ پابندیٔ ارکانِ نماز ... غم غلط ہوتا ہے کس لطف سے میخانوں میں
نہ دیا دل تو کیا ضد سے تقاضا اُس نے ... جب کہا مینے کہ لے لو تو کہا رہنے دے
باعث ذلت و خواری ہے ولادست سوال ... ہاتھ پھیلانے سے کب رہتی ہے عزت باقی
اس کو بھی کیجئے پامال چلے آپ کہاں ... ابھی کچھ کچھ ہے نشانِ سرِ تربت باقی

ادیب

(ادیب) مولوی رستم علیخاں فرخ آبادی ۱۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے - انکے بزرگوں نے (لخت جگر) تاریخ ولادت نکالی چھوٹی سی عمر میں اپنی خداداد ذہانت سے فارسی زبان میں خاصی دستگاہ بہم پہونچائی - پھر تکمیل علم کی غرض سے لکھنؤ جا کر مولوی مکرم خاں سے عربی پڑھی - تعلیم ختم کرنے کے بعد شعر و سخن کا شوق ہوا - اساتذۂ لکھنؤ کے مقلد اور پُرگو شاعر ہیں - رعایت لفظی کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے طبیعت تشبیہ پسند واقع ہوئی ہے اسوقت اپنے شہر فرخ آباد میں ایک قابل اور کہنہ مشق شاعر تصور کئے جاتے ہیں - اور اکثر مقامی شعرا اُن سے فیض اُٹھاتے ہیں - کاہے گاہے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں - ۱۳۰۹ھ میں اپنا دیوان بھی شایع کر چکے ہیں - اب انکے کلام کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو ؎

زاہدو پھر نہ یہ سبحہ نہ مصلےٰ ہوگا ... سب کو بھولوگے اگر دھیان ادھر کا ہوگا
جب کہا ہجر میں مضطر دلِ شیدا ہوگا ... بولے جھنجلا کے وہ چھوٹے کا کلیجا ہوگا
زندگانی کے مزے خضر بھلا کیا جانیں ... زیست کا لطف انہیں ہے جنہیں مرنا ہوگا
دل میں ہے یاد تو ہاں نامِ خدا ہے لب پر ... واعظو یہ کہیں قرآں میں آیا ہوگا
تمام ہوگئی جل کر کھڑی کھڑی سرِ بزم ... زبانِ شمع سے کچھ سوزِ دل بیاں نہ ہوا
صیاد نے کرم میں بھی شامل ستم کیا ... بلبل کو پَر کتر کے قفس سے رہا کیا

ایک نامی گرامی خاندان کے چشم و چراغ تھے دو سو برس سے زیادہ گزرے شیخ الاجل شاہ عبدالحق نے علم و عمل رشد و ارشاد کے شوق میں وطن قدیم بخارا کو خیرباد کہکر دہلی میں طرح اقامت ڈالی۔ اور علم حدیث کی اشاعت سے اپنے مذہب اور قوم کو مستفید کیا۔ شاہ صاحب کا مزار سرزمین مہرولی معروف بہ قطب صاحب میں کنار حوض شمسی واقع ہے +

مشہور ہے کہ عموماً اس خاندان کے بچے جاہل نہیں ہوتے چنانچہ محدث علیہ الرحمۃ کے ڈھائی سو برس بعد سیف الحق ۱۸۶۲ء میں بمقام دہلی محلہ مفتی صاحب پیدا ہوئے۔ خاندانی تربیت تو تھی ہی مگر باعث صد حیرت اور استعجاب یہ امر ہے کہ مکتب اور سرکاری مدرسہ میں صرف معمولی عربی فارسی اور برائے نام انگریزی تعلیم پانے کے جسکی معراج مڈل کے درجے تک تھی ادیب کی اچھوتی اور ہونہار طبیعت نے وہ قابلیت و استعداد فراہم کر لی کہ اچھے اچھوں کی ٹکر جھیلنے لگے اور لڑکپن ہی میں قابل امتثال لیاقت حاصل کر لی شعر و سخن کا شوق بچپن سے رفیق تھا۔ خود بھی شکیل و ضعدار تھے اور حسن پرستی کا مادہ ازل سے انکے خمیر میں ودیعت ہوا تھا۔ شروع میں مرزا یوسف علیخاں عزیز شاگرد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا اور کئی برس تک انکی روش پر کہتے رہے ایک دفعہ کسی مشاعرے میں غزل پڑھی جسکا مطلع یہ ہے ؎

لیجاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے		پر دل نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے	

سنا ہے کہ مرزا غالب بھی موجود تھے۔ پاس بلا کر پیار کیا اور فرمایا کہ "میاں سیفو۔ ہمارے پاس آیا کرو آج سے ہم تمہیں بتائیں گے" مرزا غالب کی توجہ سے اور ہی رنگ پیدا ہو گیا۔ جب روزگار کی ضرورت پڑی تو کچھ دن عدالت منصفی میں نائب ناظر رہے لیکن انشا پردازی کی خداداد قابلیت نے سرکاری ملازمت کی قیود کا پابند رہنا گوارا نہ کیا۔ اسلئے اخباری دنیا میں قدم رکھا۔ سیو گزٹ نامی ایک پرچہ نکالا جو کچھ دنوں بڑی دھوم سے چلا اسمیں اکثر اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ مضامین اور غزلیات شائع کرتے رہے۔ پھر جب یہ پرچہ بند ہو گیا تو مختلف اخباروں کو اپنے مضامین نظم و نثر سے معقول امداد دیتے رہے۔ اسی اثنا میں انجمن قصور کے سکرٹری ہو کر وہاں چلے گئے اور انجمن مذکور کا رسالہ بڑی کامیابی

ہم نے تو کسی کے وفا کرم میں بھی نہ پایا
جو لطف ملا ہم کو ترے جور و جفا میں

اُن کو کہتا ہے ہر اک زندۂ جاوید یہاں
پہلے مر جاتے ہیں جو لوگ کہ مر جاتے ہیں

مجھ تشنہ کام کا ہو دہن خشک تر کہیں
مل جائے آب خنجر بیداد گر کہیں

عجب کیا ہے جو کر دے کاہ وہ کوہِ مصیبت کو
جو اپنے حکم سے رائی بنا دیتا ہے پربت کو

وہ آئے بھی تو وقت نزع مگر میری عیادت کو
ملا کب شربت دیدار بیمار محبت کو

یہ وہ شے ہے کلام اللہ میں آیا ہے ذکر اسکا
بھلا کیا آپ جانیں شیخ صاحب مے کی حرمت کو

کیا تیغ و غم و رنج سے مجھ مست کو ڈر ہو
جب ہاتھ میں جام مے گلگوں کی سپر ہو

رہائی میں کیا قید قفس سے بھی ستم بڑھ کر
کیا پر کاٹ کر صیاد نے آزاد بلبل کو

بند آب و دانہ قید میں صیاد نے کیا
کیا دشمنی ہے بلبل بے بال و پر کے ساتھ

بولیں جو مجھ سے آپ تو جی جاؤں میں ابھی
ہے زندگی مری لب اعجز نما کے ہاتھ

نہیں اسکے برابر نعمتوں میں کوئی نعمت ہے
کوئی دل سے یہ پوچھے جو غم کھانے میں لذت ہے

میں کیا کہوں کہاں تری تیر نظر گئی
سینے کو توڑ کر مرے دل میں اتر گئی

دل نعمتوں سے سارے زمانہ کے بھر گیا
غم کھانے میں مزا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

نصیب سے گھر بیٹھے پہنچاتا ہے رازق اسکو رزق
آسیا آسا نہیں پھرتا جو دانے کے لئے

پیش قاتل ہے سر تسلیم خم
جان لے یا بخش دے مختار ہے

نقاب روئے روشن وہ اُٹھا دیتے ہیں جب پیسے
جلانا شمع کا محفل میں جب منظور ہوتا ہے

کیا حال پوچھتے ہو زمانہ کا اے ادیب
الفت عزیز میں سے نہ ہر آشنا میں ہے

تھا پہلے اجتناب مگر اب یہ شوق ہے
زاہد جو کھولتا ہے تو روزہ شراب سے

در دلبر پہ اے دل چل کے کر تو ناصیہ سائی
یہی تدبیر ہے تقدیر کا لکھا مٹانے کی

ادیب

(ادیب) مولوی سیف الحق مرحوم ادیب دہلوی ابن مولوی محمد احسان الحق مغفور خلف الصدق مفتی محمد اکرام الدین خاں بہادر صدر امین (سب جج) دہلی - شاہ عبد الحق محدث کی اولاد اہل اسلام کے

صحت لفظی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ طبیعت میں تحقیقات کا مرض اُسپر اپنی مادری ٹکسالی اُردو میں اختراعوں کا شوق جسکی مناسبت اور دلفریبی زبان اور قلم سے نکلتے ہی قبولیت عامہ کا مرتبہ حاصل کرلیتی تھی - مختلف جلسوں اور قومی کانفرنسوں میں وقتاً فوقتاً لکچر بھی دیا کرتے تھے جنکی وجہ سے چھوٹی سی عمر میں اپنی لیاقت اور ذکاوت سے ہندوستان میں اچھا نام پیدا کرلیا تھا - آخر اسی شہرت کی بدولت سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن میں بمشاہرہ چارسو پچاس روپیہ گورنمنٹ رپورٹر کے معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے - دکن میں ۷ برس کی ملازمت میں ایسا رسوخ پیدا کرلیا کہ صدہا کے رشک وحسد کا باعث تھا - حضرت داغ مرحوم جب پہلی مرتبہ دکن تشریف لے گئے تو آپ ہی کے مکان پر عرصہ تک فروکش رہے - پھر جب دہلی واپس چلے آئے تو دوبارہ آپ ہی کی تحریک سے عازم دکن ہوئے تھے - اور اُنکے تقرر میں بھی بہت کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا دخل تھا - نوک جھوک کی عادت ایسی تھی کہ کسی سے چوکتے نہ تھے - امیر - ارشد دہلوی - مرزا داغ - راسخ مولانا شوکت - احسن سے مزیدار چوٹیں ہوتی رہتی تھیں - ایک دفعہ کا ذکر ہے مولوی عبدالرحمن راسخ ساکن نبت نے غالب کی طرز میں غزل لکھی جسکے مقطع میں غالب مرحوم پرمنہ آگئے ؎

کہیں چھپ چھپ کے مے پیتے ہیں شاید حضرت راسخ	ترے اشعار بھی غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

پھر کیا تھا ادیب نے میاں ملنگ سبزی فروش سے اُسی زمین میں غزل پڑھوائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

عجب گھمبیر کا مضموں ہے کہیں لیس اپنے دعوے میں	نبت والے بھی اب غالب کی ٹکر ہونے جاتے ہیں

مختصر یہ کہ ادیب مرحوم خوبرو - خوش وضع - رنگین طبع - نازک خیال خوش تقریر - خوش تحریر آدمی تھے - خوشنویسی میں بھی اچھا ملکہ تھا - مزاج میں لاپروائی حد سے بڑھی ہوئی تھی - چنانچہ آپکے دریائے سیفشت میں اکثر جزر ومد کا عالم رہتا تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو دق کا مرض جسمیں انکا انتقال ہوا زیادتی فکر سخن کی بدولت ہوا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شراب کی زیادتی اس مرض مہلک کا باعث ہوئی - آخرکار یہ علوم ایشیائی کا زبردست ادیب وماہر حروفِ فنِ عروض میں بھی یدطولےٰ رکھتا تھا ۲۸ برس

سے چلاتے رہے - جب وہاں سے جی اوچاٹ ہوا تو لاہور آگر کچھ دن سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے
پھر کچھ عرصہ کوہ نور کے اڈیٹر رہے - اکثر اخبارات میں علمی مباحثوں میں حصہ لیکر اُس زمانہ کے نامی
فاضلوں - شعرا اور لیڈروں سے اُلجھ پڑے - نازک مزاجی حد سے بڑھی ہوئی تھی - رفیق ہند
کے بعض مضامین سے ناراض ہوکر اُسکے جواب میں شفیق ہند نامی پرچہ لاہور سے جاری کیا جسکے
ساتھ نسیم صبح - شام وصال کے نام سے دو ضمیمے بھی نکلتے تھے - اِن پرچوں کا ایک ایک فقرہ
شوخی سے بھرا ہوا اور مذاق میں ڈوبا ہوتا تھا - الغرض پنجاب میں آپنے اچھی شہرت حاصل
کرلی اور نامور لیڈر آپکی قابلیت کا لوہا مان گئے آپ کی طبیعت میں غضب کا استحضار تھا وقت
پر سوجھتی تھی اور خوب سوجھتی تھی - غالب کے تلمذ نے آپکے کلام میں ایک عجیب شان پیدا کردی
وہ یہ کہ مومن اور غالب کے رنگ کلام کو سموکر جدت پسندی سے ایک ایسا دلچسپ اور پسندیدہ
رنگ اختیار کیا جسمیں فصاحت وبلاغت شوکت لفظی مناسبت شعری اور نازک خیالی سب
اپنی اپنی جگہ جداگانہ شان دکھاتی تھیں - اُردو فارسی دونو زبانوں کا کلام نہایت آبدار و بلند پایہ
ہے مگر انکی فطرتی استغنا سے بہت سا حصہ تلف ہوگیا - اور جو کچھ بچ رہا وہ بھی نایاب ہے اور
چھپنے کی توقع نہیں بڑی مشکل سے تھوڑا سا کلام ہمارے ہاتھ لگا ہے نثر کا بھی کافی ذخیرہ آپ
سے یادگار ہے - تاریخ گوئی میں اپنا نظیر ہی نہ رکھتے تھے - بات بات میں مادۂ تاریخ نکالتے تھے
اکثر تاریخی فقرے بولتے تھے - ہزاروں قطعات - بیسیوں عرضیاں - اور خطوط تاریخی جنکے ہر
دل آویز فقرہ سے سن وسال نکلتا تھا لکھ ڈالیں چنانچہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے ولی عہد کی پیدائش
پر ان کے تاریخی نام اور قصیدے قطعے اس کثرت اور عمدگی سے لکھے کہ دھوم مچ گئی - عجیب ترین
قصہ انکی برجستہ تاریخ گوئی کا یہ ہے کہ ۱۳۰۲ میں انکے بھائی مولوی محمد انوار الحق میر منشی راجستان
نے اپنی بیٹی کی شادی کی وقت وداع سامان جہیز کی فہرست لکھنے کی خدمت انکے سپرد ہوئی
چنانچہ فہرست جو بڑی لمبی تھی مع عنوان تمہید نام جنس نام بکمال تاریخی ہے ہر شے کے ساتھ ایسے
موزوں اور مناسب الفاظ ملائے ہیں کہ ہر جملہ میں تاریخ موجود ہے - فصیح البیانی کے ساتھ ساتھ

باز آتا نہیں الفت سے کسی طرح ادیب
شوق ہے آپ اُسے اپنی گرفتاری کا

تقدیر کا لکھا مری صورت سے ہے عیاں
کیوں غیب نام ہے سخنِ آشکار کا

اے کاش وہ بھی ہو کوئی دم غیر سے جدا
احوال تا نہ کھلے مرے صبر و قرار کا

کب فکرِ ظلم تازہ سے آسودہ وہ ہوا
کہنا اُسے خطا ہے تغافل شعار کا

موت آگئی مجھے سرِ شام فراق ہی
دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا

یاں رستخیز کیا ہو سبب اضطرار کا
ہنگامہ دیکھے بیٹھے ہیں رفتارِ یار کا

ہو جان پر جو ایک مصیبت تو رویئے
دل بھی ملا ہے یاں تو ترے اختیار کا

راہِ وفا پہ گر نہیں آتے ہیں وہ نہ آئیں
دل ہی کہیں ہو کاش مرے اختیار کا

تا صبح ہر نفس رہا خواہانِ مرگ میں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ ہجرِ یار کا

گر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب
لپکا برا پڑا ہے تجھے انتظار کا

لذتِ جور نے دی رشک سے مجھ کو تسکین
غیر بھی جرعہ کشِ حسرتِ بیداد ہوا

کیسا کٹا ہے غیر جو دوچار ہو گیا
میرا دم اُس کو خنجرِ خونخوار ہو گیا

ممنوں کیا نہ ضعف نے اُن کا بارِ شکر
جب آنکھ بند ہوگئی دیدار ہو گیا

ایسے آتے پتے دئے صورت نے یار کی
مجھ سا ہی نامہ بر کو بھی آزار ہو گیا

ہے اک گریدنی سی اُسی کی لگی ہوئی
اپنے لئے میں خود مژۂ یار ہو گیا

جاں نے بھی الوداع کہا دل کے ساتھ ہی
میں رہ سپارِ منزلِ دشوار ہو گیا

بوسوں کے نیل سے ہے عیاں رنگِ وصلِ غیر
سوسن تمہارا لالۂ رخسار ہو گیا

رکھے عدو نے پھول سرِ تربتِ ادیب
کیا شمعِ زیست کر کے وہ گل خار ہو گیا

جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا
ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم
حرماں و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

پوشیدگی ہے غیر سے مدِ نظر ہمیں
آگاہ کیوں کریں تمہیں رازِ نہاں سے ہم

کی عمر میں جوان ۱۸۹۱ء میں بمقام دہلی فوت ہوگیا اور قطب صاحب میں اپنے مورث اعلیٰ کے مزار کے قرب میں دفن ہوا۔ دم نکلتے نکلتے بھی ہوش و حواس درست تھے نویں محرم کو انتقال سے چند گھنٹے پیشتر جس وقت تعزیہ گشت کناں تراہہ بیرم خاں میں آپ کے مکان کے متصل پہونچے تو ماتمی تاشے کی آواز سے چونک کر آپ نے ایک عزیز کو اپنے پاس بلایا اور یہ رباعی لکھواکر فرمایا کہ اسے تعزیے سے لٹکا آؤ۔ وہ رباعی جسے اس طوطی شکرستان سخن کی آخری نغمہ سنجی کہنا ناموزوں نہیں ہے +

رباعی

بیمار ہوں ناتواں ہوں زار ہوں میں
وقفِ غم و درد و رنج و آزار ہوں میں
اے سبطِ رسول راکبِ دوشِ نبی
کچھ عقدہ کشائی کیجئے ناچار ہوں میں

آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولوی انعام الحق بی اے ہونہار اور لائق نوجوان ہیں اور فی الحال فارس میں کانسل برطانیہ کے دفتر میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں۔ انتخاب کا کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

یوں ہوا حال ستم سے ترے سودائی کا
آپ ہی شوق ہے گویا تجھے رسوائی کا

ساتھ واں بھی نہ تری یاد ستم نے چھوڑا
قبر سمجھے تھے ہم اک زاویہ تنہائی کا

شامِ وعدہ ہی سے توفیقِ وفا عمر نے کی
منہ دکھایا نہ خدا نے شبِ تنہائی کا

سوئے آئینہ ہے منظور تری ایک نظر
اور ہی دیکھنا دعوے تری یکتائی کا

جادہ ملنے کی تمنا ہے اگر مل جائے
ورنہ اک شغل سہی بادیہ پیمائی کا

چشمِ آئینہ سے بچنا کہ نہ مجھے سمجھو
آج کل شوق تو ہے تم کو خودآرائی کا

موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں
کاش ہو نامِ قضا تیری مسیحائی کا

شکوۂ ظلم ادیب اُن سے نکرنا کوئی
مجکو شرمندہ کریں گی مری دانائی کا

خود فراموشِ تمنا ہوں ولی پیدا ہے
رنگ دیوانگیٔ شوق میں ہشیاری کا

اُس کو اس درجہ ہے اندازِ جفا پر نازش
جسقدر ناز نہیں مجکو وفاداری کا

یاں شکایت ہی تو ہے اپنے ہی دل کی ظالم
تجھسے کچھ شکوہ نہیں ہے تری غمخواری کا

روز رہتی ہے یہ پامالیٔ تربت کیسی
خاک میں مل گئے جب ہم تو کدورت کیسی

کہہ دیا اُس نے کہ اب یہ بھی نہ دیکھو گے کبھی
جب کہا میں نے کہ منہ دیکھنے کی اجازت کیسی

ایک تو ذکرِ عدو اُس پہ بگڑنا کہ سنو
ٹوٹتی ہے یہ قیامت پہ قیامت کیسی

غیر سے جا کے گھڑی کو بھی جدا ہو تو کہوں
کہ گزرتی ہے کسی کی شبِ فرقت کیسی

منہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا
مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

آج دو لوٹ کئے لیتے ہیں اُن سے ناحق
بن گئی اپنے ہی دم پر تو مروت کیسی

یہ تو احسان ہے کچھ زور نہیں ظلم نہیں
بوسہ دینا نہیں منظور تو حجت کیسی

مجھ سا صوفی منش اور شائقِ جامِ
مے میں کیا جانے ہے لذت کیسی

جان جائیں گے یہ سب آپ مرے بعد ادیب
علم کیا چیز ہے ہوتی ہے لیاقت کیسی

قیامت بھی مشتاق ٹھیری ہوئی ہے
وہ کب دیکھیے خوش خرامی کریں گے

مبارک ہو ملتے ہو گر دشمنوں سے
تمہاری بھی نیک نامی کریں گے

یہ عشقِ عدو ہے تو وہ بن کے یوسف
زلیخا کی قائم مقامی کریں گے

نزاکت لبِ یار کی کہہ رہی ہے
کسی سے نہ ہم ہم کلامی کریں گے

اگر آبِ خنجر نے بھی خشک ٹالا
تجھے لے کے کیا تشنہ کامی کریں گے

پشیماں ہوں یوسف انہیں کہہ کے ناحق
وہ کہتے ہیں کیا ہم غلامی کریں گے

رہا گر یہی بت پرستی کا عالم
تخلص ادیب اپنا رامی کریں گے

گویا مرا قصور تھا ایسا خجل ہوا
اب کیا عوض میں بوسے کے لو گے کسی کی جان

جب شکوۂ جفا پہ وہ بولی خطا ہوئی
بندہ نواز کہہ تو چکا میں خطا ہوئی

جھگڑے شبِ وصال وہ باہم بگڑ پڑے
لیٹے رہے الگ وہ اُدھر ہم ادھر پڑے

خط دے کے میرا اُن کو الجھیو نہ نامہ بر
ایسا نہ ہو کہ تیری بلا تیرے سر پڑے

لیجاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے
پر دل نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

دل میں ہے عزمِ ترکِ وفائے جفا صلہ
کب تک عتاب ایک کرم کی نگاہ بھی +

خالی خیالِ یار سے دل ایک دم نہیں
سب کچھ ادیب عشق نے جی سے بھُلا دیا

کیُوں جئیں ہجر میں جب موت کو سنتے ہیں وصال
حسرتِ دیدۂ تر خوں کے سے گھونٹ پئے

خود پسندی نے مجھے اور نہیں ایک کیا
موجِ دریا کی حقیقت بھی کھُلی بارے ادیب

بحرِ موّاج میں قطرے کا تماشہ دیکھو
دولت اشک نظر آتا ہے قلزم مجکو

نگہِ ناز سے جب دیکھتے ہو تم مجکو
خوگرِ جور ہوں الطاف و محبت معلوم

دل میں خاموشی کو اک خضرِ تعلق جانا
ہے مری طرح سے الطاف کی اُس پر بھی نظر

دل میں برداشت نہیں رشک عدو کی اب تو
دیکھیئے کیونکہ کھُلے عقدۂ مالاینحل +

آبرو رکھ لے خدا حضرت عیسیٰ کی کہیں
کام بگڑے نظر آتے ہیں جبھی تک کہ خدا

کس کس غم و الم کا نہ میں میزباں ہوا
عمر ابد سے کم نہیں معدودن ہے ہجر کا

غیر تک پوچھتے ہیں ہو گئی حالت کیسی
کچھ آج اپنے حال پہ ہیں مہرباں سے ہم

تنگ آ گئے ہیں اب ستمِ آسماں سے ہم
رہتے ہیں اپنے گھر میں بھی اک میہماں سے ہم

جانا کہاں ہے اور تھے آئے کہاں سے ہم
کہنا اے حضرتِ عیسےٰ نہ کہیں تم مجھکو +

اک ستم تھا وہ ترا ضبطِ تبسم مجھکو
کیوں مری طرح سے آتے ہو نظر تم مجھکو

جوشِ گریہ نے دکھایا جو تلاطم مجھکو
ناخدا چھوڑ چلا ہے سرِ قلزم مجھکو

جستجو خاک کی ہے بہرِ تیمم مجھکو
ستمِ تازہ کا ہوتا ہے توہم مجھکو

میں نہیں غیر کہ ہو لطف ترحّم مجھکو
نہ بن آئی کوئی جب حرزِ تکلم مجھکو

حال پر غیر کے آتا ہے ترحم مجھکو
آپ کا لطف گوارا نہ ترحّم مجھکو

ذوقِ خاموشی اُنہیں شوقِ تکلم مجھکو
آج لاشہ پہ کہیں گے وہ مرے قُم مجھکو

گوشِ دل دے اُسے یارائے تکلم مجھکو
تم رات کو جو غیر کے گھر میہماں رہے

اب ہم اجل سے منفعل جاوداں رہے
ڈال دی آپ نے ہم پر یہ مصیبت کیسی

بڑے بھائی منشی اعجاز نبی صاحب گورداسپور میں ڈسٹرکٹ جج بھی رہے تھے۔ شیخ صاحب ایک زندہ دل۔ ظریف الطبع۔ موسیقی پسند نوجوان ہیں۔ فن شعر میں مجدد الوقت مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے مولانا ممدوح نے دیوان غالب کی شرح لکھی ہے۔ آپ کی تصنیف سے دو ناول حامد و دل بہار۔ اور عدل عباسی شائع ہو چکے ہیں۔ گو آپ کا کلام پرانے مذاق کا ہے مگر اُسمیں اخلاقی مضامین کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام آپ نے ارسال فرمایا اسکا انتخاب ناظرین کے ملاحظے کے لئے درج کیا جاتا ہے ؎

کون سنتا ہے چمن میں داستانِ عندلیب
گل اُڑا دیتا ہے کانوں سے فغانِ عندلیب

یہ بچھوڑے باغ کتنا ہی ستائے باغبان
قید ہے ہر غنچہ و گل میں روانِ عندلیب

جو دل میں ہے ہمارے وہی ہے زباں پر
رہتے ہیں یار لوگ سدا مکر و فن سے دور

دیکھو جسے وہی ہے اسیرِ غم و الم
دارِ محن میں کون ہے رنج و محن سے دور

رباعی

حاسد کے لئے ہے دوزخ اُسکا سینہ
جلتی ہے جہاں آتشِ بغض و کینہ
دل صاف ہو حاسد کا؟ ہے مشکل ارشاد
کب صاف دھوئیں میں ہے رہا آئینہ

کریگا کسطرح قاصد وہاں حالت بیاں میری
نہ رکھتا ہے تو دل میرا نہ رکھتا ہے زباں میری

نہ ڈر اس سے کہ محشر میں کرینگے دعویٰ ہم تجھ پر
ترے شکوہ میں ظالم کام کب دیگی زباں میری

جہاں میں جسقدر اسباب تھے تخریبِ عاشق کے
وہ بنکر فتنۂ دوراں تری رفتار میں آئے

خدا کی یاد بھولے مسجد و کعبے سے منہ پھیرا
بتوں سے دل لگا کر رشتۂ زنار میں آئے

ہوا ارشاد ہم سے چرخ کج رفتار اب سیدھا
مری قسمت کے بل سب گیسوے دلدار میں آئے

رباعی

آتی ہے ہر اک پھول سے نکہت تیری
سوسن کی زباں پر ہے مدحت تیری
بتلاتا پتہ تیرا ہے پتّا پتّا
غنچے کے بھی دل میں ہے محبت تیری

رباعی

کیا فائدہ گر ریش بڑھائی تو نے
پیشانی پہ محراب بنائی تو نے
تسبیح و مصلے سے بھلا کیا حاصل
جب کچھ بھی نہ کی دل کی صفائی تو نے

انتخاب از مثنوی سحاب رحمت

تھے طمانچوں سے لو کے چہرے لال
آندھیوں سے جدا تھا پتلا حال

تھا نہ گرمی کا کوئی اندازہ
سردی کا کھینچتے تھے خمیازہ

دل کے دل بادلوں کے آنے لگے
صبر ہاتھوں سے دل کے جانے لگے

پڑگئی جان کاشتکاروں میں
آگئے ہوش بادہ خواروں میں

گھر کے آتے ہی دل کے دل بادل
سارے جنگل میں ہوگیا منگل

سب کے جی سے اتر گئے دریا
حوض شمسی کا اوج موج بڑھا

ادیب

(ادیب) منشی محمد کرم احمد خاں ولد محمد یار ساکن قصبہ نارہ ضلع الہ آباد۔ انکے والد عرصہ تک محکمۂ پولیس اودہ میں سب انسپکٹر رہے۔ ادیب خود نوجوان ہیں طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اور انسیں منشی محمد نوح نوح شاگرد حضرت داغ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ تیس بتیس برس کی عمر ہے ٭

تیر نگہِ ناز ہے کیا تیر قضا کا
مارا اُسے جس کو بت بے رحم نے تاکا

لڑتی ہے ہواہی سے غضب ہے یہ خدا کا
کس بل کوئی دیکھے تو ذرا زلف رسا کا

مسجد میں نکر ہجو بتاں بیٹھ کے زاہد
کمبخت ذرا ڈر تو کہ گھر ہے یہ خدا کا

تاثیر سے ملے گی فلک پر یہ کس طرح
ملتا نہیں ہے حرف جب آپس میں آہ کا

(ارشاد) شیخ ارشاد نبی نام ہے اور ابوالمختار کنیت۔ قوم کے شیخ قریشی شہر میرٹھ کے قدیم باشندے ہیں مگر چونکہ انکے والد بزرگوار خان بہادر منشی غلام نبی پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ اور جوڈیشیل اسسٹنٹ کمشنری کے عہدوں پر ممتاز رہنے کے بعد بحصول پنشن ریاست بہاولپور میں فنانشل منسٹر کے عہدہ پر فائز ہوے تھے اسوجہ سے آپ نے بھی وہیں ملازمت اختیار کی۔ چنانچہ اب کئی برس سے آپ ریاست کی جانب سے پٹیالہ میں وکیل ہیں۔ آپکے

وہیں درسی کتابیں ختم کیں - جب معاش کی فکر ہوئی تو سررشتہ تعلیم پنجاب میں ملازم ہو گئے - کچھ عرصہ لاہور میں قیام رہا - مگر زیادہ حصہ ملازمت فیروز پور میں جہاں آپ فارسی کے ہیڈ مولوی تھے بسر ہوا - شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو گئی تھی - مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم آپ کے رشتہ میں ماموں ہوتے تھے انہیں علاوہ زبردست استعداد عربی و فارسی علم عروض پر ایسا عبور تھا کہ اس فن میں مستند سمجھے جاتے تھے اور فن شعر میں تو اُستاد مسلّم الثبوت تھے - صابر مرحوم کے بڑے صاحبزادے مرزا اعظم سلطان معروف بہ مرزا قیصر بخت فروغ بنارس میں شادی ہو جانے کے باعث وہاں جا رہے تھے اگرچہ مرزا صابر بھی وہاں آتے جاتے رہتے تھے مگر اُن کا زیادہ تر دہلی میں قیام رہتا تھا - مرزا سے انہیں خاص اُنس تھا انکی ذکاوت تیزی اور رسائی فکر کو دیکھ کر جان گئے کہ خدا نے اسے غیر معمولی دماغ دیا ہے - اور قابل تربیت مادہ پا کر انکی تربیت اور اصلاح میں بدل کوشاں و ساعی ہوئے - چنانچہ علم عروض نہایت توجہ سے پڑھایا اور شعر کہنے کا شوق دلایا - پھر کیا تھا ابتدا سے فکر ہی میں ایسے شعر نکلنے لگے کہ اُستاد پھڑک گئے - اسی ہونہاری و طبیعت داری سے روز بروز شفقت اُستاد بڑھتی چلی گئی - اس زمانہ میں بھی یہ حال تھا کہ ایک ایک غزل سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر کی ہوتی تھی اور ہر قافیہ کو بیس بیس طرح باندھتے تھے اور ہر شعر میں کوئی نہ کوئی نزاکت یا لطافت معنی کا پہلو ضرور ہوتا تھا - بعض اوقات اُستاد متعجب ہو کر کہتے "خدا نظر بد سے محفوظ رکھے - یہ اُستاد کا نام روشن کرے گا" ابتدائی غزل کا ایک شعر بطور تمثیل زور طبع لکھا جاتا ہے

کیا ہے قید تو لٹکا قفس کو گلشن میں		لئے پھرے گا مجھے تو کہاں کہاں صیاد

یہ طالب علمی کے زمانے کی کیفیت ہے - مدرسہ میں جس سبق کو اور لڑکے گھنٹوں رٹتے یہ چند منٹ کی توجہ میں اُسے حاصل کر لیتے اور ہمیشہ جماعت میں اعلیٰ رہتے - افسوس کہ انگریزی زبان کی طرف کبھی توجہ مبذول نہ کی ورنہ اُسے حاصل کر لینا انکے ذہن رسا کے آگے کوئی بڑی بات نہ تھی - اسی اثنا میں مرزا صابر بنارس تشریف لے گئے - وہاں جا کر صرف چند ہی روز اصلاح کا سلسلہ جاری رکھ کر مرزا صابر نے لکھ بھیجا کہ اب تم بجائے خود اُستاد ہو تمہیں اصلاح کی کوئی احتیاج

(ارشاد) محمد قاسم علی نام ہے - مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام سرکار آصفیہ المتخلص بہ شاد کی شاگردی سے نامور ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - انکا کلام حاضر ہے ؎

غم نہیں مجکو جنازہ پہ میرے مدفن تک
پیٹیں جب تک رہی حجاب تجھے دی

حسرت یار تو تھی ساتھ اگر یار نہ تھا
بھید کھلتا نہیں خدائی کا

قلزم عشق کے مدت سے رہے ہم تیراک
غیر سب بزم شہ حسن میں ہو بیٹھے لیکن

یہ وہ دریا ہے کہ پیدا کہیں ساحل نہوا
ہائے ارشاد ہی اک داخل محفل نہوا

پہلو میں دل نہیں تو دہن میں زباں نہیں
رہنے میں آپکو ہے پس و پیش کسلئے

یعنی لائق عشق میں رسم فغاں نہیں
اک بوسے کے عوض تو تمہارا دل گراں نہیں

پی رہے ہیں ہم لہو کے گھونٹ اور ان رندان
طالب وصل کو فرماتا ہے وہ رشک قمر

ساتھ ہیں غیروں کے دور جام اُٹھتے بیٹھتے
ہاتھ آتے ہیں کہاں عرش کے تارے پیارے

ارشاد

(ارشاد) چودہری سید ارشاد حسین تعلقہ دار زرولی اودھ - حضرت امیر لکھنوی کے چھوٹے صاحبزادے سید افضل علی خاں افضل سے مشورہ سخن کرتے ہیں - تازہ تازہ شوق ہے - یہ انکا کلام ہے ؎

ایسا دلسوز مرا کوئی نہ زمانہ میں کہاں
دھیان زاہد تجھے لازم ہے صمد کا ہر دم

ساتھ جلتا ہے چراغ سر مدفن کیسا
محو ہے یاد صنم میں یہ برہمن کیسا

ارشد

(ارشد) صاحب عالم مرزا عبد الغنی گورگانی دہلوی خلف مرزا علی بہادر ابن شاہزادہ دلاور شاہ خلف الرشید حضرت احمد شاہ بادشاہ - حسب کا سلسلہ یہ ہے کہ آپ نواب کاشفہ سلطان بیگم صاحبہ کے حقیقی نواسے تھے جو حضرت ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی سب سے بڑی شاہزادی تھیں - اور اسی وجہ سے موقر و ممتاز بیٹیوں میں تھیں - آپکی پیدائش قلعہ معلی دہلی میں ہوئی مگر ابھی چھ سات برس سے زیادہ عمر ہونے پائی تھی کہ بلوۂ غدر نے خاندان شاہی کو اُنکے آبائی محل سے نکالکر پراگندہ و منتشر کر دیا چنانچہ مرزا ارشد ایام طفولیت میں کئی برس تک قطب صاحب میں رہے اور

تھوڑی سی دیر میں بہت کچھ لکھ ڈالتے حاضرین کو تعجب ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا حافظہ سے لکھ رہے ہیں۔ اکثر جلسوں کے لئے طویل نظمیں ریل میں سفر کرتے کرتے لکھ ڈالتے تھے۔ اسیوجہ سے نظر ثانی سے بیشتر حصہ کلام محروم رہا۔ مرثیہ گوئی کیطرف آخر زمانۂ عمر میں زیادہ توجہ مبذول ہوئی تھی چنانچہ چند مرثیہ بڑی دھوم دھام کے لکھے۔ کیا عجب کہ اگر چند برس اور زندہ رہتے تو اس فن میں بھی قابلِ نظیر قابلیت پیدا کر لیتے۔ ایک اور قابل حیرت بات یہ ہے کہ جسطرح طرز قدیم مذاقِ ایشیائی کے ماہر تھے اُسی طرح موجودہ زمانہ کی نیچرل شاعری میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ اکثر اس طرز میں بھی گوہر افشانی فرما کر اُسے پُرانی بندشوں۔ اور نفیس استعاروں اور تشبیہوں سے ایسا مرصع کرتے تھے کہ خاص و عام محو ہو جاتے تھے سخن سنجی کے ساتھ ساتھ غضب کی ہنس مکھ ظرافت اور لطیفہ گوئی کی گویا تصویر تھے۔ دوستوں میں ہمیشہ خوش رہتے اور انہیں خوش رکھتے۔ مزاج میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ اکثر بھاولپور۔ مالیر کوٹلہ۔ رامپور وغیرہ جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ۱۹۰۲ء میں حیدر آباد دکن بھی چند دن کے لئے تھے۔ سرکار بھاولپور سے بصلہ مدح گستری دو سو روپیہ سالانہ وظیفہ بھی آپ کو ملا کرتا تھا۔ انجمن اسلامیہ لاہور کے سالانہ جلسوں میں پندرہ سال تک برابر شریک ہو کر سامعین کو اپنے حلاوتِ کلام سے محظوظ کرتے رہے آپ کی یہ نظمیں کیا رنگینیٔ طرزِ تحریر کیا سوز و گداز اور کیا مناسبتِ محل کے اعتبار سے بے نظیر ہوتی تھیں۔ الغرض کیا باعتبار فضل و کمال اور کیا بحیثیت شاعری مرزا صاحب کا پایہ مشاہیر شعراے وقت میں اعلیٰ تھا اور آپ اُن معدودے چند نامی گرامی شعرا میں شمار ہوتے تھے جو اصناف سخن کے اسوقت کامل جاننے والے مانے جاتے ہیں۔ جن بزرگوں کی کوشش سے پنجاب میں اُردو نے قبولیت عام کا رتبہ حاصل کیا انکے زمرہ میں آپ درجۂ اختصاص رکھتے ہیں۔ خداداد ذہانت اور ذکاوت کی بدولت آپکی نثر کا رتبہ بھی کیطرح نظم سے گرا ہوا نہیں ہے۔ صاحب تالیف و تصنیف تھے۔ مدت العمر میں بہت کچھ لکھا مگر مزاج کی بے پروائی اور خلقی استغنا سب پر غالب رہا اور کبھی کلام کے تدوین کی نوبت نہ آئی۔ چنانچہ آپکے خاندان کیطرح کلام بھی پریشان ہے۔

نہیں۔ مرزا صابر مرحوم ہمیشہ ان پر ناز فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ساری عمر کی کمائی دو شاگرد ہیں اوّل یہ اور دوسرے مرزا فروغ صاحبزادہ کلاں۔ مرزا صابر کی تشریف بری کے بعد تکمیل فارسی کے لئے چند سبق مولوی احسان الرحمٰن خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ معروف بہ منجھلے آغا سے لئے پھر اُنہیں کی تحریک سے امراؤ مرزا انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مینا بازار خرید کر پڑھنے بیٹھے۔ کتاب مشکل تھی جیسا جی چاہتا تھا نہ پڑھ سکے تو انور مرحوم نے فرمایا کہ میں تمھارا کلام سُنکر یہ جانتا تھا کہ تمھاری استعداد اچھی ہے۔ اُنکا یہ کہنا طبیعت کو سخت ناگوار گزرا اور یہ کہہ کر اُستاد کل سے پڑھوں گا گھر چلے آئے۔ رات کو خوب غور سے مطالعہ کیا دوسرے دن پھر اُنکی خدمت میں حاضر ہوئے جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو انور مرحوم متحیر ہو کر کہنے لگے مرزا صاحب کل آپ کیا میرا امتحان لیتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ واقعی بات یہ ہے کہ اب میں مطالعہ کر کے آیا ہوں اور کل اسیوقت بازار سے کتاب خرید کر حاضر ہو گیا تھا۔ الغرض تکمیل فارسی کے بعد پہلا قصیدہ عرفی کے قصیدہ پر لکھا (وہ ان علم زبان علم) اور خواجہ حالی کے ہمراہ نواب ضیاء الدین خان صاحب نیر رخشاں کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے سُنکر بہت داد دی جبتک دہلی میں رہے سیف الحق ادیب۔ مرزا حسین علی خاں شاداں خلف غالب مرحوم۔ مرزا انور۔ مرزا فروغ۔ مرزا داغ کے ساتھ مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے اور لطف یہ کہ کسی سے دب کر نہیں رہے۔ دماغ ایسا صحیح اور طبیعت ایسی موزوں پائی تھی کہ جس علمی بات کی طرف توجہ کرتے اُسمیں تھوڑی بہت دسترس بہم پہونچا لیتے۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ جیسا اچھا کہتے تھے ویسا ہی پڑھتے بھی خوب تھے۔ خاصکر مرثیہ اور سلام پڑھنے میں تو کمال حاصل تھا اہل مجلس کو محو حیرت کر دیتے تھے۔ الفاظ کے ذریعے سے آنکھوں کے سامنے سماں باندھ دیتے تھے۔ فن موسیقی سے بھی باخبر تھے جلسۂ احباب میں کبھی کبھی اپنا کلام گا کر بھی سُنایا کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی بہت بڑا ملکہ حاصل تھا۔ جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے کے باوصف ایک کمال اور تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ کوئی خاص وقت فکرِ سخن کے لئے معین یا ضروری نہ تھا۔ جسوقت چاہتے اور جس مضمون پر لکھنا ہو تا قلم برداشتہ

شعر و سخن کی دنیا کو صدمۂ عظیم پہونچا - میرزا داغ کے مرنے کے بعد غالباً شعرائے دہلی میں آپ سے بڑھکر کوئی نہ تھا - آپکے تلامذہ تو بکثرت تھے مگر ہم چند ہی ناموں پر اکتفا کرتے ہیں (۱) نواب سراج الدین احمد خاں بہادر سائل (۲) نواب ممتاز الدین خاں مائل - (۳) منشی احمد حسین خاں احمد (۴) محمد اقبال حسن اقبال نے بھی آپکو اپنا ابتدائی کلام دکھایا ہے (۵) بسمل (۶) بزمی گورگانی اب ہم میرزا مرحوم کی بہم شدہ غزلیات کا انتخاب درج کرکے ناظرین کو اُنکے مزیدار کلام کی لذت سے بہرہ ور کرتے ہیں ٥

پہونچا ہے آسماں پہ دھُواں دل کی آہ کا
رُتبہ بڑھے گا اخترِ بختِ سیاہ کا

نیند آ گئی اُڑے مرے اوسان کیطرح
افسانہ گر سُنو مرے حالِ تباہ کا

شمرہ بُرا سہی مگر اے شیخ غور کر
کتنا لطیف طبع تھا موجد گناہ کا

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

مرکر یہ غم ہوا کہ وہ غیروں کے ہو گئے
سمجھے تھے ہم تو قبر کو گوشہ پناہ کا

دن کو سمجھ کے رات وہ آئے ہمارے گھر
ممنون ہوں میں اپنے بھی روزِ سیاہ کا

کیا شکل ان بتوں کی بنائی ہے واہ واہ
سو جان سے نثار رہوں دستِ الٰہ کا

کثرت نے جرم کی مجھے محشر میں دی نجات
کرا نہ سکے تو پیش ہو دفتہ گناہ کا

غصہ چڑھا تو کانپتے ہیں آپ اسقدر
کیا ہوگا خوں چڑھے گا جو مجھ بیگناہ کا

اس جانے خضرِ رہ کوئی دیوانہ چاہئے
رستہ ہی کچھ جدا ہے محبت کی راہ کا

تم سے ہوئی نہ حضرتِ صابر کی پیروی
ارشد ہے شغل رات میں اشک و آہ کا

اضطراب بیخودی شب کسکے گھر لیچلا
میں چلا ہر کو ہے کر مجکو رہبر لیچلا

مے پرستو دیکھنا میرا دلِ نازک نہ ہو
آج زاہد توڑنے کو جامِ تہر لیچلا

عالمِ اسفل پہ لایا عشقِ کوثر شیخ کو
عالمِ بالا پہ مجکو پاک ساغر لیچلا

کسقدر تھے سوزِ ہجراں کے مضامیں گرم گرم
گر پڑا خود جل کے جب نامہ کبوتر لیچلا

دل لگی کا ہوا بُرا کیا کیا اُٹھائیں ذلتیں
غیر کے گھر ساتھ مجکو وہ ستمگر لیچلا

فرہنگ آصفیہ کے آخر میں جو متعدد اُردو فارسی تقریظیں اور تاریخیں لکھیں ہیں اُن سے آپ کی ہمہ دانی اور قادر الکلامی ظاہر ہے۔ مرزا صاحب میں ایک قابلِ ذکر تعریف یہ تھی کہ آپ کی ذات تعصب قومی و مذہبی سے بالکل مبرا تھی۔ اہل ہنود میں بکثرت آپکے احباب تھے آپکی روشن خیالی اور نیک طینتی کا سب سے بڑھکر ثبوت آپکی دو نظمیں ہیں جو آپ نے گرو تیغ بہادر صاحب کی اولاد پر جو مظالم ہوئے اُنکی سرگذشت کے طور پر ارقام فرمائی تھیں۔ تصانیف میں سے شہنشاہ نامہ یعنی سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ۔ عشرہ کاملہ۔ تضمین ارشد۔ نائیتیم۔ مرقع حکمت۔ جوہرِ تیغ۔ تحفہ وغیرہ چھپ چکی ہیں انکے علاوہ منشآت ارشد۔ مرقع عبرت دیوان اُردو اور مجموعہ نظم و نثر کے مسودے یونہیں پڑے ہیں۔ خدا اُنکی اولاد کو اپنے مرحوم باپ کی تصانیف مرتب کرنے کی توفیق عطا کرے۔ مرزا صاحب راقم تذکرہ کے ملاقاتیوں میں تھے اور اُن احباب میں تھے جو سچے دل سے مشاغل علمی کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تذکرہ کے حالات سُن سُن کر خوش ہوا کرتے تھے اور راقم کی محنت اور تلاش کی داد دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب سال بھر سے زیادہ سے علیل رہنے لگے تھے چنانچہ رخصت لیکر دہلی گئے۔ پنشن لینے میں ابھی ایک برس کا وقفہ تھا ڈائرکٹر صاحب سے عرض کرکے دہلی کی تبدیلی کرالی کہ اب وطن ہی میں رہکر علاج میں سہولیت ہو مگر تھوڑے ہی روز بعد پھر فیروزپور چلا چلا آخر اپنے بڑے بیٹے مرزا بلند اختر رشید کے پاس جولستان میں ریل کے دفتر میں نقشہ نویس ہیں چلے گئے اور وہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۱۲- فروری سنہ ۱۹۱۰ء کو اچانک اس دارفانی سے ملک جاودانی کو سدھارے اور وہیں پیوندزمین ہوئے۔ انتقال سے چندمنٹ بیشتر یہ شعر کہا ؎

	این کہ من نے میرم ہم زناتوانی ہاست		از کشاکش ضعف نگسلد روان از تن

گویا اسوقت کی اپنی حالت کی تصویر کھینچدی ہے۔ آپکے منجھلے صاحبزادے مرزا ظہور الدین آجکل سنگرگڈھ میں منصف ہیں۔ آخر میں ہم نہایت شوق و خلوص سے صاحبعالم مرزا مجاہد الدین بہادر شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو مرزا ارشد کے رشتہ میں ماموں ہیں مگر ہمسبق اور ہم مشق ہونے کی وجہ سے اُن سے ارتباط دوستانہ رکھتے تھے۔ مرزا کے حالات اور کلام مہیا کرنے میں ہم سراسر اُنکے ممنون ہیں۔ ع کند و شاہی میرزا ارشد سوئے جنت گئے + آپکی کہی ہوئی تاریخ وفات ہے۔ آپکی وفات سے

سامنے غیروں کے بے پردہ نچانا دیکھنا
نرخ ہلکا کر نہ دینا حسن کے بازار کا

ہاتھ مستِ ناز نے دوشِ عدو پر رکھ دیا
نشہ بھی ہشیار ہے کتنا مرے مے خوار کا

مُنہ سے اتنا ہی فقط کہدو یہ ہے میری کمر
تم نہ بن جاؤ نمونہ میرے جسمِ زار کا

دشتِ وحشت میں مجھے مجنوں نے دیکھا تو کہا
کس طرح آئے مزاج اچھا تو ہے سرکار کا

انقلابِ گلشنِ ہستی سے ہے ارشد یقیں
خار میں عالم ہو گل کا گل میں عالم خار کا

میکدے کو چھوڑ کے کعبے کون جائے واعظا
وہ بھی اک فرضِ ضروری ہے ادا ہو جائیگا

تم بنے سنورے ہو اور میں سخت ہوں تنگی مزاج
خوف ہے آئینہ صورت آشنا ہو جائیگا

میں تو کہدوں صاف اسکے حسن کی کیا شان ہے
پر خداوندِ دو عالم تو خفا ہو جائیگا

دل اس پری لقا سے چھپایا نجائے گا
دل دے کے لئے دل اس کا گڑ ہا یا نجائے گا

کم کم ملاپ اُسکا مرے حق میں خوب ہے
گر شوق بڑھ گیا تو گھٹایا نجائے گا

صاحب ہماری جان بھی صدقے ہے دل تو کیا
بندہ کچھ ان ہتوں سے ہٹایا نجائے گا

نازنین تو بڑھتے بڑھتے کیا سے کیا ہو جائیگا ⁂ ہے ابھی تو بت کسی دن کو خدا ہو جائیگا

بوسہ سے بڑھی اور جلن زخمِ جگر کی
یہ کسکو خبر تھی کہ ترا لب نمکیں تھا

بتوں کا ستم رہ نما ہو گیا
کہ رُخ اپنا سوئے خدا ہو گیا

غمِ ہجر اور اُس پہ رشکِ رقیب
مرض میں مرض دوسرا ہو گیا

ابھی شیخ جی زر سے ہے میکشی
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

ہم بھی بستانِ جہاں میں طائرِ تصویر ہیں
طاقتِ پرواز زائل اور ارادہ دور کا

آسماں پہ ہے مزاج اُسکا کبھی مل جائے گا
داخلِ حکمت ہے مرنا عاشقِ مہجور کا ⁂

غیر کی باتوں پہ چلتا ہے وہ اب تو رات دن
کب زمیں پر پاؤں پڑتا ہے مرے مغرور کا

اک نگاہِ گرم میں یوں اوڑ گیا رنگِ شباب
تیری شمعِ حسن میں کچھ میل تھا کافور کا

چکرا کے تیری گردشِ رفتارِ ناز سے
جو فتنہ تھک کے بیٹھ گیا نقشِ پا ہوا

ظالم کو ظلم میں بھی جو اندازہ کرنا تھا
خنجر بھی اسنے ہاتھ میں رکھا تُلا ہوا

میری گمنامی کی تاثیروں سے عنقا بن گیا
ضبطِ غم سے بند اشکِ دیدۂ تر ہو گیا

ترکِ الفت سنکے دل بیتاب و مضطر ہو گیا
دل کے آنے کی خبر واللہ ہمکو بھی نہ تھی

سخت جانی نے دکھائی خوب لذت ذبح کی
تجکو کیا کہکے کوسوں نزع میں اے بیخودی

کیا سنور جانے میں تو دشمن کی قسمت بن گیا

یار کی جانب مرا خط جب کبوتر لیچلا
سخت حیرانی ہے پانی کیونکہ پتھر ہو گیا

اپنا آئینہ صفائی سے مکدر ہو گیا
ہم تو حیراں ہیں انھیں معلوم کیونکر ہو گیا

آکے گردن پر مری گندا اُن کا خنجر ہو گیا
لوگ کہتے ہیں جنازے پردہ دلبر ہو گیا

کیا بگڑ جانے میں تو میرا مقدر ہو گیا

میں محوِ تماشائے رخِ زہرہ جبیں تھا
پیمانۂ مے ہاتھ میں ساقی کے نہیں تھا

ہر چند پسِ پردہ تھا پر تابشِ رخ سے
دیوانہ ہوا دیکھ کے میں خواب میں اسکو

بیتابیٔ زلیخا پیچھے پڑی ہے بڈھ ہب

اک وصل کا سا لطف دمِ بازپسیں تھا
خورشید کو پنجہ میں لئے ماہ مبیں تھا

بے پردہ مرے سامنے وہ پردہ نشیں تھا
ہر ایک سے کہتا ہوں ابھی تو وہ یہیں تھا

اللہ ہے نگہباں یوسف کے پیرہن کا

ضعف سے یہ حال ہے اب مجھ نحیف و زار کا
ناصحا کیا دل لگی ہے ترکِ الفت بعد جور

مے کے پینے کی خوشی میں ایسے بہکے مے پرست
درد اُٹھتے ہیں دلوں میں اور دل ہیں بیٹھتے

وصل میں بھی ہاتھا پائی رات بھر ہوتی رہی
غیر سُن کر خاک سے معشوق سُن کر آگ ہے

ضعف سے رونا نہ رونے کے برابر ہو گیا
گریۂ بیہم مرا بھی عرض کردہ مو

کب ہوں پابندِ تعلق جو ہیں وارفتہ مزاج

رشکِ دشمن کیا - نہ اُٹھانا وہی اُس یار کا
پھیر لینا دے کے دل سودا نہیں بازار کا

کعبے پہنچے تھا ارادہ خانۂ خمار کا
ہے ستر خوبی نیا عالم ترے دربار کا

صلح میں بھی اُس نے برتا قاعدہ تکرار کا
نالہ فرقت مرا نغمہ ہے موسیقار کا

ٹوٹنا مشکل ہوا ہے آنسوؤں کے تار کا
ہے انھیں منظور لینا موتیوں کے ہار کا

رہنا ممکن ہی نہیں زنجیر میں جھنکار کا

دمِ لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر
ہوتی ہے سدا قدر ہنر گھر سے نکل کر

کیا آہ اثر دے دلِ مضطر سے نکل کر
چنگاریاں بجھ جاتی ہیں پتھر سے نکل کر

مے کش ہوں وہ گر دور میں ہو بے مجھے ساقی
آ پڑتی ہے مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

اُڑتی ہے شراب آپکی محفل میں تو خوش ہوں
خود آئے گی مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

عالم کو نگاہوں کی طرح دیکھ سراسر
جا ایک قدم بھی نہ کہیں گھر سے نکل کر

صورتِ سایہ رہے ہم درِ دلدار کے پاس
کبھی دروازہ کے آگے کبھی دیوار کے پاس

دیکھنا شوقِ اسیری کہ عجب حسرت سے
آپ سے جاتا ہوں صیادِ جفاکار کے پاس

اللہ اللہ دُرِ اشک کی یہ طغیانی
ہے مگر کانِ گہر چشمِ گہر بار کے پاس +

ہاں اثر جذبِ محبت کہ چلے شوق میں ہم +
حالِ دل اپنا سُنانے بتِ عیار کے پاس

ایک دم ہے وہ تری تیغ کے کام آئے گا
اور کیا رکھا ہے اس عاشقِ بیمار کے پاس

دل کھچا جاتا ہے اُس رشکِ زلیخا کی طرف
واہ یہ جنس چلی آپ خریدار کے پاس

قتلِ عشاق کو اک تیغِ ادا کافی ہے +
نہیں تلوار نہ ہو اُس بتِ خونخوار کے پاس

ایک اک سانس میں اڑتے ہیں شرارے لاکھوں
خوف سے کب اجل آئی ترے بیمار کے پاس

گرمئ حسن سے ہر آئینہ ٹکڑے ہو جائے
آئینہ آئے اگر آئینہ رخسار کے پاس

اللہ اللہ یہ نفرت ہے یہ بیزاری ہے
بیٹھنے بھی نہیں دیتا ہمیں دیوار کے پاس

کیوں لئے پھرتے ہیں وہ حضرتِ عیسیٰ کی نبض
آج آئینگے کہیں اپنے وہ بیمار کے پاس

اک مصیبت ہے کہ موجود ہے بیماری میں
کون آتا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس

آج ارشد کو عجب حال سے دیکھا ہمنے
رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

عریانی میں بھی خوب مرے کام آئے داغ
ہے پیرہن کی جاے بدن پر قبا داغ

خورشیدِ حشر کی وہیں آنکھیں جھپک گئیں
سینہ کے ایک بار جو میں نے دکھائے داغ

گر تم جلانے سے خوش ہو تو اچھا یونہی سہی
ہے دل برائے زخم مرا تن برائے داغ

جاتا ہوں کوئے یار میں پر فرط رشک سے
سایہ سے اپنے جاتا ہوں کوسوں بچا ہوا

نظارہ کا بھی لطف نہیں وصل اک طرف
تصویر کو بھی یار کے پایا کھنچا ہوا

وابستہ دم سے تھی جو مری مدعا وصل
ہجراں میں دم کا بھی تو نکلنا کٹھن ہوا

دو پٹہ آب رواں کا پڑا ہے سینے پر
بھلا کسی نے بھی دیکھے حباب در تہ آب

غم رقیب میں اتنا نہ رو تو اے کافر
ڈبو نہ مصحف رخ کی کتاب در تہ آب

جا پہنچا ہے بھولے سے کہیں غیر کے گھر آج
ملتا ہی نہیں میری دعاؤں کا اثر آج

فریب دے کے مجھے دام میں پھنسائیگا
ہوا ہے پھر نئے سر سے جو مہرباں صیاد

جو مے پر دلاتا ہماری نیاز
تو دینا کوئی پارسا دیکھ کر

الٰہی جان دی ہے مینے کسکے روئے روشن پر
ہزاروں شمعیں پروانہ بنی ہیں میرے مدفن پر

یہ دل مائل ہوا اسکا مری طرز طپیدن پر
سمجھ کر دل لگی وہ مستعد ہے قتل دشمن پر

زہے تقدیر جذب دل نے کی تاثیر دشمن پر
پس مردن وہ آیا فاتحہ کو میرے مدفن پر

ہزاروں جسم بیجاں ہوگئے ہیں تیرے جوبن پر
ہزاروں سینے بیدل ہوگئے بیساختہ پن پر

اُگا ہے پنجۂ مرجاں جو اپنی خاک مدفن پر
تو وقت فاتحہ ہے بدگماں کا ہاتھ دامن پر

لب زخم جگر کی جا سے تیرے منہ کو ہی دیتا
شب ہجراں نہیں ہے پاس تا صبح میرے سوزن پر

تعجب کیا خمیدہ ہوا گر تلوار قاتل کی
چڑھا ہے خون کس کس بیگناہ کا اُسکی گردن پر

قیامت ہے قیامت میں نہ ہم محروم رہ جائیں
ادب سے ہاتھ پڑ سکتا نہیں قاتل کے دامن پر

وہ بے انصاف اور ایسی وفا کی داد یا قسمت
گمان دوستی ہے سادگی سے ہمکو دشمن پر

نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے
کہ کچھ رک رک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر

عجب اس جلوۂ یکتا میں نیرنگ تماشہ ہے
نئی صورت سے چمکا خاطر شیخ و برہمن پر

میں ہوں مرہون منت صلح کل کا جب سے اے ارشد
یقین دوستی ہونے لگا ہے مجھ کو دشمن پر

اے عشق بچانا دل مضطر سے نکل کر
پھر اور کوئی گھر نہیں اس گھر سے نکل کر

ہمکو یاں اپنے عمل پر ہے نظر کچھ بھی نہیں
زاہدا ساری خدائی کا نمونہ ہے یہیں
اے شوخ یہ دیکھنے جو تری آ گئیں آنکھیں
دیکھا دمِ کشتن رخِ قاتل کا نظارہ
ہاں تم میری الفت سے مکر جاؤ مکر جاؤ
کیوں باغ میں نرگس کے تلے مر گئے ارشد
عشق و وحشت کی جو تمیز ہو تجھکو مجنوں
بائی اُردو میں نئے رنگ سے عزت ارشد

کوچ سر پر ہے مگر زادِ سفر کچھ بھی نہیں
آپ کہتے ہیں کہ بنیادِ بشر کچھ بھی نہیں
کیا دل کے دکھانے کا مزا پا گئیں آنکھیں
کیا آج میرے وقت پہ کام آ گئیں آنکھیں
کیا ہوگا اگر شرم سے شرما گئیں آنکھیں
معلوم نہیں کس کی پسند آ گئیں آنکھیں
گھر میں جو بات نکلتی ہے بیاباں میں نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی ایراں میں نہیں

مانا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو
وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں
رندو چلو سلام تو کر آؤ آخری
یاد آ جاتا ہے احباب کا جلسہ ارشد
جانور اور بڑے عشق میں جل جانے کو
سفرِ ملکِ عدم میں ہے بڑا اپنا مقام
مہر اور قہر نے مارا ہے کسیلے ارشد
زاہد کی آنکھ دخترِ رز پر جو پڑ گئی

دھبا لگا دیا تو نے قیامت کے نام کو
کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو
سنتے ہیں شیخ جاتے ہیں دار السلام کو
جب فلک پر نظر آ جاتے ہیں انجم مجھکو
شمع کی لو نہ لگی ہو کہیں پروانے کو
پہلی منزل وہ ہمیں آئے ہیں پہنچانے کو
گنگنا چاہئے پانی مرے نہلانے کو
جھٹ پی گئے وہ معنیٔ لفظِ حرام کو

آج جی میں ہے کہ میں اعدا کے سر ہو جاؤں گا
غصہ میں جو ہو لال تو رنگ اسکا نکھر جائے
ہٹ ہٹ کے اندھیرا نکر و آنکھ نکلے آگے
ہے مہر و غضب دونوں میں اک لطف تمہارے
رنجش میں بھی ہے مرتبہ دانی وہی اُن کی

پھر یہ دیکھو نگا تمیں کیا ضد ہے مرے سر کے ساتھ
یہ دوسری خوبی ہے کہ بگڑے تو سنور جائے
واں تک تو نظر آؤ جہاں تک کہ نظر جائے
روکو نہ طبیعت کو جدھر جائے اُدھر جائے
وہ میرے لئے ہے جو ستم حد سے گذر جائے

بے درد و داغ لطف نہیں کچھ فراق میں
روشن ہوئے ہیں خانۂ الفت میں چراغ
آیا ہے داغ روئے جمالِ سخن پہ ہائے
شرما کے چھپ گیا رخِ روشن نقاب میں
خط آکے دگنی تاب ہوئی رُخ کی تاب میں
رکھو تم اپنا چہرۂ روشن نقاب میں
ہم دل کو مانگتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں کیوں
واں نازکی غضب کی یہاں ضعف قہر کا
حسن اُنکا تاب سوز نگہ اپنی ناتواں
اللہ رے سوزِ ہجر کہ آنسو بھی سوکھ کر
ظالم ہزار روئے پر انکو خبر نہو
بارش عکسِ ماہِ صیام اور بیخودی
جو شاعر کمر جھوٹ پر باندھتے ہیں
مرے قتل پر وہ کمر باندھتے ہیں
لگے چوٹ دل پر تو کیا ہو مداوا
دکھاتے ہیں دشمن کو مشقِ نشانہ

دوں نقدِ جاں بجا ہے اگر ہیں بہائے داغ
دلمیں ہوئے ہیں ہا تو مرے جائے جائے داغ
ارشد جہاں میں پھیلی ہوئی ہے ضیائے داغ
گھر کر گیا یہ مہر دلِ ماہتاب میں ٭
سورت پڑھی یہ اور خدا کی کتاب میں
جھگڑا پڑا ہوا ہے مہ و آفتاب میں
شرمندہ ہوں سوال سے بڑھ کر جواب میں
وہ آئیں گے نہ جائینگے ہم انکے خواب میں
وہ بے حجابیوں پہ بھی ہیں سو حجاب میں
لنگر سے بنگئے مری چشمِ پُر آب میں
آنسو ہوں میرے غیر کی چشمِ پُر آب میں
ارشد ڈبو کے کھا گئے روزہ شراب میں
رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں
تماشہ ہے عنقا کا پر باندھتے ہیں
جو ہو دردِ سر میں تو سر باندھتے ہیں
تو پہلے ہمارا جگر باندھتے ہیں

غبار آلودہ آنسو ہیں ہماری چشمِ گریاں میں
ہمیشہ سبحۂ خاکِ شفا ہے دستِ مژگاں میں
تصور میں بھی جانے سے مرے ظالم کو نفرت ہے
مگر میں معنئ لفظِ وفا ہوں ذہنِ جاناں میں
ذرا سی بات میں یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
مرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیرے پیماں میں
یہی گر تیرہ بختی ہے تو اپنے کام آؤں گا ٭
سما جاؤں گا بنکر خواب میں چشمِ نگہباں میں
ہوئے ہو سوکھ کر کانٹا غمِ الفت میں اے ارشد
چلو حضرت لپٹ رہنا کسی رہرو کے داماں میں

نتیجہ تم کو اے ارشد بتادیں ہم ستمگر کا
غریب آزار پر اللہ اور بندوں کی لعنت ہے

چمن کر دو وہ جو افشاں رُخِ تابندہ پر آئے
واللہ کہ دن کو مجھے تارے نظر آئے

اتنا تو مری آہ میں یارب اثر آئے
گر وہ نہ سہی مرگِ عدو کی خبر آئے

عشاق لگن بیٹھے ہیں سب دھیان میں انکے
حیرت ہے کہ اک شب میں وہ کس کس کے گھر آئے

نازک ہے نہ کھچواؤں گا تصویر میں اُسکی
چہرہ نہ کہیں عکس کے بدلے اُتر آئے

کھینچا جو سرِ بام تصور میں وہ نقشہ
اللہ رے نزاکت کہ وہ نیچے اُتر آئے

کیا فیصلۂ قتل مرا اُن سے کر آئے
ہنستے ہوئے کیوں اس سے مرے نامہ بر آئے

بے پردہ مری گور پہ آیا جو وہ مہوش
مدہوش فلک پر سے فرشتے اُتر آئے

نظّارہ کا لپکا نہ گیا زخم بھی کھا کر
کٹ کٹ کے مری آنکھوں میں لختِ جگر آئے

ممکن ہی نہیں وصل یہاں عجز وہاں اوج
کس طرح سے خورشید زمیں پر اُتر آئے

ظالم کی عنایت میں بھی ہے رنگ جفا کا
دشمن کو لئے ساتھ مری لاش پر آئے

انداز شوخیوں کے وہ تم میں کہاں ہے
تم شوخ ہو کے غیر کے دلمیں نہاں رہے

کس کس بلائے چرخ کا رُخ ہے مری طرف
ممکن نہیں کہ آج شبِ غم میں جاں رہے

دلمیں ہمارے کوئی ہو تیری طرف سے ہو
غم میہماں رہے کہ الم میہماں رہے

خُو ہے مجھے بتاں کی ارشد دعا یہ ہے
معشوق وہ ملے جو ہمیشہ جواں رہے

زلفِ سیہ کی عارضِ پُر نور سے
دن نکل آیا شبِ دیجور سے

خلد میں تصویر کسکی لے چلا
اپنے دل میں میں چھپا کر حور سے

کنجِ تنہائی میں راحت ہے بڑی
یہ صدا آئی دہانِ گور سے

آرزوئے وصل نازک ہے بہت
کیونکہ نکلے گی دلِ رنجور سے

اُن کی میری حشر کے میدان میں
ہوگئی صاحب سلامت دور سے

حسن کی آشفتگی ہے وہ ستم
رنگ اُڑا دے روئے شمعِ طور سے

رسائی مرے خدا تک تو ہو گئی ارشد
یہ جیتے جی نہ ہوئی یار تک رسائی ہائے

وہ رحم کے بھی نام سے چڑتے ہیں اسطرح
جیسے کسی کو کوئی سنانا چتے کی ہے

آنکھ پڑ جاتی ہے رحمت پہ گناہ سے پہلے
درد اُٹھنے نہیں پاتا کہ دوا آتی ہے

قیام جسم خاکی ہے نفس پر
ہوا پر ہے بنا اپنے مکان کی

نہ میں آپ میں ہوں نہ پہلو میں دل ہے
چلے آؤ کوئی مرے ہاں نہیں ہے

یہ بیخود ہوا ہوں تجسس میں تیرے
مجھے اپنا ملنا بھی آساں نہیں ہے

آج کیا ہے دمبدم کیوں درد میرے دل میں ہے
وہ میرا آرام جاں شاید کسی محفل میں ہے

ہر قدم پر خود بخود شوق شہادت دل میں ہے
رہنا تھم جا کہ اب تو کوچۂ قاتل میں ہے

صاف باطن ہو کے میری جان کس مشکل میں ہے
کھل گیا سب اُس پہ جو جو بھید میرے دل میں ہے

ڈال کر دشمن کے دل میں دل بنا لیں ہم تو دوست
پر ستم یہ ہے کہ ظالم تو ہمارے دل میں ہے

ہر کوئی ہو کے صفت محو جمالِ یار ہے
وادیٔ ایمن کا نقشہ یار کی محفل میں ہے

خضر میں تجھکو بتاتا ہوں نشان کوئے دوست
واں نیا فتنہ نئی آفت ہر اک منزل میں ہے

پاؤں ناقہ کا بھی مستانہ ہے پڑتا راہ میں
کون مست ناز بیٹھا پردۂ محمل میں ہے

میں مقام بیخودی میں کالے کوسوں سے دور ہوں
عقل بھی اک راہ گم کردہ مری منزل میں ہے

شمع سوزاں غیر شاداں میں ہراساں تو خجل
اپنی حالت سے الگ ہے جو تری محفل میں ہے

مانع صحرا نوردی ناتوانی ہو گئی
اک قدم مجکو سرکنا داخل اک منزل میں ہے

آؤ میخانے چلو ارشد عبادت ہو چکی
اب بھی سمجھو کیا دھرا اس سعی بیحاصل میں ہے

قطعہ

خدا نے نیک دل پیدا کیا ہے جسکے سینہ میں
کسی حالت میں ہو عاجز نوازی اسکی طینت ہے

نہیں ہے کاٹتی ریشم کو کوئی تیغ برندہ
ادھر تیزی ہے جتنی اُس طرف اتنی لجاجت ہے

ہوا جھکڑ کی چلتی ہے زمانے میں تو چلنے دو
جو سبزہ سرفگندہ ہے تو کب اسکو اذیت ہے

تناور جو شجر ہیں آگے آئے گی اکڑ اُن کی
کبھی گدّے پر آفت ہے کبھی جڑ پر مصیبت ہے

دل لگا دوں چیر کر سینے سے یہ کہتا ہے رشک ۔۔۔ تاکتی ہیں تجھکو آنکھیں روزنِ دیوار کی

بوسہ کی لذت تو کیا دشنام بھی ہیں دلنشیں ۔۔۔ ہے مرے دل کی وہی جو ہے دہانِ یار کی

بعدِ مردن یوں کرو میخوار کی مٹی عزیز ۔۔۔ میکشو بھٹی بنا لو خانۂ خمار کی

جا رہی ہے کیوں قیامت مجھسے رستہ کاٹکر ۔۔۔ چال اڑائی اس نے کسکی شوخیٔ رفتار کی

تیرہ بختی دیکھنا سایہ پرے کو ہٹ گیا ۔۔۔ دھوپ میں لی آڑ ہمنے جب کسی دیوار کی

میرا حالِ زار کیا دیکھے وہ چشمِ سرمگیں ۔۔۔ لی نہیں جاتی خبر بیمار سے بیمار کی

ایک دو ساغر میں گر پڑتے ہیں سرکش سر کے بل ۔۔۔ سجدہ گہ ہے یا زمیں ہے خانۂ خمار کی

ڈالا کیا حکمت کا پردہ اسکی چشمِ شوخ نے ۔۔۔ نبض عیسے کو نہیں ملتی ہے مجھ بیمار کی

واعظِ بے شرم محفل میں نہ لینا اسکا نام ۔۔۔ دخترِ رز پردہ نشین ہے خانۂ خمار کی

کعبے میں بھی دیکھ لو ارشد کو بتخانہ میں بھی ۔۔۔ پوچھتے ہو کیا حقیقت اس خدائی خوار کی

ایڈریس درتہنیت عطاے اعزاز ممبری کونسل آنریبل رائے بہادر لالہ مدن[1] گوپال ایم اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی و لاہور و آنریبل نواب فتح علی خان قزلباش

ہو مبارک تجھکو اے لاہور یہ عز و وقار ۔۔۔ ہو نوید اے شہرِ دہلی اے مرے اجڑے دیار

تیری معدن سے جو نکلے لعل ہوتی آبدار ۔۔۔ بن گئے ہیں وہ ضیاے سلطنت سے شاہوار

اُن کی جھل مل یوں اشارے کر رہی ہے دور سے

اوج پایا ہم نے شاہِ قیصرہ کے نور سے

بل بے اے برٹش حکومت تیرے انعام عام ۔۔۔ قدر داں ہے تو شریفوں کی شرافت کی مدام

[1] والد ماجد مولفِ تذکرہ

ہوش میں رہیئے ذرا منبر پہ شیخ
کیا کہا استغفر اللہ زاہدو
کر دیا کس نگہِ مست نے بدنام مجھے
کسکا مکھڑا نظر آیا ہے سر شام مجھے
لیچلا اسکی گلی میں دلِ ناکام مجھے
کسی صورت لبِ شیریں کی تو لذت چکھوں
اُنپہ کیا حشر میں دعوے ہو کہیں شوخ بیاں
دیکھ کر انکو قیامت میں ہوا میں بیہوش
نامہ بر نامہ تو لایا ہے مگر ضد سی ہے
پھیری صیادِ ستمگر نے چھری گردن پر
دل کو اُلجھا کے کیا قطع تعلق تو نے
ہائے اسکا یہ شبِ وصل میں کہکر اُٹھنا

کچھ سُنو گے کیا کسی مخمور سے
توبہ اور وہ بھی مئے انگور سے
بے پیئے کہتے ہیں سب رندِ مے آشام مجھے
کہ سحر تک نہ ملا درد سے آرام مجھے
اُٹھ کے اے رشک علے وا ابتو ذرا تھام مجھے
غیر پہ رکھ کے دئے جائیں وہ دشنام مجھے
ڈر ہے دے جائیں نہ اُلٹا کوئی الزام مجھے
ہائے اس چال کے صدقے کہ لیا تھام مجھے
یہی کہتا ہے کہ جاں دیجئے انعام مجھے
دی پھڑکنے کی بھی مہلت نہ تہِ دام مجھے
کیا پھڑکتا ہوا چھوڑا ہے تہِ دام مجھے
کیسے بے درد سے ہے آ کے پڑا کام مجھے

آتشِ فرقت بھری ہے مجھ میں کیجیے گا نہ قتل
الفتِ دشمن کا ہے اندازہ میرا حالِ دل
رشک سے پھر لینگے رو رو کر ہم اپنا جامِ عمر
پیشِ داورِ دفترِ دل کھولنا اچھا نہیں
آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جوہر دکھائے
فتنہ زا کہیئے نہ اپنی چال کو بے امتحاں
آڑ لی غمزہ نے تیغِ ابروئے خدار کی
ہر جگہ چبھ چبھ کے نوکیں رہ گئیں سوفار کی
تُو نے ہر حالت میں رحمت اے مرے غفار کی

یہ نہ جائے پانی پانی ہو کے خنجر دیکھئے
دیکھئے پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھئے
دے نہ دیجئے گا کہیں دشمن کو ساغر دیکھئے
پہلے چلکر وسعتِ دامانِ محشر دیکھئے
پھر تڑپ کر ہم دکھائیں اپنے جوہر دیکھئے
میرے مردے کو لگا کر ایک ٹھوکر دیکھئے
بے خبر سوتا ہے فتنہ چھاؤں میں تلوار کی
گود پھولوں سے بھری ہے زخمِ دامن دار کی
جس خطا سے ہمنے توبہ کی وہی سو بار کی

جو لی دامن کے ہیں ساتھی یہ تو دونو ایک ہیں
یہ نہ ہوں ان میں تو پھر یہ دونو قومیں نیک ہیں

ہے خوشی اور رنج میں دونو کا ہر دم اشتمال
جب تک اس ہندوستان کے ساتھ ہے جاہ وجلال

آج سے کیا مدتوں سے ربط ہے انمیں کمال
ہند کی اقوام کا تب تک رہیگا ایک حال

میل اسکا دائمی ہے اور لڑائی چار دن
کیا ہوا اگر ہے خفا بھائی سے بھائی چار دن

میرے دعوے کا نہیں ہے گر کسی کو اعتبار
اک طرف فتح علیخاں صاحب لی تبار

دیکھ لے وہ آنکھ سے یہ ہے دلیل آشکار
اک طرف لالہ مدن گوپال صاحب ذی وقار

آنربل یہ بھی ہیں اور آنربل وہ بھی ہیں
ملک کی یہ روح ہیں تو قوم کا دل وہ بھی ہیں

یہ ہوئے کونسل کے ممبر تو ہوئی سب کو خوشی
خوب سے جلسے ہوئے باہم ہوئی اک دل لگی

دونو کو کل ملک نے مل کر مبارکبادی
ہم بھی آئے نظم پڑھنے دیکھنے کو پارٹی

یا خدا انجام اس ساری خوشی کا نیک ہو
آج جیسے ایک ہیں یہ دل ہی انکا ایک ہو

اے مرے نواب صاحب اے مرے والا جناب
آپ جن اعلےٰ مراتب پر ہوئے ہیں کامیاب

اے مرے راے بہادر اے مرے عالی خطاب
ہو مبارک آپ دونو کو یہ عزت بے حساب

آپ کیا ممبر ہوئے پنجاب ممبر ہو گیا
غل مبارکباد کا ہر ایک کے گھر ہو گیا

آپ کو سرکار نے کونسل کا جو ممبر کیا
آپ کو برتر کیا گویا ہمیں برتر کیا

خیر خواہی نے ہمارے دل کے اندر گھر کیا
آپ پر کیسا حقیقت میں کرم ہمپر کیا

اور بھی ہم میں سے اک دن یونہی عزت پائینگے

پایہ برتر تجھ سے علم و فضل کا ہے لاکلام
قابلِ مدحت سرائی ہے ترا ہر ایک کام

عزتیں پھیلی ہیں تجھ سے ملکِ ہندوستان میں
دے ترقی خالقِ ذی شان تیری شان میں

تیرے عہدِ معدلت نے جو رعایا سے کیا
وہ کسی عہدِ حکومت سے نہ ہرگز ہو سکا
ہم نے یہ ہی قاعدہ ہر اک حکومت کا سُنا
ہر کسی والی نے چاہا اپنے اپنوں کا بھلا

پاک ہے برٹش حکومت تو ہی اِس الزام سے
ایک ہیں برتاؤ تیرے خاص سے اور عام سے

خیر خواہوں پر ہمیشہ تو ہی ہے مہرباں
اہل علم و فضل کی ہر دم ہوئی ہے قدرداں
قابلیت کے مطابق دیتی ہے تو عز و شاں
فرقِ قوم و مذہب و ملت نہیں ہے تیرے ہاں

تو تو خوش ہوتی رعیت کے ہے اچھے کام سے
جیسی تو اللہ سے ہے ویسی ہی ہے رام سے

تیری نظروں میں برابر ہیں کلیسا ہو کہ دَیر
ایک سی ہے تیرے آگے مسجد اور مندر کی سیر
کوئی ہندو ہو مسلماں ہو نہیں ہے تیرا غیر
تیری منشا کے مخالف ہے جو ہو قوموں میں بیر

تو وہ سورج ہے کہ ہر گھر میں اُجالا کر دیا
دوست دشمن کا برابر بول بالا کر دیا

گو کہیں مُنہ سے مسلماں ہم سے ہیں ہندو الگ
کیا ہوا اکڑے پھریں ہندو اگر ہر سو الگ
ہو نہیں سکتے ہیں چہرے سے کبھی ابرو الگ
ہو الگ تو بھی نہیں ہے پھول سے خوشبو الگ

آئینے میں دو ہیں لیکن عکس و صورت ایک ہیں
جو بظاہر مختلف ہیں فی الحقیقت ایک ہیں

ہے انہیں دونو سے عزت ملکِ ہندوستان کی
ہیں بہاریں اور فضائیں یہ ہی اِس بستان کی
ہم تو اے ارشد کہے دیتے ہیں سیدھی بات ایاں کی
اختلاف ان میں یہ رائے ہے کسی نادان کی

ارشد

(ارشد) منشی غلام حسین لاہوری آپ منشی ناظر حسین خان ناظم کے شاگرد ہیں ؎

حشر تک ہوتا نہ چھٹکارا فلک کے جور سے
شکر ہو ندِ زمین کوئے قاتل ہو گیا

دل سے جو ملتے ہیں باہم دو بھی ہوں تو ایک ہیں
دل کے حرف دال جیسے لام سے دل ہو گیا

شکوۂ جورِ بتاں حشر میں کرتے تو سہی
حالِ دل اپنا مگر قابلِ اظہار نہ تھا

قاتل ہماری قبر پہ آکر نہ رویئو
بےچین ہوگی روح ہماری مزار میں

نہیں ہے تم سے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری
سکھا رہی ہیں جفائیں تمہیں وفا میری

ارم

(ارم) مرزا مرتضیٰ حسین عرف چھجو صاحب لکھنوی شاگرد آغا شاد بلگرامی - کلام سے طبیعت درد آشنا معلوم ہوتی ہے - مذاق سلیم رکھتے ہیں - زبان بھی پاکیزہ ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

پہونچے جو تھک کے سایۂ دیوارِ یار تک
یوں بیٹھے ناتواں کہ نہ اٹھا غبار تک

کیا آئیں پھر فاتحہ میری لحد پہ دوست
دشمن مٹا چکے ہیں نشانِ مزار تک

تعجیلِ موت باعثِ الزام ہو گئی
کہتے ہیں وہ کیا نہ مرا انتظار تک

یا دستِ بخیہ اب نہیں ملتا سراغِ دل
آیا تھا ساتھ ساتھ میرے کوئے یار تک

تم بھی کرو ستم مگر اتنے جو اٹھ سکیں
ہم بھی کریں کے جبر مگر اختیار تک

تم مجھ سے فیصلہ یہیں کر لو تو خوب ہو
آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک

سرمایۂ بقا ہے ارم لطفِ انتظار
زندہ ہوں وعدۂ بتِ غفلت شعار تک

عجیب یاس سے بلبل قفس میں کہتی ہے
کہ ہمکو کیا ہے چمن میں بہار ہو کہ نہو

پھرائے جائیے گردن پہ میں کہوں جب تک
بلا سے آپ کے خنجر میں دھار ہو کہ نہو

واں عندلیب قید کے رنج و محن میں ہے
یاں غم سے سینہ چاک ہر اک گل چمن میں ہے

جاتے ہیں دن بہار کے آنکو ہے خزاں
اک حشر بلبلوں کی فغاں سے چمن میں ہے

ارمان

(ارمان) شاہ علی ارمان - بقول نساخ جعفر علی حسرت کے علاقی بھائی اور جرأت کے شاگرد تھے - اور بقول جناب شیفتہ حسرت کے بیٹے تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق میں کچھ کلام

خیر خواہی کے شجر پھل لائینگے پھر لائیں گے

آپ کی خدمت میں کچھ کرتا ہے ارشد التجا
کیجئے گا مہری کے بعد اسکا حق ادا
گر اجازت دیجئے تو منہ سے لاؤں برملا
ملک پر اور قوم پر رکھنا عنایت دائما

آنریبل ہو کے آنرٹ کیجئے گا آور کی +
مختصر سی عرض ہے یہ پر ہے حاجت غور کی

ملک کے حق میں ہو خدمت آپ کی ایسی مفید
منحصر ہے آپ ہی پر کل رعایا کی امید
فرطِ شادی سے رہے ہر اک کے گھر میں روز عید
آپ ہوں ملکی فدائی آپ ہوں قومی شہید

قوم کی خدمت جو کرتا ہو وہ ہے سردار قوم
قوم کے سردار سے بنتے ہیں سارے کارِ قوم

شکر ہے تیرا خداوند زمین و آسماں
لائقِ عزت کو دیتے ہیں ہمیشہ عز و شاں
خطۂ پنجاب کے ہیں لاٹ صاحب مہرباں
جوہر قابل جو ہو ہر دم ہیں اُسکے قدرداں

ینگ مینوں کو نہ دیں کیوں ینگ صاحب مہری
قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یا الٰہی تا رہے دنیا میں ربطِ موجِ آب
تا رہیں دو ہو کے اک صورت میں نورِ آفتاب
تا الگ ہو اور گھل مل جائے دریا میں حباب
تا نگاہیں مختلف ہو ہو کے مل جائیں شتاب

ملک ہندوستان کی ہر قوم میں ملت رہے
گو بظاہر ہوں جدا پر اصل میں الفت رہے

بانیانِ پارٹی کے دل سدا مسرور ہوں
آئیں خوشیاں رات دن اور رنج و غم سب دور ہوں
باہمی الفت سے سینے ہر گھڑی معمور ہوں
اتحاد و ربط پر یہ سب کے سب مجبور ہوں

جو یہاں حاضر ہیں دل ان میں ہر اک کا شاد ہو
ہر کسی کو میری جانب سے مبارک باد ہو

+ یعنی جوان آدمیوں کو سر میکورتھ اُس وقت میں لفٹنٹ گورنر پنجاب تھے ۱۲

ارمان

(ارمان) منشی عبدالعزیز خان ارمان - انکے والد میسور میں تحصیلدار ہیں آپکو حضرت داغ مرحوم سے تلمذ حاصل ہے یہ کلام ہے ؎

وہ آئے سامنے آنکھوں میں میری نور آیا	وہ بیٹھے پاس تو دل کو میرے سرور آیا
پھرنا اچھا نہیں آنکھوں میں تری ابرو کا	اس سے بہتر تھا مرے حلق پہ خنجر پھرنا
جب شوق فزوں ہو تو مزا حد سے سوا ہو	وہ ظلم ہو ہمپر جو کسی پر نہ ہوا ہو
مرجائے جو بیمار محبت تو شفا ہو	جب حد سے سوا درد ہو خود درد دوا ہو

ارمان

(ارمان) منشی سید باقر حسین ارمان باشندہ شکارپور ضلع بلند شہر ریاست چھتاری میں معلمی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کے شوق کو بھی نباہے جاتے ہیں ؎

لطف نظارہ ہمیں کیا دم بسمل ہوتا	کند کچھ اور اگر خنجر قاتل ہوتا
اے تیغ تو بھی رک کے دکھاتی ہی بانکپن	چلنا ترا بھی یار کے غمزے سے کم نہیں
قاتل نے میرے زندہ جاوید کر دیا	آب بقا سے آب دم تیغ کم نہیں
کیا رہروان ملک عدم کا ملے سراغ	بانگ جرس نہیں ہے نشان قدم نہیں

ارمان

(ارمان) مولوی سید محمد حسن ارمان شاگرد محفوظ حیدرآبادی - زمانۂ حال کے شاعر ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہمکو رکھا اُسی کے کوچے میں	ہے یہ احساں شکستہ پائی کا
مرقد کو ٹھوکروں سے وہ پامال کرتے ہیں	بعد فنا بھی مجھپہ ستم ہائے کم نہیں
وہ کرکے قتل ہمسے یہ پوچھتے ہیں	کہو اب دل کی جو کچھ آرزو ہو
ہیں قیامت تری آنکھوں کے اشارے پیارے	جیہ یاں جلتی ہیں کلیجہ یہ ہمارے پیارے
حوصلہ ظلم و ستم کا کوئی باقی ہے ابھی	کیوں مٹاتا ہے تو مدفن کو ہمارے پیارے

ارمان

(ارمان) پنڈت راج نرائن ارمان دہلوی - بزرگوں کا وطن کشمیر جنت نظیر تھا مگر انکے دادا پنڈت آفتاب رائے مضطر نقل وطن کرکے دہلی آبسے سنہ ۱۸۷۶ء سال ولادت ہے سنہ ۱۸۹۵ء

نظر سے گزرا۔ زبان اگرچہ پرانی ہے مگر مضامین کی موزونیت کے اعتبار سے کلام دلکش اور پرلطف ہے۔ افسوس ہے کہ انکے حالات زندگی معلوم نہیں ہوئے۔ مختلف تذکروں سے اِن کے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کون کہتا ہے ابجی تمسے نہ گھبرجاؤ تم دل لیکے کیوں نہ ظاہر اُسکی رکھائیاں ہوں گر وصل میں نہ آوے وہ راہ پر غضب ہے قاصد نے جھوٹ سچ تو کچھ کچھ کہا یہ ڈر ہے پابوس اُسکا ہووے کیونکر ہمیں میسر کیوں آج کل نہ بیکل میں ہوں کہ مجکو یا رو چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو تا سرِ بالیں اُسے آنا قیامت شاق ہے دلا تو بسترِ غم پر جو یوں کراہے ہے	پر کوئی بات تسلی کی تو کر جاؤ تم ظاہر ہے بیوفا سے پھر بے وفائیاں ہوں جس نے کہ ہمکو برسوں راہیں دکھائیاں ہوں ایسا نہو کہ دل سے باتیں بنائیاں ہوں نقش قدم پہ جسکے نت جبہ سائیاں ہوں کل آئے جب نظر وے آئیں کلائیاں ہوں دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت ترا بُرا ہو یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے بتا تو چاہے ہے وہ بھی جسے تو چاہے ہے

ارمان

(ارمان) راجہ جنم جی متر۔ کلکتہ کے ایک مشہور امیر خاندان کے رکن اور باوجودیکہ اُردو اور فارسی اِن کی مادری زبان نہ تھی مگر اس پر بھی دونو زبانوں کے قابل انشا پرداز اور بالخصوص شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ شعرائے ریختہ کا ایک مختصر تذکرہ جسکا نام نسخۂ دلکشا ہے ان سے یادگار ہے۔ حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے ان کے صاحبزادے ڈاکٹر راجہ راجندر لال متر ہندوستان کے مشہور ترین محقق آثار قدیمہ اور بڑے زبردست فاضل و ادیب تھے ہندوستان میں آرکیالوجی (فن تحقیق آثار قدیمہ) کا اتنا بڑا محقق گذشتہ صدی میں ایسا کوئی نہیں گذرا۔ تبرکاً چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے میری جان نکلا رات بھر نالے کیا کرتا ہوں گریہ دن کو	تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارماں نکلا یہ پوچھتے کیا ہیں حقیقت میرے اوقات کی آپ

نوکِ مژہ پہ گرتا ہے ہر قطرۂ سرشک	کانٹے میں آج تول رہا ہوں گہر کو میں
دل کی تسلیوں میں شبِ غم ہے ایک ہتھ	اک ہاتھ سے سنبھال رہا ہوں جگر کو میں
کل بھی نہ تجھسے ہوگا وفا وعدۂ وصال	لو آج ہی سناتا ہوں کل کی خبر کو میں

شوخیٔ مضموں کا حصہ داغ سے مجکو ملا　　شاعری مضطر سے ہے میراث میں پائی ہوئی

ارمان

(ارمان) میر سرفراز حسین خاں نائب تحصیلدار۔ زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں ؎

کنجِ مرقد ہی سہی آئے تو آرام مجھے	چین لینے دے کہیں گردشِ ایام مجھے
مست ہوں نشۂ الفت میں گرا جاتا ہوں	بیخودی دوڑ ذرا روک لے تھام مجھے
بیوفا کہنے پہ میرے وہ بگڑ کے بولے	اچھا اب کرنے لگے آپ بھی بدنام مجھے
کافرِ عشق ہوں **ارمان** مرا کیا مذہب	لوگ یوں سمجھا کریں داخلِ اسلام مجھے

ازل

(ازل) حکیم میرزا آغا حسن خلف میرزا عباس باشندہ لکھنؤ۔ نواب مرزا شوق صاحب بہارِ عشق کے داماد اور میر وزیر علی صبا کے شاگرد تھے۔ تبرکاً ایک دو غزلیں خواجہ آتش کی نظر سے بھی گذرانی تھیں۔ نتائج افکار میں حتی الامکان استاد کا اتباع کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ درسیہ کتب پڑھکر شاعری اور طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ طالب علمی اور شباب کا عالم لکھنؤ میں گزارا پھر ۵۰ برس کی عمر میں بہ تلاش روزگار عظیم آباد چلے گئے۔ اور مستقلاً وہیں سکونت اختیار کی مگر سنہ ۱۳۱۴ھ میں بیمار ہوکر لکھنؤ چلے آئے اور وہیں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ خوش رو۔ وضعدار۔ ہر دلعزیز وسیع المشرب طرزِ قدیم لکھنؤ کے دلدادہ۔ منکسر المزاج اور حد درجہ خلیق تھے۔ اصل امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانہ میں تبدیل مذہب کرکے سنی ہو گئے تھے مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کرکے انتقال کیا۔ آپ کا دیوان ضیائے تمنا عرف پرکالۂ آتش بہار میں شایع ہوگیا ہے اور ایک مثنوی بھی سحرِ عشق نام انکے نواسے مہدی حسن احسن کے اہتمام سے لکھنؤ میں چھپی تھی۔ کلام کا بیشتر حصہ اپنی لاپرواہی اور شاگردوں کی بدنیتی سے تلف ہوگیا۔ اسیوجہ سے مطبوعہ کلام کچھ اعلیٰ پایہ کا نہیں۔ معمولی کلام نے اس میں جگہ پائی۔ غزلیں فروخت کیا کرتے تھے

تک مدارس میں تعلیم پاتے رہے اور اسی عرصہ میں ۱۸۹۴ء میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا۔ ۹۶ء میں سہارنپور جاکر اخبار ظریف اور رسالہ تصویر سخن کی اڈیٹری کی پھر ۹۷ سے ۱۹۰۴ء تک پٹیالہ میں قیام رہا اور وہاں پٹیالہ اخبار کی اڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۰۴ء میں لاہور آنے کا اتفاق ہوا یہاں اخبار پنجاب سماچار اور راجپوت گزٹ کچھ عرصہ تک انکے زیر اہتمام رہے۔ اب ہتکاری کے اڈیٹر ہیں۔ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۵۹ کتب و رسائل تصنیف و تالیف کرچکے ہیں جنمیں اکثر ناول و تاریخی رسالے ہیں۔ دیوان بھی تقریباً تیار رہے ۱۹۰۳ء تک برابر اُستاد کو کلام دکھاتے رہے اور سن مذکور میں اُستاد نے اصلاحی غزل کے ہمراہ یہ ریمارک لکھ کر خاص عزت بخشی "بجائے میرے پاس بھیجنے کے اپنے کلام پر تم خود ہی نظر ثانی کرلیا کرو۔ میرے خیال میں اب تمہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے" ۱۹۰۵ء میں حضور نظام کے جشن جوبلی کے موقعہ پر حیدرآباد بھی گئے تھے۔ جہاں ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ ٹکسٹ بک کمیٹی لاہور اور تاریخی سوسائٹی علیگڈھ کے متعلق بھی کچھ خدمات کی ہیں۔ اور آپ آجکل زیادہ تر پولیٹکل و تاریخی مضامین کیطرف توجہ مبذول رہتی ہے گاہے گاہے فرصت میں فکر سخن کرتے ہیں بہنگام نظر ثانی تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے

تجھسے شب غم حال مرا کہہ نہیں ہوتا　　یہ کام بھی اب دم تحریر نہیں ہوتا
کب سیدھی سی ترچھی نظر انکی نہیں ہوتی　　کب تیر مرے واسطے خنجر نہیں ہوتا
اُٹھتے ہوئے پیری کی محبت نہیں جاتی　　سینے سے مٹے دور یہ پتھر نہیں ہوتا
انکار رہا حشر کے وعدے پہ بھی تم کو　　ملنے کا کوئی روز مقرر نہیں ہوتا

کیا لکھوں ماجرائے غم اُس فتنہ گر کو میں　　دل میں ہے خط میں جیب کے کیونکر چھپا لیا
خود ہی پہنچ گیا ہوں وہاں بہر التجا　　طرز بیاں بتا نہ ہوا نامہ بر کو میں
تیر نگاہ یار کے دونوں شہید ہیں　　اب دل کی لوں خبر کہ سنبھالوں جگر کو میں
دلمیں ہزاروں آرزوں کے لگے ہیں ڈھیر　　حسرت یہ کہہ رہی ہے کہ نکلوں کدھر کو میں

[illegible]

قیس میں ہم میں فرق اتنا ہے
آج گلشن میں کہ رہے ہیں ازل
پیر ہوں میں نہ دستگیر ہوں میں ؛
حالِ گلشن نہ پوچھ اے بلبل ؛
یوں تو رہتی تھی دریا پہ بھیڑ ؛
قبر سے آتی صدائے لبیک ؛
یہ نہیں ہیں کہ نہیں کچھ سے کہتے

پیشوا وہ تھا رہنما ہیں ہم
تیرے شاگرد اے صبا ہیں ہم
خانہ بردوش اک فقیر ہوں میں
ایک مدت ہوئی اسیر ہوں میں
آج سنتے ہیں کہ رستہ ہی نہیں
تم نے تربت پہ پکارا ہی نہیں
دل کسی اور کا توڑو تو سہی

[illegible]

مطلب نہ حور سے نہ غرض کچھ پری سے ہے
خود آؤ یا بلاؤ ہمیں اپنی بزم میں ؛ ؛
الفت خدا گواہ ہے اُو بت تجھی سے ہے
مطلب تو دو گھڑی کی ہمیں دل لگی سے ہے

ازل

(ازل) مولوی حکیم شیخ حسن مہدی خلف آباد عظیم آبادی - حال مسکن گزیں کانپور حضرت جلال کے شاگرد اور خوشگو شاعر ہیں ؎

امید رکھیں کیا دلِ ناآشنا سے ہم
کیا آہ بے اثر سے پشیمانیاں ہوئیں
پامال کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں
امیدِ لطف اور حسینوں سے قہر ہے
قائل نہ سر جھکا نا خدا کے لئے کہیں
سر دآنسو اپنی دل کی لگی کیا بجھا سکیں
محشر میں آنکھیں ملتے ہی کچھ اور ہو گئے

کیا آرزو وفا کی کریں بے وفا سے ہم
کیا کیا خجل ہوئے ہیں غضب غم دعا سے ہم
آنکھوں کو مل رہے ہیں کسی نقشِ پا سے ہم
کیوں طالبِ کرم ہیں ان اہلِ جفا سے ہم
شرمندہ ہوں گے حشر میں تیری خطا سے ہم
اب جل بجھیں گے آپ ہی سوزِ وفا سے ہم
بس کر چکے جفاؤں کا شکوہ خدا سے ہم

ازل

(ازل) منشی نعمت علیخاں ولد منشی محمد عمر بخش - قصبہ گناچور نواح جالندھر کے رہنے والے اور آجکل ریلوے ٹکنیکل سکول لاہور میں مدرس ہیں - علم ریاضی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - شاہزادہ سکول دہلی میں بھی مدرس رہ چکے ہیں ؎

اشعار میں شوکتِ لفظی کے بجائے بیساختہ پن - سادگی اور صفائی زبان کا زیادہ خیال رکھتے تھے - جس سے اُنکی سلیم المذاقی کا ثبوت ملتا ہے - ۱۳۱۰ھ میں انتقال کیا - شاگرد تو کثرت سے تھے مگر سب سے زیادہ مولانا شاہ نذر الرحمٰن حفیظ نے نام پایا ٥

میں تو جاؤں کوچۂ دلدار میں آنکھوں کے بل
ضعف کہتا ہے کہ بیٹھو بھی نہ جایا جائے گا

دل دیا ہے آپ نے اِک بت کو سنتے ہیں ازل
یہ تو کہئے ناز بھی اُس کا اُٹھایا جائے گا

آئنہ لے کے ذرا چاندسی صورت دیکھو
ایسی آنکھوں میں تو اندھیر ہے سُرما دینا

لپٹے تھے جنکی دامنِ دولت سے سینکڑوں
تنہا پڑے ہوئے ہیں وہ زیرِ مزار آج

کیا موت آئے گی مرے بیمارِ ہجر کی
حوریں دکھائی دیتی ہیں کیوں بار بار آج

پونچا ہے کس کی ذات سے او خوش جمال رنج
ہوتا ہے تیرے چہرہ سے ظاہر کمال رنج

تربت پہ ہماری جو کبھی آتے ہیں معشوق
پھولوں کے عوض تیوری چڑھا جاتے ہیں معشوق

سچ پوچھئے تو حُسن کچھ ایسا نہیں ہوتا
عاشق کی محبت سے چمک جاتے ہیں معشوق

قاصد کی ضرورت ہے نہ پیغام کی حاجت
تقدیر جو سیدھی ہو تو خود آتے ہیں معشوق

اک تم ہو کہ دو دن بھی محبت نہیں نبھتی
وہ بھی تو ہیں جو بات پہ مٹ جاتے ہیں معشوق

اب کیا کہوں کس واسطے ڈرتا ہوں میں ان سے
سنتا ہوں کہ دل لے کے مکر جاتے ہیں معشوق

بعد از فنا یہی ہے ہماری صدائے دل
ان گلرخوں سے کوئی نہ ہرگز لگائے دل

اللہ رے جلن کسی پہلو نہیں قرار
شعلہ ہے اپنے پہلو میں شاید بجائے دل

باغِ جہاں کا رنگ بہت بے ثبات ہے
بلبل سے کہہ دو گل سے نہ ہرگز لگائے دل

اے موت جلد آ کہ یہ جھگڑا کہیں چُکے
کب تک شبِ فراق کے صدمے اُٹھائے دل

کاہے کو پھر کسی کو بُرا کہیئے اے ازل
دشمن نہیں ہے کوئی ہمارا سوائے دل

طالبِ جامِ ساقیا ہیں ہم
پر چھپا کر کہ پارسا ہیں ہم

نزع کے وقت دیکھنے آئے
جائیے آپ سے خفا ہیں ہم

رہتے ہیں ۔ ایک رسالہ موسوم بہ ہدیۂ اسحاق شائع کر چکے ہیں ۔ طبیعت سخن گوئی کی طرف مائل ہے مگر غیر زباں ہونے کے باعث کامیاب نہیں ہوتے ۔ بہ نظر انتخاب کلام دیکھا تو بمشکل یہ چند اشعار ہاتھ آئے ؎

یہاں اپنا جلوہ نہ دکھلائیے گا	تو محشر میں کہئیے کہاں جائیے گا
نہ جب کام آئے مری زندگی میں	تو کیا بعد مرنے کے کام آئیے گا
جلانا ترا کام جلنا مری خو	ہوں پروانہ میں بھی جو تو شمع رو ہے
نہ بھائی میں رہی الفت نہ یاروں میں رہی ملت	جو الفت ہے تو زر سے ہے یہی سب سے پیارا ہے
خدا بخشے اسے الفت تھی مجھ سے	وہ کہتے ہیں مری تربت پہ آ کے

اسد

(اسد) میر امانی مرحوم دہلوی رفیق نواب افضل علیخاں برادر نواب نجیب الدولہ وزیر ۔ مرزا رفیع السودا کے شاگرد تھے ۔ تباہی سلطنت کے بعد دہلی سے لکھنؤ اور مرشد آباد چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر اثنائے سفر لکھنؤ میں پچاس برس کی عمر میں بمقام سرائے بانگر مؤ چوروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ۔ مرد ظریف ۔ شیریں زبان اور خوش فکر تھے ۔ دیوان اور مثنوی ان کی یادگار ہے ؎

کھانے کو غم ہے پینے کو خوں دیکھنے کو داغ	سب عشق کا زہ ہمکو سرانجام دے گیا
جوں توں اسد کو لائے تھے اسکی گلی سے ہم	خانہ خراب راہ میں آکر مچل گیا
ٹک تو نے ہی گرم کی بغل رات	ہم سرد ہوئے تھے ورنہ کل رات
اثر ہو سنگ میں کیا کیونکر ان کو رام کریں	بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کریں
بزم بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس	کافر ہوں گر وہاں بھی خدا کا میں ڈر کروں
جس سے کہ دل ملا تھا جب آیا وہ سامنے	ملنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی
زلفیں ہی دیکھ کر کے جنجل ہدا رات ہو گئی	مکھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہو گئی
اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی	مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

یہ بلا ثمرہ کہ ارماں مل گئے سب خاک میں	تخم بویا دل میں کیوں میں نے تمہاری یاد کا
مرغِ دل طاق حرم میں صیدِ گیسو ہو گیا	ہے غلط واں زور چل سکتا نہیں صیاد کا
لا یا جوئے شیر بس اتنی ہی تھی اسکی بساط	الفت شیریں میں بچپن دیکھئے فرہاد کا
کیا ہے کشتہ صنم نے مجھکو لگا کے آنکھوں میں اپنے سرمہ	بروزِ محشر جناب موسیٰ ہم آپ سے انتقام لینگے

ازہر

(ازہر) منشی سید علی احمد شاہ باشندہ بریلی - جناب زہیر بریلوی سے تلمذ ہے اور مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم سے بھی مشورہ کیا ہے ؎

اپنا بیگانہ سمجھ کر دوست دشمن دیکھ کر	وار تو کرنا مگر اے چشم پر فن دیکھکر
کوئی بھی غیر کو اپنا سمجھتا ہے زمانہ میں	مگر اک آپ ہی ایسے زمانے سے نرالے ہیں
دیکھو ذرا آئینہ اُٹھا کر	کیا ہو گئی شکل رات بھر میں
شعلے اُٹھے دل سے دل میں بھڑکے	ہے اک ہی آگ سارے گھر میں
شوق سے ٹکڑے کرو دل نہیں انکار مگر	دیکھ لو اس کو ذرا میری نظر سے پہلے
ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں میں کسی کی رخصت	کاش ہو جائے سفر میرا سحر سے پہلے

اسحاق

(اسحاق) اسحاق علی خاں لکھنوی ولد فدا علی خاں شاگرد نواب عاشور علی خاں بہادر - نواب سالار جنگ کی اولاد میں صاحب دیوان بیان کئے جاتے ہیں - تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے - اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

باریک ہیں کو آئے گی کیوں کر نظر کمر	تار نگہ سے اور بھی نازک کمر کمر
آب رواں کے پٹکے نے طوفاں اٹھا دیا	اے بحر حسن آگئی کیا موج پر کمر
مشتاقِ قتل سمجھے اُسے چاند عید کا	تیغ ہلال سی جو ہوئی جلوہ گر کمر
نہ کوئی گل ہے نہ بلبل نہ باغباں نہ صبا	خزاں کے ہاتھ سے برباد ہے چمن کی ہوا

سحاق

(اسحاق) منشی محمد اسحاق اسحاق - خلف منشی نبی بخش مختار مظفر پور - موضع معیش پٹی نواح دربھنگہ کے باشندے ہیں مگر اکثر اپنے ماموں مولوی سراج الدین مختار کے پاس کلکتہ میں

منشی حبیب اللہ ضبط۔ عبدالرحیم خاں صاحب شرف وغیرہ صاحب دیوان ہیں۔ اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو

اچھا ہوا شباب کا عالم گزر گیا
اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اُتر گیا

کیا کیا نہ ذلتیں ہوئیں اس عشق میں نصیب
عزت گئی وقار گیا مال و زر گیا

ہر طرف اک شورِ ہاؤ ہوئے مستانہ رہا
خوب ہی اسکے برس زور دنیہ میخانہ رہا

ممکن نہیں شفا مرض عشق سے اسد
جائے گا جان لے کے یہ آزار دیکھنا

کمینے سے کبھی ہوئے شرافت آ نہیں سکتی
نہ شاخِ نخل حنظل میں ہویدا لطف صندل کا

کچھ بھی نہ تھے سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی ہونگے
آغاز وہ ہے اور یہ انجام ہمارا

مجکو وقفہ تیغ شمشیر اجل نے ندیا
وہ گھڑی دل مرے قاتل بیٹنے ندیا

ہمکو سمجھاتے ہیں یہ ہمدم کیا
دل ہی بس میں نہیں کریں ہم کیا

دوئی سمجھے ہوئے ہیں اہل نفاق
ورنہ ہیں یار سے جدا ہم کیا

دلِ گبر و مومن میں تیری جگہ ہے
صنم ہے کسیکا خدا ہے کسیکا

حجابِ دوئی کو جو دل سے اُٹھا دیں
تو پھر ہم ہیں اپنا بنا ہے کسیکا

یہی ہیں عیش کی راتیں یہی مراد کے دن
تمام عمر کا حاصل ہے یہ زمانِ شباب

سر یہ حاظر ہے تیغ اُٹھائیں آپ
دیکھتے کیا ہیں دہنے بائیں آپ

سچ بھی گر ہم کہیں تو وہ سب جھوٹ
اور ہے جھوٹ بھی تمہارا سچ

اے اسد سچ ہے بیش کا ذب جھوٹ
جھوٹ بھی جانتا ہے سچا سچ

ہوئے دل سے جو عاشق زار تیرے سمجھ لے انھی کو مرے تو بیٹے
جو مریض محبت و عشق ہوئے نہیں انکو دوا و شفا سے غرض

عنبریں مو شعلۂ رُو شمشاد قامت سیم تن
سوز میں بھی رکھتی ہے اک سایۂ سنجوفانہ شمع

رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن
شمع کا پروانہ عاشق عاشقِ پروانہ شمع

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع	یا رب نہ شبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی
مانے ہے کوئی وہ بتِ گمراہ کسو کی	گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسد

(اسد) نواب سلیمان خاں اسد لکھنوی۔ نبیرۂ نواب محبت خاں مغفور۔ نواب حافظ رحمت الملک مرحوم والئ روہیلکھنڈ کی اولاد اور نواب احمد حسن خاں جوش مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کا زمانۂ طالب علمی و شباب لکھنؤ میں گذرا۔ مشہور اساتذہ لکھنؤ کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ آتش۔ رند۔ صبا۔ وغیرہم کے مشاعروں میں شریک رہے۔ ابتدا میں چند غزلیں نواب عاشور علیخاں کو دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد تدبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۶۶ء میں جب صاحبزادہ محمد خاں شمشیر جنگ بطریق سیر لکھنؤ آئے تو بوجہ قرابتداری آپکی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد ازاں اُنکے اصرار سے ٹونک تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام کرکے چلے آئے۔ دورانِ قیام میں نواب صاحب نے بہت چاہا کہ آپ کے لئے کوئی سلسلہ وہیں ہو جائے مگر اُسوقت آپنے وطن کو خیرباد کہنا مناسب نہ سمجھا۔ ۱۸۷۰ء میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب فیروز جنگ نائب ریاست لکھنؤ تشریف لائے اور بتاکید ٹونک طلب فرمایا۔ خود بھی زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور بھی اکثر صاحبزادے شاگرد ہوگئے۔ چند سال بعد وظیفہ مسدود ہوگیا مگر بوجہ تعلقات آمد و رفت قائم رہی۔ حتیٰ کہ ۱۳۰۷ھ میں نواب صاحب خود شاگرد ہوئے اور آپ کو مشیرِ سخن مقرر فرمایا۔ اب عرصہ سے وہیں بود و باش ہے۔ خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت نے آپ کو ٹونک میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے۔ طبیعت تعصب اور غلو سے پاک اور آپکی ذات جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف ہے۔ ستر برس کے قریب عمر ہے۔ آپ کا کلام لطیف اور معنی خیز ہوتا ہے شوکتِ الفاظ سے آپکی قابلیت و استعداد ظاہر ہے۔ آپ ایک دیرینہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں۔ ٹونک کی مجالسِ مشاعرہ کی رونق اب آپکے دم سے ہے۔ دیوان اول معروف بہ انتخابِ اسد ۱۸۷۰ء میں منشی نولکشور نے شایع کیا تھا پھر دوسرا دیوان موسوم بہ مطلعِ خورشید ۱۸۹۶ء میں شایع ہوا۔ اب آپ پنشن پاتے ہیں۔ آپکے شاگرد بکثرت ہیں جنمیں سے منشی اصغر علی برق

منشی حبیب اللہ ضبط۔ عبدالرحیم خاں صاحب شرف وغیرہ صاحبِ دیوان ہیں۔ اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اچھا ہوا شباب کا عالم گزر گیا
اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا

کیا کیا نہ ذلتیں ہوئیں اس عشق میں نصیب
عزت گئی وقار گیا مال و زر گیا

ہر طرف اک شورِ ہاؤ ہوئے مستانہ رہا
خوب ہی اگلے برس زور دنہ میخانہ رہا

ممکن نہیں شفا مرض عشق سے اسد
جائے گا جان لے کے یہ آزار دیکھنا

کمینے سے کبھی بوئے شرافت آ نہیں سکتی
نہ شاخِ نخلِ حنظل میں ہو پیدا لطف صندل کا

کچھ بھی نہ تھے سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی نہ ہونگے
آغاز وہ ہے اور یہ انجام ہمارا

مجکو وقفۂ تہِ شمشیر اجل نے نہ دیا
وہ گھڑی دل مرے قاتل کا سینے نہ دیا

ہمکو سمجھاتے ہیں یہ ہمدم کیا
دل ہی بس میں نہیں کریں ہم کیا

دوئی سمجھے ہوئے ہیں اہل نفاق
ورنہ ہیں یار سے جدا ہم کیا

دلِ گبر و مومن میں تیری جگہ ہے
صنم ہے کسیکا خدا ہے کسیکا

حجابِ دوئی کو جو دل سے اٹھا دیں
تو پھر ہم ہیں اپنا بنا ہے کسیکا

یہی ہیں عیش کی راتیں یہی مراد کے دن
تمام عمر کا حاصل ہے یہ زمانِ شباب

سر یہ حاضر ہے تیغ اٹھائیں آپ
دیکھتے کیا ہیں دہنے بائیں آپ

سچ بھی گر ہم کہیں تو وہ سب جھوٹ
اور سب جھوٹ بھی تمہارا سچ

اے اسد سچ ہے بیشِ کاذب جھوٹ
جھوٹ بھی جانتا ہے سچا سچ

ہوئے دل سے جو عاشق نزار تر سے سمجھ لئے انھیں کو سے تو میٹا
جو مریضِ محبت و عشق ہوئے نہیں انکو دوا و شفا سے غرض

عنبریں مو شعلہ رو شمشاد قامت سیم تن
رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن

سوز میں بھی رکھتی ہے اک سازِ سخن فانہ شمع
شمع کا پروانہ عاشق عاشقِ پروانہ شمع

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسو کی	یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسد

(اسد) نواب سلیمان خاں آسد لکھنوی۔ نبیرۂ نواب محبت خاں مغفور۔ نواب حافظ رحمت الملک مرحوم والی روہیلکھنڈ کی اولاد اور نواب احمد حسن خاں جوش مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کا زمانۂ طالب علمی و شباب لکھنؤ میں گذرا۔ مشہور اساتذہ لکھنؤ کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ آتش۔ رند۔ صبا۔ وغیرہم کے مشاعروں میں شریک رہے۔ ابتدا میں چند غزلیں نواب عاشور علیخاں کو دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد تدبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۶۶ء میں جب صاحبزادہ محمد خاں شمشیر جنگ بطریق سیر لکھنؤ آئے تو بوجہ قرابتداری آپکی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد ازاں اُنکے اصرار سے ٹونک تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام کرکے چلے آئے۔ دوران قیام میں نواب صاحب نے بہت چاہا کہ آپ کے لئے کوئی سلسلہ وہیں ہو جائے مگر اُسوقت آپنے وطن کو خیرباد کہنا مناسب نہ سمجھا۔ ۱۸۷۸ء میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب فیروز جنگ نائب ریاست لکھنؤ تشریف لائے اور بتاکید ٹونک طلب فرمایا۔ خود بھی زمرۂ تلامذہ میں داخل ہونے اور بھی اکثر صاحبزادے شاگرد ہوئے۔ چند سال بعد وظیفہ مسدود ہو گیا مگر بوجہ تعلقات آمد و رفت قائم رہی۔ حتیٰ کہ ۱۳۰۸ھ میں نواب صاحب خود شاگرد ہوئے اور آپ کو مشیر سخن مقرر فرمایا۔ اب عرصہ سے وہیں بود و باش ہے۔ خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت نے آپ کو ٹونک میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے۔ طبیعت تعصب اور غلو سے پاک اور آپکی ذات جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف ہے۔ ستر برس کے قریب عمر ہے۔ آپ کا کلام لطیف اور معنی خیز ہوتا ہے شوکتِ الفاظ سے آپکی قابلیت واستعداد ظاہر ہے۔ آپ ایک دیرینہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں۔ ٹونک کی مجالس مشاعرہ کی رونق اب آپکے دم سے ہے۔ دیوان اول معروف بہ انتخاب اسد ۱۸۷۸ء میں منشی نول کشور نے شایع کیا تھا پھر دوسرا دیوان موسوم بہ مطلع خورشید ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔ اب آپ پنشن پاتے ہیں۔ آپکے شاگرد بکثرت ہیں جنمیں سے منشی اصغر علی

تم اچھے ہو ہم بُرے چلو خیر
اب تو نہیں کوئی بات شر کی

بہار آئی ہے خوش ہیں میکش شراب خُم سے ٹپک رہی ہے
شگوفے پھولے ہیں گُل کھلے ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
خیال ابرو رہا جو اکثر تو چلتے خنجر رہے جگر پر
یہ کسکی مژگاں کا ہے تصور کہ پھانس دل میں کھٹک رہی ہے

بلا ہوا وہی سب سے وہی جدا بھی ہے
وہی صنم وہی بندہ وہی خدا بھی ہے

زراہِ طنز وہ بولے مرے منانے پر
یہ منتیں ہیں عبث یاں کوئی خفا بھی ہے

سوال بوسۂ ابرو پہ وہ یہ کہتے ہیں
جواب اسکا فقط تیغ کی زبان پہ ہے

برسوں سجدے کئے کعبے میں تمہاری خاطر
مدتوں دیر میں جا جا کے جبیں سائی کی

بگڑے گا جا کے بزمِ خرابات میں اگر
تو رند محتسب کو مقرر بنائیں گے

ہو گئے ہیں یہ ہم سانس کے دم دعا گو سے
چار عنصر ہیں کوئی دم میں بکھرنے والے

پُر آب چشمے ہیں جنگل میں لہلہاتے ہوئے
چہار سمت ہیں بادل سیاہ چھائے ہوئے

نہ تربت سے جواب اصلاً دیا یارانِ رفتہ نے
ہزاروں مرتبہ جا جا کے ہم انکو پکار آئے

کرے اُلٹی چھری سے ذبح جب مقتل میں وہ مجکو
کہو بجھیں یہ قاتل سے کہ پھر کس طرح پیار آئے

عمر سب اِک بتِ کافر کی محبت میں کٹی
ہم خدا جانے مسلمان رہے یا نہ رہے

لطفِ ہستی کا دلا عہدِ جوانی میں اُٹھا
یہ زمانہ ارے نادان رہے یا نہ رہے

ہاتھ اُٹھاؤنگا نہ الفت سے بتوں کی بخدا
اسمیں جاسے میرا ایمان رہے یا نہ رہے

شبِ وصلت لذاں کیکر چھری پھیری نہ گردن پر
ہوئے ہم ذبح اے زاہد تری اللہ اکبر سے

بادۂ دولت کا ہے کیا نشہ تیز
ہوش کھو دیتا ہے یہ ہشیار کے

گلے ملی یہ محبت سے تیغ قاتل کی
کہ دم میں دم مرے جبتک رہے جدا نہ ہوئی

شاعروں نے عجب اندھیر مچا رکھا ہے
نام کاکل کا تری دام بلا رکھا ہے

نہ غنچۂ دل ہوا شگفتہ نہ پھل جوانی کا خاک چکھا
بُرا ہو کمبخت عاشقی کا خزاں میں فصلِ بہار بیں ہوں

زباں پر حضرتِ دل چاشنیٔ مرگ آئے گی
لبِ شیریں کے بوسے کیا کوئی مُنہ کے نوالے ہیں

دہن کا بھید تو باتوں سے کھل گیا لیکن
کمر کا آپ کی اب تک کہیں پتہ ہی نہیں

عدم کی جانب تمہارے عاشق جہاں سے اب ہارتے ہیں
لباسِ ہستی ہوا ہے میلا اُسے بدن سے اُتارتے ہیں

زباں پہ ہم لاتے ہیں ادب سے بتوں کا بھی نام ڈرتے ڈرتے
ہیں زاہد اللہ اکبر ایسے خدا کو جو یوں پکارتے ہیں

عدو کے نعروں میں ایسے آئے جو ہم سے وعدہ تھے سب بھلائے
وہ شرم سے اب ہیں سر جھکائے طمانچے خود مُنہ پہ مارتے ہیں

دونوں کا سر جھکا ہے تری بارگاہ میں +
یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں

دل اپنا تم کو دے کے منت بھی ہم بن گئے بندے
کہو جو کچھ ہو آئے تمہارے دین و ایماں میں

اُنکے خرام سے تہ و بالا ہے اک جہاں
زندے بہ تنگ جی سے ہیں مُردے عذاب میں

نمودِ صبحِ پیری ہے گئی راتیں جوانی کی
خیالاتِ جہاں خوابِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں

یہ معشوقانِ بے پروا جہاں میں کسکے ہوتے ہیں
انہیں دل دیکے عاشق آپ اپنی جان کھوتے ہیں

خبرِ مرگ میری سُنکے کہا
ایسے ہی جاں نثار ہوتے ہیں

ملتی نہیں قفس سے رہائی ہزار حیف
اور موسمِ بہار کے دن ہائے جاتے ہیں

ہر ب کعبہ قائل ہیں تری یکتائی کے وہ بھی
کبھی کو سجدے کرتے ہیں صنم زاہد نمازوں میں

قیمتِ نیم نگاہی بھی گراں ہے جو نہیں
دل یہ کہتا ہے میں اور اس سے بھی ارزاں ہو لوں

سسکتا چھوڑ کر جاتا ہے وہ مجھ نیم بسمل کو
خدارا ٹہر کے لے شوقِ شہادت رہ گئی اُسکو

کیا اک وار ہی میں اُسنے دو ٹکڑے مرے دلکو
جزائے خیر دے اللہ تیغِ نازِ قاتل کو

نہ الفت سے اسد اُس ابروئے خمدار کو دیکھو
گلے پر پھیرتے ہو آپ تم تلوار کو دیکھو +

کچھ سمجھ کر مری میت پہ کھڑے ہیں خاموش
حشر ہو جائے بپا گر وہ کہیں قم مجکو

وہ آئے ہیں پئی تعظیم دردِ اُٹھنے نہیں دیتا
تو ہی اب اُٹھ کے دردِ دل کسی صورت اُٹھا مجکو

نظر یاس سوئے خنجرِ قاتل ہے وہی
ذوقِ شوقِ نگہ دیدۂ بسمل ہے وہی

لبِ جاں بخش کا اُس بت کے جو دیکھا اعجاز
رہ گئے اپنا سا مُنہ حضرتِ عیسیٰ لے کر

آج سے کچھ نہیں عشقِ ازلی ہے مجھ کو
ساتھ ہم لے کے یہاں آئے ہیں سودا لے کر

ہے کسی کی نگہِ مست کا آنکھوں میں سرور
ساقیا کیا میں کروں ساغرِ صہبا لے کر

(اسرار) مرزا سپہر شکوہ گورگانی دہلوی ولد مرزا الٰہماسپ شکوہ ابن مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی مقیم لکھنؤ آپ صاحب کمال اور عالم آدمیوں کے بڑے قدردان تھے - مرزا قادر بخش صاحب صابر کے خسر اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے - دریائے جمن کے کنارے شاہ بڑے صاحب کے تکیے میں آسودہ ہیں - سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں انتقال فرمایا - تمام عمر اہلِ کمال کی صحبت میں بسر کی - انکا کلام ہدیۂ پیشِ نظر ہے ٥

وہ جب ہنستے ہیں میں کہتا ہوں یارب
یہ بجلی دیکھیئے گرتی کہاں ہے

پھر محوِ خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے
پھر شیشۂ دل اپنا پریخانہ ہوا ہے

(اسرار) بابو نادر مرزا صاحب شاگرد جلال لکھنوی - انکے والد نواب مرزا محکمہ پولیس ضلع بنارس میں سب انسپکٹر ہیں - بہم رسیدہ کلام حاضر ہے ٥

بُرا ہو اس محبت کا کہ راحت بھی مصیبت ہے
ستاتا ہے مرے دل کو کوئی آرام جاں ہو کر

بڑھایا غیر سے بھی ربط جب ملنے لگے مجھسے
جفا کرنے لگے وہ اور ہم پر مہرباں ہو کر

نہ پھینک انکو گلے سے اُتار کر گلرو
ارے یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل

اگر دیکھ لیتے وہ حالت ہماری
اثر اُن پہ کرتی محبت ہماری

(اسرار) منشی فدا علی لکھنوی شاگرد منشی وزیر علی وزیر لکھنوی - اکثر بمبئی میں رہتے ہیں کلام حاضر ہے ٥

وہ تو آئے نہیں شبِ وعدہ
منتظر ہوں قضا کے آنے کا

خوشی سے شیخ پئے بیعت سبو آئے
شرابِ ناب سے کر کے مگر وضو آئے

گئے تھے کھوئے ہوئے دلکو ڈھونڈنے لیکن
گنوا کے کوچۂ جاناں میں آبرو آئے

میانِ کعبہ خود ہوتی ہے جب توقیر پتھر کی	پرستش کیوں ہوئی پھر باعثِ تکفیر پتھر کی
صنم خانے کو تم دیکھو اگر شانِ حقیقت ہے	تو واں بھی زاہدو شانِ خدا کا کارخانا ہے
بتوں نے آنکھوں میں پھر پھر کے پتلیوں کی طرح	ہمارے ہوش تماشے دکھاؤ دکھا کے لئے
یہ کون کہتا ہے تمنے لبھا لبھا کے لئے	جلا جلا کے جگر دل دکھا دکھا کے لئے
خدا ہی جانے یہ بھید کیا ہے کسی کو اصلا خبر نہیں ہے	دہن کا اثبات بات سے ہے مگر ثبوتِ کمر نہیں ہے
ہزار افسوس جذبِ الفت کہ تجھ میں کچھ بھی اثر نہیں ہے	تڑپ رہا ہوں میں جسکی خاطر اُسے ذرا بھی خبر نہیں ہے
کہو کرے کیا وہاں پہ انساں نہ عقل ہو کس طرح سے حیراں	تلوّن ایسا ہے طبع میں واں کہ شام کو واں سحر نہیں ہے
چلی جو تیغِ نگاہِ قاتل کریگی وہ اک نہ اک کو بسمل	جو بچ گیا اُسکے وار سے دل تو جان لینا جگر نہیں ہے
نہ مُنہ کو یوں پیرہن سے موڑو بندھی ہوئی آس کو نہ توڑو	مریضِ الفت کا حال بھی تو کچھ ایسا نوعِ دگر نہیں ہے
یہ قدر دانی خلیل کی ہے مشیرِ شعر و سخن بنایا	اسد سراپا ہوں عیب مجھ میں کوئی بھی علم و ہنر نہیں ہے
حسیں سمجھ کے بتوں کو گو کر لیے سجدے	مرے خیال میں صنعت مگر خدا کی رہی
مٹا جہاں ہوا شور حشر بھی برپا +	چلت پھرت وہی اُس چشمِ فتنہ زا کی رہی
نہ بیٹھئے روزِ جزا جان بوجھ کر انجان	خبر تو آپ کو صاحب ذرا ذرا کی رہی

اسد

(اسد) عالیجناب نواب اسد یار الدولہ بہادر حیدرآبادی - حیدرآباد کے موزوں طبع رؤسا میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں ہے

اے دل دغا شعار ہے وہ تو یہ جان رکھ	ناداں چار باتوں میں اُس کی بہل گیا
کسی صوفی کے جو آنکی خبر سن لی ہے	وجد کرتا ہوا محفل میں ہو آتا ہے
مثلِ تصویر کے چھا جاتی ہے حیرت سب پر	جبکہ محفل میں مرا آئینہ رو آتا ہے

اسد

(اسد) منشی سید شبیر علی باشندۂ پٹنہ موزوں طبع آدمی ہیں حضرت شہرت کے تلمذ سے فیضیاب ہیں ۱۸۹۱ء میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہیں ہے

پھونک کر کس نے کیا طور کو سرمہ ایسا	آگ آپ آئے تھے کیا حضرتِ موسیٰ لیکر

نکلا وہ بے نقاب تو عالم وہ کیا کہوں — گردوں بھی نور کا تھا زمیں بھی تھی نور کی
سنتے ہی عمر گزری ہے زاہد خدا گواہ — تو نے دکھائی بھی نہ کبھی شکل حور کی
کاٹ کر سر پوچھتے ہیں ناز سے — دل میں باقی کوئی حسرت اور ہے
یونہیں انکو نہیں ڈرتے ہوئے — وہ ڈرتے ہیں خنجر اٹھاتے ہوئے
سچ بتا کونسی قاتل وہ ادا ہوتی ہے — جسپہ سو جان سے قربان قضا ہوتی ہے
ڈالا ہے پردہ شوق نے بسمل کے سامنے — قاتل کو پوچھتا ہے وہ قاتل کے سامنے

اسیر

(اسیر) منشی ہدایت علی خلف سید امیر علی۔ بزرگوں کا وطن قصبہ زیدپور من مضاف لکھنؤ تھا مگر بسبب روزگار اکثر میرٹھ میں رہے۔ حضرت مصحفی اور نواب حسین علیخان اثر سے اپنے کلام میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ فارسی میں اسیری اور اردو میں اسیر تخلص تھا یہ انکا کلام ہے ؎

ہم جب موسیٰ اڑاتے ہیں شرر سے ہاتھ پاؤں — یار نخل آتشیں ہیں اب ہمارے ہاتھ پاؤں
گوہر مقصود تمہیں نہ شہ پائے تشنا — بحر الفت میں دہان لکھوں کے مارے ہاتھ پاؤں

اسیر

(اسیر) [illegible] قوم کے نصرانی۔ شاہ نصیر دہلوی کے نامی شاگردوں میں تھے سمرو صاحب فرانسیسی کے بیٹے ظفریاب خاں صاحب کے رفقا میں تھے۔ نہایت پرزور۔ تنومند۔ اور فہیم و شجیع آدمی تھے شعر بھی اچھے کہتے تھے ملاحظہ ہو ؎

شمع فانوس میں در پردہ جلی ہے دیکھو — شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر
ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں بیتاب ہیں — کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

اسیر

(اسیر) سید فضل نبی برادر خورد و شاگرد سید آل نبی لائق باشندۂ شاہجہاں آباد۔ بہادر شاہ کے زمانے میں نشو و نما پایا تھا۔ انکے والد مولوی غلام علی آشفتہ تھے۔ کلام سے طبیعت میں شوخی۔ فکر میں رسائی پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو ؎

نہ ملے گا جو کوئی ڈھونڈے گا — بے وفا تم سا باوفا ہم سا
ہچکیاں سب بے وقت آتی ہیں اسیر — وقت مردن میں کسے یاد آ گیا

یہیں سے جاؤں گا میں بزم وعظ میں سیدھا | پلا شراب وہ ساقی نہ جسمیں بو آئے

اسلم

(اسلم) حافظ محمد اسلم صاحب باشندۂ جے راج پور ضلع اعظم گڑھ - حکیم معشوق علی صاحب جوہر کے تلامذہ میں ذی لیاقت و خوش فکر ہیں عرصۂ دراز تک اُستاد کا فیض صحبت اُٹھایا ہے - آپکی استعداد عربی دفارسی میں بہت معقول ہے رنگ زمانہ اور مذاق عام کے خیال سے غزل گوئی چھوڑکر اخلاقی نظموں کی طرف مائل ہیں - جو اخباروں میں شایع ہوتی رہتی ہیں - چند روز سے پیسہ اخبار کے دفتر میں عربی سے اُردو ترجمہ کرنے پر مامور ہیں - غزلوں کے اشعار چست اور مزے دار ہیں - اخلاقی نظمیں بھی مفید اور موثر ہوتی ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے ٥

گردشِ قسمت سے ہے اُلٹا اثر تدبیر کا | وہ بھی اب ملتا نہیں جو ہے میری تقدیر کا

وہ آئیں یا قضا آئے شبِ غم
ہاں دیکھو شبِ وصل بھی آنکھیں نہ لڑاؤ
کیا لذتِ بیداد ہے کرتا ہوں دعا میں
تن تن کے کہتا ہے ترا خنجرِ بیداد
شبِ فرقت کی ظلمت اک بلا ہے

کوئی غمخوار ہو جانِ حزیں کا
لگ جائے نہ دھبا کہیں دامانِ حیا میں
اللہ کرے اور ترقی ہو جفا میں
آ جائے مزا ہو جسے آبِ بقا میں
نہیں آتی قضا بھی جسکے ڈر سے

اسلم

(اسلم) منشی سلامت اللہ کانپوری - اخبار ملک وملت حیدرآباد دکن کے منیجر تھے جو اب بند ہے - فی الحال پیشکار صاحب مدار المہام حیدرآباد کی سرکار میں ملازم ہیں - ۳۲ - ۳۳ برس کی عمر ہے موزوں طبع شاعر ہیں - جناب جلیل مانکپوری جانشین امیر مینائی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - پہلے نوبت رائے نظر ایڈیٹر خدنگ نظر سے اصلاح لیتے تھے - کلام درج ذیل ہے ٥

کیا اُسنے پامال تربت کو آکر
کھڑے ہیں جو مشتاقِ دیدار آکر
ذرا مل تو لوں میں کہ ہے وقتِ آخر
بس اب طاقِ ابرو میں سجدہ کرینگے

کفِ پا کے بوسے دئے ہیں ہٹاکر
دکھا دو انہیں جلوہ چلمن اُٹھاکر
گلے سے نہ خنجر کو قاتل جدا کر
الگ ایک عالم سے کعبہ بناکر

استنے دہن پہ بے سخنی ہو تو سیر ہے	لاکھوں ہیں زخم پر لب ہر زخم ہے خموش

(اسیر) تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی سید مظفر علیخاں بہادر جنگ قصبہ امیٹھی نواح کے رہنے والے تھے والد کا نام سید مدد علی تھا جو محمد صالح کروڑی کی اولاد میں تھے۔ بارہ برس کی عمر میں اپنی ننھیال شیخ زادگانِ لکھنؤ میں شادی ہوئی۔ عربی اور جملہ علوم و فنون کی کتابیں علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ شعر گوئی میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ مگر شیخ صاحب دو تین برس بعد ہی فوت ہو گئے۔ منشی صاحب ممدوح نے اپنی ذہانت اور طبع رسائی سے وہ کمال پیدا کیا کہ لاجواب ہوئے اور فخرِ استاد کہلائے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں سرکار شاہی میں متوسل ہوئے حضرت امجد علی شاہ کے وقت میں جو ہری سلطانی کے مشیر دار اور داروغۂ زندان دو دھر رہے پھر ۹ برس سلطان العالم واجد علی شاہ کی مصاحبت میں گزارے۔ بادشاہ کا بے کاسہ اپنے کلام میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ خطابات مذکور آپ ہی نے عطا فرمائے تھے سلطان العالم جب انتزاع سلطنت کے بعد کلکتہ تشریف لے گئے تو آپ نے رفاقت منظور نہ کی۔ چنانچہ بادشاہ سخت آزردہ خاطر ہوئے جس ناراضی کا جابجا اپنی تصانیف میں اظہار کیا ہے۔ بعد غدر نواب یوسف علیخاں ناظم والیِ رامپور نے قدر دانی فرما کر رامپور طلب کر لیا اور اپنے کلام میں مشورہ بھی فرماتے رہے۔ بقیہ مدۃ العمر اسی ریاست کے دعاگو رہے۔ انکی تصانیف میں سے چار اُردو کے دیوان اور ایک فارسی کا دیوان اور مثنوی درۃ التاج اور رسالہ عروض چھپ چکی ہیں۔ منشی امیر مینائی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ اردو کے چھ دیوان تھے۔ مرثیے اور قصائد بھی بہت سے لکھے ہیں۔ بڑے پُرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ اپنے زمانہ کی روش کے موافق رعایت لفظی کے اسیر اور اہل لکھنؤ میں اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ انکے جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے میں کسیکو کلام نہیں۔ قابل حیرت پرگوئی کے ساتھ ساتھ اچھا کہتے تھے طبیعت کا زور ضخیم دیوانوں میں نہیں سماتا جس سے ظاہر ہے کہ شبانہ روز اسی مشغلہ میں گزارتے ہونگے۔ اسیر موصوف شاعری کے علاوہ دیگر علوم متعارفہ میں بھی کمال رکھتے تھے چنانچہ عروض میں یگانۂ عصر خیال کئے جاتے تھے

جواب نامہ نہ لکھنے سے یہ ہوا ثابت
ارادہ رکھتے ہیں شاید وہ آپ آنے کا

خون ان ہاتھوں سے کتنوں کا ہوا میرے بعد
رنگ لائی ترے ہاتھوں کی حنا میرے بعد

روز کے وعدوں میں مرجائیں گے ہم
یونہی گذری تو گذر جائیں گے ہم

خط غیر کا اس شوخ کو آیا مرے آگے
آیا مری تقدیر کا لکھا مرے آگے

قاصد ڈرتا ہے [illegible] نگتے خط
ایسا نہو وہ جواب دیدے

بہتر نہیں کسی سے یہ ہمدم کی چھیڑ چھاڑ
کہتے نہ تھے اسیر وہ آخر بگڑ گئے

(**اسیر**) میر گلزار علی - خلف ولی محمد نظیر اکبرآبادی - خلیفہ کے لقب سے ملقب تھے - تاج گنج آگرے کے مدرسہ میں مدت تک مدرس رہے - اگرچہ اپنے والد کی ہمہ گیر اور پسندیدۂ عام طبیعت نہیں پائی تھی مگر انکے خلف کہلانے کے ضرور مستحق تھے - صاحب دیوان ہیں سنہ ۱۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے ۷۰ برس کی عمر پائی - دیوان کے سوا ایک مثنوی سوز عشق بھی انکی یادگار ہے - انکا کلام یہ ہے

مکتب سے اٹھے قیس بھی لیلی تب سے [illegible]
انکو بھی سکھادے تو بھلا کوئی ایسا

بزم میں سوز و گداز اپنے سے فرصت نہ ملی
شمع کو روتے نہ پروانے کو جلتے دیکھا

گلشن میں جو ہے آمد ایام بہاری
بیتاب ہیں مرغان گرفتار قفس میں

ہم رہ گئے وہ ہڈیوں کے ڈھیر لحد میں
گر ان زمیں بھی نہو سیر لحد میں

خط کبوتر کو دے کے لاکھ طرح کے ہیں خیال
خاطر وسوسۂ پرواز کا دیوانہ ہوں

بے دل کے جلے سوز جگر میں نہیں ہوتا
خوشبو کے لئے آگ پہ رکھتے ہیں اگر کو

[illegible] کی دنیا سے ٹھہرا لی
کوئی پھر لاکھ ٹھہرالے ولیکن دل کیا ٹھہرے

نیت تو طواف حرم کی بندھی ہوئی
پر دل میں دھن ہے کوئے صنم کی بندھی ہوئی

خدا کو یاد کرا او جام بھر کے لا ساقی
غم زمانہ فراموش ہو تو اچھا ہے

[illegible]
انکو تلخی شکر آمیز خدا نے دی ہے

ہو تن سے جدا منزل مقصود کو پہنچے
بے منت پا منزل مقصود کو پہنچے

نشیمن طائرِ روح کا ہے تیغِ جاناں پر
ازل سے عشق ہے دلکو ترے روئے کتابی سے
خضر رہبر آبِ حیواں سے سکندر بے نصیب
اُسکو منظورِ نظر ہے اور کچھ ہوتا ہے کچھ
دلِ مجروح کو کیا دیکھنے آئے ہو بے پردہ
آئے وہ بال کھولے ہوئے بہرِ فاتحہ
کرتا ہے منع ہمکو تو واعظ شراب سے
کاٹ کر بے جرم سر میرا بہت پچھتانے کا
دربا بتاتے ہیں ہزاروں کو بے خبر
بے مانگے رزق دیتا ہے ہر روز وہ کریم
دورِ چشمِ یار نے بدمست عالم کو کیا
دل میں اپنے ہے جگہ اُس بتِ کافر کی اسیر
ضد سے جلتا ہے یہاں کافر و دیندار میں فرق
جلتے ہیں غم سے جان و دل و سینہ و جگر
زنجیرِ تعلق مرے پاؤں سے تو نکلے
آیا ہے ہمکو ہاتھ یہ مضمون چراغ سے
دے جنوں ہمکو جنوں کو دیں مبارکباد ہم
اپنی بربادی سے کرتے ہیں جہاں کو شاد ہم
ضربِ شمشیرِ قضا سے کوئی بچنے کا نہیں
تنگ ہیں قیدِ مکاں سے اب یہ تنگ خیال

جمعہ اگر نہیں تو دو شنبہ کو آیئے

ہزاروں بلبلیں بیٹھی ہیں دیوارِ گلستاں پر
اگر باور نہو کہدوں میں رکھکر ہاتھ قرآں پر
کامیابی دہر میں موقوف ہے تقدیر پر
ہنستی ہے تقدیر کیا کیا صاحبِ تدبیر پر
چھپا وہ چہرہ دکھو چاندنی پڑتی ہے بسمل پر
نازل نئی بلا ہوئی اہلِ قبور پر
دنیا ہے آپ جاں شرابِ طہور پر
رحم آتا ہے مجھے نادانیِ جلاد پر
مردوں کو جاکے کرتے ہیں زندے سلام دور
کب تک تلاش بُت ہو سوتا کجا ہوس
ڈھونڈتے پھرتے ہیں زاہد ہی دوکانِ مئے فروش
نالۂ دل ہے کہ ناقوس صنم خانۂ عشق
زاہد اتنا تو نہیں سبحہ و زنار میں فرق
چاروں طرف ہے آگ بجھاؤں کہاں تلک
ہے فاصلہ دو گام کا ہستی سے عدم تک
روشن اُسی کا نام ہے جو جلائے دل
قید ہو کر سب بلاؤں سے ہوئے آزاد ہم
باغِ عالم میں ہیں مثلِ نکہت برباد ہم +
فائدہ کیا کیوں بنائیں قلعۂ فولاد ہم
جا سد یوار عزلت کو کریں برباد ہم +

شنبہ کو شب ہے آپکو سب تنہا کیجیے

ایک اور امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دہلی اور لکھنؤ کے مباحثات فوقیت زبان سے محترز رہے اور اکثر موقعوں پر شعراے دہلی کے دلفریب اور پرتاثیر کلام کی داد دے کر آپ نے اپنی سلیم المذاقی بے تعصبی اور بلند نظری کا ثبوت دیا۔ لکھنؤ میں آپکے بیسیوں شاگرد تھے جن میں سے حضرت امیر مینائی مرحوم۔ منشی احمد علی شوق۔ میر افضل رسول خاں واسطی۔ اسد اور آپکے دو صاحبزادے جناب حکیم اور افضل درجہ امتیاز رکھتے ہیں۔ شعراے لکھنؤ میں وزیر۔ رند۔ صبا کے بعد آپ کا دم بہت غنیمت تھا۔ آخرکار ۸۰ برس کی عمر میں بمقام رامپور ۱۲۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آپکے دونو صاحبزادے عمائدین لکھنؤ میں شمار ہوتے ہیں اور شعر و شاعری میں ہمارے مذاق کے۔ کلام کا انتخاب پیش کش ہے ؎

انتخاب از دیوان اول موسوم بہ گلستان سخن

شیشہ رہے بغل میں جامِ شراب لب پر
ساقی یہی مزا ہے دو دن کی زندگی کا

ہم دامِ غم سے چھوٹے مدت کے بعد مر کر
روتے ہیں کیوں احبا موقع ہے یہ خوشی کا

چھوٹتے ہیں اقربا جاتے ہیں ہم سوئے عدم
بیکسی کا وقت ہے چھایا ہے عالم یاس کا

غم ہے اس بحر میں کیا بے سر و سامانی کا
ناخدا خود ہے خدا کشتیِ طوفانی کا

ضعف سے پیوند میں ہر جا زمیں کا ہو گیا
مثلِ نقشِ پا جہاں بیٹھا وہیں کا ہو گیا

امیروں کی سفارش ہو مبارک اہلِ دنیا کو
خدا سے سلسلہ ہے مجھ گدائے بےکس کا

باغباں اُڑ کر کہاں گلشن سے جائے عندلیب
بوئے گل کی موج ہے زنجیرِ پائے عندلیب

ہو عیاں کچھ بھی جو تاثیرِ فغانِ عندلیب
باغباں پھولوں سے چھوٹے آشیانِ عندلیب

زاہدانِ خشک کے تقویٰ کا میں قائل نہیں
آشکارا رند پیتے ہیں تو یہ پنہاں شراب

ہجوِ شراب پیشۂ زاہد ہے ساقیا
یہ شپرہ ہے منکرِ تنویرِ آفتاب

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست
مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست

کس سے کہوں تلوّنِ ابنائے روزگار
دشمن یہ لاکھ بار ہوئے لاکھ بار دوست

ربط ہے معشوق سے عاشق کو پیغام اجل | جب پلٹتا ہے جلا دیتا ہے شعلہ خار کو
زمانہ رنج دیتا ہے بقدر جان انساں کو | گدا کو فکر ناں اندیشۂ عالم ہے سلطاں کو
نہ اٹھا اُس رُخ روشن سے پردہ ہو چکا محشر | وہی شوق تماشا رہ گیا اہل تماشا کو
اب کیا کبھی ہوئی نہیں معشوق سے وفا | تیشے نے کیا سلوک کیا کوہکن کے ساتھ +
ایک کیا ایسے جو سو عالم خدا پیدا کرے | غیر ممکن ہے کہ تجھسا دوسرا پیدا کرے
صبر کی لذت اگر طبع گدا پیدا کرے | خشک روٹی نان نعمت کا مزا پیدا کرے
نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی | آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی +
ساقیا کم ظرفیاں تیری پسند آتی نہیں | ایک ساغر کیا کرے پی کر جو دریا نوش ہے
وہ کون ہیں جو دوست سے کرتے ہیں دشمنی | تجھ کو تو دشمنوں سے محبت پسند ہے
خالی ہمارے سامنے لایا ہے ظرف مے | ساقی کی طبع کتنی کفایت پسند ہے
بوسے کے مانگنے سے خفا اس قدر نہ ہو | ایک بات ہے کہ منہ سے ہمارے نکل گئی
قاتل کی تیغ تیز عجب کام کر گئی | بن کر ہوا ہمارے گلے سے اتر گئی
جاں بخشی زمانہ ترے لب کا کام ہے | یہ نائب مسیح علیہ السلام ہے
دل مائل زیارت بیت الحرام ہے | اے ساکنان دیر ہمارا سلام ہے
مسجد کو کس کا قصد ہے قتل عام ہے | پیچھے صفوں سے خوف کے مارے امام ہے
کس کام کی نماز ہو جس میں تیری یاد | سجدہ جو تیرے در کے سوا ہے حرام ہے
کاغذ تمام ۔ کلک تمام اور ہم تمام | پر داستان شوق ابھی ناتمام ہے
زاہد تجھے ہے وقت عبادت بتاں کی فکر | ایسی نماز کو تو ہمارا سلام ہے
ناقبول خلق تھا ایسا بنا کافر جو میں + | جتنے ہندو تھے مری ضد سے مسلماں ہو گئے
گلوں کی سیر کو گلشن میں ہم گئے تھے اسیر | لپٹ لپٹ گئے کانٹے ہمارے داماں سے
کھینچ لایا ہے قفس تک ہمیں دانا پانی + | دیکھئے دانہ فلک بند کرے یا پانی +

اسی کا ذکر ہیں جلوہ اسی کا نور کعبہ میں
نزاعیں اس قدر ہیں کس لئے گبر و مسلماں میں

ساقی اسی سے رکتے ہیں شمشیر غم کے وار
جام شراب سے کوئی بڑھکر سپر نہیں

خون ناحق کا ہمارے داغ مٹنے کا نہیں
تیغ میں ہوگا اگر قاتل کے داماں میں نہیں

کعبہ ہے ایک بتکدہ زاہد گلی گلی +
بت لاکھ رنگ میں ہیں خدا ایک رنگ میں

اندیشہ مجھکو سختی ایام سے نہیں +
رزاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں

بیان کرتی ہے مستی میں راز بادہ پرست
شراب شرع میں اسواسطے حلال نہیں

تجھسے آگے ترے یہ حوصلۂ حور نہیں
حور کیا اسکے فرشتے کا بھی مقدور نہیں

فارغ جہاں میں رنج سے اہل قلم نہیں
ہرگز بغیر زخم زبان قلم نہیں

غربت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کچھ احتیاج بارش ابر کرم نہیں

ہو درد کسیکا تا نہو دنیا میں تجھکو رنج
رہزن بھی لوٹتے ہیں تو تنہا کو راہ میں

امیروں سے فقیروں میں زیادہ سوز الفت ہے
دوشالے میں کہاں وہ جسقدر گرمی ہے کمبل میں

ہوگیا وحشت سے ایسا بسملوں کا خون خشک
ایک بھی دھبا لہو کا تیغ قاتل میں نہیں

معجز لب سے جلایا تمنے مردہ غیر کا
کیا ہماری لاش قابل ایک ٹھوکر کے نہیں

ہو اگر قاتل بھی سر پر ترک حق کوئی نہ کر
موت تیری جز خدا قبضے میں خنجر کے نہیں

بسر کی ابتدا و انتہائے عمر ماتم میں
محرم میں ہوئے پیدا قضا آئی محرم میں

زردار تم سا کوئی نہیں کائنات میں
دینار داغ ہمکو دئے ہیں زکات میں

حور ہر ایک خوبرو کوبکو چہ رنگ و بو
باغ جناں ہے لکھنؤ ہے یہاں کہیں نہیں

خاک ہے سب بود ہمد شاہ گدا سے کم نہیں
تخت نہیں علم نہیں تاج نہیں نگیں نہیں

اٹھ گئی ساری کچہری ہو چکا سب کا حساب
ڈھونڈتے ہی رہ گئے محشر میں ہم جلاد کو

اے طبیبو موت نے کھویا ہر اک آزار کو
کم نہیں دار الشفا سے گور مجھ بیمار کو

مدتوں کھائی ہیں ہمنے مسجدوں میں ٹھوکریں
ڈھونڈ کر آخر نکالا خانۂ خمار کو

جو مال کے طالب ہیں کوئی ان سے یہ کہدے
آفت ہوئی قاروں کیلئے زر کی محبت

عمر بھر تیرے گھر رہے صیاد
اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر

میخانۂ جہاں میں تھا بادۂ نشاط
پچھتائے توبہ تیرے گنہ گار توڑ کر

غریب خانے میں آئے تو سرفراز کیا
خوشا نصیب قدم آپکے مرے سر پر

پھر وہی ہونگے قفس میں ترے نالے بلبل
چھاؤنی چار دن اس باغ میں چھالے بلبل

کیا قیامت ہیں تری او بتِ عیار آنکھیں
دونو عالم سے گیا جس سے ہوئیں چار آنکھیں

بری گناہ سے کیونکر جہاں میں ہو انساں
یہاں تو آکے فرشتے گناہ کرتے ہیں

خدا کا سجدہ جو رکھا ہے سنگ پر جائز
یہ اہل شرع بتوں سے بھی راہ کرتے ہیں

مفلس کو اس نے آکے مرقع بنا دیا
بیکار جسم رہ گئے جانیں نکل گئیں +

جب تک میں ہوش میں ہوں فسانہ سنیں ترا
جب تک رہے زبان تری گفتگو کریں

بدگماں عاشقِ مضطر سے اگر ہو بس مرگ
لا کے بھاری سا لحد پر کوئی پتھر رکھ دو

بنایا پری وش نے دیوانہ ہمکو
وہ طالع تمہارے یہ قسمت ہماری

زیست کہتے ہیں جسے ہے اضطراب
موت کہتے ہیں جسے آرام ہے

تمسے ہم ہوں جدا یہ ممکن ہے
ہمسے ہو جاؤ تم خدا نہ کرے

دلکو پکڑے ہوئے ہم سامنے آئے سو بار
تمنے اتنا نہ کہا حال تمہارا کیا ہے

مسیحا کو دیکھا دوا ہوگئی
اشاروں میں مجکو شفا ہوگئی

انتخاب از دیوان سوم وچہارم

گرمی کا شکر چاہیے اے اشتیاق دید
سوتے میں اسنے منہ سے دوپٹا الٹ دیا

خاکساری سے نہیں بہتر جہاں میں کیمیا
[illegible]

دے خدا نے جو غنی [illegible]
گر دیا نٹ کے زر صاحب خزانہ ہوا

عبرت کا ہے مقام زمانے کا انقلاب — تکیہ فقیر کا ہے لحد بادشاہ کی

چشم مردم سے یہاں چھپ کے جو کرتے ہیں گناہ — جانتے کیا نہیں اتنا کہ خدا ناظر ہے

خاصیتِ سیماب ہے عاشق ہیں تمہارے — کشتہ ہو جب تک اسے آرام کہاں ہے

بجا ہے ترک عبادت کرے جو صاحبِ زر — پڑھے نماز وہ کیا نشۂ شراب میں ہے

پھنسایا مفت دل نے گرگئے الفت بیوفاؤں سے — معاذ اللہ کچھ تو آدمی اچھا بُرا سمجھے

لالے کے پھول اُگتے ہیں فصلِ بہار میں — ہر سال زندہ ہوگا جو اُسکا شہید ہے

اہل ریا کا ظاہر و باطن کہاں ہے ایک — دل میں صنم بغل میں کلام مجید ہے

تھک چکے ہیں پاؤں اُسکا آستانہ دور ہے — دن ہے کم منزل کڑی ہے اور جانا دور ہے

بے ہنر مسند نشیں اہل ہنر در در خراب — عقلِ انساں سے خدا کا کارخانہ دور ہے

نہ دوزخ کو سمجھتے ہیں نہ جنت کو ہم اے واعظ — فراقِ یار دوزخ ہے وصالِ یار جنت ہے

انتخاب دیوان دوم معروف بہ ریاض مصنف

کیا خوب ہو موت آئے جو سب سے مجھے پہلے — نازکی سے یہ دل داغِ عزیزاں نہ اُٹھے گا

بے مشقت نہیں ہوتی کوئی راحت حاصل — غرقِ دریا ہوا غواص تو گوہر پایا

چاہئے اور بھی او ترک کرم تھوڑا سا — تیرے زخمی میں ہے باقی ابھی دم تھوڑا سا

لاغری نے مجھے ہستی سے کیا ہے معدوم — اے اجل ڈھونڈتی پھرتی ہے کسے ہوش میں آ

حشر میں دشمنوں سے دوست ملے — ترکِ انبوہ جشنِ عام ہوا

داغِ دل اپنا چھپانے سے عیاں دونا ہوا — شمع خاموش ہوئی جلنے دھواں اور ہوا

دل چاک چاک ابروئے خونخوار نے کیا — کعبے کو کربلا تری تلوار نے کیا

دستِ رنگیں سے خوں بہا میرا — یہی کافی ہے خوں بہا میرا

دل جلا کر رخِ محبوب کا جلوہ دیکھا — ہم نے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

اس لئے دامن سے میرے اشک پونچھے یار نے
تا تمنا میں اسی لذت کی یہ رویا کرے

جسکو کہتا ہے جہاں آگے خدا کا نام ہے
اے صنم وہ تیرے وعدہ کی وفا کا نام ہے

باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو
کیونکر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

اے تیغ جفا کمی نکرنا
سوگند تجھے مرے لہو کی

سارے علاج آگے اجل نے بھلا دئے
حکمت وہ کیا ہوئی کوئی پوچھے حکیم سے

کچھ تو الفت کی ترے کوچہ سے بو آتی ہے
گرد اٹھکر میرے دامن سے لپٹ جاتی ہے

آگیا ضعف ہی کچھ کام کہ تربت میں اسیر
ہوگئی ختم قیامت مرے اٹھتے اٹھتے

اسیر

(اسیر) مولوی علی احمد خاں - گو انکا اصلی وطن بریلی ہے مگر بدایوں میں رہتے ہیں - اور حضرت نداق کے شاگردوں میں سے ہیں - کلام منتخب ہے ؎

دیکھکر خنجر جھکایا خود سرِ خجر نیاز
رحم اس پر بھی نہ آیا قاتل خونخوار کو

ادائیں نہ کیوں چشم کی ہوں پسند
اٹھاتے ہیں سب ناز بیمار کے

یہ دو دن کا ہے رنگ بو باغباں
نہ تو پھول پھولوں پہ گلزار کے

اسیر

(اسیر) منشی محمد سمیع اللہ اسیر باشندہ میرٹھ شاگرد مولانا احمد حسین شوکت دور موجودہ کے شعرا میں ہیں ؎

کیا تیر نگہ سے نے صید جاں کو
کماں کش ہاتھ سے رکھدے کماں کو

تری طرزِ جفا تھی آئیں ورنہ
اٹھاتا کون بار آسماں کو

مزا آتا ہے دردِ دل کو سنکر
وہ کہتے ہیں کہو پھر داستاں کو

پھنسے دامِ بلا میں تم اسیر آہ
نہ چھوڑیں گے وہ گیسو مرغ جاں کو

اسیر

(اسیر) منشی سید سجاد میرزا مرحوم خلف الرشید فخر الشعرا مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر مدظلہ العالی - ایسے باکمال باپ کے فرزند ارجمند ہونے کے علاوہ خود ہر طرح ذی لیاقت اور صاحب ہنر تھے - علوم متعارفہ میں اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی - شعر گوئی کی طرف کم توجہ تھی

تابِ نظارۂ معشوق کہاں عاشق کو
غش نے موسیٰ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

بیہوشی خوب تھی کچھ فکر زمانے کی نہ تھی
ہوش جاتے رہے جس دن سے ہمیں ہوش ہوا

جو عاقل ہے اُٹھا دل سے تعلقِ دہرِ فانی کا
دم آیا یا نہ آیا کیا بھروسہ زندگانی کا

مستی میں ترنگ آگئی جب مست کو تیرے
زاہد کا عمامہ سرِ بازار اُتارا

بت کدہ کی میں سیر کر آیا
واں خدا ہی خدا نظر آیا

ہوں وہ بسمل کہ ہوں میں عاشقِ درد
دل بھر آیا جو زخم بھر آیا

مطلبِ دل بے طلب ہو جائیگا
جب خدا چاہے گا سب ہو جائیگا

مارا مرے مر صبحِ شبِ وصل گزر کر
مرجھائے ہوئے پھولوں کا جب ہار اُتارا

نجات دنیا کے مخمصوں سے ہمیں نہ کوئی دینے والا
دراز عمرِ حسامِ قاتل جو آسرا ہے تو اُسکے دم کا

پیری میں تیز رنگِ ریاضِ سخن ہوا
آئی خزاں تو اور شگفتہ چمن ہوا

جاتے ہی کہہ دوں گا میں مجرم ہوں تو ربِ کریم
سوچ رکھا ہے سوالِ روزِ محشر کا جواب

اُٹھنا انہیں منظور ہے پہلو سے ہمارے
حیلہ ہے کہ دیکھی نہیں جاتی تپشِ دل

کم ہو نہ ذرا پھر خدا سے تپشِ دل
ایسا نہ ہو ہاتھ اپنا وہ سینے سے اُٹھالیں

دھوم محشر میں ہوئی جب تری آمرزش کی
بیگنہ مل گئے چھپ چھپ کے گنہگاروں میں

نظر آتا ہے ترا چہرۂ زیبا کس کو
حسن بے پردہ ہے پر تابِ تماشہ کس کو

زیست ہے مرگ محبت میں مجھے مرگ ہے زیست
ملک الموت کہوں کسکو مسیحا کس کو

اب کہاں وہ لکھنؤ وہ ساکنانِ لکھنؤ
رہ گئی باقی زبان پر داستانِ لکھنؤ

ساغر ہمارے ہاتھ لبِ آب جو پیو
تنہا جو مے پیو تو ہمارا لہو پیو

کوئے قاتل کو جو چلتا ہوں تو سایہ ڈر کر
پوچھتا ہے لئے جاتے ہو کہاں تم مجھکو

پہلو میں وہ عیسیٰ ہے اجل سر پہ کھڑی ہے
کیا جان دمِ نزع کشاکش میں پڑی ہے

کچھ حالِ شبِ وصل و شبِ ہجر نہ پوچھو
جتنی کہ یہ چھوٹی ہے وہ اُتنی ہی بڑی ہے

یہ وہ عالم فاضل بزرگ تھے جنہوں نے اپنی تبحر اور قابلیت کا سکہ تمام علما کے دلوں پر بٹھا دیا تھا چنانچہ انکے تفصیلی حالات اکثر کتابوں میں مندرج ہیں۔ شاہ صاحب کی ولادت آخر زمانہ اورنگ زیب سنہ ۱۱۱۴ھ میں واقع ہوئی شاہ آبرو اور خان آرزو کا زمانہ دیکھا۔ سنہ ۱۱۷۶ھ بعمر عالی تالی انتقال فرمایا۔ بیرون ترکمان دروازہ دہلی مہندیوں میں دفن ہوئے اب تک ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ - ۱۱۵۹) صاحب تحفہ اثنا عشریہ اسی نامور باپ کے بیٹے تھے۔ کبھی کبھی تفننا ریختہ میں شعر بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ چند شعر تبرکا درج کئے جاتے ہیں ؎

خیال دل کو ہے اس گل سے آشنائی کا — نہیں خیال ہے دعوے جہاں رسائی کا
کہیں وہ کثرت عشاق سے گھمنڈ میں آ — زرواں ہوا ہیں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا
جہاں میں دل نہ لگانے کا یہ ہوسے پھر کوئی نام — بیاں کروں میں اگر تیری بے وفائی کا
نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی — غرور ہے جنہیں در کی ترے گدائی کا
جفائے یار سے مت اشتیاق پھیر کے منہ — خیال کیجو کہیں اور جبہ سائی کا
لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکہ اسکے چوٹ — ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ
بتاں جو حشر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ ان کا درد نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
چھوڑ کر تجکو کہیں اور سے جو لاگ لگی — نہیں مہندی یہ تری تلووں سے جو آگ لگی

اشرف

(اشرف) حافظ غلام اشرف نام ہے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ علم موسیقی میں کامل مہارت اور فن شعر میں عمدہ قابلیت رکھتے تھے۔ جنتر اور بین بجانے میں دستگاہ تمام اور خیال و دھرپد گانے میں قدرت مالاکلام حاصل تھی۔ نواب محمد میر خاں بن شاہ نظام الدین عرف شاہ جی جو ظاہر میں دنیادار اور باطن میں فقیر تھے ہمیشہ انکی صحبت کو غنیمت جانتے تھے فن شعر میں قدرت اللہ خاں قاسم کے شاگرد تھے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا سنہ ۱۲[illegible] ہجری تک زندہ تھے کلام منتخب یہ ہے ؎

لیکن جب احباب کے اصرار سے کبھی خیال آجاتا تو براقی ذہن اور تیزی فکر سے ایسے ایسے دلنشین مضامین نکالتے اور اسطرح فی البدیہ اشعار کہتے کہ لوگ انہیں انکے عمِ نامدار سید امراؤ مرزا انور مرحوم کی زندہ مثال سمجھتے تھے۔ الغرض بڑے طباع اور ہونہار نوجوان تھے آپ ریاست جے پور میں تھانہ دار تھے۔ بوجہ تبدیلی مقام کھنڈیلہ میں متعین ہوئے وہاں پہونچتے ہی چند دشمنوں کی شرارت سے ایسا قضیۂ نامرضیہ پیش آیا جس نے آپ کو ۲۴ سال کے سن میں شربت شہادت پلاکر عزیز و اقارب خصوصاً انکے ضعیف العمر باپ حضرت ظہیر کو صدمۂ عظیم پہنچایا۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ یہ سانحہ ہوشربا ۱۹۰۹ء میں واقع ہوا۔ کچھ کلام آپکے والد بزرگوار نے ارسال فرمایا وہ بطور یادگار درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ چند متفرق غزلیں اور ایک مثنوی آپکی یادگار ہے ؎

گر نہ یاں تو آپ ہیں عدو کے آئیے / آپ اور یوں بزم سے اُٹھوائیے
کیا کبھی منت کش ساقی نہ تھے / وعظ میں یہ تو ذرا فرمائیے
گر نہیں ہے آہ عاشق میں اثر / بیقراری کا سبب بتلائیے
بے تکلف لے چلیگا جذب شوق / سختی منزل سے کیوں گھبرائیے
جان لیجے یہ عنایت کیجیے / قتل کیجے یہ کرم فرمائیے
سن رہی ہیں لن ترانی طور کی / جلوۂ حیرت ذرا دکھلائیے
ہے خماری سے دو چشمی عیاں / آپ ہی دل میں ذرا شرمائیے
قتل کیجے زندگی یاں موت ہے / کچھ مسیحائی بھی تو دکھلائیے
کہہ رہے ہیں منع ربط غیر پر / اپنے دل کو ہی ذرا سمجھائیے
اپنی باتوں سے ہوا پامال ہے / اس دل ناداں کو کیا سمجھائیے

اشتیاق

(اشتیاق) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اصل [illegible] ثانی کی نسل سے تھے۔ دہلی کے قریب فیروز شاہ کے کوٹلے میں سکونت پذیر اور توکل پیشہ بزرگ تھے

پیری بلکہ مرتے دم تک قائم رہا۔ جس سے جس قسم کی ملاقات تھی اُس سے ہمیشہ وہی ربط رہا جس کام کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا اُسمیں کبھی فرق نہ آیا۔ اشرف نے تمام عمر شادی نہیں کی اور نہایت نیک نامی اور اتقا کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ نواب اصغر علیخاں صاحب نسیم دہلوی کے قدیم اور رشید شاگردوں میں تھے۔ ناسخ۔ آتش۔ خلیل۔ وزیر۔ صبا۔ رند کی محفلوں میں شریک رہے مگر اپنے طرز کلام میں اساتذہ دہلی بالخصوص اپنے اُستاد کا تتبع کرتے رہے اور باوجود کشش ہموطنی و تعلقات روزمرہ طرز لکھنؤ کے اثر کو غالب نہ آنے دیا۔ اچھے اچھے مضامین پاک اور لطیف زبان میں بڑے سلیقے سے ادا کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ آپ کا کلام گو سارا ایک ہی رتبہ کا نہیں لیکن اکثر مشاہیر کے کلام سے لگا کھاتا ہے۔ اپنے اُستاد مرحوم سے ایسی عقیدت رکھتے تھے کہ فدائی کا رتبہ حاصل تھا۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم کے گہرے دوستوں میں تھے ساٹھ برس تک ہم مشق و ہم صحبت رہے۔ الغرض اساتذہ قدیم کی ایک قابل قدر یادگار تھے۔ غزل کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا چنانچہ مطبع نولکشور و دیگر کتب مطبوعہ لکھنؤ میں عموماً آپکی تاریخ ہوتی تھی۔ ان کے دو اُردو دیوان مکمل موجود ہیں۔ ۸۵ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۱ء میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا ۵

جینا غمِ فراق نے دشوار کر دیا	پرہیز نے حضور کے بیمار کر دیا
جوشِ کرم سے بڑھ گئی امیدِ مغفرت	رحمت نے تیری مجھکو گنہگار کر دیا
اشرف مرے کلام کی رنگینیوں نے آج	دامن سخن کا دامنِ گلزار کر دیا

فسونِ بے اثر سے خاک ہو تسکین بلبل کی	قفس پر دم کیا صیاد نے نقشہ گلستاں کا
اسے فلک شیوہ نہ بدلے اُس ستم ایجاد کا	ہے ہمارے دل میں جب تک حوصلہ فریاد کا
ایک جا ممکن نہیں نازک مزاجی سے قرار	میں ہوں پروردہ کنارِ نکہتِ برباد کا
نعشِ عاشق شامیانے کی نہیں محتاج ہے	میری میت پہ ہے سایہ دامنِ فریاد کا
آسماں سے شکوۂ وابستگی بیکار ہے	بڑھ گیا اُس سے تعلق خاطرِ آزاد کا
بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دستِ وحشت نے	تبرک کی طرح گھر گھر لیا ٹکڑا گریباں کا

غضب نئی شان میں تجھے دیکھا | روز ہر آن میں تجھے دیکھا

تو نے تفسیر پڑھی حافظ پر | اُسکی صورت کا بیاں ہو نہ سکا

حقیقت میں تجھکو جو ہم دیکھتے ہیں | تو ذات و صفت کو بہم دیکھتے ہیں

ایک تجلی نے تو روشن عالم کو دی | آگے اب اندھیر ہے جلوہ گری اور بھی

مطلب ہے لامکاں سے نہ کچھ کائنات سے | مجکو تو مدعا ہے فقط تیری ذات سے

قطعہ

سُن سُن کے وہ رات میری زاری | بولا یاں کون رو رہا ہے

جو شام سے لے کے آج اب تک | سونے میں مرے خلل پڑا ہے

جلدی اب اسے اُٹھا دو یاں سے | یہ گھر ہے نہ کارواں سرا ہے

خویشاں دوستاں و عزیزاں و ہمنشیں | پرسش انہیں سے ہے زندگی مستعار کی

میں نے کل اُس جنگ جو سے یہ کہا | آؤ جانے دو لڑائی ہو چکی

صاف میرے منہ پہ کہہ بیٹھا کہ اب | دال سے فے ہوا آشنائی ہو چکی

اک روز محفل اُس کی میں چرچا میں یہ کیا | سب کی بنی پر اپنی نہ یاں اک ذرا بنی

سنتے ہی اُسکے کہنے لگا کیوں رے بے ادب | کیا کہہ رہا ہے چپکے ہی چپکے بنا بنی

آہ کب جاویں جو ہم اُس کو اکیلا پاویں | رات دن رہتے ہیں واں لوگوں سے دالان بھرے

کیوں نہ ہم گھر کو پھریں حسرت و ارماں بھرے | اُسکے دروازے پہ جب یوں رہیں دربان بھرے

ہم اسیروں کی خبر ہووے بھلا کیونکہ اُسے | ایک ہی سیر میں جسنے کئی زندان بھرے

اشرف

(**اشرف**) شیخ اشرف علی نام - خلف شیخ مظہر علی ساکن مصطفے آباد عرف کسمنڈی جو مضافات لکھنؤ سے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جناب اشرف کی عمر کا زیادہ حصہ بلکہ ساری عمر لکھنؤ میں گزری اگرچہ ان کا دائرۂ علم زیادہ وسیع نہ تھا مگر ضروریات شعری کے لئے کافی تھا - نہایت اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے - کامل ۴۰ برس تک انکو منشی نولکشور کے مطبع سے تعلق رہا - نہایت خلیق اور باوضع آدمی تھے - کیا لباس و کیا طریق رہائش جملہ امور میں جیسا جوانی میں رنگ تھا ویسا ہی عہد

کس کام کے ہو مہر و محبت اگر نہیں
مانا سپہر حسن کے تم آفتاب ہو

کیا مریضِ رنجِ الفت کا کوئی چارہ نہیں
اے مسیحا دم ہے کیوں یہ ہجر مجھ رنجور سے

مرے سر کی قسم کھاتے ہو لوگوں کو حسد ہوگا
مرے گا رشک سے دشمن قسم سے سم نکلتا ہے

کیا چاہئے ہے عاشقِ ناشاد کیلئے
پیدا ہوا ہے سینہ نالہ و فریاد کے لئے

عالم میں ہر جگہ ہیں مرے دم سے چہچہے
ہوں عندلیب گلشنِ ایجاد کے لئے

برگشتہ بخت وہ ہوں نہ پاؤں [illegible]
آئیں نہ خضر بھی مری امداد کے لئے

قاتل اٹھائیں خوب مرے قتل پر مزے
بوسے گلو نے خنجرِ فولاد کے لئے

مضموں نیا۔ زمیں نئی۔ طرز بھی نیا
اشرف یہ ہے [illegible] استاد کیلئے

اشرف

(**اشرف**) عالیجناب نواب مظفر [illegible] شاگرد نواب مرزا خاں داغ حیدرآباد کے عمائد میں ہیں موزونی طبع سے اتفاقاً کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں یہ کلام کا خلاصہ ہے

کہتے نہ تھے ہم شکوۂ بیداد [illegible]
[illegible] دل فسردہ ہے تجھے [illegible]

سو تیلیں پھر بھی تو کہتا ہوں جی میں
ساقی ترے قربان ہوں تھوڑی سی پلا دے

کیا الٹی سمجھ ہے بت کافر کی الٰہی
سمجھانے اسے کوئی تو ہوتا ہے خفا وہ

شوخی پائے حنائی یہ کہے دیتی ہے
روندھ کر لاشِ مقتول کو تو آتا ہے

اشک

(**اشک**) حاجی مولوی ہادی علی اشک لکھنوی۔ خلف شیخ حسین علی لکھنوی شاگرد رشید فتح الدولہ برق لکھنوی۔ فارسی کے بھی شاعر تھے آپ اپنے استاد کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے غدر کے بعد مطبع محمدی میں بطور مصحح کام کرتے رہے۔ صنعت تاریخ گوئی میں بھی مہارت تھی علی کا خط نسخ نہایت عمدہ لکھتے تھے منشی نولکشور کے مطبع میں انکے ہاتھ کا قرآن مجید چھپا تھا جو نہایت خوشخط اور صحیح مانا جاتا ہے۔ اکثر فارسی درسیہ کتابوں پر جو اس مطبع میں چھپیں حاشیہ اور شرح بھی آپ ہی لکھا کرتے تھے۔ آپ کا اردو دیوان شایع ہو چکا ہے سنہ ۱۹۰۱ء میں انتقال فرمایا

ہمدم ہوں کشتہ ہوں میں تیغِ نگاہِ یار کا
غسلِ میت کے لئے پانی ملے تلوار کا

سرگوشیاں رقیب کی تاثیر کر گئیں
پہلو کچھ اور آج تری گفتگو میں تھا

ہاتھ اُسکے ٹوٹیں توڑے دیں جسنے ظرفِ مے
سرمایہ میری زیست کا ظرفِ سبو میں تھا

سنتے ہی میرا حال اُنہیں رحم آگیا
حرفِ فسوں کوئی سخنِ آرزو میں تھا

او بے وفا نہ حال شبِ انتظار پوچھ
مشتاقِ دید آنکھ تھی۔ دل جستجو میں تھا

سر شمع کا کٹا تو بڑھی اور روشنی
پنہاں فروغِ زیست جفائے عدو میں تھا

اشرف کرو جلا وطن اختیار اب
جب تک کہ سلطنت تھی مزا لکھنؤ میں تھا

کیوں نہ اشرف ہوا خواہِ نسیمِ دہلوی
ایک ہی شاعر نظر آیا ہمیں سودا کے بعد

ہوں گوارا نہ ستم جنکو وہ فریاد کریں
ہم فنا دوست ہیں کیوں شکوۂ بیداد کریں

مجھ تلک آجائیں جو دعوئ مسیحائی ہے
کہہ دے کوئی کہ علاجِ دلِ ناشاد کریں

عمر گزری ہے قفس میں ہمیں کیا آئی بہار
کیوں رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

جواب تک بھی نہیں یار مہرباں منہ میں
یہ خامشی ہے کہ گویا نہیں زباں منہ میں

ادب سے شکوۂ قاتل زباں پہ لا نہ سکے
لبوں پہ زمزمۂ شکر الاماں منہ میں

رہے لحاظ کہ میں بھی زبان رکھتا ہوں
کہے بجا ہے جو آئے مہرباں منہ میں

نہ نکلی حسرتِ دل۔ طولِ عرضِ مطلب سے
تمام رات رہا دامنِ بیاں منہ میں

کچھ ایسی آپ کو بھائی ہے لذتِ انکار
نہیں کی جا کبھی آتا نہیں ہے ہاں منہ میں

بسانِ آسیا گردش سے بخت کو ہر دم
پہنچنے دے گا نہ دانہ بھی آسماں منہ میں

بعد مردن بھی نہ تاثیرِ سیہ بختی گئی
تیرگی ہے کس قیامت کی سوادِ گور میں

دل کھنچا جاتا ہے از خود دیکھ لطفِ ماہتاب
ہے کوئی خلوت نشیں شاید حجابِ نور میں

دامنِ شب کو جلایا ہے بلے آہِ آتشیں
آگیا جوشِ حرارت صبح کے کافور میں

وقتِ فکرِ شعر رکھ اشرف ذرا اسکا خیال
آنہ جائے فرق طرزِ مومنِ مغفور میں

اتنا ستائیے نہ محبت عذاب ہو
بگڑے کسی سے آپ سے مجھ پر عتاب ہو

کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہوکر درجۂ اختصاص حاصل کیا۔ سالہا سال سفر و حضر میں اُنکے ساتھ رہے۔ چنانچہ ۱۲۹۹ھ ہجری میں جب حضرت داغ مرحوم کلکتے گئے تو یہ بھی ہمرکاب تھے اسکا اشارہ مثنوی فریاد داغ میں جناب داغ نے کیا ہے ؎

میرے ہمراہ میر قطب الدین	اشک ریزاں بحالت غمگیں

حیدر آباد دکن میں بھی کچھ دنوں اُستاد کی خدمت میں رہے۔ اپنے استاد کے فیض صحبت کے اثر سے اِن کی شعرگوئی کا یہ عالم تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ادھر کسی نے فرمایش کی اُدھر غزل تیار۔ اب بوجہ تقاضاے سن و ترددات زمانہ شعر و سخن کا مشغلہ بہت ہی کم رہ گیا ہے اسوقت ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب ہے۔ نہایت پسندیدہ اطوار مرنجان و مرنج حاضر جواب لطیفہ سنج۔ طباع اور زندہ دل بزرگ ہیں۔ اشعار میں مضمون کی شوخی۔ زبان کی صفائی قابل داد ہے۔ حضرت داغ کے فیض صحبت نے آپکے کلام میں اپنا رنگ خوب چڑھا دیا ہے۔ اُستاد بھی آپ کی طبیعت اور کلام کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے اور تعریف کیا کرتے تھے ؎

تمہیں اور ہیں کون بہکانے والے	یہی آنے والے یہی جانے والے

حقیقت میں یہ مطلع کیا بلحاظ زبان کیا بحیثیت بندش کیا بخیال مضمون نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر کے کلام کا سرمایہ دیوان سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر انکی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے کبھی اُسکے شایع کرنے کا موقع نہ آنے دیا ورنہ اُردو نظم کے ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ہوتا۔ آپکو حضرت داغ کے تلامذہ میں درجۂ امتیاز حاصل ہے انتخاب کلام یہ ہے ملاحظہ ہو ؎

دشنام ہی بلا سے عوض بوسے کے ملے	جو کچھ تو ہاتھ آئے مجھے بدلا سوال کا
فرقت سے یہ کہتا کہ ہوا غیرت ہلال	شاید زمانہ وصل میں آنے کمال کا
گہہ گریہ گاہ نالہ گہہ اضطراب دل	کیا پوچھتے ہو حال اس آشفتہ حال کا

پاؤں نے دامنِ صحرا کی اڑائیں دھجیاں | پُرزے نالوں نے کیا دامن ہر اک کہسار کا
جیب و دامن نام کو باقی نہیں دستِ جنوں | اُڑ گیا ہر تار میرے زخمِ دامن دار کا
ہجر کے صدمہ سے کل جان نکل ہی جاتی | گر خیالِ لبِ جان بخش نہ ہوتا دل میں
اشک آنکھوں میں کبھی آہ کبھی ہے لب پر | درد ہر وقت نئی طرح کا پایا دل میں
جنبشِ لب سے ترے کشتہ نے جب جان پائی | دم بخود رہ گئے شرما کے مسیحا دل میں
ذبح کی نیت بخھوڑے ہیں بسمل مجھکو | ہے یہ بیرحمیٔ صیاد سے کھٹکا دل میں
چوم لیتے دہنِ زخم سے شمشیرِ دو دم | مرتے دم تک رہی قاتل یہ تمنا دل میں

اشک

(اشک) - مولوی محمود رضا ابن مولوی احمد رضا رئیس بدایوں ۱۸۶۵ء سے عدالت بدایوں میں وکالت کرتے ہیں - تیز طبع اور ذہین آدمی ہیں - حضرت مذاق بدایونی مرحوم سے مشورۂ سخن لیتے تھے - کلام حاضر ہے

لب سوفار کو چوسے زبانِ تیغ کو چوسے | تمنا ہے یہ سینہ کی تقاضا ہے یہ گردن کا
جنوں سر پر بڑا احسان ہے عریانیٔ تن کا | نہ کاہش ہے گریباں کی نہ کچھ کھٹکا ہے داماں کا

وہ جو کہتا ہوں مزا نہوا | لطف کیا جب مقابلہ نہوا
جانِ من تم رہو کلیجے میں | دل کا ہونا ہے کیا ہوا نہوا

ہمنے اللہ کے کہنے سے تو چھوڑی نہ شراب | محتسب ہوش کی لے تیری حقیقت کیا ہے

اشک

(اشک) میر قطب الدین خلف سید علیم الدین عرف میاں میتا - ان کا خاندانی سلسلہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے - چند پشت سے انکے بزرگ قصبہ جلیسر ضلع ایٹہ میں سکونت پذیر ہیں - مگر جناب اشک کے والد ماجد نے دہلی کی بود و باش اختیار کرلی تھی چنانچہ میر اشک یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی - ابتدائے عمر میں لکھنو جاکر اپنے ماموں میر عباس سے اوائل مشقِ سخن میں اصلاح لی - پھر دہلی آکر خاقانی ہند ذوق کے ارشد تلامذہ اور ظہیر سلمہ اللہ تعالے کے بھائی امراؤ مرزا انور مرحوم سے فیضِ سخن پایا - ان کی وفات

غضب ہے اختصارِ عرضِ مطلب
اگر ہو حکم تو آ گے بڑہوں میں

الٰہی غیر پر افشا نہو راز
تجھے ظاہر ہے جو کچھ ہوں سو ہوں میں

جگر میں تیر کو خنجر کو میرے دلمیں رہنے دو
مسافر کو ملے آرام جس منزل میں رہنے دو

تھکائے ڈالتے ہو سخت جانوں کیوں سرِ مقتل
خدا کے واسطے کچھ بار دوشِ قاتل میں رہنے دو

بھرے جاتے ہو ناحق شوق و ارماں تم زبردستی
جگہ کچھ ناوک کو بھی سینۂ بسمل میں رہنے دو

بنا ہے جاؤ اے ضبطِ فغاں و آہ روزِ غم
یہ طوفان دونوں آنکھوں میں یہ دریا دلمیں رہنے دو

ملے گا وہ تو قسمت سے مگر ہے دل لگی دل کی
اسے الجھا ہوا اس سعی بے حاصل میں رہنے دو

نکالو حسرت و امید و ارماں جتنے ہوں دل میں
فقط بغض و عداوت غیر کی اس دلمیں رہنے دو

جو آدھا کند ہو خنجر تو آدھا تیز و براں ہو
کچھ آسانی کی بھی صورت مری مشکل میں رہنے دو

عدو کو اور مجھ کو عشق میں تم ایک گنتے ہو
مریجاں فرق کچھ تو ناقص و کامل میں رہنے دو

جو خوں آلودہ پیکاں ہے نکالو میرے سینے سے
جو خوں آلودہ حسرت ہو وہ میرے دلمیں رہنے دو

محیطِ عشق کے دیکھے سے میری جان جاتی ہے
مجھے تم آشنائے دامنِ ساحل میں رہنے دو

ہوا کھا لیں کوئی دم اور بھی دنیا میں جنت کی
ہماری نعش دم بھر کوچۂ قاتل میں رہنے دو

دمِ عرضِ تمنا اُن کا کہنا ہائے ہنس ہنس کر
قیامت تک اُسے تم اشک اپنے دل میں رہنے دو

ساتھ اُن کے نکل کر مری حسرت نہیں جاتی
وہ جاتے ہیں پھر یہ کسی صورت نہیں جاتی

بیتاب ہے نکلا ہے خلش خارِ محبت
کم بخت میری چھیڑ کی عادت نہیں جاتی

گھبراتے ہو کیوں بادہ کشی سے کہ جواں ہو
زاہد ابھی کچھ ہاتھ سے جنت نہیں جاتی

مانوس ہے وہ میرے سیہ خانہ سے ایسی
میں لاکھ نکالوں شبِ فرقت نہیں جاتی +

[illegible]

اُس کی محفل کی دیکھنا تہذیب
بات کا انتظام ہوتا ہے

دل کو نہ لگا یا بتِ پرفن سے کسی نے
کچھ کی نہ وفا جان کے دشمن سے کسی نے

سینہ میں دلِ مردہ کو میں خاک پکاروں
آواز بھی دی ہے کہیں مدفن سے کسی نے

کچھ میرے دل میں درد محبت جو کم ہوا
دل نے وہیں دہائی دی یہ کیا ستم ہوا

روز فراق مجھ میں عدو میں یہ فرق ہے
جینا مجھے محال اُسے مرنا قسم ہوا

ہائے وہ مُڑ کر اُنکا دیکھنا وقت وداع
اور میرا یاس و حسرت کی نظر سے دیکھنا

موت آئی اجل کو بھی شب ہجر
کوئی آتا نظر نہیں آتا

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا
دو دغابازوں کے قبضہ میں ہے جوبن اُنکا

خوف رنجش نہ کچھ اندیشۂ بیداد آیا
لکھ دیا خط میں اُنھیں وقت یہ جو یاد آیا

اے موذن وصل کی شب میری تو میں چپ ہو رہا
حشر کو دوں گا ترے اللہ اکبر کا جواب

سرد ہوتا ہے ہماری چشم تر سے آفتاب
کانپتا ہے آہ سوزاں کے اثر سے آفتاب

بحث تا کیا ہے مرے داغ جگر سے آفتاب
کچھ حیا ہو تو نہ نکلے اپنے گھر سے آفتاب

کیا چھپے گر چھپ کے بیٹھے بھی کہیں وہ مہوش
ہو نمایاں رخنۂ دیوار و در سے آفتاب

تفتہ گان سوز الفت کو جنہ جاناں میں ہیں
دور بچ بچ کر چلے اُس رہگذر سے آفتاب

جس نے دیکھا شب کو وہ چہرہ یکایک یہ کہا
یا الٰہی یہ نکل آیا کہاں سے آفتاب

فیض تھا اُس روئے روشن کا کہ بکو بزم میں
شمع سے گل کیا جھڑے گویا کہ برسے آفتاب

ہاتھ میں ساغر لئے بیٹھا ہے وہ خورشید رو
کیا عجب ہے آسماں سے آج برسے آفتاب

گو قصیدے کی زمیں تھی اشک پر یہ ہی غزل
ہو گئی ہے داغ کے فیض نظر سے آفتاب

کہتے ہیں مجھ سے صنم یہ جو تو ہو ملال میں
دل ہے پسند دل کی نہیں آرزو پسند

خاکساری جو بھگانے سے اگاڑ سے مجھکو
تو رہوں چین سے خاک در جاناں ہو کر

اور کہتی ہے میں یوں ناز جتاتا ہے کہیں نے لوٹ
ابھی سودا نہیں دل کا خریداروں کی باتیں ہیں

وہ کریں مجھ سے ناز کی باتیں
ہیں یہ اُس بے نیاز کی باتیں

ملے وہ اس خوشی کو کیا کہوں میں
الٰہی اور ابھی جیتا رہوں میں

سوا میرے نہ ملنا دوسرے سے
مجھے تم جانتے ہو ایک ہوں میں

چین سے واں رقیب رہتا ہے / آہ کچھ اپنی با اثر نہ ہوئی
سب نے پائی مراد خاطر خواہ / اک دعا میری با اثر نہ ہوئی
بولے وہ مسکرا کے وصل کی رات / آفت جاں ہوئی سحر نہ ہوئی
خاکساری تو کی بہت اُس نے / آبرو اشک کی مگر نہ ہوئی

اشک

(اشک) ابوالخیر شیخ ضمیر الدین احمد خلف حاجی محمد برہان الدین احمد باشندہ بلند شہر۔ آپ ۲۰ جون ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری کا شوق ہوا۔ حضرت داغ مرحوم سے استفادہ کیا۔ اب نیچرل۔ اخلاقی مضامین کی طرف زیادہ توجہ ہے دیوان مرتب ہو گیا ہے ؎

آنکھیں اگر نہ ہوتیں دنیا میں کچھ نہ ہوتا / قرباں جائیں اُسکے جس نے بنائیں آنکھیں
دنیا کی لالٹینیں بجھ جائیں دم کے دم میں / روشن رہیں ہمیشہ ایسی لگائیں آنکھیں
شیشے کی بھی بنائیں پتھر کی بھی بنائیں / انسان سے بنائی لیکن نہ آئیں آنکھیں
بگڑی کو کیا بنانا کمال کیا حسد تھا / جب روشنی نہ آئی تو کیا بنائیں آنکھیں
وہ بھی تو آدمی ہیں جو ہیں ہمیں میں / تسخیر کر لیا دل جس سے ملائیں آنکھیں
قدرت کی صنعتوں کو دیکھو خدا کے بندو / اک چھوا اُسنے دو دو منہ پہ لگائیں آنکھیں
اے اشک کیا سبب ہے کیا بھید ہے بتا دے / جس وقت دل بھر آیا فوراً بھر آئیں آنکھیں

اشک

(اشک) مولوی محمد صادق اشک شاگرد حضرت امیر مینائی - دور موجودہ کے شاعر ہیں۔
یہ ان کا کلام ہے ؎

اُن سے جب بیداد کا شکوہ کیا / بولے جا - جو کچھ کیا - اچھا کیا
کیوں خفا ہوتے ہو میں کہتا تو ہوں / تم نے جو وعدہ کیا پورا کیا
کھینچ کر نقشہ ترا نقاش دہر / خود بھی حیرت سے تجھے دیکھا کیا
مار ڈالیں گی ہمیں جنبش جبیں / قتل پر دونو نے بھی ایکا کیا

اشکی

(اشکی) مرزا غلام محی الدین عرف مرزا محسن خلف مرزا غلام حیدر نواسہ حضرت شاہ عالم -

برباد مری خاک کبھی یوں تو نہ ہوتی ÷ جھٹکا ہے مگر راہ میں دامن سے کسی نے

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے ۔ تجھے اے کافر ترسانا فقط ترسانا آتا ہے

طرفداری رقیبوں سے مرے ہر بار کیسی ہے ۔ یہ جھوٹی حجتیں بے فائدہ تکرار کیسی ہے

ازل سے ہوتی آئی ہے ابد تک ہوتی جائیگی ۔ یہ حسن و عشق کی تکرار بھی تکرار کیسی ہے

پڑا شمشیر قاتل پر جو عکس ابروے قاتل کا ۔ وہ خود حیراں ہوا تلوار میں تلوار کیسی ہے

جو صورت ہمنے دیکھی ہے بتائیں کیا تمہیں ہوئے ۔ بتائیں کیا تجلی رخ دلدار کیسی ہے

لگا رکھا تھا کیا ہمنے اسی دن کے لئے تجکو ۔ دغا یہ وقت پر اے بخت ناہنجار کیسی ہے

ہمارے خون دل میں ڈوب کر اُبھرا تو کیا اُبھرا ۔ نئی شوخی یہ تمسے ناوک دلدار کیسی ہے

وہاں تک لے گیا مجکو نہ اُن کو تو یہاں لایا ۔ بتا اے آسمان یہ گردش بیکار کیسی ہے

کھلی تجکو جناب اشک آصف جاہ کی شاہی ۔ ہوا معلوم عالیجاہ یہ سرکار کیسی ہے

اشک

(**اشک**) منشی ضیاء الدین نبیرۂ مولوی کریم الدین مولف کریم اللغات وغیرہ باشندۂ پانی پت سنہ ۱۸۹۳ء میں - ۲۲ - ۲۳ - برس کی عمر میں بمقام لاہور انتقال کیا - بی - اے تک گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی تھی - طبیعت کی موزونی سے ایام طالب علمی ہی میں فکر سخن بھی کیا کرتے تھے - یہ اُنکے اشعار ہیں سہ

غیر کا سکہ دل پہ بیٹھ گیا ۔ اُٹھ گیا میرا اعتبار افسوس

ہم ہیں زندان میں اور گلشن میں ۔ آ گیا موسم بہار افسوس

بہار آئی چمن میں شاید کلی جو گل کی چٹک رہی ہے ۔ زمین بستاں گلوں کی خوشبوئے جانفزا سے مہک رہی ہے

چھپا کے زلفوں میں اپنا چہرہ یہ دلربا ہے جیسے ہنس کے بولا ۔ گھٹا یہ چھائی ہے کالی کالی اور اسمیں بجلی چمک رہی ہے

اشک

(**اشک**) مولوی سید علی عرف سید صاحب لکھنوی - مولوی سید اصطفےٰ خورشید لکھنوی مرحوم مالک گلدستۂ انتخاب کے شاگرد ہیں - اس سے زیادہ حال معلوم نہیں موزوں طبع شاعر ہیں - کلام یہ ہے سہ

ہے - اور اسمیں شوخی و رنگینی کی نسبت سادگی اور بے تکلفی زیادہ پائی جاتی ہے - عاشقانہ غزلیں آپ نے بہت کم کہی ہیں آپکا طرز انشا پردازی نہایت مرغوب و موثر ہے - آپکے مضامیں نہایت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۱۲۹۸ھ میں آپنے دبیر الملک نامی اخبار بھوپال سے جاری کیا تھا - نواب سکندر بیگم کے عہد میں آپ اس ریاست کے متوسل ہوئے - اور نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں آپکے مدارج میں برابر ترقی ہوتی رہی عہدہ ہائے نائب مرافعہ و میر منشی گری وغیرہ پر مامور رہے الغرض ۲۲ سال وہاں نہایت اطمینان سے بسر کئے - ۱۳۰۰ھ میں بزمانِ وزارت سر آسماں جاہ آپ حیدر آباد تشریف لے گئے - قطعہ کے صلہ میں پانچسو روپیہ انعام پایا - پھر دوسری مرتبہ نواب وقار الامرا کے زمانہ میں جانے کا اتفاق ہوا - بوعدۂ ملازمت ۵۰۰ عنایت ہوئے مگر چند ہی روز بعد اُس وزارت کا خاتمہ ہوگیا - آپ مذاق قدیم و جدید دونو قسم کی نظم لکھنے پر قادر ہیں - آپکی تصانیف میں کتب ذیل قابل ذکر ہیں - حدیقۂ شاہجہانی - گلدستۂ سلطانی - ترانۂ معرفت - ایشیائی شاعری - گلدستۂ اُردو - دیہیم خسروی لغات الخواتین - مرقع تاجپوشی - حیات نورجہاں - تاریخ اُردو - آپکی طباعی اور ذہانت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا - باوجود ضعف طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ہے ۱۹۰۳ء میں آپ لاہور میں دفتر پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے پھر وطن تشریف لے گئے - اکثر مشہور اخباروں اور رسالوں میں آپکے مضامیں شایع ہوتے رہتے ہیں - راقم تذکرہ کے ملاقاتی ہیں - ہم عاشقانہ مضامین کے وہ چند اشعار بھی جو قدیم کلام سے مولانا نے مرحمت کئے ہیں پیش کرتے ہیں - بھوپال کے متعلق ایک مسدس لکھا تھا اُسکے بھی چند بند زیب تذکرہ کئے جاتے ہیں - تاکہ ہمارے شایقین واعظانہ اور عاشقانہ دونو قسم کے کلام کی لذت سے فیضیاب ہوں -

منتخب از مسدس در توصیفِ بھوپال

وہ قصر معلّے وہ اُسکی سجاوٹ | جنت کی وہ کونچیں سُطلا چھپر کھٹ

میر نظام الدین ممنون اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے شاگرد تھے۔ پسندیدہ اطوار اور خوش مذاق بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۷۱ ہجری میں چالیس سال کی عمر تھی۔ غالباً غدر میں انتقال کیا آپکے کلام میں ایک خاص لطف ہوتا تھا ملاحظہ ہو ؎

کب دل سے چھپے عشق تری زلفِ دوتا کا — دامِ ازلی وہ یہ گرفتار سدا کا
کیا پاس کسی کا ہے کہ مرتا ہوں ولیکن — شکوہ نہیں کرتا شبِ ہجراں کی جفا کا
قسمت کو تو دیکھو کہ پھرا نامہ بر اُسدم — جس وقت مرے سر پہ تقاضا ہے قضا کا
آئے تو نہ دشمن کے خطر سے مرے گھر میں — اور مفت میں بدنام کیا نام حنا کا
سجدے میں گرے دیکھ کے تصویر بت اشکی — معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا
قبر میں بھی سوزِ غم تیرا لگا کر لے گئے — داغ ہمسینہ کا سینے میں چھپا کر لے گئے
صبر تھا طاقت تھی دل تھا کیا ہمارے پاس تھا — ہوش باقی تھا سو کل وہ بھی تم آکر لے گئے
حشر کو کھینچے گا کیا گو اب دمِ بسمل یہاں — دامن اپنا میرے خوں سے تم بچا کر لے گئے
گو رقیبوں سے حیا ہے پر ہمارا مدعا — وہ نگاہوں کا نگاہوں میں چرا کر لے گئے

اشہری

(**اشہری**) آپ کا سید اجد علی نام اور مولانا اشہری کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد میر احمد علیخاں صاحب ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے آپ کا نسبی سلسلہ امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔ آپکے مورث اعلیٰ جہانگیر کے وقت میں خطۂ ترمز واقع ایران سے وارد ہندوستان ہوئے۔ آپ سنہ ۱۲۶۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم پرانے طریقہ پر پائی ہے۔ فی زمانہ مولانا صاحب علوم مشرقی کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں۔ مضمون آفرینی اور نکتہ سنجی کا مادہ شروع سے آپکی طبیعت میں تھا چنانچہ آغاز شباب ہی میں اسکا ظہور بصورت نظم و نثر مختلف مضامین کی صورت میں ہونے لگا رسالہ زمانہ اور تیرہویں صدی آگرہ اخبار میں سرسید احمد خاں بہادر سے اکثر مناظرے رہے اور انہیں خوب خوب زور طبع دکھایا۔ آپکی نظم اکثر نصائح۔ اخلاق۔ اور علمی معلومات پر مبنی ہوتی

سنا فرہاد کو رکھ آئے سب گورِ غریباں میں
چلو پڑھ آئیں امجد فاتحہ بیکس کے مدفن پر

کھنچا مرقع کونین آنکھ کے تِل پر
مگر اُسی کی نہ صورت اُتر سکی دل پر

کہیں رقیبوں سے سوز مجھکو کہیں حسینوں سے ساز میرا
ذرا سے چھیڑے سے بولتا ہوں میں اپنی دانست میں ہوں

نہ ہوں میں ظاہر نہ ہوں نہیں مظہر نہ شیخ ہوں میں نہ شاب میں ہوں
وہ دیکھیے محفل میں جب پلٹ کر تو حاضر انکی جناب میں ہوں

ہر اک کی خاطر ہوں دل میں جلتا ہے سب کی راحت سے کام مجکو
کباب کا سا مزا ہے مجھ میں سرور جام شراب میں ہوں

جفا کریں تو کریں پر وفا وہ کرتے ہیں
جفا سے کوئی مرے ہم وفا سے مرتے ہیں

زبانی حال کچھ کہنا نہ میرا نامہ بر پہلے
مری جانب سے اُنکی پوچھ لینا تو خبر پہلے

وہی میں ہوں وہی تم ہو وہی راتیں وہی باتیں
مگر پاتا نہیں جو تھی عنایت کی نظر پہلے

غزل بر طرح مشاعرہ راجہ گردھاری پرشاد باقی حرف راجہ بنسی

حسد اکی طرح سے ہم آکے ہر گدا کے چلے
نشان بن کے ہے آگے بادشاہ کے چلے

نہ خود جلے نہ جلایا برنگ اخگر لعل
یہ روشنی ہی جدا تھی جسے دکھا کے چلے

تپ دروں میں رہے رہ نورد ظل اللہ
چلے جو دھوپ میں تو سایہ میں خدا کے چلے

نہ کچھ گناہ کیا اور نہ زہد کا دعوے
نہ جھک کے بوجھ سے بیٹھے نہ سر اُٹھا کے چلے

ہماری ہستی ہے دمساز راز وحدت کی
کوئی سنانے کو آیا تھا ہم جگا کے چلے

حرم میں دیر کو بھولے نہ اشہری دم بھر
بتوں کو چھیڑتے ہم سامنے خدا کے چلے

زلف آنکھوں پہ نہیں ساقی کی بل کھائی ہوئی
ہے گھٹا مستوں کے سر پر ہر طرف چھائی ہوئی

جب کہا میں نے قسم تم بھی تو کھاؤ تو کہا
میں نہ جھوٹی کھاؤنگا اپنی قسم کھائی ہوئی

اشہری کہتے تھے ہم بھی کچھ مگر اب کیا کریں
وہ طبیعت ہی نہیں جو تھی کبھی آئی ہوئی

حمد

کلید گنج حکمت راز عرفان الٰہی ہے
گدا کو اُسکے کوچے کے نوید بادشاہی ہے

ہر اک ذرہ کو اُسکے رتبہ خورشید جاہی ہے
جہاں میں اُسکو شایاں منصب عالم پناہی ہے

یہ ہے منشور شاہی قل ہو اللہ احد اُس کا

وہ بنچیں منقش وہ گھڑیوں کی کھٹ کھٹ
وہ پردوں کا ہلنا وہ انکی سجاوٹ

وہ لندن کے باجے وہ کوکیں سریلی
وہ جرمن کی گھڑیاں روپہلی سنہری

وہ تالاب پر ماہرویوں کا جمگھٹ
وہ توڑے وہ جوڑے وہ کھینچے وہ اوٹ

وہ ہندو مسلمانوں کا غول غٹ پٹ
وہ پانی کی موجیں وہ رنگین پنگھٹ

وہ بالوں کی لہریں وہ انکی ادائیں
کہ جسطرح پانی میں کالے نہائیں

وہ موجوں میں بالوں کا انکے بکھرنا
وہ پانی میں غوطے لگا کر ابھرنا

وہ جعدِ مسلسل میں کنگھی کا کرنا
کسیکا بگڑنا کسیکا سنورنا

نکل کر وہ پانی سے صورت دکھانا
سوا نیزے پر جیسے سورج کا آنا

رباعی

واحد سے بس جمع کا طلبگار رہا
جو سرِّ عظیم تھا وہ اسرار رہا

اک نور تھا اسمیں جب ہوئی جمع صفت
بڑھتے بڑھتے وہ نور انوار ہوا

ہندوستان

پشمینہ سوت ریشم مشہور تھا یہاں کا
اب انکے بدلے باقی ہے تارِ جاں ہمارا

کمخواب سے یہاں کی سونا تھا ہمکو ملتا
سستا سمجھ کے لیتے سودا گراں ہمارا

کشمیر کے دوشالے دنیا میں فرد سمجھے
تھا صنعتوں کا شایق پہلے جہاں ہمارا

چھپائی صنعتوں میں یہ ملک تھا نمونہ
ملتا کہیں کہیں[1] ہے پچھلا نشاں ہمارا

سبزہ زعفران ہماری پھولوں سے بڑھ کے آیا
فصلِ بہار دیکھے رنگِ خزاں ہمارا

کیا چیز ہے جہاں کی پیدا نہیں جو ہمیں
دنیا کا ہے خلاصہ ہندوستاں ہمارا

دریا یہاں ہیں بہتے ہم خشک لب ہیں رہتے
ریگِ رواں ہے ہمکو آبِ رواں ہمارا

گر صنعتیں یہاں کی پھر زندہ ہوں تو دیکھو
جی جائے پھر جہاں میں یہ نیم جاں ہمارا

کشتہ ہوئے تو کیا ہے پھر تم جلا لو ہمکو
مرنے سے بھی ہے آساں جینا یہاں ہمارا

اے اشہری جانیں ہم خاک ہو چکے ہیں
اکسیر اب بنائے کشتہ جہاں ہمارا

---

[1] دیکھو ایلورا - ایجنٹا اور الیفنٹا کے غار اور معابد

شاگرد خواجہ آتش لکھنوی و داماد ظہیر الدولہ نواب غلام نبی خاں وزیر محمد علی شاہ بادشاہ لکھنو - صاحب سخن الشعرا کا بیان ہے کہ نواب موصوف الصدر بہادر شاہ کے وزیر تھے - جس کی صداقت حافظ عبد الرحمن خاں احسان کے ایک قطعہ سے ہوتی ہے - عرصہ تک کلکتہ اور لکھنؤ میں مقیم رہے - اُردو - فارسی دونوں زبانوں میں شعر اچھا کہتے تھے - سنہ ۱۸۶۰ء میں انتقال کیا - مولوی عبد الغفور خاں نساخ اُنکے دوست نے "دوشنبہ ذیقعدہ ہے یہ" تاریخ انتقال کہی جس سے سنہ ۱۲۷۶ھ نکلتے ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

پتا نہ کوچۂ گیسو میں ہے نہ پہلو میں — تم ہی بتاؤ مجھے پھر کہاں ہے دل میرا
وہ رند ہوں مجھے دستِ سبو سے بیعت ہے — مرید حضرتِ پیرِ مغاں ہے دل میرا
خدا کو مان نصیحت سے باز آ ناصح — ابھی تو نام خدا نوجواں ہے دل میرا
ہوئے ہیں خوں کے پیاسے جو آشنا میرے — اُن ہی شفیقوں میں اک مہرباں ہے دل میرا
نہیں دیر و حرم سے کام ہم الفت کے بندے ہیں — وہی کعبہ ہے اپنا آرزو دل کی جہاں نکلے
جنوں انگیز پھر فصلِ بہارِ عاشقی آئی — دلِ سودا زدہ پھر رنگ لایا وائے رسوائی
یہ کس پردہ نشیں نے جھانک کر شکل اپنی دکھلائی — بنی ہے روزنِ دیوار جو چشمِ تماشائی
نہ کھینچا ہاتھ ترکِ چشم نے قتلِ غریباں سے — ہزاروں بار سمجھانے کو پردے میں حیا آئی
دہانِ چشم نے کھلکے کیا خاموش و نابینا — نہ غنچے میں ہے گویائی نہ نرگس میں ہے بینائی
بجا ہے اضطرابِ نزع وقتِ نزع اے اصغر — کیا ہے یاد حاکم نے بلانے کو قضا آئی

اصغر

(اصغر) میر اصغر علی اصغر لکھنوی - مقیم کلکتہ شاگرد گلشن الدولہ بہار مصاحب واجد علیشاہ مرحوم - شعر گوئی کا بہت شوق تھا - مٹیا برج کلکتہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے - کلام حاضر ہے ؎

سنائی جس نے مدحِ چشمِ گلگوں — کھڑا جھوما کیا سرشار تیرا
شرم آتی ہے کہ خالی ہاتھ کیا جاؤں وہاں — تحفۂ داغِ محبت دل پہ اصغر لے چلا

سے چلے توحید کا سکہ ازل سے تا ابد اُس کا

زمانے سے سنا میں نے زمیں تیری زماں تیرا
فلک تیرے ملک تیرے بشر تیرے جہاں تیرا

سمک سے تا سما اے صانع کون و مکاں تیرا
سریر عرش تیرا فرش تیرا لامکاں تیرا

ابد سے تا ازل تو ہے ازل سے تا ابد تو ہے
خدایا سارے عالم میں احد تو ہے صمد تو ہے

رباعی

اللہ کا فضل ہے جو لکھوتا ہے
لاشے کو وہ شے سے بڑھکے دکھلاتا ہے
گو نقطہ ہوں آشہری مگر وقت رقم
جس ہندسے سے ملوں وہ بڑھ جاتا ہے

رباعی

ہے آگ کو پانی میں بنایا ہمنے
پانی کو ہوا میں ہے چھپایا ہمنے
پانی میں ہوا ہوا میں پانی دیکھو
یہ معجزہ دنیا کو دکھایا ہمنے

اصغر

(**اصغر**) صاحبزادہ اصغر علیخاں ولد محمد عبد اللہ خاں ظریف رئیس رامپور صاحبزادہ مذکور الصدر حکیم مومن خاں دہلوی کے شاگرد رشید۔ عاشقانہ مضامین کے دلدادہ تھے غدر سے پیشتر کئی برس تک دہلی میں مقیم رہے سنہ ۱۲۷۲ ہجری میں اڑتالیس برس کی عمر پاکر بمقام میرٹھ انتقال فرمایا اُنکے جنازہ کو دہلی لیجا کر ہمراہیوں نے درگاہ خواجہ باقی باللہ میں دفن کیا آپ کا منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

شکر جفا نے کام کیا لطف کا کہ اب
دشمن امیدوار ہے اُن کے عتاب کا

اس نازکی پر اس سے تو ہرگز نہ ٹوٹتا
اصغر وفا کا عہد ہی ناپائدار تھا

وہ وہ دعائیں رشک میں کی ہیں کہ اے خدا
توبہ ہے گر قبول کا دروازہ باز ہو

وہ کہیں گے کہ ستم اُٹھ نہ سکا
بعد مردن یہ مصیبت ہوگی

کیوں نہ گھبرا کر اُٹھے بالیں سے میرے وقت نزع
سچ ہے کب دیکھا کسیکو اُسنے مرجاتے ہوئے

درد و غم کے سوا بھی اے اصغر
کیا کہوں میرے دل میں کیا کیا ہے

اصغر

(**اصغر**) ظفر الدولہ معتبر الملک رفیع الامرا علی اصغر خاں بہادر ناصر جنگ خلف مولوی علی اکبر

میں نہ کہتا تھا کہ باز آ سخت جاں کے قتل سے
بے نقاب ایک نظر بھی جو وہ چہرا دیکھا
جب کہا مرتے ہیں بولے یہ نئی بات نہیں
صورت کو تیری دیکھ کے کہتا ہے آئینہ
مرنے کو میرے سن کے کہا بدگمان نے
آئینۂ زانو سے نظر کیوں وہ اُٹھائیں
شرمیلی آنکھ کہتی ہے عاشق پہ رحم ہو
مثل ہوئے کے ہوں سب دیکھنے والے بیہوش
اللہ رے حیا عالمِ رویا میں بھی شب کو
نفرت ہے یہ مجھسے کہ وہ کہتے ہیں عدو سے

آخر آیا بل کمر میں بات جھوٹا ہو گیا
اُٹھ گئے آنکھوں سے پردے وہ تماشا دیکھا
بار ہا مر گئے تم ہم نے جنازہ دیکھا
میری نگاہ میں تو کوئی نازنیں نہیں
کوئی کہا کرے مجھے ہرگز یقیں نہیں
تصویر ہے اِک پیش نظر دیکھ رہے ہیں
اور ناز کہہ رہا ہے کہ کچھ بھی خبر نہ ہو
جلوہ اپنا جو سر بزم دکھائے کوئی
آتے ہیں تو وہ مُنہ کو چھپائے مرے آگے
ذکر اسکا بدی سے بھی نہ آئے مرے آگے

ہائے ہمنے جان دی جسکے لئے
ہائے وہ روندیں ہماری خاک کو
لے رہے ہیں کھنچ کھنچ انگڑائیان
کسی زلف کا دل میں آیا خیال
کیوں نہ قرباں ہوں میں اُن جاں سے
ہاں کہے جا یہ حال اے قاصد
حسن کے رعب نے تو ہائے ستم
کیا ہی دلچسپ ہے عدم آباد

سوگ میں بیٹھے نہ دو دن کے لئے
خاک میں ہم مل گئے جن کے لئے
ساقیا لا جامِ مے ان کے لئے
کہ شیشے میں کوئی پری آگئی +
جان پیاری نہیں ہے جاناں سے
جان آتی ہے ذکرِ جاناں سے
بات کرنے ہی دی نہ جاناں سے
جو گیا پھر نہ وہ پھرا واں سے

پھینک کر خنجر مرے سینے سے قاتل اُٹھ گیا
رازِ الفت دل سے بھی کہکر پشیمانی ہوئی
ان کو سکتہ اس طرف آئینہ ششدر اس طرف

سخت جانی کی بدولت کیا پشیمانی ہوئی
بات اپنے مُنہ سے نکلی اور بیگانی ہوئی
ایک پیاری شکل پر دونو کو حیرانی ہوئی

برسوں اسے سینے سے لگائے ہوئے رکھا
کھینچا نہ کلیجے سے ترا تیر کسی وقت

بزم میں مجمع حسینوں کا ہے یوں قاتل کے پاس
جس طرح تاروں کا جھرمٹ ہو مہ کامل کے پاس

بے یار گر پیوں تو میں اپنا لہو پیوں
ساقی اٹھا کے پھینک دے جام شراب کو

ہم بھی تو دیکھ لیں کہ پری ہو کہ حور ہو
للہ اپنے منہ سے الٹ دو نقاب کو

اصغر

(**اصغر**) حافظ شیخ محمد اصغر علی اصغر۔ ان کے والد کنڈا اودھ تحصیل قیصر گنج کے تعلقہ دار ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

رگ گلو سے اے حور تیرے خنجر کے
گھونٹ ہیں مجھکو آب کوثر کے

سنگدل ہوں تو کیا عجب اُسکا
بت بنے ہیں تمام پتھر کے

سنگ مرمر ہو تربت کا تعویذ
جاں دی ہے بتوں پہ مر مر کے

ناز سے جب چلے ہو چار قدم
فتنے برپا ہوئے ہیں محشر کے

اصغر

(**اصغر**) منشی اصغر علیخاں عرف تسکین شاہ گیسو دراز۔ ابن محمد اسمٰعیل خاں مرحوم افغانوں کی قوم وندال سے ہیں۔ انکے پردادا اخوان آزاد نور خاں۔ نواب فیض اللہ خاں مرحوم کے زمانے میں ملک سوات سے ریاست رامپور روہیل کھنڈ میں آئے تھے۔ فن سخن میں امیر مینائی سے تلمذ ہے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ تصوف کا شوق ہوا تو حضرت شاہ خلیل الرحمن چشتی ہانسوی کے مرید ہو کر اُن سے سند خلافت حاصل کی اور تسکین شاہ کا لقب پایا۔ اس لقب کے لحاظ سے کبھی کبھی اپنے کلام میں بجائے اصغر تسکین بھی لکھتے ہیں۔ رامپور ٹونک وغیرہ میں بہت لوگ آپ سے فیض یاب اور بیعت ہیں۔ جب سے اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا بامر مرشد تارک الدنیا ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ مجلس حال وقال اور سماع کے بہت شایق ہیں۔ اُردو۔ فارسی دونو زبانوں میں فکر سخن فرماتے ہیں۔ تبرکاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

کیوں پشیماں ہو بلا سے خوں میرا ہو گیا
تم ہنسو بولو جی جو کچھ تھا ہونا ہو گیا

سیکھ لی نرگس نے حیرانی مری	لے گئی سنبل پریشانی مری
میری حیرانی سے خود حیران ہے وہ	کھینچتا تصویر کیا مانی مری

ہمسے وہ صبح شب وصل جدا ہوتا ہے	وقت سے پہلے ہی آج حشر بپا ہوتا ہے
ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانیں یہ باتیں اصغر	کیا خبر ان کو کہ کیا عہد وفا ہوتا ہے

اطہر

(اطہر) سید احمد علی نام - ۲۷ - ۲۸ برس کے نوجواں ہیں - کانپور میں رہتے ہیں - انعام مرحوم ملقب بہ محقق کانپوری کے شاگرد ہیں - شعر و سخن سے بے حد انس ہے - اور دوسرے شہروں کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں - کثرت شوق سے اپنے شہر میں ابھی سے کافی شہرت حاصل کرلی ہے - شعر بھی خاصا کہتے ہیں - استعداد علمی بھی ہے الفاظ کی تلاش اچھی رہے - بہرحال اگر مشق سخن اسی طرح جاری رہے تو اچھا کہنے لگیں گے - انتخاب اشعار ملاحظہ ہو

کی اک نگاہ یاس جو مژگان یار پر	سو برچھیاں لگیں دل امیدوار پر
تیری ہوائے شوق میں پھر بھی نہ آئیگی	بیداگر رہے ہزار اگر سو ہزار پر
کھڑا جنوادیا در میں اُسے سازش کے شبہے میں	مرا سر جب کہ دیکھا اُس پری نے پائے درباں پر
دکھاؤں داغ دل تو گالیاں دیں کیوں نہ وہ مجکو	جری انعام پایا کرتے ہیں کارنمایاں پر
ملک سے ہیں کہیں اعلیٰ فلک پر گو نہیں رہتے	پری سے بڑھ گئے ہیں رکھتے نہیں ہر چند انساں پر

آزاد ہوں نہ حلقۂ زلف دوتا سے ہم	محفوظ اس حصار میں ہیں ہر بلا سے ہم
ہیں کامران زبان و لب دلربا سے ہم	منہ مانگی پا رہے ہیں مرادیں خدا سے ہم
ہر بات پر خدا سے کہو کہتے تھے تو	روز جزا ہے اب کہو کہدیں خدا سے ہم
جھگڑا چکا دیا طلب بار بار کا	ساقی نے میرے زہر ملاکر شراب میں

اے صنم دل میں بھی لازم ہے برائی نہ رہے	تجکو خالق نے عطا کی ہے جو صورت اچھی

اطہر

(اطہر) منشی غلام مصطفےٰ خاں خلف منشی اعتبار خاں - جلگاؤں ضلع خاندیس کے رہنے والے

جان ہی دیدی بتوں پر تونے اصغر کیا کیا | سوچ تو مرد خدا یہ کیسی نادانی ہوئی

اصغر

(اصغر) منشی اصغر حسین اصغرؔ مقیم گونڈہ - نوجوان نومشق شاعر ہیں - رسالۂ فتنہ میں کچھ کلام نظر سے گزرا - چند اشعار منتخب ہو کر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

ابر اُٹھا ہے ترشح ہے گھٹا چھائی ہے | ہجو مے کرتا ہے زاہد کوئی سودائی ہے
آپکے چاہنے والے تو مرے جاتے ہیں | اُسپہ پھر آپ کو دعوائے مسیحائی ہے
باغ ہے نہر ہے حوریں ہیں مئے کوثر ہے | واعظو مان گئے کیا سخن آرائی ہے
عہد توڑے دل عشاق بھی توڑے اُسنے | اس نزاکت پہ بھی اس درجہ توانائی ہے

اصغر

(اصغر) کنور سید محمد اصغر علیخان - پنڈاول ضلع بلند شہر کے مشہور و نامور خاندان کے ایک رکن اور ایک موزوں طبع نوجوان سخنور ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

جو لڑکپن ہی میں سو حشر بپا کرتے ہیں | دیکھنا یہ ہے جواں ہو کے وہ کیا کرتے ہیں
کوئی بیخود نظر آتا ہے تو کوئی بدمست | جس طرف وہ نگہ ہوش رُبا کرتے ہیں
آپ اور قتل کریں غیر کو ممکن ہی نہیں | کر نیوالے بھی کہیں منہ سے کہا کرتے ہیں
چھوڑئے ظلم و ستم دیکھئے میں مرتا ہوں | جان بلب پر کہیں بیداد کیا کرتے ہیں
آپ کیا کہتے ہیں دل مجھپہ تصدق کیجئے | دل تو کیا چیز ہے ہم جاں فدا کرتے ہیں

اصغر

(اصغر) منشی محمد فیاض احمد فاروقی باشندہ جھنجانہ ضلع مظفر نگر - حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں - انکے والد بھی شاعر ہیں اور اسحاق تخلص کرتے ہیں - کلام سے جو درج ذیل ہے آپکی خوش فکری ظاہر ہے ؎

قیامت میں دھرا کیا ہے قیامت کسکو کہتے ہیں | ترے کوچے میں کیا ایسا تماشہ ہو نہیں سکتا
وہ پارسا ہیں مرے میکدے میں اے زاہد | نکالدیتے ہیں اُسکو جو بے وضو آئے
وہ مست ہیں کہ جو مسجد میں آئے بہر نماز | تو لے کے ہاتھوں میں ہم ساغر و سبو آئے
وہ کہتے ہیں کہ چلا آئے بزم میں اصغر | مگر نہ ساتھ کوئی لے کے آرزو آئے

اب دو تین سال سے بریلی میں سکونت پذیر ہیں انتخاب کلام یہ ہے ؎

سب کچھ مجھے منظور ہے اے حضرت واعظ
ہاں ترک مگر عشق بتاں ہو نہیں سکتا

لگی ہے لو کسیکی اب تو ہردم
خیال تمہو رہے ادہر ہوں

ہچکیاں آکے مرنجائے عدو
یاد کیوں بار بار کرتے ہو

آج وعدہ ہے کس سے ملنے کا
کس لئے یہ سنگار کرتے ہو

یہ رک رک کے چلنا دم ذبح کیسا
یہ اے تیغ جلاد کیا ہو رہا ہے

اے شیخ میکدہ سے سواری بڑھائیے
جھگڑے نکالئے نہ حرام و حلال کے

زاہد شراب پی ہی لے آیا ہے گھر کے ابر
دریا میں جوش زن ہیں یہ مد و اقبال کے

نام لکھ لکھ کے مٹانے سے میرا کیا حاصل
میری تقدیر کے لکھے کو مٹانے کوئی

(**اطہر**) سید اعظم الدین رئیس و جاگیردار ریاست حیدر آباد دکن مولانا بیدل سے تلمذ ہے ؎

محبت میں ہوا برباد آخر
مرا کہنا نہ کچھ تو نے سنا دل

آج کرم مجھ پہ ہے کل ہے کرم غیر پر
روز نیا انقلاب دیکھئے کب تک رہے

توبہ میری دیکھئے ٹوٹتی ہے کس وقت تک
ترک شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے

برے وقت کا کوئی کب آشنا ہے
زمانہ ادہر ہے جدہر کی ہوا ہے

قتل کرنے کو مرے تلوار کی حاجت نہیں
تیغ سے کچھ کم نہیں [illegible]

(**اظفری**) مرزا محمد ظہیر الدین علی بخت اظفری گورگانی عرف مرزا کلاں مدراس اور کلکتہ میں بھی کچھ دنوں رہے تھے پھر دہلی واپس آ گئے سنہ [illegible]ھ میں حیات تھے زوال سلطنت شاہ عالم ثانی سے اپنے وقت تک کے حالات واقعات اظفری نامی سوانح عمری میں درج کئے تھے صاحب دیوان ریختہ گزرے ہیں واقعات اظفری اور دیوان اظفری کے قلمی نسخے سر ہنری ایلیٹ مرحوم مورخ ہندوستان و ملکہ اعظم ہند کے کتب خانہ میں تھے یا اب ولایت کے شاہی میوزیم میں موجود ہیں یہ انکا کلام ہے ؎

اطہر

اظفری

سنہ ۱۸۷۰ء سال ولادت ہے۔ اوائل شباب ہی میں فارسی کی درسیہ کتب ختم کرکے شاعری کی طرف توجہ کی کئی برس تک بطور خود کہتے رہے اور نعتیہ کلام رسالوں میں بھی شائع کراتے رہے۔ اب سنہ ۱۸۹۷ء سے مرزا سید محمد باقر صاحب حمید برادر حضرت تعشق مرحوم سے اصلاح لیتے ہیں۔ کثرت مشق کا یہ عالم ہے کہ چند ہی سال میں خاصہ ذخیرہ کلام فراہم کر لیا ہے مگر ابھی کلام میں پختگی نہیں آئی ہے سلام بھی اکثر کہتے ہیں۔ جو کلام ارسال کیا اُسکا یہ لب لباب ہے ۵

اک پیالہ بادۂ گلفام کا — ساقیا دے دے خدا کے نام کا
پھنس کے مرغ دل نکل سکتا نہیں — حلقۂ گیسو ہے حلقہ دام کا
کھڑے ہیں طالب دیدار آکر — خدا را دیکھ لو پردہ اٹھا کر
دل بیتاب عاشق کو وہ آکر — تسلی دے گئے باتیں بنا کر
مانا کہ منانا اس بت کافر کا مشکل ہے — تقدیر ہی میں جب نہ ہو پھر کیا کرے کوئی

جو سیر باغ کو وہ رشک آفتاب چلے — نسیم صبح وہیں تھام کر رکاب چلے
شراب پینے کو میخانے کی طرف ساقی — بچا کے آنکھ زمانے کی شیخ و شاب چلے

قاتل نہیں ہے تجھ سے زمانے میں اب گلہ — باعث ہماری قتل کا تیری ادا ہوئی
شب وصل وہ ایسے روٹھے کہ بس — کٹی رات ساری مناتے ہوئے

(اطہر) سید معشوق حسین۔ قصبہ بپور ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں عربی فارسی میں خاصی استعداد رکھتے ہیں شعر کا مذاق سن طفولیت ہی سے تھا۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں طبع موزوں کی مدد سے شعر کہنے لگے۔ شوخ طبع نوجوان ہیں۔ کئی سال تک جناب ناظر سے مشورہ لیتے رہے بعد میں جب خیال کی بلند پروازی بڑھی تو حضرت جلال کو اپنی استادی کے لئے انتخاب کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے کی مشق میں اچھی دستگاہ بہم پہونچا لی۔ آپکے اشعار میں معاملہ بندی کا لطف خوب ہے۔ اور آپکی لہک کر پڑھنے کی طرز اس تاثیر کو دوبالا کر دیتی ہے۔ کچھ دنوں بحیلۂ معلمی آپ کو میرٹھ میں رہنے اور وہاں کی مجالس مشاعرہ میں حصہ لینے کا اتفاق ہوا ہے

اطہر

پھر اسیر لکھنوی سے کی اخیر میں امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل کیا - اب کہتے کہتے مشاق ہو گئی ہے خط نستعلیق میں منشی کالکا پرشاد موجد سے اصلاح لی ہے - ۱۸۵۵ء میں ریاست بھوپال میں تعلق پیدا کیا - فارسی میں مولانا عباس رفعت کے شاگرد ہیں - ۱۲ برس بھوپال میں ملازمت کر کے گوالیار چلے آئے ۱۲ سال وہاں رہے اب چند سال سے پھر بمقام بھوپال نواب یسین محمد خان کی سرکار میں ملازم ہیں - تاریخ عمدہ او بہت جلد کہتے ہیں - خوشنویسی میں بھی ید طولےٰ حاصل ہے یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

کچھ ایسا رنگ پاں اچھلا لب جان بخش جاناں پر	ہزاروں حرف بدرنگی کھچے لعل بدخشاں پر
نگاہیں برسرکاوش ادائیں درپے ایذا	جفائیں ہو رہی ہیں بیطرح جان پریشاں پر
رواں ہے چشم گوہر سے لہو پر یہ تماشا ہے	ہنسی نادار کو آتی ہے میرے زخم خنداں پر
بلا آئی وبال آئے غضب آئے اجل آئے	نہ آئے پر نہ آئے دل کسی انساں کا انساں پر
لہو چھینٹا نہیں پڑتا شہیدان محبت کا	کہ رنگ خون بلبل آج تک ہے گل کے داماں پر
ہوائے قتل ہیں یہ پر یونکی صورت اڑتی پھرتی ہے	لگا لائی کہاں سے یار کی شمشیر براں پر
کیا ہے بیخودی نے نیک و بد سے بیخبر ایسا	کہ شکوہ دوست کا کرتا ہوں میں جاجا کے دشمن سے
کہاں تھا اس بلا کا سم قاتل کالی ناگوں میں	اُڑ آیا ہے یہ بس اُٹھتی ہوئی زلفوں کی ناگن سے
نظر بازی کا لپکا عمر بھر باقی رہا دل کو	بتوں کے عشق کا رکھتے تھے ہم چسکا لڑکپن سے
جگر مجروح ہے تیغ نگاہ ناز جاناں کا	مرے زخموں کے ٹانکے چاہئیں تر کا نکے سوزن سے

(**اعجاز**) منشی الٰہی بخش اعجاز لکھنوی زمانہ حال کے شعرا میں ہیں مگر اس سے زیادہ حال معلوم نہو سکا کہ آپ کو حضرت آسیر کے بڑے صاحبزادے جناب حکیم مرحوم سے تلمذ تھا - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

حسن و الفت کا ازل سے ہے بہم سوز و گداز	شمع و پروانہ کو اک ساتھ ہے جلتے دیکھا
بتوں کے عشق میں فرصت مجھے ملی نہ ملی	میں کعبے بھیجدوں ایمان ارمغاں کیطرح

گئے دن ہیں کہ یار نے مجھ سے	ربط بار دگر کیا پیدا
شکر اللہ آہ سے نے میری	اظفری کچھ اثر کیا پیدا
تیرے حسن و صفا کو جو دیکھا	آرسی اُس میں لاجواب ہوئی

اظہر

(اظہر) مولوی کرامت علی اظہر ولد شیخ امانت علی باشندۂ شیخ پور نواح فرخ آباد مقیم لکھنؤ شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی مرحوم - تاریخ گوئی میں بے نظیر تھے مرزا محتشم بخت کی تہنیت ولادت میں جو قصیدۂ فارسی لکھا تھا اُس میں عجیب عجیب صنعتیں رکھی تھیں یعنی ہر مصرع سے متعدد تاریخیں نکلتی تھیں - اُردو کا کلام حاضر ہے ؎

دکھا کے دستِ حنائی نہ خوں بہا دل کا	کہ اور رنگ سے لوں گا میں خوں بہا دل کا
بہار تجکو دکھائیں گے ہم بھی سے گلرو	کسی روش سے جو غنچہ کبھی کھلا دل کا
بہشت پہنچے ہے کب زاہد اُسکی وسعت کو	عجب روش کا ہے یہ باغ دل کشا دل کا
تاثیر حاضرات رکھے ہے چراغ دل	اپنا یہ از نگین سلیماں ہے داغ دل
اے حور آکے دیکھ گلِ داغ کی بہار	دلچسپ ہے یہ باغ ارم سے بھی باغ دل
تیری بلا سے مرے یا جیئے کوئی بیدرد	تو تجھکو درد ہو جانے پرائے تو دل کی

اظہر

(اظہر) مولوی میر اظہر علی مودودی - سہسوان ضلع مراد آباد کے قدیم باشندے اور اب ایک عرصہ سے ریاست بڑودہ میں سکونت پذیر ہیں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے انکے والد میر مظہر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں - اب انکی عمر ۳۲ برس کی ہے یہ کلام ہے ؎

عشاق ہیں خم ابروئے خمدار کے آگے	رہتی ہیں جھکی گردنیں تلوار کے آگے
پی کر تو نہیں آئے ہو کچھ خیر ہے واعظ	ہجو مٹے تاب اظہر میخوار کے آگے

اعجاز

(اعجاز) شیخ منشی محمد عبد العزیز معروف بہ اعجاز رقم ابن محمد صالح ساکن سہسوان ضلع بدایوں ان کا تاریخی نام آغا دہر ہے جس سے ۱۲۵۲ھ نکلتے ہیں - ایام طفولیت میں اپنے والدین کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - فن سخن کی تحصیل اول مولوی الٰہی بخش نازش اور

منتخب ہوکر درج کئے جاتے ہیں ؎

رنگ گل کا دہن ہے غنچہ کا	آنکھ نرگس کی قد صنوبر کا
نزولِ ابرِ رحمت حشر تک ہو	الٰہی مرقدِ پیرِ مغاں پر
کشتۂ ناز کو ٹھوکر وہ لگائیں کیونکر	مارنا ہے جسے اُسکو وہ جِلائیں کیونکر
لب جاں بخش کا اعجاز کو اعجاز دکھلادُو	جِلادو اسکو قم کہکر جو تم رشک مسیحا ہو
پندِ ناصح طنزِ زاہد سے ابھی ہوتا ہے کیا	اچھی صورت پر تو لاکھوں میں طبیعت آئیگی
داغِ دل داغ جگر میں جو چمک ہوتی ہے	مہ وخورشید میں کب ایسی جھلک ہوتی ہے

اعجاز

(**اعجاز**) مرزا اعجاز حسین صاحب بی اے دہلوی - خلف الرشید مرزا سرفراز حسین صاحب آپکے بزرگوں کا وطن دہلی ہے مگر آپکے والد ماجد نے غدر میں وطن کو خیرباد کہا اور بسلسلۂ ملازمت پنجاب کے مختلف اضلاع میں سکونت گزیں رہے - دہلی کے نامور اساتذہ کے روشناس اور بعض معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک رہ چکے ہیں - مرزا صاحب کو مذاق سخن بطور ورثہ ان سے ملا ہے - آپنے ۱۲ برس کی عمر میں ۱۸۹۶ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی - شروع ۱۸۹۹ء تک چیف کورٹ پنجاب میں مترجم رہے سوئنٹن صاحب کی تاریخ عالم اور لیڈ صاحب کی سائیکولوجی کا اُردو میں ترجمہ کیا جس پر پنجاب یونیورسٹی سے انعام پایا - شروع ۱۸۹۹ء سے اب تک انبالہ میں وکالت کرتے ہیں - اوائل مشق سخن میں اپنے والد ماجد سے اصلاح لیتے رہے جب کچھ مشق بڑھی تو فخر الاساتذہ میر مہدی مجروح دہلوی سے فخر تلمذ حاصل کیا میر صاحب ممدوح آپ پر حد درجہ عنایت فرماتے تھے - راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں - طرزِ قدیم و جدید دونو میں طبع آزمائی کرتے ہیں - اور کامیاب بھی ہوتے ہیں - آپ کا کلام مخزن میں اکثر شایع ہوتا رہتا ہے انشا پردازی میں بھی آپ کو اچھی مہارت حاصل ہے - کلام کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

اے زلیخا سوچ تو لینا تھا انجام کار	پھاڑ نا تھا حضرت یوسف کا داماں دیکھکر

امید تجھسے ہے اے شرمِ معصیت مجھکو — بناوے رحمتِ پروردگار سے قابل
ہو محویت یہ عشقِ بتِ خوش جمال میں — باقی نہ امتیاز ہو ہجر و وصال میں
اپنا ہی یہ جگر ہے کہ دل تمکو دے دیا — پھر اُس پہ ضبط یہ کہ ستم کا گلہ نہیں
لہو کا میرے اخفا اور پھر روزِ قیامت ہو — جو تو مکرے تری تلوار انگشتِ شہادت ہو

ہم ایسی دل لگی سے باز آئے — کہ دم بھر ہنس کے رونا عمر بھر ہو

گر یہ ہوس ہے وعدے کو ایفا کرے کوئی — عمرِ خضر کی پہلے تمنا کرے کوئی
دل میں سما گئی ہے ہمارے ادائے حسن — کچھ غم نہیں کہ آنکھ سے پردہ کرے کوئی
خوں گشتہ دل کا راز چھپایا بہت مگر — آنسو ٹپک پڑیں تو اسے کیا کرے کوئی
یہ چشمِ حق نگر کیا جانے کس جلوہ کی ہے خواہاں — میں بتخانہ میں ہوں لیکن خدا جانے کہاں دل ہے
اے جنوں آبلۂ پا کو بچائے کہ کبھی + — پیاس کانٹوں کی بجھے گی اسی پیمانے سے
جو فنا فی العشق ہے یکساں ہے اُسکو مرگ و زیست — زندگی پر کیوں خوشی ہو موت کا کیوں غم رہے

اعجاز

(**اعجاز**) منشی عبد الحئی خلف منشی محمد وارث ڈپٹی کلکٹر جبل پور ملک متوسط کے رئیسوں میں ہیں کلام سے شوخ طبع اور ذہین معلوم ہوتے ہیں - معاملہ گوئی کی طرف توجہ ہے - زبان اور تلاش بھی اچھی ہے - گلدستوں میں اکثر کلام شایع کراتے رہتے ہیں یہ آپکا طبع زاد کلام ہے

جو تیرِ ادا کا ترے بسمل نہیں ہوتا — کچھ لطف اُسے زیست کا حاصل نہیں ہوتا
کرو اعجاز دل اپنا تصدق — اشارہ ہے یہ چشمِ سرمگیں کا

بوسہ کے دینے میں جو ہے انکار آپ کو — دل بھی ہمارے پاس پھر اے نازنیں نہیں
جاتے ہوئے رقیب کے گھر وہ یہ کہہ گئے — بیٹھے رہو تم اپنا مقدر لئے ہوئے
واعظو تمکو مبارک ہو تمہاری جنت — بڑھ کے فردوس سے ہے کوچۂ دلدار مجھے

اعجاز

(**اعجاز**) منشی عبد القادر اعجاز چشتی صابری باشندہ بہروچ شاگرد حسان الہند نواب رضوان علیخاں مرادآبادی - نعتیہ کلام کیطرف زیادہ رغبت ہے - غزلوں کے چند اشعار

ناز سے گورِ غریباں پہ ہے آنیوالا
وہ مزار و تپہ قیامت کے اٹھانیوالا

دیکھکر خنجرِ پُر آب ترا دل بولا
کہ یہی میری لگی کا ہے بجھانیوالا

جھک کے ساقی یہ دعا دیتی ہیں پینے والے
یاالٰہی رہے آباد پلانے والا

دیکے مٹی مجھے بولے کہ ملا خاک میں کے
دل کے پردے میں مرا راز چھپانیوالا

تو نے دیکھی نہیں اے چرخ مری چاند کی شکل
وہ تری چاند کو ہے داغ لگانیوالا

ٹوٹے چٹک چٹک کے تمہاری قبا کے بند
اللہ رے جوشِ حسن تمہارے شباب کا

جانے گل تیوری چڑھا جاتے ہیں تربت پر مری
آ نکلتے ہیں جو وہ گورِ غریباں کی طرف

ضعف سے زنجیرِ پا وحشت میں چھالے پاؤں کے
دیکھتے ہیں پاس سے خارِ مغیلاں کیطرف

تھا سینکڑوں میں ایک مرا جانِ نثار دل
ایسا کبھی نہ پاؤ گے لاؤ ہزار دل

کہتا ہوں اُنکے عارض و گیسو کو دیکھ کر
اُس پر فدا ہو جان تو اُس پر نثار دل

ذکرِ جمالِ حور کرے ہم سے بار بار
رکھتے ہیں ہم بھی زاہدِ پرہیزگار دل

بڑی ہے لذتِ دولت سے فقر کی لذت
فقیر کب طمع مال و جاہ کرتے ہیں

ہماری زخم دل کو سی رہی ہیں آپ ہنس ہنس کر
یہ مطلب ہے کہ اب باہر نہ دل سے کوئی حسرت ہو

تمنا ہے کہ وقتِ ذبح قاتل
تہِ پا سر تو سوئے رخ نظر ہو

جو تم سینے پہ رکھ دو پیار سے ہاتھ
تو پھر اے جاں کیوں دردِ جگر ہو

لیے دے اُٹھے منی آرہے ہو کسکے مدفن سے
پڑی ہے گرد کیسی جھاڑ ڈالو اپنے دامن سے

کچھ ایسی بیکسی چھائی تھی لیکر پھول جب آیا
تو رویا ہے لپٹکر کوئی ہیروں میرے مدفن سے

چمن میں یہ اثر ہے جوشِ الفت کا بہار آئی
جو بلبل کو غش آیا گل ہوا دیتے ہیں دامن سے

چشمانِ مست یار وہ کیفی بلا کے ہیں
ذی ہوش انکے دور میں بیہوش ہو گئے

مسجد میں جا کے بگڑے اعزاز پارسا
پہنچے جو میکدے میں تو مینوش ہو گئے

اچھا نہ میرے سامنے آیا کرے کوئی
چشمِ خیال سے بھی تو پردہ کرے کوئی

لکھنؤ اور لکھنؤ والوں کی ساری خوبیاں
ہو سخن کو ناز جتنا اپنی خوبی پر بجا

عشق نے حسن کا پھیلایا یہ جال اچھا ہے
ناز و انداز و ادا حسن کے سب چیلے ہیں

راحت یاس تو ملتی ہی اگر وصل نہیں
دردِ پنہاں انہیں کسطرح دکھاوے اعجاز
اپنا دکھڑا ہر جگہ ہر جا نہ رونا چاہئے

شش جہت میں سیکڑوں جلوے لگے ہیں منتظر
جیسے وہ آئینگے سب ظاہر ہے پرلے انتظار

جلوۂ دیدار لطفِ ہم کلامی ذوقِ وصل
پھر چلے اُس بزم میں اے حضرتِ دل خیر ہے

کچھ ہنسی ٹھٹھہ نہیں اعجاز یہ تو عشق ہے
انساں کے قول و فعل میں اس درجے اختلاف

متاع کوشش بے مدعا کی کیا خبر تجھ کو
یہ اپنی ہمت سے تعرض کیا خصومت کیوں

تنِ خاکی نہ کیوں برباد ہو جاں کے نکلنے سے
مرے دل سے کوئی پوچھے کوئی میرا جگر دیکھے

آگئیں یاد ہمیں حامد علیخاں[1] دیکھکر
وہ سخن فہم و سخن سنج و سخنداں دیکھکر

دل پھنسا لینے میں ظالم کو کمال اچھا ہے
اُس کی ہر آن بھلی جسکا جمال اچھا ہے

عشق کو کہئے بُرا کیوں جو مآل اچھا ہے
مُنہ سے کہتے ہی بنتی ہے کہ حال اچھا ہے

حالِ دل کہنے کو اے ناداں سلیقہ چاہئے
ہاں درِ آئینۂ دل ہر طرف وا چاہئے

کچھ نہ کچھ تو اپنے جینے کا سہارا چاہئے
اس دلِ بے صبر ظالم کو بھی کیا کیا چاہئے

شرح رمز خلد و آدم کیا دوبارا چاہئے
اس کو دل لوہے کا پتھر کا کلیجہ چاہئے

منبر پناہ مانگ رہا ہے خطیب سے

تری حدِ نظر اے بوالہوس سود و زیاں تک ہے
کسی کی دوڑ مسجد تک کسی کی کوے بتاں تک ہے
سرا کی ساری آبادی قیامِ کارواں تک ہے
خلش اس کم نگاہی کی کہاں تک ہے کہاں تک ہے

اعزاز

(اعزاز) ٹھاکر امیشر بخش سنگھ صاحب تعلقہ دار سیماپہر سری ضلع سیتاپور اودھ معاملہ خوب باندھتے ہیں - زبان صاف ستھری اور بندش اچھی ہے غالباً حضرت وسیم سے مشورہ سخن کرتے ہیں - سن شریف چالیس برس کے قریب ہے - کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

[1] مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ و رئیس امروہہ - راقم تذکرہ کے دلی عنایت فرما اور بڑے قابل نکتہ سنج سخن فہم ہیں

زندگی بھر نہ یمِ دیدۂ گریاں ٹھیرا
کشتیٔ عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھیرا

زخم کاری لگا تو چوم لیا
قبضہ خنجر کا ہاتھ قاتل کا

کوئی کر سکا دل نہ اپنا لہو
مرا ساتھ برگِ حنا نے دیا

تھا مقدر میں یہ کہ قاتل کا
ہم بگڑتے تو بانکپن بنتا

خنجر کا نہ بسمل ہوں نہ شمشیرِ جفا کا
انداز کا مقتول ہوں کشتہ ہوں ادا کا

ساقی نے دیا جام مئے جنبری کا
اب ہوش ہے شیشہ کا نہ شیشہ کی پری کا

ہر ظلم سہیدہ ہے ترے جور سے رہی
شکوہ نہیں کرتا کوئی بیدادگری کا

خیالِ جاناں میں جان دینا خیال جس میں ہے میرا جینا
انہیں سے رغبت انہیں سے الفت نہیں ہے مرنا انہیں سے جینا

تمہاری صورت کے دیکھنے سے ہماری ہوتی ہے زندگانی
ہمارا لکھا ہوا ہے گویا تمہاری لوحِ جبیں میں جینا

بغیر اُس کے جو خضر آ کر اُسے زلالِ حیات دیتے
کبھی گوارا نہ قیس کرتا فراقِ محمل نشیں میں جینا

نصیب ہے یہ ہلاک اُن کو کہہ رہے ہیں مدام تم سے
ہماری پوچھو تو ہے تمہاری ہاں میں مرنا نہیں میں جینا

گدا کی مرگ و حیات سے نوبری ہیں دنیا کے ورنہ
نہ فکرِ طبل و علم میں مرنا نہ شوقِ تاج و نگیں میں جینا

برق کیوں چمکی سبب کیا سیل کی بنیاد کا
گھر بنا بھی تو نہیں مجھ خانماں برباد کا

بوالہوس وہ ہیں جنہیں ہے حوصلہ فریاد کا
ہم تو شکوہ بھی نہیں لاتے تری بیداد کا

لیلیٰ کو کھولنے دو ذرا گیسوئے دراز
مجنوں کے بند بند میں زنجیر دیکھنا

آنکھوں کی آرزو ہے ذرا کیجئے نگاہ
یہ چاہتی ہیں آپ کی تصویر دیکھنا

کس طرح اپنے یگانوں کو یگانہ سمجھوں
کام اپنے کے نہ آوے تو وہ کیسا اپنا

اُس کو بھی کیا آپ کی رفتار نے پامال
ٹھوکر سے بھی ہنگامۂ محشر نہیں اُٹھتا

کس قدر تاثیر تھی میری زبانِ عجز میں
یاں دعا کی واں درِ عرشِ معلیٰ کھل گیا

جس نے تقدیر سے دیکھا رخِ زیبا تیرا
زندگی بھر وہ رہا محوِ تماشا تیرا

فارغ البال کیا بے سروسامانی نے
مال دنیا نہ رہا چور کا کھٹکا نہ رہا

عشاق کو نہ جلوہ دکھائے مزہ ہو جب
محشر کے دن بھی وعدۂ فردا کرے کوئی

کوئی ادا سے تیر لگا کر چلا گیا
لوٹا کرے کہ خاک پہ تڑپا کرے کوئی

مملو کسی کے دیدہ و دل خون سے رہیں
لبریز مے سے ساغر و مینا کرے کوئی

رہا دل گیسوئے جاناں میں جا کے
پھنسا خود ہمکو آفت میں پھنسا کے

کسی گل کے ہیں یہ داغ محبت
نہ کیوں رکھوں انہیں دل سے لگا کے

بوسہ دے کر غیر کو مجھ سے کہا
آپ کہئے آپ کو کیا چاہئے

دل کی قیمت ایک بوسہ ہے گراں
اور کیا اس سے بھی سستا چاہئے

اعظم

(اعظم) اعظم خاں نام - دہلی کے رہنے والے اور حضرت شاہ نصیر کے شاگردوں میں تھے - کچھ دنوں مشق کر کے طبیعت اس فن سے اچٹ گئی اور کسب علوم کیطرف متوجہ ہوئے - عرصہ ہوا انتقال کیا ۵

اسی مضمون سے معلوم اُسکی سرد مہری ہے
جو اسنے مجھ کو نامہ کاغذ کشمیر پہ لکھا

سوز دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم

کیا یہ عکس دام کم ہے جوشن فولاد سے
ہے اسیری میں لڑائی صید کو صیاد سے

اعظم

(اعظم) شیخ اعظم حسین اعظم - آتش و ناسخ کے ہمعصر تھے زیادہ حال معلوم نہیں ۵

جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں میں
کہئے کب وصل کی ٹھہرائیے گا

ہنس کے بولے کہ شامت آ جائے
کیا کہا پھر ذرا فرمائیے گا

اعظم

(اعظم) منشی مرزا اعظم علی اعظم بن محمد رضا مرحوم باشندۂ الہ آباد خواجہ آتش سے تلمذ تھا عدالت آگرہ میں عرصہ تک ملازم رہے پھر پنشن یاب ہو کر الہ آباد اپنے قدیم وطن میں خانہ نشین ہو گئے - مشاق و باکمال شاعر تھے طبیعت مضمون خیز و جدت پسند تھی - صاحب دیوان گذرے ہیں سنہ ۱۲۷۱ھ میں انکا دیوان آگرہ کے مطبع میں چھپا تھا - سنہ [illegible]ء میں پیدا ہوئے تھے عرصہ ہوا انتقال کیا - انتخاب کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے ۵

حوصلہ دنیا کا زر کے ساتھ ہے ‖ طاقتِ پرواز پر کے ساتھ ہے

اچھی ہے وہ دولت جو تری راہ میں اُٹھے ‖ وہ پاک کمائی ہے جو اس راہ میں اُٹھے

واں جھڑکیاں ہیں قاصدِ ناکام کے لئے ‖ یاں نقدِ جاں ہے ہاتھ میں انعام کے لئے

غرض سندوں کی الفت کا عبث تمکو بھروسہ ہے ‖ وہ کیونکر آشنا ٹھہرے جو مطلب آشنا ٹھہرے

(**اعظم**) مولوی عبدالصمد عرف محبوب جان - برادر خورد مولوی وجیہ اللہ خاں بہادر متخلص بہ داغ و خلف مولوی محمد وجیہ مدرس اول مدرسہ کلکتہ - کلکتہ کے رہنے والے اور حضرتِ نساخ صاحب تذکرہ سخن شعرا کے شاگرد تھے سنہ ۱۸۸۱ء میں زندہ و سلامت موجود تھے - یہ اِن کا کلام ہے ؎

بانیٔ ارض و فلک تک تجھ پہ شیدا ہو گیا ‖ جس نے دیکھا تجھکو وہ محوِ تماشا ہو گیا

شکوہ کس کس کی عداوت کا اے اعظم کروں ‖ ایک عالم اُس جہاں آرا کا شیدا ہو گیا

لاکھ صورت سے بنائیں آئینہ گر آئینہ ‖ دل سے ہرگز ہو صفائی میں نہ بڑھ کر آئینہ

روئے آتش رنگ کی دیکھے جھلک گر آئینہ ‖ صورتِ سیماب ہو بیتاب و مضطر آئینہ

ہے دلِ نالاں کو میرے عشق روئے صاف سے ‖ کھل گئی قلعی فدا ہے آئینہ پر آئینہ

(**افروز**) مولوی عبدالرزاق عظیم آبادی - آپکو غالباً خان بہادر مولانا علی محمد صاحب شاد سے تلمذ حاصل ہے - چند اشعار بطور نمونہ کلام حاضر ہیں ؎

سرمۂ دیدۂ مقصود بنیں گے مٹ کر ‖ کیا کریں خاک جو ہونگی ہوس ہم نہ کریں

عالم افروز جہاں جلوے ہیں اُسکے افروز ‖ دیدۂ دل کا کہیں او ہی عالم نہ کریں

لوحِ تربت ہے کہ عبرت کا اک آئینہ ہے ‖ دیکھکر صورت کے آثار جھلک جاتے ہیں

چشمِ میگوں ہے تری ہوشربا اے ساقی ‖ مست کیا دیکھ کے ہشیار بہک جاتے ہیں

نکالیں تمنا کریں ظلم آئیں ‖ کہاں ہیں کدھر ہیں جفا کرنے والے

شوخیٔ چشمِ یار کیا کہنا ‖ نہ رہی کچھ جگہ حیا کے لیے

آپ کے خنجرِ مژگاں کا اشارہ گر ہو
سرِ جانباز ہتھیلی پہ دھرا آئے نظر

ہمیں گو اُن کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں
وگرنہ واں کوئی پروا نہیں حجاب نہیں

کوئی محمل میں نہیں ہے پسِ پردہ ہم ہیں
برملا قیس کو دعویٰ ہے کہ لیلیٰ ہم ہیں

اس لئے چپ ہیں کہ کوئی نہیں سننے والا
ورنہ کہنے کو سراپا لبِ گویا ہم ہیں

سوانگ لاتے ہیں نئے رنگ بدلتے ہیں نئے
یہ طلسمی ہے جہاں اسمیں تماشا ہم ہیں

خوشی دیکھتے ہیں محن دیکھتے ہیں
تماشائے چرخِ کہن دیکھتے ہیں

اُن کی ہمیں اٹکھیلیوں کی چال نے مارا
دھرتے ہیں کدھر پاؤں کدھر دیکھ رہے ہیں

لڑکپن میں تھا کچھ امتیازِ ذائقہ ورنہ
حلاوت نعمتِ دنیا کی ملتی شیرِ مادر میں

واہ رے رزاقیِ رزاق وشانِ پرورش
طفل پیدا ہوا تو پیدا شیرِ مادر ساتھ ہو

عیش وراحت کا بھی اسباب مہیا ہوگا
سر سے بارِ غمِ ایام تو ٹلجانے دو

روک لیوے گا اُسے روکنے والا دیر
ناوکِ غمزۂ خوں ریز بھی چلجانے دو

خیر جانے کو جو کہتے ہو تو جاؤ لیکن
آرزوے دلِ بیتاب نکل جانے دو

کعبہ کو نہ چھوڑیں گے نہ ہم دیر کے در کو
اک روز ادھر جائیں گے اک روز ادھر کو

کیا اُن کا بھروسہ اُنہیں جانباز نہ کہئے
جو آپ کی نظروں سے بچاتے ہیں جگر کو

سُن لیجیو کہ تیغِ نگہ کام کر گئی
دل میں جگر میں سینہ میں ہر جا ں لگی

سر بیچ کے اعظم نے خریدا ہے غمِ عشق
دل دیکے مری جان یہ آزار لیا ہے

تو وہ بت ہے کہ تری جلوہ نمائی کے لئے
آرزو خانۂ کعبہ میں مسلماں کرتے

خوب آہِ دلِ بیتاب رسا ہوتی ہے
میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے

لو کے دیتے ہیں سینہ میں جو مخفی ساز ہے
دل ہمارا کشتۂ تیغِ نگاہ ناز ہے

چاہو تو بدل سکتے ہو تقدیر ہماری
ہر طرح سے کر سکتے ہو تدبیر ہماری

طوفِ مزارِ کشتۂ دیدار کے لئے
جانا تو پھول نرگسِ بیمار کے لئے

سیماب کی طرح سے بے تاب اک جہاں ہے	تنہا نہ اک میں ہی ہوں بے قرار تجھ بن

افسر

(افسر) شیخ غلام اشرف آفسر - انکے والد شیخ غلام رسول شاہی گاؤ خانہ کے چودھری تھے - یہ خود اکثر مرثیہ وسلام کہا کرتے تھے اور اُس میں اشرف تخلص کرتے تھے - غزلیات میں آفسر تخلص اور حضرت مصحفی سے تلمذ تھا - کلام سے موزونی فکر ظاہر ہے ؎

جب دیکھے ہے یہ داغ سیہ اپنی جبیں پر	آتا ہے اُسے رشک ترے روے حسیں پر
معلوم نہیں کیا ہے تہ خاک تماشا	نرگس کی جو رہتی ہے جھکی آنکھ زمیں پر
چپ رہ یہ ماہ کے نہ کیا کر خیال تو	آئینہ لے کے دیکھ ٹک اپنا جمال تو
گویا شفق میں پنجۂ خورشید غرق ہے	جسوقت ہاتھ مہندی سے کرتا ہے لال تو
ٹک نزکت دیکھیو پہنے ہے جب گجرا وہ شوخ	شاخ گل سا ہاتھ لچکے ہے گلوں کے بار سے

افسر

(افسر) صاحب عالم مرزا محمد عثمان افسر گورگانی مرحوم عرف مرزا توڑے خلف الرشید صاحبعالم وعالمیان میرزا خضر سلطان بہادر خضر - فرزند ارجمند حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی - مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم سے تلمذ تھا کوشش بلیغ سے چند غزلیں بہم پہونچیں اُن میں سے چند اشعار منتخب ہوکر درج تذکرہ ہوتے ہیں بعد انغدر اپنی پھوپھی صاحبہ زوجۂ مرزا الٰہی بخش کی ظل حمایت میں اوقات بسر کرتے رہے نہایت منکسر مزاج آزادہ رو مستغنی - غیور اور ملنسار ہنس مکھ آدمی تھے - تقریباً ۱۳۰۶ھ میں بعمر چہل سال بمقام دہلی انتقال فرمایا ؎

جانے دیا ہمیں نہ وہاں دل کے خوف نے	در بان نہ تھا رقیب نہ تھا پاسباں نہ تھا
عزیز اُن سے کریں جان زار ہو نسکا	طلب کی دیر تھی پر انتظار ہو نسکا
ہمارے اُن کی بھی برسوں رہیں نبھے جاتی	عدو کا شیوہ مگر اختیار ہو نسکا
گلہ بجا ہے یہ اُن کا گزر ہی جاتی رات	مجھی سے حیا رہ پر انتظار ہو نسکا
بتوں کے عشق سے پرہیز جیتے جی مجھسے	یہی کہوں گا کہ پروردگار ہو نسکا

افسر

(**افسر**) نواب احمد یار خاں خلف الرشید نواب محمد یار خاں امیر - جنکا ذکر اسی ردیف میں آگے آئیگا - رؤسائے رام پور روہیلکھنڈ میں صاحب اقتدار بالخصوص شعرا کے بڑے مربی و قدردان گذرے ہیں - شعر و سخن کا ابتدائے سن تمیز ہی سے عشق تھا - قائم چاندپوری سے مشورۂ سخن فرماتے تھے - نہایت باذل - بامروت - سیر چشم - خلیق - اور اپنے ہمسروں میں ذاتی شجاعت - دلیری اور کمالات سپہگری کے سبب ممتاز تھے - قائم چاندپوری کے بعد حافظ شبراتی صاحب طالب سے بھی اصلاح لی - پچانوے برس کی عمر پاکر ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

برقع جو رات منہ سے ترے دور ہو گیا
خجلت سے ماہ چرخ پہ بے نور ہو گیا

جوں گل یہ حسن ہووے ہے اک آن میں ہوا
وہ چیز کیا ہے جس پہ تو مغرور ہو گیا

شیشے سے دل کی کونسی نازک ہے اے عزیز
اک ٹھیس سے نگاہ کی جو چور ہو گیا

قدرت پہ یاں کی بھول نہ افسر کہ پیش ازیں
کیا کیا جہاں میں خلق کو مقدور ہو گیا

سُن لیجو آنسوؤں نے فلک سے گزر کیا
جسدم کہ وقف گریہ میں خونِ جگر گیا

مستی کی اُس نگاہ کی کچھ کیفیت نہ پوچھ
گردش نے جسکی ایک جہاں بے خبر کیا

اُڑ جاوید مثلِ حباب اس جہاں کا
کہ یہ زندگی کوئی دم ہے غنیمت

سامنے ہو جو اُس ابرو کے افسر زینہار
اک اشارے میں وہ دو کرتا ہے تلوار کیطرح

دیکھا ہے جسنے حسن کا تیرے شکوہ و شاں
حیران ہی نت رہا ہے وہ تصویر کیطرح

کسکو ہے یہ شکار کی رغبت کہ اک جہاں
تڑپے ہے خاک و خوں میں نخچیر کیطرح

اے شمع رو نہ کیونکر جلوں میں کہ مدعی
مُنہ میں تری زبان سے گلگیر کیطرح

افسر کی گفتگو کا سلیقہ میں کیا کہوں
سب سے جدا کچھ اُس کی ہے تقریر کیطرح

مجھ پہ نامہرباں ہوئے جو تم
ہے یہ کس مہربان کی خاطر

قاصد تو ہی بتا کون سا پیغام لکھوں
ہوں میں گمنام سرنامہ پہ کیا نام لکھوں

(افسر) راجہ پدمانند سنگھ صاحب بہادر آفسر۔ فرمانروائے راج بنیلی دکھرک پور ضلع پورنیہ بھاگل پور جون ۱۸۵۳ء میں بعمر ۲۹ سال اپنے دادا مرحوم مہاراجہ لیلا نند سنگھ کی وفات کے بعد مسند ریاست پر رونق افروز ہوئے اُردو و فارسی بنگلہ انگریزی ہر چہار زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں بڑے وجیہ شکیل ہوشیار رئیس ہیں۔ آپکے پردادا راجہ دولار سنگھ نے جنگ نیپال میں برٹش گورنمنٹ کی فوج اور رسد سے اعانت کی جسکے صلہ میں راجہ بہادر کا خطاب پایا جواب خاندان میں موروثی ہے۔ باوجود مشاغل کثیر گاہے گاہے تفنن طبع کے لئے شعر گوئی کیطرف بھی توجہ فرماتے ہیں۔ بہار اور بنگال کے روسا میں آپ کو امتیازی درجہ حاصل ہے کلام ملاحظہ ہو ؎

دل میں حسرت نہ رہے آج اگر تم چاہو	لب پہ لب سینہ بسینہ ہو لبِ وصل کی رات
یہ ہے شوخی کہ مجھے آپ تو بھیجا نہ جواب	خط نہ لکھنے کا گلہ اس پہ ہے اُلٹا اے شوخ
چاہنے والے کی ہوتی نہیں چاہت برباد	شمع جل کر ہوئی پروانہ کی صورت برباد
قدرداں ہم ہیں ہمیں آ کے سنگھاؤ صاحب	مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد
جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہو گئیں	تیغِ اجل نے کاٹ دئے دست و پائے حرص

(افسر) منشی اعظم علی آفسر باشندہ سندیلہ عرصہ دراز سے بھوپال میں سکونت پذیر اور وہاں کی عدالتوں میں وکالت کرتے ہیں ؎

جوبن اُبھر ابھر کے جتاتا ہے یار کا	پھل پا چکا ہے عشق میں منصور دار کا
افسر ہے شرطِ عشق کہ یہ شغل رہے	لب پر ہو ذکر دل میں تصور ہو یار کا
شوخی میں ہے آفت تو قیامت ہے حیا میں	ہیں رنگ نرالے تری ہر ایک ادا میں
سرکاتے ہیں وہ زلفِ سیہ فام جو رخ سے	بجلی سی چمک جاتی ہے اِک کالی گھٹا میں
بیمارِ محبت کو ملے شربتِ دیدار	کیا خاک اثر ہو گا طبیبوں کی دوا میں
کہتے ہیں وہ خونِ دلِ عشاق کو مل کر	جو بات ہے اسمیں وہ کہاں رنگِ حنا میں

عدو کی بات نہ سمجھے وہی رزنک نے دل پہ
ہزار چاہا کریں اعتبار ہو نسکا

جنازہ پہ وہ بے وفا ہو گیا
مرے حق میں مرنا بھلا ہو گیا

کیوں سر پہ خون لیتے ہو اُس بیگناہ کا
دیکھو یہ بوجھ تم سے اُٹھایا نجائے گا

ہوگا عدو کو بھی یہی دن ایک دن نصیب
یوں دل میں شاد ہیں ستم ناروا سے ہم

تنگ ہے گر وفا جفا کیجے
کچھ تو پاس اپنے نام کا کیجے

اب جفا کا بھی اُن کو مزہ ہے
پھر کس امید پر وفا کیجے

مکیں کو اُنس ستے ہیں مکاں سے
تمیں تو ربط دل سے اور نہ جاں سے

تری الفت میں یہ حاصل ہوا ہے
عداوت ہو گئی سارے جہاں سے

اہلِ وفا کی اتنی تو توقیر چاہیے
یعنی ہماری نعش کی تشہیر چاہیے

پورے ہوا اپنی ضد کے تو لو ہم بگڑ گیا
اب تمکو مجھسے ملنے کی تدبیر چاہیئے

میں بدگماں حد سے سوا آپکی یہ ڈھنگ
کھنیچے رہی ہے کون سی صورت نباہ کی

لو جان و دل پہ بن گئی کیوں اب تو خوش ہوئے
برسوں سے افسر آپ کو حسرت تھی چاہ کی

مرا دل شمع ساں جلتا ہے ہر شب
خدا جانے لگی ہے لو کہاں کی

رہائی ہوگئی بدتر قفس سے
گئی جو چھوٹ عادت آشیاں کی

افسر

(افسر) نواب غلام ربانی صاحب افسر سنہ ۱۸۸۸ء تک کلکتہ میں باعزاز و آبرو بسر کرتے تھے آپ کو غالباً سلطان ٹیپو کے خاندان سے قرابت تھی۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ مذاق سخن اچھا تھا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش کیئے جاتے ہیں ۵

اے نگاہِ واپسیں قرباں تری تاثیر کے
لوٹتے قاتل کو دیکھا خاک پر بسمل کے پاس

اللہ رے میرے جرم و گناہ کی ترقیاں
بھاگے فرشتے پھینک کے فردِ حساب کو

تم کیا پھرے کہ سارا جہاں ہم سے پھر گیا
کہتے خدا کا قہر تمہارے عتاب کو

اُس مست نے نظر بھی نہ کی میری سمت کو
کہتے ہیں دور کرنا ہے نشہ حجاب کو

کس زباں سے ہو بیاں صبحِ شبِ وصل کا حال
جب کہا ناز سے اُس شوخ نے لو جاتے ہیں

ہے نئی طرزِ جفا کہتے ہیں مجھ سے ہر دم
منتظر ہو گا ہمارا کوئی لو جاتے ہیں

اے ماہ رو جھلکتے ہیں عارض نقاب میں
کہتا ہے حُسن میں نہ رہوں گا حجاب میں

ضد ہر اک بات میں اچھی نہیں ہوتی دیکھو
اپنے عاشق کا کہا مان لیا کرتے ہیں

اُٹھتا ہے درد اس لئے تعظیم کے لئے
آمد کسی کی ہے دلِ خانہ خراب میں

دل لے گیا باتوں میں اُڑا کر کوئی افسر
ہے دھیان کہاں آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

جگر پہ ہاتھ دھرے پھرتے آپ بھی ناصح
جو آپ کو کسی دلبر کی آرزو ہوتی

(**افسر**) منشی بشیر الدین چشتی اورنگ آبادی - ولد مولوی رحیم الدین انصاری ۱۲۸۴ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت پاکر سررشتۂ مال گزاری میں ملازم ہوئے اور ۲۰ برس تک مختلف خدمات پر مامور رہے۔ فی الحال محکمۂ صوبہ داری اورنگ آباد میں صیغہ دار ہیں۔ طبیعت میں شوخی اور زبان میں تیکھاپن ہے۔ ابتدائے شباب سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ اوائل عمر میں بالکل عاشقانہ رنگ تھا اب زیادہ تر نعتیہ اشعار کہتے ہیں۔ جب پہلی دفعہ حضرتِ داغ دہلوی حیدر آباد تشریف لے گئے تو اسی زمانے میں آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ پہلے مطلعِ سخن کے نام سے ایک ماہواری رسالہ بھی نکالا تھا جو بعد میں بند ہو گیا۔ ان کا ایک مختصر دیوان اور ایک مرثیہ چھپ گیا ہے ترتیب تذکرہ کے وقت نظر سے گزرا۔ آپ فنِ سخن کے علاوہ طب میں بھی مداخلت رکھتے ہیں۔ یہ فنِ شریف حکیم عبدالباسط صاحب اورنگ آبادی سے حاصل کیا تھا۔ کلام زیبِ تذکرہ ہے ؎

الٰہی حمد میں مقبول اتنا ہو سخن میرا
کہ چومے تیری قدرت بھی محبت سے دہن میرا

تری بندہ نوازی نے کیا ہے اتنا مستغنی
کہوں کیوں کر عرب میرا عجم میرا دکن میرا

الٰہی دردِ الفت کی شکایت لکھتے ہیں شاعر
میں کہتا ہوں نہ چھوٹے دل سے یہ دردِ کہن میرا

مرے رونے پہ وہ کہتے ہیں ہنس کر　　یہ ساون کی گھٹا کچھ دن تو برسے

افسر

(افسرؔ) منشی سید احمد افسر حیدرآبادی ۱۳۰۳ھ میں ۲۴ برس کی عمر تھی اور نواب میر عباس حسین خاں آتش شدر کو کلام دکھاتے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ؎

ہے شوق کی افزایش الفت میں فنا ہونا　　جاں سیکھتی ہے دل سے قربان ادا ہونا
محشر میں نقاب رخ زیبا نہ اُلٹنا　　تم دیکھنے دو خلق کو دیدار خدا کا
اپنی سلامتی کا دوگانہ ادا کرے　　خط دے کے نامہ بر نہ سائل جواب کا

افسر

(افسرؔ) منشی میر معشوق حسین عرف عبدالصمد صاحب کاکوری کے رہنے والے اور اُناؤ کے مدرسہ میں مولوی ہیں یہ آپکا کلام ہے ؎

خون عاشق کا ذرا ہاتھوں میں ملکر دیکھیے　　آپ ہی کہئے گا پھر رنگ حنا کچھ بھی نہیں

جس کو عاشق وہ جان لیتے ہیں　　بس اُسی کی وہ جان لیتے ہیں
کم ہیں کیا اُن کی ابرو مژگاں　　کیوں وہ تیر و کمان لیتے ہیں
دلبری اب کہاں رہی افسر　　جب کہ دل پر بھی جان لیتے ہیں
سوال وصل پہ ہر دم نہیں ہے　　خدا آئے کبھی تو مُنہ سے ہاں کی
کرو دل تیر مژگاں کا نشانہ　　تمیں حاجت ہے کیا تیر و کماں کی
خیر رہے خیر ہے اے حضرت افسر یہ کیا　　سامنے غیروں کے دلبر کی شکایت کیسی

افسر

(افسرؔ)[1] حکیم حاجی حافظ محمود حسین مودودی مقیم بڑودہ خلف سید احمد حسن فنا۔ ذاکر حسین یاس مرحوم سے تلمذ تھا۔ اصلی وطن سہسوان ہے مگر اب عرصے سے بڑودہ میں بہ سلسلۂ طبابت سکونت پذیر ہیں کچھ شعر کلام ہم رسیدہ سے انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں ؎

پند ہے آپ کی اے حضرت ناصح بے سود　　یاں تو قابو ہی میں کمبخت نہیں دل اپنا
حضرت واعظ نہ پوچھو اس کا لطف　　خلد بھی صدقہ ہے کوے یار پر
مرقد عاشق بیکس پہ وہ رو جاتے ہیں　　تھی جو کچھ دل میں کدورت اُسے دھو جاتے ہیں

[1] ذی استعداد۔ شوقین۔ پُرگو۔ صاحب دیوان غیر مطبوعہ ہیں۔ اب مولانا ثاقب بدایونی کے شاگرد ہیں ۱۲

حاضر ہے ۵

اللہ رے غرورِ شباب اُف رے نازِ حُسن
ناصح اسے حرام نہ کر توبہ توبہ کر
وہ اس مزے سے کہتے ہیں ہنس ہنس کے تلخ بات
وہ گل اگر ہمارا جنازہ اُٹھائے گا
تو جان ہے بہار کی بلبل تو ہر طرف
غم کا پہاڑ صبر کے تیشہ سے کاٹتا
افسر صبا نے پھونک دیا گوشِ گل میں کیا
عالم کا رنگ کیا کیا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
دل لینے میں ہمارے کیوں سوچ تمکو کیا ہے
رحمت نے تیری مجھکو دی ہے امیدِ بخشش
دل سے ہمیں شکایت تھی اور ہے بھی اور ہوگی
کیوں تمکو اُس سے افسر امید ہے وفا کی
اُدھر کیا دیکھتا جاتا ہے مُنہ پھیرے ہوئے ہم سے
زندہ ہوں یا مُردہ حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
عمر بھر مجھ سے نہ بولیں ہنس پڑیں اک بات پر
آتشِ دوزخ بجھا دے چاہے دامن تر کرے
کیا ہوں شاکی تنگدستی سے فراغت سے ہوں خوش
رہبرِ انساں ہیں وہ تو کرتے ہیں گمراہ بھی
قید رکھے عمر بھر محروم پھر نہ رہنے دے اسیر
بڑھنا جب تو بدر ہوتا ۔ گھٹتا تو ہوتا ہلال

بلبل کے نالے سنکے ذرا بھی نہ مسکے پھول
پیمانے میں ہے ساقی پیماں شکن کے پھول
گویا دہن سے جھڑتے ہیں شیریں سخن کے پھول
لاشہ خوشی سے جائیگا اندر کفن کے پھول
صدقے ہزار جی سے ہیں تجھ سیمتن کے پھول
ناحق کو ہاتھ پاؤں گئے کوہکن کے پھول
سُنکر جو آگ ہوگئے مارے جلن کے پھول
لیکن حسین تجھ سا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
لکھ دیں کہ ہمکو دے دے ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
خوفِ جزائے فردا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
اوروں سے کوئی شکوہ ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
وہ بیوفا کسیکا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
ادھر آنکھیں ملاؤ اے بے مروت دیکھنے والے
اب تو کچھ دل سے خیال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
آپکا مجھسے ملال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
میرا اشکِ انفعال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
دیکھتا ہوں سب کا حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
کفر و ایماں کا تو حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
آپکی زلفوں کا حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
ماہ کو حاصل کمال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

خاک ہوکر سر پہ نچاتے ہیں ہم
مٹا ہے کہ طرز عمل اُنکی بدلی
شب ہجر کو ہمنے گھٹتے نہ دیکھا
دیا ایک بوسہ جو تم نے ہوا کیا

جب تو آنکھوں میں جگہ پاتے ہیں ہم
عوض گالیوں کے دعا دے رہے ہیں
جو بڑھتے ہیں حد سے وہ گھٹتے رہے ہیں
بڑا دل ہے اُنکا جو دل دے رہے ہیں

دل کی طپش سے لکھوں اُنہیں دل کا حال کیا
کردوں نہ میں نکال کے دل نامہ بر کے ساتھ

اُسے طلب ہے نئی دل کی دل لگی کے لئے
کہاں سے روز نیا دل بنے کسیکے لئے
یہ سچ ہے حشر میں حوریں ملیں گی اے زاہد
حسین یہاں بھی تو ہو کوئی دل لگی کیلئے

سنو درد دل تم زبانی ہماری
مزا دے گی تمکو کہانی ہماری
بہت دل کو سمجھایا الفت میں ہمنے
مگر ایک اسنے نہ مانی ہماری
وہ آخر اُڑا لے گئے دل کو افسر
نہ کام آئی کچھ پاسبانی ہماری

اگر ناوک کہا اُن کی نظر کو کیا ہوا بیجا
وہی کہدیں بھلا پھر یہ جگر کے پار کیسی ہے

تجھ سا جب ساقی ہو مجھ سا جب کوئی میخوار ہو
چاہیئے دو دو منٹ پر جام اُٹھتے بیٹھتے

افسر

(افسر) مولوی سید عزیز الدین حیدر صاحب خلف مولوی امین الدین حیدر ۱۲۸۲ھ آپکا سال ولادت ہے - آپ الہ آباد کے قدیم رئیس اور مشہور اُستاد مولوی وحید کے لائق تلامذہ میں سے ہیں - خان بہادر مولانا اکبر حسین صاحب اکبر کے برادر خواجہ تاش اور قدیم ہم مشق ہیں - فارسی عربی کی استعداد عالمانہ ہے - کئی سال ہوئے حضرت داغ کے دوران قیام دکن میں آپ حیدر آباد بھی تشریف لے گئے تھے - آپ کا کلام ایک خاص طرز کا ہوتا ہے اور اُسمیں آپ اپنی جدت طبع سے عجیب عجیب اختراعیں فرماتے ہیں - عرصہ سے آپ ضعف بصارت میں مبتلا ہیں مگر شوق علم برابر جاری ہے - مشکل زمینوں میں اپنی ذکاوت طبع سے اچھے اچھے مضامین نظم فرماکر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے ہیں - معمولی زمینوں میں کم طبع آزمائی کرتے ہیں - اب آپ کی عمر ساٹھ برس کے قریب ہے - کلام کا انتخاب

مریضِ عشق کا ہوتے تمہارا حال ایسا ہو
اُسے اچھا نہیں کرتے ہو تم کیسے مسیحا ہو

جفائے یار کا شکوہ عبث ہے اے دلِ ناداں
خطا کیا اُس کی گر تقدیر میں تیری یہ لکھا ہو

سچ تو یہ ہے کہ خطاوار ہمارا دل ہے
دیجئے اِس کو سزا ہاں یہ اسی قابل ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیوں بس میں نہیں آپکا دل
ہاں یہ کہئے کہ زمانہ سے نرالا دل ہے

ہمارے واسطے ہی کیا تری اک اک بُرائی ہے
ہمیں سے بیوفائی ہے ہمیں سے کج ادائی ہے

یہ گر کر خاک پر کیا اُٹھ سکے اے دیدۂ گریاں
کہ تو نے آبروئے آنسو کی مٹی میں ملائی ہے

خیالِ حور دل میں اور توبہ لب پہ اے زاہد
اجی بس دیکھ لی جیسی تمہاری پارسائی ہے

قفس ہیں میں نے بال و پر سب نوچ ڈالے ہیں
نہ کچھ پرواز کا ارماں نہ اب شوقِ رہائی ہے

ہوائے یاس شمعِ آرزو کو کیا بجھائے گی
کہ سینے یا خدا تیرے کرم سے لو لگائی ہے

ترس آیا ہے گر ہم پر کبھی بے رحم قاتل کو
لگی دل کی ہمارے آبِ پیکاں نے بجھائی ہے

سنیں کیا لن ترانی طور پر ہم جا کے اے موسیٰ
یہاں پیشِ نظر ہر دم کسی کی خود نمائی ہے

چلا ہے آج تو اُس بزم میں کیا سوچ کر افسر
سنیں ہم بھی تو آخر کیا ترے دل میں سمائی ہے

مایوس جیسے ہم ہیں محبت میں یا خدا
ٹوٹے نہ آس یوں کسی امیدوار کی

کچھ رہ گئی ہے مشق جفا کیا ستم شعار
کیوں ہے تلاش میرے نشانِ مزار کی

قبلے سے اُٹھ کے چھائی ہے میخانے پر گھٹا
رحمت ہے میکشوں پہ یہ پروردگار کی

افسر تو چار دن بھی رہے گا نہ بے پئے
توبہ کا اعتبار ہے کیا بادہ خوار کی

افسر

(افسر) منشی احمد حسین خاں رامپوری تلمیذ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

اب یہ عالم ہے کہ اک بوند بھی آنسو کی نہیں
ہم نے جن آنکھوں سے بہتے ہوئے دریا دیکھا

بے رخی تیری خلش غیر کی گردوں کے ستم
ہمکو تقدیر نے جو کچھ کہ دکھایا دیکھا

عشق غارتگرِ ناموس کے ہاتھوں سے ندیم
افسرِ خستہ کو بازار میں رسوا دیکھا

وہ چرا کرلے گئے دل یا ہمیں گم ہو گیا ۔۔ کیا بتاؤں احتمال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

نفی واثبات کر تو فکر کا اسکے ہے کام ۔۔ افسر ناز کہناں ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

جو مرتے ہیں تم پر وہی جیتے ہیں ہمیشہ ۔۔ یہ طرفہ ہے عاشق کی قضا ہے بھی نہیں بھی

ناکام زباں اپنی ہے مانگے ہے سخی سے ۔۔ مقبول ہو ایسی یہ دعا ہے بھی نہیں بھی

میں آپ کی کس بات کو سچ جانوں کسے جھوٹ ۔۔ الفت کو جو پوچھا تو کہا ہے بھی نہیں بھی

جیسے کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو ۔۔ ویسے ہی ہر اک شے میں خدا ہے بھی نہیں بھی

مختار بھی مجبور بھی کاموں میں بشر ہے ۔۔ اس سے یہ سزاوار جزا ہے بھی نہیں بھی

جو دم کہ گزرتا ہے غنیمت ہے وہ افسر ۔۔ کیا ٹھیک ہے دوران بقا ہے بھی نہیں بھی

(افسر) منشی سید اعزاز حسین ۔ نگینہ ضلع بجنور کے شریف زادے ہیں ۔ نواب عابد علیخاں مغفور آپکے مورث اعلیٰ تھے ۔ ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر ہے ۔ بتدی ہیں مگر کلام مزیدار ہے ۔ زبان بھی پاکیزہ ہے اور خیال بھی ستھرا ۔ آپ کو نواب مرزا خاں داغ مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔ اگر کہتے رہے تو یقین ہے ضرور ترقی کریں گے ۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو

مسیحا فکر کیوں کرتے ہیں ایسا ہو نہیں سکتا ۔۔ مریض غم کسی صورت سے اچھا ہو نہیں سکتا

چرایا ہے ہمارے دل کو ایسے چور نے آکر ۔۔ خدا کے سامنے بھی جس پہ دعوی ہو نہیں سکتا

قطعہ

وہ رسم محبت سے ناواقفیت ۔۔ وہ پہلے پہل دل لگانا کسیکا

وہ امید بھی دل میں اور یاس بھی کچھ ۔۔ وہ ہر وقت آنسو بہانا کسیکا

کبھی جانب غیر سے بدگمانی ۔۔ کبھی رشک کے داغ کھانا کسیکا

کبھی کوچۂ یار میں بیٹھ جانا ۔۔ کبھی اُس کی محفل میں جانا کسیکا

تڑپنا بہت دل کا مایوس ہو کر ۔۔ جدائی کے صدمے اُٹھانا کسیکا

تڑپتے تڑپتے جدائی میں آخر ۔۔ غرض جان اپنی گنوانا کسیکا

افسوس

(افسوس) میر شیر علی بن میر مظفر خاں داروغہ توپ خانہ عالیجاہ نواب میر قاسم ناظم صوبۂ بنگالہ۔ انکا نسبی سلسلہ امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔ میر مظفر خاں کا اصلی وطن نارنول صوبہ آگرہ تھا مگر چونکہ وہ خود اور اُنکے بھائی سید غلام علیخاں نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم کی رفاقت میں اوقات بسر کرتے رہے اس لئے دہلی میں توطن اختیار کرلیا تھا چنانچہ میر شیر علی دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ سید غلام علیخاں صاحب اقتدار تھے چنانچہ عارضی طور پر عمدۃ الملک کی وفات کے بعد الہ آباد کے صوبہ بھی رہے۔ بھائی کی وفات کے بعد سید مظفر خاں ترک ملازمت کرکے ۱۲ برس خانہ نشین رہے انجام کار نواب خاں عالم نواب بقاء اللہ خاں نے اُنھیں بلاکر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپیہ کا ملازم کر دیا۔ اُس زمانہ میں میر شیر علی کی ۱۱ برس کی عمر تھی اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کی صحبتوں نے بچپنے ہی میں شعر کا شوق پیدا کر دیا۔ میر حیدر علی حیران دہلوی کو اپنا کلام دکھانے لگے علی ابراہیم خاں اپنے تذکرہ میں انہیں میر حسن کا شاگرد بتاتے ہیں اور بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ جناب میر سوز سے بھی اصلاح لی تھی۔ الغرض مشاہیر اہل سخن سے تھے۔ عربی اور علم حکمت کی تحصیل علمانہ تھی۔

ان والد لکھنؤ پہنچنے کے بعد کئی برس بعد حسب الطلب نواب میر محمد جعفر خاں مرشدآباد جاکر توپ خانے کی دارونگی کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ جب شجاع الدولہ اور میر قاسم سرکار انگلیشیہ کے مقابل صف آرا ہوئے تو یہ بھی اُنکے ہمرکاب تھے۔ میر جعفر کی وفات کے بعد ملازمت ترک کرکے دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ میر افسوس خود ابتدا میں نواب سالار جنگ اور اُنکے لڑکے مرزا نوازش علیخاں کے پاس گیارہ برس تک رہے پھر مرزا جوان بخت ولیعہد نے جو اُن ایام میں لکھنؤ میں رونق افروز تھے کلام سنکر از راہ قدردانی طلب فرماکر اپنے مصاحبوں میں داخل کرلیا۔ جب صاحب عالم کچھ عرصہ بعد دہلی جانے لگے تو یہ ہمراہ نہ جاسکے۔ اور نواب سرفراز الدولہ حسن رضاخاں نائب آصف الدولہ کے پاس چلے آئے

شیشۂ نعل سے بر سرِ بازار گر پڑا
زاہد کا آج کھل گیا تقویٰ جہاں پر

افسردہ

(افسردہ) قاضی فضل حسین خاں خلف قاضی علی جان مرحوم رئیس دہلی - زبان کے اعتبار سے روزمرہ صحیح - بول چال درست ہے - انکا کلام ہر چند تلاش کیا مگر کوئی غزل دستیاب نہ ہوئی - فغانِ دہلی میں جو ایک مسدس شہر آشوب چھپا تھا اُسی کا انتخاب درج کیا جاتا ہے -

انتخاب مسدس تباہی دہلی

ہر طرف سے ہے برستی بیکسی
رات دن کا ہو گیا رونا ہنسی
ہے ہجوم درد و غم اور بے لبسی
موت کو سمجھا ہوں اب مطلب رسی

اے کہ از وضع تو چرخ انگارۂ
درد بیدرماں مارا چارۂ

ہائے کیا دہلی پہ آفت آگئی
چین سے بیٹھے تھے شامت آگئی
سر پہ عالم کے مصیبت آگئی
فوج کیا آئی قیامت آگئی

وقت تنگ آمد ترحم یا رحیم
لطف کن بر دردمندانِ سقیم

داغ سینہ پہ کھائے بیٹھے ہیں
فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں
تھا جو سرمایا لٹائے بیٹھے ہیں
ہاتھ دنیا سے اُٹھائے بیٹھے ہیں

رحم کن بر بیکساں اے دادرس
آہ از دل بر لب آمد ہر نفس

پھر گیا پھر آسمانِ پُر جفا
مخبروں نے کروئے فتنے بپا
بے گناہ اور باگناہ پکڑا گیا
جس کی جو قسمت میں لکھا تھا ہوا

نیست شکوہ از سپہرِ کینہ جُو
آنچہ در تقدیر بود آمد برو

غیرتِ باغِ جناں یہ شہر تھا
یک بیک برباد جو ایسا ہوا
انتقام عیش و عشرت ہو چکا
اب یہ ہے ہر شخص کی ہر دم دعا

لطف کن بر اہلِ دہلی اے خدا
تا کہ باشد آب و آتش را بقا

اُس بتِ بے حجاب کا دیویں ابھی اُٹھا نقاب
دیکھ سکے گا پر اُسے تاب ہے اتنی طور کو

سچ ہیں یہ خود نمائیاں۔ حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلۂ طور بجھ گیا دیکھ کے اُسکے نور کو

تا زبھرا وہ منہ اگر دیکھے جو اک نظر تو بھر
منہ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکرِ حور کو

تونے افسوس کیا کیا۔ دشمنِ جاں کو دل دیا
یہ تری عقل جل بجھے آگ لگے شعور کو

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو
وہی احباب جو یاں آئے تھے سمجھانے کو

اپنی چھب تختی ہمیں دور سے دکھلاتے ہو
آؤ لگ جاؤ گلے کیوں ہمیں ترساتے ہو

ہنستے ہیں شبِ وصل میں ہم اُنپر اک دن
اس شب کو بہت روئینگے اور یاد کریں گے

دیوارِ گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
زاہد بتا تو ہمکو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

صلاح جانے جو کچھ کہیو اُس سے اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں جو اس مجھے

منہ تو دکھلائے ذرا گو نہ ملاقات کرے
ہمکو سو وصل ہیں جو ہنس کے وہ اک بات کرے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید
جیتا پھر آکے مجھسے مرا نامہ بر ملے

کچھ بات تمسے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

سوچے ہے کیا لگالے اگر سر میں درد ہے
اس خاکِ پا کے آگے تو صندل بھی گرد ہے

رکھ تو اُسکے حلق پر شمشیر اپنے ہاتھ سے
صید کو اپنے تو کر نخچیر اپنے ہاتھ سے

سینہ و دل کو ابھی رکھدوں نشانے کے عوض
گر لگائے وہ ستمگر تیر اپنے ہاتھ سے

شکل اسمیں کسکی ہے سچ سچ بتا افسوس تو
کیوں نہیں رکھتا ہے تو تصویر اپنے ہاتھ سے

نازو انداز سے یہ کون چلا آتا ہے + جسکے پاؤں کے تلے جی ہی پیا جاتا ہے

کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہے
تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہے

کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا ہی وہ آئے ناصح
تجھ کو نہ خوش آیا یہ پر مجھ کو تو بھاتا ہے

عبث ہے سوچ تجھکو نامہ بر دے شوق سے مجھکو
کوئی جھڑکی کوئی گالی اگر اُسکی زبانی ہے

ادا و نازکی رسموں سے تو واقف نہیں مطلق
ارے نادان یہ تو عین اُسکی مہربانی ہے

صورت تجھے حق نے دی پری سی
پر آدمیت بھی دی ذری سی +

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولزلی گورنر جنرل سے انکی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتے گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سررشتہ آپکے سپرد ہوا - ۲۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا - کلکتے جاتے ہوئے آپ مرشدآباد میں مرزا علی لطف صاحب تذکرہ کے پاس بھی ٹھیرے تھے - ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے گلستاں کا ترجمۂ اردو میں کیا آرائش محفل اور مثنوی بے نظیر موسوم بہ سحرالبیان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کی تالیف ہے - الغرض کلکتہ میں اچھی عزت پائی خلیق و اہل دل مروت و انکسار میں فرد کامل تھے - طب میں بھی دستگاہ تام رکھتے تھے - سنہ ۱۸۰۹ء میں اس فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے - یہ آپکے کلام کا لب لباب ہے

تو سچ بتا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی　　مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
ملے ہے پاؤں سے اپنے وہ لالہ رو ہر دم　　یہ مرتبہ تو دلِ داغدار کا پہنچا
ہے یاں تلک تو نزاکت گلوں کے گجرے سے　　لچکنے لگتا ہے اُس گلعذار کا پہنچا
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس　　حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
بخشیو ہم کو تمہیں ٹوکا ہے ہمنے بھول کر　　دردِ دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا

نزع میں زرد تھا رُخِ افسوس　　چینئی رنگ نے اُسے مارا
اسکے اُٹھتے ہی جاں پہ آن بنی　　دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
شب جو دم توڑنے میرا دلِ بیمار لگا　　سر بالانے وہیں عیسیٰ پس دیوار لگا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا　　صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
پاؤں یہ گاڑے ہے کہ جوں نقش قدم پھر نہ اُٹھے　　خاک میں ملگئے بیٹھے جو ترے در پہ ہم
اشک گرم اپنے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہیں　　دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں
ہو مرا کیونکہ گزر اُس کی گلی میں واں تو　　طائرِ سدرہ کے اُڑتے ہوئے پر جلتے ہیں
بزم میں اسکے نہ ہنستے ہیں نہ اُسک سکتے ہیں　　چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا مُنہ تکتے ہیں

غیر پھر غیر ہیں غیروں سے توقع کیا ہے　　اُن کے فقروں میں مری جان نہ آنا دیکھو

وہ اور وعدہ وصل کا ہرگز یقیں نہیں　　قاصد نے اپنے جی سے بنا کر کہی نہ ہو

کچھ میکدہ کی راہ میں پایا ہے شیخ نے　　توبہ ہماری ٹوٹ گئے دیکھو گری نہ ہو +

شکوے عبث رقیب کے ہیں میرے روبرو　　انساں ملے کسی سے تو خود سوچ کر ملے

بات بنتی نہیں بنائے سے　　ہائے افسوس کیا کرے کوئی

عدو کے گھر سے کافر نے مجھے پیغام بھیجا ہے　　دکھاتے کیوں نہیں تاثیر اپنے جذبۂ دل کی

تجھے میں وصل کی شب کس طرح سینے سے لپٹا لوں　　کہ تو نکلی ہوئی حسرت ہے کافر غیر کے دل کی

برا ہو مرگ کا میت پہ وہ رو رو کے کہتے ہیں　　کہاں جاتا ہے تو دل میں لیے سب حسرتیں دل کی

افسوس

(**افسوس**) آغا حیدر افسوس لکھنوی - تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں اسیر مغفور کے شاگردوں میں نامور اور صاحبِ دیوان مطبوعہ ہیں - آپ شاہی میں نواب دہر آرا بیگم صاحبہ کی سرکار میں مختار تھے - اور مشاعرے بڑے دھوم دھام سے کیا کرتے تھے - کلام میں پختگی ہے مشاق ہونے میں شبہہ نہیں زبان بھی پاک و صاف ہے - بندش چست - خیالات درست شوخیٔ طبع بھی کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہے - تلاش بھی بری نہیں شعر کا مذاق اچھا تھا - اپنی زندہ دلی اور خوش مذاقی کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے کلام کا نمونہ حاضر ہے

جاذبِ آہن کس نے سکھلایا ہے مقناطیس کو　　کھینچنا کس نے بتایا کہربا کو کاہ کا +

شیخ ہو یا برہمن معبود ہے سب کا وہی　　ایک ہے دونوں کی منزل پھیر ہے کچھ راہ کا

دل سے مٹی نہ یاد کبھی دامِ زلف کی　　صیاد میرے ساتھ رہا میں جہاں گیا

اعجاز دیکھو سیر ہوئے کتنے تشنہ لب　　پانی ذرا نہ خنجرِ قاتل میں کم ہوا

نازِ بیجا سے بہت تنگ ہوں میں اے افسوس　　مثلِ معشوق ستاتا ہے مجھے دل میرا

ممکن نہیں ہے کاکلِ پیچاں سے چھوٹنا　　دامِ بلا میں بخت نے ہم کو پھنسا دیا

غیرتِ حور و پری رشکِ دہِ شمس و قمر　　خلق خالق نے کیئے تو رگے انساں کیا کیا

نہیں جائینگے اِس مجلس سے ہم بے اُسکے لے جائے
قدم اب کب اُٹھاتے ہیں کہ ہمنے پاؤں پھیلائے

افسوس

(افسوس) منشی سید محمد علی ولد مولوی سید نوار اللہ مرحوم اُنکے والد نصیر آباد ضلع رائے بریلی کے متوطن تھے۔ مگر ریاست ٹونک سے تعلق پیدا کر لینے کے سبب نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کے عہد میں وہیں آن رہے حضرت افسوس وہیں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۴ برس کی عمر سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق شاگرد رشید حضرت ظہیر دہلوی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ اوائل ملازمت میں کچھ دنوں نواب معزول ٹونک کے پاس بنارس میں رہے وہاں سے ٹونک آکر پھر ملازم ریاست ہوئے اور انجام کار مستعفی ہوکر منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانۂ وزارت میں بامید ملازمت جھوپال پہنچے مگر ناکامیاب رہے آج کل ریاست جاورہ میں وکیل ہیں۔ ۴۰ برس کی عمر ہے۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام ہاتھ لگا انتخاباً ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اِن کی خوش گفتاری اور موزوں طبعی کلام سے ظاہر ہے ؎

یہی ہے چارہ گرو حقِ دوستی کہ مجھے
دوا وہ دو کہ جو ہر دم بڑھائے دردِ جگر

ہے شام ہی سے بُرا حال صبح تک کیا ہو
ابھی سے ہے حضرتِ دل ابتدائے دردِ جگر

جو بعد مرگ بھی قائم رہے تو لطف رہے
یہ دیکھیں ساتھ کہاں تک نبھائے دردِ جگر

الٰہی کس گھڑی آیا ہے دل کہ میں نہیں
تمام رات ہے اور ہائے ہائے دردِ جگر

کوئی دنیا میں دوستدار نہیں
مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں

سیکڑوں محتسب ہوئے میخوار
اور ابھی موسمِ بہار نہیں

اس قدر بڑھ گئی ہے مایوسی
کہ اجل کا بھی انتظار نہیں

کس کے جلوے نے کردیا بیہوش
کوئی محفل میں ہوشیار نہیں

گو کہ تقدیر سے افزوں ہی الم دیتے ہیں
لیکن اب بھی وہ مرے شوق سے کم دیتے ہیں

بدگمانی کی بدولت کبھی اپنے دل کو
تم نہیں دیتے وہ تکلیف جو ہم دیتے ہیں

زخمی تو ہیں مگر نہیں تن پر نشانِ زخم
پرتو فگن جو ہے رُخِ ساقی شراب میں
بسمل ہوئے ہیں یار کی تیغِ نظر سے ہم
آتا ہے آفتاب نظر آفتاب میں

غیر تو رشک سے کیا کیا نہ ہمیں کہتے تھے
اے طبیبو مجھے امیدِ شفا کیونکر ہو
بے سبب آپ بھی دینے لگے الزام ہمیں
میرے نسخے میں کہیں شربتِ دیدار نہیں

دل ہمارا ہے شکلِ آئینہ
منعکس کرماں ونرنا چند
اپنے دشمن سے بھی غبار نہیں
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

ہے اس درد کا لاعلاج علاج
بہت ہجرِ جاناں میں مانگی دعا
ہم اپنے مرض کی دوا کیا کریں
نہ آئی ہماری قضا کیا کریں

کہتے ہیں آکے وہ مری بالیں پہ وقتِ نزع
یہ تو بتائیے کہ ارادے کدھر کے ہیں ♦

بند آنکھیں ہیں اب کہاں ہمدم
جان لینے مری ملک آئے
چھٹ گئے تھے عمر بھر کے ساتھ
آپ لینے خبر نہیں آتے

راہ ملکِ عدم کی بند نہیں
جاتے ہیں تم اگر نہیں آتے

برنگِ آئینہ بزم دوئی میں رنگ وحدت ہے
بصارت ہو تو اندر اور باہر ایک صورت ہے

فراق میں عجب انساں کا حال ہوتا ہے
اسی الم میں تو جینا وبال ہوتا ہے

نمک چھڑکتے ہیں مرہم کی جا وہ ہنس ہنسکر
یہ زخمِ دل کا مرے اندمال ہوتا ہے

تمہاری تیغ کا پانی ہے مثلِ آبِ حیات
کہاں نصیب یہ آبِ زلال ہوتا ہے

لے جاتی اگر اسکو صبا اُس کی گلی تک
یوں خاک ہماری کبھی برباد نہ ہوتی

جی چاہے جتنا ظلم کریں یہ بتانِ ہند
منصف مرا خدا ہے جہاں آفریں تو ہے

افسوس

(**افسوس**) منشی اکبر علیخاں - شاہجہاں پور کے رہنے والے ہیں مگر بہ سبب ملازمت بھوپال میں اقامت اختیار کر لی ہے - نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں - منتخب کلام ملاحظہ ہو ۔

اے بتو گھر یہ خدا کا ہے کہاں آتے ہو
کعبۂ دل نہوا کوئی کلیسا ٹھیرا

کیوں مٹاتے ہو کہ پھر بن نہ سکے گا تم سے
قعبۂ دل کیا کوئی لڑکوں کا گھروندا ٹھیرا

طاعت گزار کون ترا مبتلا نہ تھا
کب سجدہ گاہِ خلق ترا نقشِ پا نہ تھا

تقدیر کی کمی تھی کہ ہاتھ اُسکا رُک گیا
شہ رگ سے ورنہ خنجرِ قاتل جدا نہ تھا

تلخیٔ غمِ فراق کی کس مُنہ سے ہو بیاں
کب چاشنیٔ مرگ کا لب پر مزا نہ تھا

پھر کیا سبب جو زندۂ جاوید ہیں شہید
پانی جو اُن کی تیغ کا آبِ بقا نہ تھا

قیس کو جلوۂ لیلےٰ کا مزا مل جاتا
پردہ محمل کا ہوا سے جو ذرا ہل جاتا

کیا فیضِ سوزِ عشق ہے مرقد لگن ہوا
پروانوں کو نصیب پروں کا کفن ہوا

افسوس یہ سب ہے فیض جنابِ اسیر کا
مطبوع اہلِ فن جو ہمارا سخن ہوا

پی کر لہو دکھائے گا کیا کیا مزے ہمیں
ہوتا چلا ہے تیز وہ خنجر ذرا ذرا

ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں سودا تجھکو افسوس ہوگیا
جس حسیں کو تونے دیکھا اُسپہ مفتوں ہوگیا

کیا کیا نہوئے سر و خریدارِ محبت
ہے آج تلک گرمیٔ بازارِ محبت

شبِ فرقت میں یہ تھی دردِ جگر کی صورت
تھی نہ امید کہ دیکھوں گا سحر کی صورت

تھی مقدر میں نہ اسے صید فگن لذتِ زخم
پھر گیا تیر کا رُخ تیری نظر کی صورت

قاصد آیا مرے گھر یوں خطِ جاناں لیکر
جیسے جبریل امیں آئے تھے قرآں لیکر

سارا عالم جو شہادت کا ہو شاہد اے ترک
پھر وہ باطل ہو مرے خون کا محضر کیونکر

وہ میکش مدہوش ہیں ہم بزمِ جہاں میں
مسجد کو چلے خانۂ خمار سمجھ کر

ہے جادۂ شمشیرِ اجل کوچۂ الفت
رکھو جو قدم کو تو خبردار سمجھ کے

زلف لہراتی ہے کیسی ترے رخسار پہ آج
ابر بھی لوٹ ہے جوبن ہے وہ گلزار پہ آج

جان کا کچھ غم نہیں اسدم بھی ہے اسکا خیال
پھرتی ہے پیشِ نظر تصویر جانی وقتِ نزع

مجبور ایسے ہو گئے دردِ جگر سے ہم
کہنے نپائے حال بھی کچھ نامہ بر سے ہم

کیونکر خدا کرے نہ حسینوں سے دوستی
خود عاشقِ جمال ہے خود بھی جمیل ہے

افضل

افضل) میر افضل علیخان عرف سید صاحب خلف قاسم علیخاں قاسم لکھنوی فنِ سخن میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ہ

ہے وصفِ روئے یار نہ لو نام ماہ کا
کیا ذکر اس مقام پہ اُس روسیاہ کا

اُسوقت اپنے بام پہ آیا وہ رشکِ ماہ
افضل جب آفتاب لبِ بام ہو گیا

اتنے خط بھیجے ہیں لکھ لکھ کر کہ ہیں یکدست شل
نامہ بر کے پاؤں مجھ خستہ جگر کی انگلیاں

مانی نہ ایک بات نہ ٹھیرے وہ دو گھڑی
منّت کی لاکھ ہمنے خوشامد ہزار لاکھ

ہم وہ رندِ بادہ کش ہیں ساقیا تو دیکھ لے
مے ٹپکتی ہے ہمارے زخم کے انگور سے

میری تصدیق بے زبانی کی
کرلے قاتل زبانِ خنجر سے

دل سے شکوہ زبان تک آکر
بن گیا شکر آپ کے ڈر سے

کل سے بیکل ہوں بھلا خاک مجھے کل آئے
کل کا وعدہ تھا نہ آج آئے نہ وہ کل آئے

کیا مزا ہو جو وہ دربان سے اپنے کہدیں
کوئی یاں آنے نہ پائے مگر افضل آئے

شوخی غضب اُس شوخ کی خلقت میں بھری ہے
بجلی ہے شرارہ ہے چھلاوہ ہے پری ہے

افضل

(**افضل**) منشی افضل حسین آفضل خلف حاجی محمد انور۔ قصبۂ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے اور بلبلِ ہندوستان حضرت داغ دہلوی کے تلمذ سے فیضیاب ہیں۔ عمر تقریباً ۲۶ و ۲۷ سال ہے چند غزلیات ارسال کی تھیں اِنکا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا ہ

دل ہی دل میں نہ یوں سماتا تھا
کبھی آنکھوں میں بھی تو آتا تھا

غیر کے ہاں جو تم کو جاتا تھا
اپنا نقشِ قدم مٹاتا تھا

تیر کے ساتھ کیوں گیا ہے دل
حسرتوں کو نکل کے جانا تھا

میں تو جب جانتا تجھے اپنا
آج آکر کبھی نہ جاتا تھا

حوروں کے انتظار میں آتی نہیں ہے نیند
اب ہے یہ حال زاہدِ شب زندہ دار کا

اے عندلیب تا بکجا خوشیِ باغباں
مہماں کوئی دم کا ہے موسم بہار کا

اے دل فلک کا سر پہ اُٹھانا تو سہل ہے
مشکل گزارنا ہے شبِ انتظار کا

افضل

(افضل) شاہ غلام اعظم خلف الرشید شاہ ابو المعالی سجادہ نشین دائرہ الہ آباد شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی کے ممتاز شاگردوں میں تھے - دو دیوان اور ایک مثنوی ان سے یادگار ہے - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

بے گھر ہے یک عمر سے مل جائے گھر اُسے
ہو جائے تیرے دلمیں گر کچھ بھی جائے دل

اے خوش ادا وہ چال چلا تو کہ پس گیا
کیا تھی خرامِ ناز میں پنہاں سزائے دل

یہ شرارے ہیں کہ آتے ہیں نظر آنکھوں میں
ساتھ اشکوں کے نہیں لختِ جگر آنکھوں میں

پوچھتے کیا ہو جہاں چاہئے بیٹھئے صاحب
آپ کی دل میں جگہ آپکا گھر آنکھوں میں

جیتے نہیں رقیق سے ذرا چاہ کسیکی
آنے نہ تجھے آئی ہو جو آہ کسیکی ؏

جی جائے جگر ٹکڑے ہو پھٹ جائے کلیجہ
کیا تجھکو پڑا اے بتِ گمراہ کسیکی

ظاہری حسن پرستی کو سمجھتے ہیں عبث
دشمنِ عشقِ مجازی ہیں حقیقت والے

افضل

(افضل) منشی حسن یار خاں بہادر مخاطب بہ اسد الدولہ خلف باقر علیخاں باشندہ لکھنؤ شاگرد خواجہ آتش شاہ اودھ کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے اشعارِ ذیل سے نتیجۂ فکر ظاہر ہے ؎

وہ دیوانہ ہوں جس پر رشک فرزانوں کو آتا ہے
فسانہ ہے پرستاں میں مری زنجیر کے غل کا

یہ یاں کی فکر میں ہے وہ واں کے خیال میں
دیکھو جسے وہ مست ہے اپنے ہی حال میں

موسیٰ کی طرح تاب نظارہ نہ ہو سکے
غش آگیا جمال جو دیکھا جلال میں

آخر یہ حبِ مال وبالِ بخیل ہے
انصاف ہو تو قصۂ قاروں دلیل ہے

کرتا ہے آگے یار کے اکثر ہمارا ذکر
غماز گویا اپنی طرف سے وکیل ہے

دل دے کے تمکو جان کا دشمن بنائے کون
بیٹھے بٹھائے مفت کے صدمے اٹھائے کون

پُرفن ہے پُرفریب ہے قاتل ہے شوخ ہے
دھوکے میں تیری چشم فسونگر کے آئے کون

شیریں تری شریں دہنی پر ہوئی شیدا
لیلی تری دیوانی بنی نجد کے بن میں

ابرو نے تری سینکڑوں بیجرم کئے قتل
ٹھوکر سے تری مردوں کے جان آگئی تن میں

مرے مدفن کو ٹھکرا کر وہ بولے
بہت سوئے اٹھو خواب گراں سے

اپنا یہ حال کہ اللہ پہ ہر دم ہے نظر
انکی یہ ضد ہے کہ جو چاہیں وہ چاہیں ہمسے

یوں جو بن ٹھن کے آج بیٹھے ہو
فکر میں کس کے ہو مٹانے کے

ہاتھ دھوتی ہے شفق چشمۂ خورشید میں روز
خون بیجرم کی لیکن ابھی لالی نہ گئی

اور امید تو کیا خاک ہوئی نسے حاصل
دلمیں اک حسرت بھی سو وہ بھی نکل ہی گئی

وہ بولے بندۂ حق ہو تو بت سے التجا کیوں ہے
خدا ہر جب ایمان ہے بتوں سے واسطا کیوں ہے

تری کچھ دلمیں کچھ سینے میں کچھ لب پر کچھ آنکھوں میں
بڑی مشکل سے دم لے کے جانِ ناتواں نکلی

افضل

(**افضل**) افضل الدولہ مظفر الملک سید افضل علیخاں بہادر عرف چھوٹے بھیا آنریری مجسٹریٹ رئیس لکھنؤ کپتان بسیر تقی ولد منشی اسیر لکھنوی - انگریزی - عربی - فارسی تینوں زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں - جہاں اردو سو انکی مادری زبان ہے فن شعر میں اپنے والد نامدار کے شاگرد ہیں - ۵۳ سال کے قریب عمر ہے خوش مزاج - خلیق - باخلاق - نغز گو سخن سنج ہیں - خیال میں بلند پروازی ہے اپنی اطراف میں فن سخن کے اچھے ماہر سمجھے جاتے ہیں - خطابات مذکورہ خورد سالی میں حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ نے آپ کو مرحمت کئے تھے - لکھنؤ کے موقر اور باوسوخ عمائدین میں آپکا شمار ہے نیر آصفی نام رسالہ کبھی آپ نے نکالا تھا جو اب بند ہوگیا - آپ کا دیوان تیار ہے - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ۵

اے اضطراب یار ہے تیری مدد کا وقت
آنکھوں سے بوجھ اٹھ نہیں سکتا ہے خواب کا

داغِ الفت ترے کیا کہئے کہ کیا دیتے ہیں
درد میں دکھ میں مصیبت میں مزا دیتے ہیں

شوق لیجائیگا اُس کوچہ میں اے حضرتِ دل
آپکے ساتھ ہم اِک راہ نما دیتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ خدا حضرتِ زاہد سے بچائے
اِک نہ اک روز نئی گپ یہ سُنا دیتے ہیں

آشنا ورطۂ الفت سے نکالیں مجھ کو
ڈوبتے کو تو سبھی پار لگا دیتے ہیں

کُشتہ تیغ ادا اُس بتِ سفاک کا ہوں
زخم ہنس ہنس کے مرے جسکو دعا دیتے ہیں

آفریں کہہ کے ہر اک وار پہ مشتاقِ فنا
دمبدم حوصلہ قاتل کا بڑھا دیتے ہیں

دلِ عاشق کی خاطر اے حسینو
نظر آیا سوا تیرے نکوئی

یہ دزدیدہ نظر اللہ رے گھر میں
جہاں کو خوب جانچا ہے نظر میں

سب کی نظر میں ہے وہ عیاں کچھ نہاں نہیں
سچ پوچھئے تو یار کا جلوہ کہاں نہیں

کیا فرض ہے کہ مان لیں زاہد کا ہم کہا
آیت نہیں حدیث نہیں کچھ قرآں نہیں

وہ اور وعدہ وصل کا اے نامہ بر مجھے
باور نہیں یقین نہیں یہ گماں نہیں

افضل

(**افضل**) منشی محمد افضل خاں باشندہ میرٹھ - انکا مطبوعہ دیوان نظر سے گزرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے - دیوان سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ فنِ سخن میں کس سے اصلاح لی ہے کلام عیوب سے پاک اور صاف ستھرا ہے - پرگو اور مشاق معلوم ہوتے ہیں ؎

مونسِ یونس ہوا تھا بطنِ ماہی میں تو ہی
حامیٔ یوسف میانِ کارواں تو ہی تو تھا

گہ سوز تھا دل میں کبھی تھا دردِ جگر رات
کی یاد میں اِک شوخ کے مر مر کے سحر رات

صاف ظاہر ہے حسینوں کا تو باطن ہے خراب
شعبدہ انکی محبت ہے تو دھوکا اخلاص

چیں بر جبیں ہو بتِ قاتل لبانِ تیغ
کیا کیا کھلائیں گے ابھی گل بسملانِ تیغ

یہ قطع یہ بُرید یہ شوخی یہ شانِ تیغ
یہ گھاٹ یہ تراش یہ پہلو یہ آنِ تیغ

ہمکو تو اپنے خوں کا عوض مل گیا یہیں
معمور آبلوں سے ہے قاتل زبانِ تیغ

شبِ غم کیوں تپاں سینہ کسلئے پہلو بدلتا ہے
بتا تو اے دلِ بیتاب ان باتوں سے کیا حاصل

حج کو چلتا ہے تو بس یوں ہی نکل چل زاہد
راہ سیدھی ہے بت کعبہ کی بتخانہ سے

دیکھ لے حضرت زاہد کا تقدس کوئی
منہ چھپائے ہوئے جاتے ہیں وہ میخانہ سے

یہ کہہ کر ہمسے اُسنے شکر ہے برخاست محفل کی
کہیں کچھ اپنے دل کی اب نہیں کچھ آپکے دل کی

وہ خود حیراں ہو کر عاشقوں سے اپنے کہتے ہیں
جلا جاتا ہے اک اک سے نئی گرمی ہے محفل کی

وہ آب تیغ کو آب بقا سمجھے ہوئے تھے
گلے گلے ترے بسمل نہ کیوں اُتر جاتے

ہاتھ سے مستوں کے میخانہ میں پہنچی شکست
توبہ فریادی در قاضی پہ ہے آئی ہوئی

مہر کا ذرہ میں جلوا چاہیئے
قطرے میں کچھ جوش دریا چاہیئے

جنکے برلانے کی کوشش وہ کریں
اُن تمناؤں کو دیکھا چاہیئے

تیرے بیماروں کا مُردوں میں شمار
شرم اے رشک مسیحا چاہیئے

پی کے سٹے زاہد ہو معروف ناز
دین کا حفظ الصحت دنیا چاہیئے

افضل (افضل) مرزا افضل حسین بیگ مددگار صیغہ دار نظامت عدالتہائے گلبرگہ حیدرآباد دکن زمانۂ حال کے نومشق شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

بعد مردن بھی مری روح کو فرحت ہوتی
ہنس کے تربت پہ مری وہ جو گل افشاں ہوتا

ہے عزم سوئے مسجد و بت خانہ کسیکا
اُٹھتا ہے قدم جانب میخانہ کسیکا

لے کے دل آپ مکر جاتے ہیں
کچھ ٹھکانا ہے اس ڈھٹائی کا

پھرسے پھرتا ہے ہمسے جو زمانہ
کشیدہ ہے جو چرخ جنگ جو ہو

افضل (افضل) منشی عبدالرحمن باشندہ حیدرآباد دکن - مولانا حبیب الرحمن تبدیل سہارنپوری کے تلمذ سے بہرہ ور اور نومشق شاعر ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

دیدۂ ویرانہ ترے وقت میں کعبہ تھا خراب
عہد میں تیرے کوئی کافر و دیندار نہ تھا

نگہ تیری عجب جادو بھری ہے
ملا کر آنکھ مجھ سے لے لیا دل

پھنسایا کس لئے مجھ کو بلا میں
تری تقصیر کیا کی تھی بہلا دل

آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں ہم
بیدار گو ہیں پر وہی عالم ہے خواب کا

اپنے دشمن کو بھی دشمن نہیں کہہ سکتے ہم
دوست کا دوست ہوا جب تو وہ دشمن کیسا

دوست نے دوست کو کیا دشمن
دل نے مارا حبیب سے مل کر

گل ہیں نازک نہ کہیں باغ میں مرجھا جائیں
بار الفت کا کھوا ان پہ نہ ڈالے بلبل

گھر میں سببِ امن ہے اب کثرتِ آفات
کہتی ہے بلا کون پڑے جا کے بلا میں

یوں دل سے میں کہتا ہوں رہ صبر و رضا میں
اتنا تو وفا میں ہو وہ جتنے ہیں جفا ہیں

باغبان کہتے ہیں کلیوں سے یہ گلزار دنیں
جیت اُس پھول کی ہے ہو جو ترے ہار دنیں

حضرت خضر بنے رہ کے جو تنہا کیا لطف
زندگی وہ ہے جو ہو جائے بسر یاروں میں

خوشی ہو یا ہو غم دنیا میں کلفت ہو کہ راحت ہو
یہ دل راضی ہوں بسم اللہ جو تیری مشیت ہو

مناسب ہے کہ رنگِ ظاہر و باطن میں وحدت ہو
بشر ہو نیک سیرت بھی اگر وہ خوبصورت ہو

ہمارے اُنکے آپس میں اگر ملنے کا دن ٹھہرے
اِدھر ہو ضعف سدِ راہ اُدھر مانع نزاکت ہو

تمہاری گر عنایت کی نظر ہو
یہ شوقِ دید میں دل چاہتا ہے
دکھائی دے رخِ وحدت کا جلوہ

تو مشتاق دعا اُلٹا اثر ہو
کہ میں پہنچوں وہاں پہلے نظر سے
اُٹھے پردہ دوئی کا گر نظر سے

پیچھے مسیح ہونے کا دعوےٰ کرے کوئی
پہلے مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی

کل اُسکا رنگ اور تھا آج اُسکا ڈھنگ اور
کیونکر مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی

بھرا ہے دل میں بہت اسکے زعمِ یکتائی
مزہ تو جب ہے کہ آئینہ روبرو آئے

امیدوار ہزاروں ہیں لاکھ خواہش مند
ہے ایک دم ترا کس کس کے دل میں تو آئے

شباب کا بھی وہی رنگ ڈھنگ ہے افضل
نہ جیسے جا کے پھر انساں کی آبرو آئے

دلِ پُر داغ میرا رنگ و بوئے عشق رکھتا ہے
یہ گلدستہ تمہاری محفلِ رنگیں کے قابل ہے

لیا ہے جسنے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا
چرایا ہی نہیں جب چور کیوں پھر آپکا دل ہے

افغان

افغان (محتشم خاں افغان - قومیت کی رعایت سے تخلص افغان رکھا تھا - طبقۂ دوم کے شعرا میں گزرے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ تین شعر انکے طبعزاد ہیں ؎

یار میرے کی یہ رفتار و ادا اور ہی ہے	عشوہ و غمزہ و گفتار و ادا اور ہی ہے
بندگی بندوں کی ہتی نہیں ہرگز منظور	ان بتوں کا جو میں دیکھا تو خدا اور ہی ہے
اے میاں ظلم سے تیرے نہ ٹلے گا افغاں	یہ نظام ایسا نہیں اسمیں وفا اور ہی ہے

افق

افق (منشی دوارکا پرشاد صاحب لکھنوی - آپ منشی پورن چند کایستھ مالک مطبع تمنائی لکھنؤ کے صاحبزادے اور منشی رام سہائے تمنا کے بھائی ہیں - اردو تو خیر آپکی مادری زبان ہے لیکن فارسی میں بھی آپ دستگاہ کامل رکھتے ہیں بچپن سے شعر گوئی کا شوق ہے - منشی شنکر دیال فرحت سے اصلاح لیتے تھے سنسکرت اور انگریزی سے بھی واقف ہیں چنانچہ راجستان ناٹک - رامائن وغیرہ سنسکرت اور انگریزی کتب کا اردو میں ترجمہ نہایت لطافت اور عمدگی سے کیا ہے - پڑھے لکھے ذکی - فہیم - اور خوش فکر شاعر ہیں طبیعت موزوں اور فکر عالی پائی ہے - آج کل اخلاقی اور نیچرل مضامین پر جھکے ہوئے ہیں نیچرل طرز میں بھی مشرقی بانکپن کو ہاتھ سے نہیں دیتے - سناتن دھرم سبھا کے جلسوں میں اکثر نظمیں پڑھتے ہیں - فی زمانہ طرز جدید کے کہنے والوں میں آپکو درجۂ امتیاز حاصل ہے - مضامین نگاری میں بھی آپ کو معقول دسترس ہے - چنانچہ ایک مدت تک لکھنؤ سے نظم اخبار آپکے زیر نگرانی شائع ہوتا رہا - سنہ ۱۹۰۱ء میں لاہور آکر پنجاب سماچار کی ایڈیٹری کی کرسی کو زینت دی - اب کچھ عرصے سے مہابھارت اور رامائن نظم کر رہے ہیں جنھیں پڑھکر بعض بعض مقامات پر کلام کی صفائی و روانی اساتذۂ لکھنؤ کا رنگ یاد دلاتی ہے - اوائل سے آپکو تصنیف و تالیف کا شوق رہا ہے - افضل التواریخ - سروش سخن نظم - اور متعدد رسائل نظم و نثر آپکی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں - آپکی عمر اب ۴۰ برس کے قریب ہے ؎

کام [illegible] جو ہے رہ بعد کی راہیں	کبھی ہوتے نہ دیکھے ہنگام غضب جلوہ نمائیں

اور اُسمیں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ فرماتے تھے - دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء میں دہلی بھی حضور نظام کے ہمرکاب آئے تھے اُسی سال کے آخر میں انتقال فرمایا - کلام حاضر ہے ؎

لاکھوں کے اِک اشارے میں نخچیر دل ہوئے	کیا سحر تو نے اے نگہِ یار کر دیا
گھر مرے آیا نہ وہ مہرِ درخشاں ابتک	ہوا اخترِ طالع مرا تاباں ابتک
دیکھکر اُس لبِ یا نخوردہ کی سرخی کی بہار	خون ہوتا ہے دلِ لعلِ بدخشاں ابتک
گالیاں دیتے ہیں وہ مجھکو مگر پیار کے ساتھ	اِس مروت کے بھی دنیا میں ہیں انساں ابتک
ساتھ سوئے وہ مگر پہلو میں رکھا آئینہ	مرے حق میں ہو گیا سد سکندر آئینہ
بوسہ جب اقبال نے مانگا تو اک انداز سے	ہنس کے فرمانے لگے ہوگا مکدر آئینہ
کسی کی چشمِ فتاں زلف پیچاں ہیں مرے دلکو	پھنسا کر خود الگ ہے دیکھیے ہشیار کیسی ہے
دکھا کر تازیانہ زلف پیچاں کا وہ کہتے ہیں	تجھے معلوم ہے اقبال اسکی مار کیسی ہے

اقبال

اقبال) شیخ محمد اقبال ایم اے سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور - آپکی ولادت ۱۸۷۰ء میں ہوئی وطن مالوفہ سیالکوٹ ہے - لاہور کالج میں تعلیم پا کر ایم اے کی ڈگری حاصل کی ابتدائے سن تمیز سے آپکی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی - فن سخن کا نہایت شستہ وصحیح مذاق سخن آفریں نے آپکی طبیعت میں ودیعت کیا ہے - یہ خداداد صفت آجکل کے شعرا میں کم پائی جاتی ہے - لاہور کے ایک مشاعرہ میں جو آپ نے پہلے پہل غزل پڑھی اُسکا ایک شعر سنکر مرزا ارشد گورگانی کو جو اتفاق سے شریک بزم مشاعرہ تھے نہایت حیرت ہوئی اور بے اختیار اُنکی زبان سے نکلا کہ ہیں اقبال ایسی عمر میں اور ایسا شعر اور وہ شعر یہ ہے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے	قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

یہ پہلا موقعہ تھا کہ لاہور کے بامذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی ورنہ ایام طالب علمی میں انکی طباعی اور ذکاوت کا شہرہ صرف انکے ہم جماعت طلبا اور دوستوں تک محدود تھا - ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے

رام نے چلّہ چڑھاتے ہی دھنک تان لیا
بشن کا روپ پرسرام نے پہچان لیا

خود رکھشیر کے اشارت سے سرِ رام اُٹھے
بہرِ تعظیم مہاراجہ عظام اُٹھے

کرکے مرشد کو لبِ عجز سے پرنام اُٹھے
دستِ محلات دعاؤں کو لبِ بام اُٹھے

رام کے زور سے شہ زوروں کا جی چھوٹ گیا
دستِ نازک سے اُٹھاتے ہی دھنک ٹوٹ گیا

آنکھ نیچی ہوئی راجوں کی سری رگھبر سے
آئیں جے جے کی صدائیں لبِ ہفت اختر سے

راکشس سہم گئے - کانپ اُٹھے بھاگے ڈر سے
دُندھی بجنے لگی پھول فلک سے برسے

جانکی جی کی عیاں خوبیٔ اقبال ہوئی
رام کے زیبِ گلو ہاتھ کی جیمال ہوئی

افکار

(**افکار**) صاحبزادہ اصغر علیخان افکارؔ ولد صاحبزادہ احمد یار خاں افسرؔ رامپوری خلف نواب احمد یار خاں صاحب آمیر - خاندانی شاعر تھے - مذاقِ سخن ورثہ میں پایا تھا - طبیعت مضمون آفریں اور عاشقانہ مذاق تھا - بقول امیر مینائی آپ کا بیان تھا کہ میں نے اخوند زادے غفلتؔ خواجہ آتشؔ - ذوقؔ - اور علی بخش بیمارؔ - ان چاروں سے فیضِ سخن پایا ہے - ترتیب تذکرۂ انتخاب یادگار (۱۸۸۰ء) کے وقت ۵۰ سال کی عمر تھی - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

ذکرِ محشر ہو چکا واعظ ذرا اب دل سنبھال
میں بیاں کرتا ہوں اپنے فتنہ گر کی چال کا

دے دیا طاق سے آئینہ اُٹھا کر اُنکو
حال مجھسے دلِ حیراں کا دکھایا نہ گیا

اس پہ مرتے ہیں وہ آئیں قبر پر
یہ بھی ہو جائے گا ہونا کچھ نہیں

میری تربت کی زیارت کے لئے جاتا ہے
جو یہ سُنتا ہے کہ وہ فاتحے کو آئیں گے

تم تو محشر میں ہو کے کہدو
ورنہ اک اور قیامت ہوگی

آہ کا گریہ کا بیتابی کا کچھ عالم نہ پوچھ
ڈر ہے یہ ناصح بُرے تجھکو نہ سمجھانا مجھے

قد ہی خود قیامت تھا زلف کیوں بڑھائی ہے
اور ساتھ محشر کے ایک بلا لگائی ہے

اقبال

(**اقبال**) نواب اقبال یار جنگ بہادر کمشنر محکمۂ انعام و اتالیق ولیعہد حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ - معمر اور پاکیزہ صورت بزرگ تھے - کبھی کبھی اُردو شعر گوئی کی طرف بھی تفنناً مائل ہو جاتے تھے

اکثر اُنکے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپکے کلام میں ایک کمی ضرور ہے وہ یہ کہ کہیں کہیں خلاف محاورہ و روزمرۂ اہل زبان الفاظ نظم کر جاتے ہیں امید ہے کہ کثرت مشق سے یہ نقص بھی جاتا رہے گا۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مذاق سلیم کے ساتھ ساتھ آپکی سرشت میں انصاف پسندی بھی ایسی ہے کہ آپ اپنے دیگر ہمعصروں کی برعکس واجبی نکتہ چینی سے کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر اتفاق سے کبھی کوئی صحیح اعتراض کرتا ہے تو اُسے بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی کو مطلق دخل نہیں دیتے۔ ناظرین کی تفریح کے لئے آپکے کلام کا تھوڑا سا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ۔ ہم بلبلیں ہیں اسکی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں ۔ سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا ۔ وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اسکی ہزاروں ندیاں ۔ گلشن ہے جنکے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو ۔ اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ۔ ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے ۔ اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری ۔ صدیوں رہا ہے دشمن دورِ جہاں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں ۔ معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے ۔ برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خارزار ہوگا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں ۔ تو پیر میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے ۔ کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی ۔ جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

جو ایک تھا ایک نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا ۔ یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

سالانہ جلسہ میں آپنے نالۂ یتیم کے عنوان سے ایک قابل قدر نظم نہایت ٹھیٹھ سروں میں پڑھی یہ نظم دلگداز و موثر ہونے کی
وجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی کہ بار بار پڑھنے کی فرمایش ہوئی اور یتیم خانے
کے لئے چندے کی بارش ہونے لگی - اس نظم نے اُس شہرت کی بنیاد رکھ دی جو اب
اطراف ہند میں پھیلی ہوئی ہے - آپکی حالت میں انگریزی دانی اور علوم مغربی کی تحصیل کا شوق
زبان اُردو کیطرف متوجہ ہونے میں سد راہ نہیں ہوا - اور کیوں ہوتا جس حالت میں کہ آپ
فارسی اور عربی میں بھی قابلِ تعریف قابلیت رکھتے ہیں - اور اُم الالسنہ سنسکرت سے
بھی ناآشنا نہیں ہیں - ابتدا میں آپ نے چند غزلیں مرزا ارشد گورگانی کو دکھائیں
اور پھر بلبلِ ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا داغ سے بذریعہ خط و کتابت تلمذ اختیار کیا
اُس دن سے آج تک آپکا کلام روزافزوں ترقی کر رہا ہے - جب سے نئے رنگ میں لکھنا
شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی - کہتے کہتے خود اچھا کہنے لگے اور اپنے طرز
خاص میں قابل امتیاز قابلیت حاصل کرلی - چونکہ غور و فکر کرنے والی خداداد طبیعت پائی ہے
وہ خود ہی مصلح ہو جاتی ہے - نواب فصیح الملک انکی قدر کرتے اور مافوق العادت - لیاقت
ذہانت - بلیغ اور رسا طبیعت کی داد دیا کرتے تھے - اگرچہ شیخ صاحب کا کلام ابھی خاص خاص
باتوں میں کہنہ مشق اساتذہ کے درجہ پر نہیں پہنچا ہے مگر جو خاص بات اُسمیں ہے وہ سوائے
نامور استادوں کے اور لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے - آپکے کلام میں بھرتی کے شعر کم پائے
جاتے ہیں - کوئی شعر درد - وحدت اور اخلاق کی چاشنی سے خالی نہیں ہوتا - یہی وجہ ہے
کہ دور دور سے داد آتی ہے چنانچہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیاں
خالی ہونگی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے - آپکو تحقیق و تنقید میں خاص ملکہ حاصل ہے اور قابل
ذکر بات یہ ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی تعلیمی مشاغل سے روزافزوں دلبستگی ہے - چنانچہ
فی الحال تکمیل علوم اقتصاد و قانون کے لئے ولایت میں مقیم ہیں - آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ
سے رہا ہے مگر مشکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہیں -

نشے میں مست سمجھتا ہے مجھکو کیوں واعظ
وہ اپنا وعظ کہے جائے ہوشیار ہوں میں

تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کر گناہ گار ہوں میں

رہی نہ زہر میں اقبال وہ پرانی بات
کسی کے ہجر میں جینے سے شرمسار ہوں میں

جاں دے کر تمہیں جینے کی دعا دیتے ہیں
پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت سے سوا
خود وہ اٹھ کر مجھے محفل سے اٹھا دیتے ہیں

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے محرومی صدف چین لبِ ساحل ہوں میں

تم نے تاکا دل کو لیکن اف رے شوقِ تیرِ عشق
دل سے کہتا ہے جگر تو دل نہیں ہے دل میں ہوں

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کسقدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

حباب آسا سرِ موجِ نفس باندھا ہے محمل کو
ذرا دیکھ اے شرارِ ذوقِ فنا مجھکو کہاں تک ہے

وہی اک شعلہ ہے تربت بھی ہے اور شمع تربت بھی
مزا مرنے کا کچھ پروانۂ آتش بجاں تک ہے

چمنِ زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل
یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

وہ چیز نام ہے جسکا جہاں میں آزادی
سنی ضرور ہے دیکھی کہیں نہیں میں نے

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں کہیں میں نے

کہتا ہے خضر دشتِ جنوں میں مجھے کہ چل
آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹے نکال کے

اے حبابِ بحر اے پروردۂ دامانِ موج
کچھ پتہ ملتا ہے تجھسے اپنی ہستی کا مجھے

کھل گئی چشمِ تماشا اپنی جسدم اے کلیم
طور ہر ذرے کے دامن میں نظر آیا مجھے

موت یہ میری نہیں میری اجل کی موت ہے
کیوں ڈروں اس سے کہ مرکر پھر نہیں مرنا مجھے

یوں تو اے صیاد آزادی میں لاکھوں ہیں مزے
دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اور ہے

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی
جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

مدام گوش بہ دل رہ یہ ساز ہے ایسا
جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے

جوانی ہے تو ذوق آرزو بھی لطفِ ارمان بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنونگا جسکو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلونگا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

عاشقِ دیدارِ محشر کا تمنائی ہوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جرمِ ناشکیبائی ہوا

میری بینائی ہی شاید مانعِ دیدار تھی
بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا

ہائے میری بدنصیبی وائے ناکامی مری
پاؤں جب ٹوٹے تو شوقِ دشت پیمائی ہوا

میں تو اُس عاشق کی ذوقِ جستجو میں مٹا
ما عرفنا کہہ کے جو تیرا تمنائی ہوا

دیکھ ناداں امتیازِ شمع پروانہ نہ کر
حسن بنکر عشق اپنا آپ سودائی ہوا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جسمیں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگارخانہ ہے آرزو کا

ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو دیکھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

تمام مضموں مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

شاعر

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

محفلِ نظمِ حکومت چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دیدیکر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

نہ دیکھا اے دیدۂ خونبار دلکو کم نگاہی سے
ترے آنسو اسی اُجڑے ہوئے گلشن کے لالے ہیں

نہ پوچھو مجھسے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

بلا کشانِ محبت کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا خطِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں

فنا ہوئے پہ بھی گویا وفا شعار ہوں میں
جو مٹ گیا تو حسینوں کا اعتبار ہوں میں

نسیمِ صبح نہ چھیڑے مجھے کہ دامن سے
کسی کے ہاتھ کا جھاڑا ہوا غبار ہوں میں

ہمارے دل میں خنجر ناز کے کیا کیا نہ گڑتے ہیں	یہ کافر خوب رو حسن و قت تن تن کر اکڑتے ہیں
یہ جتنے خوب و سرکش ہیں انکو خوب دیکھا ہے	گئے پر حسن جب اک ایک کے یہ پانوں پڑتے ہیں
خدا چاہے سو ہووے اب ہمارے حق میں اے اکبر	صنم سے اپنے ہم بھی آج اک بوسہ پہ اڑتے ہیں
سینے میں دل کہاں ہے تو اسکو مت مروڑیے	پیارے بجائے دل میں یاں سیکڑوں پھپولے

اکبر

(اکبر دہلوی) مکرم الدولہ سید اکبر علیخاں بہادر مستقیم جنگ برادر حقیقی نواب تاج محل بیگم صاحبہ محل خاص حضرت شاہ عالم ثانی و عموی مادری مرزا جواں بخت جہاندار شاہ ولیعہد نیک سیرت خوش رو اور رنگین طبع امیر تھے۔ علم موسیقی میں اچھا دخل تھا۔ تمام عمر عیش و عشرت سے بسر کی شعرائے ریختہ کا ایک نہایت عمدہ تذکرہ جسمیں چالیس تذکروں سے مدد لی تھی مرتب کیا تھا۔ ایک اردو مثنوی نلدمن۔ اور ایک دیوان فارسی آپکی یادگار رہے۔ ریختہ گوئی کیطرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے۔ مگر دیوان اب نہیں ملتا۔ تین شعر ملے وہی لکھے جاتے ہیں عین عالم شباب ۱۸۰۳ء میں وفات پائی ھ

کب میں کہتا ہوں تجھے آکے مسیحائی کر	ایک دم تو کبھو آ اس دل بیمار کے پاس
کچھ اپنی زندگی نظر آتی نہیں خدا	ہوں نیم جاں میں اس بت عیار کے لئے
طوفاں سے کم نہیں ہے اکبر کا دیدۂ تر	دیکھ اسکو ابر بھی یہاں پانی بھرا کرے ہے

اکبر

(اکبر دہلوی) نواب محمد اکبر خاں برادر خورد نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد دہلی حکیم مومن خاں کے شاگرد تھے۔ فکر سخن بہت کم کرتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا ہوتا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں بعمر ۶۵ سال راولپنڈی میں انتقال کیا۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ھ

سوچیے حضرت ناصح کوئی تدبیر وصال	حیف چارہ نہ کرے آپ سا دانا دل کا
دیکھ اچھی نہیں ظالم یہ ہوا دارئے غیر	شمع الفت کو بجھا دے نہ جلانا دل کا
خانۂ غیر میں گر لگنے لگا آپ کا جی	مجکو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا
نہ تھا سارا جہاں دشمن عبث تو نے جہاں پھونکا	جہاں کو تو نے کیوں اے نالۂ آتش فشاں پھونکا

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے
جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

نہیں ہے فرق محبت میں اور غلامی میں
یہ عشق وہ ہے کہ محمود کو ایاز کرے

سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

اس عشق خانہ سوز کا شانِ کرم پہ ہے مدار
یاں قیدِ کفر و دیں نہیں جسکو وہ بے نیاز دے

غافل تجھے خبر نہیں لذت فراغ میں ہے کیا
دنیا ادا پہ کر فدا عقبےٰ بہائے ناز دے

بکتا نہیں جہاں میں ارزاں متاع کافری
قیمت میں اسکی خرقہ دے تسبیح دے نماز دے

تارے ہیں وہ قمر میں وہ بجلی ہیں وہ شجر میں وہ
چشم نظارہ بیں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبےٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کیلئے
بجلیاں بیتاب ہوں جنکو جلانے کیلئے

دیکھ لیتا ہوں جہاں تنکا کوئی چبھتا ہوا
میں اٹھا لیتا ہوں اپنے آشیانے کیلئے

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چنکے تو
آہی نکلے گی کوئی بجلی جلانے کے لئے

اس چمن میں مرغ دل گائے تنا زادی کا گیت
آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لئے

اکبر

(اکبر) شاہ اکبر عرف مرزا بھجو۔ شعرائے قدیم میں سے تھے۔ شیخ ظہور الدین حاتم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اکبر محمد شاہ بادشاہ کے نقیبوں میں تھے۔ خوش طبع رنگیلے اور طرار لطیفہ گو آدمی تھے۔ جب مصحفی نے شاہجہاں آباد میں مشاعرہ مقرر کیا تو اول یہ بھی اس میں شریک ہوئے۔ مصحفی انکے کلام کو ناپسند کرتے اور یہ الزام دھرتے ہیں کہ اساتذۂ مشہور کے اشعار اپنے نام سے پڑھ دینے میں انہیں کچھ تامل نہ تھا۔ اس زمانے کے عام مذاق کے موافق متوسط درجہ کا کلام ہے جسکا انتخاب درج ذیل ہے ۵

دل میں جو آج درد ہے اکبر کے دوستاں
کس کی نگہ کے تیر کا پیکان رہ گیا

ہے بر میں میرے یار کے کیا جامہ بیبن کا
جو پاٹ ہے جامے کا سو تختہ ہے چمن کا

پڑ گئے نور کے پردے جو اُٹھا رخ سے نقاب
لطف اسکا کوئی مجھ سے جو مجھے دل سے پوچھے
کھل گئی آنکھ ہوئی صبح اب آتی نہیں نیند
مرض عشق کا کرتے نہیں عشاق علاج
جان بھی تیری ہے دل بھی ترا ایماں تیرا
تیرے ترکش میں تو بیشک تھا یہی تیر اے قاتل
مزاج اک روز اے خورشید حشر تیرا پوچھیں گے
فقیر بیٹھا ہوں آسرا ہے فضل یزداں کا
شکل جب بس گئی آنکھوں میں تو چھپنا کیسا
نمد و دنیا سے کہ زندوں سے الگ ہٹکے مرے
لینے دیتی نہیں آرام تری نوک مژہ
مرے دلمیں نہ کیوں اس حسن کا پرتو آپنے ڈالا
رنگ اترتا ہی نہیں عشق کا جب چڑھ جائے
کان وہ جسنے کڑی بات سنی نرمی سے
اغیار بھروسہ نکریں ملنے پہ اُسکے
جو لوگ ہیں دنیا کے بھروسا نکر اُن پہ
تکیہ انہیں اسپر ہے توکل انہیں اُس پہ
محو ایسا تری صورت میں ہے شیدا تیرا
قصر و املاک پر اتنا نہو منعم تجھے فخر
ابھی کھل جائیں طلسمات جہانکے اسرار
ہم اُس سکے ہیں وہ ہو ہم سے جدا کیسا

روئے روشن رہا ہر رنگ میں پنہاں تیرا
لذت درد کی ہے جان نمکداں تیرا
زندگی دیکھ لیا خواب پریشاں تیرا
اے دل زار یہی درد ہے درماں تیرا
جو مرے پاس ہے سب کچھ ہے وہ ایماں تیرا
یہ مرے دلمیں ہے تو میرا ہے یہ پیکاں تیرا
وہ اچھا ہو مرک جائے ہمارے داغ ہجراں کا
اُسی پہ ہمکو بھی تکیہ ہے جو مالک ہے سلطاں کا
دل میں گھر کرکے مری جان ہے پردہ کیسا
کسی زاہد سے یہ اُٹھوائے جنازہ اپنا
دل میں چھپ جاتا ہے رہ رہ کے یہ نشتر کیسا
یہ کعبہ ہے چراغ اے شعر و آسمیں جلانا تھا
جسنے دنیا میں اسی رنگ کو یکتا دیکھا
آنکھ وہ جسنے بری شے کو بھی اچھا دیکھا
وہ وہ ہے جو سو بار بھی ملکر نہیں ملتا
ہر وقت یہ رخ دیکھے رہتے ہیں ہوا کا
دولت اُمرا کی ہے خدا ہے فقرا کا
دیکھتا ہے وہ ہر اک شکل میں جلوہ تیرا
دینے والا تو وہی ایک ہے میرا تیرا
اے رخ یار اُٹھا دوں جو میں پردا تیرا
ہو بندے سے جدا ہو وہ خدا کیسا

اثر لیلیٰ کو کیا ہو جب تری فریاد نے مجنوں
دیا نہ رنج ستم سوزِ دل سے کام لیا

جنونِ عشق کا درماں نہو کسی سے کبھی
قتل گر لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں

دوشِ ملک پہ دیکھ کے نعشِ شہیدِ عشق
اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا

اللہ رے سوزِ سینہ کہ دامانِ چرخ میں
ہم مرگئے اور اُسنے نجانا کہ مر گئے

واں رسمِ اختلاط سے انکار و عذر تھا
طوفانِ نوح دگریۂ اکبر ہیں فرق ہے

ہم تو یہیں رہے جو خفا ہو تو خوش رہو

جلایا پائے ناقہ کو نہ دستِ ساربان پھونکا
یہ خاک ہونے کا احساں ہے چرخ پر اپنا

کہو علاج کرے جاکے چارہ گر اپنا
بارے اُسنے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرشِ بریں نہو
اُس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہو

شعلہ لپٹ گیا نفسِ آتشیں کے ساتھ
ہر زخم پر جو ملتے تھے لب آفریں کے ساتھ

یاں جان ہی نکل گئی اپنی نہیں کے ساتھ
یعنی کہ آسماں کو ڈبو یا زمیں کے ساتھ

آئی نہ تھی طلب کہ رخصت کیا چلے

اکبر

(اکبر) حاجی سید شاہ محمد اکبر ابو العلائی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور۔ اوائل سنِ تمیز سے آپکو فنِ سخن کیطرف میلان رہا۔ مگر اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے بموجب عشقیہ مضامین ترک کرکے زیادہ تر تصوف۔ اخلاق اور معرفت کے رنگ سے کلام کو رنگتے رہے۔ اب اچھے کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا وحید الہ آبادی سے آپکو رشتۂ تلمذ حاصل ہے۔ آپکو قدیم طرز کے علاوہ طرز جدید میں بھی معقول دسترس ہے چنانچہ اکثر قومی مجالس میں نیچرل مضامین پر وقتاً فوقتاً نظمیں پڑہی ہیں۔ آگرہ میں اکثر قیام کا اتفاق رہتا ہے چنانچہ وہیں سے آپکا دیوان ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ سن شریف اسوقت ۶۰ برس سے متجاوز ہے۔ آپکے کلام میں سوز گداز کے علاوہ فصاحت اور بلاغت بھی موجود ہے۔ اور اس بات کو دیکھتے کہ آپکی مادری زبان اُردو نہیں ہے زباندانی بھی قابل ستایش ہے۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب پیشکش ناظرین ہے ملاحظہ ہو ؎

اپنی ہستی کو ہم مٹاتے ہیں — یوں پتہ یار کا لگاتے ہیں
دل سے نقش دوئی مٹاتے ہیں — وصل کا رنگ یوں جماتے ہیں
حسن کو عشق سے ہے ربط قدیم — شمع و پروانہ ساتھ آتے ہیں
ناوک فگن ہوا وہ ہدف پر نظر نہیں — جاتا ہے تیر ناز کدھر کچھ خبر نہیں

تصور لیلیٰ محمل نشین کا یہ بندھا اسکو — کہ مجنوں چیختا پھرتا ہے میں لیلیٰ کا محمل ہوں
بس کہہ چکے خاموش اب اے ماہ لقا ہو — کچھ منہ سے ہمارے جو نکل جائے تو کیا ہو
عاشقی نے بھی دکھائے ہیں بلا کے نیرنگ — پاؤں ہیں اک بت کافر کے مسلمان کے ہاتھ
نکل جائے تڑپ کر اسکا قیدی غیر ممکن ہے — کہ دیواریں بہت اونچی ہیں زندان محبت کی
بلا میں ڈال رکھا ہے گنہگاروں کو واعظ نے — الٰہی حشر سے سب کو دکھا دے شان رحمت کی
جفائیں جھیلتے ہیں ظلم سہتے ہیں مگر یہ ہیں — کسی نے کیں نہیں ہے کیا زباں اہل محبت کی
کریں ہم دشمنی کس سے کوئی دشمن بھی ہو اپنا — محبت نے جگہ رکھی نہیں دل میں عداوت کی
کوچۂ زلف میں آئے تو بڑے شوق سے ہم — اب نکل جانے کا ملتا نہیں رستا کوئی
جسکو دیکھا وہ ہے اپنی ہی غرض کا بندہ — سچ تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسی کا کوئی
پینے دے موسم گل میں تو شراب اے واعظ — توبہ کر لیں گے جو توبہ کی ضرورت ہوگی
یک بہ یک آ ہی گئی سر پہ وہ رخصت کی گھڑی — اس سفر کا نہ کیا تھا ابھی ساماں کوئی
آنکھیں دکھیں نہیں تمنے کسی ستانے کی — واعظو قدر ہو کیونکر نہیں پیمانے کی
پڑھ سکیں ہم تو ہر اک برگ ہے تاریخ چمن — لکھنے والے نے کوئی بات اٹھا رکھی ہے
فنا ہوکر کسی کی ذات میں حاصل بقا کی ہے — حقیقت میں ہماری نیستی ہستی خدا کی ہے
نہیں بے اختیاری عاشقی سے بڑھکے دنیا میں — بتوں کی بندگی کرتے ہیں ہم قدرت خدا کی ہے
کسی کے سامنے پھیلاؤں کیا میں دست سوال — یہ ہاتھ تو کبھی اٹھتے نہیں دعا کے لئے
عاشق نہ پھرا تا دم مرگ اپنی وفا سے — جی چھوٹ گیا قاتلوں کا مشق جفا سے

جدا ہے فہم سے اور وہم سے وہ
کسے تو ڈھونڈھتا ہے زاہد
بدلتا ہے جو تو نے پیچ و خم میں وہ طبیعت کیا
ہمراہ مرنے والے کے ہیں چند گام لوگ
بت بن گئے ہم چل گیا جادو جو بتوں کا
کیا واہ یا متاع ہے دنیائے جنس تن
المدد اللہ یہ نیا ظلم ہے اُس ظالم کا
پھولوں میں رنگ آگیا دیکھ کے تیرا رنگ رخ
لگا دے آگ اے بلبل چمن میں
دم نکلتا ہے نہ ہوتی ہے کسی طور سے صبح
صدقہ اپنے بازوؤں کا اور اک ہلکا سا ہاتھ
زاہدا کفر کی کیا تجھ پہ حقیقت ہو عیاں
کفر و اسلام کے جھگڑے سے رہائی پائی
رتبہ میں آستانہ دل اُس سے کم نہیں
اُدھر زاہد ریائی کدھر جاتا ہے تو
موسیٰ سے ہیں ہمیں جلوۂ دیدار نہیں ہیں
فردوس اگر ہے تو ہمارے ہی لئے ہے
لیلیٰ دوئی نہیں رہتی ارباب عشق میں
تجلی تمام عالم تصویر بن گئی ✦
جب وہ پردہ رخ روشن سے اٹھا دیتے ہیں
جاتا ہوں تہی دست سوئے ملک عدم میں

سمجھ لے جس کو بندہ وہ خدا کیا
نظر آتا نہیں تجھ کو خدا کیا
کیا ہو شکر جس منہ سے کریں اُس سے شکایت کیا
ساتھ اُسکا کون دے جو مسافر ہے دور کا
بت خانہ سے اب کعبہ کو جایا نہیں جاتا
ہے لوٹ پوٹ جس کو خریدار دیکھ کر
حکم ہوتا ہے کہ دل میں بھی ہمیں یاد نہ کر
باغ میں آگئی بہار تری جلوہ دیکھ کر
یونہیں یہ بے اثر فریاد کب تک
تو ہی بتلا اے شب فرقت کہ اب میں کیا کروں
خاک و خوں میں کب تک اے سفاک میں تڑپا کروں
ابھی معلوم تجھے معنی اسلام نہیں
جب سے دل اک بت کافر سے لگا بیٹھے ہیں
وہ چیز ہے یہاں جو میسر اِن حرم نہیں
بتخانے کی طرف ہے یہ سمت حرم نہیں
ہیں طور ہمیں نور ہمیں نار ہمیں ہیں ✦
دوزخ کے اگر ہیں تو سزاوار ہمیں ہیں
مجنوں نہیں تو ہم ترے محمل کے ساتھ ہیں
تم آئے کیا کہ ہوش میں کوئی رہا نہیں
کیا کہوں کیسا مزہ آنکھوں کو دکھا دیتے ہیں
ہے کوئی جو کچھ باندھ دے دامانِ کفن میں

آنکھوں میں دم ہے اپنا امید کا بڑا ہو
اسوقت بھی کسی کے ملنے کی آرزو ہے

میخانہ سے ہم کعبۂ مقصود کو پہونچے
اکسیر بنے خاک در پیر مغاں سے

کھلتا نہیں کچھ حال طلسمات جہاں کا
یہ لوگ کدھر جاتے ہیں آئے تھے کہاں سے

کچھ دور نہیں ملک عدم پیش نظر ہے
دم بھر میں پہنچ جائیں گے اٹھے جو یہاں سے

زاہد کھلا یہ کسکو ترے اجتناب سے
بیشک تو نا امید ہے اسکی جناب سے

وہی عشق میں نیک انجام ہے
جسے رنج میں لطف آرام ہے

ہمارے تنزل کا یہ ذکر جابجا کیا ہے
جو کچھ ہوا سو ہوا اسکا تذکرہ کیا ہے

بری ہے فکر بشر سے صفات و ذات اسکی
جو آئے فہم میں اپنے تو وہ خدا کیا ہے

وجود اسکا ثابت ہوا چاہتا ہے
مرا نقش ہستی مٹا چاہتا ہے

وہ بے پردہ مجھ سے ملا چاہتا ہے
حجاب دوئی اب اٹھا چاہتا ہے

آپ تلوار اٹھائیں میں جھکا دوں گردن
پوچھتے کیا ہو کہ انجام محبت کیا ہے

اکبر

(اکبر) عالیجناب معلی القاب فضیلت مآب کمالات انتساب خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب رضوی سابق جج عدالت خفیفہ و رئیس الہ آباد - ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء آپکی تاریخ ولادت ہے آپکا سلسلۂ نسب امام رضاؑ سے ملتا ہے دیسی مکاتب اور سرکاری مدرسوں میں تعلیم پاکر آپنے ۱۸۶۷ء میں امتحان وکالت درجہ ادنیٰ پاس کیا - اور نائب تحصیلداری کے عہدے پر مقرر ہوئے - پھر ترقی پاکر ۱۸۶۹ء میں ہائی کورٹ میں مسلخوان ہوئے ۱۸۷۰ء میں وکالت درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور منصفی کے عہدے سے درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۸۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۹۴ء میں جج عدالت خفیفہ درجہ اول اور سشن جج مقرر ہوئے - اور کئی سال تک ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب پایا - آپ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی ہیں عنفوان شباب سے آپ کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے

ملتی نہیں پتھر کی لکیر اس کو سمجھنا	جو بات نکل جائے زبانِ فقرا سے
لیلیٰ ہے کہاں اور ترا دشت کہاں ہے	اے قیس تجھے عشق نہیں ہے خفقاں ہے
وہ مسیحا ہونے کا دعوےٰ کرے	ہم سے بیماروں کو جو اچھا کرے
دوست ہی جب کام دشمن کا کرے	پھر کوئی دشمن کا شکوا کیا کرے
شوق اُسکے دیکھنے کا ہے اگر	پہلے انساں اپنا نظارا کرے
دوئی محال ہے اہلِ وجود کے نزدیک	تو جسکو کہتا ہے بندہ وہی خدا بھی ہے
مرد خوش خو نہیں تو پھر کیا ہے	پھول میں بو نہیں تو پھر کیا ہے
کون بستا ہے سینے کے اندر	عالمِ ہُو نہیں تو پھر کیا ہے
صورت آباد ہے یہ اور وہاں ہو کا مقام	شیخ کیا جانے کوئی کعبے کو بت خانے سے
جو مٹا عشق میں تا حشر رہا نام اُس کا	ہمیں ثابت یہ ہوا قیس کے افسانے سے
شاعر ہے داغ اور ہے اُستادِ فن امیر	اکبر وحید قبلۂ اہلِ کمال ہے
رحمت کے واسطے بھی تو کچھ نذر چاہیے	اے عاصیو گناہ سے بچنا گناہ ہے
یہ حسن کی خطا ہے کہ دل تم پر آگیا	میرا گناہ ہے نہ تمہارا گناہ ہے
تری آنکھیں کہیں ہیں دل کہیں ہے	تو میرے پاس ہے لیکن نہیں ہے
مرا دل وہی دلربا بھی وہی ہے	جو ہے مدعی مدعا بھی وہی ہے
سُنا ہے یہ اللہ والوں سے ہم نے	جو سب سے جدا ہے ملا بھی وہی ہے
وجود ایک ٹھیرا تو یہ پھیر کیا ہے دھوکا	صنم بھی وہی ہے خدا بھی وہی ہے
کسے غیر سمجھا ہے تو غیر کیسا	جو بیگانہ ہے آشنا بھی وہی ہے
تو وہ شمعِ بزم ہے عالم ترا پروانہ ہے	تو چراغِ کعبہ ہے تو رونقِ بت خانہ ہے
کسی نسخے میں یہ قوت نہ اکسیر میں ہے	نصیحت جو نظمِ صاحبِ تاثیر میں ہے
ڈھونڈا ہے دل میں اسکو اس میں پتہ لگے گا	کعبے میں کیا دھرا ہے خالی مقامِ ہُو ہے

شاہد بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزہ رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلےٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تجھ سے کیا کہوں
اُس نے مجھکو کیا کیا دل کو مرے کیا کیا کر دیا

قطعہ

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا

جو اعتدال کی کہیے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دیئے پاؤں سب نے ہیں پھیلا

ادھر یہ ضد ہے کہ لمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

ادھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحتِ ناپاک
اُدھر ہے وحی ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذابست جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلا

قطعہ

رسوا وہ ہوا جو مستِ پیمانہ ہوا
لپکا جو سایہ پردہ دیوانہ ہوا

انگلنڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اُدھر، ادھر سے بیگانہ ہوا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہو گیا
وہ زنانے میں گھسے مہماں رخصت ہو گیا

مے انہوں نے پی اب اُنکے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہو گیا

رباعی

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا

غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

وفا سے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا تو اب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دلکو تمھیں مناسب ہے دلنوازی
تو ہنسکے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر انہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جاکر کہ دیکھئے آکے بزمِ سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا بُرا ہے گناہ کرنا

خواجہ آتش کے شاگرد منشی غلام حسین صاحب وحید الہ آبادی کے شاگرد رشید بلکہ سرمایۂ ناز اور فخر استاد ہیں۔ چونکہ عربی و فارسی زبانوں میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ زبان انگریزی اور اُسکے علم ادب سے بھی بخوبی ماہر ہیں اسوجہ سے جہانتک ممکن ہوتا ہے مغربی خیالات کو بطرز احسن ایشیائی لباس پہنانے میں ساعی رہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ بدرجۂ احسن کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ اکثر مشاہیر انگلستان کے کلام کا اُردو میں بہت ہی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ ایشائی طرز قدیم میں بھی بہت بلند پایہ ناظم و شاعر ہیں۔ قوت متخیلہ و ممیزہ دونوں اعلی درجہ کا حصہ فطرتاً آپکی طبیعت میں ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزوں اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانوں پر ہورہا ہے اور اُس سے جو نتیجے پیدا ہوئے اور ہورہے ہیں اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ زبان نہایت صاف اور پاکیزہ اور طرز بیان بالخصوص حددرجہ دلچسپ و دلکش ہے لغزگوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ایک ادنی جوہر ہے مگر ساتھ ہی مضمون آفرینی اور نازک خیالی سے خالی نہیں عاشقانہ رنگ کے شعر میں بات پیدا کرنی انکی جدت پسند طبیعت کا ایک خاص مذاق ہے کلام میں صفائی و سادگی اپنے اپنے محل و موقعہ پر دلاویز جھلک دکھاتی ہیں الغرض جسقدر کلام ہے برگزیدہ و پسندیدہ خاص و عام ہے عیوب شاعری سے مبرا و نقائص سے سراسر معرّا ہے۔ ہر رنگ میں ہر بحر میں ہر زمین میں کامل دسترس ہے۔ پولیٹکل اور سوشل معاملات میں آپکی رائے نہایت متین و صائب ہوتی ہے۔ خیالات بھی نہایت سلجھے ہوئے اور اکثر اچھوتے ہیں۔ اپنی طرز خاص میں اسوقت مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں۔ الغرض آپکی ذات والاصفات کو اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا جامع کہنا بیجا نہیں۔ اب پنشن لیکر وطن قدیم الہ آباد میں رونق افروز ہیں۔ راقم تذکرہ پر بڑی مہربانی فرماتے ہیں حضرت کا عطیہ کبری یعنی کلام ذیل نظر افروز ناظرین کیا جاتا ہے ۵

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا	قطعہ	میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

ادائے شکر کرکے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں اُن کی مہربانی میں

لاکھ نعمت ہے اتنی آزادی
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہر جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا اُبھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
اُدھر نشاں اسکا مٹ رہا ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اسکو سمجھے ہیں آبِ بیانی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے اتحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا جس میں پڑے ہیں کچھ دانہائے شیریں
اُسی پہ مائل ہے طبعِ شاہیں یہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی تبدیلی کی بلا ہے
خیالِ مٹیر[۵۱] کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن[۵۲] رکا ہے ملحد کا آپریشن[۵۳]
نہیں ہے گر لفظ سالویشن[۵۴] خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں ہی عزت بشپ[۵۵] کی ہے
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جنابِ اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ سمجھے ہیں اس طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہوائے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی جاتی ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے غلطوں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں انہیں کے دل میں جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسنِ بتِ فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش انہیں آئیگا دیر میں

چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

قطعہ

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پُن میں
پہونچائیگا توت شجرِ ملک کی بن میں

تحریکِ سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

[۵۱] مادیات [۵۲] قومیت [۵۳] عمل [۵۴] نجات [۵۵] پادری ۱۲

وہ دورِ چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہلِ تقویٰ ہر ینگے مضطر
جنابِ شیخ سے جاکر ذرا اللہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادہ گلگوں سے خلوت میں
بزرگ بھی طفلِ دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

گُل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھاتے ہیں ہمارے مرشد
کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خود داری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر
چمن میں بو سے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

بنوگے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

کیا اچھا جنہوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

میں سمجھا یا تلاشِ پیر کی دیکر صلاح انکو
ہوئے وہ اور بھی ظالم مریدِ آسماں ہو کر

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی اُن سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

زبانیں دیکھتے ہی آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بیزباں ہو کر

فضائے منزلِ ہستی سے کیا تفریح ہو دل کو
مجھے زیرِ زمیں جانا ہے زیرِ آسماں ہو کر

یہ ارشاد آپکا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر

پھری قسمت ہوا کی آپکی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

خیالِ عزتِ مجنوں نہ چھوڑے دامنِ مجنوں
نہیں ہے ہوش اُسکو ورنہ تو اُڑ جاد دھجیاں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا ابھرا جو بجھ زندگانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں — مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا وہی ڈھنگ یہ پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جا سُنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا — ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پہ ہیں کیا جو فصلِ بہار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھکر ترا حال اکبرِ نوحہ گر — تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشقِ زار ہے

قطعہ

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے — جاں ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

مبتلائے بلا تو ہوں غافل — یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

قطعہ

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے — نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے

کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مسِ رعنا — ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے

پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلنڈ — زلفوں میں اُلجھ آتی ہیں آفت ہے تو یہ ہے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے — دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے

تم اپنے طریقوں سے بنو عمدہ مثالیں — سچ کہتے ہیں ہم قوم کی خدمت ہے تو یہ ہے

اکبر کی غزل حسن کے یہ فرماتے ہیں احباب — حکمت ہے تو یہ ہے ظرافت ہے تو یہ ہے

رباعی

باغوں میں تو بہار درختوں کی کہاں — کالج میں آ کے کانووکیشن کو دیکھیے

لیموں کے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے — اب کاغذی ترقی نیشن کو دیکھیے

رباعی

سنیے حکمت جو مری گفتار میں ہے — اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے

پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا — سنتے تھے کہ نور تھی اب نار میں ہے

جہاں سے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی — گلستاں نے رنگ بدلا رنگ نے یاروں کی مت بدلی

نہ گلوں میں گلوں کی سی بو وہ رہی۔ نہ عزیزوں میں الفت کی خو وہ رہی
نہ حبیبوں میں رنگِ وفا وہ رہا۔ کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے
نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی۔ نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے۔ درِ دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگِ علم مذہب — قلوب شیطاں کے متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

سب ہو چکے ہیں اُس بُتِ کافر ادا کے ساتھ　　رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

رباعی

بیڈھب ہے، جھوٹ سچ کی چھڑی بحث[۱] ہند میں　　سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو روسیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہم پر ہیں حکمراں　　جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اپنی ہستی جو حجابِ رخِ جاناں نہ رہے　　واں رہیں ہم کہ جہاں پر کوئی ارماں نہ رہے
چشمِ نرگس سے کوئی حالِ چمن کا پوچھے　　دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے
شوق کیا نظمِ سخن کا مجھے ہو اے اکبر　　وہ زمانہ نہ رہا اور وہ سخنداں نہ رہے

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی　　اِن آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی
فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا　　جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی
جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں جھوٹا　　مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی
نگاہِ قہر سے دیکھا یہ ہی غنیمت ہے　　مجھے تو آپ سے امید اس قدر بھی نہ تھی

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے　　خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے
گزری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت　　ہوتے ہیں وہ رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے
وہ کہتے ہیں مے پینے کو تُو پی نہیں سکتا　　اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے
سینے سے لگا کر مجھے وہ آج یہ بولے　　اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی　　ظالم میں اور اک بات ہے اس سب کے سوا بھی
سالک کو دمِ تیغ ہے قطعِ رہِ توحید　　دو ہو گیا اک آن میں چوکا جو ذرا بھی
سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت　　بیشک مجھے آتی ہے کبھی یادِ خدا بھی
کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس　　ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی
سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک　　اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہو گا خدا بھی

کہوں کس سے قصۂ دردِ غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے　　جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے

[۱] اشارہ ہے لارڈ کرزن کی مشہور سپیچ جلسہ کانووکیشن کلکتہ یونیورسٹی کی طرف جس میں ہندوستانیوں پر بالطبع جھوٹ بولنے کا الزام لگایا تھا

رہ گئی اُس قدر انداز کی چٹکی میں قضا | نہ ہوا تیر مرے دل میں ترازو کوئی
گالیاں کھاتے ہیں اکبر تو کچھ ہے اسکا سبب | ورنہ طاقت ہے کسی کی جو کہے تو کوئی

آزردہ ہو کے آپ نہ اے جان جائیے | مَن جائیے خدا کے لئے مان جائیے
یا پھینک دیجئے چیر کے پہلو سے دلکو آپ | یا دل کے سب نکال کے ارمان جائیے
تقصیر تھی کسی کی کسی پر خفا ہوئے | اِس آپ کی سمجھ کے بھی قربان جائیے
میں سخت جاں ہوں کٹ نہ سکے گا مرا گلا | ناحق کو ہونگے آپ پریشان جائیے
تو کہتے کہتے گالیاں دینے لگے حضور | کیا خوب بول چال ہے قربان جائیے
دشمن سے صاف ہمسے مکدر ہے مدام | اس آپ کی صفائی کے قربان جائیے

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر نام ہے۔ منشی فیروز خاں فیروز باشندہ رامپور تلمیذ حضرت داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ موزوں طبع بھی ہیں اور مذاق بھی اچھا معلوم ہوتا ہے اپنے اُستاد کے رنگ پر چلتے ہیں۔ ۳۳ و ۳۴ برس کی عمر ہے۔ منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

لازم ہے رحم بلبلِ شیدا کی جان پر | فصل بہار ہے نہ کتر باغبان پر
اب موت ہی نہ آئے تو پھر اسکا کیا علاج | سو بار ہم تو کھیل چکے اپنی جان پر
دوستی کے جو کیا کرتے ہیں دعویٰ احباب | وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا لیتے ہیں
جب قاصدِ خیال کا دان تک گزر نہو | پھر کیا شکایت اپنی رسائی اگر نہو
یوں آنکھ میں رہو کہ نہ ہو پتلیوں کو بار | اس طرح دل میں آؤ کہ دل کو خبر نہو
ہردم ترقیاں ہیں تمہارے جمال کو | آئینہ بار بار نہ دیکھو نظر نہو

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر خان باشندہ کانپور شاگرد سالم لکھنوی۔ دور موجودہ کے شعرا میں اِن کا شمار ہے نتیجہ فکر ملاحظہ ہو ؎

دُھن ہے اُنھیں ایجاد کوئی طرزِ جفا ہو | بیداد کا انداز نرالا ہو نیا ہو
یہ بوٹا سا قد اور یہ رفتار ستم خیز | کس طرح قیامت پہ قیامت نہ بپا ہو

خدا کی ساعت ہیں بال کی صدیاں مجھے بھی پیری میں یاد ہی ہے		بلائیں آ رہی ہیں اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے
اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے		ناز اتنا نہ کریں ہمکو مٹانے والے
ہوائے دنیا بدل رہی ہے سرورِ روح آجکل نہیں ہے		علوم کے باغ گو کھلے ہیں وہ بوئے رازِ ازل نہیں ہے
نظر کو حیرت بدن کو سکتہ نہ دل میں تو نہ روح شاداں		فروغ زورِ عمل بہت ہے ظہورِ حسنِ عمل نہیں ہے
یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا	قطعہ	ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالیٰ		یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے
سدھاریں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے		وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے
بتانِ مغرب سے ہیں تعارف کی تمنا میں		میں دیکھوں گا انھیں وہ مرا ایمان دیکھیں گے

اکبر

(اکبر) خواجہ اکبر حسین صاحب اکبر - خواجہ خواجگان چشت خواجہ معین الدین اجمیری کی اولاد امجاد اور خواجہ ڈپٹی امام الدین صاحب آثر کے برادر ہیں - آپکو فنِ سخن میں بھی غالباً انھیں سے استفادہ ہے - چالیس برس کے قریب عمر ہے طبیعت میں شوخی اور کلام میں بلند پردازی ہے - زبان بھی صاف ستھری ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

خدا سے جو انکا گلہ ہو رہا ہے	وہ کہتے ہیں اُس سے یہ کیا ہو رہا ہے
مجھی کو تو آتی ہیں تیری ادائیں	مجھی پر تو عالم فدا ہو رہا ہے
فقط آپ ہی مجھ سے برہم نہیں ہیں	مرا دم بھی مجھ سے خفا ہو رہا ہے

دل اڑائے لئے جاتا ہے پریزاد کوئی	چل گیا چشمِ فسوں ساز کا جادو کوئی
بزم میں غیر کے پہلو سے وہ بچ کر بیٹھے	یہ بھی اک چال ہے اسمیں بھی ہے پہلو کوئی
مرضِ دل کا بجز اسکے نہیں کوئی علاج	گلِ عارض کی سنگھا دے مجھے خوشبو کوئی
جلوۂ حسن سے معمور ہوا ہے عالم	نہ مسلماں ہے کوئی نہ ہے ہندو کوئی
دل تو دل تیری طرف میں بھی کھنچا جاتا ہوں	مجھ پہ چلتا نہیں اب میرا بھی قابو کوئی
حسرت اے ذوقِ طپیدن کہ ہے جینا دشوار	ذبح کرتا ہے دباکر تہِ زانو کوئی

ؔ اسمیں یہ مزید رعایت ہے کہ ہندوستان کے مشہور محب وطن اور پولٹیکل لیڈر کا یہی نام ہے ۱۲

اکرام

(اکرام) حکیم اکرام اللہ خاں ولد حکیم ہدایت اللہ خاں - علم طب میں اپنے چچا حکیم سعادت اللہ کے شاگرد تھے - دہلی کی جامع مسجد کے قریب آپکا مکان تھا - مومن اور ذوق کے آپ ہمعصر تھے اس سے زیادہ نہ تو حال معلوم ہوا نہ کلام ملا - دو شعر دستیاب ہوئے جن میں سے ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے ؎

میرے رنج دل کو تم ہرگز نہ پوچھو دیکھ لو		جائے آنسو کے رواں خونِ جگر ہونے لگا
آرزو وصل کی مٹانی تھی		کیا ہوا گر مٹا دیا دل کو

اکرم

(اکرم) مرزا محمد اکرم - نواب عماد الملک غازی الدین خاں فیروز جنگ وزیر عالمگیر ثانی کے مصاحبت کی بدولت اپنے اقران و اماثل میں ممتاز تھے اور خود بھی مرد قابل صاحب استعداد زندہ دل - بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں فرد تھے - چند اشعار تذکرہ قدرت اللہ شوق میں نظر سے گزرے درج تذکرہ کئے گئے - انکے بیٹے مرزا بلاقی بھی فکر سخن کرتے تھے - اٹھارویں صدی کے آخر میں حیات تھے اور شاہجہاں آباد میں سکونت تھی ؎

یہ داغِ دل کسیکو دکھایا نجائے گا		اس آبلہ کو ہاتھ لگایا نجائے گا
دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسیکی		یارب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسی کی
یوں اشک کے آتا ہے ہر اک لخت جگر ساتھ		جیسے کہ دہی آئی ہو بنگاہ کسیکی

اکرم

(اکرم) محمد اکرم متوطن موضع موبی - جوان قابل - صاحب طبع سلیم تھے - اکثر جنگ نامہ کہا کرتے تھے - شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں حیات تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق میں انکا ذکر آیا ہے - ریختہ کیطرف توجہ کم تھی - چند اشعار نتائج افکار سے درج کئے جاتے ہیں ؎

امید وصل ہی میں کٹی عمر یا نصیب		ارمان دل میں رہ گیا بوس و کنار کا
جب کبھی بنکے وہ بانا زو ادا آتا ہے		دیکھ اُس بت کو مجھے یاد خدا آتا ہے
قاصدا سچ کہہ تجھے اپنے خدا کی سوگند	قطعہ	اُس کی محفل میں کبھی ذکر مرا آتا ہے
کہنے لگا کہ میں زیادہ تو نہیں واقف لیک		غیر دشنام نہ واں نام ترا آتا ہے

جس حشر کو ہم روز جزا سمجھے ہوئے ہیں
وہ بھی نہ اُسی کافر بدخو کی ادا ہو

جب آکے نہ دیں زہر بھی وہ ہاتھوں سے اپنے
بیمار تپ ہجر کی کیا خاک دوا ہو

دشمن کو عطا بوسۂ لب ہو میرے ہوتے
ہونٹوں پہ تو دم کس کے ہو اور کسکی دوا ہو

شکوہ ستم یار کا مُنہ سے نہو اکبر
ہو شکر بہر حال وفا ہو کہ جفا ہو

اکبری

(**اکبری**) دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن اکبری مغفور خلف اکبر امارت وایالت دستگاہ خیر اندیش دولت عالیہ دیانت دار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ صاحب راجہ کلانور دیوان صاحب اوائل میں سرکار مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور مہاراجہ دلیپ سنگھ میں اور بعد الحاق پنجاب سرکار انگلشیہ میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے - آپکے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر آپ نے لاہور میں نشو و نما پائی تھی - انجام کار یکم اگست ۱۸۶۷ء کو بمرض ہیضہ بعمر بیالیس سال مُرگباش ہوئے دیوان صاحب مغفور نہایت باخبر مطالعہ پسند لایق - فقیر دوست امیر تھے سیاحی کا بڑا شوق تھا چنانچہ اکثر بلاد ہندوستان مثل بنارس - گیا - لکھنؤ - دہلی کی سیر کی تھی علم ہندسہ و حساب میں وحید زمانہ تھے فارسی بیشتر اور ریختہ کمتر کہتے تھے دیوان فارسی معہ غزلیات اُردو پنڈت صاحب کے خلف الرشید دیوان پنڈت رام ناتھ صاحب مرحوم سابق ڈسٹرکٹ جج نے شایع کرا دیا تھا - اُسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ؎

یا دِ وحدت میں تعلق کا جو پردہ اُٹھا
صاف ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اُٹھا

انساں کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا
اک مشت خاک تھا جسے جوہر بنا دیا

خونِ جگر سے ہمنے کیا دل کو لالہ زار
داغِ جنوں سے دل کو مشجّر بنا دیا

کون وہ ہے جو ترا طالبِ دیدار نہیں
کون اس چشم سیہ مست کا بیمار نہیں

مردانِ خدا خواہش دنیا نہیں کرتے
آزاد رہ ورسم کی پرواہ نہیں کرتے

کیوں ہمکو دکھاتے نہیں تم دست حنائی
ہم خوں کا کچھ آپ پہ دعوے نہیں کرتے

زاہد نہ کریو اپنی عبادت کا کچھ گھمنڈ
شیطاں کی ایک دم میں خدا سے بگڑ گئی

بہت ارماں ہیں دل میں اک نظر دیکھا تو کیا دیکھا
ابھی پیاسے کی ہوتی ہے کہیں تسکین شبنم سے

ریا گر چھوڑ دے زاہد تو خود کعبہ ہو دل تیرا
وضو بھی ہے کہیں دل کی سیاہی آبِ زمزم سے

وہ ہی ہیں فخرِ آدم جو برائے قوم حاضر ہیں
قلم سے جان سے دل سے زباں سے مال و درہم سے

(اکمل) مولانا قاضی محمد ظہور الدین خان باشندہ گولکی نواح گجرات پنجاب۔ مولانا شوکت میرٹھی سے اصلاح لیتے ہیں مولوی فاضل کے درجے تک تعلیم پائی ہے۔ اخبارات میں بھی اکثر مضامین شایع کرتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

لو دل کی لگی رہتی ہے کیوں شمع رخوں سے
ان سے تو سوا داغ کے حاصل نہیں ہوتا

ہوا میں خاک پھر بھی آئینہ رو کو کدورت ہے
ستارا خاکساری کا مری اب بھی نہیں چمکا

گاہ بجلی شعلہ زن ہے گہ ہوا بر باد کن
تختۂ مشقِ ستم ہے آشیانِ عندلیب

وہ شوخ چشم مست کو گردش بھی دے ذرا
ہو دم کے دم میں دہر کا نقشہ الٹ پلٹ

ہے بوسہ کے سوال پہ ہر دم نہیں نہیں
کب تک رہے گی تیری یہ اے نازنیں نہیں

ہر شے میں جلوہ گر ہے مکاں ہو کہ لامکاں
آتا نظر وہ پھر بھی کسی کو کہیں نہیں

(اکمل) منشی اکمل علی اکمل۔ کلکتہ کے ایک خوشگو موزوں طبع نوجوان ہیں طبیعت کا رنگ مفصلۂ ذیل اشعار سے آشکار ہے ؎

یہ زبانی غمگساری چھوڑ دے
ہم کو حالت پر ہماری چھوڑ دے

اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا
دامنِ بادِ بہاری چھوڑ دے

مدتوں میں جسکے ہاتھ آئی ہو وہ
آستیں کیونکر تمہاری چھوڑ دے

خونِ اکمل اپنی گردن پر نہ لے
یہ نہ کہ امیدواری چھوڑ دے

(الحمد) مولوی الحمد نام۔ مولانا نظام الدین ممجز کے شاگرد اور مولانا فخر الدین کے مرید با ارادت تھے۔ اک عرصۂ دراز تک انکی خدمت میں رہکر علوم باطنی حاصل کئے۔ زیادہ وقت درس تدریس میں صرف ہوتا تھا فارسی کی استعداد عالمانہ تھی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے احباب میں تھے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

اکرم

(اکرم) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ محمد آباد ضلع اعظم گڈھ کا - زمانہ حال کے موزوں طبع شعرا میں سے ہیں - یہ خلاصۂ افکار ہے ؎

مسی پر وہ کیا پان کھائے ہوئے ہیں
دھویں سے وہ شعلہ اٹھائے ہوئے ہیں

نہیں پاس دل بھی کروں پیش کش کیا
مرے گھر وہ مہمان آئے ہوئے ہیں

مر کر بھی تیرے زیر قدم گھر بنائیں گے
قبر اپنی تیرے در کے برابر بنائیں گے

کہتا ہے ناز اُن سے ذرا تم جوان تو ہو
طرز ستم سکھا کے ستمگر بنائیں گے

ہنس کر وہ بولے تجھکو رُلاتے ہیں اسلئے
ہم تیرے اشک چشم سے گوہر بنائیں گے

دنیا کی کج ادائی سے گھبرا گیا ہے دل
دور فلک سے گھر کہیں باہر بنائیں گے

اکمل

(اکمل) محمد میرن جان نام اور الہ آباد کے رہنے والے تھے زیادہ حال معلوم نہیں کلام حاضر ہے ؎

زندگی منظور تھی میری تو آتے نزع میں +
قبر پر اب آکے پچتانے سے کیا حاصل ہوا

ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ
ہمیں کچھ ایک ترے عشق میں خراب نہیں

زندگی کا لطف ہے عشق بتاں ملتا نہیں
دل لئے پھرتے ہیں کوئی دستاں لیتا نہیں

دیدۂ حق بیں نہ تھے محتاج دیدار حبیب
کوئی ایسی جا نہیں ہے وہ جہاں ملتا نہیں

لائی ہمیں اس وادی پُرخوف میں وحشت
غالب ہے قضا بھی نہ جہاں بھول کے جھانکے

کچھ نہیں گل کو خبر بلبل کے حال زار کی
باغباں کیسی ہوا بدلی ہے اس گلزار کی

اس کا بننا اور بگڑنا یار کے ہاتھوں رہا +
خانۂ دل کو ضرورت کب ہوئی معمار کی

اکمل

(اکمل) حکیم محمد اکمل خاں ملازم دربار نیپال - مولانا شوکت میرٹھی سے ارادت رکھتے ہیں یہ آپکا کلام ہے ؎

قدم رکھنا سمجھ کر سوچ کر نفع و ضرر اپنا
فقط ایک سود سودے کا ہے بازار محبت میں

رضا پر تیرے راضی یا الٰہی میں رہوں ہر دم
تمنا ہو نہ جنت کی نہ کچھ ڈر ہو جہنم سے

مجکو رسوا کرکے رسوائی سے بچنا ہے محال	تو بھی بدنام اے نگاہ فتنہ گر ہو جائیگی
اسکو لذت درد کی کاوش کا ہے اسکو مزا	زخم و ناخن کی بہت اچھی بسر ہو جائیگی
آؤ آنکھوں میں چھپا لوں ہیں جو ہے خوف نظر	سات پردوں میں تمہیں لیلی نظر ہو جائیگی
کیوں نظربازوں کی نظروں سے لڑاتے ہو نظر	کچھ نظر اسیر بھی ہے صاحب نظر ہو جائیگی
دیکھنا ہر وقت یہ آئینہ کا اچھا نہیں ہے	کیا کروگے میری سی حالت اگر ہو جائیگی
کیا شفا ہو ہمکو خود بیمار ہے چشم مسیح	اچھے ہو جائینگے جب اچھی نظر ہو جائیگی
جانانا الطاف تم قہر خدا نازل ہوا	مہربانی ان حسینوں کی جدھر ہو جائیگی

مری جاں خوب دل زلفوں میں پھنسا	بلا کو باندھ کر رکھا بلا سے
جوانی میں غضب ڈھائیں نہ کیونکر	وہ جب ہی فتنہ تھے جب تھے ذرا سے
تیر مارے ہیں کس قرینے کے	نہ جگر کے ہوئے نہ سینے کے
برسیں گزریں نظر نہیں آتے	آپ ہیں چاند کس مہینے کے
چارہ گر زخم دل کے رہنے دے	رفو کرنے کے ہیں نہ سینے کے
ہمارا کام اچھا بھی برا ہے	عدو کی بات بیجا بھی بجا ہے
ترقی پر ہے ایسا سوز الفت	کہ دل کا داغ دل سے بڑھ گیا ہے
ہر کلی باغ میں اک پھول نظر آتی ہے	گل کھلاتی ہوئی یہ باد سحر آتی ہے

الفت

(الفت) منشی منگل سین کایستھ عظیم آبادی شیخ قلندر بخش جرات کے شاگردوں میں نامور ہوئے ہیں انہی زمانہ میں دہلی آئے تھے کلام دستیاب نہیں ہوا ایک شعر تبرکاً لکھا جاتا ہے اسی ایک شعر سے انکی مضمون خیز طبیعت کی قابلیت اور شوخی کا پتہ چلتا ہے ؏

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہیں	کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

الفت

(الفت) منشی آنند رام الفت - باشندہ عظیم آباد ۱۸۶۸ء میں حیات تھے زیادہ حال معلوم نہیں ؏

دل پیشکش ہے نذر ہے یہ جان زار بھی	لکھے ہیں مگر حضور پہ سکہ نباہ کا

بسمل مجھے نہ چھوڑ تو اے یار دیکھنا
ایسا ستم نہ کیجیو اے یار دیکھنا

جاں بلب تشنہ جگریاں سے چلا جاتا ہوں
لے خبر جلدی سے ساقی کہ مُوا جاتا ہوں

مست ہم آغوشی کو آتا مری اے سیل سرشک
اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں

الطاف

(**الطاف**) منشی محمد لطافت حسین الطاف سنہ [illegible]ء میں جالندھر کی چھاونی میں ملازم تھے اور گاہ گاہ شعرگوئی بھی کیا کرتے تھے مذاق سخن کا نمونہ حاضر ہے ؎

کیوں جھوم جھوم آتا ہے ابر بہار روز
ہوتا ہوں اسکی یاد میں میں اشکبار روز

راتوں کی نیند اُڑ گئی کیوں مدتوں سے اُئے
رہتا ہے کس کی یاد میں دل بیقرار روز

کب تک سیئے گا جیب و گریباں کو چارہ گر
دست جنوں کرے گا یوں ہیں تار تار روز

الطاف لطف وعدہ کو اُسکے نہ جان سچ
کیا ایسے دیکھتا نہیں قول و قرار روز

الطاف

(**الطاف**) منشی محمد الطاف حسین خاں معروف بہ چندا خاں صاحب باشندہ رامپور منشی محمد احسان علیخاں آحسان شاگرد رشید حضرت داغ کے عزیز و اقربا اور شاگرد ہیں اور اُنہوں نے انہیں متبنیٰ بھی کر لیا ہے۔ ریاست رامپور میں آپکا خاندان بڑا شریف اور معزز مانا جاتا ہے۔ فکر معاش سے بدرجہ اوسط فارغ البال ہیں۔ فارسی کی استعداد اچھی ہے اور فن موسیقی کا بھی شوق ہے چنانچہ ستار اچھا بجاتے ہیں۔ ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر اور جوان وجیہ و خوبرو ہیں۔ اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت کی روانی اور فکر کی رسائی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہیں زبان بھی صاف ستھری پائی ہے۔ بروقت ترتیب کچھ کلام ملا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

تفرقہ ڈال دیا دست جنوں نے ایسا
کہ گریباں کا مرے تار سے ہے تار جدا

وہ خلش دوست ہوں رکھ لیتا ہوں پھر چھیا لیا
جب مرے تلوؤں سے ہوتا ہے کوئی خار جدا

اپنے سر مفت کی عشاق بلا لیتے ہیں +
دے کے دل جان کو خود روگ لگا لیتے ہیں

ایسی بھی داد ستم دیکھی ہے دنیا میں کہیں
گالیاں دیتے ہیں معشوق دعا لیتے ہیں

یہ نتھا معلوم اتنی مختصر ہو جائے گی
وصل کی شب بات کرنے میں سحر ہو جائیگی

میں پھروں کیوں نہ بیقرار ہوا
تجھ سے بد قول سے قرار ہوا

مثل آئینہ محوِ حیرت ہوں
آہ کس مکھڑے سے دوچار ہوا

اب تو اُس بت کو ہمنے رام کیا
بس خدا تجکو بھی سلام کیا

قطعہ

نے دل کو قرار بے قراری کے سبب
نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب

واقف نہ تھے ہمتو ان بلاؤں سے کبھی
جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

دھمکاتے ہیں بس آپ فقط مجکو اکڑ کر
بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر

ہنگامِ فغاں تھا خس و پنبۂ قفس و دام
تارِ رگِ گل نے ہے رکھا ہمکو جکڑ کر

جب نامِ خدا دور سے وہ جلوہ نما ہو
مرجائیں صفوں کی صفیں جیسے بچھڑ کر

مندیل کا تو پیچ اُٹھا بیٹھے گا اے شیخ
چھٹ اسکے نہ کچھ پاوے گا رندوں سے جھگڑ کر

آجاتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم یاں
کیا اس سے مزاحم ہوا اُٹھاتے بھلا لڑ کر

کیا کہیئے الم ایک گھڑی چین نہیں
معلوم ہوا کہ جیتے جی چین نہیں

(الم) صاحبزادہ محمد سعید خاں ابن صاحبزادہ امداد اللہ خاں تاب اوائل میں فردوس مکان نواب یوسف علیخاں ناظم والی رامپور کے شاگرد تھے پھر اُنکے انتقال کے بعد صاحبزادہ عباس علیخاں بیتاب سے اصلاح لینے لگے۔ خوش فکر و بامذاق آدمی تھے۔ نقاشی کا بھی شوق تھا۔ ۲۶ برس کی عمر میں ۱۵۔ جمادی الآخر ۱۲۸۲ھ کو انتقال فرمایا۔ کلام موجود ہے ؎

عشق بازی کے لیئے چاہیئے پتھر کا جگر
ہمنے اس کام کو سب کاموں سے مشکل پایا

ہوا رُخ ادھر اُس کی زلفِ دوتا کا
بچائے خدا سنا ہے بلا کا

ہمنے تیری زلف و رُخ کی یاد میں
روتے روتے صبح کردی شام سے

الم کو کہتے ہو شاید کسی پہ مرتا ہے
وہ مبتلا ہے تمہیں پر تمہیں خبر بھی ہے

کس دن الم نصیب ہوئی تھی وفائے یار
کمبخت ہم جفا کے بھی ارماں میں رہ گئے

(الم) مولوی سید احمد شاہ الم تلمیذ خواجہ ولایت علی سرور لکھنوی پشاور کے رہنے والے

بیعت مجھے بھی مشرب پیر مغاں میں ہے
آباد یہ میکش رہیں ساقی کا بھلا ہو
پھر زخم کہن آج مرے دل کا ہرا ہو

ساقی ادھر بھی دور کرم کی نگاہ کا
پھر قلقل مینا کی بلند آج صدا ہو
قاتل دم شمشیر دم باد صبا ہو

الفت (الفت) منشی شیو نراین الفت ورمختار ساکن جھبل پور - دور موجودہ کے شعرا میں سے ہیں - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جی سے ہم جائیں انہیں پروا نہیں
خواب میں بھی رہتے ہو تم دور دور

ہے یہ کیا گر غمزہ دیکھا نہیں
اسقدر رکھنا تمہیں زیبا نہیں

بن بن کے تم آئینہ عبث دیکھ رہے ہو
ڈرتے ہیں کہ تم کھینچ نہ لو ہاتھ ستم سے

ہم مرتے ہیں جس پردہ ادا اور ہی کچھ ہے
کیا تم سے کہیں لطف جفا اور ہی کچھ ہے

الفتی (الفتی) راجہ پیارے لال ولد رائے سکھن جی کایستھ دہلوی - فارسی انشا پردازی میں مہارت کامل حاصل تھی - چنانچہ وجاہت خاندانی و ذاتی لیاقت کے سبب کئی برس حضرت اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے - پھر ترک وطن و روزگار کرکے عظیم آباد جا بسا یا تھا - شعرا کے بڑے قدردان تھے - انکی ایک مثنوی نیرنگ تقدیر جامع تذکرہ کے پاس موجود ہے - پٹنہ میں ابتک آپکا خاندان باعزاز و آبرو موجود ہے آپکا کلام ضائع ہو گیا ہے تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

خاکساری سے مثال نقش پا
جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو گئے

الم (الم) خواجہ صاحب میر دہلوی خلف خواجہ میر درد - ۱۱۹۴ھ میں بطریق سیر مرشد آباد بھی تشریف لے گئے تھے اور راجہ دولہ رام کی قدردانی سے چندے وہاں قیام بھی کیا پھر کچھ دن عظیم آباد بھی رہے عاشق مزاج رند مشرب شخص تھے مگر بہ لباس فقر زندگی بسر کرتے تھے - اپنے چچا خواجہ میر اثر کے بعد درگاہ آبائی کے سجادہ نشین بھی رہے - مسٹر فیلن بحوالہ مصحفی لکھتے ہیں کہ مرشد آباد میں ایک خواص دولت رام سے الفت ہو جانے کے باعث وہاں رہ پڑے تھے - ۱۷۹۶ء میں آپکا عالم شباب تھا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

شام وصالِ غیر ادھر ان کو پھیر لائے
میں ہی نہیں ہوں بدظن اس بزم میں سبھی ہیں

امید تجھ سے اتنی بھی اے آسماں نہیں
ہر اک سے آپ ایسی کیوں کرتے دل لگی ہیں

وعدہ کیا تھا تمنے آئیں گے ہم کسی دن
اُس دن سے میری آنکھیں دروازہ سے لگی ہیں

دیکھا نہیں ہے تمکو گزری ہے ایک مدت
دیدار کو تمہارے آنکھیں ترس رہی ہیں

چاہا الم نے اسکو تو اسمیں کفر کیا ہے
عشق آدمی سے کرتے دنیا میں آدمی ہیں

دل ہے مشتاقِ وصال آنکھیں ہیں مشتاقِ جمال
دیکھئے حشر اب ان دونو کا کیا ہوتا ہے

اے الم جسکا توکل پہ رہے دارمدار
اسکا حامی و مددگار خدا ہوتا ہے

اے الم عاشقی بُری شے ہے
دیکھ جی کا ضرر نہو جائے

جب دیکھئے بلند سوئے آسماں ہیں ہاتھ
زاہد قبول بھی ہوئی تیری دعا کبھی

یہ قیامت تو مری جان نہ ڈھائی ہوتی
دل چرا کر نہ نظر تو نے چرائی ہوتی

توشب وصل ہوئی چار پہر میں رخصت
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آئی ہوتی

انتخاب از سلام

نہیں پاس کوئی ہیں تنہا شہ دیں
ادہر دیکھتے ہیں اُدہر دیکھتے ہیں

ہوئی انتہا صبر اہلِ حرم کی
عزیزوں کے نیزوں پہ سر دیکھتے ہیں

(الم) سید محمد زکی الم لکھنوی شاگرد جناب مونس مرحوم۔ اگرچہ دور موجودہ کے شعرا میں ہیں۔ مگر زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ انتخاب کلام درج ذیل ہے

ہاتھ اُٹھ کر رکا جو قاتل کا
بڑھ گیا اضطراب بسمل کا

توڑئیے پھول دستِ نازک سے
بے چھری خوں ہو عنادل کا

قیس ناقے کے ساتھ ہے لیلیٰ
دیکھ پردہ اٹھا کے محمل کا

سختیاں کرنے لگے نام وفا جاتا رہا
اے بتو بالکل تمہیں خوفِ خدا جاتا رہا

لوٹنے کو دولتِ وصل آئے تھے اس بزم میں
نقدِ دل بھی ہاتھ سے اے دلربا جاتا رہا

(الہام) شیخ شرف الدین عرف شاہ مول لکھنوی۔ بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے

سنہ ۱۸۸۱ء تک کلکتہ میں مقیم تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

نرغے میں اِن بتوں کے میں بیطرح پھنس گیا
تو ہی بچانے والا ہے پروردگار دل

دن بھر ہے مجکو روز قیامت کا سامنا
شب بھر تمہارے ہجر میں ہے بیقرار دل

جان شیریں مفت کیوں دیتا ہے تو
اتنا سمجھا دے کوئی فرہاد کو

دیکھتے ہی خون میرا وقتِ ذبح
گر پڑا غش آگیا جلاد کو

بیطرح عشقِ دست حنائی ہے اے اَلم
چھوڑینگے اب یہ خاک میں ہمکو ملا کے ہاتھ

باہیں گلے میں ڈال کے دیتا ہے جام مے
صدقہ میں اپنے اُس صنم بادہ خوار کے

الم

(الم) حکیم میر مہدی حسین رضوی متخلص بہ اَلَم وعلَم ڈاکٹر قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن خلف میر جعفر علی مرحوم جو میر حشمت علیخاں مرحوم عزیز نواب محترم الدولہ مغفور عرض بیگی کے بیٹے تھے۔ انکا سال ولادت سنہ ۱۲۸۳ھ ہے آپکے نانا نواب میر محمد حسین خاں عرف مغل صاحب نواب میر عالم صاحب دیوان دکن کے بھتیجے تھے آپنے حیدرآباد میں پرورش اور تربیت پائی۔ مدیکل کالج واقعہ بلدہ میں کئی سال پڑھکر سند طبابت حاصل کی۔ چودہ برس کی عمر سے شاعری کا شوق ہے شروع کا کلام مرزا مہدی حسین خاں حِنا بریلوی کو دکھایا اُنکے انتقال کے بعد سنہ ۱۳۰۵ھ میں حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اُنکے زمانہ حیات تک مسلسل طور پر اپنا کلام اُنہیں دکھاتے رہے۔ فارسی میں آپ کو آقا سید علی شوستری طوبی سے فیض تلمذ حاصل تھا۔ علاوہ دیوان گلبن تاریخ۔ رسالہ معاشرت اور رسالہ ہادی آپکی تالیف سے ہیں۔ جنمیں سے اول الذکر چھپ گئی ہے۔ اب اکثر مرثیہ گوئی کا اتفاق ہوتا ہے بہنگام ترتیب کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب حاضر ہے ؎

تجھ سے کافر سنگدل کو موم آخر کر دیا
کیوں اثر دیکھا ہمارے نالہ و فریاد کا

اِن بتانِ سنگدل کی سختیوں کیواسطے
سینہ پتھر کا کلیجہ چاہیئے فولاد کا

اللہ اللہ بیکسی کی موت بھی کیا موت ہے
لے گئیں حوریں جنازہ عاشقِ ناشاد کا

حسن صورت آفریں ہوجائے تجھ پر آئینہ
دیکھ لے یوسف لقا صورت اُٹھا کر آئینہ

جائے حیرت ہیں جبیں وابرو وعارض ترے
زیر خنجر آئینہ بالائے خنجر آئینہ

آپ سے بگڑے نہ اک دن ہے برابر کی یہ چوٹ
دیکھئے گا سورۂ اخلاص پڑھ کر آئینہ

امامی

(**امامی**) سید محمد خورشید بلگرامی خلف سید افتخار علی ذرہ۔ محرم ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے امامی عرف رکھا۔ پہلے اپنے والد سے پھر فرخ آباد جاکر مولوی ولی کے مدرسہ میں تعلیم پائی وہاں سے فارغ التحصیل ہوکر مذاق سخن بھی ساتھ لائے۔ فارسی میں صاحب دیوان و مثنوی تھے اُردو میں بھی کئی مثنویاں آپ نے نظم فرمائی تھیں۔ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا
مجھے شکوہ ہے اے ظالم تو ہی سخت جانی کا

آکے وہ داغ دے گئے دل کو
میٹھی باتوں سے لے گئے دل کو

ہے احتیاج تجکو نہیں قید بند کی
پابست تیرے عشق کا زنجیر کیا کرے

امانت

(**امانت**) میر امانت علی خلف کرامت علی ناگوری۔ جوانی میں کرنل سکنر صاحب کے رسالہ میں سوار تھے بعد برخاستگی رسالہ جے پور جاکر ملازم ریاست ہوئے اور وہیں دار فنا سے عالم بقا کو سدھارے نتیجۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

دیکھا نہ حور کو بھی امانت نے آنکھ اٹھا
مارا ہوا تھا کس کی خدنگ نگاہ کا

اللہ رے رسائی دست جنوں کہ اب
دامن کی راہ لی ہے گریباں کے چاک نے

ہم مرتے ہیں تشنگی سے ساقی کب تک
ظالم لب جام کو بھڑا دے لب تک

امانت

(**امانت**) سید آغا حسن خلف میر آغا رضوی لکھنوی روضۂ مشہد مقدس کے کلید بردار سید علی رضوی کی اولاد سے تھے ان کی ولادت ۱۲۳۱ ہجری میں ہوئی اوائل مشق سخن میں مرثیہ گوئی کا شوق ہوا۔ میاں دلگیر سے جو اس زمانے میں لکھنؤ کے مرثیہ گویوں میں نامور تھے تلمذ حاصل کیا چند روز بعد غزل گوئی کی طرف توجہ فرمائی چونکہ میاں دلگیر نے عذر کردیا کہ میں اب غزل نہیں کہتا۔ اس وجہ سے انہوں نے بھی اصلاح لینی ترک کردی

پہلے ملول تخلص تھا پھر الہام رکھ لیا - لکھنؤ کے شیخ زادوں میں تھے - اور لباس فقر میں زندگی کے دن ٹیر کرتے تھے - زود گو اس درجہ تھے کہ روانیٔ طبع سے دریا کی طرح بہتے تھے فارسی اکثر کہتے تھے چنانچہ دو دیوان بھی مرتب کر لئے تھے - لکھنؤ میں انکے معتقد بکثرت تھے بقول مسٹر فیلن ۱۸۹۳ء میں ستر برس سے زیادہ عمر تھی - منتخب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری جدائی نے یاں تک ہمیں ملول کیا	کہ زندگی کے عوض موت کو قبول کیا
دیکھا نہو جسنے کبھو سیماب کا عالم	آ دیکھے وہ میرے دلِ بیتاب کا عالم
اے ابر مژہ ناصحوں کی ضد سے تو یکبار	سب ارض و سما آوے نظر آب کا عالم
یاقوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ بجاوے	دکھلاؤں اگر چشم کے خوناب کا عالم
گل پر تو حسنِ رخِ دلدار کے آگے	پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم
مانی ترا وا اللہ یہ الہام ہو بندا	کھینچے تو اگر دل کے تب و تاب کا عالم
اری بیکسی تیرے قربان ہوں	بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی
قدر تو نے کچھ نہ جانی گو بُرے یا نیک تھے	ناز بردارو نہیں پر ظالم ترے ہم ایک تھے

الٰہی (**الٰہی**) الٰہی بخش - الٰہی - سوداگر ریوان شاگرد امیر مینائی - غالباً یہ وہی شخص ہیں جنکا ذکر پہلے اثر تخلص کے ضمن میں آچکا ہے - کلام حاضر ہے ؎

بدگماں کیا وہ ستم ایجاد ہے	کی دعا بھی تو کہا فریاد ہے
بلبلوں کیوں شکوۂ صیاد ہے	اور کچھ دن قید کی میعاد ہے
دے چکے بوسہ گلے سے بھی ملو	ایک نکلی ایک حسرت اور ہے
بن سنور کر آتے ہیں وہ حشر میں	اک قیامت میں قیامت اور ہے
حسنِ نمکیں شیخ حوروں میں کہاں	اِن حسینوں کی ملاحت اور ہے

الیاس (**الیاس**) سید مہر علی صاحب نبیرۂ نواب جہانگیر یار جنگ بہادر رئیس حیدرآباد دکن - آپکو میر خورشید علی نفیس کے نواسے جناب عارف سے تلمذ ہے ؎

لطف اب زیست کا اے گردشِ ایام نہیں | مے نہیں یار نہیں شیشہ نہیں جام نہیں

شراب محفلِ ساقی میں شیخ جی نے پی | کب ایسی جا پہ حلال و حرام دیکھتے ہیں

آنسو رواں ہیں زلف کے خیال میں | موتی پرو رہا ہوں ترے بال بال میں

سرمہ کا دنبالہ ہو منت کشِ چشمِ یار میں | ہے عصا درکار دستِ مردمِ بیمار میں

عشق کا غنچہ نگاہ سے دل چٹکا ہے اندروں | زخم کی صورت سے خوں آنکھوں سے جاری اندروں

قاتل نے پیچ جوہرِ تیغ کار زلف کی | تلوار کو چھپا کف مارِ سیاہ میں

اندھیر ہے کہ آنکھ میں سرمہ کی جا نہیں | اتنے حسیں سمائے ہیں اپنی نگاہ میں

پردہ اٹھاؤ در سے محرم ہیں تو تو اب | رکھو سبیل شربتِ دیدار راہ میں

فصلِ گل میں رات دن بس ہم ہوں اور میخانہ ہو | ساقیٔ مہوش ہو مے ہو شیشہ ہو پیمانہ ہو

اے دلِ روشن فدا نے جلوۂ جانانہ ہو | ہے چراغِ چشم شمعِ طور کا پروانہ ہو

محوِ گلشن گر نگاہِ نرگسِ مستانہ ہو | شیشہ ہو شمشاد شبنم مے ہو گل پیمانہ ہو

صحنِ گلشن میں جو رقصاں ساقیٔ مستانہ ہو | کبک سودائی ہو طاؤسِ چمن دیوانہ ہو

بزمِ عالم کے اسیروں میں عجب اندھیر ہے | جان یوں پروانہ دے اور شمع کو پروا نہ ہو

خالِ زیرِ زلف پر مرغِ دلِ عاشق ہے لوٹ | صید کی پھر کیا کمی جس دام میں یہ دانہ ہو

بزمِ عالم میں یہ ہر شب ہے امانت کی دعا | شمعِ روئے یار سے روشن مرا کاشانہ ہو

جو کھائیں نعمتِ دنیا کو ہم دل سے حلاوت ہو | اگر نوکِ زباں پر چاشنی ترکِ لذت ہو

جلاتے ہو مجھے اغیار کا دل رکھتے ہو ٹھنڈا | کہیں برقِ غضب ہو اور کہیں بارانِ رحمت ہو

تصور چاہیے ہر صبح اُسکے مصحفِ رخ کا | سحر کے وقت بہتر ہے جو قرآں کی تلاوت ہو

نہا دھو کر کفن پہنے لحد میں چین سے سوئے | ترے بیمارِ الفت کو کہیں جلدی سے صحت ہو

کھڑے ہونے نہ پاتے تھے امانت جو کہ محفل میں | برابر اب وہ بیٹھے ہیں دباتے اُسکے زانو کو

شیریں لبوں کے عشق میں ہے تلخ زندگی | الفت کی چاشنی کا امانت مزہ ہے یہ

بیس برس کی عمر میں کسی عارضہ کی وجہ سے امانت کی زبان بند ہو گئی - اور مجبوراً بذریعۂ تحریر کلام کرنا اختیار کیا - اس عالم میں سنہ ۱۲۶۰ ہجری تک گنگ رہے - آخرکار پروردگار کا فضل شامل حال ہوا اور کسی علاج سے یہ مرض کچھ جاتا رہا - بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا جا کر خود بخود زبان کھل گئی تھی - دوبارہ گویائی پانے کے بعد بھی تادم مرگ زبان میں لکنت رہی - فن سخن میں معمے اور چیستاں کا بہت شوق تھا - ان کی تصانیف سے دیوان خزائن الفصاحت - گلدستۂ امانت - اندر سبھا - اور اکثر مرثیے شائع ہو چکے ہیں - رعایت لفظی و صنائع بدائع کا خیال انتہا کو پہنچا ہوا تھا چنانچہ اس وجہ سے اکثر لوگوں کے نزدیک ان کا کلام عام فہم شاعری سے گر کر محض ضلع جگت یا رعایت لفظی کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے بہر حال اپنے وقت میں لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں سمجھے جاتے تھے - اسیر - خواجہ برق - رشک - بحر - سحر - گویا کے ہمعصر تھے دیوان تمام کلام میں سے انکی دو تصنیفیں سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئیں - ایک واسوخت دوسری اندر سبھا امانت - واسوخت کی شہرت محض رعایت لفظی سے (جو حقیقت میں اپنے رنگ کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہے) امید سے زیادہ ہوئی - اور اندر سبھا کو ایک انوکھی اور دلچسپ کتاب ہونے کے سبب قبول عام کی سند ہوئی - انکے دونو اجزاے لطافت - اور فصاحت شعراے لکھنؤ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں -
اسمیں شبہہ نہیں کہ اردو کے شعرا میں ڈراما کی اشاعت کا موجد اگر کوئی ہو سکتا ہے تو امانت ہے - انکی یادگار میں یہ ایجاد بہرکیف وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہے - ۲۸ - جمادی الاولے سنہ ۱۲۷۵ھ میں بعارضۂ استسقا انتقال کیا اور بمقام لکھنؤ آغا باقر کے امام باڑہ میں مدفون ہوئے کچھ کلام انتخاباً درج ہے

پریوں کی محبت میں یک حال ہے دونو کا ۔۔ فرزانہ ہوا تو کیا دیوانہ ہوا تو کیا
میخانۂ عالم میں دونو ہیں دلا یکساں ۔۔ ہشیار ہوا تو کیا مستانہ ہوا تو کیا
دیدۂ تر میں مرے پھرتی ہیں شکلیں یار کی ۔۔ دیکھو تو پانی میں لہراتا ہے جوڑا سانپ کا
نرگس کو باغباں سے محل ہے حجاب کا ۔۔ چوری گیا چمن سے کٹورا گلاب کا

مساوی جانیو خوش طالعی و کم نصیبی کو
امانی منعم و مفلوک سب کے دن گذرتے ہیں

امانی تو ہوا تیغ تغافل ہی سے بسمل
بھلا بتلائیے کس پر کہ اب آپ کستے ہیں

ہم تو از بسکہ تنگ جور ستم سے جاتے ہیں
یاد آویں گے بہت اتنا کہے جاتے ہیں

اثر ہو سنگ میں کیا - کیونکہ ان کو رام کریں
بتوں کے دل ہوئے یارب تو آہیں کام کریں

دو ایک بار بھی تیری نظر پڑے زاہد
صلاح و زہد سے ہے یہ - تو ہم سلام کریں

زباں پر راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا
سنتر کس سے اٹھا آیا ہے یہ شمع شبستاں کو

سینے پہلو سے گم کیا تجھکو
آہ دل - کس نے لے لیا تجھکو
اشک آوارگی سے تو نہ تھما
سینے آنکھوں میں گھر دیا تجھکو

اللہ رے صنم یہ تری خود نمائیاں
اس حسن چند روزہ پہ اتنا غرور ہے

چاہ میں کسکی دل ڈبو بیٹھے
آہ ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے
کیوں امانی گیا نہ آخر دل
کف افسوس اب ملو بیٹھے

خوش خواب ہیں مگر یہ اب تک
جاگے نہیں خفتگان عدم کے

آنکھیں نہیں ہنستی ہیں عجب ہی یہ سبب ہے
یارب یہ دل حیراں کو ہے کس کی طلب ہے

مدت سے سروکار غم ہجر ستی ہے
کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اب ہے

بارہا منع کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ
باز نہیں آتا - امانی بھی عجب کوئی ہے

سیر گلشن کو میں جاتا تھا تو صیاد نے مجھے
دیکھ کر دور سے بولا کہ شکار آتا ہے

نامہ بر کہیو زبانی کہ تڑپتے تجھ بن
شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک روئی ہے

امجد

(امجد) مولوی علی احمد حسین امجد خلف فضل حسین متوطن بدایوں حضرت مذاق مرحوم کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں صاحب دیوان فارسی و اردو ہیں - کلام حاضر ہے ؎

جسکو ہم سمجھے تھے اپنا وہی دشمن ہو گیا
رہنما نے راہِ الفت ہائے رہزن ہو گیا

بیگانے ہوئے اپنوں کے ہم آپ سے مل کر
چھوڑا نہ وہ لے آپ نے بیگانہ پن اپنا

ہوں ناتواں چلو نہ قیامت کی چال سے
ٹھوکر لگاؤ قبر کو پائے خیال سے

لب جان بخش کی الفت میں لب پر جان آئی ہے
مریض عشق مرتا ہے مسیحا کی دوہائی ہے

مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے
اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے

خدا کی یاد کرتے ہیں بتوں سے گرم صحبت ہے
یہی مذہب یہی تقوی یہی اپنی عبادت ہے

فی سبیل اللہ پانی ان کو دو اے آبلو
کانٹے اب دیکھے نہیں جاتے زبان خار کے

کوچۂ قاتل تلک اے دل ہمانی کیجئے
کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر گدائی کیجئے

امانی

(**امانی**) خواجہ امامی شاہجہان آبادی خلف خواجہ آثمی شاہ گردی میں وطن چھوڑ کر مرشد آباد جا رہے تھے مرثیہ خوانی کو کسب معاش کا ذریعہ ٹھیرایا تھا چنانچہ در سنہ ۱۲۲۱ھ میں شدت گریہ سے کسی مجلس عزا میں بیہوش ہو کر عالم بقا کی راہ لی آپکے طباع اور شوخ کلام ہونے میں شبہ نہیں شیفتہ اور لطف نے انکا تخلص امانی لکھا ہے اور بعض دیگر تذکرہ نویسوں نے امامی لطف کے قول کے بموجب سنہ ۱۱۹۲ھ سال وفات ہے یہ آپکے کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

گھبرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے میرا
اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا

سینے میں جدھر رو ہو ترا چھوٹ کدے اے آہ
ٹک دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا

اُسکے کوچے سے تی غبار اُٹھا
کون ساداں سے خاکسار اُٹھا

عندلیبو اُٹھاؤ اب صحرا
باغ سے موسم بہار اُٹھا

ہچکیاں لے گلا بیاں روئیں
بزم سے جب وہ میگسار اُٹھا

نہیں جو قدر اشک ۔ عالم سے
موتیوں کا مگر وقار اُٹھا

راہ تکتے تکتے آخر جی سے آیا تنگ دل
آنکھیں تو پتھرا گئیں ۔ پر وہ نہ آیا سنگدل

ہو چکا ہے غم سے خوں ۔ اب جلد یہ جائے کہیں
خوف ہے یارب نہ بدلے اور بھی کچھ رنگ دل

واے اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ
جلوہ گر ہے آفتاب ۔ اور تاب بینائی نہیں

چمن سب لہلہاتے ہیں برسے ۔ بادل برستے ہیں
شتاب آ ساقیا ! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں

شیخ صاحب ہے عبث آپ کو انکار اس سے	لیجئے لیجئے پی لیجئے یہ پانی ہے ۔

امداد

(امداد) نواب ناصر جنگ امداد حسین خانصاحب بہادر خلف نواب مظفر جنگ نبیرہ نواب احمد خان بنگش فرخ آبادی - تذکرہ شوق میں انکا حال نظر سے گزرا - تبرکاً درج تذکرہ کیا گیا ؎

او جانے والے یہ بھی ہے کوئی ادا کیطرح	جاتا ہے منہ چھپائے جو نا آشنا کیطرح

امداد

(امداد) حاجی امداد علی خان نبیرہ نواب فیض اللہ خاں والی رامپور احمد خاں غفلت کے شاگرد تھے پچھتر برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۸۴ ہجری میں انتقال کیا - یہ اُنکے شعر ہیں ؎

شب خفا بیٹھے بٹھائے ہم سے دلبر ہو گیا	گھر گیا اپنا یہاں واں غیر کا گھر ہو گیا
گلرخوں سے نہ ملی امداد بقولِ ناسخ +	داغ حسرت کے سوا خاک نہ حاصل ہوگا
کردے شب تار میری روشن	جب جانیں تجھے کہ مہ لقا ہے

امداد

(امداد) مرزا امداد علی لکھنوی مقیم مٹیا برج کلکتہ - مرزا علی جان شفق سے تلمذ تھا سنہ ۱۸۷۲ء میں کلکتہ میں زندہ وسلامت موجود تھے مندرجہ ذیل اشعار اُنکے طبع زاد ہیں ؎

فراق میں لطف اُٹھا چکے ہیں کسے کسے ہم رُلا چکے ہیں	اثر یہ نالے دکھا چکے ہیں کہ دل بتوں کے ہلا چکے ہیں
سچ تو یہ ہے گر پسند خاطرِ عالی نہو	پھیر دیجئے آپ دل امداد کا امداد کو
پڑھتے ہی نامہ مرا کہنے لگا وہ رشکِ گل	مجکو بوئے عاشقی آتی ہے اس تحریر سے

امداد

(امداد) منشی سید امداد علی خلف سید بہادر علی مرحوم ساکن قصبہ رسولپور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی ان کا دیوان ۱۳۱۳ھ کا مطبوعہ نظر سے گزرا - نہایت جانکاہی سے یہ چند شعر اُس میں سے انتخاب کرکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں محض موزوں طبع ہیں کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہے ؎

ہو گیا ہم سے جدا ہائے وہ دلبر اپنا	اب تو قابو میں نہیں ہے دلِ مضطر اپنا
گرمئی الفت سے کوئے یار کی +	آگ دیتے ہیں لگا گلشن میں ہم
عنایت نامہ جو اُنکا دیا ہے نامہ بر مجھ کو	پڑھوں اسکو میں کیونکر خود نہیں اپنی خبر مجھ کو
رازِ مخفی کی اگر ہوتی سمائی ہم کو	جلوۂ کون و مکاں دیتا دکھائی ہم کو

اوروں کو مے پلانے سے حاصل ہوا ثواب | اِک گھونٹ کیا مجھی کو پلانا گناہ تھا
حال امجد کا نہایت ہے بُرا | دیکھ جاؤ آسے اچھا ہوگا

امجد

(امجد) مولوی سجاد علی خلف مولوی ماجد علی چودھری انصاری باشندہ گنور دور موجودہ کے شعرا میں ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

دہر میں پھولا پھلا ہے گلستاں توحید کا | جا کے سُن ہر مرغ گلشن سے بیاں توحید کا
ہر اک جا سُنی ہے کہانی تمہاری | حسینوں میں شہرت ہے جانی تمہاری
غضب چلبلاہٹ ہے جب کمسنی میں | تو ہوگی قیامت جوانی تمہاری
جو اِک بوسہ مانگا ملیں گالیاں دس | یہ کیا کم ہے کچھ مہربانی تمہاری

امجد

(امجد) شیخ امجد علی بنارسی اوائل میں منشی سرفراز علی رفعت بریلوی کو کلام دکھایا پھر اُن کے اُستاد جناب رحمت سے تلمذ اختیار کیا اور اب آخر میں حضرت داغ کے معتقد ہو گئے - کلام ہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جب میں کہتا ہوں وفا وعدہ مری جاں نہوا | ہائے کس ناز سے کہہ دیتے ہیں "جی ہاں نہوا"
آئے تو آئے وہ تربت پہ مری بعد فنا | زندگی میں تو یہ پورا مرا ارماں نہوا
دیکھ جاتے کبھی آکر مری بیتابی کو | تم سے اتنا بھی کسی رات مری جاں نہوا
وصل کی اُس بت سے ساعت بھی بتا کب آئیگی | غور سے تو ہاتھ میرا اے برہمن دیکھکر
غیر کے سر کی قسم بھی کھائیے اصرار پر | خالی وعدے سے تو اب تسکیں مری ہوتی نہیں
کسی کا ہائے یہ کہنا سرِ محفل قیامت ہے | یہ ہم پر جان دیتے ہیں یہ ہم پر مرنے والے ہیں
بیٹھا ہے کرنے رندوں سے تعریف حور کی | مے پی کے آج شیخ کو سوجھی ہے دور کی
جسکی جھلکی سے ہوئے طور پہ موسیٰ بیہوش | لطف جب تھا کہ نقاب اسنے اُٹھائی ہوتی
چال ہی تو نے زمانے سے جدا رکھی ہے | اپنی رفتار قیامت سے ملا رکھی ہے
ہائے کہتا ہے کوئی ذکرِ وفا پر میرے | آپ ہی ہیں تو زمانے کی وفا رہتی ہے

چلے نالے مانند تیرِ شہاب
خود اپنے ہی شعلوں میں جلتے ہوئے

کیوں غنی ہوں نہ ہم فقیری میں
ہیں گدا تیرے آستانے کے

امراؤ علی

(امراؤ علی) منشی امراؤ علیخاں - کونکل کے باشندے مگر اکثر آگرہ میں رہا کرتے تھے - چرب زبان ایسے تھے کہ حریفوں کو سامنے بولنے کی مجال نہوتی تھی اگرچہ اُمّی تھے - مگر قوت بیانیہ - ذہن رسا اور تیزیِ حافظہ کی بدولت کاملوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے - اورکسی سے بند نہوتے تھے صدہا الفاظ انگریزی - فرانسیسی اور ترکی کے از بر تھے - ستر برس کی عمر میں قبل از غدر انتقال کیا

نزع میں دیکھا تو بولے ضعف آیا ہے مرے
مرگ تک ہمسے رہیں کافر کی کھنچی بازیاں

دو پھول کر کسی نے چڑھائے اُڑا دیئے
باد صبا کو گورِ غریباں سے لاگ ہے

اَمّن

(اَمّن) میر امن دہلوی - ایک نامور اور خاندانی شخص گزرے ہیں - فن شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لی - اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ ہی آپ شاعر بن گئے - بقول مسٹر فیلن - میر امّن خود فرمایا کرتے تھے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں ہے - نہ میں کسی شاعر کا بھائی ہوں میری اُردو ٹکسالی اُردو ہے کیونکہ میں دلّی شاہجہاں آباد کا روڑا اور یہیں کا پرورش یافتہ ہوں -

میر امّن - کے آباو اجداد ہمایوں بادشاہ کے وقت سے مغلیہ بادشاہوں کی خدمت میں باعزاز رہے - جب مغلیہ سلطنت کو زوال آیا اور سورج مل جاٹ کی حکومت کا ڈنکا بجا تو آپکی جاگیریں ضبط ہوگئیں - احمد شاہ درانی کے عہد میں جب انکا گھر تک لٹ گیا تو اُسوقت سے میر امّن نے اپنا وطن چھوڑکر عظیم آباد کی سکونت اختیار کرلی کچھ دنوں بعد سلسلۂ روزگار کلکتہ گئے چند ہی روز گزرے ہونگے کہ سنہ ۱۸۰۱ء میں منشی میر بہادر علی صاحب نے ڈاکٹر گلکرسٹ صاحب کے روبرو پیش کردیا اُس روز سے بے روزگاری کی شکایت رفع ہوئی اور شگفتہ سخن ہوگیا چار درویش کے قصہ کا اُردو ترجمہ موسوم بہ باغ و بہار انہیں کا کیا ہوا ہے اور اسقدر مقبول ہوا ہے کہ صدہا مرتبہ مختلف مطبعوں میں چھپ چکا اور ابھی چھپے جاتا ہے - اُس زمانے کے مذاق کے موافق یہ قصہ نہایت دلچسپ اور بہت مرغوب ہے - اس کی اُردو صاف دلیس

سامنے بورے کے تختِ سلیماں کیا تھا
کاش ملتی درِ جاناں کی گدائی ہمکو

امداد

(امداد) شیخ امداد علی خیرآبادی برادر شیخ امید علی - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - کلام حاضر ہے ؎

وہاں سینے پہ یہ اُبھرے یہاں دل میں یہ اُبھرے ہیں
ہمارے داغ ملتے میں تمہارے اُبھرے جوبن سے

شگفتہ مثلِ گل دل بلبلِ قیدی کا ہوتا ہے
قفس تک نکہتِ گل جب صبا لاتی ہے گلشن سے

شہیدِ حسنِ جاناں ہوں کلیم اللہ سے کہہ دو
جلانے کو مرے مدفن پہ لائیں شمع ایمن سے

تمنا پیٹتی ہے سر کو حسرت خاک اُڑاتی ہے
لپٹ کر رو رہی ہے بیکسی عاشق کے مدفن سے

ہوا جب سامنا تو بھی نہ اے امدادؔ نہیں دیکھا
پڑے آنکھوں پہ پردے وہ نکل آئے جو چلمن سے

یہ قدموں سے حسینو ں کے لگی ہے
نصیب اب تو چمک اُٹھے حنا کے

امداد

(امداد) مولوی سید عنایت حسین باشندہ عظیم آباد پٹنہ - خان بہادر مولوی سید علی محمد صاحب شاد کے تلامذہ میں نامور ہیں - اچھا کہتے ہیں طبیعت میں درد اور کلام میں مزا ہے - اشعار بہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ؎

ہزار حرص نے جانکاہیوں سے کام لیا
جو تھا نصیب میں اُس سے مگر سوا نکلا

تمام عمر کوئی دردآشنا نہ ملا
تلاش جسکی تھی دل کو وہ دلربا نکلا

دکھا دیا ہمیں کیا کچھ نہ چشمِ باطن نے
یہ کس طرح سے کہوں اپنا مدعا نکلا

یہ دوست چھٹا آج تو کل وہ ہوا راہی
آتی نہیں کانوں میں سوا اسکے خبر اور

وہاں گزر کہاں اس اپنے جسمِ خاکی کا
لباسِ تن اسی باعث بدل کے جاتے ہیں

اب عدم جانے کی تیاری ہے
مرچکا قیس مری باری ہے

تیرے دیوانے تجھے ڈھونڈتے ہیں
یہ بھی اک طرح کی ہشیاری ہے

چہچہے باغ میں کرے بلبل
پھر تو قسمت میں گرفتاری ہے

بسر عمر کی عشق میں مثلِ شمع
اُٹھے بزمِ ہستی سے جلتے ہوئے

دمِ نزع وہ آئے غیروں کے ساتھ
دیا اور اک داغ چلتے ہوئے

گرمئ مے سے زباں پر آبلے پڑتے ہیں کیا	اے مغاں اسمیں مغیلاں کی بھی پڑتی چھال ہے

امید

(امید) مرزا محمد رضا معروف بہ قزلباش خاں - انکا اصل وطن ہمدان تھا - ایام شباب میں اصفہان آکر مرزا طاہر وحید کے شاگرد ہو کر کسب کمال کیا اور عالمگیر بادشاہ کے آخر زمانہ میں وارد ہندوستان ہوئے - بہادر شاہ کے زمانہ میں منصب ہزاری پایا مگر اس اعزاز پر شاکر نہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مثل بلبل کے ہوں سدا نالاں	یہ مرا منصب ہزاری ہے

معز الدین جہاندار شاہ کے عہد میں دکن میں کسی خدمت پر مامور ہوئے - چنانچہ جب امیر الامرا حسین علیخاں نے داؤد خاں ناظم برہانپور پر فتح پائی تو یہ معرض تخفیف میں آگئے اور جہاندوست امیر الامرا ہوئے - چونکہ سلیقہ علم مجلس و مزاجدانی امرا میں ملکہ راسخہ حاصل تھا - امیر الامرا چند ہی روز میں ایسے خوش ہوئے کہ صوبہ کرناٹک کا داروغہ کر دیا - چنانچہ ایک مدت مدید تک کئی برس وہاں رہے بعد زوال دولت سادات بارہہ نواب مبارز خاں ناظم حیدر آباد کی رفاقت اختیار کی - چنانچہ ۱۱۳۷ھ میں جب نواب نظام الملک آصفجاہ نے مبارز خاں کو میدان جنگ میں شکست دی تو یہ بھی اسیر ہوئے - چند روز میں ایک عرضی منظوم اور غزل نواب کی تعریف میں لکھکر بھیجی جس پر از راہ قدر دانی جاگیر قدیم بدستور بحال ہوئی - اور قلعہ داری منی مرگ کی جہاں ہیرے کی کان تھی مزید عنایت عطا ہوئی - چنانچہ چند سال نہایت تزک و احتشام سے بسر کئے - انہیں ایام میں سعادت حج سے بھی مشرف ہوئے ۱۱۵۰ھ میں جب نواب آصفجاہ دہلی طلب ہوئے تو یہ بھی ہمرکاب حاضر دربار ہوئے - چنانچہ میر غلام آزاد اپنے تذکرہ میں بمقام بھوپال ان سے ملاقی ہونے کا ذکر کرتے ہیں - اور لکھتے ہیں کہ باوجود ولایت زائی ہندی راگوں کے گانے اور سمجھنے میں نہایت درجہ کمال حاصل تھا - اور لطیفہ گوئی میں بیمثل تھے - جس زمانہ میں نادر شاہ نے دار الخلافہ کو لوٹا آپ وہیں موجود تھے - جب بعد مراجعت نادر شاہ آصفجاہ واپس دکن جانے لگے تو یہ دہلی کی محبت کے مارے نوکری چھوڑ کر یہیں کے ہو رہے

اور عام فہم ہونے کے علاوہ مستند و بامحاورہ ہے۔

میر آثمن اچھے اور پورے شاعر تھے - مگر افسوس ہے کہ انکی پوری غزلوں کا پتہ نہیں لگتا مجبوراً انتخاب کلام میں بطور نمونہ ان کے وہ اشعار لکھے جاتے ہیں جو انہوں نے باغ و بہار کے آخر میں بطور خاتمہ تاریخ خود درج فرمائے ہیں اس سے بھی ان کی اندازِ طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ کہیں کہیں اشعار میں اپنا تخلص لطف بھی ظاہر کیا ہے مگر زیادہ تر آثمن ہی مشہور ہے

مرتب ہوا جب کہ باغ و بہار — تھے سن بارہ سو سترہ در شمار
کرو سیر اب اسکی تم رات دن — کہ ہے نام و تاریخ باغ و بہار
خزاں کا نہیں اسمیں آسیب کچھ — ہمیشہ تروتازہ ہے یہ بہار
مرے خون دل سے یہ سیراب ہے — یہ لخت جگر کے ہیں سب برگ و بار
پیچھے جہاں جائینگے سب بعد مرگ — رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے — یہی قاریوں سے ہے میرا اقرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف — کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انساں مرکب ز سہو و خطا — یہ چوکے گا ہر چند ہو ہوشیار
میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں — یہی ہے دعا میری اے کردگار
تری یاد میں میں رہوں دم بدم — کٹے اسطرح میرے لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھپہ کبھو — نہ شب گور کی اور نہ روز شمار
تو کونین میں لطف پر لطف رکھ — خدایا بحق رسول کبار

اُمّی

(اُمّی) مرزا روشن بیگ کمیں برادر حمید الدولہ داروغہ و منصرم سرکار ابو ظفر بہادر شاہ در ایام ولی عہدی علم سے بے بہرہ اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے - ترتیب گلشن بیخار سے پیشتر جوان دہلی میں انتقال کیا

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں منگوا مول لیتے ہیں — تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں
جی دھڑکتا تھا کہ پہنچے میں نہ آجائے لچک — ہاتھ سے چھوڑ دیا مینے ترا جان کے ہاتھ

بجز اس کے دیدار کے اور جہاں میں	کسی شے کی مجھکو تمنا نہیں ہے
عاشقِ شبِ فراق نہ رووے تو کیا کرے	اشکوں سے اپنے مُنہ کو نہ دھووے تو کیا کرے

امید

(**امید**) امید تخلص اور شاید منشی فرحت علی نام تھا۔ نواب دولھا کلب حسین خان بہادر کے تلامذہ میں ممتاز اور نامور ہونے کے علاوہ اپنے استاد سے بیحد الفت رکھتے تھے۔ اور اکثر اُنہیں کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ اُردو میں صاحب دیوان تھے چنانچہ انکا قلمی دیوان راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ جسقدر کلام نظر سے گزرا اُس سے انکی نازک خیالی اور خوش فکری ظاہر ہے۔ زبان بھی صاف ستھری ہے اور بندش بھی درست کبھی کبھی فرحت تخلص بھی کیا کرتے تھے زیادہ حال معلوم نہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو ؎

بے فائدہ کرتے ہیں دوا میری اطبّا	بیمار تری چشم کا اچھا نہیں ہوتا
سینہ میرا جو داغ داغ ہوا	دیکھکر یار باغ باغ ہوا
بازوئے قاتل کو جب تکلیف ہو کیا لطف ہے	آپ بندہ کشتۂ تیغِ ادا ہو جائیگا
دوشِ اغیار پہ اُٹھوایا جنازہ پسِ مرگ	شیوہ چھوڑا نہ صنم تو نے دلآزاری کا
فرقتِ لیلیٰ میں مجنوں نے جو کھینچی آہِ گرم	خاک سا بس جلکے سارا نجد کا بن ہو گیا
سینہ کو داغدار کیا تم نے کیا کیا	لالہ کو شرمسار کیا تم نے کیا کیا
سجدہ کروں بت خانہ میں کیونکر نہ صنم کا +	نقشہ خمِ ابرو میں ہے محرابِ حرم کا
دستِ قاتل میں کل جو خنجر تھا +	اک جہاں ہاتھ میں لئے سر تھا +
ساربان روک ناقۂ لیلےٰ	قیس سے اب چلا نہیں جاتا
بیوفا ہیں کہ باوفا ہیں آپ	نہیں معلوم ہے کہ کیا ہیں آپ
بیوفاؤں سے آشنا ہیں آپ	آشناؤں سے بیوفا ہیں آپ
مٹّی کے مول خونِ عاشق ہے	ہاتھوں میں ملتے کیوں حنا ہیں آپ
سر اطراتن سے اب جدا کیجے	دردِ سر کی مرے دوا ہیں آپ

آخر ۱۱۵۹ھ میں سکتے کی بیماری سے انتقال کیا - فارسی میں ۸۰۰۰ بیت کا دیوان ہے ہندی میں گاہے گاہے بطور تفریح شعر کہتے تھے ؎

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں	الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے	در و دیوار سے اب صحبت ہے
درد دل اُس سے جو ہمنے کہا	ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے
دستِ اغیار ہے زیرِ سرِ یار	آج امید کو ذہب صحبت ہے

(امید) مرزا محمد اعظم علی امید مرحوم خلف مرزا فتح علیخاں ہروی رسالدار شاہی - نواسہ میر شجاعت علی بہادر رئیس مدراس - علم عروض و فن سخن کی تحصیل مولوی محمد صادق نزہت لکھنوی اور مرزا حسن علیخاں بہادر حسن دہلوی سے کی تھی ملا محمد شریف ویرانی کے مرید تھے ۱۲۳۵ھ میں سرکار حیدر آباد میں ملازم ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۲۵۳ھ میں عہدہ جلیلہ تعلقہ داری صدر تعلقہ - فرخندہ بنیاد حیدر آباد بزمانِ وزارت مہاراجہ چندو لال میں سرفراز ہوئے فارسی کا ملکہ اچھا تھا اور زیادہ تر اسی زبان میں سخن طرازی کرتے تھے خمسہ اکثر کہتے تھے حافظ کی اکثر غزلوں پر مصرع لگائے ہیں ۱۲۷۵ھ میں آپکا مجموعہ نظم و نثر موسوم بہ مجموعۂ عظمیٰ امید شائع ہوا تھا وہ راقم کے پاس موجود ہے - انتخاب ملاحظہ ہو ؎

دل میں جگر میں آنکھ میں تصویر جسکی ہو	ہر چند ہو لئے وہ بھلا یا نجائے گا
یار اچھا ہے مگر ساتھ ہیں اغیار بہت	گل تو خوشرنگ ہے پر گرد خس و خار بہت
تیرے ہونٹوں میں شفا آنکھوں میں مرتے ہے بھرا	باہر آ بہر خدا بیٹھے ہیں بیمار بہت
فانوس دل سے بہتر کیونکر ہو آبگینہ	اشراف کے برابر ہرگز نہو کمینہ

اگرچہ بظاہر اب بیاں ہوں	تمہارا ہی دعا گو ہوں جہاں ہوں
نہیں اک خس جلانے کی بھی طاقت	اگرچہ سوزِ دل سے شعلہ ساں ہوں
یہی آئینِ دلداری ہے پیارے	جو ناحق مجھپہ تو ایسا خفا ہے

جان سے اپنے گنہ گار کو مارا تو نے
ایک بوسہ پہ کوئی ایسی سزا دیتا ہے

اپنے بیمار کی صورت نہیں پہچانتے ہو
اے صنم یوں کوئی دل لیکے بھلا دیتا ہے

حشر کا غل سر بازار بپا ہوتا ہے
آج قیدی ترے گیسو کا رہا ہوتا ہے

منہ پہ ڈالے ہوئے آتا ہے نقاب اپنے وہ شوخ
ہائے یوں وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے

کیا ہے وصل کا اُس نے امیدوار مجھے
ضرور حشر کے دن تک ہے انتظار مجھے

بند آنکھیں نہیں ہوتیں جو پس مرگ مری
اب تلک ہے مجھے دیدار کی حسرت باقی

کیوں نہوں قانع میں قسمت پر کہ مٹ سکتا نہیں
لکھ چکا جو کاتب تقدیر اپنے ہاتھ سے

ہمارے خوں بہا کی فکر میں بیوجہ قاضی ہے
کہ ہم قاتل سے راضی اور قاتل ہم سے راضی ہے

تو ناحق تیغ و خنجر ہمکو دکھلاتا ہے اے قاتل
ہمارے قتل کو جنبش فقط ابرو کی کافی ہے

امید

(امید) مولوی سید محمد جعفر امید لکھنوی آپ لکھنو کے مشہور خاندان اجتہاد کے ایک رکن تھے اور نواب عاشور علیخاں صاحب مرحوم سے فن سخن میں استفادہ کیا کرتے تھے عاشقانہ مضامین کی طرف کم توجہ تھی زیادہ تر حمد و نعت لکھتے تھے - اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں آپکے تلامذہ میں مولوی سید اصطفے علی صاحب خورشید نامور گزرے ہیں - بارہ پندرہ برس ہوئے انتقال فرمایا ہے

ایک دن روح بھی رخصت تن خاکی سے ہوئی
صاحب خانہ جسے سمجھے تھے مہماں نکلا

روح رونے سے عزیزوں کے نہ ٹھیری دم بھر
منہ برستے ہی میں گھر سے مرے مہماں نکلا

کیا ہے لن ترانی نے قوی دعوی بصیرت کا
وہی بینا ہے جو قائل ہوا ہے نفی رؤیت کا

بڑھے تھے ہم حجاب قدس و رحمت سے بھی کچھ آگے
نہ ان پر بھی کھلا پردہ تری کنہ حقیقت کا

سے پہلے قلم اُسکو کیا باغباں نے
جس شاخ پر چمن میں ہمیں آشیاں ملا

ترا کرم بھی تو ہے بیحساب اے غفار
مرے گناہ نہیں گر شمار کے قابل

شوق یہ سیر عدم کا کم نہیں
وہ چلے جاتے ہیں جنہیں دم نہیں

اُسکو میں ساتھ لیتے جاؤں گا اپنے تہِ خاک
وعدۂ وصل کیا ہے تو کر اب اُسکو وفا

زنجیرِ زلف ہاتھ نہ آئی کسی طرح
بلبے وحشت واہ رے دیوانگی +

دیکھتے ہیں جب وہ مکھڑا چاند سا
بسمل مجھے کیا ہے تو اب قتل بھی کر دو

باغباں ہمکو ہے اب طاقتِ پرواز کہاں
یہ خوف ہے کہ نہ ساتھ اسکے دل بھی آئے نکل

تیر سینہ پہ جو مارا ہے کماندار نہ کھینچ
دلِ اُمید کی امید کو اے یار نہ توڑ

پاؤں میں ہمنے پہنیں صنم بیڑیاں تلک
اپنے سایہ سے بھی رم کرتے ہیں ہم

سورۂ والشمس دم کرتے ہیں ہم
بسمل چلے ہو چھوڑ کے اسیری جاں کہاں

اونچی کیوں کرتا ہے تو باغ کی دیواروں کو
ہمارے سینے سے قاتل نہ کھینچ پیکاں کو

تشنگی ہے زیادہ زخمی کو
تمنے تو فراموش کیا ہم کو ولیکن

یہ آپ ہی تھے کہ یوں مفت لیگئے ہمسے
پس مردن بھی ل دیوانہ پن کی

گراں حد سے زیادہ ہے تراہجر
پتہ لیلیٰ کا مجنوں نے نہ پایا

قیدِ بلبل آہ بے میعاد ہے
بلبلیں شاید کہ چھوٹیں قید سے

بلبلو فصلِ بہار آئی ہے کیا
عہد میں تیرے یہ ہے اولٹی شکل

پانی خنجر کا دو ثواب کرو
ہم کرتے ہیں اے یار تمہیں یاد ہمیشہ

ہر اک حسین کو دل ہم دیا نہیں کرتے
اُڑائیں دھجیاں سینے کفن کی +

وہی چھاتی پہ سِل ہے لاکھ من کی
بہت ہر چند چھانی خاک بن کی

کس قدر بے رحمئی صیاد ہے
باغ میں شور مبارکباد ہے

ان دنوں زنداں بہت آباد ہے
دوست پامال اور دشمن شاد ہے

جانِ شیریں جائیگی شیریں نہ ہاتھ آئیگی پر
جلاتا برقِ تجلی سے حضرتِ موسے
حسیں ہیں باغِ جہاں میں کدورتوں سے بری

تیشۂ فرہاد سے آتی یہی آواز ہے
اگر نظارہ کی ہم اُس کے آرزو کرتے
کہ گل قبا کی نہیں اپنی شست وشو کرتے

حرم اور دیر کیا کم ہیں عدو کی جبہ سائی کو / لگے جسکو یہ داغ اے بت وہ تیرا آستاں کیوں ہو
کوئی پہلو جفا کا ہو نہ ہو آمیں بھی ہے مضمر / یہ آج امید پر آخر تم اتنے مہرباں کیوں ہو
برا ہونا امیدی کا کہ دل آخر لہو ہو کر / برنگ اشک حسرت گر پڑا چشم تمنا سے
بھلا دیکھوں تو کیونکر شوق وصل اس شوخ بدخو کا / نکلجاتا ہے مرے وسعت آباد تمنا سے
الگ بیگانہ وش وہ دیکھئے امید بیٹھا ہے / مری جاں چشم بد دور آپ کی بزم تماشا سے
آتے ہی اس فتنۂ محشر کے برپا ہو گئی / اک قیامت اور بھی اہل قیامت کیلئے
ذکر سے آج اس مے اطہر کے واعظ فائدہ / جو اٹھا رکھی ہو فردائے قیامت کیلئے
حسرتیں کسکی نکالیں کس پہ احساں کر چکے / کیا یہ حال اپنی قضا کا تم مری جاں کر چکے
ذوق لذت کی طلب کا دیں لب زخم اب جواب / وہ پشیماں ہیں کہ ہم خالی نمکداں کر چکے
وہ ستمگر اور یارب چارۂ درد نہاں / خود یقیں آتا نہیں آج اپنی قسمت پر مجھے
بھول جاؤں ماسوا کو ایک تیری یاد میں / او تغافل خو لگا لے اپنی عادت پر مجھے
رہیں بادۂ گلرنگ ولق پارسایاں ہے / یہاں تک جلوۂ گل پردہ سوز دین و ایماں ہے
دل بلبل ہلاک جلوۂ الفت فریب گل / لب غنچہ شکر ریز تبسم ہائے پنہاں ہے

(امید) منشی سید رشید الزماں قادری آپکے والد منشی سید ناظر حسین رئیس دلی کے باشندے ہیں مگر آپ خود بچپنی سے اپنی ننہال اجودھیا میں اقامت گزیں ہیں آپنے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے دس برس سے ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں جناب کمال سے تلمذ تھا اب منشی عباس حسین صاحب فصاحت سے استفادہ کرتے ہیں کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے

کبھی کعبہ تو کبھی دیر کلیسا دیکھا / تجھکو ڈھونڈا نہ کہاں اور نہ کس جا دیکھا
حرم و دیر و کلیسا کی نہیں کچھ تخصیص / جس جگہ دیکھا وہاں تیرا ہی جلوہ دیکھا
جان لے لیتا ہے یہ عشق بتاں کا آزار / پیش آیا وہی جو ہمنے کہا تھا - دیکھا
مسکرا کر کوئی بولا طلب بوسہ پر / منہ بھی ہے آئنہ میں آپنے اپنا دیکھا

امید

(اُمید) منشی سید محمد علی امید متوطن امیٹھی نواح لکھنو - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - شوکتِ الفاظ اور رعایت لفظی کی طرف زیادہ میلان طبع ہے جس سے آپکی استعداد علمی کا ثبوت ملتا ہے - کہنہ مشق اور نازک خیال سخن سنج ہیں - آپکے کلام میں فارسی کی ترکیبیں زیادہ ہوتی ہیں مگر نہ ایسی کہ غیر موزوں یا نامانوس معلوم ہوں - کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ؎

کیا قصور اے عرضِ مطلب حسرتِ پرجوش کا
چشمِ حیراں کا گلہ ہے یا لبِ خاموش کا

حیرت آبادِ تجلی میں نہیں اُس دل کا کام
صدمہ پرور وہ ہو جو محنت سرائے ہوش کا

تیغِ قاتل میں ترے قرباں بڑا احساں کیا
جسم بار اک روح کا تھا سر وبال اک دوش کا

پائے نازک کو ذرا دے رخصتِ مشقِ خرام
کب سے تکتی ہے قیامت مُنہ تری پاپوش کا

ہستیٔ حسن و تغافل ہمیشگی کا ہے گواہ
جاں بلب ہونا تمہارے عاشقِ مدہوش کا

کم نہ ہوگا شورِ نوشا نوشِ صہبا واعظو
دم سلامت چاہیئے امیدِ صہبا نوش کا

یادگارِ دلِ وارفتہ ہے یہ رہنے دے
پہلوئے خستہ سے او تیر فگن تیر نہ کھینچ

شکلِ تصویر یہ اب کون ہے حیراں مانی
میں نہ کہتا تھا کہ اوس شوخ کی تصویر نہ کھینچ

جسے لے جیب و داماں ذوقِ عریانی میسر ہو
وہ کیوں منتِ کشِ دستِ جنونِ فتنہ پرور ہو

ارے اُو روٹھنے والے یہ کہتا جا قیامت ہے
کہ جلد آ کر شریکِ نالہ ہائے قلبِ مضطر ہو

برنگِ بوئے گل اُڑتا پھرے صحنِ گلستاں میں
غمِ گل سے تنِ بلبل بھلا اتنا تو لاغر ہو

ضیا پر اپنی نازاں آفتابِ صبحِ محشر ہے
سحر ہو جائے وہ مہوش اگر پردے سے باہر ہو

پریشاں خاطری صیاد کی لائے جو رنگ اپنا
چمن میں دفترِ اوراقِ گل یک لخت ابتر ہو

ادہر رخ سے نقاب اُلٹی اُدہر حیرت پکار اٹھی
عروسِ آرزو سے دید پردے سے نہ باہر ہو

اُٹھا ہے ابر اے امید واعظ کے جلانے کو
لباسِ توبہ نذرِ آتشِ صہبائے احمر ہو

تکلم خیز ہے ہمدم مرا اندازِ خاموشی +
بیانِ دردِ دل منت کشِ تابِ بیاں کیوں ہو

تماشائے مظاہر ہے گلِ دامانِ نظارہ +
عیاں ہو جو چمن پیرا وہ آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

اٹکے ہے آج صبح سے در پر مری نگاہ
کیا جانے منتظر ہوں میں کسکے قدوم کا

کیا بوسہ جس پہ شام سے ہے اتنی ٹال بال
لیجے نہ نام صبح کو تجھسے تو شوم کا

سایہ ترا میں چھوڑ کے جاؤں کہاں امیر
ہوتے ہما کے کون ہو مشتاق بوم کا

کہاں کی عمر کس کی زیست یہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا ایک نفس کا

کیوں سرو کسکی چال میں دیکھی ہے یہ پھبن
چلتا ہے جس ادا سے مرا خوش خرام آج

کس زیست پہ مانند حباب اتنی ہوس آج
ہونا ہے ہوا کل کو جو ہے تن میں نفس آج

کیا جائے تامل ہے مرے قتل پہ پیارے
ہم سار کے موجود ہیں بندے نہیں دس آج

کرتا تو ہے تو مجھ پہ ستم لیک یہ ڈر ہے
یہ آہ مری کرتی ہے کم بخت اثر جلد

پستی طلب کر آپ کو جا ہے ہے گر بلند
جب تخم زیر خاک ہو تب ہو شجر بلند

ڈر یوا سے دل نہ جان کی خاطر
مرد مرتے ہیں آن کی خاطر

جی بھی دے سے ہے کوئی یہ ہمنے دیا
کیا کریں اُس جوان کی خاطر

داغِ دل لے چلے گلی سے تری
چاہیئے کچھ نشان کی خاطر

قطعہ

میں دردِ دل لکھا تھا اُسے پڑھکے یوں کہا
املا ترا غلط ہے اور انشا ترا غلط

مینے کہا امیدِ وفا ہے مری صحیح
بولا بتاں سے شیوۂ مہر و وفا غلط

ہے فردا کا یہ وعدہ کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج ہی کل

ترے بندِ قبا کیوں کر کروں وا
عجب عقدہ یہ پیش آیا ہے اے اجل

کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل آج
جائیں گے کس طرف کو ہم آئے کہاں سے ہم

ماہیتِ خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

سب خبر رکھ پر ایسی کر باتیں
جیسی کرتے ہیں بے خبر باتیں

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپکے رقم کرتے ہیں
یہ اگر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

آج کیوں دیتے ہو ہونٹوں میں چبا کر گالی
آپ تو روز یہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

پلاتے عدو کو ہیں مے دمبدم
فقط اک ترے شربتِ دید سے
کہاں جاتی ہے دل سے اے یادِ یار

مرے مانگنے پر کمی ہوگئی
مریضوں کو تیرے شفا ہوگئی
اری بے مروت خفا ہوگئی

امیر

(امیر) نواب محمد یار خاں آمیر خلف نواب علی محمد خان برادر نواب عبداللہ خان۔ جب نواب فیض اللہ خاں ان کے بڑے بھائی کو نواب شجاع الدولہ نے رامپور کی ریاست عطا فرمائی تو پچاس ہزار روپیہ سالانہ انکے مصارف کے لئے بھی مقرر فرمائے۔ جوان مرزامنش۔ نازک طبع۔ صاحب مروت وخوش سلیقہ۔ جرأت وسخاوت میں اپنے اماثل میں ممتاز۔ عالی حوصلگی وفیض رسانی میں زبدۂ روزگار تھے۔ فن موسیقی میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ نکتہ فہم۔ نکتہ سنج وقدردان اہل کمال تھے۔ تھوڑی ہی مشق میں ریختہ میں بھی اچھا ملکہ حاصل کر لیا تھا۔ خوش تلاش اور مضمون آفریں تھے۔ مصوری کا بہت شوق تھا فن شعر میں مصحفیؔ اور قائمؔ سے مشورہ فرماتے تھے۔ بہت سے اہل کمال مثل قدوی لاہوری اور میر محمد نعیم ان کی سرکار میں ملازم رہے بعالم شباب ۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا کلام ملاحظہ ہو ؎

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا
ساقی گزک کی کچھ نہیں حاجت شراب دے
کوئی گزر ترے کو میں نہ کر گیا ہوگا
نہ جانے شور ہے دریا میں کس تابندہ اختر کا

یارب برا ہو اس دلِ خانہ خراب کا
ہم دل جلوں میں آب مزہ ہے کباب کا
جو گزرا ہوگا تو جی سے گزر گیا ہوگا
کہ محرابِ صدف میں محو سجدہ سر ہے گوہر کا

کیا تو نے دیا تھا مجھ کو ساقی
جس سر میں ہے جیوں حباب ہو اے
شکست وفتح میاں اتفاق ہی لیکن
یاد کرنا ہی مرا آپ کو منظور نہ تھا
شوخیاں اپنے لڑکپن کی نہ کچھ پوچھ میاں

شیشہ میں تو واہ کچھ نہ نکلا
واں زیرِ کلاہ کچھ نہ نکلا
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا
گو کہ شب تھی پہ میں اتنا بھی تو کچھ دور نہ تھا
کونسا دل تھا کہ ہاتھوں سے ترے چور نہ تھا

سچ کہو امیر آج ملا کیا نہیں وہ شوخ
کچھ تو نظر آتے ہو ہمیں یار خفا سے

جاہِ دنیا پہ اعتماد ہے کیا
مہر بعد از عروج ڈھلتا ہے
آگے اُس بت کے شیخ تو کیا ہے
گر خدا آ دے رام رام کرے
لے وہ مجرا اتار اگر آج امیر
تو یہ بندہ تجھے سلام کرے

نہ سجدے سے خوشی ہوں نے عبادت سے کبھی راضی
نئی اک طرح کی مہرِ بتاں کی بھی خدائی ہے
اہلِ فنا کو سانس بھی لینا ہے یہاں محال
رو بیٹھے زندگی سے جو تک دم حباب ہے
اُس مُنہ پہ کھُلے زلف تو از بہر قدمبوس
شام آوے ادھر سے تو اُدھر سے سحر آئے

امیر

(امیر) حافظ امیر الدین - شرفائے قصبہ بدایوں میں ممتاز اور باوصف کم گوئی نہایت شیریں کلام اور نازک خیال سخن سنج تھے - فارسی میں ایک مختصر دیوان آپ سے یادگار ہے بر وقت ترتیب تذکرۂ شوقِ حیات تھے - امتدادِ زمانہ کے باعث بعض الفاظ جو اُس زمانہ میں رائج تھے اب متروک ہو گئے ہیں - کلام ملاحظہ ہو ؎

پھر چمن کی سیر کو امسال آتی ہے بہار
سوتے فتنہ جنوں کے کو جگاتی ہے بہار
کیوں نہ آپس میں کریں بحث سخن ہر صبحدم
گلستاں کا درس غنچوں کو پڑھاتی ہے بہار
نو عروسانِ چمن کی گر یہ مشاطہ نہیں
کیوں گلوں کے ہاتھ پر مہندی رچاتی ہے بہار
باغ میں کس کے دہان و رخ کی کل تقریر تھی
گل پریشاں ہو رہا تھا اور کلی دلگیر تھی
پہنچتے ہی کر دیا اُس سنگدل کو بد دماغ
واہ واہ اے آہ بس تجھ میں یہی تاثیر تھی
دے چکا تھا اپنے در سے بار ہا تو تو اُٹھا
پر وفاداری ہی اپنی ہم کو دامن گیر تھی

قطعہ

خانہ بدوشی سے ہے عجب گھر امیر
جس کو نہ دیوار نہ در چاہیئے
پاس مرے تک وہ آ بیٹھا امیر
رات اپنے بخت نے کی یاوری
بیخودی میں پینے جامِ شوق کے
ایک بوسے کی طلب اُس سے کری
کر کے روکھی تیوری مہرو اُٹھ چلا
رکھ کمر میں خنجرِ کینہ دری

کرتے نہیں کبھی جو قدم رنجہ اس طرف
آتا کچھ اپنا عیب ہے کیا بندہ خانہ میں

جز عشق اور بھی ہے کوئی ذکر لے امیر
دیکھوں ہوں جب تجھے تو اسی ہی فسانہ میں

قطعہ

کرنیکو اے شوخ میرے قتل کے
پوچھ تو تو لوگ سب تجھے کیا کہیں

دور بجا پاس بیٹھے ہیں امیر
دیکھ تو اس امر میں وے کیا کہیں

اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں

مثل حباب گو کہ سبک سر ہوں پر امیر
ہے حل عقدہ ہر مرے دم قدم کے ساتھ

تاب کیا آئینہ کو ہووے مقابل تیرے
سامنے ہوکے ترے شمس و قمر دیکھیں تو

جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ہی سو دل جانے
یہ دل کی بات ہے دلبر کسی بیدل سے مت کہیو

نوح کے طوفان کی شدت کو عالم بھول جائے
لہر پر نم اپنے ٹک اے چشم تر آجاؤ تو

جی سوا کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آجاؤ تو

جی میں جو آوے سو کیجے یہ ہیں یہ پوچھوں ہوں
کچھ تجھے ہاتھ بھی آتا ہے دل آزاری سے

بس میں آیا جو تمہارے اُسے چاہو سو کرو
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

تیرے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے
اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگامِ عتاب
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

گر وقتِ ذبح نالہ کیا سینے کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ کسیکی زباں چلے

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے

بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

دربجو ست ایذا ہمیں اے شورِ حشر
خوش پڑے ہیں اپنے اک آرام سے

پوچھا میں میاں دل تو نہیں زلف میں تیری
بل کھا کے لگا کہنے "میاں لیتے ہو ہاں ہے"

جوں نقشِ قدم نام کو ہستی ہے ہماری
اک باد کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشاں ہے

پوچھا میں کبھی ہم سے بھی ملنے گا کہا خیر
بولا میں جو مر جاؤں لگا کہنے بلا سے

اور قابلیتِ علمی کی بدولت آگے نکل گئے تھے - یہ بالکل سچ ہے کہ آپ خاندانِ مصحفی کے آفتابِ رخشاں تھے بچپنے میں حضرتِ ناسخ کی بلند پروازی - حضرت آتش کی آتش بیانی نے اپنا جلوہ دکھا کر انکی نوخیز طبیعت میں عاشقانہ رنگ پیدا کر دیا اور عالم شباب میں صبا - وزیر - رند خلیل کی جادو بھری نغمہ سرائیوں نے فریفتہ بنا کر محفل سخن میں لا بٹھایا میر انیس اور میرزا دبیر کی معرکہ آرائیوں اور اُس وقت کے نامی شاعروں میں شرکت بھی آپکے حق میں رہبر کامل سے کچھ کم ہوئی - ان نامی بزرگوں کی فیض صحبت سے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ ۱۲۶۹؁ ہجری میں آپکو سلطان عالم واجد علی شاہ اختر کے دربار دُربار میں باریابی ہوگئی اور حسب الحکم سلطانی دو کتابیں ارشاد السلطان و ہدایۃ السلطان تصنیف کیں - جن کے جلدو میں خلعت فاخرہ اور انعام عطا ہوا - اُسی وقت سے آپ کی عالمگیر شہرت کا زمانہ شروع ہوا جو بے روک ٹوک ترقی کرتا گیا اسی اثنا میں اودھ کا الحاق ہوگیا - چند روز خانہ نشین رہے - بعد ازاں ۱۲۷۵؁ ہجری میں آپ کی معجز بیانی کا شہرہ سُنکر فردوس مکان نواب محمد یوسف علیخاں بہادر ناظم نے طلب فرما لیا - اُس وقت سے آپکی مستقل سکونت بجائے لکھنؤ کے رام پور میں منتقل ہوگئی ریاست کی طرف سے عدالت دیوانی کے ایک رکن ہو گئے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب شاعری کا پھلا پھولا سدا بہار چمن سلطنت دہلی و لکھنؤ کی بساط اُلٹ جانے کی وجہ سے سرزمین رامپور پر جو اپنی قدردانی سے گلشن سخن بننے کی قابلیت پیدا کر چکی تھی پھر نئے سر سے شگوفے کھلانے کے لئے آباد ہوا - رفتہ رفتہ تمام اہلِ کمال نواب صاحب کی قدردانی و قدر افزائی کے سبب یہیں آکر جمع ہو گئے - جن میں سے اکثر آخر وقت تک وہیں رہے - نواب فردوس مکان کے انتقال کے بعد ۱۲۸۱؁ھ میں نواب خلد آشیاں کلب علیخاں بہادر کا عہد حکومت آیا - اُردو شاعری کو اور بھی فروغ ہوا شاہدانِ زبان اُردو کی قسمت کھُل گئی سخن فہم و رتبہ شناس رئیس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تمام ہند کے نامی گرامی شعرا کو بلا کر اپنے دامنِ دولت کے سایۂ عاطفت میں لے لیا - پھر کیا تھا مصاحب منزل میں باکمال شعرا کا جمگھٹا ہو گیا تغزل کا شاداب تختہ گوناگوں پھولوں سے

اُسکے دامن کو پکڑ کر میں کہا	اب کوئی چھوڑوں ہوں ارنگ پری
مسکرا کر ناز سے کہنے لگا	عاشقی کرتے ہو یا زور آوری
اِن دنوں کچھ بن نہیں آتا تک آیندہ بہار	چھپیں یوں مجنوں سے اقلیم بیاباں تو سہی
باغباں لالہ پہ اتنا بیٹھا ہے پھول پھول	داغ سینہ کا کروں میں بھی نمایاں تو سہی

امیر

(امیر) مرزا امیر بیگ - دہلوی - غدر سے بیشتر ریاست گوالیار میں ملازم تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - کلام ملاحظہ ہو ؎

آنکھ وہ کافر کہ قتلِ عام جس کی اک ادا	لب وہ روح افزا جسے مردے جلانا بات ہے
کب تلک روئے کہو کوئی کہ تمکو تو امیر	مار مرنا سہل ہے اور زہر کھانا بات ہے

امیر

(امیر) امیر الشعرا مولوی مفتی منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی - خلف اکبر مولوی کرم محمد مغفور - شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں ۱۶ شعبان ۱۲۴۴ھ ہجری روز دوشنبہ بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپ کا نسبی سلسلہ بہت ہی قریب حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملتا ہے - جن کا مزارِ مقدس لکھنؤ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے - یہی وجہ ہے کہ جناب امیر کے نام نامی کے ساتھ مینائی لکھا جاتا ہے - آپکو صرف خاندانی فضیلت ہی حاصل نہ تھی بلکہ اپنی ذات سے خود بھی صاحب زہد و تقویٰ - صوفی مشرب - خداپرست درویش صفت - منکسر المزاج آدمی تھے - خاندان چشتیہ صابریہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ صاحب سے بیعت رکھتے تھے - اور بعد میں خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے تھے - آپ کا ابتدائی زمانہ تحصیل علوم و فنون میں بسر ہوا - آپکی تعلیم قدیم دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی تھی - فہم سلیم و ذہانتِ فطری کی امداد سے عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - اسکے علاوہ طب جفر - نجوم وغیرہ میں بھی معلومات اچھی تھیں اور شاعری کے لئے تو ایسی خداداد طبیعت پائی تھی کہ آپ کی نازک خیالی ضرب المثل اور آپکی ہمہ دانی مسلم ہے - اس فن میں آپ کو مدبر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر سے تلمذ تھا - مگر انصاف یہ ہے کہ اپنی خداداد طبیعت

انصاف پسندی کو بھی معمول سے زیادہ دخل تھا - چنانچہ اپنے اُستاد اور اُستاد الاستاد حضرت مصحفی کیطرح ہمیشہ باکمالانِ دہلی کے طرز کلام کے دلدادہ و فریفتہ رہے اور کبھی بیجا اور فضول بحثوں میں پڑکر اپنے دامنِ کمال کو آلودہ نہ کیا - ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ دورِ آخر میں آپ لکھنو کے شاعروں میں اپنا نظیر آپ تھے - اور اساتذہ زبان اُردو کے زمرہ میں آپکا نام ہمیشہ ایک خاص وقعت سے یادگار رہے گا - کیونکہ دورِ موجودہ میں (سوائے نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی اُستاد حضور نظام) آپ اپنے ہمعصروں میں ہر طرح ممتاز اور سربرآوردہ رہے - آپکے پُرجوش شاگردوں نے ہرچند آپ کو حضرت داغ سے بھڑانا چاہا مگر آپ ہمیشہ ایسی کوششوں کو بے سود اور قابل احتراز سمجھتے رہے یہ وہی بات ہے کہ پیراں نمی پرند و مریداں مے پرانند - اور واقعی بنظرِ انصاف اگر دیکھا جائے تو کیا بلحاظ زبان - طرزِ بیان اور شوخیٔ مضمون آپکو حضرتِ داغ پر فوق دینا انصاف اور حق پسندی کی گردن پر کُند چھری پھیرنے سے کم نہیں - دیگر امور سے قطع نظر ایک قبولِ عام ہی کے اعتبار سے جو بات حضرتِ داغ کو نصیب ہوئی وہ اُردو شاعری کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے - خود حضرتِ امیر ہمیشہ اپنے معزز اور باکمال ہمعصر کے زورِ طبع کے تحریراً و تقریراً معترف و مداح رہے -

علاوہ تصانیف نظم تذکرہ شعرائے رامپور معروف بہ انتخابِ یادگار جو نواب کلب علیخاں کی فرمائش سے لکھا گیا تھا عرصہ ہوا شائع ہوچکا ہے - اسکے علاوہ آپ نے ایک اور قابلِ قدر تالیف یعنی فرہنگ زبانِ اُردو معروف بہ امیر اللغات کا سلسلہ اخیر زمانہ نواب کلب علیخاں میں شروع کیا جسکا باقاعدہ کام نواب مشتاق علیخاں کے عہد تک جاری رہا - اس فرہنگ میں آپ نے اُردو زبان کے تمام لغات اختلافی و غیر اختلافی و محاورات نہایت محققانہ اصول سے لکھنے شروع کئے تھے مگر افسوس کہ یہ تالیف ناتمام رہی اور صرف دو جلدیں جنمیں صرف الف ممدودہ اور مقصورہ کے الفاظ ہیں شائع ہوئی تھیں کہ آپ کا جامِ حیات لبریز ہوگیا - اس لغت کی تکمیل کے خیال سے آپکو سیاحتِ حیدرآباد دکن کا شوق دامنگیر ہوا چنانچہ اپنے

صحنِ چمن کی طرح کھِل گیا ہر نازک خیال سخنور جدا جدا اپنی بہار دکھانے لگا یہ وقت جنابِ امیر مینائی کے آفتابِ اقبال و کمال کے عروج کا تھا - یہانتک کہ حضرتِ امیر کو نواب کی اُستادی کا فخر حاصل ہوا - یہ وہ زمانہ ہے کہ مرزا داغ - اسیر - حیا - منیر - بحر - زکی - فلق - عروج - جلال - شاغل - تسلیم - رسا - وغیرہ کا رامپور میں جمگھٹا ہے کبھی کبھی حضرت غالب بھی دہلی سے تشریف لاکر اس یادگار بزم کو اپنی صدارت سے اعزاز بخشتے تھے + آپکی تصانیف اکثر شائع ہوگئیں اور بعض مستور ہیں ازاں جملہ سُنا ہے کہ ایک اُردو دیوان موسوم بہ غیرت بہارستان جو اُس زمانے میں مکمل و مرتب ہوگیا تھا ایام غدر کی دستبرد کی نذر ہوا وقتاً فوقتاً جو اشعار یاد آتے گئے وہ دوسرے مسودے میں درج ہوتے گئے جسکا کچھ حصہ دیوان منتخب میں مل کر شائع ہوا - غدر کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ مراۃ الغیب جو درصل پہلا دیوان سمجھا جاتا ہے نعتیہ دیوان اور سولود شریف کے ساتھ چھپا - سنہ ۱۸۹۱ء میں دوسرا عاشقانہ دیوان موسوم بہ صنم خانۂ عشق چھپا اسمیں اکثر جگہ جہاں اُستاد نواب فصیح الملک حضرتِ داغ کی مقبولِ زمانہ طرز کا تتبع کیا ہے وہی خیالات - وہی مضامین وہی سلاست وہی معاملہ بندی قریب قریب موجود ہے اسی وجہ سے یہ دیوان زیادہ مقبول ہوا کہ آپ نے اپنا پہلا رنگ بالکل بدل دیا - اصنافِ سخن پر زبردست قدرت رکھنے کے علاوہ آپکے کلام میں اور ایک خوبی ہے یعنی اوس میں اکثر جگہ ہمواری اور موزونیت اس غضب کی ہے کہ دوسری جگہ کم دیکھنے میں آتی ہے - غزل قصیدہ - رباعی مسدس - مخمس - غرض جو کچھ بھی ہے ایک رنگ میں ڈوبا ہوا ہے معانی کی جدت - الفاظ کی مناسبت - خیالات کی بلندی نکات کی برجستگی اشارات کی شوخی - بیان کی صفائی - الغرض وہ کونسی خوبی ہے جو امیر قلمرو سخن کے کلام میں اپنے اپنے محل موقع پر نہیں پائی جاتی پھر اُسپر تصوف اور اخلاق کی چاشنی سونے پر سہاگا اور طعام میں نمک کا کام دیتی ہے - حسرت و یاس اور عبرت کے مضامین آپ بالخصوص جیسے خوش اسلوب اور موثر پیرایہ میں لکھتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا - حضرتِ امیر کی قابلیت میں شبہہ نہیں اور ساتھ ہی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آپکی طبیعت میں

اپنے نامور استاد کی قابلِ فخر یادگار ہیں - منشی صاحب کثیر العیال تھے - آپ کے چار صاحبزادے ہیں منشی محمد احمد محمود قمر - منشی ممتاز احمد آرزو - منشی مسعود احمد ضمیر - منشی لطیف احمد اختر
حال میں حضرت امیر کے بعض خطوط بھی شایع ہوئے ہیں جنمیں اکثر مقامات پر لطف زبان کے ساتھ ساتھ طرزِ ادائے بیان نہایت دلکش اور بے ساختہ ہے - کاش منشی صاحب کے لائق صاحبزادے اپنے نامور باپ کی غیر مطبوعہ تصانیف کو مرتب کر کے جلد شائع کرادیں تاکہ ہماری زبان ایسے گراں پایہ سخنور کی آخری نغمہ سنجیوں سے محروم نرہے -

تاریخ وفات حضرت امیر از نتائج افکار نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی ؎

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ — جو مرا ہم فن تھا میرا ہم صفیر
مصطفیٰ آباد سے آیا دکن — یہ سفر تھا اُس مسافر کا اخیر
کیا لکھوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں — کیا لکھوں تفصیلِ امراضِ کثیر
مبتلائے حدتِ صفرا و تپ — موردِ آزارِ اسہال و زحیر
گو بظاہر تھا امیر احمد لقب — درحقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ — شاعری میں خاص تلمیذِ اسیر
ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی — قصرِ عالی پائے جنت میں امیر
۱۳۱۸ھ

مادّہ تاریخ از منشی جلیل حسن ؎ امیر کشورِ معنی امیر مینائی ۔ اب آپ کے کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو سب سے پہلے دو رباعیاں لکھی جاتی ہیں جو آپ نے بحالت بیماری مہاراجہ کشن پرشاد پیشکار کی خدمت میں بھیجی تھیں ؎

رباعی

ہے آپکا اخلاق جو ہمدرد مرا — رشکِ دمِ عیسیٰ ہے دمِ سرد مرا
فرماتے ہیں ہر روز عیادت میری — درماں مرے حق میں ہوگیا درد مرا

رباعی

مشتاق کو ملنے کی تمنا نہ ملی — غنچہ ہی رہی اب تک طبیعت نہ کھلی
امراض نے دم بھر کو نکلنے ندیا — گھٹ گھٹ کے رہی دل میں تمنائے دلی

دوست نواب فصیح الملک مرزا داغ کی تحریک اور توسل سے بنارس میں حضور نظام کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کو باریابی کا اعزاز حاصل ہوا اور قصیدۂ[51] تہنیت کے پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔ پھر اگلے سال ۱۳۱۸ھ میں رامپور کو خیر باد کہہ کر چند روز بھوپال میں قیام فرمایا۔ معتبر ذریعہ سے سُنا گیا ہے کہ وہاں سے روانگی کے وقت آپ سے ایک قابلِ استعجاب امر سرزد ہوا یعنی آپ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے براہ راست بذریعہ تار حضور نظام کو اپنی روانگی کے ارادہ سے مطلع کیا۔ بہرحال ۱۰۔ جمادی الاول کو آپ وارد حیدرآباد ہوئے۔ آپکے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر اور جناب جلیل اس سفر میں آپکے ہمرکاب تھے۔ نواب فصیح الملک نے نہایت خلوص و محبت سے استقبال کرکے اپنا مہمان کیا۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سفر راس نہ آیا اور وہاں پہنچتے ہی ایسے علیل ہوئے کہ پھر نہ سنبھلے۔ نواب فصیح الملک اور پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ احباب شبانہ روز آپکی تیمارداری میں معروف رہے بلکہ سُنا ہے کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد پیشکار و وزیر بھی کئی مرتبہ مزاج پرسی کے لئے آئے مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی اور روز بروز حالت بگڑتی چلی گئی۔ کم و بیش ایک مہینہ کی علالت کے بعد ۱۹۔ جمادی آخرہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۴۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء کو ہزاروں آرزوئیں اور ارمان ساتھ لیکر اس عالمِ باقی ہوئے۔ اور وہیں پیوند زمین ہوئے ؎

افسوس تجھ کو رحم نہ آیا کچھ اے اجل	مارا کہاں امیرؔ غریب الدیار کو

آپکے انتقال کی یوں تو صدہا تاریخیں کہی گئیں مگر یہاں بخوف طوالت صرف دو تاریخیں درج کیجاتی ہیں

منشی صاحب شاگردوں کے معاملہ میں نہایت خوش نصیب تھے لکھنؤ اور اطراف مشرق کے اکثر خوش فکر حضرات آپکے دامنِ کمال سے وابستہ ہیں۔ شاگردوں کی تعداد اگرچہ حضرت داغ سے بہت کم ہے مگر پھر بھی دو تین سو سے کم نہیں۔ جنمیں سے اچھے کہنے والوں میں حضرات ذیل یعنی (۱) ریاض (۲) جلیل (۳) مضطر (۴) کوثر (۵) نواب (۶) صفدر (۷) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۸) حفیظ (۹) آہ (۱۰) جاہ (۱۱) وسیم (۱۲) اختر (۱۳) قمر

[51] یہ مسدس اپنی نازک خیالی اور لطافت بندش و مضمون میں بے مثل ہے ۱۲

چشمِ نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا
اے حیا تجھ کو انہیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا

تو وہ ہے ناوک فگن تیر ایک جائے جو ہاتھ
آپ اُڑ کر تھام لے زنجیر پلہ تیر کا

حلقۂ گیسو میں پائی نقدِ دل دیکر جگہ
دے دیا پہلے کرایہ خانۂ زنجیر کا

آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجکو دیکھ کر
مُنہ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا

وادیٔ ایمن میں تھی برقِ تجلی بے حجاب
حیرتِ موسیٰ تھی پردہ جلوہ گاہِ طور کا

روزِ خلقت سے وہیں ہیں باہر آسکتی نہیں
کہتے ہیں جنت جسے ہے قیدخانہ حور کا

آدمی کا مُنہ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے
بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا

ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یوں ہی دل میں آگئی
دیکھتے چلئے تماشا اس تماشاگاہ کا

ہٹاؤ آئینہ ہمکو بھی دیکھنے دو گے
کہ خود ہی دیکھو گے حُسن اپنی خودنمائی کا

بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

ہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا
آتشِ تر سے جو اے ساقی گریزاں ہوگیا

جب نقاب اولٹی نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم
پڑ گئے پردے وہ رُخ آنکھوں سے پنہاں ہوگیا

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالوں میں دلِ زار نہ تھا

نہ پوچھ ناز و نیاز اسکے میرے کب سے ہے
یہ حُسن و عشق تو اب ہے اُسے زمانہ ہوا

بندہ نواز یوں یہ خدائے کریم تھا
کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا

کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع
جسنے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دماغ بحث تھا کس کو وگرنہ اے ناصح
دہن نہ تھا کہ دہن میں مری جواب نہ تھا

وہ کہتے ہیں شبِ وعدہ میں کسکے پاس آتا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا
ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

کمال احباب سے ہے شکوہ کیا نہ عرس ایک دن ہمارا
سرِ لحد ہی ہجوم ہوتا کبھی حسینانِ مہ جبیں کا

شوق سے لکھیں فرشتے میرے عصیاں رات دن
ایک رحمت اُسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب

انتخاب از مرأۃ الغیب

حضرتِ عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض ۔۔۔ پہلے اسکو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا

ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا ۔۔۔ در دسے بھی اُٹھا نہیں جاتا

نہو گا بند جب تک نقدِ جاں باقی ہو قالب میں ۔۔۔ سخی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوکِ قاتل ۔۔۔ کہ دو پیاسوں میں ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی چھڑکتا گر نمک قاتل ۔۔۔ دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے مُنہ نمکداں کا

مزا عاشق کے دل سے پوچھ حسنِ شعلہ رویاں کا ۔۔۔ تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں ۔۔۔ لبِ خاموش سے پیدا ہے صدمہ دردِ پنہاں کا

مگر اڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے ۔۔۔ ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلفِ پریشاں کا

جب کہا اُس سے شبِ غم کوئی غمخوار نتھا ۔۔۔ درد نے اُٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نتھا

قریبِ یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کیونکر ۔۔۔ جو چُپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستین کا

آنے تو دو بہار یہ دونوں ہیں رہن مے ۔۔۔ خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہ مرید کا

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اُسکی در کی خاک ۔۔۔ چھوٹا نہ دستِ عجز سے دامن غرور کا

مرغِ عصیاں اُڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہو گیا ۔۔۔ دنگ شاہینِ ترازوے عدالت ہو گیا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے ۔۔۔ امیدِ عفو میں میں گنہگار ہو چکا

ٹھیریں کبھی کجوں میں نہ دم بھر بھی راست رو ۔۔۔ آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا

مرغانِ باغ تمکو مبارک ہو سیرِ گُل ۔۔۔ کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

ہلال و بدر ہیں دونوں تیری تصویر کے خاکے ۔۔۔ یہ صورت ہے لڑکپن کی وہ نقشہ ہے جوانی کا

قدم ہاں یہ پھونک کیوں کتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے ۔۔۔ ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا

اُٹھاؤں سختیاں لاکھوں کڑی بات اُٹھ نہیں سکتی ۔۔۔ میں دل رکھتا ہوں شیشہ کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

ٹھیریں اک ذرا دم لینے دو پھر تم جھگڑ لینا ۔۔۔ ابھی تو میں تھکا ماندہ چلا آتا ہوں منزل کا

سیدھی نگاہ میں ہیں ترے تیر کے خواص
ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص

ترکش میں تیر میاں میں شمشیر بے قرار
دیکھو تو بیقراریٔ نخچیر کے خواص

کہتا ہے شعر سُن کے کوئی واہ کوئی آہ
کچھ تیرزا کے مجمع میں ہیں کچھ تیر کے خواص

ہزار خواہش کوئی جتائے وہ چہرہ بے پردہ کیا دکھائے
جو خوابِ عاشق میں بھی نہ آئے کبھی اُٹھا کر نقابِ عارض

ہوئے ہیں ہم محوِ حسن ایسے کہ علم ہے اور طاقِ نسیاں
بیاض اپنی بیاضِ گردن کتاب اپنی کتابِ عارض

کرتا ہوں میں تو روز روانہ ادھر سے خط
لکھا نصیب کا نہیں آتا اُدھر سے خط

اُن کو غرورِ حسن ہے ہم کو غرورِ عشق
آئے کبھی اُدھر سے نہ جائے اِدھر سے خط

ہجو مے کر رہا تھا منبر پر
ہم جو پہونچے تو پی گیا واعظ

آ رہے باغِ جناں سے جو زمیں پر آدم
فی الحقیقت تھی وہ اک لغزشِ مستانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیر
شعلۂ حسن تھا جس روز نہ پروانۂ عشق

جلد آجاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق
دم میں آجائیں نہ جو رونکے تمہارے مشتاق

ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل سے ہے مکدر
نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات سے حاصل

کیا دیر ہے امیر کے عفوِ گناہ میں
اللہ کیا کمی ہے تیری بارگاہ میں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ
وگرنہ ربط کی اُس سے ہزار راہیں تھیں

جب کبھی اُسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالبِ مقصود تو مٹ جا اے دل
نفع تیرا ترے نقصاں سے ہم دیکھتے ہیں

مدح کرتا ہے جو تو غیر کی دانائی کی +
پھیروں مُنہ کو ترے ناداں سے ہم دیکھتے ہیں

وا کرو وہ چشمِ دل صفتِ نقشِ پا ہوں میں
ہر رہگزر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

مطلب جو اپنے کہے عاشقوں نے سب
وہ بُت بگڑ کے بول اُٹھا کیا خدا ہوں میں

کہتی ہے ہر بلک تری زلفِ دراز سے
چھوٹے سے قد پہ میرے بجا نابلا ہوں میں

رسوا ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا
جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بیٹھا ہوں میں

پھینک دو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو — اُٹھ کے آئے گا جو ہے میرے مقدر کا جواب
وہ کھنچا تھا میں بھی کھنچ جاتا تو بنتی کس طرح — سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب
خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے — تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت
عمر گزری ہے مری وادیٔ غربت میں مگر — اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت
دیکھوں اے واعظ کسے سنتے ہیں دل سے سامعیں — وصف تو فردوس کا کریں بیانِ کوئے دوست
بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤں گا کہاں — بند کرتا ہے قفس میں مجھے صیاد عبث
گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج — پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج
تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی — کل پی تھی جو شراب ہے اُسکا خمار آج
منظور کسکا قتل ہے تیغِ نگاہ سے — پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج
آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح — کروٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح
ایک بار اسے برقِ تکلیف اور کر جھگڑا مٹے — پھونک دے مجکو بھی میرے آشیانے کیطرح
مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو — بلور کی پیالیوں میں ہے شرابِ سُرخ
ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند — اور بک بک سے تری ناصح اُڑی جاتی ہے نیند
حال پر اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر — ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصہ کہانی پر گھمنڈ

یہ میری طرف پاؤں محفل میں کیسے — ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر
امیر اہل مسجد سے اظہارِ تقوے — ابھی آئے ہو میکدے سے نکل کر

ٹھہر گیا ہے ہمارے دلمیں ہزار منت سے دردِ الفت — مگر یہ ڈر ہے کہ اُٹھ نہ جائے مکان کی تنگی سے تنگ ہو کر
نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب جہاں میں — وہ دلمیں آئے اُمنگ ہو کر گئے تو چہرے کا رنگ ہو کر
قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھونکو سر کو جنبش — کدھر گئی ہائے نوجوانی اِن آفتوں میں ہمیں پھنسا کر
خدا ہی باندھے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہوا اُس گرم خو کا پانی — کیا ہے لوگوں نے آگ اُسکو لگا لگا کر بجھا بجھا کر
اے روح کیا بدنمیں پڑی ہے بدن کو چھوڑ — میلا بہت ہوا ہے اب اِس پیرہن کو چھوڑ

شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں
پر ایک سی ہے خزاں و بہار غربت میں

کیا مست نگاہیں مجھے دِکھلا گئیں آنکھیں
دو جام سے لبریز کہ چھلکا گئیں آنکھیں

آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی
نیرنگِ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں

اوروں سے تو بیباک سرِ بزم لڑا کیں
عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں

اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں

نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگ جو
جو اک نظر میں خونِ ہزار آرزو کریں

جب تک کہ دل ہے چاہیے ہمکو تری تلاش
جب تک چلے زبان تری گفتگو کریں

کب زاہدوں کو مسئلۂ عشق کا ہے فہم
نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

ہے غنچہ ساں بہار خموشی میں اے امیر
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہائے ہو کریں

ظاہر میں گو فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں

گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل
آئی صدا یہی تو مقامِ امتحاں کے ہیں

دنیا میں بھی سفر ہیں عقبیٰ میں بھی سفر
ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں

دل و جگر دونو جل گئے ہیں فراق ہیں جہاں بلا ہیں
تمہارے سرمہ میں اے بتو کیا یسی ہوئی بجلیاں بلا ہیں

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کریگا یاد اسے غم ہمکو بعدِ مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

کوئی میرے برابر کیا کرے گا ضبط الفت کو
نہیں آتا زباں تک دل سے حرفِ آرزو برسوں

بت میں بھی دیکھتے ہیں نورِ خدا کا جلوہ
واعظ و حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

پوچھتے ہو کس سے جو چاہو کرو مختار ہو
دل ہمارے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہاتھ میں

ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
پھرتے تھے یوہیں خوش خوش ہم بھی کبھی وطن میں

کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر
کہنے کو سو زبانیں ہیں غنچہ کی دہن میں

راتوں کو مثل شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

زندہ کئے ہیں مینے دلِ مردہ سیکڑوں
میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تیری حقیقت
بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں
اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی
ملنے کا وعدہ منہ سے تو اُنکے نکل گیا
مثلِ نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ
دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
مردہ جو اہلِ دل ہوں تو زندہ اُنہیں سمجھ
واماندہ دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں
یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں
کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشم میگوں ہے
امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
بے حجابانہ اگر وہ لبِ آب آتے ہیں
جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم اُنہیں یاد
رہتا ہے صبح شام گناہوں کا سامنا
غضب کا ابر خوں افشاں ہے ابرِ تیغ قاتل بھی
وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں
فرشِ استبرق کی کچھ حاجت نہیں اے باغباں
ہٹاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں
جو اٹھا کھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے

فیضِ سخن سے عیسیٰ معجز نما ہوں میں
اک لختِ استخواں ہیں دو پر لگے ہوئے ہیں
اب دخترِ رز کو چین کہاں ہے حجاب میں
یہاں عمر کٹ گئی ہے اِسی اضطراب میں
پوچھی جگہ جو مینے کہا ہنس کے خواب میں
جب تک رہی حیات رہی اضطراب میں
کیوں ہو حرام نشہ نہو جس شراب میں
عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں
کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں
نکل بھی آئی محمل سے تو پھر لیلی ہے محمل میں
چھکایا ایک پیمانہ سے تو نے سب کو محفل میں
وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمع محفل میں
شوقِ دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں
غیب سے اُنکے سوالوں کے جواب آتے ہیں
جن حسینوں کی تصور دمِ خواب آتے ہیں
فارغ جوانِ سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں
رواں ہے خوں کا سیلاب لاکھوں سر کٹے ہیں
جو تمکو پیار کرے اُسکو پیار کرتے ہیں
بادہ کش ہیں پڑے رہیں گے سایۂ انگور میں
تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں
امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

صاف کہہ دو نہیں دیدار دکھاتا ہے اگر

اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگ عشق

رنگ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر

گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو

دل دردناک چاہئے لاکھوں ہیں خوبرو

وہ حسن کیا ہے حسن جو خاطر نشیں نہو

ساقی میں نشۂ مئے عریاں سے مست ہوں

شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گزری

آج محفل سے تم آئے ہو اٹھانے ہمکو

سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا

وصال پر جو ہے وصل امتحان کر دیکھو

چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہوں غیروں سے

عکس سے بچو نہ آئینہ میں اتنا دیکھو

اے ضبط دیکھ عشق کی اُن کو خبر نہو

آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لئے

ترک لذت بھی نہیں لذت سے کم

چلا تو ہوں پئے اظہار درد دل دیکھوں

وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمت شراب کی

خلقت کو ہے یہ اُسکے نظارہ کا اشتیاق

جو چاہئے سو مانگئے اللہ سے امیر

شیخ صاحب اُٹھا کے دیکھو آنکھ

کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجکو

دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو

ایک برگ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو

موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہو

افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہو

آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہمکو

ہائے وہ دن کہ اُٹھتے تھے بٹھانے ہمکو

واہ کس پردہ میں مارا ہے ادا نے ہمکو

امیر تو بھی سہی چند روز مر دیکھو

ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو

جانے دو اپنی طرف اے گل رعنا دیکھو

دل میں بھرا ہو درد اُٹھے آنکھ تر نہو

یاں تو شروع پرسش اعمال ہو گئی

کچھ مزا اس کا بھی چکھنا چاہئے

حضور یار مجال بیاں رہے نہ رہے

واعظ کے منہ پہ مہر لگا دوں کباب کی

کھڑکی ابھی کھلی نہیں بازار بند ہے

اس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

دختر رز سلام کرتی ہے

بے نشانی تو گزر خلد کی گلشن میں نہیں

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے

دل جو صد چاک ہے اسمیں ہے خیالِ رخِ دوست

کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی

وصلِ بت ہوتا نہیں ہے یا خدا ملتا نہیں

اے امیر اوّل تو وہ نا آشنا ملتا نہیں

اک مجھی سے رہگیا سارے زمانے کا حجاب

دَیر میں بھی ہے اُسیکا فیض اے اہلِ حرم

منکرِ یکرنگی معشوق و عاشق تھے جو لوگ

ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا

خضر کیا جانیں مرگ کی لذت

ہماری بیخودی تمہید ہے تیری نمائش کی

امیر افسردہ ہو کر غنچۂ دل سوکھ جاتا ہے

نزاع کفر و دیں ہے دور دورِ زلف و عارض میں

امیر اس باغ میں رہکر کریں کیا دل اُلجھتا ہے

وہ بُت آئے گا تو بت بن جائینگے واعظ ابھی

بغیر جرم ہوں پامالِ شرم ہم جنسی

بزمِ کثرت نورِ وحدت سے کبھی خالی نہیں

نہیں معلوم وہ مہمان ہوئے ہیں کسکے

خلوتِ وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا

میں تو میں عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے

داغِ مے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

کم یہ تصویرِ گلی رنگ میں روغن میں نہیں

شاہدِ پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں

دوست کے دلمیں وہ ہے جو دلِ دشمن میں نہیں

ڈھونڈھنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں

مل گیا جس کو کہیں اُس کا پتہ ملتا نہیں

کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں

برہمن کو بت بھی بے اذنِ خدا ملتا نہیں

دیکھیں کیا رنگِ کاہ و کہربا ملتا نہیں

لب سے لب وقتِ تلفظ اک ذرا ملتا نہیں

اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں

مٹا کر نقش ہم اپنا ترا نقشہ جماتے ہیں

وہ میلے ہمکو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

مسلمانوں سے کوئی آج کل ہندو بدلتے ہیں

نہ نخوت چھوڑتے ہیں گل نہ کانٹے خو بدلتے ہیں

حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں

کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہوں میں

چشمِ بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں

آج گھر گھر لئے پھرتا ہے تو ہم مجھکو

جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھکو

پیار کی آنکھ سے دیکھا نکرو تم مجھکو

یہ کس بیدرد نے دستِ نگاریں خواب میں چھوما
کہ فریادی ہے اب تک نیل اُس نازک کلائی کا

گردن تنِ بسمل سے جدا ہو گئی کب کی
گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

کھینچکر چادر جو پھر تربت پہ میری ڈالدی
سچ بتا کیا تجھکو اے دزدِ کفن یاد آگیا

خواہشِ وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح
دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارماں ہوگا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یا رب
مرے دونو پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرالی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا

کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا امیر
جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
مگر جو کسیکو دیا لے گیا

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

قیس کی خاک اُڑانے کو ہوا آندھی تھی
پردۂ محملِ لیلیٰ کو اُٹھایا نہ گیا

تصورِ مژہ کا تری رات بھر
رگِ جاں میں نشتر چبھویا کیا

حُسن کھلتا ہے حسینوں کا جسے جتنی نگاہ
جسقدر دیکھو اُبھرتا ہے بدن تصویر کا

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے مُنہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

آئینہ دیکھ کے آتے ہیں مزے میرا یسے
خود وہ مُنہ چومتے ہیں اپنے تماشائی کا

تو بھی آئے تو نہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے
اور ہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا

سب کی نظروں پہ نہ چڑھئے اتنا
دیکھئے دل سے اُتر جائیے گا

صورت تری دکھا کے کہونگا یہ روزِ حشر
آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

بیوفائی کو تیری لگتا داغ
وعدہ اچھا ہوا وفا نہ ہوا

کیوں ملائیں وہ آنکھ اب ہمسے
لے چکے دل نکل گیا مطلب

خاک میں بھی ملا چکے ہمکو
نہ ملے اب تو کب ملینگے آپ

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اُٹھ جائے
گردنِ شیخ میں زنّار برہمن ڈالے

یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی کہتے ہو
سامنے اُنکے بھی جب حضرتِ دل یاد رہے

حشر میں عذرِ جفا کیا ہے بتا تو رکھو
کہ مبادا تمہیں بھولے تو مجھے یاد رہے

نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے اب اے چشمِ یار باقی ہے

پیری میں کس مزے کو جوانی کے روئیے
سو داغ دے گئے ہیں دو دن بہار کے

کیا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ہے بجا کہئے اگر دولتِ دنیا کو پری
ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھکو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

صلح کل میں ہے ابھی شرکت کیں تھوڑی سی
اور اے پیرِ خراباتِ نشیں تھوڑی سی

ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہاں
اسی انداز سے کہدے کہ نہیں تھوڑی سی

کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں
پھر جو تسکین ہے دل کو تو یہیں تھوڑی سی

تُو ہی یاں رہنے کو آیا ہے نہیں او غافل
جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے

انتخاب صنم خانۂ عشق

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اسوقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

دیر کی تحقیر کرا نئی نہ اے شیخ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

وعظ کی مجلس میں بھی آئے تو یوں مستانِ عشق
مے کی بوتل تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

نیند کے جھونکے چلے آتے تھے کیوں ہنگامِ ذبح
تیغِ قاتل کی زباں پر کیوں سا افسانہ تھا

مدہوشِ عشق ہو کر جا بزمِ معرفت میں
پردہ نہ بیچ میں ہو غافل شعور تیرا

ترے بندوں سے کرتے ہیں یہ بت دعوے خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا

خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی
خمیر ان کا بنا ہے چھکے جوہر بے وفائی کا

بے مانگے دیے رہے ہو زمانے کو گالیاں
باغِ جہاں میں سیر کو آئے ساتھ ہے لیکن قسمت بد بھی
لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
کوئی پوچھے تو محتسب سے یہ کیا ہے انصاف
واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے سنا کرتے ہیں
کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
جب تڑپتا ہے دل میں ڈرتا ہوں
مانندِ شمع تاج ہی سے ہے بقائے شاہ
ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
آنکھ اپنی فتنہ ہوئے قیامت پہ کیا پڑے
حقیقت عاشقوں کی مرگ کی ہم سے کوئی پوچھے
جدا ہے دخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی
ہوئے ہم قتل جب جلسہ نظر آیا حسینوں کا
شگوفہ کوئی پھوٹے گا یہ صحبت رنگ لائیگی
کلیاں یہ سرخ سرخ نہیں لالہ زار میں
شرم آتی ہے کہ یار کو میں بیوفا کہوں
مجھ سے تو ایک نے بھی نباہی نہ دوستی
کہا جو میں نے کہ رخ سے ذرا نقاب اٹھو
دنیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر
پھر اُس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
اللہ رے ناز دیکھ کے کہتے ہیں آئینہ

تم سنا کہاں جہاں میں کوئی دوسرا کریم
ہاتھ ہے کوتہ شاخ ہے اونچی پائیں گے کیونکر کوئی ثمر ہم
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی نہ سکوں
کچھ مزہ ملنے لگا ہے انہیں صلواتوں میں
اے اسیرانِ قفس ہم تو گرفتاروں میں ہوں
جس سرخ پر جا پڑے زمیں نہ کہیں
ہے اس کلاہ پوش کی جاں اس کلاہ میں
مے پیتے ہیں تو سایۂ ابرِ سیاہ میں
جس کے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں
بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں
پری ہے میکشو نیں حور ہے پرہیزگاروں میں
ٹپا یہ خونِ ناحق چلو چلو گلعذاروں میں
امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں
مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں
اچھا کہا ہے جس کو اُسے کیا بُرا کہوں
پھر آشنا کسے کہے نا آشنا کہوں
تو ہنس کے بولے کہ منظورِ قتلِ عام نہیں
سب مست ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں
گناہ گار یہ کہدے گناہ گار ہوں میں
ہم نازنیں نہیں تو کوئی نازنیں نہیں

زندہ محبت سے ہوں میں ناتواں
ہے یہ ہوا سینے میں دم کی طرح

خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو اِدھر اُدھر نہ پھرو
نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر

بوسہ ملا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے
دی جان ہم نے چشمۂ آبِ حیات پر

تہی بستوں کو کیا خوفِ بلائے آسمانی ہے
کفِ افسوس ملکے رہ گئی برق اپنی خرمن پر

کدورت کب جگہ پاتی ہے دلمیں صاف طینت کے
نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر

گلا کٹوا مزے لے لیکے پھر ایدل کہاں یہ دن
کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر

جب آئی گردش میں چشمِ ساقی اُڑا دیے ہوش میکشوں کے
نکل پڑے میکدے سے باہر ہزاروں میکش بہک بہک کر

جو میں نے آنکھوں سے پونچھے آنسو اُبل پڑے اور اشکِ خونیں
لہو کی دو بوتلیں بھری تھیں لگا جو ہاتھ آ رہیں ڈھلک کر

کبھی کعبہ میں صرفِ سجود ہو سر کبھی دیر میں جا کے حرم سے پھر
رہے دین میں کفر بھی مدِ نظر نہ صنم سے بگڑ نہ خدا سے بگڑ

گھبرا نہ قیسِ ناتواں لیلیٰ خود آئے گی یہاں
اب کھینچے گا ناحق ساربان جاتا ہے کیوں محمل کے پاس

کر تو ہی رحم اب اے قضا تڑپے یہ بیکس تا کجا
قاتل خفا خنجر کھنچا کوئی نہیں بسمل کے پاس

میں نے کہا بیکس ہوں میں بولے ہیں تیرے ہمدم
حسرت ہماری ہے ابھی باقی تمہارے دل کے پاس

فردوس میکدہ ہے میکش بُلا رہے ہیں
اب بھی اگر نہ آئے دوزخ میں جائے واعظ

ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر میں ہوں اِدھر اور غیر اُدھر
اِک بت ہے اور دو برہمن اِک اِس طرف اِک اُس طرف

تری سفاکیاں پہونچیں یہاں تک
کہ ڈرتی ہے حیاتِ جاوداں تک

کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی
کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

نہ جلا تجھ سے قفس میں نے چمن پھونک دیا
دیکھ ہیں گرم ترے یا مرے نالے بلبل

ہاتھ گلچیں کے کٹے باغ میں کانٹوں نے ٹوکا
خوب ہی پھوٹے ترے دل کے بھی چھالے بلبل

دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں
ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل

جاتا تو اُسکے کوچے میں ہے بار بار دل
کھائے نہ چوٹ یاس کی امیدوار دل

ملا جب وہ کھلا تب یہ معمّا
کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم

کیا خبر تھی کہ گراں ہوگا ہمارا آنا
ہم تو گھر اپنا سمجھتے تھے تمہارے گھر کو

سخت ناداں ہے کہ ملتا ہے وہ پاؤں کے تلے
کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگا لے دل کو

ہو رہے ہم تو اے صنم تیرے
تو ہمارا خدا کی شان نہ ہو

اس ادا سے کیا شہید اس نے
خوں بہا مل گیا شہیدوں کو

کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے
آگئی نیند نہ خنجرِ قاتل مجھکو

نزع میں جاتے تو ہو بالیں سے مجھ بیمار کے
اک نظر آنکھوں کا صدقہ ادھر کر دیکھ لو

پردے میں آئینہ کے یہ دل ہے امیر کا
پہچان لے جو وہ تو کبھی روبرو نہ ہو

خدا نے دن یہ دکھلایا کہ وہ بت میہماں آیا
ملے تو شیخ سے کہہ سن کے دو دن کو حرم لیلو

ہوا اب خاک ہونے کے نہیں حسرت کوئی باقی
کہ مٹی ہو گیا جی دیکھ کر گورِ غریباں کو

جسنے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا
لا دوا ہے جو مرا دردِ جگر ہونے دو

کہتا تھا قاتل آپ ہی مرتے تھے جاں نثار
بدنام ہائے مفت ہوئے ہم لگا کے ہاتھ

آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں
وہ شکل نہ سامنے سے سرکی

کیا تنگ ہے جلاد مری سخت جاں سے
ہر وار یہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں مر بھی

آمد جو شبِ وصل کی سن لی مرے گھر میں
اللہ ری ضد شام سے پہلے سحر آئے

اللہ رے ستم بیخودئ شوق کے ہم پر
ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے

کوٹھے سے نزاکت تو اترنے نہیں دیتی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے

آئے وہ دمِ بازپسیں یوں مرے گھر میں
جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پہر آئے

ہمسائے ہی کے کوٹھے پہ آئے وہ شبِ ماہ
چاند اوروں کے گھر چاندنی ہی مرے گھر آئے

موت سے وہ جھڑک کے کہتا ہے
ہٹ نہ آ پاس میرے بسمل کے

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

کہہ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

شیخ حرم سے ملکے ہوا سخت انفعال
کتنے ذلیل ہم نگہ برہمن میں ہیں

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

میں کہتا ہوں تمہیں نے دل لیا میرا تو کہتے ہیں
کہ ہاں ہاں لے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہیں

میں کسکی دید کا طالب ہوں کسکے وصل کا خواہاں
یہ کسکی حسرتیں ہیں آپ جنکا خون کرتے ہیں

انھیں کا مال تھا اچھا کیا دل لے لیا میرا
کوئی چھینے نہیں لیتا ہے اُن سے کیوں مُکرتے ہیں

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم اُنکی نہیں جاتی
نگہ نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

پشیماں کر کے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چپکے
ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں

پھیر دو دل جو نہیں دیتے ہو بوسہ یہ کیا
مال پر لوٹ بھی ہو دام لگاتے بھی نہیں +

آنکھ اُس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیر
اِسی کھڑکی سے اُترا آتا ہے جادو دل میں

حکم ہے ضبطِ محبت کا کہ ہو راز نہ فاش
آکے آنکھوں میں پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

یوں تو سلجھے گا نہ اُلجھا ہوا بوسوں کا حساب
سہل سا گر میں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں

جذبِ دل اُن سے یہ کہتا ہے کہ اب کیوں آئے
تم تو کہتے تھے کہ آنا مرا ممکن ہی نہیں

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب ہم ہیں خفا تم سے کہ تم ہم سے خفا ہو

یہ زباں چلتی ہے ناصح کہ چھری چلتی ہے
ذبح کرنے مجھے آیا ہے کہ سمجھانے کو

جب پوچھتا ہوں میں کوئی تدبیر وصل کی
کہتے ہیں بت کہ اپنے خدا سے دعا کرو

پردہ میں تم ہو اُسپہ یہ عالم ہے حسن کا
پردہ سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو

جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا دردِ عشق کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

حسن و وفا کا ساتھ تو اے دل ہوا نہو
معشوق نام اُسی کا ہے جسمیں وفا نہو

کہتی ہے یادِ وطن مجھسے نہ روٹھ اب من جا
چھوڑ غربت کو پلٹ چل مرے پیارے گھر کو

دم نکلتے ہی ہوئی لاش جو دو بھر ایسی
کیا ہوئی ہمسے محبت تھی جو سارے گھر کو

بڑھ سکے آہ رسا اب کنگرہ عرش کے پہنچی
بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی پستی ہے

بتوں کو دیکھ کے ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں
خدا راضی ہے جسمیں وہ ہماری بت پرستی ہے

انگوریں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جسدن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

بحر الفت کے کنارے تک نہ پہنچا ایک بھی
دست و پا کتنے ہی پیراکوں نے مارے رہ گئے

شیخ جی یوں ہی جو مے پینے کی عادت ہو گی
ایک دن رہن یہ دستار فضیلت ہو گی

رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والے کے قربان جائیے

پہچان پر ہے ناز تو پہچان جائیے
کیا ہے ہمارے دل میں بھلا جان جائیے

آخر ہوئے نہ حضرت دل آپ دو دن ذلیل
ہاں اور دوڑ دوڑ کے مہمان جائیے

برائی مری سن کے غیروں سے بولے
یہ سب ہیچ مگر ہائے کیا آدمی ہے

ایک سید ہی نگاہ تیری
لاکھ بانکوں کا بانکپن صدقے

جبیں قمر ہے ہلال ابرو تو چہرہ غصہ سے لال بھی ہے
بتوں سے ظاہر ہے شان خالق جمال بھی ہے جلال بھی ہے

لینے آئی ہے اجل کسکو عدم کو جائے کون
اتنی طاقت اب کہاں فرقت کے بیماروں میں ہے

ترا خنجر جو دست نازنیں سے
چھری جھنجھلا کے لی چین جبیں سے

نہ گھبرا اے خنجر عشق دم لے
ترے کا تو وقت اسمیں ابد لیتی ہے

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے
کہ دو اٹھکر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے
جانے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسے لو
اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

لپٹا میں اٹھلے غش سے تو بولے فریبئے
مطلب کے وقت کیسے بجا ہوش ہو گئے

ہے بخشنے نہ بخشنے میں اسکو اختیار
تو ہے گناہگار کرے جا خطا ہوئی

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

چودھویں سال میں ہے نام خدا دختر رز
پڑھ دے تاخیں کہو دو بول یہ سال اچھا ہے

گرد اُڑی عاشق کی تربت سے تو جھنجھلا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

گھر بیٹھے ہمیں ہاتھ لگی منزلِ مقصود
جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے

باقی ہے امیر اب تو فقط جان کا جانا
ہوش و خرد و تاب و تواں جا چکے کب کے

خلش نوک مژہ کا نکلے اے دل شیدہ
کیا مزے کی ہے یہ پھانس اسکو چبھا رہنے دے

واے قسمت جو سب کی سنتا ہے
وہ بھی عاشق کی التجا نہ سنے

کوئے جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری
دامنِ حور کے سائے میں ہے تربت میری

دل سے بھی باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سن رہا ہوں میں کئے جاؤ شکایت میری

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

عجب عالم ہے اُسکا وضع سادی شکل بھولی ہے
کھبی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے

ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اُس نے تولی ہے
لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہم آنکھوں میں سب کو تاڑ لیتے ہیں
محبت ساری دنیا کی اسی کانٹے میں تولی ہے

صبا اِن مُنہ بندھی کلیوں نے شب کو کسکی چوری کی
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی لینی ٹٹولی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکلکر دیکھ اے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے

خوشامد اے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے
پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے

ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بت بولا
جا کے لے لیجئے کعبے میں خدا رکھا ہے

دمِ اخیر تو ظالم زرا گلا سے ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

بڑھاپے نے ہرن سب کر دئے نشے جوانی کے
ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

خودی سے بیخودی میں آ جو شوقِ حق پرستی ہے
جسے تو نیستی سمجھا ہے اے غافل وہ ہستی ہے

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

تری شبیہ میں کی صرف اسقدر طاقت
عجب رسائی قسمت ہے اے حنا تیری

سکت نہ پھر قلم صورت آفریں میں رہی
چمن جو چھوٹ گیا دست نازنیں میں رہی

ذبح کے وقت اسکی کچھ ابٹنا
دل کو اب کب قرار آتا ہے
تم کو آتا ہے پیار پر غصہ

دیکھکر مجھکو پیار آتا ہے
سُن لیا ہے کہ یار آتا ہے
مجکو غصے پہ پیار آتا ہے

امیر

(امیر) صاحبزادہ امیر اللہ خاں ولد صاحبزادہ حبیب اللہ خاں فرحت رامپوری ابتدا میں شیخ کرامت علی شہیدی اور شیخ علی بخش بیمار سے فیض سخن پایا۔ اخیر میں میر احمد علی رسا کو کلام دکھایا۔ کچھ تو طبیعت پہلے ہی رسا تھی حضرت رسا کی فیضِ صحبت سے اور بھی ایسا ہو گئی۔ سنہ ۱۲۶۰ھ ہجری میں صرف ۲۴ سال کی عمر پا کر انتقال کیا یہ تین شعر بطور یادگار درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

سوز غم سے داغ غم سینے میں ہے روشن چراغ
نکلی وہ مژہ جو یاد آئی دست وحشت میں
پڑھنے کو آئے فاتحہ غیروں کے ساتھ ساتھ

اپنے گھر میں رات دن جلتا ہے بے روغن چراغ
تو بھیڑ سیتا پھرا آنکھوں سے میں خارِ مغیلاں کو
شعلہ نکل گیا مرے لوحِ مزار سے

(امیر) نواب حسین علیخاں عرف آغا صاحب امیر خلف نواب امانت علیخاں ابن نواب جعفر علیخاں ابن نواب سعادت علیخاں مغفور صوبہ اودھ نواب احمد حسن خاں جوش کے شاگرد اور خوش کلام شاعر تھے ۱۸۵۶ء میں آپ کا شباب تھا منتخب کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

خود فروشی کو جو وہ یوسفِ ثانی آیا
ہمارے نالہ تو عرشِ خدا ہلاتے ہیں
نالے کئے وہ ہجر میں ہم نے تمام شب
کشتہ سمجھ کے شمع نے سینے مثال کا
جاگے ہو میری جاں کہاں جاکے رات کو

راستہ بند ہوا مصر کے بازاروں کا
بتوں کے دل میں یہ کیا ہے اثر نہیں ہوتا
ہل ہل گیا ہے عرشِ معظم تمام شب
پروانوں نے کیا ہے ماتم تمام شب
آنکھوں میں نیند کا ہے جو کچھ کچھ خمار آج

مانگیے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دے کر دشنام ‏ کیوں جواب اسکا ہے اچھا کہ سوال اچھا ہے

خانقاہوں میں جو ہے پھرتی ہے بہکی بہکی ‏ توبہ بھی پی گئے مگر نکلی ہے میخانے سے

اجل آئی سب نذر اسکی کریں گیا ‏ ہماری جان تو تم میں پڑی ہے

ہیں قتل گہ ناز میں سب زندۂ جاوید ‏ شمشیر قضا توڑ کے رکھدی ہے قضا نے

وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو دروازے پہ مشکل ہے ‏ قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو ادھر دل ہے

کہیں ایسا نہ ہو تجھپر بھی کوئی وار چل جائے ‏ قضا ہٹ جا کہ جھنجلایا ہوا اسوقت قاتل ہے

سینے کا دل سے ٹھنڈا گرمی روز قیامت میں ‏ کہ سر پر تیر رحمت سایۂ داماں قاتل ہے

نہ کر معشوق کو بے پردہ آنکھیں بند کر مجنوں ‏ کہ لیلی آنکھ کی پتلی ہے آنکھ آغوش محمل ہے +

اندھیری رات میں بجلی کو بھی ترس آیا ‏ غریب لے کے چراغ آئی آشیاں کیلئے

پھر تبسم سے چھیڑ تک قاتل نمک ‏ زخم بھر آئے نہیں سے بھر چلے

عاشق اب ایجان ہی کر کیا کریں ‏ مرنے کو آئے تھے تم پر مر چلے

کسی کی چاہ بھی دل میں مرے لئے نہیں نکلی ‏ تپ ... گھر کی بادشاہی لی کہیں نکلی

دل مجنوں سے نکلی آہ یا بجلی کوئی چمکی + ‏ کہ محمل سے تڑپ کر لیلی محمل نشیں نکلی +

الہی کس شہید ناز نے سایا پتا لٹوایا ‏ کہ ننگے پاؤں فردوس بریں سے حور عین نکلی

نہ چوک وقت کو پاکر ہے بہار معشوق ‏ کبھی نہ امید نہیں جس سے جا کے آنے کی

بری ہے نہ قسمت الہی کسیکی + ‏ کہ جو سوجھتی ہے بری سوجھتی ہے +

شیرۂ انگور کو کرتی ہے آب آتشیں ‏ آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی

جب دوپٹہ سادہ اوڑھا تم نے دھانی ہو گیا ‏ واہ کیا تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی

جب چمن میں آ گیا مستوں کو ساون کا خیال ‏ ساونی گاتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

ہر روش پر ہے چمن میں اک پری ساغر بکف ‏ ایک دن یوں دیکھیں اے ساقی فضا برسات کی

ہجر میں سب بے مزا ہے وصل میں سب با مزہ ‏ فصل گرمی کی ہو یا جاڑے کی یا برسات کی

کون سنتا ہے کہ دعویٰ بھی مرا باطل ہے	اب تو قابو میں ہے جسکے یہ اوسی کا دل ہے

امین

(امین) میر علی نام۔ قوم سے سید اور شاہجہان آباد دہلی کے رہنے والے تھے۔ اخیر میں ایران کی طرف چلے گئے۔ طبقہ اول کے شعرا میں ان کا شمار ہے۔ اور یہ چند اشعار یادگار ہیں ؎

عجب کیا ہے جو تربت میری اک مخزن ہو پیکاں کا	کہ دل پر ہے جراحت اب تلک اُس تیر مژگاں کا
جلا دیویں قفس اور دام۔ آتش بار آہوں سے	اگر اک دم بھی صیاد دیوے حکم افغاں کا
جب او وہ دل لے کے چلے میں نے کہا آؤ کے پھر	ہنس کے یوں کہنے لگے جان دگر باقی ہے

امین

(امین) مرزا محمد اسمعیل ابتدا میں وحشی تخلص کرتے تھے۔ طبقہ دوم کے آخر شعرا میں گنے جاتے ہیں آدمی خوش فکر نیک اخلاق اور پاکیزہ رائے تھے کلام ملاحظہ ہو ؎

گلشن میں جب اُس گل کا وا بندِ قبا ہوگا	کیا جانیے بلبل کی پھر جان پہ کیا ہوگا
اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم	مکھڑا نظر آجائے لب بام کسی کا
نزاکت پر ٹک اُس دستِ نگاریں کے نظر کرنا	کہ گجرے سے گلوں کے ہاے جس کا مُڑ گیا پہنچا
لپٹ بادِ صبا کب طرۂ سنبل نے یہ پائی	خدا جانے کہ بوے زلف تو کس کی اُڑا لائی
کیا غضب تیری آن ہے پیارے	میری تو اُس میں جان ہے پیارے

امین

(امین) میر محمد امین نام ہے۔ مسٹر فیلن نے انہیں دکھنی لکھا ہے۔ اور مولف جلوۂ خضر نے بنارسی مگر قرین قیاس یہی ہے کہ انکا اصلی وطن دکن تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی حسان الہند کے شاگرد تھے۔ ان کی تصنیف میں سے ایک ساقی نامہ اور ایک مثنوی یوسف زلیخا زبان فارسی میں مشہور ہے۔ یوسف زلیخا کے قصہ کو دکھنی زبان میں بھی نظم کیا تھا اور ریختہ گوئی کی طرف بھی طبیعت مائل تھی۔ اگرچہ انکے اُردو کلام میں سے صرف دو شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا ایک شعر قبول عام کا رتبہ حاصل کر چکا ہے اس لئے ہم نے محض اُس مشہور شعر کی خاطر انکا ذکر اپنے تذکرہ میں مناسب جانا وہ شعر یہ ہے ؎

جی سے کہدو کہ آہ سرد کے ساتھ	ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

جان جاتی ہے مگر کچھ نہیں کہتے ہیں امیر
ان کو اس قاتلِ عالم سے محبت کیا ہے

امیر

(امیر) نواب میر حسن علی خاں حیدرآبادی - خوش باش جاگیردار ہیں - چالیس پچاس برس کے درمیان عمر ہے - آدمی نیک اور خلیق ہیں - شعر و سخن کی طرف بھی طبیعت مائل ہے ابتدائے عمر میں اصلاحِ سخن کسی اور شاعر سے لیتے تھے مگر اخیر میں نواب فصیح الملک مرحوم کو کلام دکھانے لگے تھے - داغ مرحوم کے خاص ہم جلیس دوستوں میں تھے - اکثر شبانہ روز اُنہیں کے مکان پر رہتے تھے حضرت داغ بھی ان سے یگانگت کا برتاؤ کرتے تھے طبیعت کا رنگ کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

آنکھوں میں رہے شوق سے دل ہو جو ناپسند
دنیا میں پھر ملے گا نہ ایسا مکاں کہیں

دل ہو گیا وا فتہ مرا ایک نظر میں
جادو ہے غضب چشمِ بتِ شعبدہ گر میں

سب رازِ جلی سرِ خفی اُس پہ ہویدا
پھر غور سے دیکھو تو نہیں کچھ بھی بشر میں

اللہ رے خم در پیچ تری زلفِ دوتا کا
بل کھا کے لپٹ جاتی ہے ناگن سی کمر میں

اے ہم صفیر تجھکو مبارک چمن کی سیر
ہم تو اسیر ہو گئے فصلِ بہار میں

کیونکر جنوں میں دشت نوردی نہ ہو پسند
پایا ہے آبلوں نے مزا نوکِ خار میں

جلا آئینہ کی گرد کدورت سے نہیں ملتی
صفائی ظاہری کس کام کی ہے دل مصفّا ہو

زادِ سفر کی خیر منا ؤ مسافرو
رہزن کھڑے ہیں گھات میں منزل کے سامنے

دم ہمارے جسم میں باقی نہیں
خون کی پیاسی تری تلوار ہے

ہو گیا ہے تا بِ بستر میں شریک
اسقدر لاغر ترا بیمار ہے

سہل ہے ملنا نگاہوں کا مگر
دل سے دل ملنا بہت دشوار ہے

ہو گئی اُن کو شکایت شکوۂ بیداد کی
کیا تماشا ہے وہاں فریاد ہے فریاد کی

شوقِ دیدار میں ہے سارا زمانہ بیتاب
اب تو چہرے سے نقاب اپنے اُٹھائے کوئی

سر بکف میں بھی ہوں اور تیغ بکف قاتل ہے
میری مشکل اگر آساں ہو تو کیا مشکل ہے

امین

(امین) خواجہ امین الدین عظیم آبادی - ملازم سرکار نواب ناظم مرشد آباد کچھ دنوں نواب مظفر جنگ سید محمد رضا خاں کے مصاحب بھی رہے تھے - علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ کے یار دیرینہ اور سنہ ۱۱۹۸ھ کے قریب تک زندہ تھے بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے - ان کی طبیعت کا رنگ کلام ذیل سے آشکار ہے ؎

دنیا میں جو اگر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا

مانندِ نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے
مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشاں کا

پردہ سے جو وہ شہرۂ ایام نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا

گالیاں جو دیں سو دیں - بس کیجئے
سن چکے ہم جب تلک مقدور تھا

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا
خاک میں سے - ملا دیا ہوگا

گالیاں غیر سے سناتے ہو
ہاں میاں! تم سے اور کیا ہوگا

جن مقصودِ دل ہے - اور وہی منظورِ آنکھوں کا
سرورِ سینہ میں اسکو کہوں - یا نورِ آنکھوں کا

کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا
کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا
فائدہ اسقدر رہانے کا؟

سخت کاوش میں ہوں بہ رنگِ نگیں[1]
ایسی نام آوری کا منہ کالا

خورشید تیرا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادرِ مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

ہمکو کیا گر بہار آتی ہے[1]
دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنے خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر

یہ نہیں جوہر نمایاں تیغِ تیزِ یار پر
کھد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیالِ زلف میں بے خواب و آرام ہے
رات ہوتی ہے امیں بھاری ہر اک بیمار پر

ڈر سے ترے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

اس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو پتنگ
بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے اپنے دو چار پر

[1] یہ دونو شعر خواجہ امین الدین خان آمین کے نام سے بھی تذکروں میں درج پائے گئے۔

کیوں شعلہ رخو مجھکو جلاتے ہو کہ سینہ	رکھتا ہوں میں گل خوردہ مثال پر طاؤس

امین

(امین) خواجہ قاضی محمد امین الدین خان خلف وحید الدین خاں۔ جو نجیب الدولہ کے عہد میں دہلی کے قاضی القضاۃ تھے۔ امین مرد صلاحیت شعار اور برگزیدہ اطوار تھے اور مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں دواخانہ کے داروغہ تھے۔ اپنے زمانہ کے اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۱۹۳ہجری تک زندہ اور مصحفی کے ہمعصر تھے چنانچہ اکثر انکے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چار اشعار بطور یادگار درج تذکرہ ہیں ؎

سخت کاوش میں ہوں برنگ نگیں	ایسی نام آوری کا منہ کالا
ہمکو کیا گر بہار آتی ہے	دل وہ غنچہ نہیں جو وا ہوگا
مل گیا ہوگا خاک میں جیوں اشک	تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا
کون آتا ہے یہ کس کے پانوں کی آواز ہے	ہر صدائے پا میں جس کی سو طرح کا ناز ہے

امین

(امین) نواب امین الدولہ معین الملک بہادر عرف مرزا مینڈھو خلف الرشید وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ صوبہ اودہ۔ بعض تذکروں میں ان کا خطاب امیر الدولہ ناصر جنگ لکھا ہے آپ توپ خانۂ شاہی کے منتظم نواب آصف الدولہ بہادر والئی اودہ کے بھائی اور حضرت شاہ عالم ثانی کے دلی رفیق تھے آپ کا اکثر دہلی میں قیام رہتا تھا۔ بہت خلیق صاحب ہمت اور نیک خو امیر تھے۔ غلام قادر روہیلے کے فتنہ و فساد سے پہلے دہلی میں اپنے مکان پر بڑے تزک و شان سے مشاعرہ کیا کرتے اور شعرا کے ساتھ ہر طرح سے سلوک ہوتے تھے مفصلہ ذیل اشعار سے آپکی طبیعت کی روانی کا اندازہ ہوسکتا ہے ؎

حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر	ہر شب ہے سوز آہ سے روشن چراغ دل
شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا	سینے میں اب تو خاک نپایا سراغ دل
کل جو ہم نے منبچہ کے ساتھ سیر دیر کی	لڑکھڑایا تھا ہی پا لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو جمع یہ سب چیز ہے	بل بے سمائی تری دل بھی عجب چیز ہے

تری نگہ کے جو ہو گئے مارے نہ مانگا ہوگا انھوں نے پانی
نہ ایسی دیکھی ہے تیغ ہمنے نہ ایسی دیکھی ہے آبداری

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بیقراری میں کٹی

رنگ چہرے کا زعفرانی ہے
عاشقی کی یہی نشانی ہے

کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھکو
ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے

جلوہ تیرے حسن کا کہاں ہے
یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے

رباعی

کیا شہر میں آج مجھ پر ہے ہولی
پھرتے ہیں لئے عبیر بھر بھر جھولی
وعدے سے کیا کروگے دل خوش کبتک
ہولی کا قرار تھا سو یہ بھی ہولی

کیا برا وقت تھا اس شوخ سے جب آنکھ لگی
جب تلک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی

حیات جاوداں بخشے ہے تیغ آبدار اس کی
اگر باور نہ آوے جا کے کھاوے جسکا جی چاہے

چشم گریاں کی دیکھئے خوبی
ساتھ اپنے مجھے بھی لے ڈوبی

یار بھی اب گلہ لگا کرنے
یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی

صبح اور شام سب بہانہ ہے
آیئے آیئے جو آنا ہے

زاہد کبھو تو گردنہ پھیر یو شراب کے
یاں آگ ہے چھپی ہوئی پردے میں آب کے

کیا چشم منعماں سے رکھیں مفلسان دہر
دریا نے تو بھرے نہیں کاسے حباب کے

رشک گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا
یار کے بھاویں تماشا ہے تماشہ یہ ہے

اُس ماہرو کے سامنے آتی ہے چاندنی
اپنے تئیں اب آپ ہنساتی ہے چاندنی

دو دن کی چاندنی ہے پھر آخر اندھیری رات
ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی

غیروں سے اختلاط ہماری بلا کرے
گر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے

دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے
پر ہے وہی بھلا۔ جو کسی کا بھلا کرے

(امین) حافظ محمد امین باشندۂ کانپور تاجر کتب کلکتہ۔ شاگرد شیخ عبد اللہ عرم کانپوری

یار کے مژگاں سے لڑجاتا ہے یوں تیرِ نگاہ
جس طرح تروار کوئی آ کے لگے تروار پر

آئی بہار ہو گئے ہر خارِ راہ سبز
لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہ سبز

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں
گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پیئے جاتا ہوں

جی نکلتا ہے یہ لب یاد میں ہلتے ہیں ترے
مرتے مرتے بھی ترا نام لئے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکرِ معاش
غم کو کھاتے ہیں امیں خونِ جگر پیتے ہیں

سرو پرا شنا پھول مت قمری
ہم بھی اک نونہال رکھتے ہیں

دل تو کیا ہے امیں جو آوے یار
جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بےچین رکھتا ہے دلِ افگار پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں

مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو
ملاقات تیری اگر کم نہ ہو

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے
پر اتنا بھی خلوت میں ہر دم نہ ہو

امیں کی غذا آرہی ہے یہی
الٰہی یہ خونِ جگر کم نہ ہو +

ہوئی ہے آشنائی جب سے اس نوش سے مجھ کو
جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہلِ ہوش سے مجھ کو

کیا کہیں دودِ آہ کی تاثیر +
گھر کا گھر ہے سیاہ مت پوچھو

مفت مارا گیا ہزار افسوس
تھا امیں بے گناہ مت پوچھو

دل باندھئے تو یار کی کاکل سے باندھئے
بلبل کو باندھئے تو رگِ گل سے باندھئے

خضر نے اک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی
مانگتے ہیں اب تلک اس سے حسابِ زندگی

کیا بھلا اس میکدے میں جی کسی کا شاد ہو
مر گیا آخر کو پی جس نے شرابِ زندگی

غیر سے کیونکہ وہ چھوڑے ملنا
چھوڑتا ہے کوئی اپنی بانی

جتنے تھے محفل میں تھا سب سے تپاک اور اختلاط
ایک ہم کمبخت گویا واں گنہ گار دل ہی تھے

پھر عمر گدائی میں بھی کرتے رہے شاہی
دنیا میں ہے جو ٹھاٹھ تمہی میاں ہے بنا ہی

تمھاری آنکھیں جو دیکھتے ہیں نپٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری
پر اسقدر ہیں یہ خون کی پیاسی - کہ یہ آنکھیں ہیں یا کٹاری

میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی - اور نواب فیض اللہ خان کے صاحبزادوں کے مصاحب رہے - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں دادِ سخنوری دیتے تھے - شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت جوان تھے ۵

چھا گیا گلعذار آنکھوں میں[۱]
کیا ہے پھولی بہار آنکھوں میں

مثل عینک کے اٹھ گیا ہے حجاب
تو ہی ہے وار پار آنکھوں میں

گر ستاوے گی یونہی تیری جدائی مجکو
کل موا آج اگر موت نہ آئی مجکو

پہنچے گا ہاتھ نہیں اپنا کبھی زلف تلک
خوب معلوم ہے طالع کی رسائی مجکو

اِن آنکھوں سے میں دیکھوں تیرا بھی جگر خوں ہو
اللہ کرے ظالم تو بھی کہیں مفتوں ہو

یہاں تک تو ہوئی ہے ناتوانی
کرنے لگی روح بھی گرانی

شاید کہ ہوا مرا جگر خوں
آتے ہیں جو اشک ارغوانی

ایک تہمت ہر آن رکھتا ہے
مجھ پہ تو کیا گمان رکھتا ہے

مت ستا دیکھ مان لے کہنا
اور کوئی بھی جان رکھتا ہے

مٹ چکا ہے یہ مثل نقش قدم
نام کو اک نشان رکھتا ہے

کل تو تھی ہی بہار کا فر پر
آج کچھ اور آن رکھتا ہے

ہو چکا انتظار تو ناحق
زندگی کا گمان رکھتا ہے

نہ شکوہ تیغ ابرو سے نہ رنجش تیر مژگاں سے
مری خاطر پریشاں ہے تری زلفِ پریشاں سے

خدا سے ڈر جھٹک مت رحم کر ہم خاکساروں پر
کہ رکھتے ہیں علاقہ کچھ تو ظالم تیرے داماں سے

نہیں مفتوں کسی پر انتظار اُسکی بلا جانے
کہ کیا گزرا دلِ نالاں پہ میرے دردِ ہجراں سے

مت اُٹھا ہاتھ مرے دل کی دوا ہونے دے
ہے یہ بیمار بہت اِس کو شفا ہونے دے

آہ و نالہ کا نہ مانع ہو کہ دل ٹوٹا ہے
توڑتا ہے جو تو شیشہ تو صدا ہونے دے

ڈرتے ڈرتے جو کیا دردِ دل اُس سے ظاہر
ہاتھ رکھ دل پہ مرے کہنے لگا ہونے دے

[۱] یہ شعر احمدی (صفحہ ۱۹۶) کے نام سے مشہور ہے - غالباً توارد ہوا ہو ۱۲

پہلے ثروت تخلص تھا - بعد میں امین اختیار کیا - زیادہ حال معلوم نہیں اشعار ذیل ہدیۂ ناظرین ہیں

صفائی ہاتھ کی قاتل جب ہی ہے
نہ خالی جائے کوئی وار تیرا

دوبارہ مانگا جب بوسہ تو بولے
لکھا کیا پتہ ہنسنے عمر بھر کا

حجاب یار کا کشتہ ہوں یارب
دھنواں پنہاں ہے آہِ جگر کا

عالم کا بھی خوں کر کے پشیماں نہیں دیکھا
بیرحم کوئی تجھ سا میری جاں نہیں دیکھا

جان آجائے تن بیجاں میں شاید ہمدمو
لے چلو میرا جنازہ کوئے جاناں کیطرف

انتخاب (**انتخاب**) نام باوجود تلاش گمنامی کی حالت میں رہا - آپ ایک خوش فکر نوجوان دہلی کے رہنے والے اور خاقانی ہند ذوق کے شاگرد تھے حضرت ظہیر دہلوی کی زبانی دو شعر سُنے وہی درج ذیل ہیں

اُنہیں سات پردے لگے وائے قسمت
ہوئے سامنے جب وہ آنے کے قابل

مجھے پہلے ہی مُنہ لگایا نہ ہوتا
اگر میں نہ تھا مُنہ لگانے کے قابل

انتظار (**انتظار**) علی نقی خاں خلف علی اکبر خاں دہلوی - شاہ آبرو و فغاں کے ہمعصر تھے - نواب علی وردی خاں کے عہد میں مرشد آباد بھی گئے تھے ۱۱۸۷ھ میں فوت ہوئے چار شعر حاضر ہیں

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ دل میں تیرے رحم
جو چاہے تجھسے یہ دل کامیاب ہو معلوم

وقف ہے خانۂ دل قصداً گر اُس کا ہے
کہدو ناوک سے کہ آبیٹھے یہ گھر اُس کا ہے

جو ہیں بہارِ گُل کی قفس میں خبر گئی
بلبل یہ سُنکے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی

کُنج قفس میں جا کے بناتا ہوں آشیاں
سیرِ چمن کی دل سے ہوس اسقدر گئی

انتظار (**انتظار**) حکیم عطاء اللہ قریشی شاگرد قدرت اللہ بیغ - انکے والد حکیم غلام رسول حکمت (بعد میں غمیں تخلص رکھ لیا تھا) بڑے جید عالم اور ایک خوش تقریر بزرگ کشمیری الاصل تھے اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی مصاحبت کی بدولت بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتے تھے کچھ دنوں نواب فیض اللہ خاں والئ رامپور کے یہاں بھی ملازمت کی - انجام کار دہلی میں انتقال کیا - انکے مورث محمد حسن فانی کشمیر کے شعراء مشاہیر میں گزرے ہیں - انتظار رامپور

دور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا کہیں صیاد کو
سر پٹک کہتے ہیں اپنے آب و دانہ کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ٹک تو فرصت دے کہ ہو لیں رخصت اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم

اب یہی احساں ہے جو ہرگز نہوں آزاد ہم
پھر چمن میں جائیں کیا منہ لیکے اے صیاد ہم

منہ ترا تکتے ہیں سب اقلیمِ حسن و عشق کے
تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم

دل تو ہے داغِ غلامی سے ترے طاؤس دار
سامنے قمری کے گو ہیں سرو ساں آزاد ہم

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا
عمر مانندِ شرر جب کر چلے برباد ہم

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام کارِ تمکنت
شکر ہے تڑپے نہ زیرِ خنجرِ جلاد ہم

کیوں بلایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی
دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

کل محیطِ عشق کے صدموں سے پائی تھی نجات
کشتیٔ دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی

ہر پری تمثال جوں آئینہ رکھتا تھا عزیز
ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو
دوستداروں کی محبت دشمنِ جانی ہوئی

نہ سُن تو پندِ واعظ کی جوانی ہو حُسن میں یکتا ہے
خدا حافظ ترا دوزخ بھی اک شرعی دھڑکا ہے

خاکساری پر نکر موذی کے ہرگز اعتبار
جونک پانی میں رہے تو بھی لہو پیتی رہے

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو
سوزنِ تقدیر بھی گر سو برس سیتی رہے

انجم

(انجم) نواب ہمایوں قدر سید محمد علی مرزا عرف امیر صاحب مرحوم۔ آخیر نواب ناظم بنگال نواب منصور علیخاں بہادر کے خلف الرشید اور والی حال مرشد آباد کے حقیقی چچا تھے۔ صورت ظاہری کے علاوہ جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف تھے خلق و مروت اور ہاشمی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ بعالم شباب ۱۳ ستمبر ۱۸۸۳ء کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا اور مرشد آباد میں دفن ہوئے

در قفس کا تو عبث بند کرے ہے صیاد	ہم گرفتاروں کو کب خواہش آزادی ہے

انجام

(**انجام**) عمدۃ الملک نواب امیر خاں صوبہ دار الہ آباد - خلف امیر الامرا نواب امیر خاں عالمگیری صوبہ دار کابل - اصلی وطن یزد واقع ایران تھا - انکے بزرگ ایران میں سلاطین صفویہ کے دربار میں ہمیشہ معزز و ممتاز رہے اور انکے والد عالمگیر کے عہد میں صوبہ داری کے منصب جلیلہ پر سرفراز تھے - اور یہ خود اپنے زمانے کے ممتاز اور معتمد امیروں میں گنے جاتے تھے - خلق - مروت سخاوت - اور سیر چشمی میں ضرب المثل اور نہایت بذلہ سنج شیریں کلام امیر تھے - آپ ۱۱۵۰ھ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز ہوئے - محمد شاہ بادشاہ کو ان سے ایسا اُنس تھا کہ خلوت و جلوت میں کسی وقت انہیں حضوری سے علیحدہ نہ کرتے تھے - اور انہوں نے بھی اپنی حاضر جوابی ادا شناسی اور نکتہ سنجی سے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا اور ایسا رسوخ پیدا کیا تھا کہ دیگر امرا کی نظروں میں خار کی مانند کھٹکتے تھے - انکی شوخ طبعی اور بذلہ سنجی کے اکثر لطیفے مشہور ہیں - اور فی الحقیقت آپ اُس رنگیلے دربار کی روح رواں تھے - فن سخن میں مرزا بیدل کے شاگرد تھے اُردو فارسی کے علاوہ ہندی زبان سے بھی واقفیت تھی چنانچہ پہیلیاں اور مکرنیاں اکثر کہا کرتے تھے - علم موسیقی میں آپ کو ایسا دخل تھا کہ اس فن کے اچھے اچھے اُستاد آپ کا نام سُنکر چکراتے تھے اور آپ کی خداداد ذہانت اور قابلیت کے قائل اور معترف ہوتے تھے افسوس کہ محفل خاص کی بے تکلفانہ صحبتوں میں آپ داب شاہی کا پورا پورا لحاظ نہ رکھ سکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے مخالفوں نے بادشاہ کے دل میں انکی جانب سے ایسی کدورت پیدا کردی کہ انجام کار اُنہیں کے ایما سے ۱۱۵۹ھ میں دیوان خاص دہلی کے صحن میں ایک غلام نے بضرب کٹار ان کا کام تمام کردیا - ہمراہیوں نے اُسیوقت اُس نابکار کو پکڑ کر کیفر کردار کو پہونچایا مگر بادشاہ نے اُس غلام کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھوایا - غم عمدہ آپ کی تاریخ وفات ہے دہلی میں روح اللہ خاں کی سرا کے قریب آپکا مزار ہے - شعرائے ریختہ گوئی ایک بیاض آپکی یادگار ہے جو راقم تذکرہ کی نظر سے بھی گزری - مختلف تذکروں میں جو کلام ملا اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے

راقم تذکرہ کے بڑے عنایت فرما ہیں۔ دیوان مطبوعہ سے جو اُنہیں کا عطیہ ہے کلام منتخب ہو کر زیبِ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ طبیعت کی رنگینی۔ معاملہ بندی اور صفائی روزمرہ کے ساتھ ساتھ اسلوب بیان قابل داد ہے۔ مذاقِ سخن آپ کو وارثتاً ملا تھا لیکن کبھی کبھی میر علی حیدر صاحب طباطبائی سے مشورہ بھی فرما لیا کرتے تھے کلام فصاحت التیام حاضر ہے ؎

یوں اُٹھتی ہے ہمارے دلِ ناتواں سے آہ
جسطرح سے چراغ دھُنواں دے بجھا ہوا

بیت الصنم کو چھوڑ کے کعبے کو جائیں کیوں
زاہد تو ہی بتا ہے وہاں کیا دھرا ہوا

بکھرے ہوئے بالوں میں بھی ہیں لاکھ ادائیں
اللہ کو ابھی میرے سنورنا نہیں آتا

ایک عالم کو کر دیا بیخود
میرے مستِ خمار کیا کہنا

دل میں سو چٹکیاں نہ لیتی تھیں
ایک نشتر چبھو دیا ہوتا

غیر سے الفت جو تھی مدِ نظر
پھر ہمیں کیوں آپ نے رسوا کیا

دوست اپنا نہ یار ہے اپنا
وہی پروردگار ہے اپنا

یہ بھی اپنا نصیب ہے ورنہ
درد تو لادوا نہیں ہوتا

دفورِ الفت میں ان بتوں کو بیاں کریں کیا کہ کیا بنجانا
گر بڑی خیر کی خدا نے کہ ہمنے اپنا خدا بنجانا

سینے کو چاک کر کے میری جان دیکھ لے
مجھسے سبب نہ پوچھ مرے اضطراب کا

کیا سیدھی نگاہوں نے تو بسمل
کرے گی دیکھئے ترچھی نظر کیا

جاتے جاتے لوٹ آئے آپ کیوں
لیجئے یاں دم میں دم پھر آگیا

تم ستاؤ کوئی اُف تک نہ نکالے مُنہ سے
مُنہ میں رکھتا ہوں زباں اور نہ بولے کیا خوب

وہ اور ستائیں گے زیادہ تمہیں انجم
گر کچھ بھی زباں سے کیا اظہارِ محبت

بیمار سے تیرے نہیں لیجاتی ہے کروٹ
آ آکے صبا اوسکو بدلواتی ہے کروٹ

کام آیا . وں کے نہ آیا مال و زر
منعمو بیجا ہے دولت پر گھمنڈ

حال کھلجائے زمانہ میں محبت کا مری
قاتلا تجکو مرے سر کی قسم اتنا تو کر

موزونیٔ طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی توجہ مبذول ہو جاتی تھی چنانچہ اشعار ذیل آپ کے طبعزاد ہیں ؎

کر گیا مجھکو وہ ظالم دمِ رخصت برباد
اب رہونگا میں یونہیں تا بقیامت برباد

اپنے مرنے کا ہمیں غم نہیں لیکن اے جان
ہم نہوں گے تو یہ ہو جائے گی صحبت برباد

جوشِ گریہ سے نمو تخم اثر کا نہوا
کر دی اس کثرتِ بارش نے زراعت برباد

ساتھ غیروں کے بجایا کرو کہنا مانو
کوچہ گردی سے ہوا کرتی ہے عزت برباد

کبھی ہوتا نہیں کوشش سے خلافِ تقدیر
ساری تدبیروں کو کرتی ہے یہ قسمت برباد

جان دی دینے وہ بولے مجھے بدنام کیا
یہ مثل وہ ہے گنہ لازم و محنت برباد

دل کو پہلو میں جگہ دی تو وہ دشمن نکلا
سچ ہے یہ خانۂ اخلاق و مروت برباد

پوری نہ سرگزشت کبھی آپ نے سنی
رہ جاتا ہے یہ قصہ مرا ناتمام روز

پردۂ محمل گرا دیتی تھی لیلی بدنصیب
جب کبھی جاتا تھا مجنوں دوڑ کر محمل کے پاس

انجم

(انجم) صاحبعالم مرزا آسماں جاہ بہادر خلف الرشید سلطانعالم واجد علیشاہ سابق تاجدار اودھ آپکی ولادت بزمانۂ سلطنت ۱۲۵۳ھ میں بمقام لکھنؤ واقع ہوئی - بحالت صغرسنی بادشاہ کے ہمراہ کلکتے گئے اور وہیں ساری عمر گزاردی باعتبار عمر شاہ مرحوم کی وفات کے موقع پر فرزند دائی تھے چنانچہ اسی لحاظ سے اپنے اور بھائیوں کی نسبت زیادہ وظیفہ پایا - یعنی ۱۱۰۰ ماہوار پنشن مقرر ہوئی صاحبعالم مرحوم کی شادی اپنے حقیقی چچا جنرل سکندر حشمت مرحوم کی صاحبزادی سے جو پرنس سر مرزا جہانقدر مرحوم کی حقیقی بہن تھیں ہوئی تھی - آپ کو علوم و فنون متداولہ میں اچھی مہارت حاصل تھی بادشاہ انھیں خاص طور پر عزیز رکھتے تھے - دربار گورنر جنرل میں بھی آپ کو پرائیوٹ انٹری کا اعزاز حاصل تھا - راقم تذکرہ کلکتہ میں دو مرتبہ فیضیاب خدمت ہوا تھا کمال نوازش فرماتی تھی - افسوس بمقام مونگیر ۱۴ - اپریل ۱۹۰۶ء کو ۵۳ سال تک دنیا کی ہوا کھا کر عازم سیر جناں ہوئے اور بھاگلپور میں دفن کئے گئے - کثیر العیال تھے - آپکے خلف اکبر صاحبعالم مرزا محمد مقیم بہادر

ہمیں جانکنی سے مفر ہو تو جانیں
دلا آج کی شب سحر ہو تو جانیں

کہاں وہ یار کہاں تو کہاں وصال اُسکا
یہ اور کیا ہے دلا گر خیال خام نہیں

آپ کیوں مجھ سے لیتے ہیں قسمیں
دل تو میرا ہے آپ کے بس میں

کب کہتا ہوں میں بوسہ تم دیکے چلے جاؤ
دل لیکے مرا بدلے بوسے کے چلے جاؤ

یہ خون بھرا دامن دیکھے نہ کوئی دشمن
تم پاس سے اب میرے لاشے کے چلے جاؤ

جاتے ہو جو کعبے کو جاؤ مگر اے انجم
یہ کس نے کہا تج کے گھر بار چلے جاؤ

اسی بیساختہ پن نے تو مجھے مارا ہے
اور ایسی کوئی تلوار لگاتے جاؤ

نام قاتل اگر خدا پوچھے
کیا بتاؤں مجھے بتا دے تو

در بدر ہوں تلاش میں تیری
راہ سے اب مجھے لگا دے تو

مر کے باقی رہا نشان تو کیا
اے صبا خاک تک اڑا دے تو

اپنے در سے اگر اُٹھاتا ہے
دوسرا کوئی در بتا دے تو

کعبۂ دل میں گھر بنایا ہے
ہو گئے بُت بھی باخدا اب تو

جو مسیح آئے بھی تو کیا ہوگا
ہو گیا درد لا دوا اب تو

دیکھ لو کیسی ہوتی ہے چاہت
دل کسی سے ذرا لگاؤ تو

ناصحا جی نہ جلا میرا ہوا خواہی سے
ناحق آبیٹھا دلی آگ کے بھڑکانے کو

ہے غضب ظالم اُسے تو بھولجائے
مرتے دم تک جو تجھے بھولا نہ ہو

عالم بیخودی میں جا کر ہم
کیا کہیں دیکھ آئے کیا کیا کچھ

کھیل گئے کیوں جان پہ انجم ایسی ابھی کیا دنیا دیکھی
مرنے لگے خوبانِ جہاں پر تیری میری دیکھا دیکھی

ایک ذرا سے حشر پہ واعظ اُس کو ڈرانا اللہ اللہ
جس نے بتوں کی گلی میں برسوں روز قیامت بپا دیکھی

آنے کا آپ نہ یہ وعدہ جو کر جاتے
کیوں ہم پڑے سسکتے مدت کے مر جاتے

یہ عشق بتاں غضب نہ ڈھائے
کافر نہ کہیں ہمیں بنا دے

ہاتھ ٹوٹیں جو چھوا بھی ہو ہاتھ سے
دلِ بیتاب کو تسکیں تو ہو
ہے آپ سا کوئی تو بتا دیجیے ہمیں
میں بھی نہ بولونگا اب تسے خدا کی قسم

دُکھ گئی ان کی کلائی کیونکر
ندے بوسہ مگر اقرار تو کر
جائیں کہاں ہم آپکے صاحب قدم کو چھوڑ
دیکھوں تو رہتے ہو تم مجھسے خفا کب تک

ضرور ڈھائے گا کوئی آفت ضرور فتنہ بپا کریگا
یہ تیرا اٹھکیلیوں سے چلنا جھکا کے گردن اٹھا کے آنچل

دل تو میرا لے لیا دے کے دم
اُس پہ کہتے ہو نہیں دمساز ہم

کیا خفا مجھ سے ہوئی جو آپ نے
کر دیا موقوف آنا یک قلم

نہیں صاحب یہ اچھا روز کا عذرِ فراموشی
کرو پھر وصل کا وعدہ گرہ دو پہلے آنچل میں

ابھی سے دلکو اے انجم چکھا دی درد کی لذت
یہ کیسا قہر ڈھایا گھُن لگایا اُٹھتی کونپل میں

یوں تو خفا گے فضل سے کہنے کو کیا نہیں
بُرا تو نہیں تو جینے کا اپنے مزا نہیں

اگر یہی ہے تلون اُنکا خدا ہی ہے وعدہ ہو جو پورا
کہا تھا کل آج وصل ہوگا وہ آج پھر کل پہ ٹالتے ہیں

کسیلئے انجم؟ نہیں سکھاتے تو ہیں نیا رنگ آج لاتے
کہ چُپکے بیٹھے ہیں سر جھکائے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں

جدھر دیکھتا ہوں اُنہیں کا ہے جلوہ
وہ نظروں میں ایسے سمائے ہوئے ہیں

اگر انصاف سے پوچھو تو انجم دونو حق پر ہیں
یہ ہے بیکار کا جھگڑا پڑا اکبر و سلماں میں

نخلِ امید بارور نہوا
سینے فرقت میں آہیں کیں دو چار
روا نرکھ کہ جہاں میں ذلیل و خوار ہوئیں

پھول آئے نہ پتیاں آئیں
لوگ سمجھے کہ آندھیاں آئیں
جو ہوں سو ہوں یہ ترے در کا خاکسار تو ہیں

خدا خدا کرکے آئے بھی تو وہ منہ لپیٹے پڑے ہوئے ہیں
نہ کہتے ہیں کچھ نہ سنتے ہیں کچھ کسی سے جیسے لڑے ہوئے ہیں

ہاں بھلا کس طرح وہ منہ سے کہیں
جب کہا مینے تم پہ مرتا ہوں
مانگا بوسہ تو بولے جھنجلا کر

اُنکے سر پہ تو ہے سوار نہیں
ہنس کے بولے کہ اعتبار نہیں
کہہ چکے ہم ہزار بار نہیں

کسیکا نام بڑا ہو کسیکی ذات بڑی | بڑائی جس کو خدا دے اُسی کی بات بڑی

ظلم سے ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو | جان جانے میں اب رہا کیا ہے
بے پڑھے خط کے آگیا غصہ | دیکھ تو لیجیئے لکھا کیا ہے
درد ہو تو دوا کرے کوئی | عشق گر ہو تو کیا کرے کوئی
تم نہ مانو تو دل کو سمجھا لے | دل نمانے تو کیا کرے کوئی
باوفا سے سبھی نباہتے ہیں | بے وفا سے وفا کرے کوئی
بُت بھی انجمؔ کہیں ہوئے ہیں خدا | کہنے کو یوں کہا کرے کوئی

مراد تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں میں | نگر گدا ترے در کا گدا بھی شاہ بھی ہے
جو عاشق نہ سمجھو تو اتنا تو سمجھو | تمھارے لئے کوئی رُسوا ہوا ہے

انجم

(**انجم**) نواب سید بہادر حسین خاں انجمؔ نیشاپوری ابن نواب سید حسین خاں رسالدار بن نواب افتخار الدولہ امتیاز الملک سید احمد علیخاں عرف نواب میر آفتاب داماد ہمشیرۂ نواب منتظم الدولہ وزیر نصیر الدین حیدر - فن شاعری میں ان پر میر نواب صاحب مونسؔ لکھنوی نے سات برس تک بہت ریاضت کی اور جملہ نکاتِ شاعری بڑی دلسوزی و توجہ سے انکے ذہن نشین کیئے اُنکے انتقال کے بعد آپ نے تدبیر الدولہ حضرت اسیرؔ سے تلمذ اختیار کیا وہ بھی نہایت توجہ سے آپ کا کلام درست فرمایا کرتے تھے - آپ ذاکر بھی ہیں اور مرثیہ بھی پڑھتے ہیں - مرثیہ گوئی میں اچھا دخل رکھتے ہیں - صورتِ معاش یہ ہے کہ گھر سے آسودہ ہونے کے علاوہ آپ امام باڑہ حسین آباد میں بزمرۂ ذاکران وظیفہ خوار ہیں - شبانہ روز شاعری کا مشغلہ ہے - اب ۱۳۲۵ھ میں آپ کی ۴۵ برس کی عمر ہے - عرصۂ دراز سے آپ کو فوٹوگرافی کا شوق ہے چنانچہ اس فن میں کثرت مشق سے دستگاہ کامل بہم پہنچائی ہے - دیوان جسمیں غزلیات کے علاوہ چند مراثی اور سلام بھی ہیں ہنوز مرتب نہیں ہوا - ایک مثنوی موسوم بہ پرستان خواب بھی چار ہزار بیت کی آپکی تصنیف ہے مقامی مشاعروں کے ماسوا آپ بیرونجات کے مشاعروں میں بھی بڑے شوق سے

یا نام نہ رکھ مسیح اپنا — یا دردِ جگر مرا مٹا دے

خاک میں ہمکو ملا رکھا ہے — کچھ ابھی اور اُٹھا رکھا ہے

شوق سے تو پیش کر دامن کے پرزے حشر میں — ہم بھی ٹکڑے دل کے لائے ہیں دکھانے کیلئے

میری بگڑی ہوئی بنا ورنہ — کارسازی میں فرق آتا ہے

ہوئی خیر آیا نہ دیوانہ تیرا — قیامت میں کیا کچھ قیامت نہوتی

حقیقت میں تفاوت کچھ نہیں شیخ و برہمن میں — سنا ہے ہمنے بھرتے تیرا دم اِسکو بھی اُسکو بھی

پُرسش روز قیامت سے ڈرایا تو کہا — ہم جو چاہیں تو وہاں بھی نہ ملے داد تجھے

لے کے دل پھیرتے ہو ایں گلِ دیگر شگفت — پھینکدو چاہو جہاں لو واہ واہ اچھی کہی

سینے کہا مر جاؤں گا فرقت میں تمہاری — جھنجلا کے وہ بولے کہیں جھگڑا چکے مر بھی

کچھ کسیکا گلہ نہیں انجم — دل ہوا اب سے اپنا دشمن ہے

تو اُسکی یاد نہ دل سے بھلائیو انجم — اگر وہ بھول گیا ہے تو بھول جانے دے

یا الٰہی بھرے نہ زخم جگر — میرے قاتل کی یہ نشانی ہے

بیمارِ محبت ہوں میں بیکار دوا ہے — خاکِ درِ جاناں ہی مجھے خاکِ شفا ہے

جفاؤں سے تری بھرتا نہیں دل — تڑپنے میں مزا کیا جانے کیا ہے

بہت چاہا نہ بولوں یار تجھ سے — مگر ظالم یہ دل کب مانتا ہے

روز تم بیٹھے کھلاتے ہو شگوفے تازے — یہ تو بتلاؤ تمہیں اور کوئی کام بھی ہے

یہ صورت اور یہ بھولی بھولی باتیں — تمہیں بتلاؤ پیار آئے نہ آئے

کسے تھی جان دو بھر اپنی ایسا کون بیدل تھا — خدا جانے جہاں میں عاشقی ایجاد کی کس نے

سچ تو کہتے ہو بھلا کیونکر نہ جانو تم غلط — جب غلط ہو جائے دل کا غم تمہارے سامنے

یہ بھی نہ پوچھا تمنے انجم جیتا ہے یا مرتا ہے — واہ جی وا عاشق سے کوئی ایسی غفلت کرتا ہے

نئی جوانی نئے نویلے نادان الھڑ اور البیلے — سچ پوچھو تو تمکو صاحب دل دیتے جی ڈرتا ہے

دل جلاتے ہیں وہ ابرو تو بجھا بھی دینگے
اُسکا بلبل ہوں جو خوشبو پنہ بھی کرتا ہے ستم
اور اندھیر کیا قبر پہ تم نے آکر
پس گیا خاک ہوا آہ نکی واہ رے دل
مے واعظا حرام ہے پھر کیا کرے کوئی
پردہ دوئی کا دیدۂ مجنوں سے اُٹھ گیا
دیوانگانِ عشق کی بخشش عذاب ہے
سب روزِ حشر تشنۂ دیدار جمیع ہیں
اللہ نے جہاں میں سب کچھ مگر نہ دے
اللہ رے دردِ شوق کہ پھر عرضِ حال ہے
توفیق اپنی اپنی ہے انجم شبِ وصال
شرم کس سے آرہی ہے آپ ہی تو یاں ہیں ہم یہاں
حلق تک دم آچکا ہے اشتیاقِ دید میں
یہاں سے قابضِ ارواح جائیں دشمنوں کے گھر
پسینے میں نہ کیوں لہرائیں زلفیں روئے رنگیں پر
ہمارے داغِ دل مٹتے ہیں اُٹھتی ہے نقاب اُسکی
تمھیں بھی کچھ محبت آزمائی ہے دمِ رخصت
رو رہا ہوں میں شبِ ہجر جو اے نخلِ امید
وائے میرے حال پر گھر ہیں ترے ویرانہ ہے
نیند وقتِ ذبحِ قاتل آ ہی جاتی ہے مجھے
واعظا ہم کو غمِ دنیا و عقبیٰ سے معاف

کہ جہاں آگ ہے پانی بھی ہے تلوار وں میں
پھول بھی چھید کے گوندھے گئے ہیں ہاروں میں
بال کیوں کھول دئے میرے عزاداروں میں
مرحبا بارِ محبت کے اُٹھانے والے
کیونکر تلافیٔ غمِ دنیا کرے کوئی
یوں ہو سکے تو الفتِ لیلےٰ کرے کوئی
پیدا کہاں بہشت میں صحرا کرے کوئی
اب تو وفائے وعدۂ فردا کرے کوئی
وہ دل کہ جسمیں تیری تمنا کرے کوئی
سو بار سن چکا ہوں کہ "پھر کیا کرے کوئی"
ہم تو دعائیں دیتے ہیں کوسا کرے کوئی
دل کے آئینے سے آنکھیں چار رہنے دیجئے
اب چھُری کا کام ہے تلوار رہنے دیجئے
وہ آ بیٹھے تو مرنے کی ہمیں اب کیا ضرورت ہے
یہ جوڑا سانپ کا ہے جا بجا شبنم نکلتا ہے
ستارے ڈوبتے ہیں تیرا اعظم نکلتا ہے
ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیونکر دم نکلتا ہے
پانی دیتا ہوں ترے پھولنے پھلنے کیلئے
ہائے اُسکا بخت جسکا تو چراغِ خانہ ہے
تیرے خنجر کی زباں پر کون سا افسانہ ہے
رند ہیں تو بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

شرکت فرماتے ہیں۔ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی میں فرد ہیں۔ خوش فکر اور طباع شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مفصلہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے ؎

عبث وہ شاد ہوئے توڑ کر ہمارا دل
کہ آئینہ تھا انہیں کی یہ خود نمائی کا

نہ ذکرِ خلد خراباتیوں میں کر اے شیخ
اُنہیں یقیں کہاں اِس سُنی سُنائی کا

میدانِ حشر گو کہ نہایت وسیع تھا
دیکھا تو سب تمہارے شہیدوں سے پٹ گیا

انجم فراقِ یار میں تڑپو نہ اسقدر
مر جاؤ گے جو زخم کلیجہ کا پھٹ گیا

وہ کیوں کھڑے ہیں قیامت میں سر جھکائے ہوئے
کہ عشق میں جو کیا وہ قصور میں نے کیا

دیکھا جب اُس صنم کو کیا کہیے حال کیا تھا
ایمان کی تو یہ ہے اسلام کا خدا تھا

شکرِ خدا جو مُنہ سے نکلا قصور کیا تھا
میری زبان کا خوگر شکوۂ جفا تھا

خود حال پوچھ کر وہ بگڑا ہے اُف رے ظالم
یہ کیوں کہا کہ میں تھا اور رات بھر خدا تھا

کیوں نظر ہے طرفِ گنجِ شہیداں قاتل
وہ بھی بستی کہیں ہو جائے نہ ویراں قاتل

لبِ ہر زخم پہ اب آگئی ہے جاں قاتل
اِک چُھری اور پلٹ کر ترے قرباں قاتل

زندہ نہیں جب رہے نہ بتوں کی جفا سے ہم
پھر موت کس امید پہ مانگیں خدا سے ہم

قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دعا سے ہم
کتنا بڑا ہے عرش اور اتنے ذرا سے ہم

واں کیا ہے خوفِ حشر جہاں یہ خیال ہے
کچھ کم نہیں ہے فتنۂ روزِ جزا سے ہم

وہ بحرِ غم میں کشتیٔ دل کیا ڈبوئیں گے
سر پر خدا نہ ہو تو ڈریں ناخدا سے ہم

آتے ہیں لاش پر وہ منانے کے فکر میں
اب کچھ او نہیں دکھائی دئے ہیں خفا سے ہم

تری درد کا دلِ مبتلا تپِ غم علاج میں کیا کروں
نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

بال کھولے تم سوئے گورِ غریباں کیوں گئے
اور بھی روحیں اندھیرے میں پریشاں ہو گئیں

یاں بھی آنکھیں پھر گئیں اب کیا غرض ہے نزع میں
ہم بھی بیٹھے ہیں جو برگشتہ وہ مژگاں ہو گئیں

بن گئیں بد مستیاں آخر پسینہ شرم کا
چھن گئیں جب کفر کی باتیں تو ایماں ہو گئیں

پاک گوہر آہ نواب بہشت آرام گاہ* نواب صاحب بعد غدر کچھ دنوں نظر بند بھی رہے تھے ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی اور اُسمیں منیر شکوہ آبادی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ انکے صاحبزادے نواب سید مہدی علی نے انتخاب کلام اساتذہ معروف بہ بہارستان اشعار سنہ ۱۲۹۱ھ میں شائع کیا تھا۔ اُسمیں سے چند شعر منتخب ہوکر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ؎

زندگی میں مری تعریف نہ کر اے ہمدم	ہاں مگر بعد فنا دیکھ کر انجام بخیر
بند ہوتے تو ہر اک جلسہ میں ہوجاتے غزل	لطف دُنیا ہی گیا زہد کی پابندی سے
اب خدا جانے کہ اس بت کو اکیلا پاکر	غیر کیا کیا مری جانب سے لگاتے ہونگے
احتیاط اتنی تو اے زاہد ناحق نہ کرو	ہندو کس کے ہیں بتاؤ یہ مسلماں کس کے
دل اُلجھتا ہے جو ہر شب نہیں معلوم انور	یاد آجاتے ہیں گیسوئے پریشاں کس کے

(انور) سلطان الشعرا سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا مرحوم دہلوی - آپ سید جلال الدین حیدر مرصع رقم خوشنویس و اُستاد ابوظفر بہادر شاہ ثانی کے خلف اصغر اور فخر اساتذہ مولانا ظہیر دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے - انور مرحوم بڑے ذکی اور طباع شاعر تھے - اوائل مشق میں خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق سے استفادہ حاصل کیا - اُنکے انتقال کے بعد مرزا غالب سے مشورہ لیتے رہے طبیعت نہایت دقت پسند اور مضمون خیز واقع ہوئی تھی - کلام کی شوخی خیال کی چلبلاہٹ - فکر کی رسائی - روزمرہ کے نئے نئے سنسالوٹ فریفتگان سخن کے دماغ میں عجیب سرور اور عاشق مزاجوں کے دلوں میں غضب کا درد پیدا کرتے تھے - جو شعر دیکھو پھڑکتا ہوا - حسن خیال - بلندیٔ مضمون پر نظر ڈالو تو ایک خوش آیند حیرت پیدا ہوتی ہے - اس جوان طبیعت کو خدا نے وہ مضمون آفرینی بخشی تھی کہ شعر سُنکر بوڑھوں کے ٹھٹھرے ہوئے دلوں میں عشق کی اُمنگ پیدا ہوجاتی تھی - افسوس ہے کہ اس جوان مرگ نے عالم شباب میں اپنے دائمی جدائی کا داغ دیا - اگر آج انور زندہ ہوتے تو ہر جگہ انکا ہی نور جھلکتا نظر آتا اور انکے سامنے کسی کا چراغ روشن ہونے پاتا - مگر اس مرحوم کا کلام اس ناپرسی اور ناقدری کے

انجم

(انجم) شیخ ذاکر حسین انجم رئیس نمازیپور۔ آپ کو غالباً حضرت تمشاد سے تلمذ رہا ہے۔ ۴۰ برس کے قریب عمر اور یہ نمونۂ کلام ہے ؎

قتل گہ میں عجب تماشا تھا
وہی قاتل وہی مسیحا تھا

تو ہے گلِ خوشرنگ گلستانِ زمیں کا
یا پھول ہے کوئی چمنِ خلد بریں کا

میخانہ کہاں اور کہاں حضرتِ واعظ
کچھ اور ارادہ تو نہیں قبلۂ دیں کا

پوچھو نہ کہ جاتا ہے کہاں رہروِ ہستی
جس شہر سے آیا ہے ارادہ ہے وہیں کا

تو اپنے آشناؤں سے ناآشنا نہ ہو
قطرہ سے بحر بحر سے قطرہ جدا نہیں

تلوار سے ڈرنے کے نہیں عاشقِ جانباز
کچھ تیز نہیں ابروئے قاتل کی چھری سے

اے آبِ دمِ تیغ ذرا پیاس بجھا دے
بیتاب ہے جانباز کوئی تشنہ لبی سے

انداز

(انداز) میر غلام حسین خلف میرزا ہدایت علی گورگانی۔ علم موسیقی و مرثیہ خوانی میں کامل تھے فنِ سخن میں خاقانیٔ ہند ملک الشعرا ذوق مرحوم سے مستفید ہوئے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال فرمایا انتخابِ کلام ملاحظہ ہو ؎

دیکھئے آگے آگے کیا ہووے
دل لگی میں تو ہے ابھی سے رنج

جو وہ جفا کی اُسکے شکایت کریں تو کیا
سو شوخیاں نکلتی ہیں جسکے حجاب میں

انداز یادِ عارضِ جاناں میں روز و شب
سلگی ہے آگ سی دلِ خانہ خراب میں

خزاں ہوتی نہ دامن گیر گل کی......
نہ دن برگشتہ گر بلبل کے ہوتے

نہ بہکاتے اگر اغیار اُن کو
تو کیا کیا عیش پھر مل جل کے ہوتے

نیم بسمل مجھے رکھنے سے تمھیں کیا حاصل
ایک ہاتھ اور بھی خنجر کا لگاتے جاتے

تیور آج اور نظر آتے ہیں اُن کے ہمدم
خیر کچھ چلکے ہی چلکے ہیں بڑھاتے جاتے

انداز

(انداز) حافظ نظام احمد صاحب انداز خلف منشی نیاز احمد صاحب مرحوم تعلقدار میرپور حسن گنج آپکے دادا منشی کرم احمد خیرآبادی سسر ڈپوڈ اختر لونی رزیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے۔

حضرت ظہیر اور انور کی متحد سعی و کوشش کا نتیجہ ہے خوشنویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے معظمی و محترمی شمس العلما مولانا حالی نے راقم کی تحریک سے جو تقریظ انکے دیوان پر لکھی ہے قابلِ دید ہے - اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری صورت کو دیکھا اور آنکھیں کھل گئیں کیا کیا
نظر آیا جمالِ صنعِ حسن آفریں کیا کیا

اجل ہے سر پہ تو بھی زیست کا ساماں نہیں کیا کیا
اُمیدیں رکھتی ہیں دل کو مرے اندوہگیں کیا کیا

نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا
پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا

کیا غماز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے
زباں بنکر کہے دیتا ہے چاکِ آستیں کیا کیا

ترے کوچہ میں ہر ہر نقشِ پا پر سجدہ کرتا ہوں
ملاتا خاک میں ہے مجھکو یہ شوقِ جبیں کیا کیا

ترے آنے کی سُنکر ساتھ ہی آنکھوں میں دم آیا
مگر سرگرم استقبال ہے جانِ حزیں کیا کیا

دوچار اس چشم سے ہوتے ہی اک چُپ لگ گئی گویا
خدا جانے نگاہیں چپکے چپکے کہہ گئیں کیا کیا

نہ لب پہ ہو ذکر مہر و کیں کا نہ دیکھے اک اشک منہ زمیں کا
وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

وہ جلوہ رخسارِ آتشیں کا وہ عکسِ برتاب اُس جبیں کا
یہ صاعقہ رختِ کفر و دیں کا چراغ وہ خلوتِ یقیں کا

کہیں سرِ طور جلوہ افگن کہیں درِ دیر ان سے روشن
وہاں تو ہو جائے جائے مسکن ہمیں تو رکھا نہیں کہیں کا

یہ طعنہ کم ہے کہ بے دہن ہو یہ شرم کیسی کہ چپکے بیٹھو
زبان کو دشنام ہی پہ کھولو دہن تو ہو بند نکتہ چیں کا

نظر ہے یاں تیرے اوجِ شاں پر فغاں ہے برپا کیا جو محشر
کہ سر پہ کوچہ تیرا اُٹھا کر بنا دیا آسماں زمیں کا

جو کیجے اظہار مطلب اُن سے تو چاہیے پہلے مدح کرکے
یہ مستِ مدہوشِ حسن کیجے کہ ہوش باقی نہ ہو نہیں کا

پی بھی جا شیخ کہ ساقی کی عنایت ہے شراب
میں ترے بدلے قیامت میں گنہگار رہا

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیوں رکھتا
یہ بھی اک بے خبری تھی کہ خبردار رہا

خدنگِ نگہ دل کُشا ہو گیا
ستم قابلِ مرحبا ہو گیا

محبت میں بھی کیا سے کیا ہو گیا
ستم عاشقوں کو وفا ہو گیا

بشر ہیں نہ کھائیں تو کیونکر جئیں
غم و غصہ میری غذا ہو گیا

زمانے میں بھی انصاف پسند طبائع کو اپنے کمال کا معترف بنائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اسقدر دقت پسند اور نازک خیال ہونے کے باوجود مشاقی اور پرگوئی کا یہ عالم تھا کہ کیسی ہی مشکل زمین کیوں نہو تعداد اشعار میں کمی نہ آتی اور ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح سے ادا کرتے۔ اکثر مشاعروں میں مصرع طرح پر سہ غزلہ اور چو غزلہ کی نوبت آجاتی۔ جس بحر اور جس قافیے میں مضمون کی گنجائش ہوتی اُسی میں کوئی مضمون نکال کر دکھا دیتے۔ غدر سے دس برس بعد جو دلی میں مشاعرے کا سلسلہ ہوا تھا اُس کی روح رواں انہیں کہنا چاہئے۔ حضرت داغ۔ مولانا ظہیر۔ حالی۔ مجروح۔ سالک۔ عزیز۔ آیشہ۔ مشتاق۔ ان مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن دیا کرتے تھے۔ ثقات سے سنا گیا ہے کہ اکثر یہی ہوا کہ انکی غزل سب پر فوق لے گئی۔ حکیم مومن خاں صاحب مومن نے خیال گوئی کی جو ایک خاص طرز ایجاد فرمائی تھی جسکا اُنکے زمانے ہی میں شہرہ ہو گیا تھا اگر اُسکے موجد مومن خاں تھے تو پورے پورے مقلد حضرت انور۔ اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو جیسا انکی طرز کو حضرت انور نے نباہا ہے اور کسی سے نہ بن پڑا اسیطرح مرزا غالب کی استعارہ بالکنایہ کی خوش اسلوب ترکیب کی تقلید انور مرحوم کے برابر کسی سے نہیں ہوئی۔ الغرض ذوق۔ غالب۔ و مومن کے جداگانہ طرزوں کو سمو کر مرحوم نے ایک رنگِ خاص ایسا ہر دلعزیز پیدا کیا تھا جو سب کے دلوں میں نقش ہو گیا۔ حضرت انور کو افکار زمانہ نے نہایت تکلیفیں پہنچائیں۔ دستبرد غدر سے ایسے پریشان ہوئے کہ ترک وطن کر کے جے پور جا رہے اور وہیں ۴۸ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انکے دو مکمل دیوان تلف ہو گئے۔ جنمیں سے ایک تو خاص حمد و نعت اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا مولف تذکرہ نے بڑی محنت اور مشقت سے متفرق و پریشان مسودوں سے ایک دیوان مرتب کر کے چھپوایا ہے۔ مگر یہ اُنکے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں ہے اور اسمیں بیشتر ایسا کلام ہے جو نظر ثانی سے محروم رہا۔ یہ بھی امر قابل ذکر ہے کہ اُستاد ذوق کے مروجہ دیوان کی اشاعت میں انور مرحوم کا نام شکریہ کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ دیوان حافظ ویران

ہائے کیا کیا نہ وہ اس گریہ پہ نازاں ہوگا ۔ جس کی آنکھوں پہ ترا گوشۂ داماں ہوگا

تم کبھی وعدہ سے پھر جاؤ کہ ہو جاؤں تمام ۔ ہو اگر پھرنے میں میرے حلق پر خنجر خراب

تم آج ہی چل پھر کے مٹا دو نہ یہ جھگڑا ۔ کیوں کل پہ رکھو شورشِ غوغائے قیامت

وہ دن گئے کہ مصر کو پہنچا کوئی بخیر ۔ تم ورنہ آفت رہِ صد کارواں ہو آج

کوئی تڑپے نہ کیوں تاب و تواں تک ۔ نہ پوچھیں گے نہ دیکھیں گے کہاں تک

دل کے کھوٹے ہیں سب یہ سیم اندام ۔ خوب ہم آزمائے بیٹھے ہیں

حسن نظارہ سوز ہے پردہ ۔ گو وہ پردہ اٹھائے بیٹھے ہیں

تجھ سے دل کا غبار مٹ نہ سکا ۔ اپنے کو ہم مٹائے بیٹھے ہیں

پامال اک جہاں ہے اور نقشِ پا نہیں ۔ کھلتے ہی کچھ یہ معنئ ناز و ادا نہیں

گو سب رہا ہوئے کوئی قیدی رہا نہیں ۔ ہوں وہ اسیر شوق کہ دل چھوڑتا نہیں

اپنے خدا سے وصلِ صنم مانگتا ہوں میں ۔ ناصح نہ مر کہ تجھ سے تو کچھ مانگتا نہیں

دوزخ پہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست ۔ گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں

دل ہم نہ دیں گے اور کسے دینے کیواسطے ۔ یہ تو نہ ہوگا اور کبھی حاشا ہوا نہیں

تکلیفِ دست و بازوئے قاتل کا فکر ہے ۔ قاتل سے دعوئے دیت و خوں بہا نہیں

بسم اللہ کہہ کے کود پڑوں بحرِ عشق میں ۔ کشتئ و ناخدا نہ سہی کیا خدا نہیں

قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں ۔ وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں

جور پر جور جفا پر وہ جفا کرتے ہیں ۔ اس پہ بھولے ہیں کہ ہم یاد کیا کرتے ہیں

موت کیا چیز ہے ہنگامِ قلق ہم دل پر ۔ جان کو صدقے پئے دفع بلا کرتے ہیں

کچھ کچھ وہ چھیڑ لطف کی کم کم عتاب میں ۔ جی ہے امید و یاس سے کس کس عذاب میں

دریائے جرم ہو تو سکھا دے ہوائے عفو ۔ تر دامنی مری ہے وہاں کس حساب میں

دیکھے گا جو رہے گا زمانے کے انقلاب ۔ مرتا ہوں اس نگاہ کے اک انقلاب میں

شبِ غم میں کس کس کی ہو روک تھام
جو دلِ من گیا دم خفا ہو گیا

محبت یہاں جسقدر بڑھ گئی
وہ اُتنا ہی نا آشنا ہو گیا

دیکھا جو بعدِ مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا
بدلے فنا کے ملکِ بقا کچھ گراں نہ تھا

کیسی حیا کہاں کی وفا پاسِ خلق کیا
ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا

کچھ اپنے دل کے ولولے کچھ زاہدوں کی ضد
سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا

حسنِ جہاں فروز سے جس جا نہ تھے وہ تھے
میں بے نشانیوں سے جہاں تھا وہاں نہ تھا

مرتا ہوں یوں کہ کیوں نہ رہا دل میں تیرِ یار
آرام جان تھا کوئی آزارِ جاں نہ تھا

خالی در اُن کا پایا تو دل وہم سے رُکا
تھا پاسباں ہیں آپ جو واں پاسباں نہ تھا

کوئی اک گردش تو ہو ایسی بھی ہاں اے چشمِ یار
شیخ پوچھے مجھ سے رستہ خانۂ خمار کا

لے چلو واعظ کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھائے میکشو
پاسباں چل کر بنا دو خانۂ خمار کا

جان سننے والوں کی واعظ لبوں پر آ گئی
واہ کیا کہنا ہے حضرت آپ کی گفتار کا

ملتی ہے آخر کو کچھ کیفیتِ سوز و گداز
صاعقہ حصہ ہے پہلا طالبِ دیدار کا

اللہ رے فرطِ شوق اسیری کہ شوق میں
پہروں اُٹھا اُٹھا کے سلاسل کو دیکھنا

تقلیدِ خاکساری ہوتی ہے خاک ہو کر
مٹ مٹ کے ہم نے سیکھا اندازِ نقشِ پا کا

ہے انا الحق سراپہ کیوں بیداد
گر نہیں ہے رواج باطل کا

جزو ذاتِ حبیب ہے عاشق
نام دریا ہے نام ساحل کا

غرق واں ہوں جہاں لگاؤ نہیں
کشتی و بادبان و ساحل کا

کچھ تو ہو مزدِ بخششِ بازو
کچھ تماشا تو دیکھ بسمل کا

کیا جانئے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ
ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

مسیحائی کرو مرتے ہیں تم پر
خلاصہ ہے یہ اپنی داستاں کا

بلائے درد کو دل پر خوشی لیجیے
بڑا گناہ ہے الفت میں دل چرانے کا

دل میں بحرِ الفت ساقی ہے انور موجزن
جانتا ہوں ایک قطرہ کوثر و تسنیم کو

ملیں گے تم سے یہ کیونکر گماں ہو
گماں جس جا نہ ہو پہنچے تم وہاں ہو

کیا مٹائیں گے ہم اُسکے دل سے نقشِ یادِ غیر
جب مٹا سکتے نہیں اپنے خطِ تقدیر کو

غیر کی تقدیر میں جو کچھ کہ چاہا لکھ دیا
داد ہی سب کیا کہوں میں کاتبِ تقدیر کو

کاوشوں ہی کاوشوں سے سر بسر لبریز ہے
دل سے لایا ہے مگر فرہاد جوئے شیر کو

اور جرمِ رہزنی پر ہو سزا زنجیر کو
دل مرا اڑ کر لپٹ جاتا ہے اُسکے تیر کو

نامِ زورِ بازوئے فرہاد اُسی ہی تو ہے
شمعِ بزمِ خود نمائی کیجئے جوئے شیر کو

پاس کیوں ہو غمِ فرقت کی وفا سے مجھ کو
اور رکھو آس ہے بندہ سے ندامت مجھ کو

میں گنہ کر کے گنہگار تمھارا ٹھہرا
نسبتِ خاص لگی ہاتھ خطا سے مجھ کو

جور سہہ کے یہ خوش خوش ہوں کہ محشر میں مگر
بخشوائیں گے جفا کار خدا سے مجھ کو

ہے ستم تو مگر اک لطف سے دکھوتے کیا ہو
اُس نے مارا ہے محبت کی ادا سے مجھ کو

بندۂ محرم و ہیا رو اسیر اُسکا ہوں
کچھ تعلق سے تعلق ہے خدا سے مجھ کو

آیا ہے میرے مرنے کی سنکر وہ بدگماں
کوئی لپیٹ دو مجھے زندہ کفن کے ساتھ

اے جانِ زار کچھ تو رہے پاسِ ہمدمی
لب تک تو آؤ وصالِ صنم کی دعا کے ساتھ

بھولے ہیں کس خیال پہ زہاد و پارسا
رشتہ نہیں ہے داورِ روزِ جزا کے ساتھ

تیرے ستم سے مجھکو ملا منصبِ کلیم
اک وجہ گفتگو نکل آئی خدا کے ساتھ

مے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی طلب
بندوں کے ناز بھی ہیں نرالے خدا کے ساتھ

لیلیٰ کا نام زندہ ہے اب تک جہاں میں
تم بھی نبھا دو کسی اہلِ وفا کے ساتھ

کچھ جو عزت ہے تو پھر کوچے میں اسکے ہے کہاں
دو قدم آن کے لیجاتی ہے توقیر کے ساتھ

کچھ تو مل جائے لبِ شیریں سے
زہر کھانے کی اجازت ہی سہی

دل میں یاں آکے نکلنا کیسا
اے وہ ارمانِ شہادت ہی سہی

کیا غم درازدستیٔ نارِ سعیر کا
ساقی نہ پوچھ داروئے افسردہ خاطری
خونفشانی مری داخل مرے نقصاں میں نہیں
مجھ سا دیوانہ وہشیار ہو امکاں میں نہیں
حوصلے تو نے بڑھائے ہیں دکھا کر جلوے
جو کہے سچ ہے نہ مئے پی نہ کہیں دل اٹکا
ہے تذبذب کہ انہیں دیکھ کے کچھ کہہ نہ اٹھوں
مگر زاہد اڑے گا اب پری پیکر پرستاں میں
نہیں انجم یہ رو رو کر کسی کے [illegible] میں
ہر اک جانب سے نقشِ عین المطلوب عکس آرا
طریقِ راستی مجھکو ملا برگشتہ راہی سے
جدا اک دم گریباں سے نہیں ہوتا نہیں ہوتا
میرا اور اُس بتِ مخمور کا ہے ایک سا عالم
وہ چشم مدعا بیں سکندر پہ ہوئی پردہ
بڑھے جو شوق کے ہاتھوں وہ ناکامی سے ہٹ آئے
ثباتِ سرمدی ہے خاک راہِ یار میں ہونا
ہوا یاں اک نظارہ سے کلیمِ طور کا عالم
نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی
ٹیڑھی ترچھی کوئی پڑ جائے تو دیکھے واعظ
جب تواضع سے جھکے خجلت سے دشمن کٹ گیا
دو اِدھر سے آئینگے اور چار اُدھر سے آ جاؤ

دامن کو لیے چلا ہوں بھگو کر شراب میں
آتش ملا دی آب کے بدلے شراب میں
اب تو دامن میں ہے وہ کچھ جو بدخشاں میں نہیں
خاک اُڑاتا ہوں مگر کوچۂ جاناں میں نہیں
کچھ سماتا نظرِ صاحبِ عرفاں میں نہیں
گفتگو کچھ سخنِ ناصحِ ناداں میں نہیں
گرچہ اب تک کوئی لغزش مرے ایماں میں نہیں
اُڑا دی آدمیت سب ہوائے باغِ رضواں میں
بھرے ہیں ہنسنے موتی دامنِ شب ہائے ہجراں میں
دل اک آئینہ خانہ ہے تجلی گاہِ عرفاں میں
خدا یاد آگیا یادِ بتِ برگشتہ مژگاں میں
جنوں نے ہاتھ میرا بھی دیا شاید گریباں میں
جو واں لغزش قدم میں ہے تو یاں ہے پائے ایماں میں
اڑائی خاک جتنی جستجوئے آبِ حیواں میں
قدم اک کشمکش میں پڑ گئے ہیں کوئے جاناں میں
کیا ہے سعی کو مٹی تلاشِ آبِ حیواں میں
سمائی ہے تجلی کس طرح اُس روئے تاباں میں
چلو انور تماشا دیکھ آئیں بزمِ رنداں میں
اور یوں کہنے کو تو برقِ نظر کچھ بھی نہیں
تیغ کا خم جانتے ہیں ہم خمِ تسلیم کو
بن پڑے گی کیا تمہیں روزِ امید و بیم کو

ضعف میں مرنا بھی مشکل ہو گیا
جان اُلجھی ہے نفس کے تار سے

تھر ہیں مستی میں وہ انگڑائیاں
خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے

جمع اپنا خرمنِ دل جب ہوا
بجلیاں ٹوٹیں نگاہِ یار سے

خدا کی بے نیازی مانتا ہوں
ذرا پرستش نہیں نازِ بتاں کی +

چلے دشمن کے گھر خود رفتہ ہو کر
طبیعت آگئی ایسی کہاں کی

کیا اسکی ہے خوشی کہ وہ رخ بے نقاب ہے
اک یہ بھی ساتھ چشمِ جہاں کامیاب ہے

جاں بخش ہے گفتار تو لب چشمۂ حیواں
پھر کہیئے کہ اُن پر کوئی کس بات پہ مر جائے

یہ خوشی کم ہے کہ ہم اُس بزم میں
اک طرف بیٹھے تو ہیں ناشاد سے

اسقدر محوِ تحیر ہوں کہ میں
مل گیا تم میں تمہاری یاد سے

دل میں کیوں کھٹکا ہائی کار ہے
مول لے لیجے قفس صیاد سے

(انور) حافظ حکیم سید انوار احمد صاحب انور دہلوی - خلف حافظ سید خیر الدین احمد - خلف سید محمد باقر - قوم سے صحیح النسب سید اور دہلی کے رہنے والے تھے شاہانِ مغلیہ انکے اسلافِ کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ بہادر شاہ ثانی سید خیر الدین احمد صاحب کو اپنی طرف سے شاہ سلیمان چشتی صاحب سجادہ تونسہ شریف کی خدمت میں معہ نذرانہ بھیجا کرتے تھے حکیم صاحب موصوف کے بڑے بھائی حکیم سید نیاز احمد مرحوم شاگرد رشید حکیم احسن اللہ خاں صاحب طبیب شاہی ریاست پٹیالہ میں بزمرہ اطبا ملازم تھے حضرت انور طب میں اپنے برادر مرحوم کے شاگرد تھے - اور فن ڈاکٹری میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان زبدۃ الحکما کے سند یافتہ تھے علم رمل اور نجوم میں بھی اچھا دخل تھا - نہایت ذکی اور خوش خلق تھے - تشخیص مرض کے علاوہ شافی مطلق نے ہاتھ میں شفا بھی عطا کی تھی شروع میں چند غزلیں حافظ غلام رسول ویراں کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا کئی برس حیدرآباد دکن میں نواب لائق الدولہ غالب جنگ کی سرکار میں بصیغہ طبابت ملازم رہے - مگر گردشِ قسمت نے کہیں زیادہ ٹکنے نہ دیا -

تیرے کشتوں کا روزِ حشر حساب
غیرت او فتنہ گر نہیں آتی

بے ملاح پڑتی ہے نظر اُن کی
خیرِ دل کی نظر نہیں آتی

برگ برگ سبزۂ قدرت سے تیرے معمور ہے
جس زباں پر دیکھتا ہوں نغمۂ منصور ہے

اور کچھ دنیا سے کھچ جا اور بڑھ جائے سوئے حق
تیر جتنا کھنچ گیا بلّہ میں اُتنا دور ہے

نیک ہوں یا بد ہوں تمھارا ہوں تمھیں کو پاس ہے
تم نے لکھا ہے مری قسمت میں جو مسطور ہے

ربط بڑھ جائے تو حسن و عشق کی ہے شان ایک
جو نفس ہے سینۂ عاشق میں شمعِ طور ہے

کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں
ہے نظر اُس پر کہ جس سے قہر کوسوں دور ہے

وہ گناہ کرتا ہوں اب جی کھول کر جو رہ گئے
جانتا ہوں خیر مجھ سے قہر تجھ سے دور ہے

جو اُٹھا پردہ نظر سے واں حجابِ رو ہوا
جتنی یاں آنکھیں کھلیں اتنا ہی وہ مستور ہے

ہو فنا پر منحصر دیدار اور جیتا رہے
واقعی عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے

کچھ نہیں سنتے کسی سے ہم کہ ہے واں رنگ کیا
کیا زباں بندی تمھاری بزم کا دستور ہے

اس مقامِ لاتعین پر وصول انور کہاں
آگے منزل پہ جہاں سنتے کہ دلی دور ہے

تیرے جلوے دمِ خلوت جو نمودار ہوئے
حیرت آگیں مرے گھر کے در و دیوار ہوئے

صلح کل مشرب و مذہب ہے تو کیا دشمن و دوست
دل میں وہ پھول ہوئے آنکھ میں جو خار ہوئے

کمبخت کوئی دم تو رہے گا نظر سے دور
خوش ہوں جو اُن کے در پہ عدو پاسباں رہے

مٹی خراب ہے تیرے کوچہ میں ورنہ ہم
اب تک تو جس زمیں پہ ہے آسماں رہے

مرتے ہیں تڑپتے ہیں تری یاد میں ہر دم
بیکار کسی دم کو بھی جانے نہیں دیتے

نہیں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

میں اس برہم مزاجی کے تصدق
اُلجھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

کہاں کی دل لگی کیسی محبت
مجھے اک لاگ ہے جانِ حزیں سے

ادھر لاؤ ذرا دستِ حنائی
پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

شاید اسے بلبلِ شیدا یہ تری تاک میں ہے
آج گلشن سے جو ہلتا نہیں صیاد کہیں

یاس سے دیکھا جب۔ وہ کہنے لگے
دل میں کیا ہے بتائیے تو سہی

(انور) منشی گل محمد انور بنگلور کے رہنے والے ہیں گا ہے گا ہے حضرت داغ کو کلام دکھایا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

کیا تھا ناز جس قاتل نے خنجر کی روانی پر
ہوا ہے آج وہ حیراں ہماری سخت جانی پر

کہاں سنتے ہیں اے ناصح تری عشق و محبت میں
وہی کرتے ہیں ہم آتا ہے جو اپنی طبیعت میں

یہ وہ منزل ہے اس میں خضر کی بھی عقل حیراں ہے
قدم رکھو سنبھل کر حضرتِ دل راہِ الفت میں

دو رنگی کا سبق تمکو پڑھایا ہے زمانہ نے
کبھی میری محبت میں کبھی میری عداوت میں

(انور) مولوی نور محمد مدرس مدرسہ ہاشمیہ بمبئی شاگرد مولانا نظامی اصلی وطن نمازیپور ہے مگر یہ خود عرصہ سے بمبئی میں رہتے ہیں۔ ۲۵-۲۶ برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

کچھ اشارہ ابرو اور چتوں میں ہو کر رہ گیا
رہ گئی شمشیر اُٹھ کر کھنچ کے خنجر رہ گیا

ناتوانی اور وہ بھی عشق کے بیمار کی
ہے کماں مجھ پہ اُبھر کے تابِ بستر رہ گیا

دل سے تھی ساری خوشی یہ جتنا ہوئے غم ہوا
عیش کا سب کا زمانہ درہم و برہم ہوا

آشنا تیرا ہوا بیگانہ ساری خلق سے
تجھ سے جو محرم ہوا عالم سے نامحرم ہوا

یہ ہمارا ہی جگر ہے لے دئے دیتے ہیں دل
اب تو راضی اب تو خوش اے گیسوئے برہم ہوا

حاصل اس در پہ اگر ناصیہ سائی ہوتی
دُور قسمت کی مرے ساری بُرائی ہوتی

حکمتیں ترکِ محبت کی نہ سمجھائیں ناصح
وصل کی بھی کوئی تدبیر بتائی ہوتی

(انور) منشی سید نور الحسن بلگرام ضلع ہردوئی اصل وطن ہے۔ حضرت امیر مینائی کے شاگردوں میں ہیں۔ ۳۵-۲۶ برس کی عمر اور بہ سلسلہ روزگار دکن میں اقامت ہے۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

پھیر لیں آنکھیں جو وقتِ نزع میری منکے وہ کوئے
کہو اب بے وفا ہم ہیں کہ صاحب بے وفا تم ہو

ناصح بھی دم بخود ہیں ہر ایک ہمنشیں خموش
میں آپ میں نہیں کوئی سمجھائے کیا مجھے

آخر ۱۳۲۲ھ ہجری میں اپنے وطن آبائی دہلی میں انتقال فرمایا۔ چند اشعار انتخاباً درج ہوتے ہیں ۔

حسرتوں سے دم نکلنے میں جو دشواری ہوئی — موت میری دیکھ کر اُن کو بھی سکتا ہو گیا

دورِ آخر ہے پلا دے پھر کہاں بزمِ طرب — تیرے ہی دم سے ہے ساقی گردشِ پیمانہ آج

شیخ صاحب کل تو میرے حال پر تھے طعنہ زن — شمع رُو سے لو لگا کے خود بنے پروانہ آج

ناتواں ہوں میں بہت جذبۂ دلدار نہ کھینچ — مجھ میں کیا باقی ہے اب حسرتِ دیدار نہ کھینچ

اب تک ہے انتظار کسی کے خرام کا — اُٹھ بیٹھتے ہیں قبر میں آوازِ پا سے ہم

تمھارے کشتۂ بیداد کو مسیحا نے — ہزار بار جلایا مگر جیا ہی نہیں

تجھے کیا کام ہے دیر و حرم سے — مری آنکھوں میں ہے صورت صنم کی

انور

(انور) سید انور علی انور، نبیرۂ مولوی امجد مقیم بھوپال۔ حضرت داغ دہلوی سے ارادت رکھتے ہیں۔ اور شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ یہ کلام کا نمونہ ہے ۔

دیکھتے کسکو ہو کچھ ہوش سنبھالو اپنے — کیا سمائی ہے یہ اے حضرتِ موسیٰ دل میں

اس دل کو تیری زلف کا سودا جو ہوتا — کاہے کو میں جھیلتا شبِ فرقت کی بلائیں

کٹتی ہے ترے ہجر میں یوں اپنی شب و روز — دن نالہ و فریاد میں شب آہ و بکا میں

اندھیری رات میں اے مہ لقا تم — یہ بن ٹھن کر کہاں جاتے ہو گھر سے

تمنا حور کی کرتے ہیں حضرت — کوئی صورت تو دیکھے شیخ جی کی

کہیں دور ہو جب کا غم الٰہی — کہیں جان لے دردِ فرقت ہماری

انور

(انور) منشی محمد انور لکھنوی۔ خوشنویس و مصلحِ سنگ۔ کلکتے کے امیر الاخبار کے مطبع میں کتابت کرتے تھے۔ دو تین سال ہوئے دہلی میں انتقال کیا۔ حضرت داغ کے شاگردوں میں تھے۔ کلام ہدیۂ احباب ہے ۔

شرارت سے شبِ وصلت میں وہ کہتے ہیں کیوں انور — اگر ہم آج بھی فرقت میں تڑپاتے تو کیا ہوتا

نازِ ہر گام پہ شمشیر میں سے یہی کہتا تھا — نہ بھرے پاؤں میں خونِ سرِ فرہاد کہیں

الیتام سے متاثر نہیں - افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ موجودہ زمانے کے اہل قلم نے اب تک ایسے نامور اور فخر روزگار شاعر کی سوانح عمری مرتب کرنے میں کوتہ قلمی کی اور سب سے زیادہ تعجب انگیز اور افسوسناک یہ بات ہے کہ خاص میر صاحب کے لائق اور قابل اعزا بجاے اسکے کہ خود اس کام کا بیڑا اُٹھاتے دیگر محبان فن کو اپنی معلومات سے مستفید کرنے میں بخل فرماتے ہیں - پروفیسر آزاد نے آب حیات میں اُنکا حال لکھتے وقت ہر طرح کوشش کی مگر افسوس کہ وہ بھی کماحقہ کامیاب نہوئے پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے لکھ دیا آج وہی غنیمت ہے سچ ہے جب اعزا و متوسلین ہی توجہ نکریں تو مورخ کیا کر سکتا ہے - ہم بھی اسی مجبوری میں گرفتار ہیں مختصراً جو حالات معلوم ہوئے یہ ہیں کہ میر انیس نے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی اور ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے پڑھیں - شاعری تو انکی خاندانی میراث تھی جسطرح بعض مہاتما ماں کے پیٹ ہی سے ولی کہلاتے ہیں اسیطرح نیچر نے انہیں شاعر بنایا تھا - اول اول غزل گوئی کی طرف مائل ہوئے چندہی غزلیں کہی تھیں کہ باپ کو خبر ہوگئی - اگرچہ دل میں انکی طباعی دیکھ کر خوش ہوئے اور شوق کو روکنا بیجا مگر ایک مرتبہ غزل سُنکر فرمایا کہ میاں اس غزل کو سلام کرو اور اُس میدان میں توسن طبع کی جولانیاں دکھاؤ جس میں دنیا و دین دونو حاصل ہوں - چنانچہ اس فہمائش کو تازیانۂ ہدایت سمجھ کر مرثیہ گوئی کے میدان میں شبدیز فکر کی باگ موڑ دی - پھر ساری عمر اسی سرمایۂ آخرت کے جمع کرنے میں صرف کردی اور اس ہی کو توشۂ آخرت سمجھ کر ساتھ لیگئے اپنے والد ماجد کی حیات تک جو کچھ کہا اُنہیں دکھا لیا - اُنکی وفات کے بعد بطور خود کہنے لگے - اسکے صفائی کلام - سلاست - حسن بیان - لطف محاورہ روزمرۂ اہل زبان - سوز و گداز محتاج بیان نہیں - جس طرح یار لوگوں کا شیوہ ہے کہ باکمالوں میں خواہ مخواہ نقیض کرادیتے ہیں اسیطرح ابنائے زمانہ نے مرزا دبیر مرحوم میں ان کا مدمقابل پیدا کر دیا یہ معرکہ آرائیاں جنکی تشریح و تفصیل باعث طوالت ہے جب تک یہ دونو بزرگوار زندہ رہے برابر ہوتی رہیں - اِن کا ایک مفید اور بدیہی اثر یہ ضرور ہوا کہ لکھنؤ کے عالی حوصلہ اور قدردان امیر انعام و اکرام کی امید

ہوتا ہے جو لکھا ہے مقدر میں نیک و بد — شکوہ ہے دوست کا نہ عدو کا گلہ مجھے
یہ کیسی تہمت ہے مجھ سے پاک دامن پر — جناب شیخ تمہارا خیال کیسا ہے
اگر خیال ہے کچھ آ کے دیکھ جاؤ خود — عبث ہو پوچھتے غیروں سے حال کیسا ہے

انور

(انور) مرزا علی حسین لکھنوی مقیم کلکتہ سید علیجاہ شفق مصاحب سلطان عالم کے شاگرد اور ریختہ میں اسطرح فکر کرتے تھے ؎

وعدہ تو کر دیا پہ خیالِ وفا بھی ہے — دینے کو کہتے ہیں کوئی بوسہ دیا بھی ہے
کیوں مفت اپنی جان تمہارے لئے گنوائیں — نقصان کے سوا ہیں کچھ فائدہ بھی ہے
کیا پوچھتے ہو قیمتِ دل کا معاملہ — تم سے بھلا کبھی کوئی سودا بنا بھی ہے

انیس

(انیس) امیر الدولہ نوازش خاں شاہجہاں آبادی - شاہ نواز خاں مختار کا حضرت شاہ عالم ثانی کے حقیقی بھانجے اور خود بھی سرکار شاہی میں خدمات شائستہ سے مشرف اور فنِ سخن میں فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے - تذکرہ گلشنِ بیخار کی ترتیب کے وقت ان کی ضعیفی کا عالم تھا - شعر و سخن سے عشق تھا چنانچہ اپنے گھر پر مجلس مشاعرہ بھی منعقد کیا کرتے تھے - اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں ؎

دردِ دل سوزِ جگر - کاہشِ تن کاوشِ جاں — حضرتِ عشق نے کیا کیا مجھے انعام کیا
پر کالۂ آفت تھا وہ رخسار انیس آہ — چہرہ جو غضبناک ہوا اور بھی چمکا
کشتی سے اپنی چرخ خبردار کہ آج — رکتے سرشکِ دیدۂ طوفاں فشاں نہیں
جب تک نہ دمِ سرد بھروں دل کو نہو چین — کیا نیند بھلا آوے جو ٹھنڈی نہ ہوا ہو
آہ یہ کس کی یادگاری ہے — آج جو دل کو بیقراری ہے

انیس

(انیس) سلطان الفصحا میر ببر علی خلف الرشید میر مستحسن خلیق خلف جناب میر حسن دہلوی صاحب مثنوی سحر البیان - اردو علم ادب کا ایسا کونسا شائق ہے جو اس نامور اور باکمال استادِ فن سے واقف نہیں - اور وہ کونسا دل ہے جو اس ادیبِ کامل کے کلام فصاحت

انکے مصائب پر نوحہ خوانی اور مجالسِ ماتم میں گرمی پیدا کرنے کے لئے کاروانِ کربلا کے واقعات نظم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس بحث پر جسقدر سرمایہ اُسوقت تک موجود تھا ناکافی معلوم ہوا - اسطرح ہمارے شعرا کو میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچنے کا موقع ملا تھوڑے ہی عرصہ میں چند ماہرانِ فن نے اسطرح توجہ کرکے جوہر شناسوں کے لئے لعل و جوہر کے بیش بہا انبار لگا دئے اور اس صنفِ سخن میں وہ وہ صناعیاں اور نازک خیالیاں صرف کیں اور اپنے زورِ طبع سے شُستگی زبان اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ تشبیہوں اور استعاروں کے وہ ناپیدا کنار دریا بہا دیے کہ یورپ اور ایشیا کے کل شاعروں نے ازمنہ مظلمہ کے انتہائی کنارے سے اسوقت تک میدانِ جنگ کی پرشور وہیبت انگیز تصویر دکھانے یا قتل و خونریزی کا قیامت خیز نمونہ پیش کرنے یا شجاعت و جوانمردی - سفاکی و بیرحمی کا نقشہ اُتارنے میں برسوں خونِ جگر کھا کر جو کچھ رطب و یابس لکھا تھا انھوں نے چند سال میں گرد اباد کرکے ایک طرف فردوسی اور نظامی کا بازار سرد کردیا اور دوسری جانب ہومر ملٹن کو صرف اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے کے قابل رہنے دیا ''

ہم یہ اوپر بیان کرچکے ہیں کہ مرثیہ گوئی وہ صنفِ شاعری ہے جسمیں تمام اصنافِ سخن نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان ہوسکتے ہیں - میر انیس مرحوم نے جو اس صنفِ شاعری کو معراجِ کمال پر پہنچانے میں حصہ لیا وہ محتاجِ تشریح نہیں - غرضکہ فصاحت - بلاغت - شستگی زبان - خوش اسلوبی و مناسبت تشبیہات - خیالات کی متانت بیان کی سنجیدگی نفیس بندشیں اور جذبات انسانی سے کامل واقفیت اور عمدہ منظروں کی دلچسپ اور پُراثر الفاظ میں تصویر کھینچنے کی وجہ سے میر صاحب کو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے مشہور شعرا میں درجۂ امتیاز حاصل ہے اور کیوں نہ ہو آخر کس سحر البیان دادا کے پوتے اور کس معجز نشان باپ کے بیٹے تھے - اُردو زبان انکی خانہ زاد کنیز اور فصاحت بیان ایک ادنی پرستار بلکہ پرستار زادی تھی - اللہ اللہ کیا سحر بیانی تھی کہ جسکے سامنے فصحا و بلغاء سلف کی توصیف ایک پارینہ کہانی تھی

ولا کر دونو با کمالوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے جس سے ان کا کلام روز بروز منجھتا اور جلا پاتا چلا گیا - حقیقت یہ ہے کہ دونو صاحبوں نے اپنی اپنی قادر الکلام طبیعت کے زور سے ایجادِ مضامین کے دریا بہا دیے اور ایک محدود اور محض مذہبی مضمون کو سینکڑوں نئے دلنشین رنگوں میں اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ مرثیہ گوئی کو ایک جداگانہ علم بنا دیا - رزم - بزم - صبح - شام - غرض جس چیز کو لیا اسی میں اپنے انتہائے کمال کو دکھا دیا - مجتہد العصر جناب مفتی سید محمد عباس لکھنوی کا قول در بارہ موزانہ کلام میر انیس اور مرزا دبیر قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "کلام مرزا دبیر دقیق و نمکین است و کلام میر انیس فصیح و شیریں و بوجہ اختلاف ہر دو ذائقہ و ہر دو مزہ محل ترجیح باقی نماندہ زیرا کہ بعض مردم شیرینی را پسند مے کنند و بعض نمکیں را" اگر شاعری کے اصلی موضوع پر نظر ڈال کر غور سے دیکھا جائے تو غالباً کسی صاحب فہم کو اس امر کے مان لینے میں تامل نہو گا کہ میر انیس مرحوم صرف مرثیہ گویوں ہی کے سرتاج نہ تھے بلکہ زبان اُردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست فن سخن کے مسلّم الثبوت اور قادر الکلام اُستاد - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میر انیس صرف مرثیہ گو تھے دیگر اصنافِ سخن سے انہیں تعلق نہ تھا اور کسی کا یہ عامیانہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں ہو جاتا ہے ہمیں اس خیال سے مطلق اتفاق نہیں - اُنکے مرثیوں اور سلاموں کو دیکھیے - کیا چیز اُن میں نہیں ہے - رباعیوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں - اُنکی عمدگی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو گا کہ صدہا ضرب المثل کیطرح زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں - ہمارے خیال میں تو جملہ اصنافِ سخن میں سے مرثیہ گوئی ہی ایک ایسی دقیق - جامع اور مشکل چیز ہے جس پر قدرت رکھنے والا تمام اصنافِ سخن پر قادر ہونے کا ثبوت دے سکتا ہے -

اس مبحث میں منشی امیر احمد صاحب بی اے کا قول قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "یہ نظم اُردو کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ نہایت سرعت سے عروج و کمال کے مدارج طے کر رہی تھی - لکھنؤ میں ایک خود مختار حکومت قائم ہو گئی جسکے مذہبی اثر سے اظہار محبت اہلبیت کے ساتھ ساتھ

میر انیس و میر مونس کا قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ کر خلوت میں بیٹھتے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے -- وضع حرکات سکنات اور بات بات کو دیکھتے تھے اور آپ ہی اُسکی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے - بقول ذوق ؎

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر | ہنرور اپنے ہی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں

میر صاحب کی ذات توکل - استغنا - خودداری اور زہد و پرہیزگاری کا ایک قابل تقلید نمونہ تھی میر صاحب اور مرزا صاحب کے تلامذہ اور معتقدین کی باہمی تکراروں اور ہنگاموں کی کیفیت باعث طول کلام سمجھ کر ہم نظر انداز کرتے ہیں - ان میں سے بعض اصحاب تعصب و سخن پروری کے جوش میں حد اعتدال سے متجاوز ہو کر قابل شرم و افسوس حرکات کیا کرتے تھے - اور طرفہ تر مزا یہ ہے کہ ثقات اسطرح بھی بیان کرتے ہیں کہ میرزا دبیر مرحوم کو میر صاحب مغفور کی ذات سے ایک خاص عقیدت و الفت تھی - اور ہمیشہ اُن کا حد درجہ ادب و احترام فرمایا کرتے تھے - اور اپنے شاگردوں کو ان ناگوار مباحثوں سے محترز رہنے کی فہمایش کیا کرتے تھے - ایک اور امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ باوجود حیرت انگیز قادر الکلامی و خوش گوئی کے بیحد پرگو تھے بے تعداد مرثیہ و سلام و رباعیات عجیب و غریب صنعتوں اور باریکیوں سے مملو و مرصع آپ سے یادگار ہیں - عاشقانہ دیوان کے علاوہ سنا گیا ہے کہ جو ضخیم جلدیں مراثی کی جو شائع ہوئی ہیں فی الحقیقت آپکی تصانیف کا عشر عشیر ہیں - اور بیشتر حصۂ کلام ہنوز قلمی مسودوں کی صورت میں اُنکی اولاد کے پاس محفوظ ہے - میر صاحب کی سال ولادت کا پتہ نہ چلا البتہ یہ معلوم ہے کہ تقریباً ۴۷ برس کی عمر پا کر آپ نے ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ اس جہان فانی سے کوچ فرمایا - اور عجب اتفاق ہے کہ جسطرح زندگی میں ساتھ رہے اُسیطرح موت میں بھی مرزا دبیر نے ان کا ساتھ دیا چنانچہ چند ہی ماہ بعد ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ کو اُنہوں نے بھی عالمِ قدس کی راہ لی - منشی محمد میرزا جان محمود نے تاریخ لکھی ؎

غم انیس میں ہے ہے - دیا دبیر کا غم
۱۲۹۱ھ   ۱۲۹۲ھ

میر صاحب نے تین صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے

مرثیہ گوئی کو ایسے معراج کمال پر پہنچا گئے کہ اُسے ایک جداگانہ علم بنادیا رزم کے بیان سے رستم دلوں کو ہلا دیا بزم کے ذکر سے شاہی درباروں کو شرمادیا۔ فطرت نے وہ بلا کی ذہانت و ذکاوت عطا کی تھی کہ بات میں بات نکالتے تھے۔ جس محاورہ کو چاہا باندھ کر چار چاند لگادیئے ایسے لوگ اب کہاں ہیں جو لطف زبان کے دلدادہ اور فریفتہ ہیں وہ آج تک انیس کو روتے ہیں اور ہمیشہ روتے رہیں گے۔

ایک اور امر بھی میر صاحب مرحوم کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ کہ گو میر صاحب تمام لکھنؤ میں رہے مگر اپنی خاندانی دہلوی زبان کے تحفظ کے لئے ہمیشہ غیر معمولی کاوشیں فرماتے رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ لوگوں نے میر صاحب سے خاص خاص محاورات مستعملہ میر صاحب کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ "اہل لکھنؤ کا یہ محاورہ نہیں ہے بلکہ وہ اسطرح بولتے ہیں اور فقیر کے گھرانے میں اسطرح بولا جاتا ہے" گویا جمہور لکھنؤ سے ہمیشہ اپنے آپ کو علیحدہ تصور فرمایا کرتے تھے۔

جب تک لکھنؤ آباد رہا (یعنی سلطنت قائم رہی) اسوقت تک جب کسی اور شہر میں جانے کا ذکر ہوتا تو میر صاحب یہی کہتے کہ اس کلام کو اس شہر کے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اسکی کیا قدر جانے گا۔ اور ہماری زبان کے لطف کو کیا سمجھے گا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد ۱۸۵۹ء میں میر صاحب کے قدم لکھنؤ سے اُٹھے اور اول اول نواب قاسم علیخاں کے اصرار سے عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہاں کی محفل عزا کی رونق بڑھائی۔ پھر ایک مرتبہ ۱۸۷۱ء میں سید شریف حسین خاں صاحب کی تحریک اور نواب تہور جنگ بہادر کے اصرار سے حیدرآباد گئے۔ ان ہر دو مقامات میں آپکا نہایت خلوص و عقیدت سے خیر مقدم کیا گیا۔ سامعینوں اور مشتاقوں کی مجلسوں میں یہ کثرت ہوتی تھی کہ صدہا مشتاق بار نہ پاتے تھے۔ جسطرح میر صاحب کا کلام لاجواب ہے اسیطرح ان کا پڑھنا بھی بے مثل تھا۔ انکی آواز۔ قد و قامت۔ صورت کا انداز غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ انکا اور انکے بھائیوں

صبح

پھاڑا جو گریبان شب آفت کی سحر نے
پردے میں چھپایا رخ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
گردوں سے سفر فوج کواکب لگی کرنے
تاباں جو رخ نیر افلاک ہوا تھا
ذروں سے زر افشاں ورق خاک ہوا تھا
پھیلا ہوا تھا نور بہ ارض و سما میں
معروف تھی سب خلق خدا یاد خدا میں
چمکا صفت شعلہ جو وہ مہر جہاں تاب
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئے بے آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگ رخ مہتاب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوز جگری کی
پروانوں سے رخصت تھی چراغ سحری کی
وہ سرد ہوا صبح کی اور نور کا عالم +
اور زمزمے مرغان خوش الحاں کی وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہر شبنم
اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم
مرغان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم +
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس کو اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا
وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیم باد سحر کا وہ بار بار +
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہمکو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرہ کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں

(۱) میر خورشید علی صاحب نفیس - (۲) میر سلیس - (۳) میر رئیس - جنھیں سے اول الذکر بحیثیت کمالِ آبائی فی الحقیقت خلفِ ارشد کہلانے کے مستحق اور باعثِ فخر و نازش خاندان تھے - ہنگام قیام لکھنؤ میں مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹر کی معیت میں میر انیس و میر نفیس کے مسکن قدیم اور خاندانی قبرستان دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا -

اب ہم اُنکے ذکرِ خیر کو ختم کرتے اور اُنکے جواہر منظوم کے بحرِ ناپیدا کنار سے تھوڑے سے موتی اس کاغذ کی کشتی میں رکھکر ناظرین کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں ؎

راحت کا مزا عدوئے جانی نکلا	رباعی	دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہِ دنیا پہ انیس		نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا
بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا	رباعی	ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
ممبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم		اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا
قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر		تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا
کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا	رباعی	چپ ہو گئے اسطرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس		یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا
سمجھتا ہوں سبب کافر ترے آنسو نکلنے کا		دھواں آنکھوں میں لگتا ہے کسی کے دل کے جلنے کا
مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا	قطعہ	زمیں اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر		جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا
مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا	رباعی	اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے اسطرح کی خلقت کھینچی		تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرا اُترا
یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر	آغاز مسدس مناجات	اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر		گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے		اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

ایک کشکولِ توکّل ایک نقدِ جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی اُنکے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف
بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
جس طرح رشتۂ گلدستہ میں گلہائے چمن

رباعی

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں
دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد
ہوتا ہے یقیں کہ زندہ درگور ہوں میں

رباعی

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ
کُھل جائے گا سب جو بند ہوں گی آنکھیں

رباعی

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں
حاسد جو بُرا کہتے ہیں چپ رہتے ہیں
جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک
جو بد ہیں وہ نیکوں کو بُرا کہتے ہیں

مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا
وہ نہیں ہیں جو کسی پر بار ہوں

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں یکرنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رباعی

کس مُنہ سے کہوں لائقِ تحسیں میں ہوں
کیا لطف جو گل کہے رنگیں میں ہوں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر
کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں میں ہوں

شدتِ گرما

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

توصیفِ تیغ

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئی پھولوں سے زر لیا
اپنا خراج تیغ نے ہر طرح بھر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ ٹل گئی
ایک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا

ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں
الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
مدآ کے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

سرعت اسپ

تصویر لکھی اُس کی مصور تو پڑے جھوم
کوڑا اپنے تعزیر جو چاہے کرے مرقوم
نقاش کا دل نقش بیاماده ہی رہجائے

سُرعت قدمِ توسنِ تصویر کو لے چوم
اک آن میں تصویر کا سب رنگ ہو معدوم
اور ہاتھ میں اُسکے ورق سادہ ہی رہجائے

رباعی

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو دنیا دوں کے دھوکے میں

وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
سراب ہے یہ جسے موج آب سمجھے ہیں

رباعی

دولت کا کبھی خیال آتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے
دل اپنا ہے بند قفل ابجد کی طرح

یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں
جب حرف خناسا ہو تو کھلتا ہو نہیں

رباعی

گلشن میں پھروں کہ سبزہ صحرا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
یہ اشکِ تاک ہی کہتے ہیں جسکو آبِ طرب
شباب کھو کے بھی غفلت ہی ہے پیروں کو

یا معدنِ کوہ و دشت و صحرا دیکھوں
حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب کہتے ہیں
سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب کہتے ہیں

سلام

رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے اِنکے سر
یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں
زور سے اسکے لیا ہے ہمنے میدانِ سخن

جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم وہاں قدم رکھتے نہیں
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

نشتر سے کلی کا جگر ہو نوک سے ہلا دوں * خاموش کروں گو نزاکت میں گل تر سے ہلا دوں

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
یہ شیر بھی شمشیرِ دو دم تول کے آیا
شہبازِ اجل صید پہ پر کھول کے آیا
اُڑتا ہوا اس پیچ میں اُس غول کے آیا
حق جسکی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باگ پہ پٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا برچھیوں تھراتا ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

قطعہ
خیال خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

رباعی
افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

رباعی
اب گرم خبر موت کے آنیکی ہے
ناداں تجھے فکر آب و دانہ کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

رباعی
رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا اپنی آپ
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

رباعی
خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے
ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا
خاک ہو جا تُو تو حاصل ہو جلا میرے لئے

وجد ہو بلبل تصویر کو جس کی بُو سے
اس سے گل رنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے
آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے

رباعی
وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبی
اور عرش پہ تھا شبِ معراجِ نبی
فرماتے ہیں میں تن ہوں علی سر میرا
اب کہئے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبی

رباعی
مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں طبل و علم ملتا ہے

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

توصیف تیغ

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری نسل ید اللہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خوں سے وہ رن آج پڑیگا

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی
دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سپر پر
برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی گاہ جگر پر
مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے گئی مرکب پہ تو مرکب سے زمیں پر

نے خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ
نے ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ
نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز سے ضرب کی زرہ سے
غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زرہ سے

واں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا
قرنا کی وہ آواز کڑکینوں کا کڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
اک غل تھا کہ دولاکھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق ایسی نہیں ہے
سر جسم سے اُڑ جائیں کہ فرق ایسی نہیں ہے

اللہ رے زباں آوری تیغ بلا نوش
زرہیں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لب دریا بھی ہیں خاموش
باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی
دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کی

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیس
مرتبہ مشک کا آہوے ختن کیا جانے

دل دیدیا ہے یار کو مٹھی میں بند ہے
کھلتا نہیں پسند ہے یا ناپسند ہے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منتِ خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ وا کیا آسماں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

شرم گناہ

گناہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کہیں جو ہو گیا پھیرا صدا سُنا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہمنے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

ملا جنھیں انھیں افتادگی سے اوج ملا
انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آکے چلے

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

رباعی

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

رباعی

یہ اوج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے
یہ دلق مرقع امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہمکو یہ دولتِ فقر
برسوں ڈھونڈے تو بادشاہ کو نہ ملے

رباعی

عزت رہے یارو آشنا کے آگے
محجوب نہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ اٹھیں جب تو خدا کے آگے

رباعی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے

عنقا کو گردِ سُرخ - پارس - اکسیر
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

سلام

زباں پہ مدح ہے باغِ علیؑ کے نونہالوں کی
گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازک خیالوں کی

کمر کس کر علیؑ اکبر نے جب سر پر رکھا سہرا
بلائیں لے لیں اُٹھ کر ماں نے گھونگر والی بالوں کی

جوانانِ حسینؑ نے صفیں توڑیں پرے اُلٹے
نہ بھولے گی لڑائی تا قیامت مرنے والوں کی

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطے دے کے ناخن پر
نہ سُوجھی جب کوئی تشبیہ روے شہ کے خالوں کی

جوانانِ علیؑ کو دیں تو پھر تشبیہ کس سے دیں
کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں ہم مثالوں کی

معاذ اللہ رعبِ دلبرانِ حضرت زینبؑ
علیؑ کا رعب چیتوں شیر کی آنکھیں غزالوں کی

جُھکا تھا پشت پر ہر اک کے سہرا ایک بی بی کا
یہ نقشہ قیدیوں کا تھا یہ صورت پردہ والوں کی

عزادار اس طرف سب تعزیہ شہ کا اُٹھاتے ہیں
وہاں نقلیں لکھی جاتی جنت کے قبالوں کی

غمِ اصغر میں بانو کہتی تھیں مرتی ہوں آ بیٹا
سنگھا دُوں اُٹھ کے خوشبو اپنے گھونگر والے بالوں کی

متفرق

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے
جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے

در توصیف تیغ

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
ہاتھ منہ صدر و کمر سینہ و سر کاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی نہ بیجان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

کیں صفیں صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نچھوڑا وہ لڑائی نہ گئی +

کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
سینکڑوں خوں کئے اور کہیں آئی نہ گئی

شور تھا برق سپے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بنکے پری نکلی ہے

رباعی

دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے
پامال سے ہے جو عاقل و فرزانہ ہے

مابین زمین و آسماں یوں ہم ہیں
جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

سلام

چین رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ
ہم سا غربت زدہ آرام وطن کیا جانے

قیدِ زنداں کی سکینہ متحمل نہ ہوئی
ناز پروردہ غم و رنج و محن کیا جانے

بعد مرنے کے مجھے مل گئی راحت کیسی	رنج سے فکر سے غم سے ہوئی رخصت کیسی
جو تری یاد میں ہستی سے گزر جاتے ہیں	غم کونین سے پا جاتے ہیں راحت کیسی
یوں تو ظاہر میں حسینانِ جہاں بھولے ہیں	دل کے لینے کی انہیں یاد ہے حکمت کیسی
آکے آغوش میں بوسہ کا نہ دینا کیسا	آپ یہ تو فرمائیے حاضر میں یہ حجت کیسی

اوباش

(اوباش) شیخ امیرالزماں نام ہے۔ ان کے وطن میں اختلاف ہے کوئی انکو بجنور کا رہنے والا بتاتا ہے کوئی لکھنؤ کا۔ اسیطرح فیلن صاحب نے ان کو شیخ زادہ لکھا ہے اور دیگر تذکرہ نگاروں نے پیرزادہ۔ بہرحال فنِ سخن میں مصحفی کے شاگرد اور اپنے زمانے کے خوش گو شاعروں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے ۱۷۹۲ء میں جوان تھے یہ انکا کلام ہے ؎

دین و دنیا سے ہم پھرے پر آہ	اپنی خو سے وہ بدگماں نہ پھرا
یار مجھسے وہ مہ جبیں نہوا	میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا
ہوگئے پیر انتظار میں ہم	تو بھی اوباش وہ جواں نہ پھرا

خون ہو دل کاوش سے اسکی بہ گیا	ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا
مجھ سے مت منزل کی پوچھو سرگزشت	ہمرہاں آگے گئے میں رہ گیا
فقیرانہ جو کل جا نکلے ہم اُس بت کے کوچہ میں	لگا یا پنے تھا واں اوہی اک تانک بچھونا
وہ شاہ کج کلاہ آ ہمسے حسنِ خلق سے بولا	ہمارے گھر میں چل کر کیجیے جائے پاک پر بستر
کہا ہمنے میاں صاحب فقیروں کو برا ہے	سر یہ عرش پہ بسرام ہو یا خاک پر بستر
دل و دیدہ جو اپنے یار تھے سو درد و غم میں پھنسا گئے	ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہمسے چرا گئے

اوج

(اوج) منشی عبداللہ خاں نام۔ ساکن سروھنہ مقیم شاہجہاں آباد۔ اگرچہ انکی استعداد علمی معقول نہ تھی مگر طبیعت میں رسائی اور فکر میں خداداد تیزی تھی۔ سنگلاخ زمینوں میں زورِ طبع دکھاتے۔ سعارضۂ خلل دماغ میں مبتلا تھے۔ اکثر شعرائے مشاہیر مثل ذوق۔ مومن۔ غالب آزردہ۔ وغیرہ جو ان کے ہم عصر تھے۔ مزاحاً انکو استاد کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی اپنے آپ کو ایسا ہی

کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں لے قبر — جینے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

رباعی

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے — جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحر جہاں میں عمر مانند حباب — غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

رباعی

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے — جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم + — اُجڑی[ف] ہوئی مملکت کو آباد کرے

رباعی

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے — جُھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں — دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے

رباعی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی — لذت دنیا کی زہر قاتل ہوتی
اسوقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے — دو چار گھڑی زیست بھی مشکل ہوتی

رباعی

گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے — پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے — غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

رباعی

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے — دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ — ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

انیس

(**انیس**) منشی انیس الدین احمد باشندہ باندہ حضرت نامی کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

غم و اندوہ جُدائی کا ہے نرغہ مجھ پر — اے اجل کر تو ہی کچھ آ کے حمایت میری
آپ دیکھا کئے اور مجکو قضا نے مارا — حشر تک تم سے رہے گی یہ شکایت میری
چاند سورج سے ترے جلوہ کو دُونا سمجھے — مثل خالق تجھے ہم حسن میں یکتا سمجھے
رات دن دیکھتی رہتی ہے قضا آنکھوں کو — وہ بھلا آپ کا کیونکر نہ اشارہ سمجھے

انیق

(**انیق**) منشی حافظ محمد یعقوب - اِن کا اصل وطن جونپور ہے - حیدرآباد دکن میں رہتے ہیں - موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شاعر ہیں اشعار حاضر ہیں ؎

ف ۔ رباعی انتزاع سلطنت اودھ کے وقت کہی گئی تھی ۱۲

غیر جنس ایک جگہ رہ کے جو ہوتا ہم جنس　　شعلۂ آتش کا پر و بالِ سمندر ہوتا

ہیں مچھلیاں بھووں کی جبیں پر شکن کے اندر　　الٹی ہے بہتی گنگا - مچھلی بھون کے اندر

دنیائے منقلب کا اُلٹا ہے کارخانہ　　ہے مہر شمع وا ژوں - اس انجمن کے اندر

وحشت سے مجھے زنجیر نبھاتی ہی تھی اکثر　　طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جب تھا زرِ گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں　　بلبل بڑی گلچھرے اُڑاتی ہی تھی اکثر

سخن اپنا نہیں یہ اوج کچھ الہام غیبی ہے　　لکھی ہے کاتبِ قدرت نے موزونی مقدر میں

ہے آوج مردمکِ دیدہ مردمِ آبی　　نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

(اوج) آغا نواب اشرف علی خان لکھنوی - شاگرد آغا جو شرف لکھنوی - ۱۲۷۰ھ ہجری میں زندہ تھے - گلدستہ شعرائے لکھنؤ میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُنکے اشعار کا انتخاب یہ ہے ؎

اوج

اے بہا حسن ہے وہ یوسفِ ثانی اے دل　　نقدِ جاں تک بھی ٹھہر جائے تو سستا ٹھہرا

خدا ہی جانے کہ کل کیا ہو تو بہ کر لیویں　　زبان کہنے میں ہے ہمکو اختیار ہے آج

تمہارے گھر میں یہ کس مہ لقا کی آمد ہے　　کہو تو اوج تمہیں کس کا انتظار ہے آج

جاں بلب ہوں دیر سے دم توڑنا ممکن نہیں　　کس قدر غالب ہے مجھ پر ناتوانی وقتِ نزع

(اوج) میرزا جعفر بیگ آوج - بلاد شرقی کے رہنے والے تھے - یہ آپکا کلام ہے ؎

اوج

راہِ مقامِ یار تصور سے ہے قریب　　جب آنکھ بند کی وہیں طے راستہ ہوا

چمن میں جا کے جو میکش وہ آفتاب ہوا　　پیالہ گل ہوا غنچہ خُمِ شراب ہوا

نہ پایا داغِ حسرت کے سوا کچھ ہمنے قسمت میں　　دل اپنا بیچ دیکھا بارہا بازارِ الفت میں

نہ دیکھا قتل گہ میں دیر تک جب ہمکو قاتل نے　　گلا خود رکھدیا خنجر پہ ارمانِ شہادت میں

ترا ابرو نہیں چشمِ صنم میں پُتلیاں زاہد　　مسیح و خضر استادہ ہیں محرابِ عبادت میں

(اوج) مرزا محمد حسین نام - آپ کو حضرت عشق لکھنوی مرحوم سے شاگردی کا فخر حاصل تھا بسیط دیوان لکھا ہے - کلام سے خاصے مشاق اور فنِ عروض سے ماہر معلوم ہوتے ہیں -

اوج

سمجھتے تھے۔ سچ ہے۔ دیوانہ رہو سے بس است۔ مرزا مغل محزدوں کی سرکار میں ملازم تھے
۱۲۷۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ فکر مضامین اور تلاش الفاظ میں تن بدن کا ہوش نہ رہتا تھا۔ مشاعروں
میں غزل سناتے تھے تو صف مجلس سے گو گو بھرآگے نکل جاتے تھے۔ پروفیسر مولوی
محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ میں اُن دنوں میں مبتدی شوقین تھا اپنا مشتاق سمجھ کر
مجھ سے بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ بس تم ہمارے کلام کو سمجھتے ہو۔ رستے میں جاتے
تو دس قدم دور سے دیکھکر کھڑے ہو جاتے اور جو نیا شعر کہا ہوتا اُسے وہیں سے اکڑ اکڑ کر پڑھنے
ایک دن رستے میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ آج گیا تھا انہیں ہی سنا آیا میں نے کہا کیا!
کڑک کر کہا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب	غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسے میں مومن خاں بھی موجود تھے۔ مجھ سے سب نے شعر کی فرمائش کی
میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سنائی۔ مقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں
دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب تو آٹھواں ہے۔ عام و افعات پر اکثر شعر کہا کرتے
تھے۔ مومن خاں کو کنور اجیت سنگھ نے جنتنی دی آپ نے کہا ؎

جنموں میں وہ مومن مکان لیتا ہے	نجومی بن کے جو جنتنی کا دان لیتا ہے

دلی میں شیریں جان ایک بڑی نامی رنڈی تھی وہ حج کو چلی انہوں نے کہا ؎

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی	مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

اگر اوج کا یہ بیان صحیح مان لیا جاسے کہ انہوں نے ریختے میں آٹھ دیوان کہہ لئے تھے تو
اُنکی قادر الکلامی اور پُرگوئی میں کیا کلام ہے افسوس اب اُنکا کوئی دیوان نہیں ملتا۔ کچھ اشعار
پروفیسر آزاد وغیرہ کے لکھے ہوئے درج کئے جاتے ہیں ؎

بہاتا ہے جوشِ عشقِ شیریں شُوں میں رونا	ہے آبِ شورِ گریہ آبِ زلال اپنا

پایا ہے - مخدومی منشی امیر اللہ تسلیم لکھتے ہیں کہ آپکی استعداد علمی معقول اور معلومات فن شعر میں دستگاہ کامل حاصل ہے - اس وقت آپکی عمر ۴۹- ۵۰ برس کی ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

وہ شوخ مسکرا کے جو آنکھیں چرا گیا
میری نظر سے کیا مرے مطلب کو پا گیا

مرتا ہوں ہیں غیوری طفل سرشک پر
آنکھوں سے گر گیا تو زمیں میں سما گیا

بے اختیاریوں جو سر بزم رو دئے
کہئے تو اوج آپ کو کیا یاد آگیا

میں بھی نہیں محروم کہ ساقی ہو طلب ؟
جھڑکی مجھے ملتی ہے جو ساغر نہیں ملتا

اس فرط لاغری سے بس اتنا خیال ہے
ایسا نہو کہ اُٹھ نہ سکے ناز یار کا

پنجرے کی تیلیاں بھی رگ گل نظر میں ہیں
آنکھوں میں چھا رہا ہے جو عالم بہار کا

تیری ہی چشم شوخ کا صدقہ ہے بیخبر
یہ اضطراب میرے دل بیقرار کا

گنڈا بناؤں گردن مینا کے واسطے
ڈورا اگر ملے رگ ابر بہار کا

لو اوج اب تو صورت مقصود دیکھ لو
پیش نظر ہے آئینہ رخسار کا

یار ملتا ہے نہ کچھ عرض تمنا کا جواب
کیا کہوں ناکامی تقدیر میں ہوں لاجواب

یہ تو مانا قتل عالم اک تماشا ہے مگر
حشر کے دن داور محشر کو دوگے کیا جواب

کہہ رہی ہے اُن سے میرا مدعا میری نظر
دیکھنے دیتی ہے وہ چشم سخن گو کیا جواب

کچھ خبر بھی ہے تجھے چین سے سونیوالے
کیا گزرتی ہے شب ہجر کے بیداروں پر

ایسے دمباز کے فقروں میں نہ آؤ دیکھو
اوج اتراؤ نہ اُس شوخ کے اقراروں پر

بُرا ہو ضعف کا وہ پوچھتے ہیں حال میں چپ ہوں
زباں کہنے کو ہے لیکن نہیں تقریر کے قابل

لئے بوسے عدو نے مجھ سے وہ بگڑے تماشا ہے
کسی سے ہو خطا ٹھیرے کوئی تعزیر کے قابل

اسی سے کچھ شب غم بہلے کٹتی تھی مگر ہمدم
کہاں ہوں ضعف سے اب نالۂ شبگیر کے قابل

صبا کیوں آتش گل تو نے بھڑکائی ہر گلشن میں
کوئی پھول اُڑ کے پڑ جائے نہ بلبل کے نشیمن میں

کہوں کیا رشک ظالم ہر طرح مجھ کو ستاتا ہے
تصور میں بھی پاتا ہوں اُسے آغوش دشمن میں

ہمکو زیادہ غور کا موقعہ نہیں ملا - ایک سرسری نگاہ میں جتنے اشعار پسند آئے انتخاب کر لیے
سید صاحب کا دامزیبار کلام ہے ؎

خونِ بیجرم سے کیوں اتو ہوا دل ٹھنڈا
لے تڑپ کر ہوا آخر ترا بسمل ٹھنڈا

میری بے جرمی پہ جاکم قتل جب اُسنے دیا
شرم سے پھر پھر گیا مُنہ خنجرِ فولاد کا

ہمسے اے بیدرد جو تو نے کیا بہتر کیا
کیا زباں پر لائیے شکوہ تری بیداد کا

گزرا نہ عشقبازی سے اور خود گزر گیا
دیکھو کہ سر گیا پہ نہ یہ دردِ سر گیا

تیرے قدم پہ دم مرا اے جان نکل گیا
صد شکر مرے ایک تو ارماں نکل گیا

فعلِ عبث ہے کیجئے کیوں عرضِ مدعا
محرم ہے خود وہ آپ ہی اس دل کے راز کا

کل کے آنے کی قسم کھاتے ہیں وہ
خیر کچھ دل کو سہارا ہو گیا

تمام خلق میں رسوا ہوئے خراب ہوئے
اب اور اے دلِ خانہ خراب کیا ہوگا

قصد حرم کا کیوں کریں دیر بتاں سے کیا غرض
اپنا تو مدعا ہے تو سارے جہاں سے کیا غرض

تو گزر جاتی ہے باجی سے گزر جاتے ہیں ہم
اے شبِ فرقت سحر تک تو نہیں باہم نہیں

صبا نکلے ادھر ہو کر تو روکیں ہم بشر کیا ہے
یہ باہم مشورے روز انکے دربانوں میں رہتے ہیں

نفاق کفر و دیں کیا غلط کہتا ہے تو واعظ
وہ ہیں زنار جو تسبیح کے دانوں میں رہتے ہیں

کب تک ترک و عیش کے ساماں میں رہیں گے
قصر آج ہے کل گورِ غریباں میں رہیں گے

یوں دل نہ کسیکا پھر ستانا
مجبور تھے سہنے در گزر کی

(اوج) مولوی سید محمد عابد حسین خلف الصدق سید محمد احمد علی صاحب رسا تخلص مرحوم رئیس رامپور - تکمیل علمی کے بعد آپ کئی سال تک الموڑے کے عربی مدرسے میں ہیڈ ماسٹر رہے - اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد رامپور آکر ریاست میں ملازم ہو گئے چنانچہ اب مدار المہام صاحب کے اجلاس میں اہلکار ہیں شعر و سخن کا مذاق بچپن ہی سے ہے آپکی طبیعت کو اس فن سے خاص مناسبت ہے - فنِ سخن میں اپنے والد مرحوم سے فیض

اوج

توڑ کر غنچۂ گل کس لیئے خوش ہوتے ہو — یہ مرا دل ہے نہ یہ آپ کا پیماں کوئی
اوج اب داغ تمنا بھی نہیں ہے دل میں — ہائے مجھ سا بھی نہو بے سروساماں کوئی

بغل میں اب نہ وہ دل ہے نہ وہ ارماں نہ تمنا ہے — ہجوم یاس اس اجڑے ہوئے گھر میں دھرا کیا ہے
بھلا ہو بیخودیٔ دل کہ یہ تیرا ہی صدقا ہے — غم امروز ہے مجکو نہ کچھ تشویشِ فردا ہے
مرا ابھرا ہوا داغِ جگر ہے دید کے قابل — یہ وہ ذرّہ ہے جو مہرِ رخِ جاناں سے چمکا ہے
ترے بیمارِ ہجراں کو اسی سے کچھ توقع ہے — یہی دردِ جگر کروٹ بدلوا انکو اٹھتا ہے
جو بھرتے ہیں مری آنکھوں میں چھپتے ہیں وہی مجھ سے — جو رہتے ہیں مرے دلمیں انہیں کا مجھ سے پردا ہے
کہاں جاؤں کہوں کس سے کہ یہ بیتابیٔ خاطر — کسی شوخیٔ چشم فسوں گر کا کرشمہ ہے

میں صدقے فائدہ کیا اس حیا سے — غضب ڈھاؤ نگاہِ فتنہ زا سے
اسے ہے آپ میری فکر اے اوج — کروں لب آشنا کیوں التجا سے

کچھ خبر بھی تجھے اے محوِ خود آرائی ہے — ٹکٹکی باندھ کے آئینہ تماشائی ہے
آنکھ میں ہے کبھی دلمیں ہے کبھی پہلو میں — کسقدر شوخ مرا شاہدِ ہرجائی ہے
آہ پیری میں جوانی سے سوا ہوں غافل — نیند کیسی مجھے ہنگامِ سحر آئی ہے
دل کا کیا سمجھے ہو دیکھو تو کلیجا اس کا — تم سے پرکالۂ آفت کا تمنائی ہے
اوج اس دورِ محبت میں بسر کی ہے یونہیں — داغ کھایا ہے کبھی تیغِ ادا کھائی ہے

اوج

(اوج) منشی میر محمود جان اوج - دہلی کے قدیم متوطن اور شیریں کلام و خوش فکر شاعر تھے - بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی - ایک قلمی بیاض سے آپ کا کلام انتخاب ہو کر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ۵

کون ہے دوست اب یہاں اپنا — دشمنِ جاں ہے اک جہاں اپنا
ہزار بار گیا وہ رقیب کے گھر پر — ہمارے پاس نہ افسوس ایکبار آیا
روانہ ہوئی جان بھی تیرے ساتھ — ترا یاں سے جانا غضب ہو گیا

اِسے کیا جستجو ہے خنجرِ خونریزِ قاتل کی
بلانا ہے تو ساغر بھی لگا دے آپ ہی مُنہ سے
آنکھیں اگر لڑیں تو بشر ہوں خفا نہ ہو
بگڑو تو اپنے حسن سے بگڑو کہ ہے غضب
آہوں کے ساتھ مُنہ سے نکلتا ہی کیوں بعنوان
آفت ہے رہے جلنے بھی کہیں دل سوزِ نہاں سے
کچھ تو دلِ بیتاب کو ہوتی ہے تسلی
قرباں ہیں تم روٹھ کے جاؤ نہ یہاں سے
کچھ تڑپنے ہی سے تسکین کی صورت ہوگی
چٹکیاں یوں جو کلیجے میں کوئی لیتا ہے
حضرتِ شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی
اے اجل کیوں ہیں تقاضے کہ مریضانِ قلق
تم نہ آؤ گے تو کیا پاس نہ ہوگا کوئی
اوج ہم خلد میں کیوں جائینگے مطلب کیا ہے
آڑے نہ آتی اُنکی نزاکت تو ہاں مجھے
مجھ سے ملا کے آنکھ مجھے بت بنا گئے
وہ خوش ہیں یوں کہ اسکو اذیت ستم سے ہے
تیری بلا کو ہو دلِ اغیار سے غرض
ہم خوب جانتے ہیں خوب چھپاتے ہو ہم سے کیوں
چین ہو موت ہو آئے شبِ ہجراں کوئی
دل میں آ تو سہی خلوت بھی ہوئی جاتی ہے

لہو یوں دوڑتا پھرتا ہے کیوں گھائے گردن میں
پڑے رہنے دے میرے ہاتھ ساقی اپنی گردن میں
تیرِ نظر نہیں ہوں ترا جو خطا نہ ہو
اِس پیار کی نظر سے مری جاں خفا نہ ہو
سوزِ غمِ نہاں سے جگر جل رہا نہ ہو
اے دیدۂ تر اشک فشاں تیری بلا ہو
وعدہ تو وہ کر لیتے ہیں چاہے نہ وفا ہو
آنکھوں میں چلے آؤ اگر دل سے خفا ہو
یہی بیتابیٔ دل باعثِ راحت ہوگی
یہ اُنہیں شوخ نگاہوں کی شرارت ہوگی
میکدے میں قدمِ پاک سے برکت ہوگی
دم بھی توڑیں گے تڑپنے سے جو فرصت ہوگی
شبِ فرقت مری ہمدم مری حسرت ہوگی
گلشنِ کوچۂ دلبر میں جو تربت ہوگی
دل سے اُتارتے وہ گراتے نگاہ سے
گویا وہ منہ کو سی گئے تارِ نگاہ سے
ہم شاد ہیں کہ اُنکو تعلق تو ہم سے ہے
اے حسرتِ وصال تجھے کام ہم سے ہے
جو مدعا جناب کا طوفِ حرم سے ہے
کاش نکلے دلِ ناشاد کا ارماں کوئی
میرا اُدھر جو ہے حسرت و ارماں کوئی

ہے شبِ مہتاب لو ساماں عیش	گر نہ آیا ماہرو اندھیر ہے
ہے یقیں وہ جانِ جاں آتا نہیں	موت کے آنے میں پھر کیوں دیر ہے

اوج

(اوج) سرتاج مرثیہ گویاں حال مرزا محمد جعفر صاحب خلف الرشید و جانشین حضرت دبیر مرحوم مرثیہ گوئی میں اپنے والد ماجد کے قدم بقدم ہیں۔ قابلیت علمی معقول رکھتے ہیں مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی ان کا آبائی شعار ہے۔ شروع محرم سے چہلم تک مختلف مقامات میں جا کر اپنے تازہ مرثیوں سے اہلِ مذاق کو محظوظ کرتے ہیں۔ ہنگام قیام لکھنو میں راقم کو بھی مکرمی مسٹر حامد علیخاں کے ہمراہ شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا۔ اثنائے گفتگو میں جناب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہمارا اصلی وطن دہلی ہے اور ہمارے اجداد کی سکونت قاضی کے حوض کے پاس تھی۔ چنانچہ آپ خود بھی ایک مرتبہ خاص اسی غرض سے کہ مسکن قدیم کا کچھ نشان لگائیں دہلی تشریف لائے تھے مگر انقلاب زمانہ سے اُس محلہ کی صورت ایسی تغیر ہو گئی کہ کوئی پتہ آپکے بزرگوں کے مسکن کا بہم نہ پہنچا نہایت خلیق۔ خوش مزاج۔ زندہ دل بزرگ ہیں۔ سن شریف ۷۰ سال سے متجاوز ہے حضرت جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ عظیم آباد کے اوقاف سے بہ صلہ مرثیہ خوانی دو ہزار سالانہ آپکا مقرر ہے۔ اسکے علاوہ اکثر حیدر آباد دکن کی مجالس عزا کو بھی قدومِ میمنت لزوم سے رونق بخشتے ہیں۔ اودھ کے بعض رئیسوں اور ریاست رامپور سے بھی آپکی معقول قدر ہوتی ہے۔ فی زمانہ آپکی ذات بابرکات مغتنمات سے ہے۔ اساتذہ سلف کی آپ ایک عمدہ یادگار ہیں۔ فن عروض میں آپکو زبردست مہارت حاصل ہے۔ چنانچہ ایک مبسوط رسالہ اسی فن میں آپکی تصنیف سے شایع ہو چکا ہے۔ اب آپکے کلامِ گوہر نظام میں سے چند اشعار زیبِ تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

چار سو عالمِ امکاں میں اندھیرا دیکھا	تو جدھر ہے اُسی جانب کو اُجالا دیکھا
اُسپہ قرباں کہ جسنے تری آواز سُنی	صدقے اُس آنکھ کے جسنے ترا جلوہ دیکھا
خلوتِ قدس کی بے پردہ تجلی کو نہ پوچھ	شوقِ نظارہ میں صرف آنکھ کا پردہ دیکھا

اے غیرتِ مسیح ذرا چل کے دیکھ لے
کس کس طرح سے اُسکی خوشامد ہمنے کی

اتر بہت ہے اب ترے بیمار کا مزاج
پایا کبھی نہ اُس بتِ عیار کا مزاج

یہ کہتا نہیں روز میرا کہا کر
عجب حال دو دن میں میرا ہوا ہے
کہوں کیا میں اُس چشمِ جادو کی باتیں
کیا ساقیا تونے بیہوش کیسا
نہ غیروں پہ کر اے ستمگار ناز
پلادے مئے وصل کا جام ساقی
نہیں بوسۂ لب اگر دیتے ہمکو
عشاق کو زمانہ میں دیکھا نہ بیوفا
وعدہ ہر روز کیا کرتے ہیں ٭

گر اک دن جفا کر تو اک دن وفا کر
ذرا دیکھ تو پاس اپنے بلا کر
لڑایا مجھے آنکھ سب سے لڑا کر
مجھے جام الفت کا اپنی پلا کر
اُٹھائیں گے ہرگز نہ اغیار ناز
بھلا دل ہمارا کُڑہانے سے حاصل
ہمیں گالیاں پھر سنانے سے حاصل
معشوق میں وفا کا نہ دیکھا اثر کہیں
کب جفا کار وفا کرتے ہیں

وہ صورت اور باتیں پیاری پیاری یاد آتی ہیں
کیا کہیں اپنے ستارونکی بھلا گردش کو
کیوں پھراتا ہے کو بکو ہم کو
آرزو ہے یہی خدا مجھکو
شبِ وصل کی کیا بیاں کیجے حالت
رہا کرتی تھی مجھ میں اُس میں یہ صحبت
وضع کیا آپ نے نکالی ہے ٭
یاالٰہی کیا ہوا وہ کیوں نظر آتے نہیں

بھلا میں کسطرح بھولوں جمالِ یار جانی کو
ماہرو سے نہ ملایا نہ ملا یا ہم کو
رہنے دے اپنے روبرو ہم کو
اُس صنم سے کہیں ملا مجھکو ٭
مناتا تھا جُوں جُوں۔ وہ مجھ سے خفا تھے
کبھی میں خفا تھا کبھی وہ خفا تھے
بات پیچھے ہے پہلے گالی ہے
رات دن رہتے تھے جو اپنی نظر کے سامنے

تمنا دشمنِ جاں ہوا چاہتا ہے
آنے میں اُس جانِ جاں کے دیر ہے

جسے جان سے تو ہوا چاہتا ہے
کچھ مقدر کا ہمارے پھیر ہے

اطاعت اور خداوند کے جب نسبت بہم ٹھہری
تو اس ناچیز مشتِ خاک کا پھر امتحاں کیوں ہو

رباعی

نیم شبِ ہجر نیند کھونے آئی +
پلکوں میں دُرِ اشک پرونے آئی
چونکا تو نہ اب تک اوج سوتے سوتے
دن ڈھل گیا اور رات ہونے آئی

(اوج) منشی محمد یعقوب خلف شیخ قادر بخش مرحوم تاجر کتب گیا۔ ۲۵ برس کے قریب عمر اور تجارت وجہ معاش ہے۔ استعداد علمی خاصی ہے اکثر اخباروں کے نامہ نگار بھی رہے ہیں پہلے آپ کو ملمعی سید ضمیر الدین عرش سے تلمذ رہا اب حضرت کوثر خیر آبادی کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ طرز قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ناول موسوم بہ خوابِ غفلت اور بیاض انتخابِ نوبہار آپکی تصنیف سے ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

اوج

جورِ فلک سے ہائے مٹے نامیوں کے نام
باقی نہیں نشان بھی لوحِ مزار کا +

ابر چھایا ہے مینہ برستا ہے
پہنو پوشاک آسمانی آج

گورِ غریباں

ہمنے دیکھا جب پڑی گورِ غریباں پر نظر
فرشِ گل کے سونیوالے سو رہے ہیں خاک پر
مونس و غمخوار جتنے تھے کنارہ کر گئے
آج کوئی نوحہ گر ان کا نہیں آتا نظر
فاتحہ کو بھی نہ آئے قبر تک وہ آشنا
زندگی میں جو کہ رہتے تھے بہم شیر و شکر
مال و زر یونہیں پڑا رہجائیگا سب ہے یہیں
کام آئیگا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر
ایک دن ہے خاک میں ملنا یہ سب کچھ خاک ہے
دولتِ دنیا پہ نازاں کیوں ہیں انساں اسقدر

کسی غریب سے ہر دم کی چھیڑ ٹھیک نہیں
سُنو سنو نہ سنو ہم جتائے دیتے ہیں

ملیں اغیار کو ہر وقت بوسے
مرا دل دیکھنے کو ہائے ترسے

وفور سوزِ نہاں سے بہت ہے پیاس مجھے
خدا کے واسطے ساقی کوئی گلاس مجھے
کوئی بھی ساتھ نہیں اوج کوئے قاتل میں
گئے ہیں چھوڑ کے تنہا مرے حواس مجھے
کبھی مفلس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے غنی ہوتے
کبھی اہلِ دول کو ہمنے بے اسباب دیکھا ہے
بہت دن تک رہے ہیں اوج اس قصرِ طلسمی میں
بہت کچھ ہمنے حالِ عالمِ اسباب دیکھا ہے

آنکھ جب بند ہوئی کھل گیا رازِ قدرت
شانِ معبود اندھیرے میں اوجالا دیکھا

پردہ اُٹھ جائے گا جب روئے تجلی سے کلیم
آپ خود مُنہ سے کہیں گے کہ ابھی کیا دیکھا

روئے گل رنگِ خزاں جوشِ جنوں فصلِ بہار
چار دن کے لئے اس باغ میں کیا کیا دیکھا

اوج کج بحثیٔ ارباب سخن سے کیا بحث
دامنِ گل کبھی کانٹوں میں نہ اُلجھا دیکھا

خواہشیں دنیا کی بارِ دوشِ و گردن ہوگئیں
رفتہ رفتہ منزلِ عقبیٰ کی رہزن ہوگئیں

یہ ہوا کیسی چلی اس تنگنائے دہر میں
شہر[۱] جنگل ہو گئے آبادیاں بَن ہوگئیں

چل سُوئے گورِ غریباں اے حریصِ مالِ زر
دیکھ کتنی آرزوئیں نذرِ مدفن ہوگئیں

کیسی رنگا رنگ شکلیں ہونگی اے جوشِ بہار
مِٹ کے جو گلگونۂ رخسارِ گلشن ہوگئیں

کھل نہیں سکتی کبھی کیفیتِ بغض و حسد
میرے آہیں پردۂ ناموسِ دشمن ہوگئیں

میرے نغموں نے جو پائی قلبِ گلشن میں جگہ
شاخِ گل پر بلبلیں بارِ نشیمن ہوگئیں

جب مرے نالے ہوئے قدِ صنوبر سے بلند
بلبلیں ساکت سرِ دیوارِ گلشن ہوگئیں

جامۂ ہستی ہوا صد چاک جب شکلِ سحر
زینتیں دنیا کی گردِ اگر دامن ہوگئیں

ہو سکے عون و محمد سے نہ سر بر زرہ پوش
حق میں مِٹو نکے دعائیں ماں کی جوشن ہوگئیں

سلام

سلامی سوزِ ماتم سے نہ سرگرمِ فغاں کیوں ہو
نہوں آتش فشاں نالے تو مجلس میں دھواں کیوں ہو

حقیقت کُنہِ خالق کی عیاں کیوں ہو نہاں کیوں ہو
نہ سننے کا تحمل ہو تو کہنے میں زباں کیوں ہو

اُسیکے لطف سے ہے ارتباطِ عالمِ امکاں
جو وہ نامہرباں نکلے تو کوئی مہرباں کیوں ہو

زمیں کیسی کہاں تک آسماں سب اُسکی جولاں ہیں
کہیں ملتا نہیں وہ بے نشاں خاطر نشاں کیوں ہو

حجابِ نور ہو یا آنکھ کا پردہ ہو جو کچھ ہو
تمہیں تم ہو اگر دل میں تو کوئی درمیاں کیوں ہو

شہادت دے رہا ہے امتزاج اپنے عناصر کا
نہو گر مرتبط کوئی تو ربطِ جسم و جاں کیوں ہو

جو آئی دوست کی جانب سے لوں خوش خوش سر آنکھوں پر
بلا میرے مقدر کی نصیبِ دشمناں کیوں ہو

فشارِ سرزمینِ حرص بربادی کو کافی ہے
ملا کر خاک میں ہمکو گنہگار آسماں کیوں ہو

---

[۱] لکھنؤ کی تباہی و ویرانی کی طرف اشارہ ہے جہاں زمانِ شاہی میں ۹ لاکھ کی بستی تھی ۱۲

کریں کس مُنہ سے عرض اُن سے کہ عاشق ہیں تمہارے ہم
کہاں وہ صاحبِ حسن اور کہاں آفت کے مارے ہم

مشاطہ کو ہے خوف لگانے میں حنا کے
ہاتھوں کو جلا دیتے ہیں شعلے کفِ پا کے

ہرجائی پن اُس شوخ ستم گر کا ہے پیشہ
اُستاد پشیماں ہیں بہت دل کو لگا کے

قتل وہ کرتی ہیں اب سرمئی آنکھیں مجھ کو
پہلوانی کے ارادے ہوئے بیماروں کے

ہم فقیروں کی صدا اِک نہیں سنتے بیدرد
سیمبر بس ہیں الٰہی ہنوں زرداروں کے

شاید اغیار کے گھر سے اُنہیں ڈالی آئی
میرے بھیجے ہوئے دونے نہ لئے ہاروں کے

الاماں کہنے لگے دیکھ کے تیرِ مژگاں
ہوش اُڑے دیکھ کے ابرو کو کمانداروں کے

جب نہ تھا عشق تو کٹتی تھی مزے میں اُستاد
رات دن کٹتے تھے جلسے میں ہمیں یاروں کے

اُستاد

(**اوگھٹ**) حضرت اوگھٹ شاہ وارثی - آپ قصبہ بچھرایوں ضلع مرادآباد کے باشندے ہیں اور سلسلہ چشتیہ وارثیہ میں بیعت رکھنے کے علاوہ خود بھی بحرِ ذخارِ معرفت کے شناور ہیں - آپکی تصنیف سے فیضانِ وارثی نام رسالہ نظر سے گزرا اُسکے مطالعہ سے یہ امر آشکار ہے کہ کہ آپکو کتب درسیہ میں عبور حاصل ہونیکے علاوہ تصوف و معرفت میں ایک خاص مذاق ہے - جب کبھی سخن گوئی کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر اسی رنگ میں کہتے ہیں - زبان ہندی سے بھی بخوبی ماہر ہیں - اور اکثر دوہے اور گیت بھی کہتے رہتے ہیں - اب آپ کے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ۵

کرامت یہ بھی ہے پیرِ مغاں کی
کہ زاہد نے درِ میخانہ دیکھا

بوسۂ رخ کا جو میں سائل ہوا
ہنس کے بولے تو بھی اس قابل ہوا

خدا شاہد نہیں تقصیر میری
ہوا دل خود بخود بندہ اُسیکا

چھوڑ کر بسمل گیا بےرحم یہ سمجھا نہ ہائے
دل میں ارمانِ شہادت نیمجاں لیجائیگا

دل کا عالم عاشقی میں کیا کہوں کیا ہو گیا
رنج سہتے سہتے پتھر کا کلیجہ ہو گیا

جو محبت کو دل لگی سمجھے
اُس سے بیکار دل لگانا تھا

کیسا ہے یہ دل میں داغ کس سے کہئے	رباعی	پژمردہ ہے کیوں یہ باغ کس سے کہئے
اے کاش کوئی ادھر مخاطب ہوتا		گھر کیوں ہے یہ بے چراغ کس سے کہئے
جیسے کوئی گل توڑ کے لیجائے چمن سے		اسطرح نکالا مجھے غربت نے وطن سے
اوج ایسی خوشنما دیکھی نہ ہمنے چاندنی	رباعی	چار سو پھیلی ہوئی ہے آج جیسی چاندنی
جو ہیں اعلےٰ مرتبت رہتے ہیں ہمت میں بلند		خاک پر پڑنے سے کب ہوتی ہے میلی چاندنی

اوحد

(اوحد) مولینا محمد عبدالودود خلف مولینا محمد عبدالرؤف وحید - ان کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر یہ خود بمقام کلکتہ نومبر ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی - علم ادب فارسی و اردو میں ماہر اور نظم و نثر دونوں پر قادر تھے - زبان انگریزی میں بھی خاصی دستگاہ حاصل تھی - اپنے والد مولانا وحید میر منشی دفتر لیجسلیٹو کونسل کے توسل سے اُسی محکمے میں مترجم ہو گئے تھے - مگر زندگی نے وفا نہ کی ۳۲ سال کی عمر پا کر ۱۸۹۲ء میں راہیٔ ملک بقا ہوئے اِن کے والد نے ایک مرثیہ اور کئی تاریخیں نہایت پُردرد اور رقت خیز انکے داغ مہاجرت میں کہی ہیں - اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

گو وہ شہر گاہ بیاباں کی سیر ہے	مت پوچھو حال اس دلِ خانہ خراب کا
زاہد پیو شراب کسی ماہ رخ کے ساتھ	صحنِ چمن میں فرش بچھا ماہتاب کا
فصلِ بہار صحنِ چمن یار ہے بکف	کیوں زاہد و حرام ہے پینا شراب کا
ہیں حضرتِ وحید ولی نعمتِ سخن	اوحد ہے ریزہ چین سی عالیجناب کا
ہووے جو اُنکے روئے منور کے روبرو	ذرے سے بھی فروغ میں کمتر ہو آفتاب
دریا میں عکس آپکے رُخ کا پڑے اگر	ہو جائے ہر صدف میں ہر اک گوہر آفتاب
دو آفتاب کا ہے قراں وقتِ میکشی	چہرہ ہے آفتاب ترا ساغر آفتاب

اُستاد

(اُستاد) میر یار علی نام - ایک پُرانی بیاض میں چند اشعار نظر سے گزرے اُن کا خلاصہ درج تذکرہ کیا جاتا ہے - مزاج میں شوخی و ظرافت خلقی تھی ؎

زیادہ تر مرثیہ گوئی کا شوق رہا ۱۸۸۹ء میں آپ کا مجموعہ مراثی شائع ہوا تھا - چند بند بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں - ان سے آپکی طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

طوبیٰ و خلد و کوثر و تسنیم و آسماں ۔۔۔ ذراتِ ریگ و اختر و مہر و مہ و کتاں
آب و ہوا و آتش و گل دشت و بوستاں ۔۔۔ دربان خلد و حور و ملک گلشنِ جناں
یہ سب مطیع امرِ امامِ جلیل ہیں ۔۔۔ کعبہ پکارتا ہے یہ حق کے خلیل ہیں

وہ کھیت پڑا دشت ہوا خون کا تھالہ ۔۔۔ لشکر دہنِ موت کا تھا ایک نوالہ
بجھ بجھ گئے پیدل ہوا پامال رسالہ ۔۔۔ کہنے کو تو ناگن تھی پہ تھا منہ میں چھالہ
دم وہ تھا کہ اژدر بھی دبک جاتے تھے اس سے ۔۔۔ موذی نہ کبھی جاں کی اماں پاتے تھے اس سے

ہاں اے زمینِ نظم فلک سے بلند ہو ۔۔۔ اے کلکِ نور طور سے تو بہرہ مند ہو
ہاں اے ورق ضیا میں قمر سے دو چند ہو ۔۔۔ ہاں سطر ہر صیدِ مضامیں کمند ہو
ہاں ہر ورق پہ نازشِ جنت نثار ہو ۔۔۔ ہر جزو ہشت خلد کی زیبِ بہار ہو

(اویسی) منشی غلام محی الدین خاں متوطن سرہند - حضرت سید حسن رسول نما صاحب کے خاندان کے مرید اور مرد قابل و ذہین - صاحب فکر سلیم - خوشنویس کامل اور درویش سیرت بزرگ تھے قرآن شریف کی ایک تفسیر نظم میں خوب لکھی تھی جس میں طرح طرح کے صنائع بدائع ملحوظ رکھے تھے - اُردو - فارسی - عربی - تینوں زبانوں میں داد خوش کلامی دیتے تھے - تذکرۂ شوق کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت تھے - شیفتہ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے اور ان کا دکن جانا بھی درج کیا ہے ؎

دل کی چوری پہ ترا خال ہے کالا کالا ۔۔۔ لے گیا قد ترا لیکن اُسے بالا بالا
یک طرف تھی نگہ چشم چبھی دل میں مرے ۔۔۔ دوسری ہر مژہ کرتی اُٹھی بھالا بھالا
ذکر و شغل اب تو اویسی کا یہی آٹھ پہرا ۔۔۔ کٹ گئی رونے میں کچھ تیری حکایات میں رات
لائق نہ ہے ہم تو کہیں سیر و سفر کے ۔۔۔ جیوں نقش قدم جلوہ نشیں ہیں ترے در کے

یہ تیری آنکھ ہے یا بادۂ وحدت کا ساغر ہے
ہوا بیہوش و بیخود جسکو تو نے اک نظر دیکھا

سُنا ہے شیخ جی آئے ہیں کعبے سے چلو چھیں
نظر آیا خدا بھی یا خدا کا خالی گھر دیکھا

گلی میں اُس ترکِ مہ جبیں کے عجیب یہ انقلاب دیکھا
نماز ہندو کو پڑھتے واعظ کو ہمنے پیتے شراب دیکھا

غنی ہے وہ مست ناز میرا ہے اُسکی سرکار لاؤ بالی
کبھی کرم ہے کسی پہ بیجد کبھی کسی پہ عتاب دیکھا

ہے خالق ایک ہی اسے بت یہ اپنی قسمت ہے
تو بے نیاز ہوا میں نیاز مند ہوا

لحد پہ آیا جو بعدِ مردن لگا کے ٹھوکر یہ بولا اُٹھ کر
اسی پہ دعویٰ تھا عاشقی کا کہ بھاگے دنیا سے منہ چھپا کر

عشق رہبر ہے پیشوا ہے عشق
اپنی کشتی کا ناخدا ہے عشق

مکیں بھی ہمیں لامکاں بھی ہمیں ہیں ٭
کسی بے نشاں کے نشاں بھی ہمیں ہیں

برہمن بھی آوازِ ناقوس بھی ہم
موذن بھی ہم ہیں اذاں بھی ہمیں ہیں

ہمیں بت پرست اور ہمیں بت شکن ہیں
ہمیں بت ہیں محبوبِ بتاں بھی ہمیں ہیں

فنا و بقا کا بیاں کیا ہو اوگھٹ
نہیں بھی ہمیں اور ہاں بھی ہمیں ہیں

کُھل گئی اپنی حقیقت جس کو وہ
جزسے کل قطرہ سے دریا کیوں نہو

یہ دل ہے وہ مکاں جو لامکاں والے کی منزل ہے
وہ لیلیٰ ہے اسی میں یہ اُسی لیلیٰ کا محمل ہے

ایک خوش رو سے محبت ہو گئی
ہمکو کیا خوش رو جہاں میں لاکھ ہوں
لاکھ پردہ کیجئے ہوتا ہے کیا
سنتے ہیں واعظ کی میخانہ میں آج

دل لگی کی اچھی صورت ہو گئی
ہو گئی جس سے محبت ہو گئی
آپ کی ظاہر حقیقت ہو گئی
رہن دستارِ فضیلت ہو گئی

رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیا ہمنے
بتوں کو سجدہ کیا جانکر خدا ہمنے

بتوں کا عشق ہوا جب نصیب اے واعظ
کہ مدتوں کیا پہلے خدا خدا ہمنے

اویس

(اویس) منشی میر ناصر علی اویس بلگرامی خلف اکبر میر غلام علی مغفور آپنے اپنے چچا میر حیدر علی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی عنفوانِ شباب سے فنِ سخن کی طرف توجہ ہوئی مگر

ہر چند کے میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
ہے ہے غلط انداز ئے عیارِ ستمگر
اب آئے وہ اب جاں کو ہوئی میری تسلی
دیکھو تو مری ضد کہ کسی شب وہ ستمگر
دو دن میں ہوا حال یہ اُسکا کہ مری جاں
شب جا کے وہاں اپنا تو کچھ دل سا بھر آیا
لب اُسکے زخمونپہ چھڑکا کیا نمک جوں حباب
لے اب جنازہ پہ ایجاد کے تو چل ظالم
تیرے خنجر کے شکر نے قاتل
اس فصل میں لکھو لینگے جو زنداں کے نہ در کو
یہ باتوں میں بہلائے وہ دل چھین کے لیجائے
ہمکو نہ اُٹھا بزم سے اپنی کہ میری جاں
لگے ہم سے نظر اپنی چرانے
سبب سمجھا جو بیماری کا وہ شوخ
نظر کی برق مجھ پر ہی گرے گی
ظالم ہیں سزاوار تو کچھ لطف کے ہم بھی
سکھایا دختِ رز کو منہ چھپانا
جتنی ہو پلا دے کہ پیاسا ہوں میں ساقی
کرتے ہیں میرا چارۂ غم جس قدر ایجاد
کتنا ہی کروں خشک پہ یہ دامن تر ہائے

پر دل وہ بلا ہے کہ جہاں تھا یہ وہیں تھا
جس جا پہ مرا دھیان گیا واں وہ نہیں تھا
تھا دھیان یہ اور لب پہ دم بازپسیں تھا
آیا بھی تصور میں تو دشمن کے قریں تھا
دیکھا تو وہ ایجاد ہی گویا کہ نہیں تھا
سب تجھے تری محفل میں پر ایجاد نہیں تھا
نگاہ دل پہ کیا کی سناں گزاری رات
تری ہی یاد میں تھا وقتِ دم شماری رات
کی ہے زخموں سے سوزباں ایجاد
مر جائیں گے دیوانے ترے پھوڑ کے سر کو
کیا یاد ہیں ڈھب لب کو تری اور نظر کو
ہم آپ ہی بجھ جاینگے جوں شمع سحر کو
وہ سمجھے جس گھڑی لطفِ نظر کو
نہ آیا پھر کبھی میری خبر کو
وہ دیکھے گو ادھر کو یا اُدھر کو +
دیکھو کبھی تم ایک نگہ سے ہی ادھر کو
کوئی کیا روئے جانِ شیشہ گر کو
ظالم میں سمجھتا نہیں کم اور زیادہ
اُتنا ہی یہ ہوتا ہے الم اور زیادہ +
خجلت سے ہوا جاتا ہے نم اور زیادہ

(ایجاد) شیخ الہی بخش ایجاد ساکن صاحب گنج علاقہ گیا شاگرد مولانا کوثر خیرآبادی معمولی لیاقت

ایجاد

ہم اپنے تحمل میں نہیں آپ کو پاتے		جس دن سے ہوئے محو میاں تیری کمر کے
کسطرح چھوڑ سکوں تیری گلی کو جانا		سر اگر جائے تو جاوے یہ قدم رُکتا ہے

اس آفتاب سے چہرہ پہ زلف ہے کالی	پناہِ سوختگاں مدظلہ العالی
بتن ۵۱ روز عید بھی قرباں کیا نہ میرا دل	ہزار حیف یہ ذی الحجہ یوں ہی گیا خالی

ایاز — (ایاز) منشی عبد العلی - حیدر آباد دکن کے نومشق موزوں طبع نوجوانوں میں ہیں - مولانا حالی کے جشن جوبلی نظام پر حیدر آباد تشریف بری کے موقع پر آپنے ایک نظم اُن کی ستائش میں لکھی تھی - اُسکے چند بند بطور نمونۂ کلام حاضر کئے جاتے ہیں ؎

یہ وہ حالی ہیں جنکی آج شہرت ہے زمانے میں	در وصف مولانا حالی	زمانہ اِن کا قومی راگ گاتا ہے ترانے میں
انھیں کی کوششیں ہیں قوم مردہ کے جلانے میں		انھیں کی شاعری کی روح ہے قومی فسانے میں
ہر اک شعر انکا قومی سوز کا دمساز ہوتا ہے		ہر اک ساز اُسکا قومی راز کا ہمراز ہوتا ہے
یہ وہ حالی ہیں جو پیدا کریں امرت کو زہروں میں		ہیں اِنکے نام کے قائم کلب یورپ کے شہروں میں
معانی کی جگہ جادو بھرا ہے انکی بحروں میں		مہذب لیڈیاں گاتی ہیں جنکو اپنی لہروں میں
اِنھیں کے نام کا حالی کلب قائم ہے لندن میں		اِنھیں کی نظم کے تو ترجمے ہوتے ہیں ۵۲ سپین میں
مسلّم شاعرانِ ہند میں ہے انکی اُستادی		نئی نظموں کا رکھا ہے انھیں نے سنگِ بنیادی
انھیں نے شاعری کو قید سے دلوائی آزادی		ہیں قدرت کے مناظر شاعری میں انکی ایجادی
مؤثر نظم دلکش شعر درد انگیز مضمون ہے		زباں میں انکے جادو ہے قلم میں انکے افسوں ہے

ایجاد — (ایجاد) شاہزادہ مرزا رحیم الدین گورگانی - تلمیذ رشید صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر صاحب تذکرہ گلستانِ سخن مرزا حسین بخش کے بیٹے بڑے خلیق اور ملنسار آزادمنش نوجوان تھے - غدر کے زمانے میں ۲۵ - ۲۶ برس کے سن میں پھانسی پائی - فنِ سخن میں طبیعت نہایت رسا اور عالی پائی تھی - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

بتخانہ میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا	اے زاہدِ ناداں تجھے کیا میں کہیں تھا

۵۱ یعنی تو نے ۱۲   ۵۲ پرتگال کے دار الخلافہ کا نام ہے ۱۲

(ایجاد) مولوی قمر الدین صاحب بھوپال سے ایک رسالہ آپ کی زیر نگرانی شائع ہوا کرتا تھا یہ آپ کا کلام ہے ؎

آئے نہ وہ تو بھیجدیں آنکھیں نکال کے
ہم نے نیا علاج کیا انتظار کا

دل نے بھی آہ اُن سے میرا حال کہدیا
اب اعتبار کیا ہو کسی رازدار کا

ہم نے نہ پی شراب جو قحطِ شراب میں
اللہ نے ثواب دیا روزہ دار کا

(ایرن) مسٹر ایرن جیکب۔ عیسائی مذہب اور گورکھپور کے رہنے والے ہیں۔ شاید حضرت ریاض سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔ بہر حال یہ اُنکے کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

ہاتھ میں سبحہ ہے لب پر ہے ترا نام اے بت
بس یہی دیں ہے میرا یہی ایماں میرا

خبر اسکی نہیں کیا ہو گیا دل
مگر یہ یاد ہے پہلو میں تھا دل

ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے
یہ ظلم او کماندار کیا ہو رہا ہے

یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہے اے دل
خبردار کسکا گلہ ہو رہا ہے

لگی چوٹ ایرن کے دل پر یہ کیسی
کہ ہر وقت ذکرِ خدا ہو رہا ہے

محبت ہے رکھنے کے قابل یہی ہے
حسیں جسپہ مائل ہو وہ دل یہی ہے

مرے بت سے اچھی سہی حورِ جنت
مگر پیار کرنے کے قابل یہی ہے

نکلتی کسطرح ہے دیکھ جائیں جان بسمل کی
نظارہ ہو دمِ آخر بر آئے آرزو دل کی

ستم ایسا نہ کرے باغباں فصلِ بہاری میں
گرائیں بجلیاں ایسا نہ ہو آہیں عنادل کی

(ایما) میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علیخاں۔ صبیہ زادہ خوشحال خاں قاقشال۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد کے حضور رس امیروں میں تھے۔ دولت و تمول کا یہ حال تھا کہ ایک بنگلہ جواہر سے مرصع تیار کرایا تھا جس پر حضور شاہی سے موردِ عتاب ہوئے۔ شوخ طبعی خلقی تھی۔ دکن آپ کا مولد تھا اور وہیں زندگی کے دن پڑے کئے۔ علم ہندی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ نواب نظام الملک آصفجاہ کے رُوشناس و ہمعصر تھے۔ ریختہ میں کبھی ایما اور کبھی عاشق تخلص کرتے تھے۔ یہ

کے تجارت پیشہ آدمی ہیں۔ اب ۳۲ برس کی عمر ہے اور کم و بیش ۱۲ برس سے شاعری کا شوق ہے۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

ہیں وہ میکش مفلسی میں بھی نہ چھوٹی میکشی
رہن دو پیالوں پہ ہمنے حوضِ کوثر رکھدیا

مئے گلرنگ سے ساقی چھکا دے
گھٹا چھائی ہے اُودی آسماں پر

یہ کہہ کے رُخ سے وہ پردہ اُٹھائے دیتے ہیں
تجھے بھی طور کا عالم دکھائے دیتے ہیں

دیکھنے والوں سے پردہ کہیں ہو سکتا ہے
نگہ شوق نے روزن کئے دیواروں میں

اسطرف رُخ تری رحمت کا جو دیکھا دمِ حشر
ملگئے دوڑ کے زاہد بھی گنہ گاروں میں

وہی ہم ہیں کہ ہنسنے پر تے تھے بلبل کی فغاں سُنکر
وہی ہم ہیں کہ اب دن رات لب پر آہ و نالے ہیں

نہیں جس بات پر ہوگی قیامت تک نہیں ہوگی
خدا اس ضد کو رکھے اب وہ کسکی سننے والے ہیں

کسیکی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دئے ہمکو
جگر میں ٹیس - دل میں درد - لب پر آہ و نالے ہیں

چھپائے مُنہ جناب شیخ نکلے بزمِ رنداں سے
انہیں کی دھوم تھی پہلے بڑے اللہ والے ہیں

لگا کر دل کسی سے جان ہے **ایجاد** آفت میں
امیدِ وصل کیسی زندگی کے اب تو لالے ہیں

ناتوانی سے بیٹھتے اُٹھتے
لب تک آتی ہے آہ مشکل سے

جو پسند آئے ملیئے ہاتھوں میں
خونِ عاشق بھی ہے حنا بھی ہے

ایجاد

(**ایجاد**) منشی سرفراز علی ایجاد باشندہ رودلی اودھ یہ آپکا کلام ہے ؎

درد کہتا ہے کہ ہوں ضبطِ فغاں تک دلمیں
ساتھ نالوں کے میں کانٹا سا نکل جاؤں گا

صدمۂ ہجر یہ کہتا ہے کہ جلدی کیا ہے
جان لے لونگا تو پھر دل سے نکل جاؤں گا

ہزاروں حسرتیں رہتی دل میں
ہے گھر چھوٹا سا گنجایش بڑی ہے

رو کے ہمنے جو کہا جاں ہی اب دیدینگے
ہنسکے وہ بولے کہ نقصان ہمارا کیا ہے

عاشقِ حسنِ بتاں ہوں اے جناب شیخ میں
مجھ سے ذکرِ کافر و دیندار رہنے دیجئے

بن چکیں باتیں بس اب تکرار رہنے دیجئے
بوسۂ لب ہو عطا انکار رہنے دیجئے

یہ لبِ زخم تری تیغ کا بوسہ لیں گے	بدگماں ایسا گماں اپنے نمک خواروں پر
حضرتِ ایماؔ درِ جاناں وہ آتا ہے نظر	دیکھو ہمت کو نہ ہاروآ چکے منزل کے پاس
ٹھیک بیٹھا جگر پہ تیرِ نگاہ	بل بے ظالم تری نظر کی تلاش

ایمان

(**ایمان**) شیر محمد خاں خلف محمد عاقل نایک۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے دوران حکومت میں حیدرآباد کے شعرائے مشاہیر میں شمار کئے جاتے تھے۔ اخبار نویسیاں ریاست کے زمرہ میں تعلق تھا۔ سرزمین ملکِ دکن کے حالات سے واقفیت کامل حاصل تھی۔ عروض و قافیہ سے خوب ماہر تھے۔ اور اکثر اشعار میں ضلع جگت کی طرف طبیعت کی توجہ مبذول رہتی تھی۔ ایک رسالہ جگت اور مثنوی برسات ان کی یادگار ہے۔ شطرنج بھی خوب کھیلتے تھے۔ امیرالامراء وزیراعظم کی مصاحبت میں اکثر رہتے تھے۔ سنہ ۱۲۲۱ھ میں وہیں انتقال کیا۔ یہ اِن کا کلام ہے ؎

جو داغ ہے دل کا سو برنگِ پرِ طاؤس	ہو کیوں نہ خجل دیدۂ تنگ پرِ طاؤس
روا ہے کون سے مذہب میں یہ اے عشقِ نا منصف	دلِ پرویز خوش ہو خاطرِ فرہاد محزوں ہو
مئے گلگوں کا جو دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے	ٹپک پڑتا ہے خونِ دل مرا ایمانؔ آنکھوں سے
قدرِ یاقوت نہیں لختِ جگر کے آگے	ابر بھی پانی بھرے دیدۂ تر کے آگے
ہے بنا گوش سے شرمندہ ترے آب گہر	شمع کو تاب نہیں نورِ سحر کے آگے
سرمہ گر چشم سے اپنی وہ خوش ابرو پونچھے	گردِ خجلت کو سدا دیدۂ آہو پونچھے
آستیں کا میں کسی نہ دستِ نگر	میرے ہی ہاتھوں نے آخر مرے آنسو پونچھے

ایمان

(**ایمان**) منشی محمد علیخاں ایمان مقیم شکارپور ضلع بلند شہر۔ آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے ؎

ناآشنا بھی ہیں یہ صنم آشنا بھی ہیں	بندے بھی ہیں خدا کے یہ کافر خدا بھی ہیں
مٹا دو ہمارے نشانِ لحد کو	نہ چھوڑو زمین پر نشانی ہماری
مٹا دیں تجھے دل سے کیا داغ ہجراں	وہ پوچھیں گے کیا کی نشانی ہماری

آپ کا کلام ہے ؎

طبیبِ عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا
کہا تجھ پر بھلا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا

وقتِ بد میں کیا کسی سے ہو رفاقت کی امید
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سایہ سا رفیق

رزا لایا جب بولا میرا آنا روپے پر ہے
تو ہم بولے کہ منہ دیکھو روپے کے سولہ آنے ہیں

عاشق نہیں ہے تجکوں کچھ خوف معصیت کا
موسے ملتے رضا سین ہیں گے امام ضامن

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں
لیک منہ دیکھی آشنائی ہے

کیوں نہ گھر آوے وہ کماں ابرو
واسطے جسکے کھینچے ہیں چلّے

ایما

(ایما) میر حسین علی خاں مغفور - باشندۂ اورنگ آباد دکن - نواب سکندر جاہ نظام الملک والی دکن کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک اور پانسو روپے ماہوار کے وظیفہ خوار تھے - شعر ریختہ کا شوق حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا - مہاراجہ چندو لال دیوان دکن کی قدردانی سے ہم عصروں میں ممتاز اور ہمیشہ مورد انعام و اکرام رہے - نہایت خوش تقریر و شیریں کلام بزرگ تھے - حضور نظامِ وقت کی فرمائش سے فی البدیہ یہ تضمین کی تھی جو درج ذیل ہے - ۶۰ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۳۰ ہجری میں راہیٔ ملک بقا ہوئے ؎

ایما میں ساکنانِ چمن سے کیا سوال
ہم بھی تو تھے خزاں میں تمہارے شریکِ درد

کیفیتیں بہار کی ہم سے بھی کچھ کہو
اردی بہشت دوی کی ہوئی کسطرح نبرد

غنچہ نے مسکرا کے دیا چٹ وہیں جواب
تو نے سنی نہیں کسی استاد کی یہ فرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

ایما

(ایما) حکیم سید حسن ایما شاگرد نواب فصیح الملک داغ دہلوی یہ خود دہلی کے متوطن ہیں مگر مدت مدید سے کلکتہ میں قیام رکھتے ہیں گلدستۂ نتیجۂ سخن میں کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا ؎

حالِ بیتابیٔ دل لختِ جگر کہتے ہیں
چلی آتی ہے خبر آنسوؤں کے تاروں پر

ب

بادشاہ

(بادشاہ) میر بادشاہ علی نام دہلی کے متوطن اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں حیات تھے ؎

بلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار	اے گلِ رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار
گل نے کر چاکِ گریباں یوں کہا رو رو کے حال	چشمِ گل کو نوکِ مژگاں کی جگہ ہے نوکِ خار

باران

(باران) منشی سید ولایت علی باشندہ بلند شہر ۔ علمی استعداد رسمی اور ایک خوش گو شاعر ہیں بلند شہر اور اُسکے نواح میں خاصی شہرت حاصل ہے ۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

جو کہئے اُن سے مشاقِ جفا تم ہوتے جاتے ہو	تو فرماتے ہیں شوخی سے کہ ہاں ہاں ہوتے جاتے ہیں
لگا تا ہے نشانہ کون سا ناوک فگن دل میں	نکل کر تیر جنبش سے رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں
بہار آتی ہے شاید ۔ پھر وہی شورش ہے سینے میں	کھلی جاتی ہیں باچھیں زخمِ دل رنگت بدلتا ہے
خزاں بھی ہو چکی اور فصلِ گل بھی جا چکی آکر	یہ نخلِ آرزو کیا جانے کس موسم میں پھلتا ہے
نہ ملئے وصل کا وعدہ نہ کیجے خیر کیا ڈر ہے	مگر یہ بھی سمجھ لیجے کہ ہونا ہو کے ٹلتا ہے
سرِ محفل یہ کیسا تاڑنا مڑ کر ان انکھیوں سے	یہ کیسی بجلیاں گرتی ہیں خنجر کس پہ چلتا ہے
پھر وہی بے باکیاں پہلی سی دکھلانے لگے	پھر مجھے چھیڑا تصوّر میں مرے آنے لگے

بارق

(بارق) مرزا مظفر حسین بیگ نام ہے ۔ مرزا صفدر علی بیگ رسالدار ایجنٹ نظام کے صاحبزادے ہیں ۔ خود بھی فوجی ملازم رہ چکے ہیں ۔ اصل میں ضلع علی گڑھ کے رہنے والے ہیں مگر اب عرصۂ دراز سے حیدر آباد دکن میں مقیم اور قلعۂ گول کنڈہ کے مدرسہ میں فارسی کے مدرس ہیں ۔ امامیہ مذہب ہے ۔ اہل و عیال کے جھگڑے سے آزاد و رند تنہا مزاج میں وارستگی اور بے تکلفی حد سے بڑھی ہوئی ہے ۔ طبیعت میں سپاہیانہ جوش و خروش پایا جاتا ہے ساتھ ہی شوخ طبعی بذلہ سنجی سے ہر دل عزیز اور یار باش ظریف ہیں ۔ پچاس برس کے قریب عمر ہے ۔ فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مستفید اور اُنکے عقیدت مند شاگردوں میں ہیں ۔ حضرت

ایمان

(ایمان) نواب تجمل حسین خاں رئیس مدراس جناب جلال لکھنوی سے مشورۂ سخن فرماتے ہیں ؎

دیکھو ڈھنگ اُس پری شمایل کا
روز خواہاں ہے اِک نئے دل کا

بوسہ ملجائے روئے قاتل کا
خونبہا ہے یہی مرے دل کا ✤

اثر ہوتا جو کچھ اپنی وفا میں
گئی کرتا وہ ظالم کیوں جفا میں

نہیں مُدت سے دل سلپو میں ایماں
بتوں کو دیدیا راہِ خدا میں

ایمن

(ایمن) حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندرپوری - دور موجودہ کے شاعر ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

ہائے رو رو کے جتانے یہ یہ ان کا کہنا
روٹھ کے ہمسے چلے ہیں یہ منائیں کیونکر

ناتوانی کا یہاں عذر نزاکت کا وہاں
وہ نہیں آتے تو ہم ہوش میں آئیں کیونکر

تم جفاکیش عدو چرخ فغاں بے تاثیر
آرزو میں دلِ مضطر کی برآئیں کیونکر

خون منظور ہے عاشق کی تمناؤں کا
آپ مہندی شب وعدہ نہ لگائیں کیونکر

تُوہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا
لگ گئی آتشِ غم دل میں بجھائیں کیونکر

طالب نہیں ہوتے کبھی اسکے وہ خوشی سے | دل دیتا ہے انسان اُنہیں آپ خوشی سے
رکھے کبھی امید نہ دنیا میں کسی سے | بگڑی ہوئی بندے کی سنورتی ہے اُسی سے
خنجر سے کریں قتل کہ تلوار سے مجھکو | میری وہ سزا پوچھتے ہیں آج مجھی سے
دیکھی فلکِ پیر کی جب سفلہ نوازی | نفرت ہوئی دل کو مری ثروت طلبی سے
وصل کا کرتے ہیں آنکھ اُسکے اشارہ لیکن | قائم اقرار پہ رہتے ہیں کہیں متوالے
حضرتِ زاہد اگر دیندار ہیں | میکشوں میں کون دیندار ہے
شوخیوں کا دلِ بیتاب کی وہ قائل ہے | یہ تو بجلی ہے اسے کون کہے گا دل ہے

بارق

(بارق) حکیم میر عنایت حسین لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎

مرا ہر اشکِ غم ہے ایک نعشِ حسرتِ مردہ | قطار نخلِ ماتم کا ہے نشک موہائے مژگاں پر
نیازِ عشق اسی نا منصفی کا نام ہے اے دل | خود اپنی جان دینا اور دعویٰ نازِ جاناں پر

بازغ

(بازغ) ابوالحیات محمد عبدالحی بازغ فرزند حاجی حافظ محمد حسین فارغ سابق سرگروہ فوج کوتوالی بلدہ حیدر آباد - مرزا منیر الدین گورگانی ضیا دہلوی کے شاگرد اور سرکار نظام کے وظیفہ خوار ہیں - طبیعت اچھی پائی ہے - زبان اور بندش کا خیال رکھتے ہیں یہ شعر انکے ہیں ؎

جا گزیں ہے جب سے زانوئے بتاں پر آئینہ | ہو گیا ہے روکش خورشید خاور آئینہ
اپنی صورت دیکھنے میں اتنے مستغرق ہیں وہ | آئینے کے سامنے بیٹھے ہیں بنکر آئینہ
نہ رکھ لباس کا الجھاؤ تن پہ دستِ جنوں | کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی
لحد پہ میری آ کے وہ کہہ رہے ہیں یہ | کسی کی خبر بھی ہے ملے سونے والے
وہ حُسن سے ہیں مست تو ہم عشق میں بیخود | پروا کسے وہ عالم نہ ادھر ہے نہ اُدھر ہے
لے لیجئے جو آپ کی منظورِ نظر ہے | یہ جان یہ ایمان ہے یہ دل یہ جگر ہے

باسط

(باسط) منشی سید باسط علی صاحب انکے والد کا نام سید محمد علی تھا آپ رمضان ۱۲۹۹ھ کو پیدا ہوئے - بھٹوار ضلع بارہ بنکی کے متوطن ہیں - ۱۵ - سال کی عمر سے شعر گوئی کا شوق ہے

داغ بھی ان پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے کلام میں شوخی - صفائی - پختگی - جدت - روانی - سب کچھ موجود ہے جیسا کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ۵

شکوہ بیجا ہے بے وفائی کا — یہ تو شیوہ ہے دل ربائی کا
سب میں مشہور ہو گئے کافر — اور دعوے کرو خدائی کا
حشر میں ہے خدا بھی وہ بت بھی — اب ہے موقعہ مری دوہائی کا
کیا زمانہ ہے یہ کہ ہے دشمن — باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا

اس حسن پہ بھی اُس کو دئے ناز و ادا اور — سچ یہ ہے کہ بھرتے ہی کو بھرتا ہے خدا اور
بسمل میں ہے گر جاں تو پھر دیکھتا کیا ہے — تیغ نگہ ناز کا ایک وار لگا اور
ساتھ اس بتِ کافر کے خدائی ہے خدایا — مجھ عاشق بیکس کا نہیں تیرے سوا اور
بھر زاہد میکدے سے لے چلیں ندو شراب — لاؤ کوئی صاف ستھرا پاک برتن دیکھکر
صبح کعبے میں گزرتی ہے تو شب کو دیر میں — دنگ ہیں مذہب مرا شیخ و برہمن دیکھکر
آؤ بس مل جاؤ اب چھوڑ دو رنج و ملال — لوگ ہنستے ہیں تمہاری میری ان بن دیکھکر
رسا گردوں تک آہیں ہیں قریب عرش نالے ہیں — تری فریادیوں کے آجکل تو بول بالے ہیں
بری باتوں کا اُنکی پھر بُرا مانے کوئی کیونکر — کہ وہ تو گالیاں دے کر دعائیں لینے والے ہیں
جو دنیا میں نہیں سنتے وہ محشر میں ملینگے کیا — یہ سارے عہد و پیماں آپکے جیلے حوالے ہیں
کبھی مطلب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے — ہمارے دیکھے بھالے ہیں وہ جیسے بھولے بھالے ہیں
یہ تم ہر بار کسکو کھینچکر خنجر ڈراتے ہو — وہ کب مرنے سے ڈرتے ہیں جو تم پر مرنے والے ہیں
عشق چھوڑا ہے نہ چھوڑینگے کبھی اے ناصح — اس بہلانے ہی سے آجائے جو موت آنی ہے
تیرا بیمار مسیحا کی دوا کیوں کھائے — اس کو منظور تو جنت کی ہوا کھانی ہے
آپ کا وعدہ وفا ہوگا ضرور — گر قیامت تک سلامت ہم رہے
دو روز تو جینے دو جوانی میں خوشی سے — کیا تم یہ فدا ہو کے میں مرجاؤں ابھی سے

(باقر) میر باقر علی ولد میر علی حسین - حکیم مومن خاں وغیرہ کے ہمعصر تھے - مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں مدت تک لاہور اور اطراف پنجاب میں رہے - شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی اور اچھا کہتے تھے اُن کا کلام یہ ہے ؎

تجھے تو شغل اغیار سے رہا تا صبح
تری بلا سے کسیکو گر انتظار رہا

اگر وہ شب کو نہ آئے تو کیا کیا ہم نے
یہی نہ اُن کے نہ وعدہ کا اعتبار رہا

چکھائینگے تجھے نازک مزاجیوں کا مزا
اگر ذرا ہمیں دلپر کچھ اختیار رہا

(باقر) اعتضاد الدولہ سید محمد باقر علی خاں برادر خرد ذوالفقار الدولہ ولد سید محمد نقی علی خاں شاگرد مرزا مظفر علی اسیر واجد علی شاہ کے زیر سایہ مٹیا برج (کلکتہ) میں رہتے تھے - تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے - صاحب دیوان ہیں اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

خاک پروانوں کی تھی بس اور لگن میں کچھ نہ تھا
صبح کے ہوتے ہی ہوتے انجمن میں کچھ نہ تھا

کسیطرح سے یہ کم ظرف ہونگے عالی ظرف
حباب لاکھ بڑھے آسماں نہیں ہوتا +

نہ مرتا عشق میں تو عاشقِ دلگیر کیا کرتا
سوا اسکے وصال یار کی تدبیر کیا کرتا

نیشِ غم نے اسقدر رگ رگ میں میری کی خلش
مغز بنکر درد ہر اک استخواں میں رہ گیا

جبہ سائی کی یہاں تک آستانِ یار پر
مٹ گیا سنگ درِ جاناں سے خط تقدیر کا

(باقر) نواب محمد باقر خاں لکھنوی - خلف نواب ظہیر الدولہ غلام یحییٰ خاں بہادر وزیر محمد علی شاہ بادشاہ اودھ - کشمیری الاصل اور لکھنؤ کے رئیس تھے - خواجہ وزیر سے فن شعر میں مشورہ کیا کرتے تھے - بعد غدر انتقال کیا ؎

غیر کے کہنے سے گو اُس نے چرائیں آنکھیں
ہوگئی صلح جو اک بار لڑائیں آنکھیں

بوسۂ چشم کبھی ہمنے جو مانگا باقر
یار نے چین بجبیں ہو کے دکھائیں آنکھیں

(باقر) باقر خاں ولد عباس خاں رامپوری - شاگرد مرزا حسین علی خاں شاداں - تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت اِن کی عمر ۲۴ سال کی تھی - یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

آجکل ریاست بھنوائو ضلع سیتاپور میں راجہ صاحب کے رشتہ دار ہیں۔ اوائل میں چند غزلیں منشی علی محمد صاحب آرم کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے رجوع لائے یہ کلام ہے ؎

مجھسے کیا پوچھنے جو حشر کے دن کیا ہوگا — سب کو آئے گا خدا یاد کچھ ایسا ہوگا

کس لیے وعدۂ فردا پہ صبر کیا معنی — ہمیں تو اپنے ہی جینے کا اعتبار نہیں

کرو رقیب کے ملنے سے تم ہزار نہیں — خطا معاف مگر ہم کو اعتبار نہیں

بسمل تو ہزاروں ہی ترے آئے نظر میں — دیکھی نہ کبھی تیغ بندھی تیری کمر میں

فرقت میں یہ لیلیٰ کے تصور کا تھا عالم — تاریک شب و روز تھے مجنوں کی نظر میں

اے پیر فلک شمس و قمر پر ہے تجھے ناز — داغ ایسے ہیں صدہا مرے اتنے سے جگر میں

وہ آتے ہی رہے شب وعدہ کہ ہوگئی — صبح قیامت آج شبِ انتظار میں

کہتے ہیں قتل کیا اس لئے ہمنے تجھ کو — خوں میں دیکھیں ترے رنگِ وفا ہی کہ نہیں

آنکلتے ہیں وہ جب گور غریباں کی طرف — بیکسی بڑھ کے بتا دیتی ہے تربت میری

باطن

(**باطن**) حکیم میر قطب الدین مولف تذکرہ گلستانِ بیخزاں و شاگرد نظیر اکبرآبادی گو آپ نے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بیخار کے جواب میں یہ تذکرہ لکھا مگر افسوس کہ وہ بھی اُن عیوب اور نقائص سے پاک نہیں نکلا جو انہوں نے شیفتہ مرحوم کے تذکرہ میں نکالے تھے۔ آپ میاں کالے صاحب دہلوی کے مرید تھے۔ دیوان اور مثنوی غمِ دلربا ان کی یادگار ہیں۔ انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

جی گیا مرنے سے مرنے نے جلایا مجھ کو — ملک الموت میرے حق میں مسیحا آیا

آنکھوں میں رہتے دلمیں جگہ کرتے بے حجاب — پردہ نشین تھے آپ تو پردہ کہاں نہ تھا

تیرے در سے خالقِ انس و جاں جو ملی تو لوں میں بلا طلب — نہ چلے یہ بلائے ہوس طلب بڑھے ہے یہ دستِ طالب

ضبط کے معنی ہیں یہ کرتے نہیں ہم منہ سے اُف — شورشِ ہنگامۂ محشر ہمارے دل میں ہے

ہر اک جانب ظہورِ نورِ روئے یارِ جانی ہے — کہاں ارنی کہاں موسیٰ کہاں کی لن ترانی ہے

رسوخ حاصل تھا اور اکثر سفر و حضر میں اُنکے ہمرکاب رہا کرتے تھے۔ شاہی تقریبوں اور دربار
کا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ آپ کو شعر و سخن سے دلی رغبت تھی۔ فارسی خوب
کہتے تھے۔ فن سخن کے دلدادہ اور ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے چنانچہ نواب
فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے ابتدائی قیام میں اُنکے بڑے مدد و معاون رہے۔ ۱۳۰۵ھ
میں جناب باقی کے دو صاحبزادے (جنمیں سے ایک ۲۵ برس کا نوجوان تھا) یکے بعد دیگرے
داغِ مفارقت دے گئے۔ ۱۳۰۱ھ میں آپ کا اُردو دیوان موسوم بہ بقائے باقی منشی دوارکا پرشاد
افق کے اہتمام سے چھپا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ بھاگوت فارسی۔ کیشو نامہ۔ کلیات
یادگار باقی۔ قصائد باقی۔ پرنس نامہ وغیرہ۔ ۱۵۔ ۱۶۔ رسالہ آپکی تصنیف سے ہیں۔ اسکے علاوہ دو
صغیر سن لڑکے آپنے یادگار چھوڑے۔ ۶۰ برس کی عمر پاکر ۱۹۰۱ء میں عالم کو سدھارے ۹

باقی دیکھا شعور تیرا	اپنے سے جدا خدا کو سمجھا

جسمیں سب جانیں کہ عاشق تھا کسی گلرو کا	چشمِ بلبل سے بنا دو مرے مرقد کا غلاف
آسماں تک اسے پہنچا دیکھا	آہ نالے سے نہ نکلا کچھ کام ✣
کاش کے میں بھی در یار کا پتھر ہوتا	یار کا پاؤں تو عالم کا وہاں سر ہوتا
تیغِ ابرو میں جو غمزے کا نہ جوہر ہوتا	دلِ عاشق کے یہ سو ٹکڑے کہاں نسے ہوتے
باقی اک بندۂ دیرین وکمن ہے اُنکا	یوں تو ہونے کو ہزاروں ہی نئے عاشق ہیں
تو نے غنچوں کے لئے گو جمع داماں کر دیا	جامہ زیبوں کی لٹک ان میں کہاں بادِ بہار
تو نے مکتب ہی میں پہلے خوں کیا اُستاد کا	لفظ بسمل جائے بسم اللہ تھا تیرا سبق
گر اجل سر پہ نہوتی تو بسر کیا کرتا	دیکھتے تم کہ شرارت سے بسر کیا کرتا
مرضِ عشق ابھی کسکو خبر کیا کرتا	موت آئی ترے عاشق کی بڑی خیر ہوئی

بن گیا بنبنہ مینائے شراب	میرے زخموں سے جو پھاہا اُترا
زاہد دیکھ تماشائے شراب	بات میں پیر جواں ہوتا ہے

آہ اک آہستہ کی تھی ہجر میں روزِ ازل — رنگ نیلا ہوگیا اُس روز سے افلاک کا

عطر آگیں ہے ہر اک جھونکا صبا کا دیکھنا — اُس نے زلفیں کھول کر شاید کیا ہے شانہ آج

چلے جو اپنے سائے سے بھی بچ کر — وہ ظالم کیا کسی کا آشنا ہو

قبر میں کشتۂ رفتار کا کیا جی بہلے — چاہیئے روز نئی ایک قیامت ہم کو

باقر — (**باقر**) باقر علی خاں ولد امجد علی خاں - خویش سبحان علی خاں کمبوہ لکھنوی - شعر و سخن کی طرف مائل تھے - مگر رعایتِ لفظی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں - کوئی شعر اس التزام سے خالی نہیں بچا - پانچ شعر انتخاباً ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

حادث ہو کیوں نہ صورتِ عالم ترا دہن — لب بھی نئے نئے ہیں ترے اور نیا دہن

اے بحرِ حسن دانت ہیں سلکِ گہر ترے — موجیں ہیں گال لب ہے حباب آشنا دہن

آگے تو گالی دے کے زباں خوب صاف تھی — اب منہ چڑا کے بگڑا ہے کیا آپ کا دہن

باقر ریاضِ شعر میں جو مدفن کی ہے طلب — وا کر نمازِ فجر میں بہرِ دعا دہن

باقر — (**باقر**) اسم نامعلوم - مجموعہ عشاق مولفہ منشی محمد اسمعیل ۱۳۰۹ھ میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آؤ گے — کسی دن تم بھی کھلائے گا اندوہ و غم اپنا

تمہاری دید کی حسرت میں دیکھو جان جائیگی — کھلی رہ جائینگی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا

شکلِ تصویر ہو خاموش تماشہ کیا ہے — بیٹھے بیٹھے کھنچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے

باقی — (**باقی**) راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ محبوب نواز ونت راجہ بنسی بہادر مغفور - آپ قوم کے کایستھ سکسینہ اور راجہ نرہری پرشاد خلف راجہ سوامی پرشاد کے فرزند تھے - سنسکرت اور فارسی سے بخوبی ماہر اور کسیقدر عربی سے بھی بہرہ ور تھے - آپ سلطنت آصفیہ کے ایک ممتاز رکن جاگیردار اور حضور نظام کے سچے خیرخواہ تھے فوج باقاعدہ دولت آصفیہ کے رشتہ دار اور دفتر خانسامانی کے مہتمم تھے - حضور نظام کے مزاج میں آپ کو ایک خاص

سنتا ہے تمہاری کون باقی | دیوانے ہو غل مچا رہے ہو

رسم بازارِ محبت کی نرالی دیکھی +
چور کی طرح سے کٹتے ہیں خریدار کے ہاتھ

حُسن وہ جنس ہے بازارِ جہاں میں باقی
پھیلے ہیں جسکے لئے مفلس و زردار کے ہاتھ

کعبہ و دیر میں تھے شیخ و برہمن سرکوب
ہم تھے سنگِ درِ دلدار تھا پیشانی تھی

یار جبتک کہ نہ تھا ٹھنڈی تھی محفل ساقی
مئے گلرنگ صراحی میں تری پانی تھی

حضرتِ فیض کا سب فیض ہے باقی ہلے
نہ سخن گوئی تھی ایسی نہ زباں دانی تھی

چتوں میں تیری کیا کیا فتنے بھرے ہوئے ہیں
یاں سامری کا جادو چلتا نہیں ہے کوئی +

اپنے کشتے کی زیارت کیجے
شمع رُخ کو شمع تربت کیجے

نزع تک بھی اُسکی بے پروائیاں باقی رہیں
جب کہا دم توڑتا ہوں میں کہا ان توڑنے

مژگاں کا ذکر آیا ابرو کے عاشقوں میں
خنجر پہ ہو پہنچی نوبت تلوار چلتے چلتے

تمھارے حسن کا افسانہ مشہور عالم ہو
چھٹے وامق سے عذرا قیس سے لیلیٰ دمن سے نل

مجھے اشکوں سے رسوائی کا ڈر ہے
مثل ہے گھر کے بھیدی سے خطر ہے

کیا زبوں حالِ دل رنجور ہے
داغ دل میں داغ میں ناسور ہے

اُسکی مژگاں کا تصور نکر اے دل زنہار
کیوں تو بوتا ہے یہ اپنے لئے ناداں کانٹے

ماہ نو جھکتا ہے مجرے کے لئے
مہرباں نیچے سے اوپر دیکھئے

مست و مجذوب میں نہیں کچھ فرق
مے پرستی خدا پرستی ہے +

صنم کا نور دیکھا ہے خدا کے نور کے بدلے
ہوا ہے داغ دل روشن چراغ طور کے بدلے

(بالا) سید رحم رسول عرف بالا میاں - ولد سید جمال علی عرف کلو میاں پرستارزادۂ سید شاہ نجات اللہ ماہروی سنہ ۱۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے - فن تاریخ گوئی میں عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا - بہت سی ایسی تاریخیں کہی ہیں جن کے مطول قطعوں میں متعدد صنعتوں کے ساتھ بے شمار تاریخیں نکلتی ہیں - چونکہ وہ سب فارسی میں ہیں اس سبب سے قلم اندازی کی -

کہہ رہا ہے دلِ شیدائے شراب
ہائے خُم - ہائے سبو ہائے شراب

پُتلیاں بھرتی رہتی ہیں آنسو
میری آنکھیں ہیں یا کہ ہے پنگھٹ

رفیقو جاں دی ہے مینے کسکے روئے روشن پر
کہ جائے شمع شعلہ طور کا ہے میرے مدفن پر

شوق سے کترے مرے صیاد یہ دو چار پر
طاقتِ پرواز کب ہے ہیں کسے درکار پر

شہسواروں کا چُھو لیا دامن
اپنے مشتِ غبار پر ہوں غش

کاٹے کھاتے ہیں غمِ ہجر صنم میں باقی
شمع - سیارے - ستارے - شبِ دیجور - چراغ

قدرت نہیں جھپکے دمِ نظارہ کبھی آنکھ
تصویر بنا ہے تری تصویر کا مشتاق

لطموں سے بحرِ غم کے ہیں باقی ہیں ہلاک
یاروں کی کشتی پہونچی ہے ساحل کے متصل

دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ
ہمسے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم

تُونے مجکو جو بھلایا تو کیا
میں تجھے یاد کیا کرتا ہوں +

عارضِ یار نہیں عکس فگن پانی میں
گُل شاداب کا پُھولا ہے چمن پانی میں

کسیکے ہے لبِ شیریں کی ہمسری کی سزا
جو نیشکر کے جدا بند بند کرتے ہیں

سب وہی وہ ہے کہاں میں ہوں کسے پوچھتے ہو
من دما چھوڑ چکا ہوں کہوں کیونکر میں ہوں

نیمجاں خنجرِ قاتل سے میں تڑپا جس دم
بولی شمشیر نہ گھبرا ترے سر پر میں ہوں

تُو بھی سُنتا ہے کہ یہ سب تجھے کیا کہتے ہیں
کتنے بت کہتے ہیں اور کتنے خدا کہتے ہیں

جیتے جی مر گیا جو زندہ جاوید ہوا
وہ جو عارف ہیں فنا ہی کو بقا کہتے ہیں

قطعہ

دوستو مینے یہ مانا کہ شریعت والے
کفر و ایماں کو بُرا اور بھلا کہتے ہیں

لیکن از راہ طریقت ہے مرا یہ سوال
جو کہ دونوں سے بری ہو اُسے کیا کہتے ہیں

چھوڑنا عشق کا آساں ہے نکرنا آساں
کیا قباحت ہے کہ عاشق کو ہیں مشکل دونوں

دل میں تو لگی ہے آگ اشکو
کیوں پانی سے گھر بہا رہے ہو

معلوم ہے زرگری تمھاری
کیوں سیم تنو تپا رہے ہو

وہ ہیں کیا کہتا ہے جا اب تو تجھے چھوڑ دیا
مار ہی ڈالوں گا کبھو پھر جو ترا ہاتھ لگا +

لوگ کشتہ کو ترے دیکھ لیے جاتے ہیں
دو قدم اُس کو موئے پر تو بھلا ہاتھ لگا

جی اُٹھوں کیا ہے تعجب وہ دمِ آخر بھی
دیوے بالا مرے تن سے جو ذرا ہاتھ لگا +

دی ہے ہر گل کو صبا میں ہے یہ تاثیرِ کھلا
غنچۂ دل نہ مرا پر کسی تدبیر کھلا

سیر ہوتا ہی نہیں لذتِ دلدار سے دل
جانے دی عشق نے کیسی اسے اکسیر کھلا

آپ بیکل ہے رکھے ہے مجھے نت کل کل میں
جی میں ہے زہر دوں دل کو کسی تدبیر کھلا

دیکھ بے رحم وہ یوں کہتا ہے گریہ کو مرے
پڑ گیا ہے ترے کیا دیدۂ تر میں تنکا +

عید قرباں میں نہ کیوں اپنا گلا کاٹوں میں
اُسنے پکڑا تھا مجھے ذبح کو - پر چھوڑ دیا

دوسرا دل جو تو مانگے ہے کہاں سے تجھے دوں
ایک دل تھا سو میں صدقے ترے کر چھوڑ دیا

ہے یہ وہ چشم کہ تنہا نہ زمیں جاوے ڈوب
ورنہ کہ جو روؤں بخدا عرش بریں جاوے ڈوب

بے دھڑک بال کھولے نکلے ہو
شام دیکھو نہ تم عمر صاحب

کیا جی کو خوش آتا ہے کہ جس وقت وہ ہنسکر
کہتا ہے مجھے آئیے شیطاں کی صورت

کیا کہیں حالِ دلِ زار کہ کچھ پوچھو مت
غم سے ہے اب تو یہ بیمار کہ کچھ پوچھو مت

تھمتے نہ اشکِ خوں ہیں نہ تھمتا ہے سوزِ دل
بیطرح کچھ بھڑکتی ہے آتش جگر میں آج

نامہ و شوق و پیام و عجز سب کچھ کر چکے
نامہ بر تو ہی بتا کچھ اُسکے یہاں آنے کی طرح

جو جدائی میں جئے بن یار وہ عاشق نہیں
سیکھے بلبل تو پروانے سے مر جانے کی طرح

بے اختیار مجھکو ابھی چاہنے لگے
میرے جو حال سے ہو وہ محرم کسی طرح

قطعہ

کیا غضب ہے دیکھ کل چھاتی پہ میرے زخمِ گل
یوں لگا کہنے وہ کرچہرۂ بتِ عیار سرخ

خوف چوری کر کے بیٹھے ہو کہیں مارے بچاؤ
سچ بتاؤ تمنے یہ پائیں کہاں دینار سرخ

لاش دیکھو مری لٹکا درِ جاناں پہ ضرور
ہو کسی پر نہ کوئی شیفتہ نامہ میرے بعد

قیس بھی چونک پڑا اسکے مرا شورِ جنوں
بولا شاباش بڑا نام کیا میرے بعد

گئیں آپ ریختہ گوئی کی طرف بھی مائل تھے۔ چنانچہ اس زبان میں بھی پورا دیوان مرتب کیا تھا۔ اپنے وقت کی زبان کے موافق اچھا کہتے تھے ۱۲۵۵ھ ہجری میں انتقال کیا اُنکے قلمی دیوان سے کچھ اشعار انتخاباً لکھے جاتے ہیں ۵

پھر اُس کو دو جہاں میں کس چیز کی ہے ہے — ہے نام جس بشر کو وردِ زباں تیرا
معلوم کچھ تو ہو میں کیا کیا ترا گناہ — چاہے ہے قتل مجھ سے جو تو خیر خواہ کا
تُو جو غیروں کو گلے لے ہے ہر اک آن لگا — اپنی چھاتی سے ہمیں بھی تو کبھی جان لگا
کیا کہوں دیکھنا اُسکا وہ نظر بھر کے آہ — تیر سا تھا کہ کلیجے پہ مرے آن لگا
نالۂ عشاق میں سنتے تھے اک تاثیر ہے — سو مری قسمت میں وہ بھی بے اثر پیدا ہوا
ہائے سُن نالہ مرا بولے وہ کل کس پیار سے — یہ مُوا جی کو مرے اِک نوحہ گر پیدا ہوا
دل سا تو کم جہاں میں گلستاں ہے دوسرا — مرجھائے داغ ایک تو خنداں ہے دوسرا
کیا ظلم ہے کہ دل پہ ادھر لگ چکا خدنگ — موجود زخم پر دو ہیں پیکاں ہے دوسرا
اب غم ہمیں فلک یہ دکھاتا ہے دوسرا — بھاتے تھے ہم جسے اُسے بھاتا ہے دوسرا
نالاں ہوں درد و غم کے ہیں ہاتھوں سے اسقدر — ضبط ایک کو کروں تو ستاتا ہے دوسرا
دیتے ہیں اب تو ایک ہی بوسہ پہ دل کو ہم — لینا ہو لو نہیں لئے جاتا ہے دوسرا
باتیں یہ میٹھی میٹھی ہم کچھ نہیں سمجھتے — بوسہ بھی دو تو دل سے کرتے ہیں جاں بدلا
یار جو تھے سو چل بسے بالا ✤ — تو بھی جلد اب قدم یہاں سے اُٹھا
دل جب سے لگا اُس بتِ ناداں سے اپنا — لگتا ہی نہیں جی کسی عنوان سے اپنا
آباد کر قدم سے اپنے کبھو تو پیارے — تجھ بن یہ خانۂ دل ویراں ہے ہمارا
جی تک جو چاہوے لو دیں ہیں تمہیں گر — روٹھو نہ ہمسے اسمیں نقصاں ہے ہمارا
لب چومنے سے کیوں تو ہوتا ہے یار ناخوش — تیرا تو مصحفِ رُو ایمان ہے ہمارا

قطعہ

کیا ہی طالع ہیں بُرے اپنی کل اُس شوخ کے آہ — جو ہیں پاس سے دم پابوس مرا ہاتھ لگا

اُسکا ہی لیویں دل اور اُسی کو کریں خراب — ان ظالموں سے پھر کوئی کیسے وفا کرے
جو صدائے قُم باذنی لبِ نازنیں سے نکلے — موئی اُمتِ مسیحا وہیں سُن زمیں سے نکلے +
بخدا نقاب کھینچے جو ذرا وہ مُنہ سے کافر — تو نہ پھر جہاں میں ہرگز کوئی اہلِ دیں سے نکلے
دل کیا جی بھی تم پہ ہے قربان لیجئے — لیکن مرے کہے کو ذرا مان لیجئے +
جس نام کے لئے سے ہو ہر درد کو شفا — نام اُس صنم کا کیونکہ نہ ہر آن لیجئے +
دل و جاں دیا تجکو تس پر بھی ہے ہے — نہ کی تو نے کچھ قدر دانی ہماری
اُس نے دشمن کو مرے عشوہ گری دکھلائی — دے مری چشم نہ کیوں خوں سے بھری دکھلائی
سانس ٹھنڈی نہ یہ کیوں عاشقِ حیران بھرے — رات دن در پہ ترے رہتے ہیں دربان بھرے
خون سے کل تو نے تو تھے تیر دنگے پیکان بھرے — آج کیوں مجھ سے پھر آئے ہو مریجان بھرے
ہووے گا تیرا اور دز بان نام وہاں بھی + — جب حشر کو ہم حکم سے داور کے اُٹھیں گے
کچھ پتنگا ہی نچھوڑے شمع کو آگے ترے — شمع خود تجھ پر ہو پروانہ لگن کو چھوڑ دے
ہو حسن کا تیرے کیوں نہ چرچا فلک کے اور زمیں کے نیچے — کہ نالہ و اشک اپنا گزرا فلک کے اور زمیں کے نیچے
اُدھر ہے نالوں سے عرش آتش اُدھر ہے اشکوں سے فرش پانی — کیا ہے غم نے یہ حشر برپا فلک کے اور زمیں کے نیچے
کوئے جاناں کا رہا جی میں جو سارے دن خیال — رات بھر ہم خواب میں باغِ ارم دکھا کئے
مرتے دم بھی ہم تو مُنہ قاتل کا مارے شوق کے — تیغ سے جب تک یہ سر گردن قلم دیکھا کئے

(بحر) شیخ امداد علی لکھنوی - خلف شیخ امام بخش - شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ - آپ کے اُستاد اور اُستاد بھی مستند ہونے میں کسیکو کلام نہیں - تلاش اچھی - بندش چست - خیالات درست یہ تمام خوبیاں انکے کلام میں موجود ہیں - اور سب سے بڑھ کر وہ صفت جو خاص ہی خاص شاعروں کو میسر ہوتی ہے یعنی درد - آپکی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ ہی میں گزرا مگر ہمیشہ آفات زمانہ کے ہاتھوں دق اور پریشان رہے لیکن طبیعت کی جولانی بڑھاپے میں بھی جوانی کا زور دکھاتی رہی - آخر عمر میں نواب کلب علیخاں والئ رامپور نے دستگیری فرمائی اور رامپور طلب کرکے

میں دیکھنا تو اُسے ہوں پہ رشک آتا ہے
کہ خود نظر ہی نہ میری کہیں لڑائے نظر

یہی ہے جی میں کسُو کو نہ دیکھنے دوں تجھے
رکھوں میں آنکھوں کے بھیتر تجھے بجائے نظر

ملاؤں کس طرح گل سے دلِ پُرداغ کو گلچیں
یہ گلدستہ بنایا ہمنے غم کے داغ سہہ کر

ہزاروں نیک و بد ادھر اُدھر سے آ جاتے ہیں
یہ کیوں ہنستا ہے میخانہ میں شیشہ اتفاقہ کر

صبا کیا دل میں گزرا کر دیا وا آتے ہی شب کو
رکھتا تھا بغچہ غنچہ کو شبنم نے جو تہ تہ کر

جس شب نہیں آمادہ یہاں وعدہ گسل ہائے
قسمت سے وہ شب بھی مری بڑ ہجا ہے کچھ اور

آپ کو خاک کر دیا تو بھی
پائی اُسکی نہ خاکِ پا ہرگز

یوں تو عشاق ہیں کہنے کو ہزاروں بالا
خاص بندے ہیں پر اُس شوخِ دلآرام کے ہم

شب اُٹھائے گئے اُس بت کے جو دربار سے ہم
رہ گئے سوئے فلک دیکھ کے ناچار سے ہم

غرور و جور و ستم کج ادائیاں دیکھیں
سنی نہیں جو جو کہ تجھ میں برائیاں دیکھیں

پھر ہجر کا جگر پہ لگا تیر کیا کریں
تقدیر جب اُلٹ گئی تدبیر کیا کریں

طالب ہیں اُسکے دیکھے سے جسکے ہو کشتہ دل
لیکر یہ سیم و زر کی ہم اکسیر کیا کریں +

جب میں مانگوں ہوں عوض دلکے لبوں کا بوسہ
ہنس کے کس پیار سے کہتا ہے یہ دستور نہیں

جسکے لئے جاتے ہو حرم کو سو وہ تمہارے پاس ہے شیخ
چشم یقیں سے دیکھو بھری ہے ساری خدائی سینہ میں

دختر رز کی خدا اِس دور میں حرمت رکھے
محتسب اور شیخ دونوں لگ رہے ہیں تاک میں

جام مئے الفت سے دل مستِ ازل کا ہے
بیخود اسے کہتے ہیں مخمور اسے کہتے ہیں

ہمسایہ تک یہ کہتے ہیں سنکر فغاں مری +
اِس بیقرار کو کہیں یارب قرار ہو

آنکھ لگا کر جی کو گنوایا لینا ایک نہ دینا دو
دامِ بلا میں دلکو پھنسایا لینا ایک نہ دینا دو

عجب سج دھج سے نکلا ہے وہ کافر گھر سے ای بالا
خدا کے نور کا مظہر نہ دیکھا ہو تو یہ دیکھو +

ہائے بیمار پڑے تو بھی نہ اُس کافر کے
جی میں آیا یہ کبھو چل کے ذرا دیکھیں تو

چار دن کی بہار ہے پیارے
حُسن پر اتنا مت گمان کرو

دل کو اسواسطے پہلو سے جدا کرتا ہوں		آرزو ہے کہ ملوں یار سے تنہا ہو کر
مجھکو نہ سلائیں ساتھ اپنے آرام کیا کروں میں جب تک	ق	حسرت سے یہ کہدیں مسکرا کر آنکھیں تلووں سے تو ملا کر
جبکہ فرہاد سے شیریں نے یہ اکدن پوچھا کوہکن نے یہ کہا جان حقیقت تو یہ ہے ڈھا دیا کوہ مگر بس نچلا کچھ تجھپر	ق	کیا بنی تجھ پہ تراشے گئے کیونکر پتھر نرم معلوم ہوا مجھکو سراسر پتھر سخت دیکھا نہ ترے دل کی برابر پتھر
دوپٹے کو آگے سے دُھرا نہ اوڑھو		منودار چیزیں چھپانے سے حاصل
قسم کھاؤ انکی جنہیں چاہتے ہو		میرے سر کی سوگند کھانے سے حاصل
وصل جاناں نہ ہوا وقت وصال آ پہنچا		وائے حسرت کہ رہی دل کی تمنا دل میں
شکر کعبے میں کلیسا میں بھٹکتے نہ پھرے		اپنے دلبر کا پتا ہمنے لگایا دل میں
جان کے دشمن نہ یہ ارمان کر		دل لگا کر آدمی بچتا نہیں
ظالم ہماری آج کی یہ بات یاد رکھ		اتنا بھی دل جلوں کا ستانا بھلا نہیں
دو باتیں کرلوں ایک نظر دیکھ لوں تجھے		اسکے سوا کچھ اور میرا مدعا نہیں
مدت سے التفات مرے حال پر نہیں		کچھ تو کجی ہے دل میں جو سیدھی نظر نہیں
تری رکھائی کے صدقے ترے نثار ہوں میں		گلے سے آکے لپٹ جا کہ بیقرار ہوں میں
بُرا مان جاؤ گے مُنہ پھیر لوگے		نہ پوچھو قسم دے کے کیا چاہتا ہوں
معاف کیجئے ایسی خطا نہوگی کبھی		برا کیا انھیں چاہا گناہ گار ہوں میں
ایک پرزے پہ لکھکے یہ دو حرف جلد آؤ کہ دم نکلتا ہے جاں نکلے ہجوم غم میں کیونکر	ق	دوستو یار کو روانہ کرو مجھکو بیٹھو اگر بہانہ کرو کچھ بھیڑ چھٹے تو راستہ ہو
کبھی نہ دنیا میں چین پایا ہمیشہ رنج و الم اُٹھائے		یہاں کے رہنے سے ہاتھ اُٹھایا چلے عدم کو قدم اُٹھاتے

فکر معیشت سے آزاد کر دیا۔ انکے کلام میں استعارہ بندی کے ساتھ ساتھ سلاست و صفائی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ کلام میں آورد کم اور بے ساختہ پن بلا کا ہے۔ عروض میں آپ کو اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ اِنکے بحر سخن سے بہت لوگ سیراب ہوئے۔ ۷۵ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۳۰۸ ہجری میں انتقال فرمایا۔ دیوان جسکی تدوین انکے دوست نواب سید محمد خاں رند نے کی تھی عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔ انتخاب زیب تذکرہ ہے ۵

کبھی جو بابے کی لہر آئی تو ہوش اُڑائے وہ شی بجائی
جُنوں کے بولوں پہ گت بتائی چھلاوہ بنکر ستار آ
ہو خدا یہ رکھو معاملہ دل کا
بُرا بھلا ہیں ہو جائے فیصلہ دل کا
بہک کے کوئی گیا دیر کو کوئی کعبے
عجیب بھول بھلیاں ہے مرحلہ دل کا

رباعی

احباب سے کوئی ہم کو پیارا نہوا
پنج آن کا کسی وقت گوارا نہوا
افسوس ہے دست و پا سے زور و زر سے
ہم سب کے ہوئے کوئی ہمارا نہوا

تارکِ دنیا کسی ملّت میں بیگانہ نہیں
لاکھ گلیوں میں گزرتا ہے فقیر اللہ کا
ہرگز نہ رُک سکے گا جو روکیں گے دو پہاڑ
پہونچے گا بجر جو ہے تمھارے نصیب کا
حلاوت زندگی کی ہے ملاقاتِ احبا میں
مزا مردے کو تنہائی کا ہے زندے کو صحبت کا
آدمی کیا دیو ہوتا ہے اطاعت سے مطیع
یہ ہمارے تجربہ میں ہے عمل تسخیر کا
صندل کی نہ بو جائے گی ہیسو کہ جلاؤ
مٹتا ہے مٹانے سے کہیں نام کسی کا
رازپوشی سے کبھی ہاتھ اُٹھایا نہ گیا
نبض دکھلا کے مرض اپنا بتایا نہ گیا
جادۂ دل پہ قدم مار یہ ہے سیدھی راہ
ورگزرکوئے حرم سے وہ ہے رستہ اُلٹا
باغباں بلبلِ شیدا کی یہی ہے تعزیر
شاخِ گل میں اسے پر باندھ کے لٹکا اُلٹا
نہ تو وہ پھول نہ کلیاں نہ وہ سبزی نہ بہار
رُت کے پھرتے ہی چمن زار کا تختہ اُلٹا
کیا کیا نہ مجھ سے سنگدلی دلبروں نے کی
پتھر پڑیں سمجھ پہ نہ سمجھا کسی طرح
آبرو کھوئی ہے محوِ رُخِ زیبا ہو کر
بیڑیاں پہنی ہیں اس زلف پہ شیدا ہو کر

زلف کھولے ہوئے مقتل جو وہ یکبار چلے
ایک رسّی میں بندھے سارے گنہگار چلے

بھیجدے تھوڑا سا پانی اپنے او پروار کے
وقتِ آخر مُنہ میں ٹپکادیں ترے بیمار کے

حُور بنکر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
دامنِ تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے

بسمِل ہجر سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی
جان آتی ہے بدن میں کہ قضا آتی ہے

وہ مسیحا اگر آئے تو ٹھہر جاوں میں
نفسِ بازپسیں سے یہ صدا آتی ہے

داغ کو کیوں نہ کلیجے سے لگائے رکھوں
مجھکو اس پھول سے خوشبوئے وفا آتی ہے

جاؤں کسی طبیب کی خدمت میں کس لئے
جس نے مرض دیا وہی دیگا شفا مجھے

جان کیا چیز ہے آئی یہ نہ جو کے انساں
مرمٹے بات پہ اتنی تو حمیت رہے

اسے بتو ہم تو سمجھتے تھے مسیحا ہو تم
سب نے اجل مارا خدا تمکو سلامت رکھے

یہی لاتا ہے خرابی یہی کرتا ہے ذلیل
بادشاہی ہے اگر دل پہ حکومت رکھے

پردہ دوئی کا اُٹھ گیا وحدت کی آنکھ سے
دیکھا مجاز کو جو حقیقت کی آنکھ سے

اے بجر قلب روح کی تسخیر سیکھ لے
الطاف کی زبان شفقت کی آنکھ سے

نقاب میں نہیں ہو جو منہ چھپائے ہوئے
کسی غریب کا آتے ہیں دل دکھائے ہوئے

نہ پوچھو کس لئے آنسو ہیں ڈبڈبائے ہوئے
کسی جگہ سے ہم آتے ہیں چوٹ کھائے ہوئے

کسی کے مُنہ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے وقت
کہ ان پہ خاک نہ ڈ۔ لو یہ ہیں نہلائے ہوئے

خدا پناہ میں رکھے تمھاری پلکوں سے
ستم کی فوج کھڑی ہے پرا جمائے ہوئے

کہو یہ قافلہ والوں سے ہم بھی آتے ہیں
بڑے ہے بجا دھند ا اقدم بڑھائے ہوئے

بچا نہیں کوئی گھائل تمھارے ابرو کا
یہ دونو تیغے ہیں زہر کے بجھائے ہوئے

بچھڑ گیا ہے میاں بجر سے کوئی شاید
ادھر ادھر پڑے پھرتے ہیں تلملائے ہوئے

کٹی برسات بجر اس سال بھی فریادوشیوں میں
خبر ہلو نہیں بادل کدھر آئے کدھر برسے

تصور میں اک عالمِ بیخودی ہے
خبر یہ نہیں مجکو میں ہوں کہ تو ہے

سر اپنے دل جگر ہمارے وہ آگ بھڑکی اڑے شرارے
شراب مانگینگے خضر سے بھی طلب نہ آب بقا کرینگے

نہ مانیں گے ہم کسیکا کہنا کسیکا اسمیں ہے کیا اجارہ
اب اپنا انمیں نہیں گزارا ہتوں سے دل بھٹ گیا ہمارا

کبھی ہے بُرد، کبھی ہے پچھوا ہوائے دنیا کا کیا بھروسہ
مایوس نہو کوئی بشر فضلِ خدا سے

بخیر انجام ہے جس کا وہ ہے خود رفتگی اپنی
صورت روح میرے دل میں گزر اُسکا ہے

یار صیاد ہے اور اسکی نظر ہے شہباز
یکرنگ آشنا نہیں سے ہمنے پرکھ لیا

جسکے ماشق ہیں تصور میں وہ ہر آن رہے
بے زری کا نہیں کچھ غم یہ بڑی دولت ہے

محتسب شیشہ و ساغر کو سمجھکر توڑے
میرا لہو چاٹے گا جب تک نہ تیغ کو

شکوہ نہ کر ازل سے یہی کارخانہ ہے
اسکی نگاہِ قہر ہے اپنی نگاہِ مہر

یہ دی ہے بیکلی تو نے کہ دلیں ہے یہی کل ہے
جوڑا کچھ اس ادا سے کُھلا ہم تو مر گئے

نکلے خزاں میں باغ سے یہ کہکے ہمصفیر
آسائشِ بیجا سے مسرت نہیں ہوتی

آنکھیں نہ جینے دیں گی تیری بیوفا مجھے

فرشتے بھی لامکاں پکارے وہ داغ دیکھے وہ غم اُٹھائے
سرور میں لطفِ زندگی ہے خمار میں جی کے کیا کرینگے

یہ دل تو کیا ہے جو دل نے چاہا تو جان اپنی فدا کرینگے
کرینگے بتخانہ سے کنارہ حرم میں یادِ خدا کرینگے

یہاں کے پھولوں پہ ہو نہ شیدا نہ چار دن یہ وفا کرینگے
مرتے ہوئے بھی ہاتھ اُٹھائے نہ دعا سے

چلے تھے ہم کلیسا کی طرف کعبے کو جا نکلے
صورتِ نور میری آنکھوں میں گھر اسکا ہے

میں شکار اسکا ہوں طعمہ یہ جگر اسکا ہے
مُنہ پہ کہرے ہیں آپ مگر دل میں کھوٹ ہے

ہم رہیں وجد میں دل یار پہ قربان رہے
آبرو اپنی سلامت رہے ایمان رہے

دل نہ ٹوٹے کسی میکش کا ذرا دھیان رہے
قاتل کو دھنے ہاتھ کا کھانا حرام ہے

آج اُسکا دور ہے تو کل اُسکا زمانہ ہے
ہم اُسکے ہیں ہدف وہ ہمارا نشانہ ہے

ہیں دھو کر زندگی سے ہاتھ پونچھوں تیری آنچل سے
نبضیں چُھٹیں جو بال کسی کے بکھر گئے

دیکھیں گے پھر بہار اگر آب و دانہ ہے
سو جائیں اگر پاؤں تو راحت نہیں ہوتی

اِن کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے

عز و وقار ہم یہ مریں تب تو لطف ہے
یہ بات کیا کہ ہم مریں عز و وقار پر

وائے قسمت کب عبادت کیلئے آیا ہے وہ
جبکہ بیمارِ محبت میں رہا کچھ بھی نہیں

دیکھئے تو مل کے خون بسمل کا اپنے ہاتھ میں
اسکے آگے شوخیِ رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

پائی بیگانگی یگانہ میں
کوئی اپنا نہیں زمانے میں

بچا کر دامن اپنا آج بسمل سے نکل جاؤ
کہاں جاؤ گے تم دامن بچا کر دیکھیں محشر میں

جگہ دوں خانۂ دل میں بچھاؤں ہر قدم آنکھیں
خدا وہ دن تو دکھلائے کہ تم آؤ مرے گھر میں

یہ کیا کہتے ہو تم سے بخت ہو سکتا ہے برگشتہ
مقدر یہ نہیں اپنا کہ جو پھر جائے دم بھر میں

انداز وہ کہ فتنۂ محشر نثار ہو
شوخی تو دیکھو بیٹھے ہیں کیسے غضب سے

(بخشی) میر محمد علی نام اور در مولا حیدر آباد دکن جائے قیام ہے مرزا سالک دہلوی سے فیض پایا ہے یہ انکا کلام ہے ؎

دلِ عاشق کا اب خدا حافظ
شوق ہے اُن کو لڑائی کا

کیا جا کے واں ہوا ہوں تحمل اضطراب میں
وہ پوچھتے ہیں قصد کدھر ہے جناب کا

رہا بھی ہو کے کرینگے نہ قصد جانے کا
قفس میں لطف ملا ہم کو آشیانے کا

ذکرِ حوران دہر کرو اعظ
چھوڑ رو زِ شمار کی باتیں

نہ کہیے مجھے دیکھ کر آنکھ نیچی
کوئی تاڑ لے گا زمانہ بُرا ہے

عجب وحشت وحشت میں بخشی نے دی جاں
ملا ہے جسکو نہ دو گز کفن بھی

(بخشی) منشی خاکسار حسین نام - سلطانپور ضلع اودھ کے رہنے والے اور اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - کلام سے پایا جاتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر یا جذبات دل سے مجبور ہو کر شعر کہتے ہونگے ورنہ اس فن کی طرف کچھ خاص توجہ نہیں معلوم ہوتی مختصر سے دو دیوان بھی شایع کر چکے ہیں - بہرحال یہ انکا کلام ہے ؎

ہر باغ میں گلزارِ بہار انظر آیا
بلبل میں وہی یار ہمارا نظر آیا

بخت

(**بخت**) حکیم قیام الدین جونپوری شاگرد امیر مینائی - پہلے فکر تخلص تھا - جونپور سے ایک رسالہ بھی آپ نے شائع کیا تھا - مذاقِ سخن اچھا ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

گرائی بجلی جو اسے پرچرخ ٹوٹ پڑ تو بھی
اُٹھا نہ رکھ کوئی بیداد آشیاں کے لئے

چڑھے جو ابروئی پُرخم نظر رہے سیدھی
یہ تیر خوب ہی موزوں ہے اس کماں کے لئے

ایک بوسہ پہ مانگتے ہو دل
کبھی سودا کوئی لیا بھی ہے

بخت

(**بخت**) منشی سید امیر حید رصاحب بخت خلف الصدق میر صادق حسین پنشنر باشندہ آگرہ رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے نومشق نوجوان ہیں مشق سخن جاری رہی تو اچھا کہنے لگیں گے - کلام حاضر ہے ؎

شب وعدہ تھندی لگانا کسی کا
نہ آنے کی خاطر بہانہ کسی کا

کچھ اچھا نہیں ہے ستانا کسی کا
بُرا ہوتا ہے دل دکھانا کسی کا

جو آئے تو کیا دی تسلی کسی کو
برابر ہے آنا نہ آنا کسیکا

بدلتے ہو تم آنکھ پل میں
بھروسہ کیا تمھاری دوستی کا

گلا ہم تیغ سے خود کاٹ لینگے
مری جاں کام اُلٹا ہے کسی کا

راز اُسکے عشق کا عالم میں افشا ہو گیا
میں تو رسوا ہو چکا تھا وہ بھی رسوا ہو گیا

مرگیا عاشق تمھارا پائی منہ مانگی مراد
دل میں خوش ہو تمھارا اب تو چاہا ہو گیا

کیا نوید جاں فزا تھی تیرے آنیکی خبر
یک بیک حالِ مریضِ عشق اچھا ہو گیا

بے نیازی سے غم کریں کیا اہلِ قناعت
رکھتے ہیں نظر سوئے خدا اہلِ قناعت

رہتے ہیں غنی فقر کی دولت سے ہمیشہ
خواہاں نہیں دولت کے ذرا اہلِ قناعت

نہیں مطلب نکلتا راستی سے
غلط تکذیب باطل فترا جھوٹ

کسی کو راست گوئی میں مزا ہے
کسیکے واسطے راحت فزا جھوٹ

چھپا لو چاہے آج اے کاذبو تم
پہ چھپے گا کسطرح روزِ جزا جھوٹ

لگاوٹ آپکو اے دلربا نہیں آتی
وفا کی جس میں ہو بُو وہ ادا نہیں آتی
دل کو بیچین کیئے دیتا ہے جوبن کا اُبھار
کسطرح سینہ سے اُسکو نہ لگائے کوئی

بدر

(بدرؔ) منشی سید امیر حسن آروی - حضرت صفیرؔ بلگرامی کے شاگردوں میں نامور ہیں - اور یہ اُن کا کلام ہے ؎

تاثیر بار سے اتنی تو دکھلائی یار نے
محفل سے اپنی غیر کو تم نے اُٹھا دیا
اے خفتگانِ خاک سناؤ تو کچھ مجھے
کس کا فسانہ کہہ کے اجل نے سُلا دیا

فغاں کا ہماری اثر دیکھ لینا
جہاں ہو گا زیرو زبر دیکھ لینا
نشاں دل کا اُٹھ اُٹھ کے تیرِ نظر کو
بتا دے گا دردِ جگر دیکھ لینا
نام تیرا لے کے چلاتی ہے روح
جب ہجوم غم سے گھبراتی ہے روح
پیمانِ یار کیطرح ٹوٹے گی لاکھ بار
توبہ کا اعتبار نہیں کچھ شباب میں
رونا تمام شب ہے تڑپنا تمام دن
میں دل لگا کے ہائے پھنسا کس عذاب میں
خلش نوک مژہ کی کچھ نہ پوچھو
انی برچھی کی سینے میں گڑی ہے

بدر

(بدرؔ) منشی سید مصطفٰے حسین عزیز و تلمیذ شبیر حسین نسیم بھرت پوری ارشد تلامذہ حضرت داغ مرحوم قصبہ بہرسر ریاست بھرت پور انکا وطن ہے گرچہ خود اور اُنکے ابا و اجداد بوجہ روزگار خاص بھرت پور ہی میں عرصہ سے قیام رکھتے ہیں - ۱۸۷۶ء سال پیدائش ہے عنوان شباب ۱۸۹۵ء سے جناب نسیم کے فیضانِ صحبت سے شعر کہنے لگے محکمہ محلات میں محافظ دفتر ہیں - اب کچھ عرصہ سے فکر سخن کا کم اتفاق ہوتا ہے تاہم خوش فکر ہونے میں شبہہ نہیں - کلام مرسلہ کا انتخاب درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو ؎

میں روزِ حشر کثرتِ عصیاں سے ہوں خجل
رحمت ہے شاد مجکو گنہ گار دیکھ کر
اچھے بُرے کا فرق رہے بزمِ غیر میں
لینا جو دل تو اے نگہِ یار دیکھکر

کوئی موقعہ محل ہو گر اے بدرؔ
اُن سے کچھ اپنا عرض حال کریں

عجب نام خدا محبوب ہے وہ
جب تلک اس دہر فانی میں رہے
فدا جس پر مری جاں سر بسر ہے
بے خبر ہم زندگانی میں رہے

بدر

(بدر) میرزا بلاقی گورگانی - خلف شاہزادہ مرزا نصیر الدین شاگرد مرزا پیارے رفعت جوان زیبا شمائل و خوش اخلاق تھے۔ شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی کلام ملاحظہ ہو ؎

سن لینا ایک دن کہ اسے غم نے کھا لیا
غم کھائے گا یونہیں جو یہ غمخوار آپ کا
اسے بدر گاہ گاہ ہے اب تک تو دردِ دل
بگڑے کہیں نہ طول یہ آزار آپ کا
اک کشتیٔ طوفاں زدہ گرداں کو بنایا
اے بدر سے گریہ میرے اس دیدۂ تر کا
کہتا وہی ہے "اور محبت بتوں سے کر"
کہتا ہوں جس سے حال دلِ بیقرار کا
گھٹا نہ خاک ہوئے پر بھی کچھ وقار اپنا
ہمیشہ دوشِ صبا پر رہا غبار اپنا
اپنی ہی پرسش میں ہوگا ختم وہ ہنگامہ سب
گر قیامت میں ہمارے حال کا دفتر کھلا

تو نہ آتا تری آواز تو آیا کرتی ؎
گھر بھی قسمت سے تری گھر کی برابر نہوا

دربدر مجھ کو لئے پھرتی ہے وحشت دل کی
گاہے گاہے تیرے کوچہ میں بھی آ جاتا ہوں
وہ لب اور ان سے مجھ کو ملانے کی آرزو
جن کو دعا بھی دوں تو کہیں یوں کہ مر کہیں
میں اگر جاؤں تو نکلے مطلبِ دل کچھ نہ کچھ
میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے
کیا ڈر ہے جو چرخِ ستم ایجاد غضب ہے
اپنی بھی یہ آہِ دلِ ناشاد غضب ہے
جادو ہے نگہ غمزہ ستم چال قیامت
انداز ترا تھہرے بیداد غضب ہے
چارہ گر کھینچ لے اس دل کو بھی پیکان کے ساتھ
گر یہی دل ہے تو دل بھی نہیں درکار مجھے

بدر

(بدر) نواب مرزا ہدایت علی خاں - نبیرۂ نواب مستقیم الدولہ مرحوم فروغ لکھنوی کے شاگرد اور حیدر آباد میں مقیم ہیں ؎

شب وصل میں ہائے کیا مزے تھے
بگڑنا کسیکا منانا کسیکا
وہ ناز و نیاز محبت کی باتیں
وہ تیغ اُٹھتے ہی سر جھکانا کسیکا

کے مشاعروں میں یہ بھی شریک ہوئے تھے۔ فن سخن میں خاص بادشاہ کے شاگرد تھے بادشاہ کی وفات کے چند ماہ بعد سٹیم لانچ میں شہر سے مٹیا برج آتے ہوئے غرق دریا ہوئے اُنکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

بکھرے بالوں کو ہٹاؤ روئے عالم تاب سے
اے فلک کیوں شب ہجر انکی درازی نگھی

پانی میں بھی تو آگ لگاتی ہے تری تیغ
آتے آتے رک گئے آنکھوں میں خونِ لخت جگر

زمیں سے بھی خدا نے چرخ کو پیدا کیا پہلے
غضب کی شوخیاں تھیں چلبلاپن تھا لڑکپن میں

جو ہیں اہل وفا مرکے بھی ہیں ثابت قدم نکلے
کھٹک ہوتی ہے دلمیں درد بھی پہلو میں اُٹھتا ہے

لوگ گھبرا کر کہیں گے ماہِ کامل کیا ہوا
ہوگئی باتوں ہی باتوں میں سحر وصل کی رات

نکلے سترا آب دمِ شمشیر باہر
بہتے بہتے لگ گئی کشتی مرے ساحل کے پاس

بنی ہے دانۂ گندم سے شاید آسیا پہلے
تمھارے ہاتھ پر چڑھتا تھا رنگِ حنا پہلے

بدن سے جان نکلی پر نہ اُس کوچہ سے ہم نکلے
مگر کچھ رہ گئے ہیں کچھ ترے تیرِ ستم نکلے

(برتر) مولوی نادر علی غازیپوری۔ ابتدا میں آپ مرزا غالب کے شاگرد رالیطہ دہلوی کے تلمذ سے بہرہ ور ہوئے اب عرصہ سے فخر الاساتذہ مولانا ظہیر دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا ابتدائی زمانہ ملازمت ریاست دربھنگہ میں گزرا پھر عرصہ تک ریاست بڑودہ میں رہے اب ۷ و ۸ سال سے حیدرآباد میں مقیم اور راجہ راے رایان امانت ونت بہادر کی سرکار میں مصاحب اور نوبلز کلب کے سکریٹری ہیں۔ ۴۰ و ۴۵ برس کی عمر ہے۔ شوخ طبیعت پائی ہے شعر اچھا کہتے ہیں اور اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں۔ فارسی کی استعداد اچھی ہے چند سال ہوئے نسیم دکن نامی گلدستہ آپنے جاری کیا تھا اب عرصہ سے بند ہے۔ حیدرآباد کے مشاعروں میں آپ شوق سے شریک ہوتے ہیں اور وہاں کے شعرا میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

تفرقے فرقتِ دلدار میں کیا ہوتے ہیں
دل کے دو حرف مگر وہ بھی جدا ہوتے ہیں

بدر

یونہیں کیا ہوتا پائی میں سرِ جاں صبح کر دو گے
مزہ دیتی بھی ہے تو وصل میں تکرار تھوڑی سی

بھلا اک جام سے کیا سیر ہونگے رند ساقی
خدا کے واسطے دے اور میرے یار تھوڑی سی

لگی ہوئی ہے سوئے جام تاک واعظ کی
چھڑک دو تھوڑی سی رند و نظر گزر کے لئے

چارہ گر خیر ہے ہوا کیا ہے
مرضِ عشق کی دوا کیا ہے

ایک دل تھا وہ دے چکا تم کو
میرے پہلو میں اب دھرا کیا ہے

کسی پہلو نہیں ہے چین اسے
دل کو کیا جانے ہو گیا کیا ہے

ہر دم نظرِ بد سے بچاتے ہیں یہ تجھ کو
ہو جاتی ہیں زلفیں ترے رخسار کے آگے

دل بیچتے تھے تم تو یہ اے بدر ہوا کیا
کیوں ہو گئے خاموش خریدار کے آگے

بدر

(بدر) منشی حسن افضل بدایونی - دور موجودہ کے موزوں طبع نومشق اور یہ اُنکا کلام ہے

بیمارِ محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
آئی کو کسی کے کبھی ٹلتے نہیں دیکھا

تصویر میں اترا نہ فروغِ رخِ روشن
سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا

ہم خاک نشینوں سے ہے اس درجہ کدورت
مٹی کا انہیں عطر بھی ملتے نہیں دیکھا

ظالم کو بھی ہوتا ہے کسی شے کا سہارا
ھتیار کو بے ہاتھ کے چلتے نہیں دیکھا

جنابِ شیخ مٹے گا کبھی نہ داغِ جبیں
یہ روسیاہی کا دھبا ہے نقشِ پا تو نہیں

جو دل گیا تو گیا جاں کیوں نکلتی ہے
یہ بت حسیں ہیں طرحدار ہیں خدا تو نہیں

بس اب تو درد جدائی سے دل لگائینگے
بلا سے کچھ سہی تم سا یہ بیوفا تو نہیں

گلے میں ڈال کے باہیں وہ پیار سے کہنا
تمھیں ہماری قسم ہم سے کچھ خفا تو نہیں

برتر

(برتر) نواب حامد الدولہ سید محمود علی خاں بہادر برتر لکھنوی - خلف الصدق آغا جلیس الدولہ مصاحب الملک لطافت رقم آغا سید علی خاں بہادر مستقیم جنگ مصاحب سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بادشاہ مذکور کے زیر سایہ عاطفت کلکتے مٹیا برج میں امیرانہ شان سے رہتے تھے - جب ۱۸۸۲ء میں مرزا داغ مرحوم کلکتے گئے تھے اُسوقت

ہماری خانہ ویرانی مگر وجہ سکوں ہوگی — تڑپ جو کچھ ہے بجلی کی بقائے آشیاں تک ہے

ہوئی مدت رہائی کو مگر یہ رنگِ وحشت ہے — درِ زنداں پہ اب تک بھی زمیں پر چھائیاں سی ہیں

(برتر) مولوی انیس الدین فرخ آبادی۔ یہ آپکے کلام کا نمونہ ہے ؎

اقرار شرم سے جو کیا ہر گناہ کا — پورا خدا نے کر دیا تم نے منہ عذر خواہ کا

کمسن ہو ڈر بجا ذرا ڈال لو نقاب — دم ٹوٹتا ہے بسملِ تیغِ نگاہ کا

بالیں پہ ہائے آ کے کسی کا پکارنا — اُس منہ سے تم نے وعدہ کیا تھا نباہ کا

حشر کے دن بھی تو سب نے اُس کو دیوانہ کہا — جو گنہگاراں کا تھا گویا گنہ سے پاک تھا

تم اپنے بات کے پورے ہو مانا — مگر دل بھی ہے اپنے نام کا دل

ادھر پتھر سے سنگیں اُنکی باتیں — اُدھر شیشے سے نازک تر مرا دل

(برجیس) صاحب عالم و عالمیان شاہزادہ مرزا برجیس قدر بہادر خلف الرشید حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ آپکی والدہ نواب حضرت محل بادشاہ کی ممتاز بیگموں میں تھیں۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب بادشاہ کلکتے چلے گئے آپ اپنی والدہ کے سایہ عاطفت میں لکھنؤ میں قیام پذیر تھے کہ غدر ہو گیا۔ آپکی عمر اُسوقت نو برس سے زیادہ نہ تھی۔ جب باغی فوج لکھنؤ میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے پہلے مرزا مصطفٰی علی حیدر شاہ اودھ معزول کے برادر کلاں کو بادشاہ بنانا چاہا مگر انگریزوں نے اُنہیں بیلی گارد میں لے لیا۔ پھر فوج نے مرزا جہانقدر بہادر مرحوم کو بڑا لینا چاہا مگر اُنکی والدہ نے یہ امر منظور نہ کیا اور اُنہیں لیکر بیلی گارد میں چلی گئیں۔ آخرش فوج نے مرزا برجیس قدر کو مسند حکومت پر متمکن کر دیا۔ شاہِ دہلی کی جانب سے باضابطہ تقرری منصب وزارت کے لئے ایک سفارت نواب حضرت محل نے دہلی روانہ کی اُنکے نام کا سکہ جاری ہوا جملہ نظم و نسق ریاست نواب حضرت محل صاحبہ کے حکم سے ہونے لگا۔ اور اکثر اودھ کے رؤسا اور سابق حکام شاہی نے اُنکا ساتھ دیا۔ الغرض نو ماہ تک اُنکی حکومت رہی آخر کو سرداران فوج میں ناچاقی ہو گئی اُدھر انگریزی فوج دہلی فتح کرکے اودھ

برجیس

ہجر میں پاسِ وفا و ستم آرا کب تک
انکی تمکیں سے جھکے ہیں سرِ نخوت کیا کیا
بت بنے بیٹھے ہو کیوں دیر میں جاکر برتر
یہ کیا غضب کیا مرے شکوے رقیب سے
کچھ تو لگاؤ ہو پئے تسکینِ دردِ دل
میرے مرنے پہ کیوں آئینہ حیرت تمام ہو
نگاہ ناز سے دیکھا جدھر بسمل ہوئے لاکھوں
غرورِ ناز میں بھی بے نیازی ہو نہیں سکتی
مزہ آجائے پامالِ ستم کو پائمالی کا
قیامت میں بھی ہو اک دھوم بزمِ عیش برتر کی
پسِ چلمن بہ ایمائے جمالِ حیرت افزا ہے
حقیقت میں ہمارا کفر بھی اسلام ہے زاہد
تبسم غنچۂ لب کا نمکپاشِ جراحت ہے
گھڑی بھر دیکھ لینگے سیر آشوبِ قیامت کی
شبِ وصل انکا شرما کر یہ کہنا ناز سے برتر
ہے یہ افتادِ گراں جانی کہ بعدِ مرگ بھی
اب نوا سنجی کے آئینگے گلستاں میں مزے
وہ خاک پر ہے میں ہوں تہِ خاک ضعف سے
کرم مجھ پر زیادہ تھا تو دشمن پر جفا کم تھی
پردہ اٹھا کبھی جو رخِ رشکِ ماہ سے
احساں ہے مجھ پہ جلوۂ نظارہ سوز کا

اب تو شرمندۂ احسانِ قضا ہوتے ہیں
بت بھی اللہ دغنی شانِ خدا ہوتے ہیں
ڈھنگ مومن کے یہی مردِ خدا ہوتے ہیں
رسوا کرے تمھیں نہ تمھاری زباں کہیں
نامہرباں ہی مجھ پہ رہو مہرباں کہیں
حقیقت تو یہ ہے اس ابتدا کی انتہا تم ہو
مگر طرفہ قدر اندازِ تیرِ بے خطا تم ہو
تغافل کیش ہو خواہانِ جانِ مبتلا تم ہو
اگر کچھ بھی شریکِ جورِ چرخِ فتنہ زا تم ہو
مزا ہو گر سزائے جرمِ الفت کی جزا تم ہو
تماشا ہو گئے کیوں حسنِ صورت دیکھنے والے
بتوں کو دیکھتے ہیں شانِ قدرت دیکھنے والے
تمھیں کہتے ہیں لعلِ کانِ ملاحت دیکھنے والے
اگر جیتے بچے ہم طولِ فرقت دیکھنے والے
کسی کی آج ہم ہیں آدمیت دیکھنے والے
نعشِ بسمل سے نظر اٹھتی نہیں جلاد کی
دل سے بلبل کے خلش جاتی رہی صیاد کی
مجھ سے نہ دب سکے گا ترا نقشِ پا کبھی
تری بیداد یہ اور بانیِ بیداد کیا کم تھی
آیا مجھے حجابِ خود اپنی نگاہ سے
میری نظر لڑی نہ کسی کی نگاہ سے

ہوتا نہیں اثر ترے دل میں تو سنگدل	یاں تیر آہ گزرا ہے عرش بریں سے دور
ہے شکر کردگار عقوبات سے بچے	خالق نے کر دیا مجھے تاج و نگیں سے دور
تکرار ایسے لفظ کی بوسہ کے وقت واہ	للہ آپ رکھیں زباں کو نہیں سے دور
مٹی خراب ہو گئی نیپال میں تری +	رہتا ہے کیوں مزار امام مبیں سے دور

(برشتہ) آغا حسین علی مرحوم۔ استاد الاساتذہ میر تقی میر مرحوم کے تمنے ملا دیا
بہرہ ور اور اردو فارسی دونو میں صاحب دیوان تھے۔ دو شعر ملے تبرکاً درج کیے گیا

ہر وقت مجھے کرتا ہے دو نو جواں دماغ	استاد داغ اٹھانے کا مجھکو کہاں دماغ
بوئے عنبر سے جو سارا بھر گیا میرا دماغ	کوئے زلف یار سے باد صبا آئی نہ ہو

برق

(برق) میاں شاہ جی۔ ایک موزوں طبع شاعر تھے۔ فن سخن میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے مستفیض تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں شوخی درجۂ اعتدال سے متجاوز تھی۔ ان کا کچھ کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا جس سے تین چار شعر انتخاباً درج ذیل ہیں ؎

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے	واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے
ہو وے دل پژمردہ مرا کیونکہ شگفتہ	ہے باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے
اے برق نہ جی اپنا جلا یاد میں اسکے	کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے
کیا دھوم سے اٹھی ہے گھٹا اسی ہوا میں	افسوس کہ ساقی و مے و جام نہیں ہے

برق

(برق) فتح الدولہ بخشی الملک میرزا محمد رضا خاں ابن مرزا کاظم علی مرحوم مصاحب خاص و استاد حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختر بادشاہ لکھنو۔ شاگرد رشید ناسخ مغفور۔ انتزاع سلطنت اودھ کے بعد برق مرحوم اپنے خلوص دلی سے بادشاہ کے ہمرکاب کلکتے گئے اور ہنگام غدر میں جب گورنر جنرل نے مزید احتیاط کے لئے بادشاہ کو فورٹ ولیم میں نظر بند کیا یہ مردانہ وار بادشاہ کی رفاقت میں رہے بادشاہ کو ان سے دلی انس تھا اور وہیں چند ماہ بعد ۱۸۵۸ء میں حق نمک سے ادا ہوئے یعنی انتقال کیا اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ چنانچہ یہ انکا کہا ہوا شعر ہے ؎

کی طرف متوجہ ہوئی اور شہر پر گولہ باری کردی -- ایک تلاطم مچ گیا - اس ہنگامہ میں نواب حضرت محل اُنہیں لیکر مختصر جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر نکلیں اور مختلف اضلاع میں کئی ماہ تک نہایت دلیری - تحمل اور استقلال سے مقابلہ کرتی رہیں لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور انجام کار اُنہیں نیپال میں پناہ گزیں ہونا پڑا - مہاراجہ جنگ بہادر نے لوازم مہمانی بآئین شائستہ ادا کئے اور انکے گزارہ کے لئے معقول وظیفہ مقرر کردیا - اُس زمانہ میں ہر چند سرکار نے چاہا کہ بیگم صاحبہ عملداری ہند میں قیام کریں اور سُنا گیا ہے کہ لاکھ روپیہ ماہوار بطور پنشن اُنہیں دئے جانے کی تجویز بھی ہوئی مگر بیگم صاحبہ نے کسیطرح اس امر کو قبول نہ کیا نیپال ہی میں ساری عمر گزاردی - اُنکے انتقال کے بعد صاحب عالم بہادر وہیں تشریف فرما رہے - چند پُرانے نمک حلال آپکے اس غریب الوطنی میں بھی رفیق رہے - شاہ اودھ کے انتقال کے بعد آپ ۱۸۹۰ء میں کلکتے چلے آئے اور اپنے استقرار حق کے لئے سرکار انگریزی میں کوشاں رہے سرکار نے تا تصفیہ حقوق آپکے خورونوش کے لئے چار سو روپیہ ماہوار مقرر کردیا - مگر برابر پولیس کمشنر کی زیر نگرانی رہے -

گورنمنٹ کے اکثر جلیل القدر حکام انکے زمانۂ حکومت کی باتیں اُنہیں یاد دلایا کرتے تھے مگر یہ حکایتا ہوتا تھا نہ کہ شکایتا کیونکہ فی الواقع وہ اُسوقت بالکل کمسن تھے آپ کا رنگ سانولا - ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے - قد پستہ - مزاج بہت سیدھا - انکسار اور خلق بیحد تھا - موسیقی کا بہت شوق تھا - گاہ گاہ شعر بھی کہتے تھے - ابھی انکے معاملات سرکار کے زیر تجویز تھے کہ یکایک ۱۸۹۲ء میں سفر آخرت پیش آیا - انکے بیٹے بیٹیوں اور چند ہمراہیوں نے بھی انکے ساتھ ہی دم دیا - ۴۵-۴۶ برس کی عمر ہوئی - ایک ممتوعہ ایک لڑکی آپکی یادگار رہی اور ایک لڑکا بعد وفات پیدا ہوا جسکا نام مرزا خورشید قدر رہے - سرکار سے اب ۲۵۰ روپیہ ماہوار سب کو وظیفہ ملتا ہے چند شعر بہزار دقت دستیاب ہوئے - وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ۵

بلبل تو ہوں پر ایک گل یاسمیں سے دور	برجیس ہوں مگر بت زہرہ جبیں سے دور

اتنا تو جذبِ عشق نے بارے اثر کیا
اُسکو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

لے گئی موت مجھے سوے عدم ہستی سے
بے طلب گھر میں خدا کے بھی تو مہماں ہوا

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی
جھپکی نہ آنکھ بھی کہ ادھر سے اُدھر گیا

تن تن کے میں گیا صفِ مژگاں کے سامنے
ہر بار نوکِ نیزہ سے سینا ملا دیا

نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی
اچھا ہوا جو خاک میں تمنے ملا دیا

بُرائی ہوئی مُنہ دکھانے سے کیا
ہزاروں کا اسمیں بھلا ہو گیا

بحرِ عالم میں رہی کشتیٔ امید تباہ
دمبدم موجِ حوادث نے طمانچہ مارا

زہی بہانے سے پوچھا تو جاؤنگا اے برق
ہزار شکر کہ بندہ گناہگار ہوا

راحت بھی کم از غم نہیں دل جبکہ غمیں ہو
صرصر مجھے جھونکا ہے نسیمِ سحری کا

میرے مولا ہیں صنم میرے ہیں میرے محبوب
عاشق اُنکا ہوں غلام اُنکا ہوں بندا اُنکا

آنکلتا کبھی زاہد جو تری محفل میں
ہاتھ میں شیشۂ مے طاق پہ قرآں ہوتا

خیر گزری کہ چلے آئے کہاماں لیا
ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا

سر پر اعلیٰ کے بلا آئی تو ادنا بڑھ گیا
دھوپ جب بڑھنے لگی قامت سے سایہ بڑھ گیا

زینتِ اسلام اسے زاہد سیاہی دل کی ہے
جامۂ کعبہ ہوا جب کفر اپنا بڑھ گیا

دیں و ایماں کہتے ہیں کسکو خدا کا نام لو
سب کو بھولے یہ اثر ہے اُس صنم کی یاد کا

اذاں دی کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

سینہ داغوں سے رشکِ باغ ہوا
جسنے دیکھا وہ باغ باغ ہوا

مجکو ہر منزل پہ ہر جا دیکھنے آتی ہے خلق
لکھنؤ جب سے چھُٹا کیا میں تماشا ہو گیا

تو نے اُسکو عزیزِ مصر کیا
ماہِ کنعاں غلام ہے تیرا

ناتوانی نے حیاتِ جاودانی دی مجھے
کیا اجل پائے نشاں عاشق کے جسمِ زار کا

گر قناعت سے آشنا ہوتا
جامِ جم کاسۂ گدا ہوتا

برق جو کہتے تھے آخر وہی کر کر اُٹھے	جان دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اُٹھے

ایام شباب میں بڑے جری اور بانکے مشہور تھے۔ منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی وزارت میں
بڑے مقتدر اور بارسوخ رہے تمام عمر خوش حالی اور فارغ البالی سے بسر کی۔ صاحب دیوان
نہ نامی شعرائے لکھنؤ میں تھے۔ ایک شہر آشوب لکھنؤ کے حال میں بہت دردانگیز لکھا ہے
اُنہیں۔ ب۔ ۔عر تھے۔ ضخیم دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ تشبیہ و رعایت لفظی سے کوئی شعر خالی
ادا کئے اور ا۔
ب کے مشتاق تھے۔ بیان میں صفائی و سلاست بھی ہے۔ اصناف سخن
جا بجا کہ بیگم صا۔
پر اچھی طرح قادر تھے۔ غزل ۔کہنے علاوہ مخمس ۔مسدس ترکیب و ترجیع بند مثنوی۔ رباعی۔
قطعہ غرض سب کچھ کہتے تھے۔ اپنے اُستاد کی دل سے قدر کرتے اور اُن سے ایک خاص
عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت برق کا دیوان عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط اور کمال صحت کے
ساتھ اُنکے زمانے ہی میں چھپ گیا۔ اُنکے جامع صفات اور مخزن کمالات ہونے میں کچھ
شبہہ نہیں۔ شاعری کے علاوہ پٹا بنوٹ بانک خوب جانتے تھے اور تلوار بہت اچھی
لگاتے تھے۔ بذل و رحم بھی اُنکا مشہور تھا۔ اُنکے شاگردوں میں حضرت جلال لکھنوی یادگار
اساتذۂ سلف ہیں۔ اب انتخاب دیوان ملاحظہ ہو

بے پردہ دیکھنے کی تجھے کسکو تاب ہے	عاشق کو برق طور ہے گوشہ نقاب کا
گہر افشاں ہے نیسان کرم سلطان عالم کا	بہار آئی جوانان چمن کی لکھنؤ چمکا
سخاوت کے یہ معنی ہیں کرمی اسکو کہتے ہیں	کہ حاتم بھی گدائے کمتریں ہے میرے حاکم کا
راجہ اندر کا اکھاڑا صحبت اقدس ہے برق	نام رکھا ہے پرستاں بزم عشرت گاہ کا
جل بجھے گا طالب دیدار اپنی آگ میں	نام ہے برق تجلی شعلۂ ادراک کا
خواہان وصل یار ہے طالب محال کا	ممکن نہیں جواب ہمارے سوال کا
اسفل بھی انکسار سے پاتا ہے مرتبہ	گر کر بڑھا نہال سے سایہ نہال کا
دے کر سخی اُٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں	پتھر عوض ثمر کے ثمر ہے نہال کا

عشق اگر منظور ہے اُس سیمتن سے آپکو — پہلے رکھ لیجے منگا کر برق توڑے زر کے پاس

رہیں زمیں پہ کیا زیرِ آسمان خاموش — فغاں کہ خاک کے نیچے ہے اک جہان خاموش

بیکسوں کے واسطے جلتا ہے دل کسکا یہاں — کون رکھتا ہے بھلا گورِ بیابان میں چراغ

چاند سورج کو ترستا ہوں سیہ خانے میں — کسکو پھر کہئے شبِ غم میں پکارے مشتاق

عجب بانکے کنھیا نوجواں سلطانِ عالم ہیں — کہ قالب ہے جہاں جانِ جہاں سلطانِ عالم ہیں

حسین و خوبرو شاہ شہاں سلطانِ عالم ہیں — جواں مرد و جواں بخت و جواں سلطانِ عالم ہیں

زبانِ موج سے بادِ بہاری کہتی پھرتی ہے — کہ قیصر باغ کے سروِ رواں سلطانِ عالم ہیں

بنا ہے لکھنؤ کنعاں و رشکِ مصر ہیں کوچے — عزیز و یوسفِ ہندوستاں سلطانِ عالم ہیں

لبِ جاں بخش سے جیتے ہیں مردے باتوں باتوں میں — مسیحائے جہاں معجز بیاں سلطانِ عالم ہیں

صدقے کیونکر نہ بھلا تابعِ فرماں ہو جائیں — دیکھیں پریاں بھی جو حضرت کو تو قرباں ہو جائیں

پیشِ الفت درہم و دینار کو رتبہ ہے کیا — بندۂ بے زر ہیں ہمکو بیچ لو بازار میں

جب کہا میں نے کہ تڑپیگی تہِ خاک بھی روح — ہنس کے فرمانے لگے خلد میں کیسا حور نہیں

بے عبادت نہ خدا بخشے گا سبحان اللہ — ایسی فردوس سے ہم گزرے کہ مزدور نہیں

لاکھ نعمت ہے جو بے رنج ملے نانِ جویں — پانی پی لیں گے اگر بادۂ انگور نہیں

موت نے آکر چھڑایا قیدِ ہجرِ یار سے — غم رقیبوں کو ہوا سارے اقارب شاد ہیں

دے ڈالیں جان بات نہ دیں اپنی ہاتھ سے — نکلے نہ ہاں زباں سے کچھ اگر نہیں

قطعہ

ترکِ مے توبہ کرو کفر ہے لاحول ولا — برق ہو توبہ اسی پہ تو مزے سارے ہیں

روز زُہاد کو بلوا دو سبیلیں رکھو — اپنے نزدیک یہ اس جرم کے کفارے ہیں

ترے خنجر نے بحرِ خوں میں نہلایا مجھے قاتل — تری تلوار نے لٹوا دیا زخموں کے داماں میں

فزوں طاقت سے نعمت ہو تو سم ہے ناتوانوں کو — کہ اکثر مور مر جاتے ہیں جا کر شکرستاں میں

ہو گئی اللہ کی مجھ پر عنایت خواب میں — بخت جاگے دیکھ لی اُس بت کی صورت خواب میں

بیان کیا ہو رخ و جبیں کا وہ مہر ہے چاند چودھویں کا
جو اہلِ رفعت ہیں صاف طینت وبال انکو ہی دل کی کلفت
بتاؤں کیا تجھے لذت نہ پوچھ اے زاہد
کہاں کی توبہ کسے خلد چاہیئے - توبہ
فراق یار میں لذت نہیں ہے جینے کی
نہیں ہے اس سے اپنے بھی نفع موذی کو
تو آئے عیادت کو تو کہنے لگے عیسے
ہر ایک نفس عشق میں ہے زندگی خضر
سب میں ہے جلوہ اسیکا کیا میں دیکھوں نئے سو دوست
بوسہ لینے ہی قرارِ دلِ مضطر نہ رہا
اس مسیحا نے قدم رنجہ کیا کیوں نہ کہوں
باغباں خواب سے چونکا تو غضب لائے گا
پیکاں کے ساتھ ساتھ جو نکلے دل و جگر
مانندِ تیر او جھکا بڑھ گئے جگر سے
وہ رازقِ کریم ہے تو اے کریم خلق
کس منہ سے وصف تیرے لبوں کے بیاں ہوں
وہ ہم نہیں کہ بیٹھ کے پھر اٹھیں بیٹھتے ہی
گرم بازاریِ معشوق تو عشاق سے ہے
فروغِ رتبۂ عالی جہاں میں خاکساری سے ہے
بچایا سختیوں سے دشمنوں کی ملکے چلنے نے
آتا نہیں قرار دلِ بیقرار کو

جو عکس پڑ جائے اس حسیں کا ستارہ ہر ذرہ ہو زمیں کا
ہمیشہ رہتے ہیں بے کدورت اثر فلک پر نہیں زمیں کا
چھٹے نہ حشر تلک منہ سے جو لگائے شراب
قبول مجکو جہنم ہے کوئی لائے شراب
پلا دے زہر مجھے ساقیا بجائے شراب
یہ دخل کیا ہے کہ کچھ گنج میں سے کھائے سانپ
کیوں ہم نہوئے آج کو بیمارِ محبت
جینے کے لئے مرتے ہیں بیمارِ محبت
میری نظروں میں ہے یکساں ہے دشمن اور دوست
بڑھ گیا دردِ جگر اور دوا کے باعث
اتر آیا ہے فلک سے میرے گھر میں خورشید
کھیلتی ہے جس سے بلبل نالاں سپر
ناوک فگن ہی ہونے لگا تیر دیکھکر
سر ہے زمین پر تو قدم آسمان پر
کچھ قید نیک و بد کی نہیں تیرے خوان پر
دنیا کی لذتیں ہیں ہماری زبان پر
مٹ جائیں گے فقیر اسی آستان پر
قدر موقوف ہے ہر شے کی خریدار پر
یہ لازم ہے زمیں بنجائے انساں آسماں ہوکر
رہا محفوظ دانتوں میں ہمیشہ میں زباں ہوکر
غم میں پھنسا ہوں دامِ محبت سے چھوٹکر

سر کا رتبہ پاؤں کو ہرگز کبھی ملتا نہیں
اس سے کیا ہوتا ہے زردوزی اگر پاپوش ہے

عشق ہوگا جو کسی سے تو کھُلے گا احوال
ہم بھی پوچھیں گے مزاج آج کہو کیسا ہے

قیامت آئے اُٹھاؤ جو پردۂ عارض
نہ ماہتاب رہے پھر نہ آفتاب رہے

زہر امرت ہے کہیں آبِ بقا زہر کہیں
بے سبب کونسی شے عالمِ اسباب میں ہے

شہرت کیا جہان میں اُس خودنمائی کی ہے
ایسے بشر بھی ہوتے ہیں قدرت خدا کی ہے

بے دئے جان نہیں بزم سے جانیوالے
اب تو بیٹھے ہیں اُٹھائیں تو اُٹھانے والے

پھر کے للہ ادھر دیکھ کہاں جاتا ہے
قتل ہم ہو گئے او منہ کے چھپانیوالے

ایک ہے اللہ تو بندے بھی سارے ایک ہیں
پھر بتاؤ تفرقہ کیا زاہد و ہندو میں ہے

وہی اُسکا ہے جو دیتا ہے کسیکو کوئی
اپنی وہ چیز نہیں جو کہ پرائی نہ ہوئی

شکوہ میں نے جو کیا جائے شکایت نہیں
جس سے ہوتی ہے اُمید اُس سے گلہ ہوتا ہے

خضر آگاہ لبِ یار کے بوسوں سے نہیں
جان تک دیتے ہیں عاشق یہ مزا ہوتا ہے

یوں تو ہر روز قیامت ہے قدِ جاناں سے
دیکھیں کب وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے

ہوش بس جاتے رہے جان پہ آفت آئی
پھر نہ میں آپ میں آیا جو طبیعت آئی

عیب بینوں کو ہنر اہلِ ہنر سے چڑ ہے
کیوں نہ آئینے سے بدشکل کو نفرت ہو جائے

گریۂ و غم کی مجھے طاقت نہیں
معجزہ دکھلائے گر عیسیٔ عشق

کار و بارِ عشق اب کیونکر چلے
ساتھ قاتل کے تنِ بے سر چلے

اصل جس چیز کی جو ہے وہی ہے وصف اُسکا
پھرے تلخیٔ مے کیوں نہ حلاوت ہو جاوے

اُٹھ گیا پردۂ دوئی تو کھُلا
خود پرستی خدا پرستی ہے

مستحکم کوئی عمارت نہیں الفت سے زیاد
سیل کا خوف نہیں دل میں جو گھر ہوتا ہے

بیکس کو ستانا نہیں اچھا نہیں اچھا
تم شاد رہو گے جو ہمیں شاد کروگے

بتوں سے جلوۂ حق کا ظہور ہوتا ہے
عجیب خاک کے پتلوں میں نور ہوتا ہے

دل مکدر ہو تو سب عیشِ جہاں مٹی ہے
تو نہیں پاس تو پھر لطفِ چمن خاک نہیں

پارس سے بھی زیادہ ہے تاثیر پاؤں میں
چھوتے ہی خاک ہوتی ہے اکسیر پاؤں میں

کسقدر دور دو ساقی سے ہے
شیخ کہتا ہے مے حرام نہیں

عشق و غیرت شرم و نخوت مانعِ گفتار ہیں
اُس طرف مجبور وہ ہیں ہم ادھر ناچار ہیں

طالبِ سجدہ وہ بت ہے مجھے معلوم ہوا
اب یہ منظور ہے ناراض خدا مجھسے ہو

واہ رے رحم کریمی کے یہی معنی ہیں
عفو ہو اُنکی طرح سے جو خطا مجھ سے ہو

دل میں ہے عشقِ صنم نام خدا ہونٹوں پر
میں ہوں وہ رند کہ کہتے ہیں مسلماں مجکو

لذتِ بوسہ نے لب بند کئے زخموں کے
وہنِ یار ہوا غنچۂ پیکاں مجکو

میرا کیا جائے گا تم آپ ہی رسوا ہوگے
یہ ہنسی خوب نہیں کیوں مجھے رلواتے ہو

زاہدا وہ تو رگِ جاں سے کہیں ہے نزدیک
کیوں بھٹکتے ہو ادھر آؤ کہاں جاتے ہو

آج ترساؤ نہ صورت کو مُوا جاتا ہوں
کل دمِ حشر نہ دیدار دکھانا مجکو

شکل دکھلاؤ تو معلوم نہیں کیا ہو جائے
جانیں جاتی ہیں جو آواز سنا دیتے ہو

ایسا نہیں یہ سر کہ جُھکے آگے غیر کے
پڑھتا نہیں نماز وہ جسمیں سلام ہو

اعجاز چال ہے بتِ محشر خرام کی
قدرت خدا نے اُسکے قیامت تمام کی

خدا غریب کی سنتا ہے غیب سے فریاد
اثر عجیب دلِ دردمند رکھتا ہے

قطعہ

مٹا نا اگر اِن کو منظور تھا
یہ حیرت ہے پھر کیوں بنایا مجھے

فدا تھا جو میں خال و رخسار پر
عجب واقعہ پیش آیا مجھے

یہ جھگڑا رہا کفر و اسلام کا
نہ گاڑا نہ اُسنے جلایا مجھے

سمسکتا ہوں اچھے مسیحا ہیں آپ
نہ مارا نہ تمنے جلایا مجھے

کچھ بن آتی نہیں یہ حیرت ہے
کیا کرے عاشق اور کیا کرے

مرتبہ عالی نہیں پاتا ہے اہل مال سے
جانتے ہیں اہلِ دانش جنکو عقل و ہوش ہے

قوتِ بازو عدو کو جانتے ہیں اہلِ دل	طائرِ جاں کو پرِ پرواز ہیں پر تیر کے
جو گڑے ہیں چرخ سے انگو ضرر مطلق نہیں	آسیا سے پستے ہیں دانے کہاں زنجیر کے
کام کچھ کسب و ہنر آتا نہیں ادبار میں	زنگ سے جوہر عیاں ہوتے نہیں شمشیر کے
فیضِ نیسانِ کرم سے بے زباں تک سیر ہیں	رزق پہونچاتا ہے رازق منہ صدف کا چیر کے

برق

(برق) قاضی نجم الدین صاحب برق خلف قاضی سراج الدین از خاندان قضات سکندر آباد نواح دہلی۔ آپ کا بچپن اور شباب دہلی میں گزرا اور وہیں تعلیم پا کر حکیم مومن خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فنِ شعر میں استفادہ کیا۔ چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ انہیں کے استاد سے میر حسین صاحب تسکین (شاگرد رشید مومن) سے اصلاح لینے لگے۔ طبیعت قدرتاً شاعری کے مناسب پائی تھی۔ چند ہی روز کی مشق میں اچھا نام پیدا کر لیا۔ عاشقانہ مضامین بالخصوص معاملہ بندی میں فرد تھے۔ شوخیِ طبع میں اسم بامسمی برق تھے۔ کلام بے ساختہ دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔ غدر سے پیشتر آپ کا عین شباب کا عالم تھا مگر خداداد ذہانت اور زورِ طبع کی بدولت اُس زمانہ میں بھی آپ کا کلام دہلی میں زبان زد خاص و عام ہو گیا تھا۔ اکثر اربابِ نشاط آپ ہی کے کلام رنگین سے رقص و سرود کی مجالس کو گرم کرتی تھیں۔ اور فی الواقع آپکے نتائج افکار میں غضب کی دلفریبی اور بلا کی دل گرفتگی ہے۔ شروع جوانی میں جب ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگرہ اور الہ آباد کی عدالتوں میں امین رہے۔ بعد حصول پنشن مراد آباد میں وکالت اختیار کی۔ ۷۲ برس کی عمر پا کر انجام کار وہیں ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا۔ چونکہ طبیعت کی لاپروائی اور خلقی استغنا نے شاعری کو بطورِ فن مشغلہ نہ بنانے دیا اسلئے بیشتر حصہ کلام تلف ہو گیا اور جس شہرت کا فی الحقیقت مستحق تھا وہ حاصل ہونے پائی۔ وجیہہ۔ خوشخو اور وضعدار شخص تھے۔ اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی بدولت جلسۂ احباب کے روح رواں سمجھے جاتے تھے۔ نفاست بندش اور عمدگیٔ مضامین کے دلدادہ آپ کا طرزِ ادائے بیان غضب کا دلکش ہے

عاشق کو طواف کوچۂ جاناں چاہیے — زاہد کو کعبہ رند کو میخانہ چاہیے

اے صنم اپنی جو قدرت میں خدائی ہوتی — مسجدوں میں تری تصویر لگائی ہوتی

مانو ہماری بات جو بخشش کی چاہ ہے — اے زاہدو گناہ نہ کرنا گناہ ہے

کیا حقیقت داغ کے آگے چراغ طور کی — رشک شمع طور ہے بتی مرے ناسور کی

صوم میں گر رہے اگر دن مے پیا کر رات بھر — جام سے افطار کرنا روزے کا کفارہ ہے

جان دیں درہم داغ ایک اگر کم ہو جائے — خجل عاشق پہ ندامت حاتم ہو جائے

فلک نے داغ دیے لالہ زار کے بدلے — لیے خزاں نے چمن سے بہار کے بدلے

اٹھا کے آئینہ دکھلا دیا اسے سینے — نسوجھی عارض گلگوں کی جب مثال مجھے

نگاہ مست سے بیہوش کر دیا تو نے — پیالہ ہاتھ سے رکھ ساقیا سنبھال مجھے

ایسی قسمت تو کہاں سچ جو کوئی بات کہو — جھوٹ وعدہ بھی تمہارا سبب تسکیں ہے

رنج ہوتا ہے جہاں میں صحبت ناجنس سے — جسم میں جب تک رہیگی روح بے آرام ہے

چشم حق بیں کو جہاں میں کفر سے کیا کام ہے — ہر صنم خانہ نظر میں کعبۂ اسلام ہے

جز غبار دل نہیں حاصل کسیکو چرخ سے — خاک جھڑتی ہے ہمیشہ کہنہ سقف بام ہے

چاک جگر کو طاق دعائے حرم سمجھ — قبضے میں ذو الفقار ہے گر دل دو نیم ہے

کچھ حاجت لباس نہیں اہل حضر کو — دن چادر سفید ہے ہر شب گلیم ہے

جور و جفا اٹھانے کی طاقت نہیں — آزاد کر کہ بندہ غلام قدیم ہے

جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی — کیا شوخیاں ہیں ابلق لیل و نہار کی

میں جو روتا ہوں تو کہتے ہیں مجھے ہنس ہنس کر — جو کرے عشق یہی اسکی سزا ہوتی ہے

ناحق اپنے پاؤں توڑے یہ نہ سمجھا زاہدا — وہ رگ جاں سے بھی ہے نزدیک کعبہ دور ہے

جوش وحشت کا تقاضا ہے کہ دل خوں کیجیے — دشت میں روشن چراغ نام مجنوں کیجیے

چاہیے تدبیر بیجا شکوے ہیں تقدیر کے — یہ بڑی تقصیر ہے قائل نہوں تقصیر کے

دل چور تھا زخموں سے مرا گر پڑے جگر تھا
کیوں ضبط کیا دیکھ کے بیتاب اُسے ہائے
یوں کاٹ لیا قاتل سفاک نے ہمدم
شب غیر میں اور ہم میں رہی یوں ہی لڑائی
کسواسطے خوش آئی تجھے دل کی خرابی
سودائے محبت میں کئے نالہ و افغاں
وہ بھی نہ رہا جوشش محبت میں الٰہی +
طالع جو بُرے تھے نہ ہُوا تمنے تو ورنہ
وہ وقت نہ پایا کہ کہیں حال دل اپنا
وہاں جاکے چھپا کوئی جہاں جانے نہ پائے
میں تو ہوں محو تماشا اک بت مغرور کا
اب نہیں تاب تحمل تو اٹھا رخ سے نقاب
اُف رے گرمی محبت عمر بھر مانگے پناہ
چارہ گر وہ مہروش آئے جو اس مجروح تک
مے سے کی ہے گرچہ توبہ لیک ہو جاتا ہوں مست
ہمنے جب طالع سے مانگا یار کا روز وصال
ہجر کی شب روتے روتے جان دی تھی گو نہیں
گر نہیں جاتی بلا سے مار ہی ڈالے مجھے
پیر میخانہ ہے تسکیں برق اُسکا ہر کش
قلقل مینا ہے سب ساقی کے نالہ صُور کا
کوئے جاناں سے نکلتے ہی یہ حالت ہو گئی

شب رخ تری مژگاں کا خدا جانے کدھر تھا
شب لب پہ جو نالہ تھا سو سرگرم اثر تھا
گویا کہ ازل ہی سے نہ تن پر مرے سر تھا
دیکھا تو وہ سب دید ادھر تھا نہ اُدھر تھا
اے خانہ برانداز یہ تیرا ہی تو گھر تھا
حاصل ہمیں ہر کام سے اک جی کا ضرر تھا
پہلے جو مری آہ میں تھوڑا سا اثر تھا
وہ کام کئے جس میں مرے جی کا ضرر تھا
جب دیکھا اُنہیں آئینہ ہی پیش نظر تھا
اے برق یہ نالوں سے ترے غیر کو ڈر تھا
واعظ ناداں مجھے دیتا ہے لالچ حور کا
اک فسانہ ہو گیا عالم میں جلوہ طور کا
گر پڑے دوزخ پہ سایہ اس تن محرور کا
چاندنی میں ہو اثر پیدا ابھی کافور کا
جب خیال آتا ہے اُسکی نرگس مخمور کا
تیرہ بختی نے دکھایا منہ شب دیجور کا +
سیل گریہ لے گئی لاشہ ترے رنجور کا
یوں بھی تو احسان ہوتا ہے شب دیجور کا
ہے مزا اُسکے سخن میں بادۂ انگور کا
آفتاب حشر ہے ساغر جو ہے بلور کا +
جس طرح ہارا تھکا آئے مسافر دور کا

غزلوں میں آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور اُن میں سے اکثر موسیقی کی دلفریب چاشنی سے مملو ہیں - ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام مختلف ذرائع سے بکوشش تمام ملا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

آج ارمان میرے دیدۂ تر کا نکلا ۔ کہ ہر ایک اشک سے لختِ جگر کا نکلا
ہم تو کہتے تھے کہ جنت میں نکلے گا کیا ہی ۔ بارے کچھ اُس میں بھی نقشہ ترے گھر کا نکلا
وہ بغل میں بھی رہا تو بھی نہ پایا آرام ۔ دل سے کھٹکا نہ شبِ وصل سحر کا نکلا
اے فلک تجکو بھی سوزش کا چکھا دینگے مزا ۔ ایک بھی نالہ جو اس تفتہ جگر کا نکلا
خط پہ خط بھیجے اُسے لیک یہ حسرت ہی رہی ۔ کوئی قاصد نہ کبھی آن اُدھر کا نکلا
عمر تو ساری ہی کٹی[۱] کسب کمالات میں برق ۔ یاں[۲] نہ پرساں ہی کوئی اہلِ ہنر کا نکلا

جلا یا گھر عدو کا اور نہ کاخِ آسماں پھونکا ۔ مجھی کو چپکے چپکے تو نے اے سوزِ نہاں پھونکا
اُٹھے کیونکر نہ دودِ دل کہ اُس بدخو نے محفل میں ۔ دیا حقہ عدو کو اور میری جانب دھواں پھونکا
بتوں کی گرم خوئی سے دلِ عشاق جلتے ہیں ۔ ہمیں تو سرد مہری نے تمہاری مہرباں پھونکا
بری محفل میں اہلِ دل اُٹھ چلے وہ اک قیامت ہے ۔ یہ کیسا صور تو نے نالۂ آتش فشاں پھونکا

کیا کیا اُڑی ہیں جیب و گریباں کی دھجیاں ۔ ہاتھوں سے جب کہ یار کا داماں نکل گیا
پوچھا جو اُس نے آپ ہیں چاہتے ہیں کیا ۔ بے ساختہ زباں سے مری ہاں نکل گیا
اے برق تیز دستی وحشت کو دیکھنا ۔ دامن کے سیتے سیتے گریباں نکل گیا

میری خاطر پھر دکھا عالم رخِ پرنور کا ۔ غش سے موسیٰ نے نہیں دیکھا ہے جلوہ طور کا
گر یہی ہے شوقِ پابوسی تو بعد مرگ بھی ۔ ٹھوکریں کھاتا پھرے گا لاشہ اس رنجور کا
گر کوئی محشر میں پرساں ہو تو فریادی کرے ۔ ہر دہانِ زخم سے لیں کام نفخِ صور کا

کیا لگی پھرتی ہے اُس پائے نگاریں سے بہار ۔ جس جگہ اُس نے قدم رکھا گلستاں ہو گیا
صورتِ گل چاک چاک اپنا جگر ہے برق یاں ۔ چارہ گر کو فکر ہے ٹکڑے گریباں ہو گیا

[۱] صرف کی عمر یونہی ۱۲ [۲] کوئی پرساں نہ یہاں ۱۲

دستِ تسکیں وہ مرے سینہ پہ رکھکر بولے
لے گیا برق ترا کب دلِ مضطر کوئی

پیکاں نکالنا ہے اگر ہاں نکالیئے
پر دل پہ ہاتھ رکھ کے مری جاں نکالیئے

مست ہے نے کا قطرہ بھی جو دے ساقی محبت سے
غنیمت ہے یہ جو گزرے کوئی دم غفلت میں حسرت سے

ترا قامت بنا کر صانع قدرت نے فرمایا
کہ یہ فتنہ رہے گا دو قدم آگے قیامت سے

وا جو گلشن میں ترا عقدۂ گیسو ہو جائے
غنچہ غنچہ گرہ نافۂ آہو ہو جائے

کب یہ ممکن ہے نہ معشوق جفا جو ہو جائے
ہم مسیحا کو بھی چاہیں تو ہلاکو ہو جائے

نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں
غش وہ اسیر ہیں کہ شہرت میری ہر سو ہو جائے

کیا گھر دولت کو نہیں تصدق اسیر
کسی دل میں جو مؤثر کوئی آنسو ہو جائے

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

تو نہو گا تو ترا درد رہے گا دل میں
یہ نہو گا کبھی خالی مرا پہلو ہو جائے

بزم اغیار ہے ڈر ہے نہ خفا تو ہو جائے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہو ہو جائے

کشتۂ چشم فسونگر کا جلانا کیسا
نہ کہیں اور مسیحا پہ یہ جادو ہو جائے

ناز تو اسکے اٹھاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں
بے نیازی کی نہ اُس بت میں کہیں خو ہو جائے

کچھ مزا ہے یہ ترے روٹھ کے من جانے میں
چاہتا ہوں یونہی ہر روز خفا تو ہو جائے

تو تو جس خاک کو چاہے تو کرے بندۂ پاک
میں خدا اسکو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

پہنچے اُس بت کے نہ در تک یہ ہمت کا قصور
ورنہ چاہے جو بشر عرش پہ قابو ہو جائے

آپ انکار کریں وصل سے میں در گزرا
کچھ تو ہو جس سے طبیعت مری یکسو ہو جائے

در بدر پھرنے سے ملنا تو کسیکا معلوم
ہاں غنیمت ہے جو کچھ ہم سے تکاپو ہو جائے

منہ تکا کرتا تھا اعجاز مسیحا جسکا
ہائے اوس پہ ملک الموت کا قابو ہو جائے

ق

نہ وہ بلبل ہوں کہ ہر گل پہ فدا جاں کر دوں
نہ وہ پروانہ کہ ہر شمع کا قابو ہو جائے

ہاں یہ مانا کہیں دل بیٹھ کے بہلاؤں مگر
تو کہاں لا کے کسی میں تری خو بو ہو جائے

ہے بظاہر ترکِ لذت دلمیں ہے حور و شراب
زاہد و کچھ بھی ٹھکانا ہے تمہارے زور کا

میں نہ سوجھا موت کو سوا آتشیں نالوں کے بھی
کچھ اندھیرا سا اندھیرا تھا شبِ دیجور کا

وعدۂ دیدار ہے محشر پہ تو ہی کر مدد
انتظار اب نالۂ پرشور کب تک صور کا

وصل کی شب صبح ہوتے ہی قیامت آگئی
بانگ تھی مرغِ سحر کی یا کہ نالہ صور کا

جان دینے پر بھی عاشق بات سے ٹلتے نہیں
کیا ہوا گر دار پر سر رکھ دیا منصور کا

سوزِ دل جاتا رہا سینہ سے لگتے ہی ترے
گرم جوشی نے اثر پیدا کیا کافور کا

کیوں نہ ہو ہر دم جہنم سے صدا ہل من مزید
برق لقمہ گرم ہے میرے تنِ مخمور کا

وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں تلک
ملتا نہیں زمیں کا پتہ آسماں تلک

جی چاہتا ہے خاک میں ملیے یہاں تلک
پیدا نہ ہووے حشر کے دن بھی نشاں تلک

صیاد ظلم کرتے ہیں لیکن نہ یہاں تلک
میرا چمن سے پھینکدیا آشیاں تلک

واں دل میں یہ کہ بوسہ یا بھی نہ دیجیے
یاں شوق یہ کہ چوسئے انکی زباں تلک

عدو کے وصل کے دہاں عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں
ہماری جاں کے جانے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

مزا پڑتا چلا ہے انکو بے باکانہ ملنے کا
نگہباں برطرف موقوف درباں ہوتے جاتے ہیں

چھری پھیرے گا دم لے لیکے اس سے کب توقع تھی
یہ قاتل کی مری گردن پہ احساں ہوتے جاتے ہیں

تاثیر کچھ بھی ہووے تو رونے کا ڈر نہیں
ناحق تو کر خراب مجھے چشمِ تر نہیں

وہ اشک کیا ہے جسمیں کہ لختِ جگر نہیں
کیا ہے وہ آستین کہ لہو میں تر نہیں

رشکِ عدو و حسرتِ وصل آرزوئے مرگ
صدمہ ہے کونسا جو مری جاں پر نہیں

گو قہر کی نگاہ ہے پر دیکھتے تو ہیں +
کیوں کر کہیں کہ آہ میں اپنی اثر نہیں +

تیرے ستم سے موت کی خواہش ہوئی ہمیں
ورنہ ہمارے دل میں فقط تیری چاہ تھی

جان جاتی ہے جو گردن سے جدا ہوتا ہے
ہائے کیا خنجرِ قاتل میں مزا ہوتا ہے

دیکھ لیں ہم بھی کہ دل لیتا ہے کیونکر کوئی
ہاں اشارہ کرے وہ چشمِ فسونگر کوئی +

عمر اور کلام مرسلہ کا انتخاب یہ ہے ۵

کچھ نہ پوچھو ناز قاتل وقت قتل — ہر ادا پر اُس کے میں مر مر گیا

آئینہ دیکھ کے دیکھا یہ تماشائے عجیب — اک تماشا تھا اُسے اپنے تماشائی کا

آئی ہے بہار ابتو صیاد — بلبل کو قفس سے تو رہا کر

میں کہتا تو ہوں کہ ہے قیمت دل اک بوسہ — اسپہ حجت ہے تو پھر آپ ہی ارشاد کریں

جو نمک ہیں آپکے اُنکو مٹائے دیتے ہیں — لو آؤ چیر کے ہم دل دکھائے دیتے ہیں

جذب دل خود کھینچ لائے گا اُسے پروا نہیں — غیر بہکاتا ہے گر اُسکو تو بہکانے بھی دو

تم ہی سچے سہی آخر یہ جھگڑا اسلئے بھی ہو صاحب — بگڑتے کیوں ہو اچھا بیوفا میں باوفا تم ہو

یہ چھپکر روز جانا میکدے میں حضرت زاہد — ہمیں معلوم ہے واللہ جیسے پارسا تم ہو

اللہ رے بیخودی کہ تصور میں یار کے — تصویر یار ہی سے ہم آغوش ہو گئے

اے برق تم تو برق تھے پھر اک نگاہ میں — کیوں دیکھکر حبیب کو بیہوش ہو گئے

آئینہ تمھارے روبرو ہے — سچ سچ کہو کون خوبرو ہے

خطا کیا جو بتو دیکھا نگاہ شوق سے تمکو — کہ ہم ہیں صانع قدرت کی قدرت دیکھنے والے

بت طناز آئینہ سے یہ خوش فعلیاں کب تک — ادھر بھی اک نظر او اپنی صورت دیکھنے والے

مانا کہ اُسے تیغ لگانی نہیں آتی — ابرو بھی ستمگر کو ہلانی نہیں آتی

تمنا آج تیرے دل کی اے زہرہ جبیں نکلی — کہ خوش خوش تیرے قدموں پر مریجان حزیں نکلی

بندھی تھی یار کی ہچکی لگے اغیار بھی رونے — کچھ اس حسرت سے گھٹ گھٹکر مریجان حزیں نکلی

(برق) منشی محمد اسحاق برق خلف مولوی محمد عبدالقادر مرحوم رئیس و مصاحب نواب کلب علیخاں والی رامپور حضرت داغ کے تلامذہ میں سے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں ۵

یاد ہیں اُس نگہ مست کے ہوں چشم پر آب — بن گئے ہیں مرے یہ دیدۂ تر جام شراب

ابھی پھر آئے گا پانی تیرے مُنہ میں زاہد — تو نے دیکھا جو کبھی بھر کے نظر جام شراب

ہو نہ لبس میں کوئی کچھ نہیں اسکی پروا	دلِ بیتاب پہ اسے برق جو قابو ہو جائے
جو دیکھ چکے نوح کا طوفان نظر سے	وہ آنکھ چراتے ہیں میرے دیدۂ تر سے
دن رات پڑا رہتا ہوں دروازہ پہ اپنے	اس غم میں کہ کوئی کبھی آتا تھا ادھر سے

برق

(برق) منشی محمد منظور احمد - وکیل شکوہ آباد فن سخن میں ابتدا سے حضرت داغ دہلوی کے ارادت مندوں میں ہیں پہلے منظور تخلص کرتے تھے۔ پھر برق تخلص اختیار کیا طبیعت تخلص کی موزونیت سے شوخ اور تیز پائی ہے - پھر اس پر اتنی پر استاد کی تقلید و صلاح سونے پر سہاگہ ہوگئی - ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام حاصل ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بھی دیا جگر بھی دیا جانِ زار بھی	ہمنے تو تیرے عشق میں سب کچھ لٹا دیا
سوا اسکے کہ تم پر جان دیدیا	ہماری آرزو کیا مدعا کیا
آبلے ٹوٹے ہیں نوکِ خار پر	سر کشوں کی موت آئی دار پر
وعدہ کرتے ہی تبسم آگیا	ناامیدی چھا گئی اقرار پر
بلا سے ہجر ہے ضبطِ فغاں ہے	مصیبت میں جگر آفت میں جاں ہے
یہ ہے رازِ دینا ز حضرتِ عشق	کسی کا سر کسی کا آستاں ہے
تمہاری خوش خرامی پر تصدق	قیامت کیوں نہیں ہوتی کہاں ہے
بیاں کرنے کو بلبل کی زباں ہو	عجب دلکش ہماری داستاں ہے
نظر پھرتے ہی پھر جاگی ہر قسمت	تری آنکھوں میں رنگِ آسماں ہے
آیا جہاں میں آتے ہی حسن بتاں نظر	ہم پہلے ہوش آنے سے بیہوش ہو گئے
آرزوئیں نکلتی ہیں دل سے	گلے مل مل کے تیغِ قاتل سے

برق

(برق) جناب منشی ہری شنکر سہائے کائستھ سرپرواسٹو کلرک اسپشل فنڈ ہردوئی انکے والد منشی بلدیو سہائے لکھنؤ کے باشندہ ہیں۔ آپنے ایک رسالہ اصول اقلیدس میں شائع کیا ہے۔ فن سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ۳۰ برس کے قریب

گنج قفس سے ہائے رہائی نہ ہو سکی	ہر چند عندلیب نے مارے ہزار پر
جس طرف آ نکلی یہ مثلِ قیامت آ نکلی ہم اگر خاموش ہیں تو کچھ اسی میں خیر ہے	رُک سکے گی کیا کسی پر جب طبیعت آ گئی ورنہ اُف بھی کی تو یہ سمجھو قیامت آ گئی

برق

(**برق**) نواب سید عبدالحسین خان عرف چھجو نواب - رئیس پٹنہ - شاگرد مولانا شاد عظیم آبادی - یہ آپکا کلام ہے ؎

کیا مقدر رہے واہ بسمل کا	چل کے رکتا ہے ہاتھ قاتل کا
ناامیدانہ تھک کے بیٹھ رہے	جب نہ پایا نشان منزل کا
ضبط کی آہ مرحبا اے قیس	رکھ لیا تو نے پردہ محمل کا

برق

(**برق**) منشی محمد یعقوب - باشندہ جالندھر - مولوی شوکت میرٹھی کے شاگردوں میں ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہے اِن دنوں عروج یہ موسم بہار کا	گلشن میں ہر طرف ہے ترانہ ہزار کا
جو دم ہنسی خوشی میں گزر جائے خوب ہے	کیا اعتبار ہستیٔ ناپائیدار کا
مے پی کے گر گیا درِ دیرِ مغاں پہ میں	بے ہوشیوں میں کام کیا ہوشیار کا
جی چاہتا ہے خط سے وہاں جاؤں پیشتر	اللہ رے شوق دیدۂ دلِ بیقرار کا
وہ دل میں اور دل تپش و اضطراب میں	رہتے ہیں یہ حسین ہمیشہ عذاب میں
زاہد ابھی تو پی نہیں مست کر نہیں ہیں	چکھ کے تو دیکھ کیسا مزا ہے شراب میں

برکت

(**برکت**) منشی برکت علی خاں - باشندہ خیرآباد - ملازم ریاست پٹیالہ - شعر و سخن سے نہایت ذوق رکھتے تھے - نصیر الدولہ جنرل اختر لونی ریذیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے اور اس عہدۂ ممتاز کی وجہ سے اپنے زمانے کے عمائد میں شمار ہوتے تھے - ان کی شاعری کا شوق حد بیاں سے باہر ہے - قیام دہلی میں انکے ہاں تمام شہر کے اربابِ کمال و معززین کا جمگھٹا رہتا تھا - اکثر مشاعرے بھی کیا کرتے تھے -

حشر کے دن بھی یہ مجھ رند کو خواہش ہوگی | کچھ ملے یا نہ ملے مجھکو مگر جام شراب

برق

(برق) منشی محمد باقر دلوی کافی پلانٹر مقیم احسن ملک میسور - حضرت داغ سے تلمذ رکھتے ہیں خود بھی خاصہ کہہ لیتے ہیں ؎

چمن حسن میں آئی ہے جوانی کی بہار | آج محرم میں سماتا نہیں جوبن انکا
نثار دل کو کیا ابروئے ستمگر پر | طبیعت آگئی بیٹھے بٹھائے خنجر پر
غضب کی چال ہے اے شوخ اُسکا کیا کہنا | نثار فتنۂ محشر ہے تیری ٹھوکر پر
گناہ تھوڑا ہے زاہد ثواب افزوں ہے | درود پڑھتا ہوں سو سو میں ایک ساغر پر

نہ ہو پرسانِ حال جب کوئی | جی جلانے میں پھر مزا کیا ہے

روز و شب اسمیں خیالِ عارضِ پرنور ہے | طالب دیدار کا دل ہے کہ کوہِ طور ہے
مختصر اتنا ہی لکھا یار نے خط کا جواب | آنکھ سے جو دور ہے دل سے کوسوں دور ہے

برق

(برق) منشی محمد الیاس شاگرد مولانا شوکت میرٹھی - اب کچھ عرصہ سے منشی جلیل حسن صاحب جلیل کو اپنا کلام دکھاتے ہیں - یہ چند شعر آپکے کلام سے منتخب ہوئے ؎

تیغ وہ لائے ہیں ہم سر نہ جھکائیں کیونکر | اجل آئی ہے بُلانے کو نہ جائیں کیونکر
سو رہے وہ مری قسمت کیطرح وصل کی شب | آنکھ کھلتی ہی نہیں ہائے جگائیں کیونکر
ایک ہی وار میں دل ہوگیا ٹکڑے ٹکڑے | اب جو آنکھ اُس سے لڑائیں تو لڑائیں کیونکر

برق

(برق) منشی مہاراج بہادر ورما دہلوی شاگرد آغا شاعر - زمانۂ حال کے نومشق شعرا میں ہیں - یہ چند شعر اُنکے ہیں ؎

ابرو کا وار اور دلِ بیقرار پر | کیوں رکھ لیا غریب کو خنجر کی دھار پر
اُس برق وش نے ہنسکے مری حالِ زار پر | بجلی گرائی خرمنِ صبر و قرار پر
سنیے تو کچھ نہیں یہ بُرا ماننے کی بات | دل دے تو کوئی آپکو کس اعتبار پر
لی ہوگی جیتے جی مری کچھ آپنے خبر | کچھ بعدِ مرگ آئینگے میرے مزار پر

زخم بھرنے کے نہیں تیر نکلنے کے نہیں
چارہ گر سہل نہیں مجکو شفا ہو جانا

کیا رنگ دیکھتے ہو دلِ داغدار کا
رہتا ہے یاں خزاں میں بھی عالم بہار کا

عالم شباب کا ہے زمانہ اُبھار کا
آیا ہے باغِ حسن میں موسم بہار کا

ہر دم ہے اُسکا وصف تمھاری زبان پر
دشمن کا کیوں دماغ نہو آسمان پر

پھر اُسی ناز سے کہنا کہ ہو غارت کوئی
ہاں مری عمر بڑھانے کی دعائیں کیونکر

نہ پوچھو اُس گھڑی شام وصال کا عالم
وہ آئی جب مرے گھر مُنہ چھپائے بالوں میں

صرف اک تارِ نفس پر ہے مدار
سچ تو یہ ہے کچھ نہیں انساں میں

بتاؤں کیا تمھیں اپنی حقیقت
مجھے خود ہی نہیں معلوم کیا ہوں

جان دیدیتے مگر سہتے نہ یہ رنج فراق
کیا کریں ہم موت اپنی بس میں انساںکے نہیں

غیر کی صورت وہی ہے ہجر میں
آتشِ غم میں یہ جلتا کیوں نہیں

ملتا رہے کچھ لطف وفا کا بھی جفا میں
تسکین کا پہلو ہو ستانے کی ادا میں

تصویر تری سامنے ہوتی ہے تو ای بت
کچھ اور ہی آتا ہے مزا یادِ خدا میں

جب وصل ہوا اور تڑپ بڑھ گئی دل کی
چھریاں ہیں ترے ناز میں نشتر ہیں ادا میں

وہ چتون یہ کیا مجکو سمجھا گئی
کہ نکلی ہوئی جان پھر آگئی

عشق کی بات سمجھ میں نہیں آتی کوئی
اسمیں آسان سی آسان بڑی مشکل ہے

شبِ فرقت کی شکایت نہ کرو تم برہم
ایسی باتوں سے کہیں رُوٹھ نجائے کوئی

عید کے دن جسنے دیکھا اُن کو قرباں ہو گیا
عید سے عید انکے قربانی سے قربانی ہوئی

تو دیکھ تو اپنی نگہِ ناز کو ظالم
کافر یہ وہ شے ہے کہ نکلتی نہیں جی سے

جنکی نظروں میں حسینوں کی ادا ہوتی ہے
وہ نہیں جانتے کیا چیز قضا ہوتی ہے

مار ڈالا نگہِ لطف سے اک عالم کو
زہر قاتل مرے عیسیٰ کی دوا ہوتی ہے

لاکھ داغ ایک طرف عشق کا داغ ایکطرف
گل سبھی ہوتے ہیں بُو باس جدا ہوتی ہے

غدر سے بیس بائیس سال بیشتر اپنے وطن خیرآباد میں انتقال کیا - یہ اُنکا کلام ہے ؎

اشکوں کو بہا دیدۂ گریاں سمجھ کر
گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھکر

موسم گل ہے قفس ہی میں نہو جان ہوا
مست نسیم سحری مرغ گرفتار سے مل

بو سنجے آسیب نہ اُسکو کہیں دلگیر نہو
نالۂ شب میں الٰہی مرے تاثیر نہو

دلِ بیتاب کسطرح سے ٹھرائے کوئی
مجھے سمجھائے کوئی یا اُسے سمجھائے کوئی

غم اُٹھانا میرے اس دل کا ٹھکانے لگجائے
ایک دم کے بھی لئے پاس جو بٹھلائے کوئی

تصور میں ترے کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں
ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

مجھ کو رُکا کاسا جو پایا تو یوں کہا
بالے خدا نہ ڈالے کسی بدگماں کے

مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے
یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے

برہم

(برہم) حکیم عبدالکریم نام - فتح پور ہنسوے کے رہنے والے ہیں - حضرت امیر مینائی کے خاص معتقدین اور تلامذہ خوش فکر میں ہیں - طبیعت میں رنگینی اور اُسکے ساتھ شوخی بھی ہے - نثر نگاری میں بھی اچھی دسترس ہے - گورکھپور سے صلح کل نامی اخبار آپ ہی کی اڈیٹری میں شائع ہوا تھا - رسالہ فتنہ کے بھی آپ ہی مالک و مہتمم ہیں - اخبارات میں اکثر آپ کے مضامین چھپتے رہتے ہیں - لیکن اکثر حرارت قومی و بیجا پاسداری کے جوش میں آپ حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتے ہیں جیساکہ اُنکے ناول کرشن کماری کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے ؎

درد دل سے تڑپ نہیں سکتے
ضعف یہ ہے ہلا نہیں جاتا

لہو میں ہمارے جو بہیں گئی
بہت شوخ رنگ حنا ہو گیا

خدا تک یہ بت بھی ہیں پہنچے ہوئے
کہ جو کچھ زباں سے کہا ہو گیا

ہماری نعش پہ آنچل کا ڈالدو سایہ
کڑی ہے دھوپ ذرا سایہ کام کرتا جا

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھکر
میری طرف تو دیکھئے سرکار گیا ہوا

مشغول ہو گئے - آخرش ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا - ریختہ میں اسطرح سخن سرائی کرتے تھے تبرکاً کلام درج تذکرہ کیا گیا - زبان اگرچہ قدیم اور مخلوط بہ ہندی ہے مگر مضامین کی نفاست خوبی صاف جھلک رہی ہے

خدا نے کس شہر اندر ہمیں کو لائے ڈالا ہے — نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے

خوباں کی باغ میں رونق ہووے تو کسطرح یاراں — نہ دونا ہے نہ مروا ہے نہ سوسن ہے نہ لالہ ہے

پیا کے ناؤں کی سُمرن کیا چاہوں کروں کسمین — نہ تسبی (تسبیح) ہے نہ سمرن ہے نہ کنٹھی ہے نہ مالا ہے

پیا کے نام (نام) عاشق کون قتل یا عجب دیکھے (کیسے) ہوں — نہ برچھی ہے نہ کرچھے ہے نہ خنجر ہے نہ بھالا ہے

برہمن واسطے اشنان کے پھرتا ہی پیاسیں — نہ گنگا ہے نہ جمنا ہے نہ ندی ہے نہ نالا ہے

برہمن

(**برہمن**) نام و نشان معلوم نہو سکا - یہ دو شعر گل و صنوبر کے اُردو ترجمہ (ناچیز) معنفہ منشی بھیم چند سے لئے گئے - تبرکاً درج کئے گئے ہ

یہ بجا ہو کہ مری آنکھ سے آنسو ٹپکا — نشتر عشق لگا جس سے کہ لو ہو ٹپکا

برہمن عشق بتاں کی ہوئی لذت معلوم — پکّے پھوڑے کیطرح جب دل بد خو ٹپکا

بریاں

(**بریاں**) تخلص ہے ایک برہمن کشمیری نژاد بزرگ کا جنکا کلام ایک قدیم قلمی بیاض میں نظر سے گزرا - کاغذ بوسیدہ ہو جانے کے باعث نام پڑھا نہ جا سکا ہ

غیر کے پہلو صنم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی — ہائے قسمت یہ ستم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

شاد اور خنداں پھریں ہیں روز و شب یہ عدو — میں پھروں با چشمِ تر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

بزم

(**بزم**) مرزا محمد عاشق حسین بزم رئیس اکبرآباد خلف مرزا محمد عباس ملیح برادرزادہ مرزا فصیح مرثیہ گو - ۱۲۷۹ھ آپ کا سال پیدائش ہے - دس برس کی عمر تھی کہ آپ کو داغِ یتیمی نصیب ہوا - مرزا علی حسین قیصر شاگرد رشید آتش نے جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپکو اپنے ظلِ عاطفت میں لیا - ۱۶ برس کی عمر سے شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی - فخر الاساتذہ منشی اسمٰعیل حسین صاحب منیرؔ شکوہ آبادی سے جو رشتہ میں آپکے دادا بھی ہوتے تھے رجوع کیا - اُنھوں نے خاص توجہ سے نکاتِ فن بتائے چنانچہ چند ہی برس میں اچھا کہنے لگے - اور تین چار برس

نمک پاش اب نہیں انکا تبسم کل کا وعدہ ضرور ہو جائے	مزہ زخموں میں پھر آئے کہاں سے کہ قیامت تو دور ہو جائے
سیریں کی ہیں خوب ہم نے حسن کے بازار کی دامن تربت کا سبزہ نرم و نازک ہے بہت	کچھ دنوں کھالیں ہوا ابدشت کے بازار کی تاب لا سکتا نہیں وہ گرمئی رفتار کی

برہمن

(**برہمن**) پنڈت چندر بھان - اکبر آباد اصل وطن تھا مگر دہلی آن بسے تھے - فارسی کی استعداد عالمانہ درجہ کی تھی چنانچہ پہلے شاہ جہاں کے دفتر میں خاص منشی رہے پھر شاہزادہ داراشکوہ کے میر منشی ہو گئے طبیعت کی موزونی سے عاشقانہ و تصوف دو نو رنگوں میں نہایت اچھا شعر کہتے تھے - اور اُسوقت کے مشاہیر میں انکا شمار تھا - ایک دیوان فارسی اور منشات برہمن ان سے یادگار ہے شاہزادہ داراشکوہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے اور ہر وقت انکے اعزاز و ترقی کے خواہاں رہتے تھے - ایک دن شاہزادہ موصوف نے بارگاہ شاہی میں کہ مجمع کاملان عصر تھا عرض کیا کہ درنیوالا منشی چندر بھان سے عجیب شعر موزوں ہوا ہے - اگر حکم حضور ہو تو آکر عرض کرے - بادشاہ نے اجازت طلبی دی چنانچہ اُسیوقت حاضر ہوئے - بادشاہ نے فرمایا کہ آج جو تمہارا شعر ہانے پسند کیا ہے سناؤ - اُنھوں نے یہ بیت پڑھی ؎ مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار * بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم بادشاہ کو یہ بیت سُنکر غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کافر مرتد کو گردن مارو - نواب سعداللہ خاں وزیر اعظم نے جو برہمن کے مربی و قدر دان تھے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ جناب عالی حضرت شیخ سعدی چارسو برس پیشتر تردید میں فرما گئے ہیں ؎ خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود * چوں بیاید ہنوز خر باشد * اس شعر کے سننے سے بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور فرمایا کہ اگر اسوقت ایسا جواب ہم نہ پہونچتا تو آج ضرور اسے ہلاک کر ڈالتا شاہزادہ کو فہمایش کی کہ آئندہ ایسے اشعار کا تذکرہ ہمارے حضور میں نہ آیا کرے - بیچارے پنڈت جی جان بچا کر گھر آئے اور سجدہ شکرانہ درگاہ خالق حقیقی میں بجا لائے داراشکوہ کے قتل کے بعد برہمن تارک الدنیا ہو کر بنارس چلے گئے اور وہاں یاد خدا میں

ہم بھلا بھی جو کہیں لوگ بُرا کہتے ہیں
آپ بیجا بھی جو فرمائیں بجا کہتے ہیں

یہ جفا جو جسے انداز و ادا کہتے ہیں
ہم اُسے چاہنے والونکی قضا کہتے ہیں

جام مے ہاتھ میں لو آنکھ دکھا کر پوچھو
کسکو ارباب خرد ہوش رُبا کہتے ہیں

بیوفا مینے کہا انکو تو کیا قہر ہوا
کہنے والے تو کچھ اس سے بھی سوا کہتے ہیں

اُنھیں منظور ہے یہ آج مقتل رشک محفل ہو
چلیں ساغر شراب موت کے اور رقص بسمل ہو

دلمیں آئے تو مجھے کیا یہ خدا کا گھر ہے
میرے گھر آؤ تو احساں یہ اے یار ہے

بند آنکھیں کئے جائیے کیوں ملک عدم کو
یہ راہ ہے پُر خوف و خطر دیکھتے چلئے

بیخود دونکو کسیکی کیا پروا
تم بھی آئے ہیں خبر نہوئی

شوق گیسو میں بسر عمر رواں ہوتی ہے
دیکھئے شام مسافر کو کہاں ہوتی ہے

دیکھنا حشر عدم والونمیں برپا ہوگا
آج وہ گور غریباں میں ہیں آنے والے

دیر و حرم کے سجدوں سے کچھ فائدہ نہیں
پھوٹے ہوئے نصیب کو پھوڑا نہ جائیے

بار عالم جو سلاطیں نے اُٹھایا سر پر
بادشاہ ہو کے بھی مزدور کے مزدور ہے

دل نے اِک بوند لہو کی جو چھپا رکھی ہے
یہ امانت تری اے دزد حنا رکھی ہے

صحبت غیر میں گھونگٹ نہ دوپٹہ نہ نقاب
کون سے پردے میں شرم آج اُٹھا رکھی ہے

روز منبر پر کیا کرتے ہیں ذکر خلد و نار
دیکھئے زاہد کی صورت یہ ملینگے حور سے

بجز سختی اُٹھائے نام ممکن ہے کہیں نکلے
تراشا جائے جب سو بار پتھر تب نگیں نکلے

چلا ہوں میں حرم کو دل وہاں کسطرح بہلے گا
خدا ایسا کرے بتخانہ کعبہ کے قریں نکلے

رنج و ایذا ہو مرے واسطے یا راحت ہو
آپ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے

جب تو خاصاں خدا نے دیا دنیا کو طلاق
نہ رہی ہو کے کسیکی نہ برادر ہے

(بزم) میر عباس حسین خاں بزم حیدر آبادی۔ دکن میں وکالت کرتے ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے

جو زیر زمیں سوتے ہیں راحت میں وہی ہیں
آرام کسیکو نہیں دنیائے دنی میں

میں خاصہ سرمایہ فراہم ہوگیا۔ عرصہ ہوا آپکا دیوان موسوم بہ بزم سخن اور مثنوی تصویر سخن شائع ہوئی تھی دوسرا دیوان بھی تیار ہے ۵

داں تیغ کھچ کے رہ گئی قاتل کے ہاتھ میں
یاں خون جوش کھا کے رگ جاں میں رہ گیا

رقص بسمل سے مکدر ہو گئے
خاک میں سارا تماشا مل گیا

حرم دل کے سوا اور نہیں کوئی مکاں
جھوٹ ہے مسجد میں اُنکی نہ شوالا انکا

ملک الموت و مسیحا ہیں یہاں دونو ایک
وہی جاں بخش ہے اپنا وہی جلاد اپنا

مجھسے نقد دل و جاں نذر میں لیکر بولے
تمکو اک بوسہ کا احسان رہا یاد اپنا

دُنیا سے ہمکو عشق نے آزاد کردیا
پابند دام گیسوئے صیاد کردیا

کیا جانے مرنے والوں کو آیا پسند کیا
ہستی تباہ کی عدم آباد کردیا

سیماب ٹھہر جاتا ہے تھم جاتی ہے بجلی
پر تجکو قرار اے دل مضطر نہیں ہوتا

سب سے چھپ کر جو ہے دل میں وہ بیتابی کیا
جو نہ آئے کبھی مُنہ تک وہ کلیجا کیسا

تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر
جسے ہمنے پُوجا خدا ہوگیا

کسطرح وہ ٹھہریں مرے ٹوٹے ہوئے دل میں
ویران مکاں رہنے کے قابل نہیں ہوتا

کسطرح کوئی ہو ترے اسرار سے آگاہ
یہ علم تو تحصیل سے حاصل نہیں ہوتا

جرأت گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی
رحمت کو تیری اے مرے غفار دیکھکر

کس قیامت کی ہے شمشیر ادا قاتل کے پاس
لوٹتے ہیں حسرتیں بھی ہوکے بسمل کے پاس

کیوں نہ ٹھہرے جان بیتاب آکے اپنے دل کے پاس
پھر قرار آتا ہے بسمل کو تو کچھ بسمل کے پاس

دل سے عاشق کے نہ کھینچو ابھی پیکان خدنگ
ٹھیرو ٹھیرو دہن زخم مزا دیتے ہیں

اس درجہ ہمکو تنگ زمانہ نے کردیا
تقدیر بیچنے سر بازار آئے ہیں

تشنہ کامان شہادت کو تو کردے سیراب
اتنا پانی بھی ترے خنجر بُراں میں نہیں

جسکو سب اہل زباں عہد وفا کہتے ہیں
آپکی بولی میں کہئے اُسے کیا کہتے ہیں

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ	مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گر جیا اور بت خانہ	گھر گھر جھانکی میری توبہ
زاہد تیرا دل تو نہیں ہے	رنج ہے کیا گر ٹوٹی توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی ✦ ✦	ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی	رندوں میں جی ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی	سیرت دیکھی بھاگی توبہ
واعظ کہدیں اور ہم کر لیں	گھر کی لونڈی سمجھی توبہ
بادل گرجے بجلی چمکی	مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ
کس کو خبر ہے روا کی زاہد	تو نے ناحق کر لی توبہ
مولوی صاحب کیونکہ نہ کرتے ق	اُن کی روٹی تھیں پی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا	توبہ توبہ کیسی توبہ ✦
واعظ اب تو جاڑا آیا	کس کی توبہ کیسی توبہ
لہری بندے ہی جو ٹھہرے	آگئی دل میں کر لی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو	یوں ہی خالی خولی توبہ
دیکھو برمی اب بھی کر لو	کام وہاں پر دے گی توبہ

بسمل

(**بسمل**) مولوی محمدی ملقب بمیاں صاحب ایک فاضل بزرگ تھے مولانا فخرالدین قدس سرہ کے دوستوں میں اور اپنے زمانے کے عالم متبحر و فاضل اجل تھے۔ اکثر درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ ساتھ ہی اسکے فن شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اُردو فارسی دونو زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ مگر طبیعت کی بے پروائی سے وہ مجموعہ برباد ہو گیا کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں ؎

تری گالیاں میں بہت کھا چکا	مزا عشق کا خوب ہی پا چکا

یہ رنج یہ افسوس ہے کیوں زاہد نافہم	کیا دم ترا ٹوٹا میری توبہ شکنی میں
اے بزم ہے معشوق بھی) اور ساغر مے بھی	اب کیجئے تاخیر نہ توبہ شکنی میں
دیکھا جدھر زنگار ہوئے عاشقوں کے دل	تیروں کا مینہ برستا ہے اُنکی نگاہ سے
پہونچی کہاں رسائی تو آہوں کی دیکھئے	لپٹی ہوئے ہیں پایۂ عرش الہ سے

۵

بزم

(بزم) شیخ خورشید حسین قدوائی۔ اودھ کے ایک مشہور خانداں کے ممبر ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے

بگڑی ہوئی قسمت کو بنایا نہیں جاتا	ہاتھوں کی لکیروں کو مٹایا نہیں جاتا
وہ آئیں تو آئیں نہیں پھر موت ہی آجائے	اب صدمۂ فرقت تو اُٹھایا نہیں جاتا
ہے لطف کہ باندھی ہے کمر قتل پہ میرے	اور ہاتھ سے خنجر بھی اُٹھایا نہیں جاتا
دل بھی کہنے لگا اونہیں کی سی	اپنا کوئی بھی آشنا نہوا

بزم

(بزم) سید محمد یعقوب علی دہلوی مقیم رام پور نثر خوب پڑھتے ہیں گاہ گاہ شعر گوئی کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے

پتھر پسیجنے لگے غم کے بیاں پر	رحم آگیا بتوں کو مرے داستان پر
اتنا بھی عاشقوں سے تغافل نہیں ہے خوب	سُن لینا کوئی کھیل گیا اپنی جان پر
باتیں تو دیر تک رہیں اُس شوخ سے مگر	اک مدعائے دل ہی نہ آیا زباں پر

بزمی

(بزمی) مرزا محمد اشرف بی اے خلف مرزا محمود اشرف گورگانی دہلوی۔ ابتدائے ملازمت میں آپکو ریاست بھاولپور کے سررشتہ تعلیم سے تعلق رہا۔ آجکل خانپور میں ناظم اور ریاست کے ارکین میں شمار ہوتے ہیں۔ شعرگوئی کی ابتدا ایام طالب علمی ہی میں ہوگئی تھی اور اُسمیں اپنے قابل بزرگ مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی سے مشورہ لیا کرتے تھے کمال ظریف وشوخ طبع اور بلا کے ذہین ہیں۔ غزل کم کہتے ہیں باوجود کوشش آپ کا تازہ کلام دستیاب نہوا چند اشعار ابتدائی مشق سے بہم پہنچے وہ درج کئے جاتے ہیں مزاج کی شوخی اُس میں بھی اپنی جھلک دکھا رہی ہے۔ بن باسی رستم کا قصہ انہیں کی شوخی طبع کا نثری نتیجہ ہے جو کسی انگریزی رسالہ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ ۵

در آج قفس کا ہے کھُلا کیجیے پرواز
اے ہم قفساں خاطر صیاد کہاں تک

جز یاد حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گرہ
دے سبحہ وار رشتہ پہ اگر آ پنے تو گرہ

یارتیری ہی زلفیں دکھا
ایک زنجیر لاکھ دیوانہ

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
کیا مہربانیاں ہیں مرے مہرباں کی

کوئے بتاں تلک تو رسائی محال ہے
جب تک یہ مشتِ خاک نہ برباد کیجیے

پیارے یہ وضع چشم مروت سے دور ہے
دل لے کے اسطرح بھی نہ آنکھیں چرائیے

آوارگی سے باز رکھوں آہ کسطرح
دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے

تیری ہی یاد ذکر ترا ہی ہر آن ہے
گویا کہ اس لئے مرے منہ میں زبان ہے

عہد و پیماں بتاں بسکہ بہ سالوسی ہے
ایک امید تو سو باعثِ مایوسی ہے

داغ اتنے ہیں دئے عشق نے تیرے کہ تمام
مُو بہ مو تن یہ مرے جلوۂ طاوسی ہے

آ ئیے جلد کہ یہ بسمل مجروح ہنوز
ہر لب زخم سے مشتاق قدمبوسی ہے

گریہ افزا اسقدر اعضا مرے سارے ہوئے
ہر بُن مو جوش سے آنسو کے فوارے ہوئے

پیش آئی ہمارے وہ جو کچھ کہ تھی پیش آنی
اب یہ دردِ دل ہے اور اپنی یہ پیشانی

بسمل

(بسمل فیض آبادی) مرزا عنایت علی ولد مرزا سعادت علی شاگرد رشید آتش مرحوم۔ اصلی وطن فیض آباد تھا۔ مگر بنارس میں رہتے تھے صاحب دیوان اور نامی شاعر گزرے ہیں یہ اُنکا کلام ہے

گناہ میرے خطائیں مری قصور مرا
وہی کہیں ہم اُنہیں کو گواہ کرتے ہیں

جفائیں سہتے ہیں جور و ستم اُٹھاتے ہیں
ہمیں ہیں یار جو تجھ سے نباہ کرتے ہیں

نکرتے عشق اگر آگاہ ہوتے عادتِ دل سے
کہ لگ جاتا ہے آسانی سے اور چھٹتا ہے مشکل سے

محبت قطع کرتے ہو تو پہلے ذبح کر ڈالو
جدائی آپکی دیکھی نہیں جائیگی بسمل سے

بسمل

(بسمل) پنڈت سندر لال سررشتہ دار محکمہ پرمٹ کانپور۔ ولد بخشی ٹیکا رام۔ ان کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان

پھر اب پاؤں کو کیوں لگائی حنا	قیامت تو سر پر مرے لا چکا
ذرا اب تو تحمل کر مل اے مہرباں	بہت مدتوں تک تو تڑپا چکا
ہوا سبز اب تک نہ نخلِ امید	بہت برکھا آنسو کی برسا چکا

ہائے اس دیوانے دل نے کام کیا بیجا کیا	آپ تو بدنام تھا ہی مجھ کو بھی بدنام کیا
دلِ مجروح ہے از بس کہ زخمی لذتِ غم کا	لہو اُترے ہے چشمِ زخم میں سُن نام مرہم کا
چلے ہم رکھ کے دوشِ بیکسی پر آشیاں اپنا	نوا آزردہ دل اے باغباں لے گلستاں اپنا
اُس لب کی سدا یاد میں ہیجے ہیں مژہ کے	کب اشک ہے تسبیحِ عقیقِ جگری ہے

بسمل (منشی سید جبار علی - موضع جبار کھڑ کی نواح چنار گڈھ اصل وطن تھا مگر اکثر عظیم آباد اور بنارس میں رہتے تھے - کچھ دن مہاراجہ چیت سنگھ والی بنارس کی سرکار میں وکیل رہے - نواب علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ ۱۱۹۶ھ میں لکھتے ہیں کہ میر مذکور بنارس میں قیام فرما ہیں اور باعزاز و آبرو بسر کرتے ہیں - جوان سلیم الطبع اور سخن فہم آزاد منش ہیں - تذکرہ لطف میں بھی آپ کا کلام نظر سے گزرا - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کیا خیال آوے بلاؤں سے اُسے پرہیز کا	ہے جو بیمار اس تری چشمِ بلا انگیز کا

جب غمزۂ چشمِ یار دیکھا	سو تیر جگر کے پار دیکھا
یاد آگئی منتِ خاک اپنی	اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا
دل خس و خاشاک کی صورت اُٹھتا ہی رہا	گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا ہی رہا
جستجو میں یار کی گم کردہ راہوں کی طرح	میں کبھی ادھر کبھی اُدھر بھٹکتا ہی رہا
کیا اُسکو جتادیں ہم جو ہمنے کیا ہو گا	کیا کیا نہ کیا ہو گا جب دلکو دیا ہو گا
ہر دم مجھے نیاز اُسے ناز ہی رہا	انجام کارِ عشق کا آغاز ہی رہا
صیاد فائدہ ہے رہائی سے کیا مجھی	اُڑنے سے جب مرا پرِ پرواز ہی رہا

پہلو میں رکھوں ہیں دلِ ناشاد کہاں تک	اے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک

اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے فن سخن میں حضرت صہبائی سے اصلاح لیتے تھے - اس فن میں ایسا ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ انکے طباعی و ذہانت کے سب ہمعصر معترف تھے کلام سے صفائی زبان روزمرہ - بندش کی چستی - نزاکت خیال و معانی - اور رسائی ذہن آشکار ہے جو اُن کی خوش مذاقی کی دلیل ہے - علاوہ ان کمالات علمی کے نہایت ستودہ صفات و پسندیدہ اطوار تھے - غدر میں جوان فتحمند گوروں کے ہاتھ سے مارے گئے ٥

نوائے بلبل و بوئے چمن تو آجاتی
قفس کے گرد مرے نزدیک گلستاں ہوتا

اگر نہ تیغ نگہ سے اُسے بچاتا میں
تو ہر ہدف کیلئے آج دل کہاں ہوتا

نہ اتنا بدگماں ہو تو نہ تڑپیں گے نہ تڑپیں گے
خدا کے واسطے مُنہ کھول زخموں پہ نمکداں کا

میری بالیں پہ وقت نزع لاؤ ایک دم اُسکو
رہے گا حشر تک سینہ میں ورنہ داغ ہجراں کا

چین دیتا نہیں یہ آٹھ پہر میں اکدم
آفت جان ہوا یہ دل مضطر نہوا

دیکھ دینا نہ بتوں کو تو دل اپنا بسمل
یہ وہ ہیں جنکے کوئی ہاتھوں سے جاں بر نہوا

ہزار حیف کہ سمجھے نہ تم ہمیں اور ہم
ہمیشہ کرتے رہے دل تلک نثار اپنا

شب فراق میں آوے اجل شتاب کہیں
کہ کر رہی ہیں عدم والے انتظار اپنا

ہم ایسے کیا تھے کہ یوں سہتے طعنۂ اغیار
پہ کیا کریں کہ نہیں اسمیں اختیار اپنا

کس شوق سے پہونچے ہم اے پیر مغاں تجھتک
پر خوبیٔ طالع سے ماہ رمضاں آیا

یقیں نہ تھا مجھے کچھ فتنۂ قیامت کا
پہ تیرے قد کو جو دیکھا تو اعتبار آیا

قصہ سنے ہے کون عذاب و ثواب کا
ساقی شتاب دے مجھے ساغر شراب کا

میں اور روز و شب کی اُٹھائی نہ لیتیں
یارب بُرا ہو اس دل خانہ خراب کا

ہے آج کون بام پہ جلوہ نما جو یوں
اُڑتا ہے رنگ میری طرح ماہتاب کا

ساقی ہے اور شراب ہے اور یار مہوش
اور اُسپہ لطف دے ہے ترشح سحاب کا

کعبہ اگر بنا ہے اسی سنگ سے تو کیا
زاہد کو بت کدہ سے سبب اجتناب کا

گزرے ہیں - یہ چار شعر اُن کے ہیں ؎

یہ نہیں ناقوس اے طفلِ برہمن ہات میں
گر رہا ہے مرغِ دل اپنا یہ شیون ہات میں

گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر
شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہات میں

آئینے سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے
آرسی پہنی ہے کیوں اے شوخِ پرفن ہات میں

دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے
میں جو چٹکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں

بسمل

(بسمل دہلوی) حافظ محمد حسین ولد حافظ محمد بخش ساکن حویلی خاندوراں خاں دہلی شاگرد میرزا قادر بخش صابر بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو نما پائی تھی - اشعار سے رسائی فکر وخوش کلامی ہویدا ہے ؎

نہ آوے گا بیاں تک اور نہ مطلب لکھے ہوویں گے
نہ سمٹے گا قیامت تک کبھی دامن تمنا کا

دل تو نے ہمسے اوبتِ کافر اُٹھا لیا
اس نازکی پہ بوجھ یہ کیونکر اُٹھا لیا

بارِ گرانِ عشق فلک سے نہ اُٹھ سکا
کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا

کیا کام ہے بلا سے جو تو ہوا اسیرِ زلف
جب تجھ سے ہاتھ اے دلِ مضطر اُٹھا لیا

پیرِ مغاں نے بسملِ مے کش کو دیکھکر
شیشہ بغل میں ہاتھ میں ساغر اُٹھا لیا

نیم بسمل کیوں نہ مجھکو چھوڑتا ہنگامِ ذبح
یار کو میرے تڑپنے کا تماشا ہو گیا

شکوہ مت کر حال جو بسمل ترے دل کا ہوا
شکر ہے ہر حال میں جو کچھ ہوا اچھا ہوا

میں نہ کہتا تھا نہ رو کش تو اسکی زلف سے
اس خطا سے مُنہ ترا مشکِ ختن کالا ہوا

ہم گئے تھے دل کو لینے وہ طلب کرتے ہیں جاں
دل کو کیا روتے تھے ہم اب جاں کا رونا ہو

تم سے دل کی ناز برداری نہوگی دل نہ لو
جانِ من یہ دل بڑے نازونکا ہے پالا ہوا

دلبری کی بات گو اُنمیں نہیں اے دل مگر
عمر بھر اُن سا نہ ظالم بھی مجھے پیدا ہوا

بسمل

(بسمل) مولوی عبد الحکیم ولد حکیم پیر بخش برادر زادۂ حقیقی مولوی امام بخش صہبائی - فارسی عربی اپنے چچا حضرت صہبائی سے پڑھی - علم طب میں مہارت کامل تھی - درسِ سخن میں

ہر ہر جگہ ہے بسمل شوریدہ سر کی دھوم / تیرے جگر فگار کے چرچے کدھر نہیں

ہر ہر نگہ میں ناز فروشی ہے کس لئے / اپنا تو اب وہ دل ہی نہیں وہ جگر نہیں

اس بیکسی میں آبلۂ پا تھا اک رفیق / دولت سے خارِ راہ کی وہ بھی رہا نہیں

سو بار آسماں کو جلایا یہ ہمنشیں / کچھ اِن دنوں میں ضعف سے نالہ رسا نہیں

بسمل تم آسیہ دل بے بیٹھے ہو کس لئے / وہ بت کبھی کسی کا ہوا آشنا نہیں

اللہ ری غفلتیں کہ ہوئے ہم تو مر کے خاک / اور تم نے اب تلک نہیں اُلٹا نقاب کو

بہائے خونِ عاشق کیا اور اسکا خون کیا صاحب / مجھے تم قتل کرکے کس لئے اب ہو پشیماں سے

کسی دن حضرتِ دل تیرہ بختی گل کھلاوینگی / اُلجھنا روز کا اچھا نہیں ہے زلفِ پیچاں سے

کھلے گا جس جگہ حق ہم وہیں سر کو جھکا دینگے / نہ ہم کو رابطہ کچھ کافر سے نے نفرت مسلماں سے

بتوں کا گھر ہے کعبہ سبحہ سے زنار کو رشتہ / کھُلا یہ ماجرا زاہد ہمیں تحصیلِ ایماں سے

گلی کوچے میں پھرنا روز کا اچھا نہیں حضرت / ہوا کیا تمکو اے بسمل جو ہو ایسے پریشاں سے

اے بلبلانِ باغ رہائی سے فائدہ / سر پر خزاں بھی آگئی جب ہم رہا ہوئے

اُسکی گرہ بھی کیا مرے دل کی ہے اک گرہ / بندِ قبا جو ہم سے نہ اک روز وا ہوئے

بسمل اُنہیں کی یاد میں سب کچھ بھُلا دیا / ناداں یہ صنم نہوئے کچھ خدا ہوئے

بسمل

(**بسمل**) پنڈت موتی لال دہلوی کشمیری۔ پُرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور وہاں کے بڑے ممتاز و مشہور متعلموں میں تھے انگریزی اور فارسی زبانوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ تمام عمر عہدہ ہاے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ کئی سال تک گورنمنٹ پنجاب کی میر منشی گری کے عہدے پر ممتاز رہ کر جوڈیشل اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول مقرر ہوئے۔ اپنے وقت کے سر آوردہ اور نامی بزرگوں میں تھے طالب علمی کے زمانہ میں ایک تذکرہ بھی لکھا تھا۔ اور دو کتابیں فنِ مسمریزم میں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی تھیں۔ انگریزی کی استعداد درجۂ عالمانہ تک تھی۔ مسمریزم میں بھی اچھا دخل تھا تعلیم نسواں اور دیگر مضامین کے صلہ میں سرکار سے تمغہ طلائی انعام پایا۔ ۶۲ برس کی

دیر و حرم میں جا کے جو دیکھا بچشمِ غور
پایا کچھ ایک رنگ ثواب و عذاب کا
گردیں گے ہم زمانۂ پیری کو صرفِ زہد
اب کیوں نہ مے پئیں کہ یہی عالم شباب کا
انداز گر یہی رہے ظالم ترے تو گھر
اُجڑے گا آج کل کسی خانہ خراب کا
لائے گا سر یہ دیکھئے کیا کیا قیامتیں
رُخ سے یکایک اُسکا اُلٹنا نقاب کا
عہدِ شباب حضرتِ بسمل ہے مے پیؤ
جھگڑا سنا کرو نہ کسی شیخ و شاب کا

میں کیا کہ خبر اُسکو اپنی بھی نہیں ہمدم
کمبخت یہ دل اپنا آیا تو کہاں آیا
کیا بنتی ہے اب دیکھئے بلبل کے دل و جاں کی
پھر خار نظر آئے پھر وقتِ خزاں آیا
وحشت سی برستی ہے آوارہ سے پھرتے ہو
دل آپ کا اے بسمل سچ کہئے کہاں آیا

دیر و مسجد میں خرابی پڑ گئی دل کی طرح
جس طرف سے اے بتِ کافر گزر تیرا ہوا
حضرتِ بسمل کی حالت دیکھ کر بولا یہ قیس
پیر و مرشد خیر تو ہے آپ کو یہ کیا ہوا
عاشقوں پر تیرے کب حشر سا برپا نہوا
اک قیامت ہوئی ظالم ترا چلنا نہوا

ساقی ہے آرزو کہ ترے لطف سے کبھی
بیٹھیں جو شام سے تو پئیں تا سحر شراب
دل نام کو تھا اپنے سو وہ بھی نہیں ہے اب
مدت ہوئی کہ داغ ہے بر میں بجائے دل

شیخ مے کو بُرا بتاتے ہو
اس کا تمکو مزہ چکھائیں گے ہم
ناصحا توبہ ۔ لے خدا کا نام
دل لگانے سے باز آئینگے ہم

مری شوقِ شہادت کو تو دیکھو اُسکے کوچے میں
خود اپنے قتل کی خاطر لئے تلوار پھرتا ہوں
مجھے ڈر ہے کہیں عالم نہ ڈوبے جوشِ طوفاں سے
لئے جوں ابر ساتھ اب دیدۂ خونبار پھرتا ہوں
نہ جی جا ہے ہے کعبہ کو نہ بتخانہ کو اے بسمل
کروں کیا اضطرابِ دل سے بناچار پھرتا ہوں

قاصد پھرا ہے یوں کہ خدا خیر ہی کرے
میری طرح سے کچھ اُسے اپنی خبر نہیں
تاثیر شوق کی مرے حق میں ہوئی ہے زہر
نکلتا زمین پر قدمِ نامہ بر نہیں
سنکر مرے فسانۂ ہجراں کو دیر تک
چپ تھا وہ اس طرح سے کہ گویا خبر نہیں

ہوں میں بیگانہ سیری کون سُنے گا ساقی
میکدہ تیرا ہے مے تیری ہے مینا تیرا

مہ و مہر آنکھوں میں کیونکر سمائیں
تصوّر میں ہے روئے روشن کسی کا

غش میں گرے کلیم تو آئی ندائے غیب
وہ ذوق و شوق طالبِ دیدار کیا ہوا

کس غمزدہ نے آج جہاں سے سفر کیا
چلا رہا ہے غم مرے غمخوار کیا ہوا

زبان پیغامبر کی قطع کر کے بھیجدی مجھ کو
جواب اچھا دیا ظالم نے پیغامِ زبانی کا

ہوں میں وہ افسردہ خاطر نغمۂ اہلِ طرب
کان تک میرے جو پہونچا نالۂ ماتم ہوا

قیامت سایہ بنکر پیچھے پیچھے ساتھ ہوتی ہے
گزر جس راہ سے ہوتا ہے میرے آفتِ جاں کا

بیوجہ پرزے پرزے گریباں گل نہیں
یہ بھی تو ماتمی ہے تمھارے شہید کا

مرنے کا اپنے غم نہیں پر غم یہ ہے کہ غم
بیکس ہوا غریب ہوا بیوطن ہوا

کوئی بات سُنے گا مطلب کی بھی
کہ قصہ کہانی میں جائے گی رات

ہے عشق جسم حُسن تو ہے حسن جانِ عشق
جو حسن کا مکان ہے وہی ہے مکانِ عشق

کچھ اُس نے کمی کی نگر اندازِ جفا میں
فریاد ہے کیوں مجمع اربابِ وفا میں

یوں بچے جو صنم خانے تو دیکھے وہ کرشمے
بت بن گئے خود بیٹھ کے ہم یادِ خدا میں

پانی کی جگہ خوں شہیدوں کا ملا تو بہ
شوخی تمھیں منظور ہے کہ رنگِ حنا میں

لذت ہے جو آبِ دمِ شمشیر میں بسمل
وہ خضر کو حاصل نہوئی آبِ بقا میں

ملیں گے زاہدانِ خشک کیونکر بادہ خواروں میں
کبھی گنتی نہوگی اِن پیادوں کی سواروں میں

ادھر چمکی اُدھر چمکی یہاں تڑپی وہاں تڑپی
گنی جاتی ہے بجلی بھی تمھارے بیقراروں میں

انداز کیا نرالے مرے دلستاں کے ہیں
دل لے کے پوچھتا ہے ارادے کہاں کے ہیں

کچھ ایسی بیخودی تھی سرورِ وصال میں
ہم کہہ گئے جواب کا مطلب سوال میں

تیرے دیوانے نے یہ پیدا کیا رنگِ اثر
جس پری سے ملگئیں آنکھیں وہ دیوانی ہوئی

دھو گئی ساری سیاہی نامۂ اعمال کی
جب گرے اشکِ ندامت جب پشیمانی ہوئی

عمر پا کر سنہ ۱۸۹۰ء میں بمقام لاہور سفر آخرت اختیار کیا۔ رندانہ مزاج کے اقتضا سے ریختہ گوئی کیطرف بھی طبیعت مائل تھی۔ چنانچہ ذیل کے اشعار اُنکی یادگار ہیں ؎

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خالِ لبِ اُس آفتِ جاں کا	بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حیواں کا
بہت سا فرق تجھ میں اور اس میں ہے نکر دعویٰ	مہ نو ہمسری ناخنِ ابروئے جاناں کا
بہادیں اشک کے طوفاں سے کشتی نوح کی بھی ہم	اٹھادیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشمِ گریاں کا
چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو	فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روئے تاباں کا
عاقبت تک رہے پا بستۂ زنجیرِ بلا	دیکھ پائے جو تری زلفِ گرہ گیر کے بل
گھر پہ آتے ہی تیرے پاس سے مرجاتا ہوں	بس ادھر آتا ہوں میں اور ادھر جاتا ہوں

بسمل

(**بسمل**) خواجہ فضل الرحمن دہلوی خلف اصغر نواب موسیٰ خاں۔ بعالم شباب سنہ ۱۲۸۳ھ میں سنگ مثانہ کے عارضے سے انتقال کیا حافظ احسان کے پوتے اور اپنے خالو مولانا آزردہ مغفور سے فن سخن میں مستفیض تھے۔ کلام ضائع ہو گیا صرف یہ شعر ملا ؎

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے	تم بھی بسمل کسی پہ مر دیکھو

بسمل

(**بسمل**) شیخ محمد زماں عرف عبد الرحمن صدیقی ابن شیخ افضل الرحمن بجنوری نواح لکھنؤ میں ایک مقام ہے فرخ آباد عرف چلاواں وہ اُن کا مولد و وطن ہے۔ مگر مدت سے شہر رام پور میں بود و باش ہے۔ نواب کلب علیخاں کے عہد سے ملازم ریاست ہیں سنہ ۱۲۶۳ ہجری سال پیدائش ہے۔ نہایت خلیق اور بڑے نیک ذات ہیں۔ عربی کی کچھ کتابیں منشی امیر احمد صاحب آمیر مینائی مرحوم کے منجھلے بھائی مولوی عنایت احمد مغفور سے پڑھی تھیں فارسی میں آمیر مینائی مرحوم سے مستفیض ہوئے۔ شعر و سخن سے دلی شوق ہے مخصوص اُردو شعر گوئی سے بہت ذوق ہے۔ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگردوں میں ممتاز ہیں ترتیب تذکرہ انتخاب یادگار کے وقت عدالت دیوانی میں نائب سرشتہ دار تھے کلام سہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

چشمِ بینا ہو تو دیکھے وہ تماشا تیرا	کعبہ و دیر میں ہے ایک سا جلوہ تیرا

اے پیرِ مغاں تاک میں ہے محتسبِ شہر	پردے سے قدم دخترِ رز اب نہ نکالے
پیاسے ہیں بہت خیر ہو ساقی ترے دم کی	للّٰہ پلا دے ہمیں دو چار پیالے

بسمل

(**بسمل**) مولوی رضی الدین بسمل خلف حکیم سعید الدین خان سعید سند وکالت حاصل کر کے نواب محمد علیخاں مرحوم معزول رئیس ٹونک کی سرکار میں داروغہ ہو گئے اور اسی وجہ سے بنارس میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ چند سال بعد شاہجہاں پور جا کر وکالت شروع کر دی۔ فنِ سخن میں مولانا مذاق سے استفادہ کیا تھا یہ کلام ہے۔

رکا ہے آ کے دم سینہ میں باہر آ نہیں سکتا	نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں برا ہو ناتوانی کا
جینے دیکھا ہے اُسکے ابرو کو	کیا سمائے ہلال آنکھوں میں
شب نہ آیا ترے تصوّر میں	خواب کا بھی خیال آنکھوں میں
ہنس ہنس کے وہ زخمِ دلِ بسمل	چھڑکیں جو نمک تو کیا مزہ ہو
واعظ یہ تیرا ظاہر و باطن نہیں یکساں	لب پر تو خدا دل میں ترے یادِ بتاں ہے
بینا ہوا اگر دیدۂ باطن تو ہو معلوم	وہ پردہ نشین دل ہی کے پردہ میں نہاں ہے

بسمل

(**بسمل**) حافظ سید محمد حسین بسمل خیرآبادی مولوی عبد الحق منطقی خیرآبادی کے حقیقی نواسے اور آجکل کے مشہور شاعر مضطر خیرآبادی کے بڑے بھائی اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ دربار ٹونک میں پہلے بصیغہ سفارت و وکالت رہے پھر میر منشی بھی ہو گئے تھے۔ نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر والی ٹونک ان سے مشورۂ سخن بھی لیا کرتے تھے اور انکا نہایت ادب کیا کرتے تھے۔ منکسر المزاج اور درویش صفت آدمی تھے۔ فارسی میں اعلیٰ درجہ کے مشاق تھے اردو کی طرف کم میلان تھا چند سال ہوئے ۴۵ برس کی عمر میں بمقام اجمیر انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے۔

اس خموشی سے بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم	عین گویائی ہے چپ رہنا تری تصویر کا
نزع میں خواہش نہیں کچھ اور اے قاتل مگر	چاہتا ہوں بوند بھر پانی تری تلوار کا

عقیدت ہے جو ساقی سے تو بے کھٹکے پیے جاؤ
کہاں کی گفتگوئے حلت و حرمت نکال ہے

دل کی طرح عزیز مجھے داغِ دل بھی ہے
اِس پھول میں بسی ہوئی خوشبو وفا کی ہے

ٹھوکر لگا کے لاش کو قاتل نے یہ کہا
بسمل اُٹھو اگر تمھیں ہمت وفا کی ہے

بڑھا ہے اُنس یہ دردِ جگر سے
تڑپ جاتا ہوں ذکرِ چارہ گر سے

ہوا آخر وہ ظالم جی کا دشمن
جسے دیکھا محبت کی نظر سے

یہی ہے حکمِ ضبطِ رازِ الفت
نہ گرنے پائے آنسو چشمِ تر سے

خود اپنے عکس سے آئینہ میں وہ کہتے ہیں
کہ دیکھ دیکھ غش آیا ذرا سنبھال مجھے

ڈہلا جو کاندھے سے وقتِ خرامِ ناز اس کے
کہا ادا سے ڈوپٹے نے تو سنبھال مجھے

اے بیخودی سلوک کر اتنا کہ حشر تک
میری خبر ہو دل کو نہ دل کی خبر مجھے

بزم میں انکی کیا کرتا ہے مجھکو بیچین
دل سے کہدو میرے پہلو سے ذرا ہٹ بیٹھے

سمجھ عشرتکدہ غافل نہ عبرت گاہِ عالم کو
یہاں مثلِ حبابِ بحر اک دم بھر کی ہستی ہے

زباں واعظ کی بھی لڑکھڑایا پاؤں زاہد کا
نگاہِ ناز ساقی میں عجب عالم کی مستی ہے

جلا پروانہ کوئی شمع پر گر تو سمجھا میں
کہ مرجانا مآلِ مذہبِ شاہد پرستی ہے

خدا کا ہے اگر طالب خودی کو چھوڑ دے بسمل
گزرنا خود پرستی سے کمالِ حق پرستی ہے

نقشِ پا بن کے میں اُس در پہ پڑوں تو لیکن
ڈر ہے جل بھر کے مٹا دیں نہ مٹانے والے

لیں زمانے نے کروٹیں کتنی
رنگ بدلے نہ اُنکی محفل کے

بے محابا حسنِ مطلق کی تماشائی ہوئی
سات پردوں میں اسی سے قید بینائی ہوئی

دیکھکر آئینہ اپنے عکس سے بولا وہ شوخ
پڑتی ہے اب آپکی بھی آنکھ للچائی ہوئی

نشۂ حسن وہ کافر ہے کہ جس آنکھ میں آئے
نہ محبت نہ مروت نہ وفا رہنے دے

کیوں کروں قصدِ حرم کیوں ترے در سے اُٹھوں
کیوں کروں کعبہ کو سجدہ ترے در کے ہوتے

کیا دخل پری آکے یہاں رنگ جمائے
دیوانہ ترا حور پہ بھی آنکھ نہ ڈالے

ہائے ایسے ناتوان پر تو ہوا تیغ آزما	نشتر فصاد جس کو دشنۂ قصاب تھا
کیون نہ جھکتی زاہد مغرور کی گردن ادھر	خنجر خمدار قاتل صورت محراب تھا
ساغر مل اب کہان وہ شور قلقل اب کہان	نغمۂ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تھا
بیٹھے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر	بستر سنجاب تھا نے بالش کمخواب تھا

بسمل

(**بسمل**) منشی واحد علی باشندہ کاکوری۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد اور بڑے طبّاع اور ہوشیار شخص ہیں۔ قریب ۴۰-۴۲ برس کی عمر ہے۔ زبان ستھری اور مذاق سلیم رکھتے ہیں عرصہ دراز سے رامپور میں بعہدۂ نائب میر منشی ممتاز ہیں نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

دل میں مجمع ہے مرے یار کے پیکانوں کا	میزبان ہے یہ عجب نوک کے مہمانوں کا
غضب ہے جوانی میں جوبن کسی کا	قیامت ہے بے ساختہ پن کسی کا
جلوہ پردہ سے دکھاتا نہ اگر بیٹھ کے تو	نہ تو کافر کوئی ہوتا نہ مسلمان ہوتا
تو قتل گہ ناز میں دم بھر بھی نہ ٹھیرا	کشتے ترے تڑپا کئے آغوش قضا میں
ساقیا عید کا دن روز نہیں آتا ہے	آج دن بھر در میخانہ کھلا رہنے دے
زخم کہتے ہیں تیغ سے مل کر	آج نکلیں گے حوصلے دل کے
نوک مژگاں ذرا خیال رہے	پھوٹ جائیں نہ آبلے دل کے
ادھر کا گرم ہے پہلو ادھر سے	تڑپ دل میں سوا ہے کچھ جگر سے
نگاہیں ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ہر روں	نکل جاتا ہے وہ کافر جدھر سے
بپھرے ہوئے گو رغزبان وہ ہیں آئے ہوئے	پھر ہیں سوتے ہوئے فتنوں کو جگائے ہوئے
کیا ستم ہے رہے مالک کہیں گھر کے ہوتے	تیر پہلو سے نکل جائے جگر کے ہوتے

بسمل

(**بسمل**) مولوی فتح الدین صاحب مرحوم آپ پنجابی اخبار نویسوں میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے اور بڑے ہوشیار۔ ذکی اور لئیق مضمون نگار تھے۔ کئی سال تک آپ پنجاب پنچ لاہور کے اڈیٹر رہے علاوہ ازین علمی اور رفاہ عام کے دیگر کاموں میں بھی نہایت مستعدی

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو / جب تم ہو نمک پاش تو پھر کیوں نہ مزا ہو
دل اُسکو کہا کرتے ہیں جو تجھ پہ فدا ہو / دم وہ ہے کہ جو تیری محبت میں فنا ہو

نہیں زندوں نے یہ سر پر چڑھی ہے / خدا کی مار زاہد پر پڑی ہے
کسی کے گیسوئے شبگوں سے جاکر / سیہ بختی مری ٹکر لڑی ہے
جہاں دل تھا وہاں اب کچھ نہیں ہے / بنالو گھر جگہ خالی پڑی ہے
گواہی دے رہا ہے روز محشر / بڑی ہے تو شب فرقت بڑی ہے

بسمل

(**بسمل**) منشی غلام اللہ بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ - بانس بریلی کے رہنے والے ہیں سرکار انگریزی میں ملازم تھے اب پنشن خوار ہوکر خانہ نشین ہیں حج بھی کر آئے ہیں مرزا غالب کو کلام دکھایا ہے - اور فکر سخن میں اُنہیں کی طرز کے مقلد ہیں جیسا کہ کلام ذیل سے ظاہر ہے - چار پانچ سال قبل تک زندہ تھے - اب حال معلوم نہیں ۵

غزل مسلسل

شب وفور اشک سے گردوں کف سیلاب تھا / دورۂ چشم کواکب حلقۂ گرداب تھا
واں حنابندی عناں گیر خرام ناز تھی / یاں تن کاہیدہ غرق اشک خون ناب تھا
شمع بزم عیش تھا واں خندۂ دنداں نما / اشک جو آنکھوں سے ٹپکا یاں در نایاب تھا
واں رخ پر نور تھا صبح اُمید زندگی / یاں ہر اک داغ جگر خورشید عالم تاب تھا
واں نگاہ سرمہ آلودہ تھی گلچیں بہار / موجزن یاں چشم تر سے خوں کا سیلاب تھا
یاں دل شوریدہ کو سر پھوڑنیکا تھا خیال / زیر سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا
دیدۂ بیخواب تھا یاں ہائے محو انتظار / استراحت کے لئے واں بستر سنجاب تھا
حسن تمکیں آزما کو پاس خودداری ادھر / خانہ زاد عشق کو ملحوظ یاں آداب تھا
اُنکو پاس ننگ دامنگیر مجکو پاس وضع / وہ ادھر بیتاب تھے اور میں ادھر بیتاب تھا
ہوگیا بے ساختہ یوں آج سر گرم سخن / ایک مدت سے نواسنجی کو دل بیتاب تھا
دیدۂ بیخواب کو شب تھا کسیکا انتظار / کان آہٹ پر رواں مژگاں سے خون ناب تھا

بپا محشر ہوا آہ و فغاں سے — ہوئے آگاہ سب دردِ نہاں سے
مزے تیرِ نگہ کے کوئی پوچھے — ترے بسمل سے تیرِ نیمجاں سے

بسمل

بسمل - منشی سید احمد شاہ صاحب شاگرد قیصر الہ آبادی دورِ موجودہ کے شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

آپ نے وعدۂ دیدار کیا ہے جب سے — دیدۂ شوق بنا ہے ہمہ تن دل اپنا
دھیان نہیں جب لبِ جاں بخش کے پی لیتا ہوں — زہر میں بھی اثرِ آبِ بقا ہوتا ہے
شور کرتا نہیں ناقوسِ کلیسا غافل — اسی پردے میں وہاں ذکرِ خدا ہوتا ہے
تیرِ نگاہِ ناز کسی خوش جمال کے — پہلو سے لے گئے جگر و دل نکال کے
فتنے بھی پائمال ہوں ٹھوکر سے راہ میں — محشر بھی ہے قدم تری مستانہ چال کے
کچھ پی گئے ہیں آج مقررِ جنابِ شیخ — ہو حق جو کر رہے ہیں عمامہ اچھال کے
دو گھونٹ کیا پلائے کہ مدہوش کر دیا — قائل ہیں ہم تو پیرِ مغاں کے کمال کے
اثر دیکھا صبا کا غنچۂ پیکاں میں قاتل کے — گُل خنداں بنا ہر اک دہانِ زخم کھل کھل کے
نہ چونکا اُن کو اے شورِ قیامت کنجِ مرقد میں — تھکے ماندے مسافر سو رہے ہیں پہلی منزل کے
قضا سر پر کھڑی ہے ہنس کے وہ چہرہ تکتے ہیں — تماشے کس ادا سے دیکھتے ہیں رقصِ بسمل کے

بسمل

بسمل - سید بنے میاں صاحب باشندۂ رامپور شاگردِ مولانا راسخ دہلوی۔ نوجوان آدمی ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں۔

بیقراری میں دلِ بیتاب سا مونس ہے کون — کوئے جاناں کی طرف مجھکو یہ رہبر لے چلا
المدد شوقِ شہادت ہمت آئے ذوقِ وصال — رازِ دل اُس نازنیں سے برملا کہنے کو ہیں
کچھ اشارہ آنکھ کا ہے ہلتے ہیں کچھ میرے لب — دونو ملکر تجھسے کچھ اے بیوفا کہنے کو ہیں
ذرا تو رنجِ الفت کا جوانی میں مزہ دیکھو — پلے ہو مدتوں اے حضرتِ دل ناز و نعمت میں
دیکھنے آئے تماشا سرِ بالینِ مزار — دل لگی کرتی ہیں پریاں ترے دیوانے سے

سے حصہ لیتے تھے۔ ظرافت کے مضامین لکھنے میں آپ کو اچھا ملکہ حاصل تھا۔ عالم شباب ستمبر ۱۸۹۱ء میں بعارضۂ تپ انتقال کیا۔ آپکا کلام تلف ہوگیا۔ بمشکل یہ چند شعر ایک پولٹیکل غزل کے ہاتھ لگے۔ درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ؎

کابلی بر سرِ پیکار ہیں لو اور سنو	اُن کی اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جنکے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے	اُن سے ہی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ تھیا نہ تو اور ک نہ مصالحہ موجود	سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
کل جہالت میں جو عزفات تھے یہ کالا لوگ	سول سروس کے طلبگار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی	جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم نرے مولوی تھے آج طفیلِ سرکار	پنچ ہیں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نافے پڑے رہتے ہیں بسمل کے مدام	آج ہم غیرتِ تاتار ہیں لو اور سنو

بسمل

(**بسمل** رامپوری) صاحبزادہ محمد مرتضےٰ خان شاگرد جلال۔ رامپور کے عائد میں سے ہیں بڑے خوش فکر شاعر ہیں کلام انکا بہت اچھا ہوتا ہے۔ ۵۰-۵۴ برس کی عمر ہے۔ ریاست سے گزارہ کے لائق وظیفہ پاتے ہیں یہ کلام ہے ؎

ہوش کیوں جاتے رہے کس کا تجلا دیکھا	طور پر آپ نے کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا
جذب نظارہ مرا دیکھ تو اے حسرتِ دید	اٹھ گیا وہ رخِ محبوب کا پردہ دیکھا
کیا کچھ بتوں کو روزِ ازل اے خدا دیا	مجھ کو بس ایک دل ہی یہ حسرت بھرا دیا
بزم سرور ہو گئی بزم عزا مری	اس گل کو لاکے پھول نہیں کس نے بٹھا دیا
دے کر خبر وصال کی تڑپایا ہمکو اور	مژدہ اجل نے نزع میں یہ کیا سنا دیا
کہنا کسی کا ہائے پسِ قتل ناز سے	اللہ رے سخت جاں مرا بازو دکھا دیا
ہماری چشم نظارہ بین کو ستائے کیونکر نہ بدگمانی	یہ کسکو نرگس چمن میں بار بنگاہِ حسرت سے تک رہی ہے
تمام مطلب ادا ہو کیونکر مرا بیان اور زبانِ قاصد	وہ پوچھتے ہیں کہاں سے آیا زبان اُسکی بہک رہی ہے

شعرائے ہنود۔ اُن سے یادگار ہیں۔ اسوقت آپکی عمر ۶۰ برس کے قریب ہے اور ریاست میں منصفی کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ یہ اُنکے اشعار کا خلاصہ ہے۔

ہر بزم میں ہے ذکر تری جلوہ گری کا
لیتا نہیں اب نام کوئی حور و پری کا

آفت ہی تجھپہ ڈھائیگی یہ بے نیازیاں
جب داد اپنی چاہینگے اے بُت خدا سے ہم

سیر ہو کر دیکھنے پائے نہ رُوئے یار ہم
جل گئے لائے نہ تابِ گرمئی دیدار ہم

علاجِ ہجر بتاؤ مجھو خدا کے لئے
ہمیں تو موت بھی ملتی نہیں دوا کے لئے

بُرا نہ جانے تو تقوے آب کیا جانے
نہ پی ہو جسنے وہ قدرِ شراب کیا جانے

بغل میں جسکے نہو ایک چاند سا معشوق
وہ لطفِ سیرِ شبِ ماہتاب کیا جانے

جسے نصیب نہو لذتِ وصالِ صنم
بھلا وہ لذتِ عہدِ شباب کیا جانے

دلکو لگی ہے شعلہ رخوں کے وصال کی
کعبہ میں روشنی ہے بتوں کے جمال کی

عشق میں پایا ہم نے کیا بشاش
جان کھو بیٹھے جی کھپا بیٹھے

بشیر

بشیر۔ شیخ بشیر احمد سرہندی از اولادِ شیخ احمد سرہندی۔ اکثر علوم و فنون مثلاً رمل۔ نجوم عروض۔ موسیقی میں مداخلت تام رکھتے تھے۔ خوش وضع خوش خلق شخص تھے باقتضائے موزونی طبع صحبتِ احباب میں کبھی کبھی فکرِ سخن بھی کر لیتے تھے۔

رونق ہے غم کی ہمسے کہ گلشن میں دہر کے
جوں سروِ سربلند میں آہ کشیدہ ہوں

موجِ آبِ زندگی ہے جوہرِ تیغِ نگاہ
دیکے سر لے لیجیے یہ آبِ حیواں پھر کہاں

جب تلک ہے تو کمندِ زلفِ مشکیں کا اسیر
خوابِ راحت کر لے یہ شامِ غریباں پھر کہاں

غافلوں کی مت نصیحت مان اے شوریدہ سر
سلطنت اپنی نہ کھو یہ فوجِ طفلاں پھر کہاں

بشیر

بشیر۔ میر بشارت علی دہلوی شاگرد فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون غدر سے بہت پیشتر لکھنؤ سے واپسی کے وقت سفر میں انتقال کیا۔ ۱۲۴۴ھ تک حیات تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

دلِ بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
دیکھتے ہیں تجھے حسرت سے بھرے بیٹھے ہیں

شمع لے کر مری تربت پہ نہ آئے کوئی	مر گیا ہوں مجھے اب تو نہ جلائے کوئی

بسمل

بسمل - منشی اشرفی لال - آپ غالباً رامپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں - یہ کلام کا خلاصہ ہے -

شورِ محشر مرے نالوں نے اُٹھایا کیسا	ہو گیا سارا زمانہ تہ و بالا کیسا
حسرت و یاس و الم دم تو ذرا لینے دو	آخری وقت لگا رکھا ہے میلا کیسا
خود نما حسن نہیں جذبِ محبت بھی نہیں	پھر یہ بے پردہ تمہارا ہے نکلنا کیسا
وہ اثر ہے مرے نالوں میں جو چاہوں بسمل	دل کو تھامے ہوئے وہ آئیں نہ آنا کیسا

بشاش

بشاش - آغا کلب عابد خاں بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول امرتسر خلف اکبر نواب کلب حسین خاں بہادر مرحوم و رئیس بنارس - بہت نیکنام منصف اور فیاض شخص گذرے ہیں امرتسر ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی - ایک عظیم الشان سرائے رفاہِ عام کی غرض سے امرتسر میں تعمیر کرائی تھی وہ آپ سے یادگار ہے - پندرہ سال کے قریب ہوئے وہیں انتقال کیا - مندرجہ ذیل اشعار آپ کی موروثی موزونی طبع کا نتیجہ ہیں -

نہ میرے درپئے ایذا ہے آسماں تنہا	ہزار دشمنِ جاں ہیں اور ایک جاں تنہا
اگرچہ دشمن جاں ہوں مرے رقیب ہزار	نہیں ہے خوف جو ہو دوست مہرباں تنہا
ہے صحبت آپکی ناصح مجھے عذاب الیم	وہ بہتر اس سے بسر ہو جو مہرباں تنہا
میں عادت اسلئے کرتا ہوں گوشہ گیری کی	کہ کنج قبر میں رہنا ہے جا کے واں تنہا

بشاش

بشاش - منشی دیبی پرشاد خلف منشی نھتن لال بہجت قوم کایستھ ان کے بزرگ شہر بھوپال کے متوطن تھے یہ خود عرصے اجمیر میں سکونت پذیر ہیں اُردو انشا پردازی اور تالیف اور تصنیف کتب جغرافیہ - و تاریخ کا زیادہ تر شغل رہتا ہے - اوائل عمر میں صاحبزادگان ٹونک کی سرکار میں منسلک رہے اُسکے بعد ریاست جودھپور میں ملازم رہے - لطائف ہندی افسانۂ خرد افروز - گلدستۂ ادب - وقایع راجپوتانہ - احکام نوشیروانی - تاریخ ترک ہند - تذکرہ

بشیر

بشیر۔ شاہ بہار الدین دہلوی معروف بہ عبداللہ شاہ بشیر۔ آپ شاہ نصیر کے چھوٹے بیٹے شاہ نجم الدین صغیر کے حقیقی نواسے تھے اور چونکہ اُنکی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے انہوں نے اُنھیں مُتبنیٰ بھی کر لیا تھا چنانچہ اُنکی وفات کے بعد درگاہ و جاگیر آبائی خانقاہ صدر جہاں (دہلی) کے مالک ہوئے۔ فنِ سخن کا مذاق موروثی تھا اور اس میں اپنے عزیز شاہ تنویر سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ عربی فارسی کی تحصیل اچھی تھی تصوف اور فنِ سخن کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرتے تھے۔ افکار زمانہ نے کبھی دل جمعی نہ ہونے دی۔ ایک تذکرہ شعراء اردو کا لکھنا شروع کیا تھا مگر اُسے پورا نہ کر سکے۔ سات برس کا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ ۵۵۔۶۰ برس کے قریب عمر پائی قلمی دیوان جو راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

چراغِ صبح ہوں اک دم کا مہماں تم ذرا دم لو
چرایا گر نہیں ہے دل تو کیوں آنکھیں چراتے ہو

دل مرا جانے ہے یا اُسکو خدا جانے ہے
ہوش میں پھر نہ سحر تک دلِ ناشاد آیا

روکے یہ سمجھے تھے کہ کچھ دلکو کرینگے خالی
غم میں سر دُشوار بالیں سے اٹھانا ہو گیا

کیا یہ کیا لڑکپن اے بشیر خستہ دل تنے
اور تو کیا بختِ برگشتہ سے ہے یہی اُمید

دیدیا دل اُسکو لیکن یہ نہ سمجھے تھے بشیر
مصحفِ رُخ پہ نہ لاویگا جو اُوسکے ایماں

کہتا ہے آج ذوقِ طلب یہ دن کہ تو سہی
منہ کو چمن میں چومتی ہیں اُسکے بلبلیں

خُلد حوروں سے ہے پریوں سے پرستاں جیتا
مجھے رخصت تو کر لو نام لینا بعد رخصت کا

نہ شرماؤ کہ شرمانا تمہارا گھر ہے تہمت کا
کہ ترے ظلم سہے اسنے ستمگر کیا کیا

اُسکا یہ کہنا نہ چھیڑو مجھے جب یاد آیا
چشم تر کرنے لگی اور یہ رسوا اُلٹا

دل لگانا سہل تھا مشکل چھڑانا ہو گیا
یہ مانا وہ خفا تھے تم منا لاتے تو کیا ہوتا

آبِ حیواں بھی جو ہاتھ آئے تو سم ہو جائیگا
دوستی میں دلکا دشمن وہ صنم ہو جائیگا

وہ مسلمان نہ ہوگا کوئی کافر ہو گا
توڑوں تڑپ کے یار کی شمشیر دیکھنا

جھڑتے ہیں پھول کیا دمِ تقریر دیکھنا
تُو نے وہ حسن کے اقبال سے میداں جیتا

یارب نہ کھلے زلفِ گرہ گیر کسی کی
وابستہ ہے واں خاطرِ دلگیر کسی کی

شاید دلِ بیتاب کو تسکین ہو اپنی ٹوٹ
کھنچوا کے رکھوں سینہ پہ تصویر کسی کی

بشیر

بشیر۔ محمد بشیر خاں رامپوری ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہوگی۔ پُرانے سپاہیانہ وضع کے آدمی ہیں۔ فنِ شناوری میں بھی اچھے بلکہ اوستاد ہیں۔ شعر شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے رکھتے ہیں۔ بظاہر الف کے نام بے نہیں جانتے مگر مبدءِ فیاض نے اس فن میں انکو بھی خاصہ حصّہ دیا ہے۔ شعر اچھا کہہ لیتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ کسی اَن پڑھ کا کلام ہے۔ تیس برس کی مشق نے طبیعت میں پوری رسائی پیدا کر دی ہے۔ جو کچھ کہا نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کو دکھالیا۔ رامپور سے اِنکے فیضِ صحبت کا لطف اُٹھایا ہے۔ اب آجکل حیدرآباد میں کسی رئیس کے ہاں ملازم ہیں یہ اُن کا کلام ہے۔

گردشِ چشم سے کب یہ دلِ مضطر پھرتا
بُت وفا کرتے تو اُن سے کوئی کافر پھرتا

یہ لگاوٹ یہ کرشمے جو نہوتے تجھ میں
اے صنم کہہ تو خدا سے کوئی کیونکر پھرتا

نقدِ دل سینے میں چھپایا تو بُرائی کیا کی
کوئی رکھتا نہیں دولت کو تو نگر باہر

اُنکا وہ ناز سے کہنا کہ عبث رو رو کر
پانی کرنا تمہیں خوب اپنا لہو آتا ہے

دُھوم رندوں میں ہے مسجد سے نکلکر باہر
آج میخانہ میں کرنے کو وضو آتا ہے

تنہا لحد میں چھوڑ گئے آج وہ رفیق
ہوتے نہ تھے جو مجھسے گھڑی بھر جدا کبھی

وہ چیز تھی شراب کہ اِس پر جہانمیں
سب فاتحہ دلاتے جو ہوتی روا کبھی

تیغِ قاتل پہ گلو مقتل میں رکھدیں بڑھکے خود
کر دکھائیں آج ہم بھی جو ہمارے دل میں ہے

بتونکو بیوفا تو نے بنایا کیا وفا کم تھی
کمی کسکی تھی کیا شے تیرے گھر میں ایخدا کم تھی

نگاہِ غور سے دیکھا تو یہ دونوں برابر تھیں
نہ فرقت تھی قضا سے کم نہ فرقت سے قضا کم تھی

بنایا آسماں بھی اور اک بہرِ ستم تو نے
الٰہی تیرے بندونپر بتونکی کیا جفا کم تھی

جہاں ہے آگ الفت کی وہیں تو لاگ ہوتی ہے
زیادہ دوستی میں بھی عداوت آہی جاتی ہے

یہ مانا ہم نے راہِ عشق میں ہے جان کا خطرہ
ذرا مضبوط دل کر لے تو ہمت آہی جاتی ہے

کسی سے دیکھتے ہیں اُسکو ہنستے بولتے جب ہم
تو جیتی جان ہیں ہمکو بھی حسرت آہی جاتی ہے

جو کچھ بھی تھی اُسی سے بنے یہ شمس و قمر
تمہارے محوِ رُخِ بے نقاب کی مٹی

لڑائی کروں میں بادِ سحر سے
ترا بیمار لاغر اس قدر ہے

اپنے اچھوں سے تری کاوشِ مژگاں کافر
تنکے چنواتی ہے دیوانہ بنا دیتی ہے

کوئے قاتل کا پتا شوقِ شہادت مت پوچھ
سنتے ہیں ہم تو اجل آپ بتا دیتی ہے

تجھے بھیجی حنا تحفے ہے یہ جس دو رنگی نے اب
لگا منہ کو اُسی کے آگ پھر اُسے جامن اُٹھی

کسی کے بیٹھے بٹھلائے جو دن گردش میں آئے ہیں
تو ہو جاتی ہے اُنکی عقل سے مرغِ کہن اُلٹی

وہ کر کے کیا شکایتِ دورانِ سر گئے
لاکھوں دلوں کے اُنپہ سے صدقے اُتر گئے

اس بھولے پن پہ مار لئے سینکڑوں کے دل
سایہ سے اپنی زلف کے وہ آپ ڈر گئے

کیا انکار اک بوسے سے تو نے دل ہوا زخمی
یہ کچھ تلوار سے کم تھی ترے انکار کی برچھی

کیوں نہ اپنی غشی پہ میں غش ہوں
وہ چھڑکنے گلاب آتا ہے

کبھو شام کہوے کبھو سحر جو سحر ہو کہوے وہ دوپہر
جو یہی ہے وعدۂ وصل گر کوئی دن نہیں بنا وصال ہے

نہ جام دے کوئی مجھکو تجھے شراب تو دے
جو یہ بھی ہو نہیں سکتا صنم جواب تو دے

کیا جو قتل تہِ خاک اُسکو داب تو دے
کہ روزِ حشر کو کشتہ ترا جواب تو دے

بہت ہے تشنہ لبی تو خدا کا لے کر نام
گلے پہ پھیر مرے خنجرِ پُر آب تو دے

نہ دے جو دیتا نہیں قول وصل کا ظالم
ہمارا پھیر دلِ خانماں خراب تو دے

کہونگا حال شبِ غم کا تجھسے اے ہمدم
پہ چین لینے مجھے دل کا اضطراب تو دے

جوشِ وحشت میں جھپک جاتی ہیں آنکھیں جو کبھی
خواب میں بھی تو بیابان نظر آتا ہے

ہے عجب مذہبِ الفت بھی کہ جسکو دیکھا
کوئی ہندو نہ مسلمان نظر آتا ہے

خضر بھی جان چھپاتے یہ پھریںگے کب تک
حسرتیں روز نئی روز ہیں ارمان نئے
جھٹلاتی نزاکت نہ اُسے گر دمِ رفتار
نہ تیغ ہاتھوں میں ہے نہ خنجر تو نہیں ہزاروں سوتڑپ کر
وے ٹپک خاک پہ اے زلزلۂ آہ اُسے
کون کہتا ہے دئے تم نے ہیں داغِ فرقت
جرم کچھ تیر نگہ کا نہیں تیرے قاتل
چاہتِ دل جب سے اُسپر کھل گئی ہے اے بشیر
کچھ دم سے ہے پھر نگاہِ محبت سے دیکھ لو
بے پری پہ تو یہ منعم ہیں ہوا میں اُڑتے
جلانے کا مزا جب آئے میرے
صندل وہی لگا ئینگے جاگے ہو جنکے گھر
ناخوش ہیں کیوں رقیب ملا ہمسے رشکِ گل
عجب تسخیر دنیا میں شبابِ حسنِ دلکش ہے
پہلے ہی پہل آئے ہیں یوں غنچے سے مُنہ بند
مرجائیں وے پیوینگے مے ہاتھ سے اسکے
منتوں پر تو کرو وصل کا انکار نہیں
ق کیوں میں نے یہ کہا کہ مجھے بھی دو جامِ مے
شیشوں کو پھینکا توڑ کے سبو ہو کے پھر خفا
نکلی ہے جان حسرتِ دیدار میں مری
مرجاؤں پہ توبہ نہ کروں عشقِ بتاں سے

اُنکو چھوڑیگی نہ یہ گردشِ دوراں جیتا
یہ نہ رکھیں گے مجھے حسرت وارماں جیتا
پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا
اُتارتا ہے لحد کے اندر چڑھاتا قاتل کی آستیں کا
ہے جو خورشید کلس گنبدِ مینائی کا
نخل اُمید مرا لایا ہے بار آپ سے آپ
جان دیتے ہیں ترے سینہ فگار آپ سے آپ
اور بھی ہر بات پر کرتا ہے وہ دلبر مزاج
صدقے ہزار جان سے ہوں اس امتحان پر
کیا غضب ہوتا جو ہوتے کسی زردار کے پر
دل آجائے جو اُن کا بھی کسی پر
کیوں لیں یہ مفت دردِ سری دردِ سر سے ہم
دیتے ہیں اُلٹے داغ درم اُنکو گھر سے ہم
کہ اس سے بس میں پری اُنکو یہ آدم زاد کرتے ہیں
کھل کھلیں گے اے دل ابھی شرماتے ہوئے ہیں
ہم ساقیِ کوثر کی قسم کھائے ہوئے ہیں
اب تو واں مُنہ سے کرو ہو چکی سو بار نہیں
پچھتایا کہہ کے اُس صنمِ پُرعتاب کو
بولے کہ لیو آگ لگا دو شراب کو
بس شرم ہو چکی کہیں الٹو نقاب کو
اس سے بھی ہو گر رنج و محن اور زیادہ

سب جسے خیال کسیکا ہو اُسکو چین کہاں	کہاں انکا خواب کسیکا جو انتظار رہے

بشیر - منشی محمد بشیر - موضع ہمرسانار کے رہنے والے اور منشی ظہیر احسن صاحب شوق کے تلمذ سے بہرہ ور ہیں - شوخی طبع آپ کے کلام سے ظاہر ہے -

کر گئی یہ نگہِ ناز تو بسمل مجھکو	آپ فرماتے ہیں کیوں کہتے ہو قاتل مجھکو
یہ ذکرِ شراب اور مسجد میں واعظ	تجھے بھی عجب بے تکی سوجھتی ہے
کرو مے کشی خوب کالی گھٹا ہے	کہاں اس میں نیکی بدی سوجھتی ہے

بشیر - منشی بشیر مرزا دہلوی - مولانا عبد الرحمن راسخ کے شاگرد اور موزوں طبع نو مشق کہنے والوں میں سے ہیں - یہ آپ کا کلام ہے -

اجل نے لی خبر میری نہ آئے آپ فرقت میں	یہ سچ ہے کام آتا ہی نہیں کوئی مصیبت میں
الٰہی دردخواہانِ ستم ہیں منتظر کب سے	لگا رکھی ہے اتنی دیر کیوں تو نے قیامت میں
ہمارا دل تمہارا ہے ہماری جاں تمہاری ہے	خیانت کب وفاداروں سے ہوتی ہے امانت میں
ادھر خواہش حسینوں کی اُدھر اصرار حوروں کا	شہید ناز پر برسوں رہی تکرار جنت میں
تم سے عزیز کب دلِ آشفتہ حال ہے	لیجاؤ لو اُٹھاؤ تمہارا ہی مال ہے
کیوں داد اپنی چال کی لیتے ہو چرخ سے	اس کا تو قصد وان کوئی پائمال ہے

بقا - شیخ بقاء اللہ خاں اکبر آبادی اصلی وطن انکا اکبر آباد و مولد دہلی ہے - حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے اور مرزا رفیع سودا - میر تقی میر اور درد وغیرہ کے معاصر تھے - ریختہ میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے کثرتِ مشاقی سے میر اور مرزا دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے - طبیعت میں شگفتگی و رنگینی خداداد تھی کبھی کبھی اُس زمانے کے مذاق کیموافق ہجوگوئی بھی کر دیتے تھے کچھ عرصہ تک غمگین بھی تخلص کرتے رہے پھر بقا بن گئے - علمی پایہ بھی بلند تھا - اس فنِ خاص سے مناسبت تمام رکھتے تھے - غزلوں کے سوا قصائد میں بھی اپنا زورِ طبع دکھایا ہے - آخری عمر میں لکھنو جا رہے تھے - اردو میں ایک مختصر دیوان انکی یادگار ہے انکے شاگرد و ندیم ظہور اللہ خاں نوا مشہور ہوئے ۱۲۰۶ھ میں بمقام حجاز انتقال کیا - یہ انکا کلام ہے

کیوں خفا ہوتے ہو خنجر بھی ہے میں بھی حاضر
یہ تمہیں ہو جو ایک بوسے پہ کرتے ہو نہیں
ہو گیا سینکڑوں آشفتہ دلوں کو سودا
دل نہ بہلے گا اپنا حوروں سے
زباں تیری بنتِ پیماں شکن کچھ اور کہتی ہے

کس لیے پھیر نہیں خنجرِ بُرّاں دیتے
جان تک مانگتے ہم سے تو مری جاں دیتے
کیوں نہیں رُخ سے اُٹھا زلفِ پریشاں دیتے
واں بھی تیری ہی جستجو ہو گی
یقیں کس کا ہو چشمِ سحر فن کچھ اور کہتی ہے

بشیر

بشیر۔ جناب منشی بشیر احمد خاں صاحب رئیس ملیح آباد خلف محمد احمد خاں صاحب تعلقدار مرزا گنج۔ آپ لکھنؤ کے مشہور شاعر رسالدار فقیر محمد خاں گویا کے پوتے ہیں۔ اسطرح گویا مذاق سخن آپ کو میراث میں ملا ہے۔ شعر خاصہ کہتے ہیں۔ معاملہ بندی کیطرف زیادہ میلان خاطر پایا جاتا ہے۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

رقیب تم سے کرے آرزوئے بوسۂ لب
بگڑ کے میں جو وہاں سے اُٹھا تو وہ بولے
کیسی مشکل ہے کریں آہ تو رسوائی ہے
کون دل لے گیا وہ پوچھتے ہیں
عشق میں ہم نے تم سے حضرتِ دل
دیکھو ہم جان دیتے ہیں کہ رقیب
شیخ جی ہجوِ مے تو کرتے ہو
درد ہے دل میں ہمارے آہِ بے تاثیر ہے
تم ابھی دشمن کی قسمت کو جو کہہ اُٹھے بُرا
کھل گیا ہم پر کہ تھے فردِ اہلِ دہلی بھی بشیر

خطا معاف مزہ ہے یہ منہ لگانے کا
کوئی منائے تو ہے لطف روٹھ جانے کا
منہ کو آتا ہے جگر ضبط اگر کرتے ہیں
اور یہ طرفہ ماجرا دیکھو
جو کہا تھا وہی ہوا دیکھو
بات ہی کیا ہے آزما دیکھو
تھوڑی پی لو تو پھر مزا دیکھو
آپ بسمل ہے یہ تیر انداز اپنے تیر سے
ہو جو ممکن تو بدلوا دو مری تقدیر کو
رنگِ ذوق و غالب و سودا و دردؔ و میرؔ سے

تیری تیرِ نگہ کا کیا کہنا
سن کے وہ دردِ دل مرا بولے

دلنشیں بھی ہے دلربا بھی ہے
جھوٹ کی کوئی انتہا بھی ہے

یاد میں تڑپے ہے دل اُس ابروئے خمدار کے
آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اُس بیمار کی

عشق میں بو ہے کبریائی کی
عاشقی جس نے کی خدائی کی

تھے ہم استادہ ترے در پہ و لے بیٹھ گئے
تو نے چاہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے

گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے ترے
در پہ نالے کئے اتنے کہ گلے بیٹھ گئے

یہ رخ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے
ہے نہاں صبحِ وطن شامِ غریباں کے تلے

آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفلِ اشک آن چھپے دامنِ مژگاں کے تلے

کیا کروں سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھروں
داغ سے داغ ہیں کچھ میرے گریباں کے تلے

نہیں ملنے کی بقا ہمکو بجز کنجِ مزار
جائے آسودگی اس گنبدِ گرداں کے تلے

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے
دو آبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

قطعہ

میر و مرزا کی شعر خوانی نے
بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونو صاحب کے
اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی

کچھ نہ پایا سوائے اس کے سخن
ایک تو تو کہے ہے اک ہے ہے

رخ اُس کا صفائی ترے تلوے کی نہ پائے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھا لے

دل سے نکلے کہیں پابوسیِ قاتل کی ہوس
کاش وہ خوں کو مرے رنگِ حنائی جانے

بقا۔ مستند شعرا خواجہ محمد مرتضیٰ خاں بہادر بقا دہلوی۔ مقیم لکھنؤ کتاب سراپا تاریخ کے صلہ میں پرنس آف ویلز نے خان بہادر اور مستند الشعرا کا خطاب ان کو عطا کیا تھا ۱۲۹۰ھ میں بطور سیر حیدرآباد اور کلکتہ بھی گئے تھے ۱۳۰۲ھ میں انتقال کیا انکے شاگردوں میں سید محمد جعفر صاحب آسان مشہور ہوئے۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

باریابی کی توقع کسے درباں اُن کا
بختِ عاشق تو نہیں ہے کہ جو سو جائیگا

فروغِ کعبہ و بت خانہ میں ہوں
چراغِ خانہ شیخ و برہمن کا

دبستانِ ازل میں قیس تک نے
سبق مجھ سے لیا دیوانہ پن کا

سرسری مل کے مرے پاس سے جانا کیا تھا
راہ بس ناپنے آئے تھے یہ آنا کیا تھا

ق
میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر
اس میں ہووے جو نام شاعر کا

سرے کے دیوان پکارتے پھرئے
گھر گلی کوچہ کام شاعر کا

قطعہ
نوبت اب اُس بُت سے پہنچی نامہ و پیغام تک
جس سے نت خلطہ تھا مجکو اور ہم یارانہ تھا

آہ کانوں نے سنا اسکو جو تھا منظورِ چشم
چشم سے دیکھا جو کانوں کے لئے افسانہ تھا

ہم نفس کوئی نہ دیکھا بیکسی کے دن بقا
آشنا صورت مگر معنی میں وہ بیگانہ تھا

وہ انگارا ہے پہلو میں دل بیتاب آتش کا
کہ دیکھے سے جسے ہوجائے زہرہ آب آتش کا

دست ناصح جو مری جیب کو یکبار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اس میں نہ ہے تار لگا

یار کو پہونچی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا

گردش پہ تری چشم کے بحثے ہے ہمسے یار
دعووں کی گفتگو سے قدح اور قدح سے ہم

چشم اپنی تک دکھاوے اُسے تا کہ باز آئیں
اس بحث دو بدو سے قدح اور قدح سے ہم

ساقی کو وہ نوید بہار آئی باغ میں
سودے نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمن جاں ہے
مرنے کا نہیں نام کا اپنے میں بقا ہوں

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

آہیں افلاک میں ملجاتی ہیں
محنتیں خاک میں ملجاتی ہیں

میکشی غیر کی محفل میں جو کرتے ہو تو یار
باخبر رہیو کہ ہے بیخبری شیشے میں

گرمیٔ مے سے پڑا آبلہ یوں دلمیں بقا
جسطرح ہوویں حباب جگری شیشے میں

سیلاب سے آنکھوں کے رہتی ہے خرابی میں
ٹکڑے مرے دل کی بستی ہے دوابے میں

ق
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو اب اسپہ خاک ڈالو

گر قتل کیا بقا کو خوباں
اس بات کو منہ سے مت نکالو

تو نے اسطرح سے اے چرخ گرایا ہمکو
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہمکو

کسطرح دیں تمہیں ہم آئینۂ دل اپنا
توڑ ڈالوگے جو دیکھوگے مقابل اپنا

پردۂ رنج سے ہوتی ہے عیاں شکل خوشی
ناخن غم سے کھلا عقدۂ مشکل اپنا

خاک عاشق نے جو کی اُس سے لپٹنے کی ہوس
ناز بولا کہ اٹھا لیجیے دامن اپنا

ہوں وہ بیخود کہ کہا جا کے بتا کعبہ میں
اے بت شوخ دکھادے رخ روشن اپنا

دفتر معرفت ہے اے بلبل
ہر ورق مصحف گل تر کا
شوق دیدار کی یہ خواہش ہے
آنکھ پردہ بنے ترے در کا
میں بقا ہوں مجھے جو قتل کرو
زندہ ہو جائے نام خنجر کا

ہم نہ فتنہ ہیں نہ جادو ہیں نہ شوخی نہ حیا
اُسکی آنکھوں میں جگہ پائیں تو پائیں کیونکر

شبنم سے ساری رات ہوئی شست و شوئے گل
پھر بھی نہ مل سکا ترے تلوے سے روئے گل

اے عندلیب عقل و ادب سے بھی کام لے
گل کو بہت نہ چھیڑ کہ نازک ہے خوئے گل

وہ ارمانوں کے جھرمٹ دیکھکر دلمیں یہ کہتے ہیں
یہاں بھی لوٹنے والے مرے جوبن کے بیٹھے ہیں

یہ ہم نے سوچ رکھا ہے کہ لٹ جائیں راحت ہے
متاع دل لیے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں

دکھادے آمری زہرہ ادا انکو بھی ایک جھلکی
حرم میں حضرت زاہد فرشتہ بن کے بیٹھے ہیں

خبر لے جلدی اب او ستمگر وگرنہ کھلتا ہی بھید سب پر
کہ میری آنکھوں سے اشک بنکر تری تمنا ٹپک رہی ہے

شباب آیا گیا لڑکپن ابھار پر ہیں تمہارے جوبن
ہوئی ہے شوخی حیا کی دشمن خبر لو چولی مسک رہی ہے

لطف راحت بھی جو درد دل ناشاد میں ہے
کیا وفا کا کوئی پہلو ترے بیداد میں ہے

بقا شاہ محمد عبدالغفور فریدی مانک پوری مقیم میرٹھ زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں چند انتخاباً درج تذکرہ کیے جاتے ہیں

قاتل یہ ستم اور ہے مجھپر ترے خنجر
عکس ابروے پُرخم کا ہے خنجر ترے خنجر

کیا منہ سے کہے عاشق مضطر ترے خنجر
دم لینے کا یارا نہیں دم بھر ترے خنجر

صد شکر دم قتل ہوا مجھکو میسر
نظارۂ ابروئے ستمگر ترے خنجر

تقصیر ہوئی عاشق ابرو سے بھلا کیا
کیوں اسکو کیا تونے ستمگر ترے خنجر

عنبر کو ہے عنبر کی تلاش
یعنی اب دل کو ہے جگر کی تلاش

دور میں جامِ شرابِ خوشگوار آنے تو دو
قالبِ مینا میں جانِ بادہ خوار آنے تو دو

مہندی نے غضب دونو طرف آگ لگادی
تلووں سے ادھر اور اُدھر دل سے لگی ہے

بقا

بقا - میر بادشاہ علی صاحب بقا خلف الرشید میر وزیر علی صبا لکھنوی آپ مرزا دبیر مرحوم کے داماد اور خاندانی شاعر تھے۔ برس کی عمر پاکر چند سال ہوئے لکھنؤ میں انتقال کیا۔ فنِ سخن کا شوق تھا مگر اپنے والد کے رُتبہ کو نہ پہنچے یہ کلام کا انتخاب ہے۔

خُدا کو بھُول جاتے ہیں بتونکی آشنائی میں
بہت ایسے بھی ہیں اللہ کے بندے خدائی میں

کہا میں نے دکھا کر جنتِ دل اُس شاہ خوباں کو
ملی یہ عشق کی سرکار سے ٹکڑے گدائی میں

بنتی ہے جب تو یہ کہتے ہیں ہوا فضلِ خدا
جب بگڑتی ہے تو سب کہتے ہیں قسمت تیری

یہ کہکے رنج کو دیتا ہوں اپنے دلمیں جگہ
نہو ٹھکانا کہیں جسکا میرے گھر میں رہے

بقا

بقا - مولوی عبدالرحمن بقا ۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۱ھ کو آپکی ولادت ہوئی۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرایا۔ کتبِ درسیہ کی تعلیم اعلےٰ درجے تک مولوی محمد عبدالاحد شمشاد سے پائی۔ اور علوم عربیہ کی تکمیل اپنے ماموں مولوی عبداللہ سے کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں عربی کے مدرس رہے لیکن چونکہ مزاج میں ملازمت سے تنفر تھا اسلئے جلد مستعفی ہو کر مدتوں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے لیکن سلسلۂ تعلیم و تعلیم ہمیشہ جاری رہا۔ منطق میں رسالۂ تہذیب کی اردو شرح آپ نے لکھکر شایع کرادی ہے عنوانِ شباب سے شعر و سخن کا بھی شوق رہا۔ آپ صاحبِ دیوان ہیں۔ اور حضرت شمشاد کے نامی شاگردوں میں گنے جاتے ہیں۔ کلام مرسلہ سے چند شعر انتخاب ہو کر درج ذیل ہیں۔

کبھی تو وہ آجا ئینگے بھُولے بھٹکے
لگا ہے سرِ راہ بستر کسی کا

وہ بدنام ہونگے ہمیں رنج ہو گا
گِلا کیجئے ہائے کیونکر کسی کا

بتوں کی محبت بھی قہرِ خدا ہے
نہ دل آئے یارب کسی پر کسی کا

اور صاحبِ اقتدار امیر گذرے ہیں۔ اُنکے بیٹے راجہ جسونت سنگھ پروانہ مشہور شاعر گذرے ہیں۔ تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ ہوا۔

سیاہی مُو کی گئی دل کی آرزو نہ گئی	ہمارے جامۂ کہنہ سے کی بُو نہ گئی

بہادر

بہادر۔ راجہ بہادر سنگھ۔ کشمیری الاصل برہمن اور میر انشاء اللہ خاں کے ارادتمند تھے۔ تذکرہ شوق کی ترتیب کے وقت انکا شباب کا عالم تھا۔ نہایت خلیق خوش مزاج اور رنگین طبع رئیس تھے۔ یہ اونکے اشعار ہیں۔

اے مشفقِ من ہم ہیں فقط بوسے کے نوکر	تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سوخت
سو دور رکھو دل سے ابھی لینگے بٹھا کر	نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود بیں	اس طرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سُن لے تو اے بارِ خدایا	یکبار سنوں میں کہ ہوا شہر حلب سوخت

بہادر

بہادر۔ بابو رن بہادر سنگھ مقیم آگرہ آپ کے والد بابو فتح سنگھ مہاراجہ بلوان سنگھ رئیس بنارس کے عزیزوں میں تھے آپ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مرزا حاتم علی بیگ مہر سے مشورۂ سخن کرتے تھے یہ اُنکے شعر ہیں۔

مجھے رہتا ہے کھٹکا آپکی امروز فردا سے	کہیں صاحب قیامت پر نہ وعدے کی وفا ٹھہرے
ایک دم بھی جُدا نہیں ہوتا	کیا محبت ہے درد کو دل سے
اب وہ بے پردہ بام پر آئے	چاند کترا گیا مقابل سے
اپنے ہونگے کبھی یہ بُت اے دل	درگذر اس خیالِ باطل سے

بہادر

بہادر۔ منشی براج بہادر رئیس شہر مرزا پور آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام کا انتخاب ہے۔

گُل چاک گریباں ہوئے نالاں ہوئی بلبل	یہ بادِ بہاری چلی گلشن میں کہاں سے
داغوں نے عجب سینہ میں ہے رنگ جمائے	اے دل یہ کھلے گُل ترے گلشن میں کہاں سے
بتخانہ نظر آتا ہے زاہد کو دمِ دید	آئی ہے یہ خوبی بُتِ پُرفن میں کہاں سے

نہ پوچھو ناتوانی اسے مریحاں ایسے وحشی کی
جا بیٹھے ہیں ایک عالم طالب دیدار ہو
موہنی ہے ان حسینانِ جہاں کی آنکھ میں
دو طرح کی اس نگاہِ شوخ میں تاثیر ہے
کلیجہ تھام لیں مشتاقِ دید حشر میں بھی
خط کا ہر فقرہ سوا ہے خنجر و شمشیر سے
خم قد کا ہے پیری میں اشارہ
پڑھا مجنوں نے پہلے درس الفت

نہ اٹھا بار جس سے بخیۂ چاکِ گریباں کا
گھر سے جب نکلیں زمانہ بھر پہ ہم احساں کریں
یہ نظر بھر کے جسے دیکھیں اسے حیراں کریں
پھر گئی تو تیغ ہے سیدھی ہوئی تو تیر ہے
اسی ادا سے یہاں بھی ذرا نگاہ ملے
ٹکڑے ٹکڑے دل ہے تری شوخیِ تحریر سے
محبت بڑھتی جاتی ہے زمیں سے
ادائے لیلیِ مکتب نشیں سے

بہا

بہا۔ حکیم بہار الدین خان بہار شاگرد حضرتِ داغ دہلوی اصلی وطن جاورہ ہے تحصیل علم کے بعد پھر جودھپور میں رہے اب مہتمم شفاخانہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ فنِ سخن کیطرف اچھا میلان ہے اور کثرتِ مشق سے خاصی مہارت پیدا ہوگئی ہے۔ انکے مطب کا بھی اجمیر میں اچھا شہرہ ہے۔ ۴۰-۴۲ برس کا سن ہے۔ چند شعر انتخاباً درج کئے جاتے ہیں۔

کبھی جگر سے کبھی دل سے رسم و راہ رہے
وہ آنکھ کیا ہے کہ جو طالب نظارہ نہو
مزہ تو یہ ہے کہ محشر میں ناصحِ ناداں
یہ بھی ارمان تھا تیرا گویا
آپ ہی کی ہے اس میں رسوائی
ہاتھ سینے پہ کیوں دھرا تم نے
تمہیں کیا تم برا کیوں مانتے ہو
بہا کہتے رہے وہ کیوں ہو مضطر

مزہ تو تب ہے پلٹتی تری نگاہ رہے
وہ دل ہی کیا ہے نہ جس میں کسیکی چاہ رہے
ترے ثواب سے بڑھکر مرا گناہ رہے
دم بھی نکلا تو وہ بھی مشکل سے
مجھکو اٹھوائے نہ محفل سے
تم بھی مجبور کیا ہوئے دل سے
شکایت ہے مجھے گر آسماں سے
نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

بہادر

بہادر۔ راجہ مینی بہادر مغفور صوبہ بہار۔ عالمگیر ثانی شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں بڑے نامی

محبت کے قلمرو میں اگر جاگا تو سن لیگا
کرے وہ سلطنت یہ عشق میں شیریں کے سرو پے
منظور سیر لالہ جو ہو اُس بہار بیچ
کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجکو دیکھ
دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو سجن
ناز استغنا عتاب اغراض سب جانکاہ ہیں
عبث تشویش کیوں دیتے ہو گل کی طبع نازک سے
نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
مہرباں ہو کر ملا ہے ماہ روشن بے حجاب
ستی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلی کا قیس
وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تار کہتے ہیں
اگر جلوا نہیں ہے کفر کا اسلام میں زاہد
ناز بیجا و لطف بے موقعہ
کریں ہیں یہ ستمگر قتل بے تقصیر کیا کیجے
بنا کر عشق کی سنگیں کیا ہے ہمنے عالم میں
دیکھکر کیونکر نہووے دل رقیبوں کا کباب
کوئی کس ساتھ ایسے فصل گل میں لگو پر جائے
ہمیں واعظ ڈراتا کیا ہے دوزخ کے عذابوں سے
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
اگر بارا پڑا دل ہاتھ سیں غم نے لگے کیا غم ہے

کوئی آرے تلے چیرا کسو کو کوہ پر پٹکا
تکلف ہر طرف خسرو کو کیا فرہاد میں نسبت
پھولا ہے خوب دیکھ دل داغدار بیچ
اُمید جیونے کی نہیں اس بہار میں
کس سے سیکھے ہو تم لیکر مکر جانیکی طرح
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ ہو دلکو نشاط
یہ گستاخی نہیں ہے خوب مت کر شور اے بلبل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل تو
کیا مبارک ہے ہمیں یہ ماہ اب کے سال میں
یہ عجب منظر ہے جسکے مبتلا ہوں مرد و زن
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں
دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ
جو اُنکے ہاتھ یوں مرنا ہوا تقدیر کیا کیجے
جو ہوتا کوہ کن یاں آج کرتا آ کے مزدوری
کس ادا سیتی صنم دیتا ہے ساغر واہ رے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مطرب ہے نہ ہمدم ہے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کچھ مغفرت کم ہے
ہمیں ایسا خرابی کیا تجکو منا جانی
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

ا؎ مثل حضرت زکریا۔ ۲؎ مثل حضرت موسیٰ۔

جلوہ نہیں اُس بُت نے دکھایا جو بہادر	جھگڑے یہ بڑے شیخ و برہمن میں کہاں سے

بہار

بہار۔ لالہ ٹیک چند کھتری دہلوی۔ خوشگو اور سراج الدین علی خانِ آرزو کے دوست صادق۔ صاحبِ استعداد و سخن فہم۔ وقت پسند۔ نظم و نثر فارسی کے اُستادِ کامل اور جملہ محاوراتِ فارسی و علم اللغت پر قادر و ماہر تھے۔ چنانچہ خانِ آرزو نے جو کتاب سراج اللغات لکھی ہے اُس میں اکثر اس بحرِ فنون شعر و زبان سے مشورہ کیا ہے۔ نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج بزرگ تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ پایا تھا۔ چنانچہ نادر شاہی یورش کے زمانہ میں موجود تھے اور کسبِ کمال و تحقیق کا ذوق اس درجے بڑھا ہوا تھا کہ قتل و دار و گیر کے وقت میں بھی قزلباش سپاہیوں سے فارسی لغات محاورات کی تحقیق کرتے پھرتے تھے۔ اللہ اللہ ایک وہ سچے قوم اور ملک کی خدمت کرنے والے تھے اور ایک اس زمانہ کے اہلِ علم میں کہ باوجود ہر قسم کے اسباب و اطمینان کے اپنی مادری زبان کی درستی اور تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بہر حال حضرتِ بہار کی تعریف فرطِ شہرت سے زیادہ محتاجِ بیان نہیں اپنے زمانہ کے عالم متبحر اُستاد و مسلّم الثبوت تھے۔ آپ نے فارسی میں وہ ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ادیب و زباں داں باادب نام لیتے تھے۔ بہارِ عجم جو ایک مبسوط اور مشہور لُغت کی کتاب ہے آپ ہی کی محنت و قابلیت کا نمونہ ہے۔ رسالۂ ابطال الضرورت بھی انکی تصنیف ہے فارسی کے علاوہ کبھی کبھی ریختہ گوئی کی طرف عنانِ توجہ پھر جاتی تھی۔ ایک قدیم قلمی نسخے میں جسکی تحریر کا زمانہ ۱۲۰۶ھ ہجری ہے چند اشعار ریختہ نظر سے گذرے۔ اُنکی زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اب متروک ہیں تاہم بطورِ اُس زمانے کی زبان کے نمونے کے کچھ شعر تبرکاً و تیمناً درج کئے جاتے ہیں۔ کہ ایسے قادر الکلام مشاہیرِ روزگار کے ذکر و کلام سے تذکروں کی رونق و زینت متصور ہے۔ آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں دہلی میں انتقال کیا۔

سبھی کرتے ہیں دکھوں کی قسمت سے تو دیکھینگے	صفِ محشر میں کسکے ہاتھ دامن ہوگا قاتل کا

تماشا دیکھنے آتے ہیں وہ میرے تڑپنے کا — فرشتوں اور تھوڑی دیر دم بسمل میں رہنے دو
نگاہ سے تو نگاہ سے عیب میرے دل کے داغ نہیں — حبیب ہی جانوں نہ وہ ہے بھی سہ کامل میں رہنے دو
جنازہ کو ہٹے جاناں سے نہ آگے لیچلو یارو — تھکا ماندہ مسافر ہوں اسی منزل میں رہنے دو
ایک میں ہوں سر بازار ذلیل و رسوا — ایک وہ ہیں جنہیں گھر بیٹھے حیا آتی ہے

بہار

بہار۔ منشی سید علی قادری باشندۂ مدراس۔ اکثر حیدرآباد دکن میں قیام رہتا ہے کچھ عرصہ جناب شریف مدراسی سے اصلاح لیتے رہے پھر حضرت امیر مینائی کے خوشہ چینوں میں داخل ہوئے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

اسرار حسن و عشق ازل ہیں جگہ جگہ — راز و نیاز بلبل و گل ہر چمن میں ہے
یاد مژہ کی پھانس ہے دل میں گڑی ہوئی — یہ چور بھی نیا مرے زخم کہن میں ہے
وہ کیا درد دل کا مداوا کریں گے — مسیحا ہمیں خاک اچھا کریں گے

بہار

بہار۔ جناب نواب سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب لکھنوی آپ کو حضرت فصاحت سے تلمذ حاصل ہے کلام سے خوش فکر ہونا ثابت ہے۔

کیوں کسی محفل میں ذکر جلوۂ جاناں کریں — آپ بھی حیران ہوں اوروں کو بھی حیراں کریں
ساری دقت تو یہی ہے مجھ سے غافل ہیں حضور — مشکلیں پھر مشکلیں کیوں ہوں جو آپ آساں کریں
کچھ نہ کچھ دل ہی بہل جاتا ہے آؤ یا نہ آؤ — روز تم وعدہ کرو اور روز ہم ساماں کریں
قابل عبرت ہے اس گھر کی تباہی ہائے ہائے — ہائے جسکے رہنے والے خود اسے ویراں کریں

بہجت

بہجت۔ منشی عبد المجید۔ شیخ قلندر بخش جرأت کے زمانہ میں طالب العلم تھے اور مولوی بسمل سے علوم رسمیہ کے درس لیا کرتے تھے۔ یہ چند شعر اُنکے ہیں۔

خورشید ہے شرمندہ ترے منہ سے قمر بھی — ہے مشک بھی گیسو سے خجل سنبل تر بھی
تنہا نہ دہن نقطۂ موہوم ہے تیرا — جوں خط خیالی ہے میاں تیری کمر بھی

بہجت

بہجت۔ منشی خیر اللہ پنجابی مقیم بریلی۔ غلام علی عشرت کے شاگرد اور بڑے ظریف مزاج

بہار

بہار۔ سوامی پرمانند سرستی۔ سیالکوٹی ۱۲ ۱۳۰۳ ہجری کے گلدستۂ شعرا لکھنؤ میں ان کی غزل چھپی ہوئی دیکھی اُسکے کچھ اشعار درجِ ذیل کئے جاتے ہیں زیادہ معلوم نہیں ہوا۔ کلام دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت میں جولانی اور رسائی تھی آپ بہار اور عاشق دونو تخلص کرتے تھے۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

میں ناچیز اسطرح کا ہوں برنگِ کاہ اُڑتا ہوں ‫ مرے اس درد کے درماں سے دلمیں موت عاری ہے
میں بہلاتا ہوں ہر اک کھیل سے اپنی طبیعت کو ‫ نہیں لگتا ہے لیکن دل یہ کیسی بیقراری ہے
چلے جائینگے کوچے سے خفا کیوں ہوتے ہو صاحب ‫ ہمیں کیا عذر ہے اسمیں اگر مرضی تمہاری ہے
لگاتا ہے تو کیوں جرّاح مرہم میرے زخموں پر ‫ اسے یہ داغ کوئی دن برائے یادگاری ہے

بہار

بہار۔ حاجی مرزا علی مرثیہ گو مخاطب بہ گلشن الدولہ خلفِ حاجی علی بیگ لکھنوی رشک مرحوم کے شاگرد اور واجد علیشاہ کے مقربوں میں تھے۔ مٹیا برج کلکتہ میں رہتے تھے۔ فنِ سخن میں بھی حضرتِ سلطان عالم کے خوانِ نعمت سے بہرہ ور تھے۔ کربلا کی بھی زیارت کر آئے تھے۔ غالباً کلکتے ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی چند غزلیں ہم پہونچیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

نہ ادا کو نہ ترے ناز کو بیجا جانا ‫ جو بُرائی نظر آئی اُسے اچھا جانا
دل ہے آب آب گناہوں پہ خدا خیر کرے ‫ یہ بھی بھیگے ہوئے دامن کو بھگو جائیگا
کعبہ و بتخانہ اہلِ معرفت کو ایک ہے ‫ دو طرف اُٹھے پر کھچا نقشہ عبادت گاہ کا
رفتہ رفتہ روح دُنیا کے مزے میں پڑ گئی ‫ دیکھئے کب راہ پر آتا ہے بھولا راہ کا
ناتوانوں سے دبے سرکش تو تیرے زور سے ‫ توڑ کر نکلا پہاڑوں کو ذخیرہ کاہ کا
اُٹھو گلے سے لپٹ جاؤ پھر نکھر لینا ‫ تمام رات پڑی ہے بناؤ کر لینا
روکوں حضور کو میں یا تھام لوں کلیجہ ‫ پہلو سے آپ اُٹھے اک درد اٹھا جگر میں
حسینوں کی محبت اپنے آب و گل میں رہنے دو ‫ ہزاروں نیتیں لاکھوں مرادیں دلمیں رہنے دو
تمہیں بھی دردِ دل کا ذائقہ معلوم ہو جائے ‫ اگر دم بھر ہمارے دل کو اپنے دلمیں رہنے دو

حق کہا منصور نے تو بھی چڑھایا دار پر
اس لئے رہتے ہیں ہر دم واقفِ اسرار چپ

حشر برپا ہوا خرام نکر
ڈر خدا سے تو قتل عام نکر

یہ ستارے نہیں روشن ہیں ہزاروں بہت
دید کو اسکے فلک نے ہیں بنائیں آنکھیں

بندے ہیں بت کے پیر مغان کے مرید ہیں
مذہب ہمارا عشق ہے اور کچھ خبر نہیں

غضب میں ہوں میں اس سے دل دیکے اب کس کسکو دوں الزام
نگہ کو ناز کو ابرو کو لب کو رخ کو مژگاں کو

ہوا ہوں اب تو میں عاشق بتوں کا چھوڑ کر بہجت
پیمبر کو خدا کو دین کو ایماں کو قرآں کو

تلاشِ دل میں جاتا ہے یہ اے چشم
نہ روک اس قاصدِ اشکِ رواں کو

بیٹھے ہیں اس در پہ تونکے ہم اور دلِ دیوانے دو
کوئی خدا لگتی نہیں کہتا انکو اندر آنے دو

ہے مجازی عشق میں جان و دل و دیں کا خطر
بہت ایسی راہ چل جسمیں خطر کوئی نہو

اک گھٹا دل پہ چھا گئی غم کی
تیری بدلی ہوئی نظر کو دیکھ

بہرام

بہرام۔ نواب خسرو قدر بہادر بہرام شاگرد میرزا یوسف علی ماہر۔ خاندان نواب ناظم مرشدآباد سے ہیں۔ اور کبھی کبھی اسطرح فکر سخن کرتے ہیں۔

بے محل بیہودہ بکنے سے ہوا خالی دماغ
کسلئے ہوجائے واعظ کا نہ دیوانہ مزاج

قیس کو کچھ بھی نہ تھی اپنے سروپا کی خبر
عشق نے ایسا بنا رکھا تھا دیوانہ مزاج

بیان

بیان۔ خواجہ احسن اللہ۔ انکا اصل وطن کشمیر تھا۔ مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کے کہلائے۔ حسن صورت و سیرت دونوں سے کافی بہرہ پایا تھا فن سخن میں مرزا مظہر جانجاناںؒ کے شاگرد اور مسلکِ طریقت میں مولانا فخرالدینؒ سے بیعت تھے سنہ ۱۸۰۰ء میں سرکار نواب نظام علیخاں نظام الملک والی حیدرآباد دکن کے ملازم تھے۔ اور بڑے اعزاز سے رہتے تھے اصولِ فن شاعری سے باخبر اور بڑے خوش کلام۔ تیز طبع۔ مشاق سخن سنج و سخن ور تھے کلام میں نمکینی و رنگینی غضب کی ہے۔ تمام کلام میں دور از قیاس استعارات اور پیچیدہ بندشوں سے کام نہیں لیا۔ جو کچھ کہا ہے صاف ستھری زبان میں کہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ سادگی میں

زندہ دل نوجوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ شوق کے وقت نوجوان تھے۔ پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ انکی حرکات دیکھکر لوگوں کو بیساختہ ہنسی آتی تھی۔

ہر دم جو تجکو کہتا ہے چل کوئے یار کو		ناصح یہ کیا ہوا ہے دلِ بیقرار کو	
جڑاؤ کان میں ہر چند ہر مہوش کے بالا ہے		ترے بالیکا پڑے مہروش عالم پڑا ہے	

بہجت منشی نتھن لال ولد لالہ کشن چند قوم کالستھ متوطن قدیم بھوپال بھادوں بدی سمت ۱۸۷۶ میں بمقام سرونج ضلع مالوہ پیدا ہوئے مگر تعلیم اور تربیت ٹونک میں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد نواب عبد الکریم خان مرحوم خلف نواب میر خاں بہادر کی سرکار میں ملازم ہوکر اجمیر آئے اور ۳۰ برس تک بکمال دیانت و دلدہی و راستبازی اُنکا کام کرتے رہے ۱۸۸۶ء میں اپنے آقا کے انتقال کے بعد پنشن یاب ہوکر متولی درگاہ خواجہ معین الدین چشتی کے دفتر میں ملازم ہوگئے۔ بڑے حلیم الطبع پابند مذہب دیانتدار اور کارگذار شخص تھے۔ شعر گوئی میں اصلاح کسی سے نہیں لی۔ ذاتی استعداد اور موزونی ہی مصلح ہوجاتی تھی مندرجہ ذیل کتب اُنکی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ انشار فارسی۔ دیوانِ فارسی۔ دیوانِ اُردو۔ قصاید اُردو فارسی۔ سنگیت مال منظوم جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ کاتک بدی سمت ۱۹۵۹ کو بعمر ۸۰ سال جودہ پور میں انتقال کیا آپکے بیٹے لالہ دیبی پرشاد ریاستِ جودہ پور میں منصف ہیں اشعارِ ذیل آپکی فکر رسا کا نتیجہ ہیں ملاحظہ ہوں۔

ستمگروں کی گلی میں گیا سو پھر نہ پھرا	عدم کو جو کہ روانہ ہوا سو پھر نہ پھرا
چلدیا ہوش و حواس اور طاقت و صبر و قرار	ساتھ دل کے کیا کہوں اک قافلہ جاتا رہا
طفیلِ اہلِ انگلش ہند میں پیدا ہوئی ہر صلح	خدا جانے تجھے کیوں قصد ہے مجھسے لڑائی کا
زیرِ فلک جو شب کو اک ابر سا اٹھا تھا	دودِ سیاہ یارو اپنی ہی آہ کا تھا
برقِ نظر سے تیرے کوچے میں حشر سا تھا	کوئی تو مرگیا تھا کوئی تڑپ رہا تھا

یار آتا نظر نہیں آتا		غم یہ جاتا نظر نہیں آتا	
کوئی دشتِ جنوں کی سیر سے بعد		خاک اڑاتا نظر نہیں آتا	

تقلید کریاں کی رویا بھی تو تو پھر کیا
پر لحنت دل عشرا میں کیونکر پڑ سکیگا

سیرت سے کیے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا
سُرخ و سفید مائی کی صورت ہوئی تو لیا

نکلا ہے لالہ خاک کے نیچے سے سُرخ سُرخ
رنگیں ہوا شہید ونکے خوں میں نہا نہا

عالم کو لعل و گوہر و تاج دلوا دیا
اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

اُسکا ادا سے شکریاں کیونکہ کر سکوں
جس نے اُٹھا کے خاک سے انسان کر دیا

کب تلک اُسکی شکایت ہو نہ سب سے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھسے اور سب سے آشنا

غیر کے کہنے پہ ست بیگانہ ہو یکبار گی
دیکھ تو اے شوخ میں تیرا ہوں کب کا آشنا

کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے
پہونچا ہے مگر دل تجھے پیغام کسیکا

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق میں مجھکو
اُنہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

دیکھا تھا اپنے یار کو پہلو میں غیر کے
یہ طرفہ ترزا ہے کہ خنجر بھی پاس تھا

انوکھا سنگدل تو ہی نہیں ہے
ہمارا دل بھی پتھر سا کبھی تھا

گل کی حسرت سے مرے دلمیں سدا خار رہا
عمر بھر میں تو قفس ہی میں گرفتار رہا

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا

مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب
اے یار مجھ سے یاری جواب نہیں تو پھر کب

برسے ہے ابر رحمت ساقی کدھر ہے مینا
ہنگام بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب

جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطف زندگانی
آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب

دل تھا کہ گھر ہمارا گم اے بیاں ہوا ہے
ہو مجکو بیقراری جواب نہیں تو پھر کب

یار نے جیسے اُٹھایا اپنے چہرہ سے نقاب
طعن کرنے سے مرے آتا ہے ناصح کو حجاب

یہ حساب دوستان در دل مثل مشہور ہے
پر عجب ہیں دوست جو دلمیں بھی کرتے ہیں حساب

خان وہاں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن یہاں
اب یہی در ہے یہی گھر خانۂ الفت خراب

کل تو آویگا ہی آخر غرۂ ماہ صیام
آج تو پی لیجئے من مانتی ساقی شراب

بھی وہ آن بان نکالی ہے کہ کیا کہئے حق تو یہ ہے کہ سیدھی سادھی زبان میں مضامین کا پایا کا گر نے نہ پانا خالی از کمال نہیں ہو سکتا۔ بعض بعض جگہہ تو ان کے کلام میں میر اور درد کے کلام کا رنگ دکھائی دے جاتا ہے گو انکے کلام کی شہرت کما حقہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ اردو زبان کے پودے کو سینچنے والے ضرور اسکی داد دینگے۔ رباعیات میں خصوصیت کے ساتھ ایک انداز دلکشی پیدا کیا ہے۔ قصیدے بھی لکھے ہیں اور گو صرف دو ہی لکھے ہیں۔ لیکن دکھا دیا ہے کہ اس میدان میں بھی بیآن کا توسن فکر ساجیسی چاہیے جولانی دکھا سکتا ہے۔ آخرش بڑی عمر پاکر حیدر آباد دکن میں وفات پائی۔ انکے شاگرد لالے گلاب چند ہمدم نے تاریخ کہی ہے۔ استاد از جہاں رفت ۱۲۱۳ھ - معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ اخلاقی مضامین بھی عجیب نفاست سے نظم کئے ہیں - ان کا قلمی دیوان راقم کے کتب خانے میں موجود ہے اور اسکا انتخاب یہاں پیشکش کیا جاتا ہے۔

قفس میں ہر رہائی کیلئے کیا کیا نہیں کرتا
ہمدم نہ فکر کر یہ میرا کام ہو چکا
آتا ہے ننگ تجکو مرے نام سے عبث
کیا کیجے بیاں اُسکے وجوب اور قدم کا
بندے سے ثنا حضرتِ اُستاد[۱] کی کیا ہو
مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح

تڑپتا ہوں پھڑکتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا
جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا
اے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہو چکا
طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا
مظہر ہے خداوند کی وہ شان تم کا
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

گو کہ خسرو نے سو بنائے قصر
کیا غبار اُسکے دل میں تھا کہ بیاں

دلمیں شیریں کے ایک گھر نہ کیا
خاک پر بھی مری گذر نہ کیا

سب کچھ بیان سے تب ہم جانیں ہو سکیگا
جس دل کو فرش گل پر آرام تھا نہ اک دم

جب ہاتھ کو وہ اپنے دنیا سے دھو سکیگا
بستر پہ خار و خس کے وہ کیونکہ سو سکیگا

[۱] مراد ہے حضرت جانجاناں مظہر سے۔

ہوئی آہ اب اسقدر نارسا ــ کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک
نپٹ یہ بیاں کا برا حال ہے ــ تغافل ارے بےخبر کب تلک
یہی دن ہے ملتا ہے تو اُس سے مل ــ کہ جینا نہیں آج کی شب تلک

ادب سے یار کے دلمیں نفس خوں ہوگیا میرا ــ یہ بلبل ناتواں آخر قفس ہی میں ہُوا بسمل
تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو ــ ڈرا جاتا ہے کیوں اتنا گلا اک تو پہلا بسمل
نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے ــ بیاں کس منہ سے مانگے اُس سے اپنا خونبہا بسمل

گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں ــ دل یہ میرا کچھ اختیار نہیں
وہ نگاہیں جگر میں پیر گئیں ــ کونسا وار ہے کہ پار نہیں
وقت آنے کا اپنے تو مت پوچھ ــ مجکو کس آن انتظار نہیں
جھانک تک باغ دلمیں لے نہ بیاں ــ اس چمن میں بھی کم بہار نہیں

چراغ صبح ہوں یا آفتاب وقت آخر ہوں ــ کوئی ساعت کا مہماں ہوں کوئی دم کا مسافر ہوں
ہوس اسباب آزادی کی سب برباد کرتی ہے ــ گرفتار علایق ای ہوا میں تیری خاطر ہوں
اگر میری خبر پوچھیں بیاں حضرت آصف ــ کہیو اوسی کوچے میں بدستور پڑا ہوں
کافر ہوں اس سے زیادہ گر کوئی آرزو ہو ــ اک نئے خلل سی جا ہو وہاں مری جاں ہو تو ہو
ہمیشہ کہتے ہو مجھ سے کہ بیوفا تم ہو ــ خدا ہی جانے پرائے جانئیں ہوں یا تم ہو
ہرچند کہ گل بہتر گلزار بہت تحفہ ــ دل اسکے اگر اپنا تو خار بہت تحفہ

جا کہو کوئے یار میں کوئی ــ مر گیا انتظار میں کوئی
وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا ــ سر رکھے اس کنار میں کوئی
کون کہتا ہے بیوفا تجھکو ــ جھوٹ ہے افترا ہے تہمت ہے

رخصت ہے عقل و ہوش کو چاہے جہاں رہے ــ اے ساکنانِ کوئے بتاں ہم تو یاں رہے
کیا دیکھتی ہو دلکو مرے تم اولٹ پلٹ ــ آیا ہے گر پسند تو اے مہرباں رہے

اپنی مخموری سے اے واعظ نصیحت کیا مجھے
تو تو ساقی جام ترسا کر پلاتا تھا مجھے

کیا اُمنگیں دلمیں آتی ہیں بیاں میں کیا کہوں
پوچھتا کون ہے ڈرتا ہے تو اے یار عبث

تو بزم سے اُٹھا کہ ہوئی تلخ مے کشی
خم جسکے پاس ہے وہ فلاطو سے کم نہیں

کہتا نہیں میں عرش پہ اے نالے جا پہنچ
مشتِ غبار کو مرے واں ہو وے کیا پہونچ

کہاں یہ ہاتھ مرا اور کہاں وہ دامنِ پاک
وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھا

عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آسکتی نہیں
اے مسیحا مجکو تو زندہ نکر

جز خدا آشنا نہیں کوئی
ہم سرگذشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خار

از بس میں نہیں زباں پہ اپنی قادر
صاف مُنہ پر میں نہیں کہتا کہ ہوگا اُسکے پاس

جو نہو اُس شمع رو کے عشق کا سینے میں داغ
آتا ہے جی کو دیکھ کے جوشِ بہار حیف

یاں تنگ ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
میں لسکہ خاک میں ترے کوچے کی ملگیا

ہو دیگا ذوق حسرت دیدار میں خلل

واقعی ہے آج سمجھا بد ہے انجام شراب
یار کی آنکھوں نے مجبور کر دیا یکبار مست

جب نظر پڑتا ہے تنہا مجکو وہ میخوار مست
قتل کرنیمیں مرے ہے تجھے انکار عبث

میں سچ کہوں شراب کو سمجھا حرام آج
جمشید ہے وہ جسکو میسر ہے جام آج

کانوں تلک تو اُسکے تو اے نارسا پہنچ
جسکی گلی میں رکھتی نہو اے صبا پہونچ

تمہارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ
قلم کے بن کو لگے آگ اور جلے کاغذ

رحم آتا ہے بیان اب مجھکو اپنی مستی پر
اُن لبوں کے مُنہ سے منشدہ نکر

کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دور
پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

اکثر ہوئی ہیں دل کی باتیں ظاہر
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہی میرا جسکے پاس

کون مجھ بیکس کی تربت پر کرے روشن چراغ
اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف

نکلے ہے اُسکے مُنہ سے کبھی بے اختیار حیف
نشتر بھی تیرے دل میں ہے مجھسے غبار حیف

شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

سو برس میں نہ نکلے دل کی خلش
اور نکلے تو آن میں نکلے

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے
لیکن اُسکا نباہ مشکل ہے

ترک مشکل نباہ مشکل ہے
سخت کافر یہ چاہ مشکل ہے

جو گل کی قفس میں خبر جائے گی
تو کیا سُن کے بلبل نہ مرجائے گی

قطعہ

بیاں کا یہ پیغام لے جائیو
صبا اُسکے کوچے میں گر جائے گی

جو ہم بن تمہاری گذرتی ہے خوش
ہماری بھی تم بن گذر جائے گی

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ
دل میں اُس شوخ کے تو راہ نہ کی

آفریں صبر کو بیاں تیرے
مر گیا ضبط سے پر آہ نہ کی

بُت خود کام چلا جاتا ہے
صبر و آرام چلا جاتا ہے

عمل نیک سدا رہتا ہے
جم نہیں جام چلا جاتا ہے

ہے کدھر قیس کدھر ہے فرہاد
عشق سے نام چلا جاتا ہے

عشق میں صبر کی دولت سے بیاں
بارے کچھ کام چلا جاتا ہے

مجھے غم سے اسواسطے پیار ہے
کہ میرے بُرے وقت کا یار ہے

مری ناؤ پہونچی ہے آ منجھدار
تری اک توجہ سے بس پار ہے

ہزاروں قصر جنت کی برابر میں سمجھتا ہوں
اگر گردوں دُوں آسودہ زیر خاک رہنے دے

فرشتونکی عبادت کا مصلیٰ ہے مرا دامن
اگر آسودگی دنیا کی اسکو پاک رہنے دے

جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کر لے
آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کر لے

اپنے نہ دامن میں گہر چاہیے
اشک کے قطروں میں اثر چاہیے

پائے طلب کھینچ کے بیٹھوں کہاں
خانہ نشینی کو بھی گھر چاہیے

دام میں جو شخص کے اپنے پھنسے
اوسکی کبھو لینی خبر چاہیے

دل ہے تجھے جیسا کہ خدا نے دیا
مجکو بھی ویسا ہی جگر چاہیے

فرہاد و قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت — اب کونسی جگہ ہے کہ جسمیں بیاں رہے

بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو — تغافل کے قرباں تجاہل کے صدقے

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی — جسطرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاں — نومید بھی نہو کہ خدا کارساز ہے

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی — ظالم یہ تیری نگاہ کیا تھی

کیدہر ہے کہاں ہے خوشدلی تو — ہم سے بھی کبھی تو آشنا تھی

قطعہ

شیریں بھی تجھی سے تھی ستمگر — لیلی بھی اگرچہ بیوفا تھی

فرہاد پہ اس قدر نہ تھا ظلم — مجنوں پہ نہ یہ غضب جفا تھی

مارا ہے بیاں کو جس نے اے شوخ — کیا جانئے کونسی ادا تھی

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھ دراز ہے — آنکھیں جو کھل گئیں تو درِ صبح باز ہے

رسوا نکر خدا سے ڈر اے چشم تر مجھے — آتا ہے اُس کی بزم میں بارِ دگر مجھے

خدا کرے کہ خفا ہو کے جی نکل جاوے — کہیں شتاب یہ قصہ چکے خلل جاوے

میں وہ نہیں کہ ترا جا بجا کروں شکوہ — ترے فراق میں گو جی مرا نکل جاوے

ساقی تری نگاہ کے صدقے میں ایکبار — دونوں جہاں کی فکر سے کر بیخبر مجھے

آیا ہوں اُس گلی سے ابھی دم لیا نہیں — پھر لیچلا ہے یہ دلِ وحشی اُدہر مجھے

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھسے ہمنشیں — شام سے لیکے صبح تک وہ ہیں نہیں نہیں رہی

بھر عمر ہمنے ضبط کیا ایک وقتِ نزع — بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

تھا حکمِ شرعِ عشق کہ ہرگز نہ رو بیاں — گو ضبطِ گریہ سے نہ ترے جی کو کل پڑے

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے — یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات جاتی ہے

الجھہ دیکھو دامن سے اُسکے بھی ہاتھو — یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہووے

بوسے کے نام ہی پہ لگے کاٹنے زباں — کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھ گئی

شایع نہیں ہوا ہے تاہم اکثر غزلیں زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ ساٹھ سال کے قریب عمر پاکر سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام میرٹھ انتقال کیا۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

سارے جہاں کے دل میں ترا مقام نکلا ۔ تو مجھ سے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا
ہر ایک شے میں پنہاں تیرا مقام نکلا ۔ توڑا جو بتکدہ کو بیت الحرام نکلا
انکا منجملۂ ارباب وفا ہو جانا ۔ میرے نزدیک ہے بندے کا خدا ہو جانا
سرِ شوریدہ پائے دشت پیما شامِ ہجراں تھا ۔ کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا
گئے تھے روندنے دلکو لئے بیٹھے ہیں تلووں کو ۔ فرو رگ رگ میں نشتر تھی نہاں نس نس میں پیکاں تھا
کھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے ۔ کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

یہ ہے شام فرقت یہ ہے شام فرقت ۔ نہ ہوگی نہ ہوگی سحر دیکھ لینا
وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اپنا تعلق ۔ ادھر دیکھنا پھر ادھر دیکھ لینا
مگر ذبح میں صیدِ بے بال و پر ہوں ۔ اوڑے گی نہ اصلا خبر دیکھ لینا
جو سو ہچکیاں لیکے آئی ہے لب تک ۔ اُسی آہ کا تم اثر دیکھ لینا

تو ہی اے تیشۂ فرہاد بتا دے کوئی چال ۔ ان بتوں کے دلِ سنگیں میں ہوں راہیں کیونکر
شمع کہتی ہے مرے سر سے دھواں اُٹھتا ہے ۔ تو نے روکیں دلِ پر سوز میں آہیں کیونکر
ہماری نعش کا احساں رہیگا محشر پر ۔ کہ منحصر ہے قیامت کسی کی ٹھوکر پر

کبھی رُکا ہے اگر دستِ نازنین اسکا ۔ تڑپ کے ہمنے گلا رکھدیا ہے خنجر پر
اُسے قرار نہیں اور مجھے قرار نہیں ۔ مرے قدم کے تلے آگ شمع کے سر پر
مجھے بھی نقدِ آمرزش کی محشر میں ضرورت ہے ۔ شہنشاہا کمی کیا ہے تری سرکار رحمت میں
جہاں پُر شور ہے اے دل پڑا رہ کنجِ عزلت میں ۔ کہیں مارا نجائے جنگِ ہفتاد و دو ملت میں
تعصب سینہ سوزِ شیخ ہے پانی چھڑک ساقی ۔ بھڑکا جاتا ہے زہدِ خشکِ مذہب کی حرارت میں
کلیسا میں محبت کی ادا بن گئی تو بُ ۔ حرم میں پہونچکر خدا بن گئی تو

بس ہے بیان حسرتِ دیدار اور | کیا تجھے اب خاک بسر جا ہیے

بیان

بیان - سیاح ملک ہیمہ دانی سید محمد مرتضیٰ بیان یزدانی شاگرد رشید سید احمد حسن فوقانی میرٹھ کے نامور اور قابل شعرا میں تھے۔ استعداد علمی بہت معقول اور فن سخن میں دستگاہ کامل حاصل تھی مزاج بہت آزاد اور بے باکانہ پایا تھا نظم و نثر پر قادر تھے بیدہ فیاض سے شعر گوئی اور سخن فہمی کا نہایت شستہ اور صحیح مذاق آپ کو ملا تھا۔ فارسی کلام سے نہایت ذوق تھا اور اسمیں نہایت قابلیت کے ساتھ داد سخنوری دی ہے۔ جملہ اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ ایک عجیب کمال ان کی قادر اور ہمہ گیر طبیعت میں یہ تھا کہ جس رنگ میں چاہتے فکر سخن کرتے اور پھر یہ نہیں کہ صرف قافیہ پیمائی ہو بلکہ فی الحقیقت اُس رنگ میں اپنی زور طبیعت سے وہ وہ اختراعیں کرتے کہ سننے والے حیران رہجاتے۔ مثلاً ان کے بعض شعر مرزا غالب کے رنگ میں ایسے لاجواب ہوتے تھے کہ اجنبی کو مرزا غالب کے کلام کا دھوکہ ہوجاتا تھا۔ الغرض یہ جوہر کامل گوشۂ خمول میں رہکر جس شہرت کا مستحق تھا اُسے حاصل نہ کرسکا ایک عرصے سے کچھ دماغی عوارض میں مبتلا تھے۔ وہ عارضہ بظاہر وہم سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ روشنی میں بلاوجہ بدرجہ غایت اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ سالہا سال اس وہم میں حجرے سے باہر نہ نکلے اور آخر عمر تک اسکا اثر باقی رہا۔ اسی طرح بغیر میانہ کے پاپیادہ گھر سے کبھی باہر نہ جاتے تھے۔ عرصہ دراز تک طوطیٔ ہند کے اڈیٹر رہے اسکے علاوہ جلوۂ طور وغیرہ اخباروں میں مدتوں اپنے نادر مضامین سے ارباب مذاق کیخدمت کرتے رہے۔ آپ کے مضامین نہایت وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ باوجود امراض اسکے ہمت و خیال پر ہزار آفریں ہے۔ کہ کسی وقت قلم ہاتھ سے نہ چھوٹا طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی آخر میں لسان الملک نامی ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا جس میں اکثر انکا اور انکے شاگردوں کا کلام چھپتا تھا اور کچھ نثر بھی ہوتی تھی۔ مولانا حالی کے مسدس کے جواب میں آپ نے بھی ایک مسدس لکھا تھا جو چھپ چکا ہے۔ اردو میں صاحب دیوان تھے مگر ہنوز

ازل سے اکتساب اندوزِ استادِ ازل ہو نہیں — بیان تائیدِ سبحاں ہو تو کیا سحبانِ وائل ہے
سیہ روزی سے میری چرخ اسیرِ بندِ مشکل ہے — کہ طشتِ خور میں کافورِ سحر کی پاس فلفل ہے
حجابِ قالبِ خاکی ہے جبتک دید مشکل ہے — مکانِ عاشق و معشوق میں دیوار حائل ہے
مزہ بھرتا ہے ہونٹوں پہ تلاشِ خونِ بسمل ہے — زباں بگڑی ہوئی ہے کیا چھُری تیغِ قاتل ہے
چلی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربارِ قاتل ہے — کسیکا سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے
تڑپ جاتے ہیں اُنکے خالِ رخ کو دیکھنے والے — نکر دے نیم بسمل کیوں کہ تل بھی نیم قاتل ہے
نگاہِ یاس کی چھریوں سنے نے چھوڑا قصاص اپنا — جو قاتل تھا وہ بسمل ہے جو بسمل تھا وہ قاتل ہے
مری صورت ہے خود صورت سوالِ دید جاناں کی — ہیں کچکولِ گدا آنکھیں تو مژگاں دستِ سائل ہے
ستارے صورتِ پروانہ کسکے گرد پھرتے ہیں — الٰہی کونِ فانوسِ فلک میں شمعِ محفل ہے
میرا دل اے بیاں مجنوں ہے اُس لیلی شمائل کا — غبارِ عالمِ ایجاد جسکی گردِ محمل ہے
قیامت آگئی قاتل تراشتہ نکلتا ہے — غریقِ آبِ خنجر برلبِ ساحل نکلتا ہے
خدا ملتا نہیں ہرگز خودی مٹتی نہیں جبتک — یہ پردہ عاشق و معشوق میں حائل نکلتا ہے
ازل سے جوہر آسا دل غریقِ آبِ خنجر ہے — ہزاراں صورتِ ماہی مرا گھائل نکلتا ہے
بیاں کہدو قیامت سے اوٹھا لیجائے حشر اپنا — ہزاروں حسرتیں لے کر ہمارا دل نکلتا ہے
گھبرا کے جہاں سے یہ ستم کش ترے گھر جائے — اور در ہو ترا بند تو بتلا کہ کدھر جائے
رشک آئے ہے غمخوار مرا حال نہ کہنا — میں جا نسکوں واں تلک اور میری خبر جائے

بیباک

بیباک۔ حکیم میر نجف علی۔ وطن ملک عرب اور مولد کوئل (علیگڈھ) تھا کچھ عرصہ دہلی میں رہے اور حضرت مصحفی کے تلمذ سے فیضیاب ہوئے۔ طب میں اچھی دستگاہ تھی یہ ان کے اشعار ہیں۔

ہم کو لیل و نہار نے مارا — گردشِ روزگار نے مارا
ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے — روز کے انتظار نے مارا

یہ پردے کی ہے بات سُنلے نہ کوئی
کہ پردے میں کیا جانے کیا بن گئی تو

لگائی ہے لو جس سے اُجڑے ہوؤں نے
اندھیرے گھروں کا دیا بن گئی تو

ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے
ہر اک درد و دکھ کی دوا بن گئی تو

بیان کے سوا تو نے سب سے نباہی
یہیں آکے بے وفا بن گئی تو

سمائی ہے آنکھوں میں یکتائی اوسکی
وہ احول ہیں جن کو دوئی سوجھتی ہے

تہمتِ قتل مٹائے سے نہیں جانے کی
خونِ ناحق مرا سُرخی ہے ہر افسانے کی

اب بجھے کھو کے نہ رو رو کہ اگر روئیگی شمع
جان پڑ جائیگی کیا راکھ میں پروانے کی

اثرِ سوزشِ تاثیرِ محبت مت پوچھ
ہو گئی شمع ستی آگ میں پروانے کی

جلوے سے ڈال دیا چشمِ تماشہ پہ نقاب
یہ نئی وضع ہے ظالم ترے شرمانے کی

جیت کیا جانے دمِ ذبح کدھر کی ہوتی
نگہِ یاس سے گر تیغِ نظر کی ہوتی

اے فلک گردشِ ایام کا کیا رونا تھا
وصل کی رات اگر چار پہر کی ہوتی

جگاتی ہے چھینٹوں سے تو غافلوں کو
رگوں میں لہو بنکے تو دوڑتی ہے

اُٹھاتی ہے شوخی سے تو کاہلوں کو
ترے ساتھ ساتھ آرزو دوڑتی ہے

ادا دانِ فسوں کاری خمارِ چشمِ قاتل ہے
زنخداں مکتبِ تعلیمِ سحر چاہِ بابل ہے

شہادت منزلِ مقصود ہے ملاحِ قاتل ہے
یمِ مواجِ بیتابی دمِ شمشیر ساحل ہے

تگ و تازِ سمندِ جسمِ ناتوانِ قاتل ہے
اُتر لے اے سرِ شوریدہ اب نزدیک منزل ہے

فسادانگیزِ جسم و جاں ہوا ہے دشتِ الفت کی
جنونِ قیسِ بیاباں گرد کو فرہاد کو سل ہے

اگر پہونچے تو پہونچے گیسوؤں کا سلسلہ ہم تک
ازل سے پیش پا افتادہ مضمونِ سلاسل ہے

نگاہِ یاس نے کیا تاک کر چھریاں لگائی ہیں
لہو میں لوٹتی ہے تیغِ خنجر نیم بسمل ہے

جلی ارض و سما پر آتشیں تیغِ دو دم کس کی
کہ سینہ ماہ کا زخمی گلو ماہی کا گھائل ہے

غمِ الفت گلو گیرِ نفس ہے پھیر دو خنجر
تمہیں آسان ہے مشکل ہمیں آسان مشکل ہے

دعویٔ خوں کہاں انکا اپنی تو یہ دُعا ہے
رویاں بھی ہو نہ میلا قاتل کی آستیں کا
لو مری جانِ حزیں جاتی رہی
ہوگیا جو کچھ تمہیں منظور تھا
ناتواں قیس نازنیں لیلیٰ
کون پردہ اُٹھائے محمل کا
موت آئی نہ مجکو ہجر کی شب
درد اُٹھا مگر دوا نہوا

جواب حشر میں ہو شانِ کبریائی کا
خدا کے سامنے دعویٰ کرو خدائی کا
ایک کو ایک کے جلوے سے ہوئی ہے حیرت
عکس آئینہ میں حیران وہ ششدر یا ہم

کہاں تک اب نہیں ہوگی نہیں پر
کرم کیجے دلِ اندوہگیں پر
ہوا کیوں عشق میں دشمن ہمارا
مگر ناصح بھی مرتا ہے اُنہیں پر
کچھ لذتِ وصال اُسی کو ہوئی نصیب
جو نامراد کھیل گیا اپنی جان پر
آبِ بقا نہیں کہ دمِ جانفزا نہیں
مشتاق جا ہے ترے خنجر میں کیا نہیں
کیوں نگاہِ لطف کا احسان لوں
کیا مزا کم ہے مجھے بیداد میں

عیش عشرت میں گذرتی ہے عجب راحت میں ہوں
محفلِ جاناں میں ہوں یا جیتے جی جنت میں ہوں
نعرۂ مستانہ لب پر وجد کی حالت میں ہوں
جب سے دیکھی ہے وہ چشمِ مست کیفیت میں ہوں
اُسکے جلوے نے کہاں سے اب کہاں پہونچا دیا
عالمِ حسرت سے نکلا عالمِ حیرت میں ہوں
دل حشر میں بھی یار کے قدموں پہ پڑا ہے
آفت کی محبت ہے قیامت کی وفا ہے
وعدۂ فردا پہ وہ بیتاب مجکو دیکھکر
ہنسکے فرماتے ہیں کیا ایسی قیامت دور ہے
ہم کیوں نہ کہیں حالِ دلِ زار تجھی سے
جو دوست ہو ہوتی ہے شکایت تو اسی سے
کیسا غمِ ہجر آرزوئے وصل کہاں کی
اپنی تو خوشی ہے مری جاں تیری خوشی سے
اب اسکو وہ تڑپائیں کہ آرام سے رکھیں
کچھ ہم کو غرض دل کی بُری سے نہ بھلی سے
مجبور ہوئے حضرتِ ناصح تو یہ بولے
اتنی ہی کسی کو نہ محبت ہو کسی سے
وقت آئے مری جان تو پھر ناز سے چلنا
کیا حشر اُٹھانیکا ارادہ ہے ابھی سے

واد خواہوں سے گھر گئے رستے
صیاد یہ ہوس ہے دلِ داغدار میں

اُس کا جس کوچے سے گذار ہوا
گلپوش کر قفس کو مرے تو بہار میں

بیباک

بیباک - مولوی سید حسین احمد صاحب - آپکے والد شاہ تجمل حسین صاحب قادری شاہجہانپور میں صاحب سجادہ اور ایک معزز سرگروہ مانے جاتے ہیں - جناب بیباک کی زمانۂ طالبعلمی مختلف مقامات میں گذرا - اب ۳۵ - ۴۰ کے درمیان عمر ہے - شاعری کا اچھا مذاق ہے - فکر کی رسائی - اور زبان کی صفائی مزید برآں ہے - آپ کو حضرتِ داغ دہلوی سے ارادت تھی - مشق کم ہے لیکن جب کہتے ہیں تو اچھا کہتے ہیں - معاش کیطرف سے بدرجۂ اوسط بے فکر ہیں - باوجود کوشش صرف چند ہی غزلیں ہم پہونچیں اونکا انتخاب درج ذیل ہے -

دنیا کی نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج ہے دیں کا
مشرب ہے تو رندانِ خراباتِ نشیں کا

توکوچۂ دلدار اگر دیکھ لے واعظ
واللہ کبھی نام نہ لے خلد بریں کا

کیا کیجئے بیباک وہ دل مانگ رہے ہیں
ہاں کرتے ہی بنتی ہے نہ موقع ہے نہیں کا

کھاتے کھاتے ترے ہجر میں اُکتا گئے
اے فلک اب کہدے کتنا غم رہا

کچھ تذکرہ کسی کا احوال کچھ کہیں کا
دل جسپے بیتے فسانہ میرے دلِ حزیں کا

واعظ کے ولیں بھی اب گھر کر لیا توں نے
کعبے میں بھی عمل ہے ان دشمنانِ دیں کا

ساقی کے عکسِ رخ کی ادنیٰ ہے یہ کرامت
پیمانہ میں دکھاوے وہ چاند چودھویں کا

بس بس معاف رکھو ہم خوب جانتے ہیں
جو تم سے میل رکھے رہتا نہیں کہیں کا

آخر نہ رنگ لائی آشفتگی کسی کی
دیکھو تو حال اپنے گیسوئے عنبریں کا

کرتا ہوں کب سے سجدہ اُس بت کے آستانپر
مٹجائے اب تو یا رب لکھا ہوا جبیں کا

ہمکو تو پند واعظ اللہ تجھسے سمجھے
کرتا ہے جس مزے سے تو ذکر حورعیں کا

ناصح یہ سچ ہے لیکن کیا اپنا حال دیکھوں
آنکھوں میں تو ہے جلوہ اُس شکلِ دلنشیں کا

ہر شے تو کھنچ رہی ہے تیری طرف مریجاں
مانا گیا ہے پھر کیوں ساکن کرۂ زمیں کا

بیتاب

بیتاب - مرزا خداوردی خاں دہلوی نواب سعادت یار خانِ رنگین جو ایک مشہور شاعر اور میر انشا کے دوست تھے) اُسکے حقیقی چھوٹے بھائی اور دہلی کے خوشباش لوگوں میں تھے فنِ سخن میں آپنے میر نظام الدین ممنون سے استفادہ کیا تھا - یہ دو شعر آپکے ہیں -

آپکا قصد ہے پھر غیر کے گھر جانیکا ۔ فائدہ کیا ہے ابھی ہمسے قسم کھانے کا

مجھسے کہتا ہے وہ ہر دم اپنا خنجر دیکھکر ۔ قتل کیجے تجکو بھی چاہے ہے اگر دیکھکر

بیتاب

بیتاب - لالہ کشن نراین بیتاب قوم کے کھتری اور بنارس کے رہنیوالے تھے - اکثر آگرہ میں بھی قیام رہا کرتا تھا - ایک عرصہ دراز تک سابق مہاراجہ نیپال مقیم بنارس کی سرکار میں مختار رہے خوش فکر اور موزوں طبع شاعر تھے - صفائی روزمرہ کے علاوہ اخلاقی مضامین میں اچھے اچھے نکالے ہیں - اور خوش کلامی کی داد دی ہے - بیس برس کے قریب ہوا انتقال کیا - دیوان کا انتخاب درج ذیل ہے -

قضا سے دامِ تن میں ہے مقید مرغِ دل ورنہ ۔ یہ وہ ہے گلشنِ جنت میں جس کا آشیانہ تھا

کھو دیا دُکھ درد چشمِ یار نے مجھ زار کا ۔ کام نکلا دیکھنا بیمار سے بیمار کا

رشتۂ وحدت کی دیکھو تو دورنگی کو ذرا ۔ شیخ قائل سبحہ کا ہے برہمن زنّار کا

پیشِ ابرو سر جھکا ہے گیسوئے پرتاب کا ۔ کرتے ہیں کافر بھی سجدہ کعبہ کی محراب کا

آبرو کب پائیں وہ بیتاب جو بے علم ہیں ۔ مرتبہ ہوتا نہیں کچھ گوہرِ بے آب کا

مجھ زار سے کہتا ہے وہ ہنس ہنسکے دم نزع ۔ گُل ہونا ہی اچھا ہے چراغِ سحری کا

شمع کو کیا کہیں جو عشق میں تیرے دیکھا ۔ ہمنے وہ دیکھا جو پروانے نے جلکر دیکھا

گھر سے باہر کبھی آنیکا وہ دلدار نہیں ۔ فکر کر نا کھو ولا خانگی شوخ ہے کچھ یوسفِ بازار نہیں ۔ خام سودا ہے ترا

مارِ گیسو میں چھپا ہی جو ولا روئے صنم ۔ اس میں گھبرا ہی گم صبح ہوجائیگی رہنے کی شبِ تار نہیں ۔ صبر کر صبر ذرا

میں تو سمجھا تھا صبا ساتھ کو تیرے بہتر ۔ یہ ہوا ہمیں ضرر ۔ خاک بھی پہنچی مری تا بدرِ یار نہیں ۔ یہ عبث برباد ہوا

کہنے کو تو کہتا ہوں کوئی غیر نہیں ہے ۔ پردے سے مرے اپنا پرایا نہیں جاتا

الٰہی موت دے پہلے سحر سے		اُسے جاتے نہ دیکھوں اپنے گھر سے
سنبھل جاتا ہوں گر گر کر نظر سے		محبت کر رہی ہے دستگیری

بیتاب

بیتاب ۔ میاں محمد اسمٰعیل ۔ فقیر وارستہ مزاج ۔ آزاد منش اور مصطفےٰ خان یکرنگ شاعر دور اول کے تلامذہ میں تھے ۔ سر راہ گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوئے ۔ کچھ کلام ایک پرانی بیاض میں ملا چند شعر انتخاب ہو کر درج کئے گئے ۔ اِن کے اشعار دلپسند ہوتے تھے ۔

تو کیا آرام سے رہتا مرا دل		نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں		تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
بھلا کس بات کی خلاوت ہو		وہ خفا مجھ سے میں خفا دل سے
اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو		تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو

بیتاب

بیتاب ۔ شاہ حاتم کے کسی شاگرد کا تخلص ہے جنکا نام باوجود تلاش بہم نہ پہونچا ۔ تذکرہ گلشن بیخار میں اُنکا یہ ایک شعر قابل درج ملا ۔

ہو خانہ خراب اِس اجل کا		بیتاب بھی کیا جواں تھا اے وائے

بیتاب

بیتاب ۔ لالہ سیوک رائے ۔ بقاء اللہ خان بقا کے شاگرد اور خود بھی شعر کا اچھا مذاق رکھتے تھے ۔ کلام ملاحظہ ہو ۔

کہ خوباں یوں ہیں دُکھ دیں ہم اُنکو اسطرح چاہیں		محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
عجب دن تھے کہ جن روز و رہیں رکھتی تھیں اثر آہیں		اُدھر نالہ کیا اُودھر وہ مضطر ہو چلا آیا

بیتاب

بیتاب ۔ افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں عزیز نواب غازی الدین خاں وزیر عالمگیر ثانی مقیم کالپی صاحب دیوان گذرے ہیں ۔ یہ اِنکے اشعار ہیں ۔

اُچھل رہا ہے دل بیقرار پہلو میں		نہیں ہے آج جو وہ گلعذار پہلو میں
لگائے گن کے جو خنجر ہزار پہلو میں		نہ مُنہ سے اُف کبھی نکلی ہمارے قاتل
تڑپ کے رہگیا دل ایکبار پہلو میں		اُٹھا سکا جو نہ صدمہ فراق کا آخر

لہ یہ شعر شاہ حاتم کے نام سے مشہور ہے ۔ یا تو سرقہ ہے یا توارد ہوا ۔ واللہ اعلم ۔

عبث ہے شغل تمکو بھروسا جاہ و ثروت کا
لئے زلفوں کے بوسے ہمنے آج اک اک کی وعدہ

زمانہ کا دگرگوں رنگ ہو جاتا ہے دم بھر میں
پھنسائے دیکھنا بیتاب دو سانپ ایک منتر میں

پا شکستہ ہیں ہم تو اے وحشت
اے دل تجھے کیا بتاؤں کیا ہوں

کوئے جاناں سے مت نکال ہمیں
تو ورود سے میں تری دو واہوں

صحبت پیراں جواناں فیض سے خالی نہیں
جسم میں لے روح تو آئی ہے کسکے حکم سے

یہ کماں کا زور ہے جو دیکھتے ہو تیر میں
شمع روشن کی ہے کس نے خانۂ تصویر میں

آج کا کام چھوڑ مت کل پر
زندگانی کا اعتبار نہیں

تھا عرش پہ سر جنکا وہ خاک پہ بیٹھے ہیں
جب روح لگی چلنے کچھ بس نہ چلا آخر
مردہ کیا چالو نے زندہ کیا باتوں سے

اقبال اسے کہتے ہیں ادبار اسے کہتے ہیں
مجبور اسے کہتے ہیں ناچار اسے کہتے ہیں
رفتار اسے کہتے ہیں گفتار اسے کہتے ہیں

عاشق و معشوق میں کرنا تمیز
ایک دل دونوں کو ہو جانے تو دو

اے پرپرو تیرا دیوانہ ہے سب بھولا ہوا
ہماری خاک اوڑتے ہی ہوا کیطرح جا لپٹی
گر یہی ہے زمزمہ سنجی تو اک دن دیکھنا
اپنے اپنے رنگ میں ہیں مست گلہائے چمن

سے قسم دیر و حرم کا راستہ گر یاد ہو
بچایا لاکھ اس رشک پری نے اپنے داماں کو
دام میں لا دینگے مرغان چمن صیاد کو
کون سنتا ہے بھلا بلبل کی یاں فریاد کو

چل بسی روح جسم خاکی سے
اڑ گئی روح رہ گیا قالب
کون ہوتا ہے وقت بد میں شریک
مغتنم جان صحبت احباب
عشق میں زر کی نہیں حاجت کچھ
جس سے دم بھر جدا نہ ہوتا تھا

ہو گیا دم میں کیا سے کیا دیکھو
گیا پیادہ چلے سوار کے ساتھ
ابر روتا ہے برق ہنستی ہے
یہ بھی اک اتفاق ہستی ہے
خاک ہو جا بس یہی اکسیر ہے
ہائے اس سے چھڑا دیا کس نے

دوست بنجاتے ہیں دشمن جب مگر بنتا ہے نصیب
آپ اُسکے دام میں بیتاب پھنس جاتے ہیں ہم

تیشۂ فرہاد نے پھوڑا ہے پھوڑا ہے سر فرہاد کا
دل دکھانا کب ہمیں منظور ہے صیاد کا

ہے ستم میں پھنسا ستمگر آپ
ہے خوشی کسکے ملنے کی جو آج

چرخ کھاتا ہے روز جیکر آپ
جامہ سے ہو رہے ہیں باہر آپ

ہوائے شوقِ گلستاں میں ہوں میں سرگرداں
پھریگا ساتھ مرے تو کہاں کہاں صیاد

کھول دو دستِ کرم اے منعمو بیٹھے ہو کیا
ایک دن اُٹھنا پڑیگا سب یہ ساماں چھوڑکر

عاشقِ معنی کبھی ہوتی نہیں صورت پرست
شیخ جاتا ہے حرم کو کعبۂ دل چھوڑکر

میں عاشق ہوں نہیں کرنیکا شکوہ
جفا کر اے پریرو یا وفا کر

دِلا ایمان مت لانا کہیں شیخ و برہمن پر
گماں رہبر کا مت کر بیٹھنا بھولے سے رہزن پر

یوں جان و دل ہیں سینے میں پیکاں کے آس پاس
جسطرح میزباں ہوں مہماں کے آس پاس

محوِ جمالِ یار کو مطلق خبر نہیں
آتا ہے کون بزم میں جاتا ہے کون شخص

پوچھتا ہے کون کسکو کام ہو جانیکے بعد
صبح ہوتی ہے بجھا دیتے ہیں خاص و عام شمع

رنج روشن طبع سہتے ہیں پئے شادیِ غیر
جل کے خود دیتی ہے دیکھو اورونکو آرام شمع

ہے ترے ہات اب مرا انصاف
کچھ تو کر بندۂ خدا انصاف

بوسہ غیرونکو گالیاں ہمکو
یہ بھی ہے کوئی مہ لقا انصاف

تیرے کوچے کے لاکھوں رستے ہیں
بھلا کیونکر نہ دھوکھا کھائے عاشق

تماشائے پری گر دیکھنا ہے
کہو دیوانہ بن کر آئے عاشق

پوچھتے کیا ہو مجھسے کیا ہے عشق
ظلم ہے قہر ہے بلا ہے عشق

نہ مرتی ہے نہ چھٹتی ہے قفس سے
پڑی ہے کس بلا میں ہائے بلبل

ساتھ دیگی نہ جب تلک تقدیر
باز تدبیر سے نہ آئیں گے

ذرا اے میکشو دیکھو مچلنا دخترِ رز کا
سبو سے آئی شیشے میں گئی شیشے سے ساغر میں

اُسی کافر کو سب کا حسن تو نے دیدیا یا رب
لڑ کر کبھی نہ اُن سے ملا ہم سے ہائے تو
ضد تو دیکھو کہ نکی غیر کی جانب داری
ہل گئی وہاں کی زمیں ہو گئی آفت برپا
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے جا پہنچے ہم اُسکے گھر تک
آج شہرت ہے کہ عاشق ترا دنیا سے گیا
ہر بات میں برہم کوئی اتنا نہیں ہوتا
یوں کوئی ستاتا ہے مری جان کسیکو
کچھ بن گئی ہے ایسی ہی دم پر مرے ورنہ
اغیار کی کیوں بھیڑ دمِ ذبح لگی ہے
کیا دوا سے تری کام زہر قاتل کا
ملا کے خاک میں جاتے تو ہو مجھے لیکن
مارا ہے میرے دل نے مجھے رک کی آ آ کر

مگر اب حشر تک پیدا نہ کوئی بھی حسیں ہوگا
ہم سے لڑا تو جا کے رقیبوں سے مل گیا
بولنا یوں بھی اُنہیں ہم سے گوارا نہوا
لے کے میں تجکو جدھر سے دلِ مضطر نکلا
دلِ گم گشتہ مرے حق میں تو رہبر نکلا
زُلف کے پیچ سے حیران ہوں کہ کیونکر نکلا
آپس میں ذرا سمجھو تو کیا کیا نہیں ہوتا
خوبی یہ ہے جسے اپنا بھروسا نہیں ہوتا
مرنا تو کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا
کچھ قتل میں عاشق کے تماشا نہیں ہوتا
مری تو جان چلی ہائے چارہ گر لینا
خدا کے واسطے پھر بھی مری خبر لینا
برسوں رہا وہ میکدے اور اُنسے ملا رہا

خنجر پڑیں کلیجہ پہ قاتل تو ہے مزہ
بس اب تو تمنا ہے یہی حشر تک اللہ

اتنا سا دل میں تیر کا پیکاں ہوا تو کیا
تڑپے یونہیں برسوں دلِ ناکام ہمارا

کس بت کے شہیدِ نگہِ ناز ہوئے تم
جراح اس علاج سے خوش ہوں کہ مفت میں
بوسے کا لطف پاکے تو ہم آپ مر مٹے
ساتھ لے چل مجھکو بھی قاصد ملیگا کچھ جواب
کروں اللہ سے فریاد تمہارا ہو کر
آئے سب بے نام و نشاں جاتے ہیں رسوا ہو کر

اب دیکھ لیا شیخ جی اسلام تمہارا
کس کس مزے سے پیتے ہیں زخم جگر شراب
تجویز آپ کرتے ہیں اُسکی سزا عبث
وہ کہیگا کچھ نہ کچھ مجکو مقرر دیکھکر
تمہیں منصف ہو کہ پھر میں رہوں کسکا ہو کر
وائے تقدیر کہ ہم مٹ گئے پیدا ہو کر

مجکو وہ کھلاکے حسن کا عالم — محجوبیت بنا دیا کس نے
زلف سرکا کے روئے روشن سے — رات کا دن بنا دیا کس نے
غیر اپنوں کو یا غیر کو اپنا نہ کریں گے — اے یار ترے عشق میں کیا کیا نہ کرینگے
کر ذبح ہمیں شوق سے تیغ نگہ یار — اس مرنے پہ جینے کی تمنا نہ کرینگے

شکایت کی جو میں نے بیوفائی کی تو وہ بولے — کسی اب اور کو ڈھونڈو اگر ہم بے وفا ٹھیرے

تو عاشق مردہ کو جلاتا ہے کرم سے — ہے زندگی اے رشک مسیحا ترے دم سے
اک دم میں طلسمات جہاں کھل گیا او نیر — رندوں نے ترے چھین لیا جام کو جم سے
مجمع ہے نہ رندوں کا نہ ہو حق کی صدا ہے — تھی زینت میخانہ جہانگیں ترے دم سے
بڑھ جائے اتنی ہے جتنی خرچ کیجے — کوئی دولت نہیں بہتر ہنر سے

اے دل یہ شب وصل نہ کل ہوگی میسر — جو کچھ کہ اڑانے ہیں مزے آج اڑا لے
واعظ سے کہو ہونا جو ہووے گا وہ ہوگا — ناحق مجھے اندیشۂ فردا میں نہ ڈالے

بیتاب

بیتاب رامپوری - صاحبزادہ عباس علیخان مرحوم خلف الرشید نواب عبدالعلیخان بن نواب غلام محمد خان و برادرزادۂ حقیقی نواب محمد سعید خان مغفور والی رامپور حضرت بیتاب کو فن سخن سے دلی عشق تھا - مومن خان مرحوم کے ارشد [تلامذہ] تھے - ١٨٢٧ء میں کئی برس سے دہلی میں رہتے تھے - نہایت پاکیزہ سرشت اور خوش خصال کمالات ظاہری و باطنی سے پیراستہ تھے - آپکا دیوان ریختہ نواب کلب علیخان نے مرتب کراکر شایع کرادیا تھا عاشقانہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے - تذکرۂ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت (١٢٩٠) میں ٦٢ برس کی عمر تھی پندرہ برس ہوئے انتقال کیا -

میں موا تو چارہ گر کو کیوں پشیماں ہوگیا — دردِ دل کا بے خبر یوں بھی تو درماں ہوگیا
تم طمانچوں سے کرو بوسوں سے ہم رخسار لال — ہے مزے کا معرکہ تقصیر اور تعزیر کا
ہے بتوں کی سرنوشت اللہ پتھر کی لکیر — پھر خطا انکی خطا یا جرم ہے تقدیر کا

واعظ بھلا یہ ہوش کا تیرا کلام ہے		جنت میں مے حلال ہے اور یاں حرام ہے
کس صفائی سے تصور ہے صنم کا دل میں		کعبہ میں لائے ہیں کافر کو مسلماں کر کے
یہ تمنا کوئی نہ ہو پر بیکسی تو ہو		ہماری نعش کے صدقے ہوا کی
فرماتے ہیں بالیں پہ وہ بیمار کے آکر		کیا درد ہے کیوں اسکا دوا نہیں کرتے
سینے سے جدا کروں میں جی کو		چھاتی سے لگائے تو کسیکو
یہاں غم سے ہو دل جگر میرا خوں	اشعار	منہدی سے وہاں ہوں ہاتھ گلگوں
یہ طور سنے ہوئے ہیں ایجاد	مثنوی	تم بھولتے جاؤ میں کروں یاد
اے فلک اب عیش و عشرت کے وساماں کیا ہوئے	بند مرثیہ	دلبری و شوخی و انداز خوباں کیا ہوئے
ہیں کہاں وہ لعل لب وہ روئے خنداں کیا ہوئے		کیا ہوئے وہ ناز اور انداز جاناں کیا ہوئے

شادمانی کی ہے جا ماتم دل ناشاد کا
قہقہوں کے بدلے غل ہے ماتم و فریاد کا

بیتاب

بیتاب - منشی دوست محمد خاں بیتاب دہلوی۔ خلف منشی عبدالرسول خانصاحب شاگرد رشید امراؤ مرزا انور۔ آپ حیدرآباد دکن میں ملازم تھے۔ ۱۰ و ۱۲ برس ہوئے دہلی میں جوان انتقال کیا باوجود کم مشقی اچھا کہتے تھے

سر اسکے آستاں سے اٹھایا نجائیگا	تقدیر کا لکھا ہے مٹایا نجائیگا
ہنس ہنس کے بات بات میں مجھ سے ہی چھیڑ چھاڑ	ان شوخیوں کو دل سے بھلایا نجائیگا
یوں جائیگا کہ جیسے قضا آکے لیگئی	تیر نگہ سے دل کو بچایا نجائیگا
مجھکو ترکار گا سا جو دیکھا تو کہتے ہیں	ہمسے کبھی کا ناز اٹھایا نجائیگا
کیوں کی تری تلاش کہ پایا عدو کے پاس	کیسے خجل ہوئے ہیں ترے امتحاں میں
کبھی کہتا ہوں قیامت اسکو	کبھی کہتا ہوں قیامت کیسی

بیتاب

بیتاب - میر سید حسین لکھنوی شاگرد حضرت جاوید لکھنوی۔ آجکل کے شعرا میں ہیں۔

شک مٹا عشق کا جب پائی جنوں نے شہرت — راز پوشیدہ ہمارا ہوا رسوا ہو کر

کہتے ہو جلد اُٹھاؤ کوئی اِس مردے کو — التجا اوروں کی کرتے ہو مسیحا ہو کر

خیر گذری کہ ذرا چونک کے پھر لگ گئی آنکھ — رہگیا یونہیں سا کچھ حشر کا غوغا ہو کر

بیتاب دردِ عشق کہاں اور ہم کہاں — بیٹھے بٹھائے ٹوٹ پڑا ناگہاں فلک

قتل ہونا نہیں دشمن کا گوارا واللہ — ہائے محشر میں کہے وہ اُسے میرا قاتل

ان بیوفائیوں کا دکھاتا ذرا مزہ — ہوتا ذرہ بھی دل جو مرا اختیار میں

یا بند ناصحوں کی زباں کردے یا خدا — یا مجکو دے یہ صبر کہ بیٹھا سُنا کروں

بھر خدا بتادے تو اتنا بھی ناصحا — اُسکو کروں نہ یاد تو پھر کیا کیا کروں

کون کہتا ہے کہ یہاں آنیکا دستور نہیں — بات تو یہ ہے کہ ملنا اُنھیں منظور نہیں

کہنا صبا جو جائے یار وکے انجمن میں — ہم بھی کبھی ملیں گے آنکلے گر وطن میں

سامان وہاں عیش کے دلبر کے لئے ہیں — یہاں ہجر کے صدمے دلِ مضطر کیلئے ہیں

مُنہ بھی نہ لگائے وہ مسیحا کی زباں کو — جس زخم نے بوسے ترے خنجر کیلئے ہیں

کیوں ہاتھ رُکا جاتا ہے دل کھول کر قتل — عشاق کے سر سب ترے خنجر کیلئے ہیں

اُٹھ یہاں سے جو کہا تو نے نکل جائیگا دم — مار ڈالیگا مسیحا یہ ترا غم مجھکو

آخر فریب کھا کے کیا اُسنے مجھکو قتل — میں نے کہا تھا تم سے اُٹھائینگے مرکے ہاتھ

غیر بھی کہہ نہیں سکتا ہے کہ بیتاب ہو نہیں — نام سے میرے ہوئی ہے اُسے نفرت ایسی

ملگیا راہ میں بت خانہ بھلے کو زاہد — کعبہ کو جا ہی چکے تھے ترے بہکانیسے

قطعہ

معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ — ساقی اگر نہیں تو نہ ہو مے سے کام ہے

بیتاب پی خدا نے تجھے بھی دیئے ہیں ہاتھ — یہ خم ہے یہ سبو ہے یہ شیشہ یہ جام ہے

رہیں نہ چین سے دشمن بھی یاں تلک بیتاب — ستم اُٹھانا ستانے کی اُسکو خو ہو جائے

زاہد کو بادہ نوشی سے نفرت کہاں سے ہے — جنت میں بھی بجائے کہ وہاں مے حلال ہے

مغرورِ حسن وہ تو ہمیں چاہئے پہ ناز
باز آئیں وہ جفا سے نہ اپنی وفا سے ہم

پڑے ہیں داغ بھی اُتنے ہی بلبل کے کلیجہ پر
چمن سے پھول جتنے بھر لیے ہیں تنگ داماں نے

اسیری میں بھی ہے پیشِ نظر معشوق کا جلوہ
بنائیں جا بجا تصویریں دیوارِ زنداں میں

خنجر بھی پھیرنا ابھی آتا نہیں اُنہیں
لیکن ہر اک سے داد کے خواہاں ابھی سے ہیں

منت کے طوق اُسنے گلے میں پہن لیے
دل کے اسیر ہونگے ساماں ابھی سے ہیں

نارسائیوں کے بر آنیکی کوشش اب کرینگے ہم
ہمیں بھی دیکھنا ہے یہ کہاں تک وہ لیے رہتے ہیں

جنوں تھا قیس کو جو درپئے دیدارِ لیلیٰ تھا
وہ خود پردہ اُٹھا دیتے ہیں جو محمل میں رہتے ہیں

مشکلوں کو ہجر کی کس طرح ہم آساں کریں
بڑھتی جائے شب جو ذکرِ گیسوئے جاناں کریں

توڑے جاتے ہیں یہ کہکر وہ دلِ بیمار کا
درد جب حد سے گذر جائے تو کیا درماں کریں

خوگر اپنا جو ہیں راحت میں وہ بے چین ہیں
دردِ دل کم ہو تو بڑھ جانے کا ہم ساماں کریں

ہجر کے صدموں سے گو باقی نہیں تن میں جان
رہ گیا ہے جو وہ صرفِ دعوتِ پیکاں کریں

پھر اسکے حلق پہ کیوں روکتے ہو خنجر کو
جفا میں رحم نہیں چاہیے ستمگر کو

دعائیں مانگتا ہوں دردِ دل کے بڑھنے کی
کبھی سکون جو ہوتا ہے قلبِ مضطر کو

مرے حالِ پریشاں کی کسی کو کیا خبر ہوگی
اسی جانب کو سب ہونگے جدھر اُنکی نظر ہوگی

پریشاں ہو گئیں زلفیں تو تم اتنا نہ گھبراؤ
کسی کی آہ بے تاثیر جو پائے اثر ہوگی

جوابِ خط نہ آیا موت آئی
یہانتک راہ دیکھی نامہ بر کی

دل و جگر کا ابھی ختم ولولہ ہو جائے
جو ایک تیر سے دونوں کا فیصلہ ہو جائے

بیتاب

بیتاب مولوی محمد بشارت اللہ۔ وطن آبائی آپکا مرادآباد ہے۔ سنہ ۱۲ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپکے والد اُس زمانے میں یہاں مفتی تھے۔ کتب درسیہ اپنے والد مرحوم سے پڑھیں۔ بعہد نواب کلب علیخاں بہادر رامپور میں منصب داری ملی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں رامپور سے گوالیار گئے اور محکمہ بندوبست میں سررشتہ دار ہوئے۔ آخر سال ڈیڑھ سال بعد یہاں سے بھوپال پہنچے اور

اوائل مشق ہی میں کلام کا یہ رنگ ہے۔ طبیعت کی شوخی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو

وار کچھ اوچھا سا شاید پڑ گیا تلوار کا
مسکرانا کہہ رہا ہے زخم دامندار کا

مر گئے ہیں مرنیوالے اتنی سی اُمید پر
حشر پر وعدہ کیا ہے یار نے دیدار کا

دیکھنا ہو جسکو اگر رات ہی کو دیکھ لے
غیر ہو گا صبح تک حال آپکے بیمار کا

وہ سرہانے ہیں جو آئے ہیں عیادت کیلئے
موت بھی مُنہ تک رہی ہے دور سے بیمار کا

اسنے بھی چرچا سنا ہے سخت جانی کا مری
دیکھتا ہے مُنہ کبھی میرا کبھی تلوار کا

ہوشیاری سے بھی بڑھکر غش ہی موسےٰ کو عزیز
دیکھتا ہے حال کوئی طالب دیدار کا

وہ زور کسی طرح کا چلنے نہیں دیتا
اُف کی بھی صدا منہ سے نکلنے نہیں دیتا

سوجاتا ہوں تو خواب میں آتا ہے ستمگر
دل کو کسی پہلو وہ سنبھلنے نہیں دیتا

منحصر جبکہ تھا مرنے ہی پہ اچھا ہونا
پھر تو بیکار ہی تھا اُنکا مسیحا ہونا

رو چکے دلکو تو پہلے ہی محبت میں تری
آگے تقدیر میں ہے دیکھئے کیا کیا ہونا

سوکھ کر رہگئیں کانٹوں کی زبانیں اے دشت
برسوں آیا نہ کوئی آبلہ پا میرے بعد

تنگ آکے مر نہ جائے تو آخر وہ کیا کرے
سو درد جس غریب کی ہوں ایک جان پر

جورِ فلک نہ کم تھا کہ تم بھی جوان ہوئے
دو آسمان ٹوٹ پڑے میری جان پر

تمہاری ضد بھی پوری ہو مری بھی آرزو نکلے
عدو کے گھر چلے جانا مگر دم بھر یہاں ہو کر

نکالے لیتے ہیں سینے سے پیکاں
ہمارے درد کا درماں سمجھکر

تیری تصویر کا انداز اُسے بھایا ہے
کہ اسی طرح سے رہتا ہے مرا دل خاموش

رنگِ صحبت بھی بدلتے ہوئے دیکھا ہمنے
اُنکے چپ ہوتے ہی سب ہوگئی محفل خاموش

چوٹ جو کھا چکا ہو اُسکو بھلا صبر کہاں
درد جسمیں ہو وہ ہوتا ہے کہیں دل خاموش

جان دیدیکے دُعا کرتے ہیں مرنیوالے
آپ آئینگے سوئے گورِ غریباں کبتک

جل چکا دل بھی مرا شمع لحد بجھ بھی چکی
روئے جاؤ گے سرِ قبر مریجاں کبتک

مہمان کی خاطر میں کمی ہونے نہ پائے	ورد اُٹھے جو دل سے تو جگر اسکو بٹھالے
چلتے ہیں مٹاتے ہوئے نقش کفِ پا کو	ضد ہے کہ کوئی اِسکو نہ آنکھوں سے لگالے
عاصی و گنہگار خطاوار ہے بیتاب	ستار ہے تو دامنِ رحمت میں چھپالے
سرسبز ہو پھولوں کی طرح خارِ بیاباں	کرتے ہیں دُعا پھوٹ کے یہ پائوں کے چھالے
جہاں میں جسکا نہیں اعتبار دم بھر کا	ہماری توبہ ہے وہ یا کسی کا پیماں ہے
خود تمہیں اسنے گرفتارِ بلا رکھا ہے	تمنے کاکل کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے
گرم بازاری بازارِ کرم سُن سُنکر	ہمنے عصیاں کا اک انبار لگا رکھا ہے

بیتاب - مولوی سید علی جان عرف لاڈلے صاحب عظیم آباد پٹنہ کے باشندے اور مولانا شاد کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہیں - ابھی نومشقی کا عالم ہے - چند شعر انتخابا درج ہیں -

نثار ہوتے ہیں سات آسماں مرے سر پر	ملی ہے کوچۂ جاناں میں کیا زمیں مجکو
جو اُنکے دلمیں جگہ ہو تو صدر و پائیں کیا	صفِ نعال بھی ہے پھر تو شہ نشیں مجکو
جزائے خیر ملے میرے عشقِ کامل کو	جہاں کی خاک تھی پہنچا دیا وہیں مجکو
دمِ نزع آخر نکل آئے آنسو	کہاں جا کے چھوٹے دفا کرنیوالے
دل لئے اور دکھا دکھا کے لئے	کی جفا اور مزے وفا کے لئے
کتنے الزام آخر اپنے سر	تمنے غیروں کو سر چڑھا کے لئے
خود اُترتی ہے عرش سے تاثیر	دل سے نکلی ہوئی دعا کے لئے

بیتاب - پنڈت نرائن پرشاد - دہلوی - آپ کے والد کا نام مہاراج ٹوہلا رائے ہے - حکیم سردار محمد خانصاحب طالب تلمیذ مرزا غالب مرحوم سے علم بیان و عروض وغیرہ میں استفادہ حاصل کیا - اور کچھ کلام منشی نظیر حسین سخا کو بھی دکھایا ہے - اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۵ سال ہے ڈراما نویسی ہی کا مشغلہ رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بمبئی میں زیادہ قیام رہتا ہے - متعدد

ناظم محکمہ وزارت بنائے گئے۔ چندے عہدۂ نیابت و وکالتِ ریاست پر ممتاز ہوئے۔ منشی امیر احمد صاحب امیرؔ مینائی لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے

بھٹکے ہوؤں کو ترا ڈھونڈھنا محال نہ تھا — جو پاؤں ٹوٹ گئے تھے تو کیا خیال نہ تھا
دہن کو اُنسے جو پوچھا تو رہ گئے خاموش — جواب جسکا ہو ممکن یہ وہ سوال نہ تھا

نذرِ ناوک یہ جگر نذرِ سناں دل ہو گیا — پھل نہالِ عشق کا دونوں کو حاصل ہو گیا
کس قدر اپنے تصور پہ مجھے آتا ہے رشک — مجھسے پہلے یہ تری محفل میں داخل ہو گیا
کچھ تاسف بھی نہیں اسکا نہ آئے بر اُمید — حیف تو یہ ہے دُعا کرکے میں سائل ہو گیا

بانکپن سے آگئی اسمیں روش تلوار کی — اسقدر کھنچکر ملا مجھسے کہ قاتل ہو گیا

فیضِ بخشش سے ترے وصل کی شب واہ نہیں — بانٹ دیتا ہوں رقیبوں کو سبھی غم اپنا

چور تو ہی ہے جو دل سینہ میں پایا نہ گیا — کہ یہاں تیرے سوا کوئی نہ آیا نہ گیا
دل کو توڑا اگر آکر کبھی تسکین نہ دی — گھر بگاڑا تو گیا تم سے بنایا نہ گیا
تجھسے بہتر ہے ترا درد کہ میرے دل میں — تو جب آیا نہ تھا درد جب آیا نہ گیا

بہت خوش ہوں سے گر خاکِ دشمن کوئی جا پائے — کبھی تو اڑ کے پڑ جائیگی وہ چشمِ نگہباں میں
عبث ہے بے نصیبوں کو تقربِ فیض بخشوں کا — کہ بجلی خشک رہتی ہے ہمیشہ ابرِ باراں میں
اعانت کچھ نہیں درکار ہے روشن دماغوں کو — کبھی روغن نہیں پڑتا چراغِ مہرِ تاباں میں

ڈرتا ہی یہاں کون ہے جو چاہے سزا ہو — وہ سامنے بلوائیں کوئی ایسی خطا ہو
پڑا عجیب کشاکش میں آج سر میرا — وہ تیغ کیلئے سمجھا ہیں آستاں کیلئے

کیا ہوگی واں مرے دلِ پر آرزو کی قدر — انکو تلاش اک دلِ بے مدعا کی ہے
کیا مفت کا دل ہے جو یونہیں کر دیں حوالے — اُسکے لئے حاضر ہے جو ارمان نکالے
دل قابو سے باہر ہے جگر پہلو میں بیچین — اک جان اکیلی مری کس کس کو سنبھالے

میں سمجھا یہاں سے ذرا بھی جو کھسکے
تو پھر بڑی ہڈی ہے اور پاؤں اسکے

پولٹیکل کریما

تو بر حق ہے اے حق مشکلکشا
سوا تیرے اب کون ہے ہند کا

تجھے بھولنا ہے سراسر خطا
کریما بہ بخشائے بر حالِ ما ۂ

کہ ہستم اسیر کمندِ ہوا ۂ

نہ کچھ قافلہ ہے نہ بانگِ جرس
نہ ہے اب کوئی ہمدم و ہمنفس

نہ تیغ و سپر ہے نہ فیل و فرس
ندا ریم غیر از توفریاد رس

تو ئی عاصیاں را خطا بخش و بس

سیر کا اس باغ عالم میں مزا کچھ بھی نہیں
فرق کچھ اپنے پرائے میں نہیں آتا نظر
رہ گئی ہے اب زمانے میں محبت نام کی

خوشنما ہیں گل مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
امتیاز آشنا نا آشنا کچھ بھی نہیں ۂ
دل ٹٹولیں تو بجز مکر و دغا کچھ بھی نہیں

رباعی بہ غم انتقال سوامی رام تیرتھ صاحب۔ ایم۔ اے

دنیا سے عجب مرد خوش اسلوب گیا
اب ہند کے بیڑے کا خدا حافظ ہے

وہ ملک کا محب و محبوب گیا
افسوس کہ رام ناخدا ڈوب گیا

کیوں سر پہ نہ تیغ اصفہانی پھر جائے
جب رام سا رہبر ہو غریقِ رحمت

دیگر

کیوں درد سے نہ دورِ شادمانی پھر جائے
امید و نیہ کس طرح نہ پانی پھر جائے

بیجان۔ میاں عزیز خاں ساکن قصبہ بسولی۔ خوش سلیقہ و خوش اطوار شخص تھے۔ مولوی قدرت اللہ شوق رام پوری مؤلف تذکرہ کے خاص حبیب تھے۔ اور فنِ سخن میں انہیں سے مشورہ

بیجان

ڈرامے آپ کی تصنیف سے ہیں۔ شیکسپیر نامی رسالہ آپ نے بمبئی سے نکالا تھا جس میں شیکسپیر کے ڈراموں کے اُردو ترجمے شایع ہوا کرتے تھے اب بند ہوگیا۔ ایشیائی شاعری کے علاوہ نیچرل مضامین میں بھی طبیعت کی روانی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ دونوں قسم کی شاعری کے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ابھی کلام میں پختگی کا رنگ پیدا نہیں ہوا ہے مگر کثرتِ مہارت سے اُمید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے۔

عالمِ خواب

گزر ہے خطرناک صحرا میں میرا
کروں ایسے جنگل میں کیونکر بسیرا
درندوں کا ہے گوشہ گوشہ میں ڈیرا
گزندوں نے ہے چپہ چپہ کو گھیرا
ادھر بھیڑیوں کے پرے کے پرے ہیں
نہیں دور بس کوئی گز بھر پرے ہیں

نہ کچھ پوچھیے حال اب میرے جی کا
ہوا رنگ چہرے کا دہشت سے پھیکا
یہ چاہا کہ اب آسرا لوں کسی کا
نشاں ہی نہ آیا نظر آدمی کا
ٹھکانا رہا جب نہ دل کی تڑپ کا
اُدھر ڈھونڈھی ایک جانب کو لپکا

ہوئی اتفاقاً نظر میری اونچی
تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہے ایک ہاتھی
وہ ہاتھی ہے یا جمع ہے رات اندھیری
سر اتنا بڑا ہے کہ توبہ الٰہی
نظر آتے ہیں سر میں روزن جیسے
نہیں ایک دو تین سو ساٹھ ایسے

دہن چھ ہیں اور پاؤں بارہ ہیں سارے
کھڑا ہے وہ اس غار ہی کے کنارے
ہوئے ہوش غائب مرے ڈر کے مارے
نظر مجھکو آنے لگے دن میں تارے

جذبۂ عشق بد بلا ہے کہ جو
تجھ سے کافر کو میرے گھر لایا

کوئی کہتا ہے دِوانا کوئی مجنوں مجکو
عشق میں تیرے ہمارا تو گیا نام بدل

یہ طرب کے دن بھلا ملتے ہیں پھر ساقی کہاں
آج تو ظالم مچا دی خندۂ قلقل کی دھوم

ہنسی آتی ہے گل کو حال پر کسکے خدا جانے
ادھر ہے نالہ کش بلبل اُدھر ہے چشم تر شبنم

ہو گیا ہے نقش دلبر شام سے کسکا خیال
دیدۂ تصویر کی مانند ہے بیخواب چشم

بھیک مانگیں ہیں کھول کر دامن
دیکھ گلشن میں تجکو اہل چمن

پرورش گو زیر دامانِ فنا ہو لیک یار
کون بجز زیستن یاں مثلِ گل خنداں نہیں

ہیں کشتۂ ابروئے بتاں ہوں
انگشت نمائے اک جہاں ہوں

جبکہ مستی میں مغاں اپنے میں آجاتا ہوں
جائے مے زہر بھی ہووے تو چڑھا جاتا ہوں

مضطرب حال چراغِ سحری ہوں میں نسیم
کوئی دم صبح خموش آپ ہوا جاتا ہوں

رحم کر محجبہ ٹک اک رحم کہ جیوں موجِ ضعیف
موج میں تیری میں اے اشک بہا جاتا ہوں

غیر کے ہاتھ میں دیکھا ترے داماں کو تئیں
چاک کیونکر نہ کروں اپنے گریباں کو تئیں

لکھوں کیا میں وصفِ دہان و کمر
مجھے عیب کی تو خبر کچھ نہیں

سایۂ نخلِ حنا میں مجھے کیجو مدفون
تا وہ جانے یہ موا حسرتِ پابوسی میں

شرم آتی ہے کہیں سر کو نوائی بیجاں
اشک ساں محو ہیں ہم اپنی قدمبوسی میں

سب کے قدم کو تو نے سرِ عجز پہ لیا
اس تیری خاکساری کو صد آفریں میں

کثرت میں ہے عین دیدِ وحدت
گر دلیں نہ اپنے ما و من ہو

غربت کے مزے کو کون جانے
تا میری طرح نہ بے وطن ہو

مری بیماریِ دل کا سبب ٹک وہ ہی سمجھیگا
کہ جس نے آنکھ تجھ سے بیمروت سے لڑائی ہو

کیا ہی جھگڑا تھا ہم کل اس طرف آنے پہ یار
ہو نصیبِ دوستاں ہر وقت ایسی جنگِ راہ

کیونکہ تاراج متاعِ دل نہوا ے مرداں
ترک چشم یار ہو بیٹھے ہیں اب سرہنگِ راہ

لیا کرتے تھے۔ دیوان ریختہ مرتب کیا تھا۔ تذکرۂ شوق میں بہت سا کلام ان کا نظر سے گذرا چند اشعار اُس میں سے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ زبان سلیس اور صاف ہے۔ اچھے اچھے مضامین نکالے ہیں۔

کیا ہمسے کھلے بھید ترے رازِ نہاں کا	نے وہم میں طاقت ہے نہ مقدور گماں کا
کوئی دن ہے اگر شور یہی حسن کا تیری	برہم نظر آتا ہے سب اسباب جہاں کا
دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا	حرفِ دعا ہو کیونکہ مرے لب سے آشنا
قطعہ: اُس دشمنِ وفا سے جو بیجاں میں کل کہا	بیگانہ کیوں ہے مجھسے تو اور سب سے آشنا
کہنے لگا وہ میری طرف دیکھکر کہ ہاں	ہوویں ہیں یکدگر سبھی یکدِصب سے آشنا
پر تم جو مجکو بھیجو ہو پیغام ہر گھڑی	اتنے ہوئے ہیں آپ مگر کب سے آشنا
وہ چشمِ نم ہے مری ابر کیا کہوں تجھسے	کہ جسکو دیکھ گیا ڈوب آب میں دریا
نہ دنداں کی صفائی سے جگر ہے آب گوہر کا	ترے لب دیکھکر جی جلگیا یاقوتِ احمر کا
حدیثِ عشق یا مہر و وفا کی بات سُن ہمسے	دماغ قصہ یاں کسکو ہے دارا و سکندر کا
بوقتِ وعظ اُس واعظ پسر کی دیکھکر کاکل	میں تب مضطر ہو بولا نام لے خلاقِ اکبر کا
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی	الٰہی تو ہی بس والی ہے اب دینِ پیمبر کا
مقدور بشر ہو نہ جہاں جنبشِ لب کا	ایمار سخن کس سے ہو بوسہ کی طلب کا
ہو جا نہ کسی غرفے سے سرگرم نظارہ	بیٹھا ہوں میں مشتاق ترے کوچے میں کب کا
کل ہی تو دو صبح سے قتل ترے اک جہاں ہوا	بن ٹھن کے پھر تو آج کدھر کو رواں ہوا
بیجاں جنابِ شوق کی صحبت سے فیض سے	ہر فن میں محترم و عزیزِ جہاں ہوا
ہے جو شیریں لبوں کے لب میں مزا	کب ہے وہ دانۂ عنب میں مزا
دن کا ملنا بھی خوب ہے لیکن	ہے ملاقات کا تو شب میں مزا
بات میں جو چخو کے گالی سے	اُس سے بوسہ کی ہے طلب میں مزا

روئے عرق آلود کا اوصاف تھے جنمیں	وہ صفحۂ کاغذ مجھے افشاں نظر آیا
قاتل کے محلّے کی ہنو شہر میں کیوں خاک	نامرد بھی وہاں رستمِ دستاں نظر آیا
کہہ بیخبر ایسی ہی غزل تاکہ کہیں یار	تجھسا نہ کوئی ہمکو غزل خواں نظر آیا
آلودہ مسی سے لبِ جاناں نظر آیا	ظلمت میں ہمیں چشمۂ حیواں نظر آیا
گلگشتِ چمن کو جو گیا میں کبھی تجھ بن	ہر غنچہ مجھے صورتِ پیکاں نظر آیا
بس وہیں جواب آکے دیا طاقتِ پانے	وادیٔ محبت کا جو میداں نظر آیا
جب پڑھنے لگا کھول کے اوراقِ گلستاں	ہر غنچہ مجھے طفلِ دبستاں نظر آیا
جہاں کو چھوڑکے کیوں تارکِ لباس ہو	وہ کیا کرے ترے ملنے کی جسکو آس ہو

بیخبر

بیخبر۔ خان بہادر ذوالقدر غلام غوث صاحب بیخبر مرحوم رئیس الہ آباد۔ روایت ہے کہ انکے مورثِ اعلےٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کی اولاد میں سے تھے۔ اور حکومتِ سلاطین مغلیہ میں بعض بزرگ عہدۂ قضائے کشمیر پہ معمور رہے۔ اور بعض اراکین خاندان ملکی خدمتوں پر سرفراز رہے۔ انجام کار بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ ان کے والد ماجد خواجہ حضور اللہ اور انکے خسر یعنی انکے نانا خواجہ فرید الدین ترک وطن کرکے لاسہ (تبت) چلے گئے وہاں بھی انکی مدارات ہوئی اور اہلِ اسلام کے مقدمات کے تصفیئے انکی ذات سے متعلق ہا وہاں کچھ ٹھہر کر دونو صاحب ریاست نیپال میں وارد ہوئے اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔ چنانچہ بیخبر وہیں ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے انکے چار برس کی عمر تھی کہ والد اور نانا کو گردشِ زمانہ نے پھر ترک سکونت پر مجبور کیا اور اسمرتبہ بنارس میں طرح اقامت ڈالی۔ یہیں سنِ شعور کو پہونچے اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہونچا ۱۸۴۲ء میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی لفٹنٹ گورنر شمال مغرب کے نائب مقرر ہوئے۔ انہیں ایام میں جب لارڈ ایلن برا نے گوالیار پر چڑھائی کی تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانے میں منسلک ہوکر شریک مہم ہوئے اور جنگ کے خاتمہ پر بصلہ کارگزاری خلعت پایا۔ پھر کئی سال بعد

نے دل میں غم کفر نہ ایمان کا خطرہ
ہے کس کے تئیں گبر و مسلمان کا خطرہ

تو بھی تو چلے ہے وہی رفتار ہمیشہ
جس چال پہ چلتی ہے یاں تلوار ہمیشہ

ارے گل تجھے ہنستے دیکھوں تو پھر ہنس
اسیطرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی

تغافل کے مارے سنا شب نہ تو نے
حکایت ترے روبرو تھی کسی کی

سکندر سلیماں پہ کیا ہے یہ دنیا
کبھو تھی کسی کی کبھو تھی کسی کی

یہ میں کہتا تھا ہر دم اُس سے شکوہ خوب نہیں ایدل
غبار آپس میں ان باتوں نے آخر درمیاں بیٹھے

قطعہ

منظور قتل عالم یار و نہیں جو اسکو
پھرتا ہے چرخ کس پر تیغ ہلال باندھے

رنگینیٔ سخن سے بیجان تلاش کر کے
تو نے ہر اک غزل میں تازہ خیال باندھے

لیکن میں یہ ڈروں ہوں ایسا نہو کہ نادان
اس فن سے کچھ تو دلمیں زعم کمال باندھے

چھاتی ابھی حاسدوں کی پھٹ جائے
سینے سے مرے جو تو لپٹ جائے

خریداری سے خوباں کی اٹھایا ہاتھ عالم نے
تری فریاد ہنسنے پر سر بازار ایسی کی

ہر اک بیخود ہو تڑپے ہے کسی میں سدہ نہیں باقی
یہ مجلس اُس نگاہ مست نے سرشار ایسی کی

کہتے ہیں کل رقیب سے اور اُس سے چل گئی
کیا میری بات مُنہ سے کچھ اُسکے نکل گئی

اس اپنی بیکسی پہ کسی کا نہ جی جلا
شمع مزار تک مرے بالیں سے ٹل گئی

خار اشکن نگاہ فرنگی پسر کی آج
سنگین کی طرح مری چھاتی پہ چل گئی

بیخبر

بیخبر ۔ مرزا محمد بیگ قوم مغل خلف مرزا حیدر بیگ - قدیم وطن اصفہان تھا مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی - آغاز جوانی میں عہد شاہ عالم ثانی میں عازم لکھنؤ ہوئے اور وہیں کے ہو رہے - ایک قلمی تذکرے میں کچھ انکا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے - زبان اگرچہ پرانی اور اسمیں اکثر الفاظ متروک ہیں مگر لطف سے خالی نہیں -

شب خواب میں جسکو رخ جاناں نظر آیا
جیوں آئینہ وہ صبح پریشاں نظر آیا

اُسکے گل عارض کا جو باندھا میں تصوّر
پھیکا سا بے مجھے رنگ گلستاں نظر آیا

بیخود

بیخود - منشی نراین داس دہلوی - حضرت میر درد مرحوم کے باعقیدت تلامذہ میں تھے - افسوس کہ کلام ضائع ہوگیا - اونکی خوش فکری کا یہی ایک شعر کافی ثبوت ہے -

سے مے گلوں کو چشم کرم سے تو مست دیکھ ای زاہد	بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا

بیخود

بیخود - منشی محمد انتظام الدین خاں خلف و شاگرد مولوی محمد حیات خاں عذر سے پیشتر دہلی میں رہتے اور کسی سرکاری دفتر میں ملازم تھے - گاہ گاہ شعر بھی کہ لیتے تھے -

رہگیا پیکاں جو پہلو میں ترا اچھا ہوا	دل لگی کو اور دل پیدا ہوا اچھا ہوا
تھی ہمیں مدت سے اے بیخود اسیری کی ہوس	ہوگیا دل مائل زلف دوتا اچھا ہوا

بیخود

بیخود لکھنوی - منشی ہادی علی بیخود باشندۂ لکھنو - خواجہ وزیر کے شاگرد رشید اور منشی ناصر علی سحر زمیندار بہری براؤں کے بیٹے تھے - آپ کچھ عرصے تک واجد علیشاہ کی سرکار میں ملازم بھی رہے - چنانچہ اکثر غزلوں میں بادشاہ کی تعریف کی ہے - آپ کا دیوان عرصہ ہوا چھپا تھا - مثنوی جلوہ اختر آپ کی تصنیف سے ہے - شعر اچھا کہتے تھے بعد غدر انتقال کیا دیوان میں سے جسقدر صاف اشعار ہماری پسند کے نکلے اُنکا انتخاب درج ذیل ہے -

حسن تیرا حیرت افزا ہوگیا	جسنے دیکھا اسکو سکتا ہوگیا
کوچۂ زلف کے کمیں دل جنہ سے ہے	یارب بچا یو مجھے کھٹکا ہے راہ کا
مُنہ پھیر لیا کر کے ہدف تیر نگہ سے	دیکھا نہ گیا اُس سے ترا پنا مرے دل کا
عجب حسرت سے پانی مانگتے ہیں تیغ قاتل کا	ہمارے جسم میں جو زخم ہے کاسہ ہے سائل کا
مر کے بھی ہوتے نہیں جسکے گرفتار رہا	مژدہ اے شوق اسیری وہی صیاد آیا
پوچھ نہ کی سننے دوائے درد دل	ہمتو آئے تھے مسیحا جانکر
صلح میں آنکھ لڑاتا ہے گنہگار ہے دل	وار مژگاں پہ جو چڑھانے کا سزاوار ہے دل
نہ تمہیں رحم کی عادت نہ اُسے صبر کی خو	تم بھی مجبور ہو بندے کا بھی ناچار ہے دل
دور ہو کاہش جاں روز کا جھگڑا چک جائے	اُنکے پہلو میں رہے جنکا طرفدار ہے دل

آپ نے خالو کے بجائے میرمنشی مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۸۵ تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور حکام میں اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر ۵۷ء میں خیرخواہی کے صلہ میں سند و خلعت ہفت پارچہ جسمیں تین رقم جواہر بھی شامل تھیں مرحمت ہوا۔ ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقعہ پر جو دربار لارڈ لٹن نے کیا اوس میں آپ کو بھی تمغۂ قیصری ملا۔ ۱۸۸۵ء میں ۴۵ سال ملازمت کے بعد آپنے پنشن لی اور خطاب خان بہادر ذوالقدر سے سرفراز ہوئے۔ اسی دوران میں نواب کلب علیخاں نے کئی مرتبہ باصرار اپنا مدارالمہام کرنا چاہا مگر خان بہادر نے ہمیشہ شکریہ کے ساتھ اُسے نامنظور کیا۔ اور آخری حصہ زندگی کا یاد خدا میں بسر کرنا مناسب سمجھا۔ شاعری اور انشا پردازی میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ فارسی شعر ایسا اچھا اور برجستہ کہتے تھے کہ اکثر اہل زبان بھی اون کے کلام کی ستائش کیا کرتے تھے۔ غالب مرحوم سے خان بہادر مغفور کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے چنانچہ اکثر خط کتابت رہتی تھی۔ تصنیفات میں سے خونابہ جگر (رقعات و نظم فارسی) اور فغاں بے صبر (رقعات اُردو) ۱۹۰۱ء میں احباب میں تقسیم کے لئے شائع کئے تھے۔ خطوط کا طرز تحریر بھی نہایت شگفتہ و دلکش تھا۔ پیرانہ سالی میں ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا آپ کی صرف ایک غزل فقیروں کی بول چال میں نظر سے گذری انکی ذات والاصفات ایک زمانہ دراز سے الہ آباد میں مرجع اہل کمال تھی۔ تا دم واپسین زندہ دلی اور شوخ کلامی آپکی ہمدم رہی۔ تبرکاً چند شعر درج ہیں۔

فقیروں نے کرتے ہو جو بولی ٹھولی	بہت پیاری باتیں ہیں یہ بھولی بھولی
بھکاری ہیں تو ہم تو دیدار کے ہیں	بھلا ہوگا بھر دو ہماری بھی جھولی
نہیں بند رہتا کوئی کام اپنا	گرہ دل کی ہے جب سے مرشد نے کھولی
پری آج شیشے سے داتا نکالو	یہ کالی بلا کیسی افیون گھولی
کہاں ہم فقیر اور دنیا کے جھگڑے	یہ کیچڑ تو دامن سے پہلے ہی دُھولی

پسند آئی اور شاگرد ہو گئے۔ کچھ دنوں تک مولانا حالی سے فیض سخن پاتے رہے۔ ۱۲۹۰
کے بعد سلسلہ معاش کی فکر ہوئی اور الہ آباد میں درجہ اوسط وکالت کی سند حاصل کی وکالت
کے بہانہ کئی شہروں کی ہوا کھائی مگر طبیعت کی بے چینی اور شاعری کے شوق نے
کہیں دل جما کر کام نکرنے دیا۔ سنہ ۱۲۹۲ ہجری کے بعد وکالت شروع کی۔ اُسی زمانے
میں گلزار داغ شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ رنگ اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ رام پور جاکر حضرتِ
داغ مرحوم کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔
سنبھل کی وکالت کے بعد ریاست سروہی میں بعہدہ جوڈیشل آفیسر ممتاز رہے۔ وہاں
بھی جی نہ لگا تو سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں ریاستِ جودھپور کی طرف رخ کیا اور وہاں تھوڑے دنوں
کی کوشش کے بعد ایک معقول عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اب عرصے سے اُسی
ریاست میں فوجدار ہیں۔ طبیعت میں برجستگی۔ شوخی صفائی اور مضمون آفرینی بلا کی
پائی ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پچیس تیس برس کی مشق
اور فکر کی رسائی نے فن سخن میں ایک عمدہ اور اعزازی رتبہ ان کے کلام کو بخشا ہے۔
عاشقانہ مضامین نہایت خوب کہتے ہیں۔ دنیائے شاعری میں آپ کا نام بہت کچھ شہرت
پا چکا ہے۔ اور اپنے مرحوم اُستاد کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کلام میں روانی
اور صفائی بلا کی ہے۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ایسی نکلتی ہے جو بے ساختہ
دل میں چٹکی لے لیتی ہے۔ عرصہ ہوا کچھ کلام عنایت کیا تھا اُسکا انتخاب یہ ہے۔

سُن لیا تو نے کہ جینا ہی ہے مر جانا	سببِ ترکِ ستم ہمنے ستمگر جانا
ساتھ ساتھ اہلِ تمنا کا وہ مضطر جانا	اللہ اللہ رے ترا بزم سے اُٹھکر جانا
جب کہا اوسنے کہ مرتے ہیں تو ہنسکر بولے	زندگانی کا تو انجام ہی ہے مر جانا
مجھے تو جان ہے دو بھر نہ آؤ تم تو نہ آؤ	پتہ اجل ہی کو دیدو غریب خانہ کا
ہاں سچ ہے میرے سینے میں کیا ہی دھرا ہوا	اک داغ ہجر وہ بھی تمہارا دیا ہوا

(در مدح واجد علی شاہ)

پہلے تھی صاف صبح حلب آئے قمر جبیں — افشاں چھڑک کے بن گئی اختر نگر جبیں
شبِ تنہائی ہے فرقت سے بہلتا نہیں جی — کہدو اشکوں سے تھیں کرتی ہیں اب یادا نکھیں
ہم اسیرانِ قفس لطفِ چمن کیا جانیں — سر پہ صیاد کو دیکھا جو ہوئیں وا آنکھیں
یادِ چشمِ مست میں رہتی ہے از خود رفتگی — طرفہ بیخود ہوں کبھی ہیں آپ میں آتا نہیں
بوقت نغمہ آرائی حضور ایسا بناتے ہیں تو — پریرو عشوہ و ناز و ادا کو بھول جاتے ہیں تو
تو ہے ایسا کنہیا دیکھتے ہیں جب حسین تجکو — درِ دولت سرا پر آکے سب دھونی رماتے ہیں

جدا ہو نہ پہلو سے اے دردِ عشق — بہلتی ہے تجھسے طبیعت مری
جام کے لب پر یہی گفتار ہے — پی سئے گلگوں خدا غفار ہے
فصل گل میں ٹوٹتی ہے بار بار — دل شکستہ توبہ میخوار ہے

دیدۂ باطن کو وا کر دیدگر منظور ہے — پردۂ غفلت حجابِ شاہدِ مستور ہے

فرقت میں تن سے روح مری کوچ کر گئی — آخر کو جو گذرنی تھی مجھپر گذر گئی
تم جو گالی لبِ جاں بخش سے دو جی اٹھوں — قمِ عیسی کا اثر تلخئ دشنام میں ہے

بیخود

بیخود - مولوی عبدالحی خلف الرشید مولوی غلام رسول مرحوم بدایونی۔ آپ کی ولادت ۲۷ محرم ۱۲۷۴ھ ہجری مطابق ۱۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ کا نسبی سلسلہ حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے۔ اپنے والدِ ماجد کی توجہ خاص سے مختلف اُستادوں کے زیر تعلیم رہے اور عربی فارسی دونوں زبانوں میں کافی استعداد بہم پہونچائی۔ ابتدائے زمانہ شباب سے رندانہ مزاجی و حُسن پرستی کی طرف میلان طبع رہا۔ اساتذۂ ماسبق کے دیوان دیکھہ دیکھہ اور بھی طبیعت میں جوش آنے لگا۔ یہانتک کہ خود بھی فکرِ سخن میں منہمک ہوگئے۔ یہ پندرہ سولہ برس کے سن کا ذکر ہے۔ رفتہ رفتہ کسی پختہ کار اُستادِ سخن کی تلاش ہوئی۔ اسی زمانے میں شمس العلماء مولانا سید الطاف حسین حالی کا کلام سُنا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا حالی نیچرل شاعری کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے۔ جناب بیخود کو اس وقت اُن کی طرز

شیوۂ مہر و محبت تمہیں آتا ہی نہیں
کسی ناشاد کا دل شاد کروگے کیا تم

اُسکے ہاتھوں نملا چین مجھی کو دم بھر
مجھسے لے کر دلِ ناشاد کروگے کیا تم

وہ کہتے ہیں نہیں یہ نام کچھ خدا کا نام
ہمارے سامنے کیوں لے کوئی وفا کا نام

کہا جب اُس سے کسی نے کہ مرگیا بیخود
ملا جواب ہمیشہ رہے خدا کا نام

کوئی نظیر نہیں اپنا بے کمالی میں
مگر جہاں نہیں یکتا ہیں اس کمال میں ہم

مجمع یاس کچھ ایسا دلِ ناشاد میں ہے
آج پامال سب ارمان ہوئے جاتے ہیں

کھد یا اوسنے مرے دلمیں تمہارا گھر ہے
اب وہ آباد رکھیں یا اسے برباد کریں

حاصل اُس مہ لقا کی دید نہیں
عید ہے اور ہمکو عید نہیں

چھیڑ دیکھو کہ خط تو لکھا ہے
میرے خط کی مگر رسید نہیں

مجھسے قاصد نے کہا سُنکے یہ قاتل کا پتا
آپ خط یا مجھے پیغام قضا دیتے ہیں

دردِ دل داغِ جگر ملنے کو ملتے ہیں مگر
ملتے ملتے جگر و دل کو مٹا دیتے ہیں

خواہاں تھے حور کے نہ شرابِ طہور کے
ہم توبہ کرکے پھنس گئے ناحق عذاب میں

مدعی کے سامنے کہتے ہیں کیئے مدعا
مُدعا یہ ہے یہ کہدوں مدعا کچھ بھی نہیں

نصیحت کی بھی حد ہوتی ہے کوئی حضرتِ ناصح
بس اب سمجھا چکو تم ورنہ تمکو ہم سمجھتے ہیں

جہاں یہ لب تک آیا کھل گئے چودہ طبق زاہد
ہم اپنے ساغرِ مے کو بھی جامِ جم سمجھتے ہیں

تمہارے مرنے والوں کی سمجھ ہی کچھ نرالی ہے
قضا اُنکو شفا ہے زخم کو مرہم سمجھتے ہیں

کسی کا دل دُکھے یا جان جائے انکو کیا پروا
وہ دل کو دل سمجھتے ہیں نہ دم کو دم سمجھتے ہیں

وہ سرشارِ شرابِ حُسن ہم مستِ مئے الفت
ہماری وہ سمجھتے ہیں نہ اُنکی وہ سمجھتے ہیں

کیا کہوں ہمدم دلِ پر آرزو کی آرزو
آرزو اور اُس بتِ بیگانہ خو کی آرزو

آرزو مندوں سے تمکو آج نفرت ہے مگر
کل تمہیں کو ہوگی اہلِ آرزو کی آرزو

تم مخاطب ہو کہیں کیسی ہی لفظوں سے بھی
آپ کی ہمکو تمنا ہے نہ تمکی آرزو

دل بھی عزیز ہے مجھے غم بھی عزیز ہے
یہ نعمتِ خدا وہ تو لٹکا دیا ہوا

ہوگیا سنگِ درِ یار بھی پامالِ عدو
مل گیا خاک میں ارمان جبیں سائی کا

انکی حسرت بھی نہیں میں بھی نہیں دل بھی نہیں
اب تو بیخود ہے یہ عالم مری تنہائی کا

یہ کوئی وقت ہے توبہ کا توبہ کر بیخود
خدا سے ڈر یہ جوانی ہے پارسائی کا

وعدہ ہے قیامت کا اور اُسپر یہ قیامت
کہتے ہیں خدا چاہے تو محشر ہی نہوگا

الٰہی ہمکو دلِ درد آشنا دینا
ہزار درد کا ہر درد میں مزا دینا

تم اپنے ہاتھ سے تعزیر دو زہے قسمت
جواب خط نہ کریں تو ہمیں سزا دینا

پردہ والے ہیں تو دلمیں بھی نہ آئیں
آنکھ سے پردہ کیا تو کیا کیا

سُنکے میری موت غیروں سے کہا بیرحم نے
ضعف کے ہاتھوں عدم تک ان سے جایا جائیگا

رگِ گردن سے صدا آئی کہ اب یہ نکر
چلتے چلتے جو ذرا خنجرِ قاتل ٹھہرا

پردے سے پوچھتے ہو اترا دل کہاں ہے اب
پہلو میں میرے آؤ تو کہدوں یہاں ہے اب

منعموں شاد نہو دولتِ دنیا پا کر
ہمتو کھو بیٹھے ہیں کیا جانیئے کیا کیا پا کر

ہدفِ تیرِ جفا تم مرا سینہ نہ بناؤ
حسرتیں دل کی نکل جائیں نہ رستہ پا کر

چار دن میں یہی کانٹے کی طرح کھٹکے گی
شاد ہے کیا دلِ ناشاد تمنا پا کر

ابتو لوگوں کی ادائیں بھی ادا فہم ہوئیں
شرم رخصت ہوئی چتون کا اشارا پا کر

دیتے ہو بیخود سے شوق کے طعنے کسکو
آپ میں کون ہے اب آپ کو تنہا پا کر

اس درجہ ہے وارفتۂ رفتار قیامت
جاتی ہی نہیں کوچۂ جاناں سے نکل کر

قبر میں بھی کیا نہ لینے دوگے چین
جاؤ کیوں بیٹھے ہو اب مدفن کے پاس

زندگی کو موت پر ہو رشک آئے
کوئی جب آیا مرے مدفن کے پاس

اللہ رے سوزِ غم کے بدولت بہارِ داغ
دل ہے فدائے داغ جگر ہے نثارِ داغ

کیا ہوا اگر ستم نے یہ باندھے کمر وہی
جس کی تسلیوں نے کیا بیقرار دل

اقران و اماثل میں ممتاز اور صاحبِ جاہ و مناصب تھے۔ نواب محمد میر خاں بہادر کو سرکار انگلشیہ سے بھی دو ہزار روپے ماہانہ کی پنشن خیر خواہی کے صلہ میں ملتی تھی جو اُن کی وفات کے بعد اُن کے فرزند رشید نواب سید محی الدین خاں عرف بُڈھن صاحب علاء الدولہ یمین الملک استقامت جنگ بھی غدر ۱۸۵۷ء تک پاتے رہے۔ غدر کے بعد اگرچہ عزت کے ساتھ الزام بغاوت سے وہ بری کر دیئے گئے مگر پنشن اور جاگیر ضبط ہو گئی۔ صرف چاوڑی بازار کی حویلی اور ایک موضع محمد گنج انہیں ملا حضرتِ بیخود کے حقیقی پردادا نواب امتیاز الدولہ افتخار الملک سید احمد میر خاں منظور جنگ بہادر دربار شاہی میں منصب وزارت پر مامور تھے۔ اُن کے چھوٹے بیٹے یعنی بیخود کے دادا صاحب اپنے بڑے بھائی کی رحلت کے غم میں دہلی کی بود و باش ترک کر کے گوالیار تشریف لے گئے ایک سال بعد وہاں سے آکر سری مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر والیِ تجارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ اور اُن کے مزاج میں اس قدر در خور پیدا کیا کہ مہاراجہ نے مرتے دم تک جدا نہ ہونے دیا۔ اُن کے سُرگ باش ہونے پر مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر فرمانروائے بھرت پور کی سرکار میں ان کا نصیب لڑا۔ مہاراجہ موصوف اور اُن کے جانشینوں نے بڑی قدر دانی فرمائی اور اُن کو کہیں جانے کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ دو گانوں سالم جاگیر میں ملے ہوئے ہیں۔

جناب بیخود کی عمر کا ابتدائی زمانہ بھی آپنے والد شمس الدین احمد کے ساتھ (قصبہ کاملبن کے انسپکٹر ہیں) ریاست بھرتپور ہی میں گذرا اور وہیں فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم پائی پھر دہلی آکر اپنے شوق سے اچھی علمی استعداد پیدا کی اور وجاہت خاندانی و میلان طبع سے اچھے بزرگوں کی صحبت اُٹھائی۔ ابتدائی عمر سے آپکو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ اس فن میں جہاں اُستاد نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ طبع سلیم و ذہن رسا کی مدد سے جلد اس میدان کے پورے شہسوار بن گئے۔ اور اپنے

زاہد وہ گناہوں سے بھی بیزار ہے لیکن
نفرت ہے اُسے زُہد ریائی سے زیادہ

ہر فردِ بشر خلق میں طالب ہے انہیں کا
کیا بات تو نہیں ہے خدائی سے زیادہ

ابتو مل جاؤ کہ سارے شہر میں
شہرتِ نا آشنائی ہو چکی

میکشوں کا خُمِ مے توڑ دیا زاہد نے
یا خدا بُوند نہ اَب چشمۂ زمزم میں رہے

راہ پر ناصحِ مشفق کو لگا لو رندو
یہ بھی کچھ لطف ہے ہمسایہ اور ہم میں رہے

دعا کو نہیں راہ ملتی فلک کی
کچھ ایسا ہجوم بلا ہو رہا ہے

ہماری خاک بھی برباد ہو گئی لیکن
کسی کے دلمیں ابھی تک غبار باقی ہے

اجل نے آکے وہ قصہ ہی کر دیا فیصل
یہ منتظر شبِ انتظار باقی ہے

غیروں کے جلانے کو بلا مجھ سے وہ بیخود
خالی نہیں بیدرد سے ظالم کی وفا بھی

ہجوم شوق میں کچھ سوجھتا ہو تو قسم لیجے
یہ ناحق شرم کیسی کیوں یہ پردہ ہم سے ہوتا ہے

یہ شوخی دیکھنا دل کے تقاضے پر وہ کہتے ہیں
ملایا خاک میں خود اور تقاضا ہم سے ہوتا ہے

ادا دیکھو کہ پردے میں نگاہیں سب سے لڑتی ہیں
حیا دیکھو بھری محفل میں پردا ہم سے ہوتا ہے

اُلجھ کے حضرتِ دل بھی اگر نکل جاتے
کسی کے گیسوئے خوش خم کے بل نکل جاتے

دیکھتے ہیں مجکو کس حسرت سے وہ
دید کے قابل ہے حیرانی مری

اب جگہ دلمیں کہاں آپ کے پیکاں کیلئے
ہو گیا وقف یہ گھر حسرت و ارماں کے لئے

وہی جنت ہے جہاں چین ملے دل بہلے
جس پہ دل آئے وہی حور ہے انساں کیلئے

بیخود

بیخود ـ منشی سید وحید الدین دھلوی ـ ان کے اجداد امجاد ہمیشہ مناصبِ جلیلہ پر سرفراز رہے ـ چنانچہ سید شاہ نظام الدین احمد صاحب جن کا چھتا اور تالاب دہلی میں دو شاہ جی کی نسبت سے مشہور ہے ـ مہاراجہ مادھو جی سیندھیا فرمان فرمائے گوالیار کی طرف سے خاص دہلی کے صوبہ دار تھے ـ اُن کے خلفِ اکبر نواب محمد میر خاں اعظم الدولہ معین الملک اور خلفِ اصغر شرف الدولہ نصیر الملک نصرتِ جنگ کے خطابات سے

تھی شب ہجر بلا جان بچی لاکھوں پائے
اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخود

مری محرومیٔ قسمت سے تو واقف تو ہی یارب
حیا غماز ہے رازِ محبت کھول دیتی ہے

الٰہی فصلِ گُل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو کیسی

لگی میں دل کی لو میں شمع کی بیحد تفاوت ہے
غضب ہے اس تمنا سے وہ خواہش دل کی کرتی ہیں

وہیں بیٹھے رہو بس دُور ہی سے بات کرتی ہیں
یہ کوئی بھید ہے اسمیں بھی کوئی راز مخفی ہے

ہماری جان ہو کر جب جُدا رہتے ہو تم ہم سے
بجھائیں شمع سے دل کی لگی پروانے جب جائیں

جھجک کیسی یہ خنجر پھیرنے سے ہچکچانا کیا
سنبھل جائینگے بیخود آگیا ہے غش نہ گھبراؤ

ہاتھ میں طاقت اگر اے مہ جبیں اتنی نہیں
جانتا ہوں سنے ثباتی سے تری ہر بات میں

اُسکے قدموں میں ہمارے دلکو لیکر ڈالدے
آپ سے کہتے ہیں کہ رہتا ہے ترا اکثر خیال

یار بدخو آسماں دشمن زمانہ برخلاف
اُسکو سمجھے اسکو دیکھے عقل و چشم اتنی کہاں

ساربان ناقہ کی شوخی اور دیتی ہے پتا
خیر سے کٹ گئی صد شکر یہ آفات کی رات

آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات
وہیں پامال کردے دلمیں جو ارمان پیدا کر

نگاہِ شرم میں شوخی ترے قربان پیدا کر
چمن میں پھول پیدا کر تو نافرمان پیدا کر

نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر
تمیزِ عشق پروانے سے اے نادان پیدا کر

زمانہ جانتا ہے انکے دشمن مجھپہ مرتے ہیں
ستم کیسا تمہارے لطف سے بھی ہمتو ڈرتے ہیں

مرا دل دیکھکر وہ اپنے دلپر ہاتھ دھرتے ہیں
تو پھر کیا جھوٹ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں مرتے ہیں

یہ اپنی آگ میں جلتے ہیں تو کیا گُل کترتے ہیں
نہ تڑپیں گے قسم لے لیجئے کیوں آپ ڈرتے ہیں

بھلی تشویش کی ٹھانے کہیں ایسے بھی مرتے ہیں
پھیر دے دل پر چھُری چینِ جبیں اتنی نہیں

چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں
کیا رسائی تیری زلفِ عنبریں اتنی نہیں

آپکے دلمیں تو گنجایش کہیں اتنی نہیں
یہ مصیبت سہ سکے جانِ حزیں اتنی نہیں

یہ رسا اتنی نہیں یہ دوربیں اتنی نہیں
شوخ طینت لیلیٔ محمل نشیں اتنی نہیں

نامی گرامی استاد کی نظر توجہ سے اس وقت اپنے ہم چشموں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرتِ داغ انکی زباندانی اور مہارت فن کا خود اپنے سرٹیفکٹ میں اعتراف فرماتے ہیں۔ فصاحت روزمرہ کے ساتھ خیال بندی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ داغ صاحب فرماتے ہیں کہ انکی شاعری اور زباندانی میرے قابلِ اطمینان ہے۔ اصناف کلام پر بفضلہ تعالے قدرت رکھتے ہیں داغ کی زبان انکی زبان ہے یہ مجھے اُستاد کہکر ناز کرتے ہیں ہیں انکو اپنا بچہ سعید جانکر دعا ئے عمر دراز نظم کے علاوہ نثر کا بھی آپ کو شوق ہے۔ ناول موسوم بہ "نام وننگ" آپ ہی کی تصنیف ہے۔ اب چھ سات سال سے وطن میں اقامت گزیں اور مقامی پادریونکو اُردو فارسی پڑھاتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور ترتیب تذکرہ میں بھی گاہ گاہ اپنے مشورہ سے امداد دیتے رہتے ہیں۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ زندہ دل۔ پابند وضع شخص ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

نگاہ غیر کی جانب خطاب ہے مجھسے
تری قسم کا یقیں اب ضرور ہے نے کیا
تماشی شاطرنہ دیکھی نہ دیکھیں
تصور میں نقشے جماتی ہے کیا کیا
ندیکھا تھا جو بزم دشمن میں دیکھا
محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا

ٹوٹنے سے اور پیدا دل میں جوہر ہو گیا
قیمتی شیشہ ہمارا بال پڑکر ہو گیا
کیا اسی کا نام الفت ہے کہ جب دیکھا اسے
خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا
ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
ابتو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا
آنکھ کہتی ہے کہ اب برباد کرتے ہیں تجھے
منہ سے یہ ارشاد ہے دل میں ترا گھر ہو گیا
جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی دیکھی
ان دیکھنے والوں نے تجھکو ابھی کیا دیکھا

بات سننے میں کیا قباحت ہے
ہر سخن مدعا نہیں ہوتا

بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات
بات ہی کیا ہے جو رہجاؤ یہیں رات کی رات
تکیہ خشتِ خم سے فرشِ زمیں بسترِ خواب
چین سے کٹتی ہے رندانِ خرابات کی رات

سوالِ وصل پر کچھ سوچ کر اُس نے کہا مجھسے
ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو

لگا دو آگ خاطر سے ہماری غیر کے غم کو
اُٹھا کر جھونک دو دوزخ میں اُس نارِ جہنم کو

مثل ہے یہ تو قسمت سبکی سبکے ساتھ ہوتی ہے
عدو کو گالیاں دی ہیں تو بوسہ دیجئے ہم کو

رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا
خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو

قیامت ڈھا رہی ہیں گرمیاں خورشید محشر کی
یہی موقع تو ہے اے داغہائے دل ذرا چمکو

نہ آنسو آنکھ میں آئے نہ دل میں داغ ہو پنہاں
وہ کہتے ہیں چھپاؤ راز داروں سے مرے غم کو

سپہرِ کینہ پرور کی سخاوت میں ظرافت ہے
دئے موتی مگر جھوٹے دئے ظالم نے شبنم کو

نہ دیکھا انسانکو اُسے آسماں چشمِ حقارت سے
ارے تیرے فرشتوں نے کیا ہے سجدہ آدم کو

سدھارو گھر کو جاؤ ہاتھ دھو لو تیغ کو پونچھو
قیامت اب ہماری نعش پر آئے گی ماتم کو

سینہ سے دل نکل آیا ترے پیکان کے ساتھ
صاحبِ خانہ بھی رخصت ہوا مہمان کے ساتھ

کیوں اُلجھتے ہو ہر اک بات پہ مجنوں اُن سے
تم بھی ناداں بنے جاتے ہو ناداں کے ساتھ

جو دم ہے ہجر یار میں خنجر کی دھار ہے
میری ہی آہ میرے کلیجے کے پار ہے

چھوٹا نہ بعدِ مرگ بھی شادی و غم کا ساتھ
ہنسنے کو پھول رونے کو شمع مزار ہے

بے سبب دھوم قیامت کی مچا رکھی ہے
تیرے قامت نے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

طرزِ رنجش کی زمانے سے جُدا رکھی ہے
بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے

اور خلوت میں شب و روز عدو سے ملئے
سُن بھی لی آپ نے جو اُس نے اُڑا رکھی ہے

دیکھ لیں تجکو تو پھر کافر و دیندار ہیں ایک
تیرے پردے نے قیامت یہ اُٹھا رکھی ہے

ہجوے بیٹھے کے رندوں میں نہ کرائے واعظ
سوجھتا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے

کہاں کا غم ہے کس سے لڑے ہو کیا جی میں ٹھانی ہے
شکن ماتھے پہ آنکھیں سُرخ چہرہ ارغوانی ہے

خدا رکھے دلِ مرحوم کی اب قدر جانی ہے
یہ داغِ آرزو اُس مرنے والے کی نشانی ہے

تم اپنی سی کئے جاؤ ہم اپنی سی کئے جائیں
جفا کا حسن موجد ہے وفا کا عشق بانی ہے

ہمنے دیکھا ہے زمانہ ہمنے دیکھے ہیں حسیں
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

آپ جاتے ہیں تو اسکو ساتھ لیتے جائیے
پھر پلٹ آئے نگاہ واپسیں اتنی نہیں

بتکدہ میں دل ٹٹولو دل جناب شیخ کا
بت چرا کر جس میں رکھ لیں آستیں اتنی نہیں

پہلے دیکھی غور سے تصویر یوسف پھر کہا
جتنی دیکھیت میں ہے اچھی دلنشیں اتنی نہیں

سانس کچھ باقی ہیں اب وہ بھی فقط گنتی کہ ہیں
آپ پر صدقے کروں جان حزیں اتنی نہیں

یہ اور وقت رخصت اندھیر کر گئے ہیں
وہ اپنے ساتھ لیکر میری نظر گئے ہیں

دل کا سودا تو نگاہوں میں پٹا کرتا ہے
کسکو معلوم ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

غم الفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتی جاتی ہیں
یہ گھر آباد ہو جانے سے ویراں ہوتی جاتے ہیں

ملا کر خاک میں مجکو بنے ہیں قدرداں میرے
بیاں کن حسرتوں سے میرے ارماں ہوتے جاتے ہیں

جوانی میں سمجھ آتی ہے ہم قائل نہیں اسکے
کہ جتنی عمر بڑھتی ہے وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے
نئے سر سے انہیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

نگاہیں جب لڑیں آپسمیں یہ بھی دیکھتے جاؤ
عیاں کس کی نظر سے راز پنہاں ہوتے جاتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رند لاابالی تمنے بیخود سے
کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

تمہارا تو یہ شیوہ ہے جسے تاکا اُسے مارا
نگاہ لطف کہتی ہے ستم میں ہیں بھی داخل ہوں

اس طرح سے برباد نکر اہل وفا کو
ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں یہ لوگ وفا کو

مدفن سے نکل کر کوئی دامن نہ پکڑ لے
ٹھکرا کے چلا کر نہ مزار شہدا کو

گریباں چاک ہے میرے ہی ماتم میں سحر دیکھو
مجھی کو شمع بھی روتی رہی ہے رات بھر دیکھو

عدو کی بزم میں راز محبت کھل گیا دیکھا
کہا تھا تم سے کسنے تم کن انکھیوں سے ادھر دیکھو

اسیران قفس لو پر نکل آئے قیامت کے
مرے صیاد نے چھوڑیں ہیں زلفیں دوش پر دیکھو

لڑائی سے یوں جبھی تو روکتے رہتے ہیں ہم تمکو
کہ دل کا بھید کہدیتی ہے لڑنیں نظر دیکھو

نہ حسرت ہی نکلتی ہے نہ خنجر ہی نکلتا ہے
نزاکت نے ہمارے قتل پر باندھی کمر دیکھو

نکلنے دی دمِ کشتن نہ منہ سے آہ بھی پوری
سئے ہیں میرے قاتل نے مری فریاد کے ٹکڑے

گزر جاتے ہیں وہ وہ دن ہمیں بے آب و دانہ کے
قفس میں کون کھائے بیٹھکر صیاد کے ٹکڑے

دکھاوینگے تمہیں بھی جو قیامت اُسپہ گذرے گی
اُڑینگے ایک دن چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے

زمانے سے جدا ہوتی ہے کچھ خلقت حسینوں کی
دہن موہوم ہوتا ہے کمر معدوم ہوتی ہے

دونوں کی صبح وصل کو حالت بدل گئی
انکی نظر پھری میری قسمت بدل گئی

محفل وہی مکان وہی آدمی وہی
یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی

پروانہ شمع بنکے جلا شمع گل بنی
آتے ہی انکے بزم کی رنگت بدل گئی

دلِ بیتاب میں شوخی کا پتا ملتا ہے
مٹنے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے

حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا
تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے

پی کے زاہد نے نایاب یہ ارشاد کیا
اسکا انگور کے شربت میں مزا ملتا ہے

عالمِ کیف میں ہستی سے گزر جاتا ہوں
چشمِ ساقی سے مجھے جام فنا ملتا ہے

بتکدہ میں ہے خدائی کا تماشا موجود
اور کعبہ میں فقط ایک خدا ملتا ہے

سختیاں ہجر کی مٹجاتی ہیں سب بعد وصال
قطرہ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے

ابتو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے
تجکو کمبخت ستا کر انہیں کیا ملتا ہے

ہر ایک بات تری بے ثبات کتنی ہے
پلٹنا بات کو دم بھر میں بات کتنی ہے

ترے شہید کو دولہا بنا ہوا دیکھا
رواں جنازے کے پیچھے برات کتنی ہے

جو شبکو کھلتے ہیں غنچے وہ دنکو جھڑتے ہیں
بہار باغِ جہاں بے ثبات کتنی ہے

ہاے وہ نیچی نظر سے مسکرا کر دیکھنا
ایک برچھی تھی کہ دل کے پار ہو کر رہ گئی

مہربان وہ بت کافر اگر اک آن رہے
ہے تو یوں پھر کوئی کافر ہی مسلمان رہے

اُس گنہگار کو زاہد نہ گنہگار سمجھ
عمر بھر اپنے کئے سے جو پشیمان رہے

[illegible]

بیخود - حکیم احمد علی خان - رامپور کے باشندے اور موزوں طبع شاعر ہیں - وہاں کے

نہ ہم نکلیں کہیں شب کو نہ دن کو تم کہیں جاؤ
تمہاری تو خدا جانے ہمیں تو بدگمانی ہے

مجھے سمجھا رہے ہیں تم کے معنی جان ہی جانا
لب عیسیٰ پر انکو خون کی تہمت لگانی ہے

جگر پر ہاتھ دل پر تکیہ آنکھوں پر رہیں دامن
یہ افسانہ نہیں مجنوں کا یہ میری کہانی ہے

دعائیں مانگتی گذری ہے اون کو
شب غم جان بچ جائے کسیکی یہ

جوانی کا وہ عالم جب یہ دل بے اختیار آئے
وہ صورت پیاری پیاری دیکھتے ہی جسکو پیار آئے

قیامت ہے جو ایسے پر دل امیدوار آئے
جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے

ہمارا فرض تھا سر کو تہ شمشیر رکھ دینا یہ
قضا کو کیا کریں ہم بوجھ گردن کا اتار آئے

خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی
جناب شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے

قیامت کا تو وعدہ اسپہ یہ مضموں قیامت کا
یہ ممکن ہی نہیں کمبخت تجکو اعتبار آئے

سمجھ کر ہی کچھ دلمیں خاموش ہوں میں نہ مے نوش ہوں میں نہ بے ہوش ہوں میں
یہ قصہ یہ جھگڑا نہ چھیڑو تو بہتر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے
اشارے بھی آپس میں کچھ ہوتے جائیں کہانی جدائی کی ہے روتے جائیں
سنو گے اسی طرح گرینگے پتھر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

بل بھی چتون پہ ہنسی کے ساتھ ہے
بانکپن کس کی سادگی کے ساتھ ہے

مر گیا بیخود تو اس کا کیا ملال
موت تو آخر سبھی کے ساتھ ہے

حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی یہ
حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

جو نکرنی تھیں التجائیں کیں
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی

دل لگاتا ہوں دل سے اس بت کے
ایک کعبہ تو ایک دیر سہی

انکی طرف سے دل کی طلب بار ہا ہوئی
چکمہ چلے فریب دیا التجا ہوئی

ایسی تو ہمسے وصل کی شب بار ہا ہوئی
غصے سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی

یہ بت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے فولاد کے ٹکڑے
کیے اس نازکی پر عاشق ناشاد کے ٹکڑے

اور کچھ حال معلوم نہوا۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہماری سخت جانی کا نہوگا بال بھی بیکا
وہ ہونگے اور جو خنجر کا لوہا مانجاتے ہیں

عاشق کی جسکے ہجر میں حالت خراب ہے
مذہب میں اُسکے ظلم ہی کرنا ثواب ہے

ہم رند مشربوں سے ملائیگا کون آنکھ
قسمت میں زاہدوں ہی کی روزِ حساب ہے

لگ جائے گی نظر نہیں اچھی یہ تاک جھانک
نام خدا بہار پہ جوشِ شباب ہے

قدم جمنے دیا ہرگز نہ جانبازانِ الفت کا
فلک سے بڑھکے قاتل تیرے کوچے کی زمیں نکلی

تصور نے تو پکڑا تھا تمہارا جا نکر دامن
مگر جب غور سے دیکھا تو اپنی آستیں نکلی

بیدار

بیدار۔ میر محمدی دہلوی۔ شاگرد میر درد و شاہ حاتم و مرید مولانا فخر الدین قدس سرہٗ۔ دہلی چھوڑکر اکبرآباد جا رہے تھے میر اور مرزا کے ہمعصر تھے۔ کچھ دنوں مرتضیٰ علی فراق سے بھی اصلاح لی تھی۔ دہلی میں قیام کے وقت عرب سرا میں سکونت پذیر تھے۔ کلام صاف دلپذیر اور معرفت سے بھرا ہوا ہے یہ بھی شاہ حاتم کے اُن شاگردوں میں تھے جنھوں نے اُردو زبان کی درستی میں سعی موفور کی تھی ورنہ شاہ حاتم کے وقت تک اُردو شاعری صرف رعایت لفظی تک محدود تھی۔ جب سودا نے اس رنگِ نامحمود کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اسمیں کوشش کی۔ بلکہ سودا کی صفائی کے ساتھ اپنا تصوف کا رنگ بقدر مناسب شامل کرکے اپنے طرز کلام کو علیحدہ کرلیا۔ انکے بعض اشعار اپنی دلاویزی کے باعث ابتک لوگوں کی زبانوں پر بیساختہ جاری ہیں ؎ قبول خاطر و لطفِ سخن خدا داد است۔ میر محمدی بیدار نے بمقام آگرہ ۱۱۹۴ھ میں انتقال فرمایا دو دیوان مرتب کرلئے تھے جو تلاش سے اب بھی ملجاتے ہیں اب کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

بھرا نہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا
کندہ ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا

ترے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا سرو جدا نرگسِ بیمار جدا

عکس اُسکا پڑا جو دریا میں
آب حیرت زدہ ہو بہ ٹھٹکا

واہ واہ اے دلبر کج فہم یوں ہی چاہئے
ہمسے ہونا آشنا غیروں سے ہونا ناآشنا

رسالوں میں کلام شایع کراتے رہتے ہیں - چند اشعار انتخاباً درج ہوئے ملاحظہ ہوں -

پسِ مُردن مرے کام آگیا یہ سوزِ دل میرا
کہ دودِ آہ کا ہے شامیانہ میرے مدفن پر

مٹائے سے مٹے گا کیا یہ میرا خونِ ناحق ہے
جو دھو ڈالوگے دامن سے تو رہجائیگا گردن پر

دامنِ دل سے کسیکے کبھی دھویا نہ غبار
کیا کیا دیدۂ غمناک نے گریاں ہوکر

دیر سے کعبے میں کیا لطف سوا ہے واعظ
دل نشیں کون سا گھر ہوتا ہے ویراں ہوکر

بیخود

بیخود - حکیم سید شاہ محمد فاخر - الہ آباد کے رہنے والے اور آجکل کے نومشق شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے -

لوگ پھر جیتے ہیں مرنے کی تمنا میں وہاں
عرصۂ حشر ہوا کوچۂ قاتل نہ ہوا

دل انپا کرتے ہیں تو فتنے اٹھا کرتے ہیں
آپ چلتے ہیں کہ اک حشر بپا کرتے ہیں

چہرے پر اب نقاب ذرا ڈال لیجیے
بس ماہ آپ مہر کی تنویر کر چکے

اب کعبے چلئے کیجیے بیخود خدا خدا
نالے بتوں پر آپ کے تاثیر کر چکے

جب ادائے شکر رحمت میں ہوا ہے قصور
وقت کلفت شکوۂ جور و ستم کیا کیجیے

اک نفس کا فرق ہے - ملجائینگے سب روز حشر
دم زدن کی بات ہے پھر اس کا غم کیا کیجیے

بیخود

بیخود - منشی احمد صاحب باشندۂ موہان - مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کے عزیز اور غالباً انہیں کے شاگرد ہیں - علمی استعداد معقول اور ابھی نومشقی کا عالم ہے - چند شعر درج ذیل ہیں -

کرم اسے خود فراموشی کہ کوئی جلوہ آرا ہے
قیامت ہے کہ میں محوِ تماشا ہو نہیں سکتا

مری ایذا رسانی مجکو یوں تسکین دیتی ہے
کہ تیرا ہوکے وہ ظالم کسیکا ہو نہیں سکتا

جو خود بینی وہاں ہے یاں وہی ہے خود فراموشی
یہاں کچھ امتیازِ قیس و لیلیٰ ہو نہیں سکتا

تری حسنِ خرد دشمن سے جب اک حال ہے سب کا
ہجومِ حشر میں پھر کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

عبث شوقِ تماشا شکوہ سنجِ بے نیازی ہے
وہ مستِ ناز اے بیخود کسی کا ہو نہیں سکتا

بیخود

بیخود - محمد اکرام اللہ خاں بیخود ملازم کوتوالی میرٹھ - بجز اسکے کہ آپکو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے

دامنِ کوہ نہ تیرے ہو پہنچے اب تک
ہر چند غبار ہو گئے ہم

سے نے پر پرواز ہے بیدار نے فصلِ بہار
کس توقع پر قفس سے ہوویں آزاد ہم

خرقہ رہنِ شراب کرتا ہوں
دلِ زاہد کباب کرتا ہوں

جا بنیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں
ملبلے ظالم تیری بے پروائیاں

لپٹے چھاتی پر میرے لیتا تھا وہ
آہ کس کس آن سے انگڑائیاں

صبح ہونے آئی رات آخر ہوئی
بس کہاں تک شوخیاں مچلائیاں

دیکھتے ہی اُسکو نادان ہو گیا
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

زندگاں کے تئیں کیا رو دیں کہ کوئی دم میں
ہم بھی اس بزم سے جیوں شمع سحر جاتے ہیں

کہاں گنجائشِ حرف اُس دہن میں
نہیں جائے سخن میرے سخن میں

ہم تری خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

یہاں تو جی آنکے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانے وہاں اسکو خبر ہے کہ نہیں

جو ہم کلام اُس لبِ جاں بخش سے ہوئے
کس سے او نہیں دماغ کہ پھر گفتگو کریں

اپنے زمانہ سے جدا روزِ شبِ سوختگاں
شام سے کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

کہاں ہے طالعِ بیدار یہ کہ ایسا ہو
کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ
دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ

محشرِ فتنہ ہے اُس شوخ کی رفتار کے ساتھ
جی چلا جائے ہے پازیب کی جھنکار کے ساتھ

شکوہ کم نگہی آنکھوں نے اوس کی نکرو
گفتگو خوب نہیں مردمِ بیمار کے ساتھ

جو ہوئی سو ہوئی اب جانیدو اے بندہ نواز
آکے ملجاؤ گلے پیار سے بیدار کے ساتھ

خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار
اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے

جام و مینا و مے و مطرب و ساقی ہمراہ
اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

نہ گئی تیری سرکشی ظالم
ہمنے ہر چند جبہ سائی کی

مے و ساقی ہیں سب یکجا آہا آہا آہا
عجب عالم ہے مستی کا آہا آہا آہا آہا

کیا بیدار سے عاشق کو تو نے قتل اے ظالم
کوئی کرتا ہے کام ایسا آہا آہا آہا آہا

عمر وعدوں ہی میں گنوائیے گا
آئیے گا بھی یا نہ آئیے گا

یہی قامت ہے گر یہی رفتار
حشر برپا ہی کر دکھائیے گا

نہیں کچھ ابر ہی شاگرد میری اشکباری کا
سبق لیتی ہے مجھسے برق بھی آبیقراری کا

صبح کو بے نور بن تیرے چراغِ لالہ تھا
جائے بانگِ گل چمن لبریزِ آہ و نالہ تھا

کس کس کا دل نہ شاد کیا تو نے اے فلک
اک میں ہی غمزدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا

جو کچھ کہ تھا وظائفِ اوراد رہ گیا
تیرا ہی ایک نام ہمیں یاد رہ گیا

بیدار راہِ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا ہوتا

ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یا اک آگ کا پرکالہ تھا

ہے بیدار کی آنکھوں نے ساقی اشکِ لال لبریز
مے گلگوں کا کوچے میں ترے گویا سبو ٹوٹا

آنکھوں میں چھا رہا ہے از بس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا

عجز و نیاز میرا حد سے زیادہ گذرا
ویسا ہی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا

بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوے
اسپر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدگاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا

یہ مارِ زلف ہے وہ جسکا بچے نہ کاٹا ہو
اُترے ہے زہر کس سے افعی گزیدگاں کا

یوں تیر سے سُنا ہے وہ مستِ ناز بیدار
تہ کر گیا مصلّٰے عزلت گزیدگاں کا تو

پھونکدی یہ آگ کِسکے حُسنِ بزم افروز نے
اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانہیں آج

تھا یہی زور تری زلفِ دل آویز کا بس
خم ہوئی لا نہ سکی تابِ گرفتاریِ دل

بھڑکا ہے آہِ سرد سے جوں شعلہ داغِ دل
روشن دمِ صبا سے ہوا ہے چراغِ دل

نبیرۂ محسن الدولہ آنریبل راجہ سر صاحبدیال ۔ کے سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ ممبر کونسل واضع آئین وقوانین ہند ۔ راجہ صاحب موصوف الحاق پنجاب سے پیشتر سرکار شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ و مہاراجہ دلیپ سنگھ میں ناظم سائرات و کانِ نمک کا عہدۂ جلیلہ رکھتے تھے ۔ عنفوانِ شباب (۱۸۸۴) سے آپ کو شاعری کا شوق ہوا ۔ پہلے کچھ دن مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے پھر حضرتِ داغ مرحوم سے مشورہ لینا شروع کیا ۔ چنانچہ آپ کے حسب الطلب ایکمرتبہ حضرتِ داغ رامپور سے امرتسر اور کرشن کوٹ کی سیر کے لئے بھی آئے تھے اور کئی مہینے آپ کے ہاں مہمان رہے آپ کے کلام میں روزمرۂ اہلِ زبان کا لطف موجود ہے عاشقانہ مضامین بھی اچھے سلیقہ سے باندھ جاتے ہیں ۔ راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں ۔ نہایت منکسر مزاج ۔ خلیق اور زندہ دل شخص ہیں ۔ آپکے چھوٹے بھائی آنریبل ٹھاکر مہان چند صاحب آجکل پنجاب کونسل کے ممبر اور ہندو رئیسوں میں بڑے راسخ الاعتقاد ۔ روشن خیال ۔ نیک نفس نوجوان ہیں ۔ بیدار صاحب کی عمر اب ۵۰ سال کے قریب ہے عرصہ ہوا آپ کا دیوان شایع ہوا تھا ۔ چند شعر درج ذیل ہیں ۔

عاشق کا حال پوچھ نہ بازارِ حسن میں
کیا سنائیں کہ ہم پہ کیا گذرا

اٹھائے رنج کیا کیا زندگی میں
جو ہوتے تم بھی خوش میری خوشی میں

ہزاروں مرگئے قاروں سے بڑھکر
خدا بخشے تو بخشے دولتِ عشق

بن نہیں پڑتی آؤ مرد یکھیں
تماشہ ہے دل لیا آپ نے

جاں بلب ہوگئے اب کون سنبھالے دلکو
رات خلوت میں کیا اُس نے جو شکوہ دل کا

قطعہ

دل بیچکر بھی تیرا خریدار ہی رہا
قصہ جانے بھی دو گیا گذرا

اجل آجان بچتی ہے اسی میں
تو حسرت رہ نجاتی جی کی جی میں

خدا زر دے تو دل دے آدمی میں
مجھے لاکھوں کروڑوں ہیں اُسی میں

کچھ تو بخت آزمائی کر دیکھیں
یہ کھکر کہ مجھے اسکی ضرورت نہیں

جیب کترے جھپکتے ہیں نازک بالی دلکو
اور کہا ہنسے کیا تیرے حوالے دلکو

بیدار کیونکہ آتش دل اشک سے بجھے
زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں میخوار کئی
ربط جو چاہئے بیدار ہوا اُس سے معلوم
ابتک مرے احوال سے واں بیخبری ہو
جی میں ہے دکھا دیجئے اک روز تری قد کو
مقدور کیا ہے مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رہے
نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا
ہستی ہی میں ہے سیر عدم اگلی یاں جسے
بیدار زلف کھینچے اُدھر چشم یار ادھر
تیرے مژگاں ہی نہ پہلو مارتے ہیں تیرے

ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے
ابھی یاں چھین لئے جبہ و دستار کئی
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے
اے نالۂ جانسوز یہ کیا نے اثری ہے
جو شخص کہ منکر ہیں اسے یار قیامت کے
ہیں چشم دل گم اُسکے جہاں چاہے وہاں رہے
محوِ خیال یار رہے ہم جہاں رہے
فکرِ میانِ یار و خیالِ دہاں رہے
حیران ہے دل کہاں نہ رہے کیسے یاں رہے
ہمسری رکھتے ہیں ابرو بھی ترے شمشیر سے

بیدار
بیدار۔ رئیس الدولہ علی حسن بہادر بیدار لکھنوی مقرب بارگاہ واجد علیشاہ بادشاہ مقیم کلکتہ سلطانی مطبع کے مہتمم تھے۔ کچہری وساطت وافسری خوشنویسان کے محکمے بھی انہیں کے متعلق تھے۔ اور کتب خانہ شاہی بھی انہیں کی تفویض میں تھا۔ ۱۲۹۴ھ تک مٹیا برج میں باعزاز و آبرو بسر کرتے تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ انکا کلام یہ ہے۔

تیرے ملنے سے اے بلقیسِ عالم
سلیماں ہو گیا بیدار تیرا

اے قاتلِ عالم تجھے منظور ہے اب کیا
اٹھا جہاں سے تمہارا شیدا نہ سمجھو غفلت نہ غش سمجھنا
کیا ہے حق نے نہیں مسیحا پڑا ہی بیجاں تمہارا شیدا
ابھی تو ہو جائے حشر برپا ابھی تو بدلے جہاں کا نقشہ
پڑی ہیں اب زندگی کے لالے یہی تو ہیں آخری سنبھالے

چھٹتی نہیں قبضہ سے جو شمشیر کسی وقت
یہ خواب تو خواب ہے اجل کا نہ جو بادرجگا کے دیکھو
ابھی تو ہوتا ہی زندہ مردہ لبوں کو اپنے ہلا کے دیکھو
ابھی دگرگوں ہو حالِ دنیا تم اپنی چتوں ہی پھرا کے دیکھو
خدا ہی بیدار کو بچالے جو دیکھنا ہے تو آکے دیکھو

بیدار
بیدار عالیجناب بیر سپہر راجہ ہرکشن سنگہ بہادر جاگیر دار کشن کوٹ (ضلع گورداسپور) و رئیس امرتسر

بچپن میں مولوی محمد لطیف صاحب جو کابل کے ایک بڑے عالم تھے ان کے عربی معلم مقرر ہوئے پھر تیرہ سال کی عمر سے انگریزی و فارسی تعلیم شروع ہوئی۔ انگریزی میں انٹرنس کلاس تک پڑھا ہے۔ آغا محمود علی شیرازی سے فارسی پڑھی اور درسیہ کتابوں کی تکمیل کی۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں اپنے دوست میرزا فقیر محمد کے اصرار سے ایک مشاعرے میں انکو بھی طبع آزمائی کا موقع ملا۔ یہی غزل گوئی کی ابتدا ہوئی۔ اُس غزل کا یہ مطلع تھا۔

جو اُس بت پر آئی تو کیا ہے کسی کا	طبیعت پہ بھی بس چلا ہے کسی کا

مشاعرے میں اس غزل کی بہت تعریف ہوئی۔ جب کچھ غزلیں جمع ہوگئیں تو اُستاد کی تلاش ہوئی چنانچہ اپنا کلام حضرتِ داغ دہلوی مرحوم کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا۔ اور اُنھوں نے اپنے فیضِ عام سے اِن کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا۔ جناب بیدار اگرچہ ابھی نومشق نوجوان ہیں مگر طبیعت رسا اور سلجھی ہوئی پائی ہے اگر توجہ سے کچھ دنوں محنت کی تو اس فن میں اچھی مہارت ہوجائیگی طبیعت چلبلی اور معنی یاب زبان کی شوخی اور بیان کی سلاست قابلِ تعریف ہے۔ اب اُنکا تھوڑا سا کلام انتخاباً درج کیا جاتا ہے۔

آتی خود پردۂ محمل سے نکلکر لیلےٰ	جذبۂ شوق اگر قیس کا کامل ہوتا
تم جفاکار و ستمگار ہو تم کیا جانو	مہر کیا چیز ہے کرتے ہیں وفائیں کیونکر
نازو انداز ادا غمزہ کرشمہ شوخی	دلکو ہم اتنے اُچکّوں سے بچائیں کیونکر
داغِ دل داغ جگر دو نو ہیں پتھر کی لکیر	مٹنے والے نہیں یہ انکو مٹائیں کیونکر
کتنے ہیں دیکھکر وہ مراد اغدار دل	کھوٹا ہے مال کوئی خریدار ہو تو کیوں

بجا ہے تمتو وعدے کے بڑے سچے ہو کیا کہنا	ہمیں جھوٹے ہیں دم دیتے رہے تمکو ہمیں برسوں
ہمارے گھر بھی وہ آئے گئے غیروں کے بھی گھر میں	مگر تھا فرق یہ ٹھہرے کہیں دم بھر کہیں برسوں
ستم ہے سُنکے وہ رشک عدو کا ذکر کرتے ہیں	ہوا کیا ہے ابھی تمکو جلائیں گے یونہیں برسوں
دلِ بیتاب کہتا ہے رہیں مجھ میں ہمیشہ وہ	تقاضا ہے یہ چشم شوق کا ٹھہریں یہیں برسوں

اور کہا رنج و الم کون اٹھائے ہر روز
سنکے کہنے لگے بیدار خبر ہے اسکی
لگا دل اک بتِ ناآشنا سے
ملو ہاتھ تو نہیں تم اغیار کا خوں
لیا دل اُس ستمگر نے ہمارا
دیا بیدار جب دل جب آپ اُسکو
دل کو وہ خوگرِ آزار بنا رکھا ہے
لو ہوا اور ستم کا یہ طریقہ ایجاد
حسرت و یاس و تمنا کی نہ پوچھو بیدار
آپ بیدار کو کہیں کچھ بھی نہ

آدمی تھا نہ کلیجہ کہ سنبھالے دلکو
چاہئے دشمنِ جاں جسکو وہ پالے دلکو
کروں فریاد اب کیا میں خدا سے
یہ کچھ پھیکا نہیں رنگِ حنا سے
کرشمہ سے شرارت سے ادا سے
تو پھر مطلب ہے کیا چون و چرا سے
درد کا نام محبت نے مزا رکھا ہے
نام کافر نے تغافل کا حیا رکھا ہے
سب نے دل میں مرے کہرام مچا رکھا ہے
ہم اُسے پارسا نہیں سکتے نہ

زمانہ جانتا ہے تم بھی جانتے ہو ہمیں
مزا تو جب ہے کہ غیروں کا امتحاں کرتے
نالہ کچھ نغمہ نہ تھا جسکو سمجھتے معیوب
عشق کچھ عیب نہ تھا ہم جسے پنہاں کرتے

میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
تم تو مُنہ پھیر کر خفا بیٹھے
بزم سے دشمنوں کو اُٹھوا دو
بات بیدار سے نہ کی ظالم
کہنا تمہارا میرے سر آنکھوں پہ ناصحو
آئے ہیں ساتھ غیر کے وہ میری قبر پر
عشق کیا چیز ہے خدا جانے

رنج و غم سارے گھر کی پونجی ہے
گر یوہیں کوئی دوسرا بیٹھے
کیا یہ کرتے ہیں بے حیا بیٹھے
تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے
پر یہ کہو کہ دل پہ مرے اختیار ہے
ٹھکرا کے پوچھتے ہیں یہ کسکا مزار ہے
دل میں سوزش کباب کی سی ہے

بیدار

بیدار - خواجہ محمد بیدار بخت ولد خواجہ محمد اکبر نقشبندی - رئیس ڈھاکہ - اِن کی ولادت، مارچ ۱۸۸۴ء کو ہوئی - جو حالات انھوں نے بھیجے اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے -

کو بڑے مشہور جلیل القدر شاعر اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ نازک خیال تھے۔ اپنی ذہانت طبع اور نازک خیالی سے اختراع و ایجاد کے گل بوٹے لگاتے تھے۔ کلیات ضخیم اپنا کا یادگار چھوڑا ہے جسمیں ایک لاکھ بیت کے قریب ہیں۔ اُس زمانے کی حالت اور مذاق کے موافق کبھی ریختہ کی طرف بھی توجہ ہوجاتی تھے۔ ۱۱۳۳ھ میں شاہجہان آباد میں انتقال کیا تھا۔ اردو شعر تذکرہ منشی قدرت اللہ شوق مرتبہ ۱۱۸۸ میں انکے نام سے درج ہیں تبرکاً پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں۔

مت پوچھ دلکی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دلکی آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہم میں

بیدل

بیدل - خواجہ غلام حسین خلف خواجہ محمدی خاں نبیرۂ خواجہ رحمت اللہ خاں باطن۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے شاگرد تھے۔ غدر کے بعد چند سال تک دہلی میں طبابت کرتے تھے عرصہ ہوا کہ دنیائے فانی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ چند اشعار اُن کے کلام سے انتخاب لکھے جاتے ہیں۔ کلام کے دیکھنے سے طبیعت کی پختگی اور مشاقی کا پتا چلتا ہے۔ اور پڑھنے والے کے دل پر اثر ہوتا ہے۔

جان تو ہو کے خفا جب مرے گھر سے نکلا
ٹکڑے ہو ہو کے جگر دیدۂ تر سے نکلا

آہ اوس کو دمِ ناوک فگنی
گاہ دل گاہ جگر یاد آیا

ماہ سے نسبت کا دنیا تجکو ہے ناانصفی
مہروش تجھ میں اور اوسمیں فرق ہے ذرات کا

دل کر چکے پہلے ہی نیازِ غمِ فرقت
اب کیا ہے کیا قصد جو ہے ناز و ادا کا

پاؤں رکتا ہے کوئی کوچۂ جاناں سے مرا
دلکے ہاتھوں نہ گیا آج تو کل جاؤنگا

دلِ پرغم کے رہنے کے ہیں دو نو ٹھکانے ہیں
کبھی چاہِ زنخداں میں کبھی زلفِ پریشاں میں

نگہ کی چشم کی زلفِ دوتا کی
سہے اک دل جفا کس کس بلا کی

بتوں نے ملتے ہو راتوں کو بیدل
تمہیں بھی دن لگے قدرت خدا کی

نہیں پہچانتے تم کون وہ محفل میں بیٹھا ہے
وہی بیدار ہے جو رہ چکا ہے دلنشیں برسوں

اُلٹی گنگا وہ بہاتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں
وعدہ تو مجھسے ہے دشمن سے وفا کرتے ہیں
ناز انداز میں شوخی میں حیا کرتے ہیں
ہر ادا کو وہ اداؤں میں ادا کرتے ہیں
عرضِ مطلب کیلئے انکو مخاطب پا کر
دیے جاتے ہیں ٹھوکے مرے ارماں مجکو
سن لیا سن لیا کمبخت خدا کا مارا"
آپ نے مجکو کہا ہے ابھی ہاں ہاں مجکو

نہ مانیں گے نہ مانیں گے یہ اصلا ہم نہ مانیں گے
بندو گے جور کا جبتک مچلکہ ہم نہ مانیں گے
سوال وصل پر یہ ضد یہ ہٹ کیا لطف دیتی ہے
قسم ہے تمکو پھر اکبار کہنا ہم نہ مانیں گے
تمہیں ہے نازکتائی ذرا آئینہ تو دیکھو نہ
یہ سب بے بنیاد یہ بے اصل دعوی ہم نہ مانیں گے
خوشامد وہ مری آنچل پکڑ کر اُنکا وہ کہنا
زبردستی ہے کیا چھوڑ دو پٹہ ہم نہ مانیں گے
یہ چشم شوق آفت ہے غضب ہے تاک جھانک اسکی
ارے او چھپنے والے تیرا پردہ ہم نہ مانیں گے

کہتے ہیں وہ محشر میں گلہ کس سے کروگے
ہو جائے طرفدار ہمارا جو خدا بھی

جو تیر جان دیں اُنسے ملو تم یوں رکھائی سے
بڑے بیرحم ہو باز آؤ ایسی کج ادائی سے
جواب اپنی طرف سے دیں سوال وصل پر کیونکر
وہ پہلے مشورہ کرلیں حیا سے پارسائی سے
جسے دیکھا اُسے سمجھا کہ یہ بھی اُنکا عاشق ہے
عجب شکی ہوں مجکو وہم ہے ساری خدائی سے

بیدل

بیدل۔ مولانا مرزا عبدالقادر بیدل۔ قوم چغتائی اصلی وطن توران تھا مگر یہ بخارا میں پیدا ہوئے اور صغرسنی میں ہی ہندوستان آئے اور یہیں نشو ونما پائی۔ کمال عالی حوصلہ وسیر چشم تھے۔ ابتدائے شباب میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ خلف عالمگیر کی رفاقت میں رہے اور ہمیشہ موردِ عنایات شاہزادہ رہے۔ قوتِ جسمانی اور طاقتِ بدنی اسقدر تھی کہ ایک دفعہ شیر کو بلا ہتھیار زیر کیا۔ اپنے آقا کی وفات کے بعد تعلقات دنیوی سے کنارہ کرکے گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ نواب نظام الملک آصف جاہ نے مکرر باصرار دکن طلب کیا اگر اُنہوں نے نقل حرکت اصلا قبول نہ کیا۔ اور دہلی میں صبر وقناعت پر تکیہ کئے بیٹھے رہے۔ فارسی کلام آپ کا بڑے اعلےٰ پایہ کا ہے۔ فارسی کے

مٹایا ضعف نے لپٹی ہے ناتوانی یوں
کہ ڈھونڈھتی ہے قضا مجھکو جستجو ہو کر

لگی ہے چپ اُسے کیا جانے کہدیا ہے کیا
نقاہتِ دلِ مضطر نے گفتگو ہو کر

کسی کی زود پشیمانی میرے مرنے پر
دلِ عدو میں کھٹکتی ہے آرزو ہو کر

حریمِ کعبۂ غیرت سے مت نکال قدم
جیا تو ناک جیا ننگِ آبرو ہو کر

گر یہی جوششِ گریہ ہے تو اے وحشتِ دل
بحر ہو جائے گا جو گھر ہے بیاباں اب تک

رہینِ جاں فشاری جانِ مضطر
اسیرِ پاسِ ناموسِ تمنا دل

کہاں ہے ساحلِ بحرِ تمنا
سفینہ جسمِ لاغر ناخدا دل

وہ آنکھیں ہیں چہِ بابل کے چشمے
نگاہِ ناز کے ساتھ ہولیا دل

بچتی نہیں کشتیٔ حیا وصل میں احباب
اس بحر میں ارمانوں کے طوفان بہت ہیں

رخنہ اندازِ راز ہیں دیکھو
نگہ شرمسار کی باتیں

کرتی ہے تیغِ ناز بیدل سے
گلے مل مل کے پیار کی باتیں

قطرہ میں ہے بحر کا تماشہ
نقشہ ہے خدائی کا بشر میں

دلِ افسردہ کو ڈھونڈو تم اپنے بالوں میں
شکستہ دل ملیگا شکستہ بالوں میں

وفائے عہد کا شاہد عدو ہے
مسیحائی قضا کے روبرو ہے

کروں جینے کو اُس مرنے پہ قرباں
تہِ خنجر گلو سینہ پہ تو ہو

کام آئی گرہ کی رخنہ گری
کون سے مانعِ نظر نہ ہوئی

قصہ وہ کیا جو دل گداز نہ ہو
بات وہ کیا جو مختصر نہ ہوئی

تماشائے نمکپاشی دہانِ زخم سے پوچھو
کہ مجروحوں کو حرصِ لذتِ آزار کیسی ہے

ستمگر کے رخ پر نقابِ حیا سے
جفا سے جو باز آیا شرمِ جفا سے

کس توقع پر اُٹھائیں کوفت گریہ بھی نہ ہو
حسرتِ حاصل تو اپنی سعیِ لاحاصل میں ہے

آتی ہے جانا یہ لیسا آئی تھی تو کوئی دم
کھاتے پیتے کرتے کچھ آرام اُٹھتے بیٹھتے

کب اس گل کی گلی تک جا سکے ہے	ہوا باندھی ہے یاروں نے ہوا کی

بیدل

بیدل - مولوی حبیب الرحمان خلف حاجی احمد علی محدث - ارشد تلامذہ حسین علی خاں شاداں مرحوم دہلوی - معمر آدمی ہیں اور اب اپنے آپ کو مرزا غالب کا شاگرد لکھتے ہیں - سہارنپور کے رہنے والے ہیں - عرصے سے حیدرآباد دکن میں وارد اور سرکار مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر کے دامن دولت سے وابستہ رہکر دعاگو و وظیفہ خوار ہیں - فی الحال مدرسہ عالیہ نظام میں معلم فارسی ہیں - پرانی روش میں شعر اچھا کہتے ہیں - مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رہتا ہے - بندش وا دائے مطالب میں خاصے مشاق ہیں - اپنے استاد شاداں کی طرز خاص کے مقلد اور باوجود جید عالم ہونے کے نہایت شوخ طبع زندہ دل ہیں - اب کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

گر ملاحت سے وہ قاتل نمک افشاں ہوتا	حشر تک زخم نہ منت کش درماں ہوتا
تنگی زخم سے ارمانوں کے عقدے نہ کھلے	کاش دل بھی مرا ہمرنگ گریباں ہوتا
تجھ پہ مرنیکو سمجھتا جو حیات جاوید	بوالہوس ہجر میں کیوں مرگ کا خواہاں ہوتا
مر بھی جاتا تو جلانے کو وہ آتا نہ مسیح	مفت میں موت کا شرمندۂ احساں ہوتا
دل کی بیتابی سے آخر نکل آیا آنسو	سات پردوں میں جو رہتا تھا وہ باہر نکلا
صیاد صید ہو تو تماشائے جذب ہو	پھندا بنانا چاہیئے تار نگاہ کا
عیش دنیا ہیچ ہے اور پوچ ہے اُسپر غرور	آج ہم غمناک ہیں اور کل عدو غمناک تھا
رہتا ہے سیہ پوش سدا خانۂ کعبہ	اس غم میں کہ تھا پہلے جلو خانہ کسی کا
دلمیں وہی ہے جسنے کیا دلکو پاش پاش	کعبہ میں پہلے تیغ چلی پھر حرم ہوا
مژگاں کی آڑ میں وہ نگہ کام کر گئی	مارا کسی نے تیر کسی پہ بھرم ہوا
پاس رسوائی نے انجان بنایا اسکو	پھر وہ بیگانگی کا پردہ بیکار نہ تھا
دوست کے گھر کو کہوں خانۂ دشمن افسوس	ربط اغیار سے اتنا بھی سزاوار نہ تھا
خدنگ سینے میں بیٹھا ہے آرزو ہوکر	رکے ہے سانس گلے میں رگ گلو ہوکر

ہو رہا وہ کچھ نہ کچھ انجام کار
کام ہیں بیدل پڑے سارے تو نہیں

موت کا کھٹکا جسے ہر دم رہا
اور موت آنے میں وقفہ کم رہا

حسنِ رخِ زیبا کو نہ مشاطہ کی پروا
کچھ ایسے دل و جان سے دنیا کے ہیں جویا
ہے اُسکا گلہ کیا کہ جو سو کر نہیں جاگا
کہتا ہے زمانہ مجھے کچھ کر کے دکھاؤ
ہنسی آتی ہے اب لوگونکو سنکر نام الفت کا
بسانِ آبِ نیساں قطرہ قطرہ ہو دُرِ یکتا
حوادث نے دلونکی ولولے ایسے مٹائے ہیں
ہماری طرح تم بھی بے ہنر رہجاؤ گے بابا
نصیحت کو مری مانو مرے کہنے کو سچ جانو
بھلا میں اُنکے حلقہ میں کہیں آنے کے قابل ہوں
نہ شادی میں اُترتا ہے نہ غم میں نشۂ غفلت
مرے دم تک ہیں یہ عشق و ہوس کی تفرقہ سازی
مزہ آتا نہیں مطرب تری رنگیں نوائی میں
کبھی ہوں بتکدہ میں اور کبھی کعبے میں ہوں بیدل

حالِ دلِ بیتاب نہ محتاج بیاں کا
دنیا کو کبھی چھوڑ کے جانا نہیں گویا
رونا ہمیں اسکا ہے جو ہے جاگ کے سویا
عزت کے جو طالب ہو حکومت کے ہو جویا
گئے وہ دن بھینا کرتے تھے دل جب دامِ گیسو میں
اثر کا دینے والا گر اثر دے مرے آنسو میں
مزا آتا نہیں اب ہمکو جنبشہائے ابرو میں
جوانو کچھ نہ کچھ کر لو ابھی قوت ہے بازو میں
مرے اقوال تو لو عقل و دانش کی ترازو میں
اگر اغیار بد مذہب ہیں تو یاروں میں بھی بیدل ہوں
اجل ہشیار اگر کر دے تو کر دینے میں تو غافل ہوں
کہاں ایک میں ہی معیار عیارِ حق و باطل ہوں
کہ میں اک عمر سے خوکردۂ شورِ سلاسل ہوں
اسی اک اپنی دُھن میں سالکِ ہر راہ و منزل ہوں

تھا جواب آپ کی شکایت کا
کھاؤ تھا کھاؤ سے ہوا ناسور
مغفرت کا یقین اور پختہ
خوب حیلہ ملا مقدر کا
کچھ نہ کچھ ہو رہے گا آخر کار

ورنہ شکوہ ہمارا کام نہیں
اب کچھ امیدِ التیام نہیں
کیا ہے یہ گر خیالِ خام نہیں
ہمکو کچھ فکر صبح و شام نہیں
شوق جسکا کہ ناتمام نہیں

مجھ ہاتھ تیرے ٹوٹ نہ جاتے نسیم صبح
کب سے تھا قیس پردۂ محمل کے سامنے

مجکو شکوہ کی قسم مت کو وفا کی سوگند
کیا کہوں کس سے کہوں سخت پریشانی ہے

ایک مدت سے جو بیدل ہے وہ بیدل بھی ہی
سر بیدل کی قسم کھائیے گر کھانی ہے

تیرا وہ حسن کہ ہنگامہ طلب عالم سے
میرا وہ دم کہ چلا میری نظر سے پہلے

عشق آسان نہیں ہے دلِ خود رفتہ حسن
چشم مشتاق سے کئے ابھی تر سے پہلے

بیدل

بیدل - عالیجناب مولانا مولوی محمد عبد الرحیم خانصاحب بیدل دہلوی سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل ریاست حیدرآباد دکن و رئیس دہلی - مولوی محمد تقی خانصاحب مغفور کے خلفِ اصغر اور سید امراؤ مرزا صاحب انور مرحوم کی ارشد تلامذہ میں ہیں سالک مرحوم سے بھی اصلاح لی ہے ۳۰ برس تک ریاست حیدرآباد دکن میں عہدہ ہائے جلیلہ پہ ممتاز رہے اب پنشن لیکر وطن میں خانہ نشین ہیں اپنے دلی دوست ملک الشعرا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی طرز کے اسیر اور نئی روش کی شاعری کے دلدادہ ہیں اور حق یہ ہے کہ اس طرز خاص میں رتبہ استادی رکھتے ہیں - کلام میں سوز و گداز بہت ہے - اور متانت - اخلاق تہذیب اور نصائح کی چاشنی بھی نہایت دلکش پیرایہ میں موجود ہے - آپ کی ذات ستودہ صفات اساتذہ سلف کی یاد دلاتی ہے - خلق شرافت - متانت - اخلاق نے ہر دلعزیز بنا رکھا ہے - اب ۶۵ برس کے قریب عمر اور دہلی کے باوقر رؤسا میں آپ کا شمار ہے - ذیل کے اشعار آپکے فکر رسا کی رسائی کا نتیجہ ہیں -

تھا جزء بحقیقت عقل و خرد کا دشمن
جب سے خبر ملی ہے رہتا ہوں بیخبر سا

مذہب میں شناختانے جواب ہیں پہلے کب تھے
آپس میں آپ ہمنے پہلا دیا ہے بشر سا

یاروں کی بیوفائی اپنوں کی کج ادائی
دنیا سے اب تو بابا لگنے لگا ہے ڈر سا

سچ پوچھیے تو ملنا ممکن نہیں جہاں میں
دانا بھی آدمی سا ناداں بھی بشر سا

چھٹ گئے دنیا و مافیہا سے ہم
بیخودی میں بھی عجب عالم رہا

نہ ہے موت کا کچھ خوف نہ کچھ جان کی پروا
آئی ہے تو آئے کہیں جانی ہے تو جائے

جو مجھ پہ بلا آئی ہے فرقت میں تمہارے
ٹلتی نظر آتی نہیں اللہ ہی ٹالے

شہرت سے مجھے کام نہیں اپنے سخن کے
وہ جانتے ہیں مجکو جو ہیں جاننے والے

اب سانس کے لینے کی بھی طاقت نہیں باقی
بیدل کا برا حال ہے اللہ بچا لے

بیدل

بیدل دہلوی - منشی مرزا بیگ خان بیدل دہلوی - نبیرۂ نواب فاضل بیگ خاں مثبت جنگ وکیل سلطانی۔ سررشتہ تعلیم لاہور کے رجسٹرار کے دفتر میں پچیس تیس برس سے معین ہیں اور اکثر اردو درسیہ کتب کی ترتیب میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں۔ اس وقت ۵۵ ۵۶ برس کی عمر ہے اب عرصے سے فکر سخن چھوٹی ہوئی ہے۔ سابقہ کلام کا انتخاب حاضر ہے۔

رفو ممکن نہو یارب جو ٹکڑے ہو تو اتنا ہو
دل و سینہ جگر جیب و گریباں آستیں دامن

سنبھل کر قتل کر جوں ہیگنہ کا چھپنا مشکل ہے
لہو میں ہوں نہ تر جیب و گریباں آستیں دامن

ہوا جاتا ہے یہ ایک ایک محضر خون بلبل کا
نہ گل چن چن کے بھر جیب و گریباں آستیں دامن

بس حشر بھی ہے کوئی اور فردا
کہ یہ دن بھی پورا ہوا چاہتا ہے

سچ ہے چھری غریب پہ ہوتی ہے سب کی تیز
چھیڑا صبا نے زلف کو مجھ پر عتاب ہے

کب تک یہ ضبط نالۂ آتش فشاں رہے
کہدو کہ ہوشیار بس اب آسمان رہے

عیش و نشاط صحبت یاراں کہاں رہے
مانا جہانیں آپ خضر جاوداں رہے

عنقا سے نکتہ ہاتھ لگا ہے ہمیں یہ خوب
شہرت جو چاہے کوئی یہاں بے نشاں رہے

حال دل کی کچھ پریشانی نہ پوچھ
مو بمو صورت ہے زلف یار کی بو

دے گئی موت بھی آخر کو جواب
رہ گئی مرنے کی حسرت کیسی

چارہ کر کے دوا ہوں گے خجل
تیرے بیمار کو صحت کیسی

بیدل

بیدل - حاجی واحد نور خاں باشندہ باندہ آخر آخر میں آپنے منشی امیر مینائی سے تلمذ اختیار کیا تھا آجکل جاورہ میں ملازم ہیں۔ اور وہاں سے ایک رسالہ بھی نکالا ہے

مرگِ بیدل کا یار ہے خواہاں | اُسکی الفت میں کچھ کلام نہیں

سب طرح کی قدرتیں ہیں اور ہم مجبور ہے
واہ کیا آزادئ انسانِ بے مقدور ہے

منزلِ مقصود تک پہنچو گے یارو کس طرح
تم نہیں جاتے ہو بیٹھے اور جانا دور ہے

ایک کے مرنے سے دنیا میں کمی ہوتی نہیں
بھید جس پر کھل گیا حق کا وہ ہی منصور ہے

جو تجلی تھی گری اُسپر وہ یہاں ہر آن ہے
عاشقوں کا دل ہے یہ کیا مال کوہِ طور ہے

اسکی سیدھی سیدھی باتیں دلمیں چبھتی ہیں بہت
ایسا ویسا تم نہ سمجھو اسکو بیدل دور ہے

آخر کو تیرے کارن آفت پڑی اٹھانی
اے عمرِ رفتہ ہمنے پہلے تری نجانی

مُنہ سے تو پھوٹ بیدل کیا تو نے جی میں ٹھانی
تیرا اداس رہنا آفت کی ہے نشانی

وہ قہقہے کہاں ہیں وہ ولولے کدھر ہیں
روتا ہوں یاد کر کے گذری ہوئی جوانی

اِس سالخوردگی پر چھل غضب ہے اسکی
دنیا سے کوئی سیکھے اندازِ دلستانی

خود اپنی جان ہی کے یہاں پڑ رہے ہیں لالے
اِس مُنہ پہ ہمنے کی بس گلے کی پاسبانی

وہ کون سی ہے آفت جو یہاں نہیں ہے آئی
اِک تو ہی رکھی ہے اے مرگِ ناگہانی

مالِ متاعِ دنیا ہے بے ثبات کتنا
اسپر نہ کر بھروسا دولت ہے آنی جانی

دنیا کے کارخانے دھوکے کی ٹٹیاں ہیں
نکلا سراب آخر سمجھے تھے جسکو پانی

دلی میں تیر کرنا انفاسِ واپسیں کو
آساں نہیں ہے بیدل یہ آرزو برآنی

کمیاب ہیں انسان کے پہچاننے والے
یاں ہر کس و ناکس سے خدا کام نہ ڈالے

گر میرا کہا مانے تو بیدل کو منالے
ملتے نہیں دنیا میں کہیں چاہنے والے

دل دیکے ادھیں لطف بہت ہمنے اُٹھائے
کرتے ہیں بس اب جان بھی ہم اُسکے حوالے

اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں بیمار میں تیرے
کیونکر تری الفت سے بھلا ہاتھ اُٹھالے

کچھ کھو ہی کے انسان کو ملتا ہے مرجاں
پائے وہی اُسکو جو اپنے کو مٹالے

مجھکو بھی دکھاتی ہے دمِ سرد کی تاثیر
جتنا ترے امکان میں ہو مجھکو جلالے

مرتے آتے ہیں اُنکو امتحاں سے	نیا دل لاؤں میں ہر دم کہاں سے
دعائے مرگ سے بھی ہاتھ اُٹھایا	کہ آخر کام ہے اِک بدگماں سے

بیدم

بیدم — مولوی غلام جیلانی۔ ایک قدیم تذکرہ میں انکا بہت سا کلام نظر سے گذرا مگر حالات مطلق معلوم نہوئی۔ زبان بہت صاف۔ شیریں اور طرز بیان بے تکلف اور صاف ہے۔ اور نزاکتِ معنی کے پہلو بھی جابجا اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ آپ نے شاہ عالم ثانی کے عہد میں نشو و نما پائی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ کمال نے جلا نہ پائی اور قبول عام کے دربار سے محروم رہے۔ معاملہ بندی بھی اچھی ہے اور اُس زمانے کے لحاظ سے نشست قافیہ و بندشِ الفاظ بھی قابلِ تعریف۔ کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

خیال ما و منی جسنے دل سے دور کیا	خدا کے نور نے اُس دل میں آ ظہور کیا
سلوک سنگدلوں کا نہ پوچھ اے ہمدم	مرا یہ شیشۂ دل لے کے چور چور کیا

جس ادا سے ہے اُس جواں کی ادا	کون رکھتا ہے ایسی بانکی ادا
کہئے کیا اپنے بے ادب کی ادا	گرو ہے جسکے آگے سبکی ادا
کج نگاہی سے دیکھنا اُسکا	ہائے رے شوخ پرغضب کی ادا
زخم کرتی ہے دلپہ جیوں شمشیر	مسکرانے میں اُسکے لب کی ادا

گیا ہے گھوڑے کو خیز کرتا اُدھر سے وہ شہسوار میرا	ہو کیوں نہ آنکھوں میں دوستوں کی برنگ سرمہ غبار میرا
نہ تھی شہر سے سخت مجکو اُلفت رہا نہ مجنوں صفت میں بند میں	پھپھولے پڑ تے تھے پاؤں کھینچے تھا گرچہ دامانِ خار میرا
میں خاک غربت میں رُل گیا ہوں برنگ اشکِ روانِ بیدم	کسیکی آنکھوں کے شوق میں آہ جسنے چھوٹا دیار میرا
کس کی تو جستجو میں آہ پھرتا ہے بیدم ابر ساں	نعرہ زناں و گریہ ناک نمناک بسر برہنہ پا
اُس چشم سرمہ سا نے جی سے جہاں نے مارا	ہندوستاں سے لیکر تا اصفہان مارا
سمجھے جو کوئی محرمِ اسرارِ غیب ہو	تیرے دہانِ تنگ کی ہمنے نہ پائی بات
عالم نے دیکھ سوزِ دل اور چشم تر مری	سو سو طرح کی اُس سے لگائی بجھائی بات

ہجر میں جینا تو کیا مرنا بھی مشکل ہو گیا
آہ تو غارت نہ کیوں پہلے ہی بیدل ہو گیا

مار ڈالا آپکی لطفِ عیادت نے مجھے
جو مسیحا بن کے آیا تھا وہ قاتل ہو گیا

صیاد قفس میں نہیں ہم آپ سے آئے
کچھ بانی تھا تقدیر سے کچھ دانہ ہمارا

قطعہ

دورافتادہ یارانِ گلستانِ وطن
تجھکو پیغام یہ اے بادِ صبا دیتے ہیں

ہمصفیروں سے یہ کہنا کہ گرفتارِ قفس
یاد کرتے ہیں تمہیں اور دعا دیتے ہیں

تم ہمیں بھول گئے یہ تو نہ تھی شرطِ وفا
دیکھنا تو کہ جواب اسکا وہ کیا دیتے ہیں

بیمار ہوں میں نرگسِ بیمارِ یار کا
بیمار سے مریض کو حاجت دوا کی ہے

بیدل

بیدل لالہ شگل سین۔ جھنجھیانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے اور آجکل علیگڈھ میں رہتے ہیں مولانا شوکت سے فنِ سخن میں استفادہ کیا ہے۔ ۲۵ برس کی عمر اور یہ نتائجِ افکار کا خلاصہ ہے۔

اے خوشا جلوۂ نیرنگیِ سبزانِ چمن
اے خوشا شیوۂ بدمستیٔ مستانِ بہار

صلح پروازِ نسیم سحری بیچ میں ہے
گل و بلبل ہیں نئے رنگ سے مہمانِ بہار

ساغر و لالہ و گل بہتے ہوئے پھرتے ہیں
آگیا بھر کے ناب میں طوفانِ بہار

آؤ اور آکے مسیحائیِ قدرت دیکھو
آگئی قالبِ نظارہ میں پھر جانِ بہار

زنگ کے پردے میں اب بکتی ہے صہبائے فرنگ
کھولدی جلوۂ بدمستئ دکانِ بہار

یکتائے صنم سے دوئی دو بدو نہ ہو
تو ہو بہا ہوا تو تری آرزو نہ ہو

کہتی ہیں رشکِ حسن سے دل کی صفائیاں
اے کاش آئینہ بھی ترے روبرو نہ ہو

ابرِ بہار دھوئے رخِ گل ہزار بار
تیری سی آب و تاب نہ ہو رنگ و بو نہ ہو

پھیکی ہے روشنی مرے شمعِ مزار کی
وہ شعلہ رنگ گرمیِ بزمِ عدو نہ ہو

بیدل کا خوں اگر نہ ہوا تیغِ ناز سے
پھر یہ شہیدِ روزِ جزا سرخرو نہ ہو

جگر ٹکڑے ہوا تیرے بیاں سے
خبر لایا ہے اے قاصد کہاں سے

کب منفعت کسیکو خوش قامتونسے پہنچے
گلشن میں سرو کیسا دیکھو تو سنے تیرے
گلستاں ترک کرائے باغباں ہم نہیں جا بیٹھے
تمہارا جیسے جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے

یہ طفلِ سرشک اپنا اُستاد ہے
محیط اسکو یار رور واں یاد ہے

خیال زلف و رخ میں نت مری اوقات کٹتی ہے
اِسی میں دن گذرتا ہے اسی میں رات کٹتی ہے
جفا تونے وفادار و نپہ یکبار ایسی کی
کرے ابتک سنی ہے نے کسینے یار ایسی کی
جفا کر وفا کیا چاہتا ہے بے نیاز و نسے
جو تونے ہمسے ویسی کی تو ہمنے یار ایسی کی
خط ترا غیرتِ ناموس نظر آتا ہے
مالکِ زنگ و شہِ روس نظر آتا ہے

اَب دیکھ ترے عقیق لب کو
انگاروں پہ لعل لوٹتا ہے

نشاں کچھ اور بنایا چمن میں بلبل کا
پڑے سے تھے مشت پر اسکی جا پہ آشیاں کے تلے
ہوں شاہِ کشورِ دیوانگی کہ ہے اپنی
ہزار فوجِ غم اِس آہ کے نشاں کے تلے
بلند مرتبہ عرش آشیاں ملا ہے اُنھیں
سکان حضرت بیدم ہے لامکاں کے تلے
کیا کیجئے کہ عشق سے اپنا بدن جلے
کیونکر کوئی بجھاوے جو آتش سے بن جلے
جب آیا کھینچکر مجھپر وہ تیغِ ابرواں اپنی
گئے صبر و قرار آگے چلی پیچھے سے جان اپنی
ٹالتا ہے وصل کے وعدو نپہ وہ برسوں مجھے
روز بتلاتا ہے ظالم آج کل پرسوں مجھے
رکھیں کب داغ سے اپنا دلِ پُر درد ہم خالی
جہاں بیٹھے ہی کھوٹا ہو جو سکے سے درم خالی
سیہ بختی سخن سنجونکو لازم ہے سمجھ دیکھو
نہیں چلتا ہے جب ہووے سیاہی سے قلم خالی
نہ پوچھ اے ہمنشیں باعث تو بیدم کے نہ ملنے کا
نہیں رہتا ہے وہ آہ و فغاں سے ایکدم خالی
بسکہ دلِ میرا وصالِ یار سے مایوس ہے
جو سخن ہے لب پہ یہاں سو حسرت و افسوس ہے
ہائے کیا کیجے کہ مائل ہے یہ دل تیری طرف
اور خاطر آپ کی اغیار سے مانوس ہے
گرچہ اب ہو رنگ سی مثلِ حنا خوں کیجئے
کس کو دنیا میں میسر یاں ترا پابوس ہے
بزم میں اُس شمع رو کی یار بیدم کب ملے
سر پر اپنے سایہ افگن طالعِ منحوس ہے

سنگ گراں کسی نے اٹھایا تو کیا ہوا
زور آور اُسکا نام ہے جسنے اٹھائی بات

رہتے ہیں شور کناں نالہ و افغاں باہم
جیوں سبق پڑھتے ہیں اطفال دبستاں باہم

بہتی ہے زور شور سے اپنی مدام چشم
آنک بحر ہے عظیم کہ جس کا ہے نام چشم

کس گل کی اس چمن میں ہے دیکھی بہار چشم
جوں شبنم اب جو روتی ہے تو بار بار چشم

خوباں ہمیں بھی آن کے دیکھا کرو کبھی
پر تاب ہم بھی رکھتے ہیں آئینہ وار چشم

بیدم ہیں آج ہند میں ہوں فخر شاعراں
طاقت ہے کس کی ہووے جواب سب مجھسے چار چشم

ہیں ظالم اتنی اُس کافر بت بے پیر کی آنکھیں
کہ جسکو دیکھ پھر گئیں جوان و پیر کی آنکھیں

تری ابرو کو گر میں دیکھکر رووں عجب مت کر
کہ اکثر دیکھتی ہے خلق ماہ نو کو پانی میں

سواد چشم ہوا یوں بیاض رونے سے
سپید ہوتی ہے جیسے کتاب دریا میں

یہ کس کے لشکر سیلاب اشک کی خاطر
خیم حباب ہیں موجیں طناب دریا میں

ہے رنج خامۂ بیدم غزل کے بحر میں یوں
کہ جیسے برسے اُتر کر سحاب دریا میں

او سے اے شعلہ خو یکشب ترا ملنا میسر ہو
برنگ شمع تیری بزم میں جو خاک آکر ہو

گر چڑھے ناز کے توسن پہ کمر باندھ کے تو
لا دے فتراک سے اک خلق کا سر باندھ کے تو

قید اس دلکو کیا ہے کمر نازک نے
ہے بجا مجھکو رکھے موئے اگر باندھ کے تو

اے وہی کمبخت لگے کیسہ تو اُڑا گل کی طرح
مت رکھے غنچہ نما گانٹھ میں زر باندھ کے تو

دل میں رہجائے نہ تا حسرت دیدار کہیں
قتل مت کیجو مرے دیدۂ تر باندھ کے تو

آبرو سے ہے ولا قیمت و قدر عالم
یہ سخن گانٹھ میں رکھ مثل گہر باندھ کے تو

ایک شب بخت سے پائی تھی ملاقات کی راہ
پھر کسی دن ملے اللہ اسی رات کی راہ

شیخ کل واسنے تو بیدم کو تو لایا تھا اٹھا
آج اُس رند نے پھر لی ہے خرابات کی راہ

خاک سے جیوں نقش پا ہو کیوں نہ مایوسی مجھے
خوش لگی ہے خوبرویونکی قدمبوسی مجھے

جس سنگدل پہ اپنی یہاں اندنوں نظر ہے
تصویر اُسکی دلپر اب نقش کالحجر ہے

بھٹناگر و شاگرد مرزا غالب و منشی ہرگوپال تفتہ - پندرہ برس کے سن سے شعرگوئی کا شوق ہوا - فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے - ایک مثنوی بھی لکھی تھی - ستائیس برس کی عمر سے سینتیس برس تک مناصب داروغگی و منشی گری پر سرکار انگریزی میں مامور رہے مدت تک دہلی میں رہنے کا اتفاق ہوا جب تک مرزا زندہ رہے ہمیشہ دوسرے تیسرے مہینے آتے رہتے تھے ۱۳۰۲ھ میں ستر برس کا سن تھا - مشاق اور موزوں طبع شاعر تھے - یہ انکا کلام ہے -

بے ہوئے میرے نہ آیا تو مواہی موت میں — تجھکو آساں مشکل اور مشکل مجھے آسان ہوا
گھر ہوا ویران جب اپنا گھر ہوا ویرانہ میں — مین رہا صحرا میں صحرا میرے گھر مہماں ہوا
تنگ ہوں یہ لیلی وحشت سے کہ صحبت سے مری — تنگ یہاں تک آگیا صحرا کہ خود زنداں ہوا
شعر سنکر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ — اب وہی بیصبر دیکھو صاحب دیواں ہوا

مدعا گر ہے تو یہ ہے عاشق دلگیر کا — اشک میں ہونا اثر کا آہ میں تاثیر کا
بیخودانِ عشق کو کیا حاجت ترک لباس — تن سے پیراہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا

عیاں جب اپنا فروغِ کمال تو نے کیا — تمام کردیا مہ کو کمال تو نے کیا
خودی کی وہ جب علت ہوئی خود رہگئی باقی — جسے ہم ڈھونڈتے تھے ہوگئے گم جب ہم پایا
دل اپنا قابو سے زلفِ دوتا میں ڈالدیا — آلہی تو نے مجھے کس بلا میں ڈالدیا
صبا نے کیا یہ خطا کی کہ زلف اسکی ہلا — ختن میں زلزلہ لرزہ خطا میں ڈالدیا
تجھسے کیا اسکا گلہ کیا تیرا احساں مجھپر — غیر پر تیر چلایا تھا مرے آن لگا
کچھ میں کہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ کیا چاہتے ہو — چپکے بیٹھے نہیں رہتے ہو اٹھا چاہتے ہو
رخصت وہ ہوا اشک ہمارے نکل آئے — خورشید کے چھپتے ہی ستارے نکل آئے
بوٹا سا قد چھریرا بدن جیسے سارنگ — بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

بیفکر - منشی ہرپرشاد بیفکر لکھنوی - آجکل کے نومشق کہنے والوں میں ہیں

بیفکر

ہے وبالِ سر کمال اپنا کہ ہم اس باغ میں
زیر چوب و سنگ نخلِ پُر ثمر دیکھا کئے

کب نظر میں اُنکی آوے جلوۂ گل عندلیب
جو مدام آنکھوں سے یاں لختِ جگر دیکھا کئے

کچھ نہ ہمسے سادہ لوحوں سے ہوا جوں آئینہ
غیر کی بیدم مگر عیب و ہنر دیکھا کئے

کوچے کی راہ تیری اے شوخ کم چلی ہے
شمشیر ہی وہاں پر اِک دم بدم چلی ہے

سیمیں تنوں کی شہرت ہر نامِ عشق سے یہاں
نے سکہ بھی جہان میں کوئی درم چلی ہے

بیمار چشم کو تو آ دیکھ اپنے ورنہ
مثلِ حباب ورنہ چھاتی میں دم چلے ہے

مانندِ خامہ بیدم ہوں کیا سیاہ بخت آہ
زنجیر پا میں میرے میرا ہنر ہوا ہے

اشک میں گھٹتا ہے ڈوبا چرخِ دولابی مجھے
مردمک آسا کیا ہے مردمِ آبی مجھے

گرم دیکھا ہے سمندِ ناز کو کس شوخ کے
برق کی مانند رہتی ہے جو بیتابی مجھے

ہوں مریضِ عشق دیجو اے طبیبِ حسن تو
جائے شربت بوسہ لبہائے عنابی مجھے

بیرنگ

بیرنگ - دلاور خان دہلوی شعرائے قدیم میں مرد سپاہی پیشہ اور مصطفےٰ احسان یکرنگ سے مستفیض تھے طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتے تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ یہ اِنکا کلام ہے۔

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اُسکو خط بیرنگ
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
دوانا ہوں میں گل کی رنگ و بو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہوترشش
مثل مشہور ہے سویا سو چُوکا

دلکو تجھ عشق سین قرار نہیں
اب تلک تجھکو اعتبار نہیں

مفلس کی خبر ہے اے سیم بدن تجکو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو اِک بوسہ ملتا شکر آلودہ

بیصبر

بیصبر - لالہ بالمکند بیصبر متوطن سکندر آباد ضلع بلند شہر خلف لالہ کانجی مل کاستھ

مصحفی و احمد خاں غفلت۔ فارسی عربی میں استعداد کامل رکھتے تھے طبیعت مضموں خیز اور زبان نہایت صاف و شیریں پائی تھی۔ نواب محمد سعید خاں والیٔ رامپور کی فرمائش سے بوستانِ خیال کے کچھ حصّوں کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا تھا کئی دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر سب کے سب پریشان ہو گئے ۲۴ ربیع الاوّل ۱۲۷۱ھ میں ستر برس کی عمر میں انتقال فرمایا رامپور و مراد آباد میں ان کے شاگرد بکثرت تھے جنمیں منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے درجۂ امتیاز پایا۔ سوز و درد کے مضامین بالخصوص نہایت موثر و دلکش پیرایہ میں نظم کیا کرتے تھے۔

کون پرساں ہے حالِ بسمل کا — خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا

لبِ جو کون سیر کو آیا تو — موج منہ چومتی ہے ساحل کا

سانس آہستہ لیجیے بیمار — ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

نہ بناتا جو دن جدائی کا — کیا بگڑتا تری خدائی کا

شک ہمیں اپنے صنم کی بے نیازی میں نہیں — دل کے لینے کا خدا جانے سبب کیا ہو گیا

ہائے رے شوخی کہ آپہونچا جو وہ گھر تک مرے — پھر گیا درباں سے یہ کہکر کہ دھوکا ہو گیا

جس کسی نے دل دیا اُنکو چھپے چوری دیا — ایک میں کم بخت ناداں تھا کہ رسوا ہو گیا

دل چاک چاک ابروے خمدار نے کیا — کعبہ کو کربلا ترے تلوار نے کیا

بیمار لے چکے ہیں ابھی تو وہ امتحان — کمبخت پھر وفا کا تجھے حوصلہ ہوا

مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز — بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں

موت سے بھاگنے لگے بیمار — کیا اُسے تم شکستہ پا سمجھے

اور مطلب آہِ سوزاں سے نہیں — خاک ہونے کی تمنا ہے مجھے

بیمار کو غفلت سے ہے بہت خیر نہیں آج — ہر چند کہ تھی حالتِ غش کل مگر ایسی

ہر روز وہ پھر جاتے ہیں در تک مرے آکر — کچھ جذبِ محبت کو لگی ہے نظر ایسی

یہ کلام ہے

زندگی میں جب شریکِ دردِ دل کوئی نہیں	بعد مُردن کون ہوگا نوحہ خوانِ اہلِ درد
دھواں جو آہ کا میرے بلند ہوتا ہے	فلک پہ سب اُسے کالی گھٹا سمجھتے ہیں
خدا نے جنکو عطا کی ہے عقل و دانائی	بتوں کو دل کہیں سب بے آزملے دیتے ہیں
ایسا استغنا انہیں اپنی مسیحائی کا ہے	دیکھکر بیمار کو کہتے ہیں مرجانے بھی دو
اس زمانہ میں وہ خوش ہے جو مروت نکرے	رات دن رنج اُٹھاتے ہیں مروت والے

بیقرار

بیقرار - میر کاظم حسین بیقرار ہمشیرزادہ نواب سید رضا خاں مختار شاہ عالم ثانی۔ شاہ نصیر کے شاگرد اور اُستاد ذوق کے ہم مشق تھے۔ دیوان ذوق مرتبہ مولانا آزاد میں آپ کا مفصل حال درج ہے۔ بڑے موزوں طبع اور ذہین نوجوان تھے مگر افسوس کہ باوجود تلاش صرف یہی دو شعر ملے۔

جس طرف پھر نار ہا یار وہ رشکِ آفتاب	جوں دلِ خورشید دل اپنا مقابل رکھیا
رخ سے گر زلفین اُٹھیں توچھوڑ دی اُسنے نقاب	اِک نہ اِک پردہ ہمارے اُسکے حائل رکھیا

بیکل

بیکل سید عبدالوہاب۔ دولت آباد دکن کے باشندے اور سید مرتضیٰ خاں قلعہ دار دولت آباد کے عزیز تھے۔ سید عبدالولی عزلت سے اصلاح لیتے تھے۔ فارسی میں افتخار اور ریختہ میں بیکل تخلص کرتے تھے۔ مکرمی منشی سید علی اصغر صاحب کی بیاض میں انکا کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کوہ بھی ہنگامِ بارش میں عروسِ وقت ہے	سر پہ اُسکے سہرا مروارید کا ہے آبشار
عشق میں بھی ثابتی ہے مجھ دلِ بیتاب کو	برقرار آتش پہ دیکھا بس اسی سیماب کو
تری آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا	دوا نوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں متوالے
آج دل پھر تڑپ میں آیا ہے	کس پری کی جھڑپ میں آیا ہے

بیمار

بیمار - شیخ علی بخش بیمار ولد شیخ غلام علی ساکن شہر بانس بریلی۔ شاگرد رشید میاں

اکثر اودھ پنچ و دہلی پنچ وغیرہ میں آپ کے مضمون شائع ہوئے ہیں بروقت ترتیب تذکرہ چند غزلیں ملاحظہ ہوئیں اِن میں سے چند شعر انتخاباً لکھے جاتے ہیں۔

چڑھ گئے رندوں کے ڈھب پر آج حضرت شیخ جی
کھل گیا پیچھا میاں کے زہد بے بنیاد کا

عاشقِ زار کو ہرگز نہ ستاتا ظالم
خوف کچھ بھی جو تجھے ہائے خدا کا ہوتا

ہم مر گئے تب پر بھی خطا وار ہی ٹھہرے
اندھیر یہ ہمنے تیری سرکار میں دیکھا

اس ہستیِ موہوم پہ نازاں نہ ہو ناداں
اک دم کا بھروسا نہیں بیمار یہاں کا

نام والوں کے مٹائے ہاں سب نام و نشاں
اے فلک ہم پر تبلا تجکو حاصل کیا ہوا

بیمار۔ حکیم جعفر علی خلف حکیم سکندر علی مرحوم متوطن ضلع میرٹھ علم عروض کی تحصیل مولانا محمد حسین آزاد دہلوی سے کی تھی علوم مشرقی سے اچھی طرح ماہر ہیں تاریخ گوئی کا شوق زیادہ ہے ۱۳۰۳ میں ۳۰ سال کی عمر تھی اور مہاراجہ کپورتھلہ کے ہاں بزمرۂ اطبا ملازم تھے یہ انکے اشعار ہیں۔

صیّاد کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے
کل دیکھا تڑپتا جو تہِ دام ہمارا

دامن کو میرے خون سے قاتل بچائیو
کہتے ہیں چھوٹتا نہیں دھبّہ لگا ہوا

اک زمانہ تھا کہ پابند تعلق میں بھی تھا
اب تو میں آزاد ہوں شاگرد ہوں آزاد کا

شعلۂ نوا۔ مقبول شاہ نام۔ عنفوان شباب میں ظاہری تعلقات دنیاوی ترک کر کے مولوی محمد رفیع الدین کے مرید ہو گئے۔ علاوہ عاشقانہ شاعری کے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ اور اس فن میں حافظ محمد حفیظ المتخلص بہ حفیظ سے اصلاح لیا کرتے تھے واقفیت فن شاعری میر عزت اللہ عشق سے حاصل کی تھی۔ میر و سودا کے ہمعصر اور سنہ ۱۲۴۸ھ تک زندہ دہلی میں موجود تھے یہ کلام اُن کا ہے۔

پڑے وحشت جنوں کے ہاتھ ہم جس دن سے اے ہمدم
گریباں ٹکڑے ٹکڑے دھجیاں داماں کی سر پر

یہ رتبہ ہمنے پایا عشق میں اُس شاہِ خوباں سے
بندھے ہیں سر پہ سیلے اور فقیری شان رکھتے ہیں

کمندِ عشق میں جس پر کیا اسیر مجھے
عدم میں کیا وہ خدا یا ہوئی عتاب مجھے

گیا نہ بزم بتاں میں نہ آپ میں آیا
کہیں نہوں گے زمانے میں نارسا مجھے

کیا سفر کا ارادہ جو بزم جاناں سے
کوئی گلے نہ ملا موت کے سوا مجھے

کہیں سُنی ہیں یہ نازک مزاجیاں بیمار
کہ اُٹھ سکی نہ حسینوں کی التجا مجھے

جنت میں حیاتِ ابدی خاک ملے گی
دنیا میں تو مانگی نہ ملی موت خدا سے

اَبْ اور آرزو نہی اے خدا مجھے
کیا اور دل دیا کہ سبھی کچھ دیا مجھے

یا تو دُنیا سے الٰہی دلِ شیدا اوٹھ جائے
وصلِ معشوق کی یا دل سے تمنا اُٹھ جائے

نہ رہنے دے گی وحشت تبکدے میں
اُٹھو بیمار جو مرضی خدا کی

حالِ دلِ بیمار نہیں ضبط کے قابل
لیکن وہ زباں مجھکو ہلانے نہیں دیتے

بیمار

بیمار - حکیم محمد مراد علی بیمار خلف مولوی سید کرم علی عرف میاں کریم جی زمیندار موضع دولت پورہ معروف رائے سنگھ پورہ پرگنہ نوہر علاقہ بیکانیر مطبع راجستان کے مالک راجپوتانہ گزٹ اجمیر کے ایڈیٹر تھے ان کے بزرگ حضرت پیران پیر کی اولاد امجاد اور خاندان سیادت قصبۂ شاہ ڈھوڑہ واقع پنجاب سے ہیں انکے دادا سید احسان علی صاحب کو مہاراجہ صورت سنگھ مرحوم سابق والیِ بیکانیر نے بعوض معالجہ مہارانی صاحبہ جاگیر عنایت کی تھی - چنانچہ اُسی زمانہ سے علاقہ بیکانیر میں بود و باش رہی پیری مریدی اور جاگیر ہر معاش ہے - سولہ برس کی عمر میں نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر تین برس تک علم عربی و فارسی حاصل کیا انہیں دنوں مرزا غالب دہلوی مرحوم کی خدمت میں بھی کچھ دن حاضر رہے پھر سیاحی کا خیال آیا تو کشمیر - کاشغر - حبش تک دیکھ آئے ہندوستان واپس آکر چند سال محکمہ پولیس میں سررشتہ دار و انسپکٹر رہے اب عرصے سے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے - جنگ نامہ روم و روس - مسائل خمسہ وغیرہ انکی تصنیف سے ہیں طبیعت حاضر جواب ہے - اور زود نویس بھی ہیں -

محررہ ۱۱۶۸ھ میں ان کی چند غزلیں ملیں اونمیں سے چند شعر منتخب ہوکر درج ہوئے شاہ حاتم اور میرزا رفیع السودا کے ہم عصر تھے۔

رواں گھر اپنے سے جسدم وہ کافر شوخ چنچل ہو — تو پھر اوسدم یہی جا ہو قیامت ہو اور ہلچل ہو

زری کی اوڑھنی سر پر سراپا اور جھلا جھل ہو — جھلک سے شمس تاباں کی جھلک کچھ اسکی منفعل ہو

گندھی ہو مانگ میں موتی کھنچے ہوں بال کنگھی سے — جڑی مسی ہو دانتوں میں لگا آنکھوں میں کاجل ہو

شکر آلودہ لب ہوویں دہن ہو میم کی صورت — صراحی کیسی گردن ہو شکم مانند مخمل ہو

جب اس سج دھج سے بن ٹھن کر دکھادے وہ غضب عالم — تو ممکن کیا کہ جو دیکھے سو وہ اسپر نہ بیکل ہو

عجائب شعر پر مضموں کہا بیہوش جو تو نے — غزل اک اور لکھ اسپر کہ اس سے بھی سلسلا ہو

بیہوش

بیہوش - لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنو ۱۸۸۰ء تک حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔

دیتے ہیں بے قصور جو یوں گالیاں مجھے — سمجھے ہوئے ہیں آپ مگر بے زباں مجھے

اک وار اور جس میں کہ قصہ ہو مختصر — قاتل نہ چھوڑ بہر خدا نیم جاں مجھے

ہر چند کی ہے دیر و حرم میں بہت تلاش — ملتا نہیں ہے یار کے گھر کا نشاں مجھے

بیہوش حد سے بادہ پرستی گذر گئی — ہر دم یہ طعنے دیتے ہیں پیر و جواں مجھے

تمام

کہیں اُس زلف کی لٹ کھلگئی ہر　　چلی آتی ہے بوٗ مشکِ ختن کی
شہید تیغ ابروئے بتاں ہوں　　مجھے حاجت نہیں تیغ و کفن کی

جبکہ مضمونِ کمر پیش نظر آتا ہے　　بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

بینوا

بےنوا - انکا اصلی نام تحقیق نہیں ہوا - فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے زمانے میں ہولی کے موقعہ پر کچھ لڑائی دنگا ہوُا اور ایک جوتی فروش سُبکرن جوہری کے ہاتھ سے مارا گیا - اسپر شہر کے جوتی فروشوں نے بلوہ کر دیا اور جامع مسجد میں ہجوم کر کے امام کو خطبہ پڑھنے سے روکدیا - نواب ظفر خاں روشن الدولہ ملقب بہ طرّہ باز خاں نے اُس جوہری کو اپنے مکان میں پناہ دی اور نواب وزیر الممالک قمر الدین خاں اعتماد الدولہ جوتی فروشوں کے حامی و مددگار رہے آخرانِ دونوں امرائے ذی اقتدار کے مابین سخت ہنگامہ ہوا اور بیسیوں آدمی طرفین سے کام آئے - نواب ظفر خاں کے اُس فتنہ و فساد میں کسی جوتے والے نے جوتا مارا - چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

آنچہ برفرقِ ظفر خاں از خدا افتادہ است　　من چہ گویم معنی آن پیش پا افتادہ است

حضرت بینوا نے اِس معرکہ کی کیفیت ایک مخمس میں رقم کر ڈالی جو مدتوں تک عوام کے زبانزد رہی - اُسکا ایک بند نقل کیا جاتا ہے -

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نابکار　　مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار ؟
جوتی فروش مردِ مسلمانِ دیندار　　مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگِ جفا سے چور کیا لعلِ آبدار

کتنوں کو مار جیسے قضا نے گرا دیا　　کتنوں کا جی بچا کے بہت ہڑبڑا دیا
کاغذ یہ بینوا نے یہ سنکر چڑھا دیا　　لکھا ہے مار جوتیوں طرّہ اڑا دیا
تا حشر ہر زبان پہ رہے گا یہ یادگار

بیہوش

بیہوش - ایک قدیم سخنور کا تخلص ہے جنکا نام معلوم نہو سکا - قلمی مسودات

نمبرشمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۷۱	۲۰۵	۷	لاڈلا	لاڈلا	
۷۲	۲۰۸	۰	انتزاع	انتزاع	
۷۵	"	۴	جاہے	جاسکے	
۷۶	۲۱۱	۱۰	اچھل	اچھل	
۷۷	۲۱۶	۴	بچا ؟	بچائے	
۷۹	۲۲۱	۱۲	گگی	گئی	
۸۰	۲۲۴	۷	یچ	پیچ	
۸۱	۲۲۶	۳	ہوتی ہوتی	ہوتی	
۸۲	۲۳۱	۶	اب	تو اب	
۸۳	۲۳۳	۱۹	اور میدان	اور یہ میدان	
۸۴	۲۲۶	۱۰	رلاتا ہے	رلاتے ہیں	
۸۵	۲۳۸	۱۵	کو	لو	
۸۶	۲۴۱	۳	تڑپ کے کو	تڑپ کر	
۸۷	۲۴۳	۱۰	یہی سہے	یہی	
۸۸	۲۵۰	۱۶	آستے	آتے	
۸۹	۲۵۸	۲۰	معیو	جو	
	۲۵۸	۱۳	لب با	لب یار	
۹۰	۲۵۹	۱۵	انھیں	انھیں	
۹۱	"	۲۰	تیری	میری	
۹۲	۲۶۳	۱	—	ارشاد برحاشیہ	
۹۳	"	۴	لایق	طریق	

نمبرشمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۹۴	۲۶۳	۱۳	سغری تھے	کی کہتے	
۹۵	۲۶۴	۱۲	شادات	شاداں	
۹۶	۲۶۵	۱۱	لئے تھے	لئے گئے تھے	
۹۷		۲۱	رہا	رہے	
۹۸	۲۶۶	۱۵	لیا	بڑھا	
۹۹	۲۶۷	۲۱	ہوا	ہو	
۱۰۰	۲۶۳	۵	صورت	سورت	
۱۰۱	۲۶۸	۱۴	سے دور	دور	
۱۰۲	۲۸۰	۱	پھر	پر	
	۲۸۰	۸	ے	مرے	
۱۰۳	۲۹۱	۹	دو	دد	
۱۰۴	۲۹۱	۱۶	دو	دو	
	۲۹۴	۳	دکھا دکھا	دکھا دکھا	
۱۰۵	۲۹۶	۱۴	تن تن کے کنا	تن تن کے کہنا	
۱۰۶	۲۹۷	۰	من بضفات	من مضافات	
۱۰۷	"	۱۰	موسلی	موسے	
	۲۹۸	۱۸	بنھری	بندھی	
۱۰۸	۲۹۹	۳	نواح کے	نواح لکھنؤ کے	
۱۰۹	"	۶	سمج	طبع کی	
۱۱۰	۳۰۱	۰	دنیا	دنیا	
۱۱۱	۳۰۲	۶	یادہ	بادہ	
۱۱۲	"	۱۰	کوبکوچہ	کوچہ بکوچہ	
۱۱۳	۳۰۶	۱۳	احمد حسن	احمد حسن	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۳۳	۸۰	۱۵	کھلنا	کھِلنا	
۳۴	۸۱	۳	نیو	بتّو	
۳۵	۸۰	۱۳	کتری	کھتری	
۳۶	۸۴	۱۳	پر	[illegible]	
۳۷	"	۱۴	میکدے	بت کدے	
۳۸	۸۴	نوٹ	چو	جو	
۳۹	۸۶	۱۳	کیچیو	کیچو	
۴۰	۵۹	۲	اصرالدولہ	ناصرالدولہ	
۴۱	"	"	ودیاسیو	ودیاسیو	
۴۲	۵۱	۱۹	رئیس	بادشاہ	
۴۳	۹۳	۳	سینے	سنئے	
۴۴	"	۱۱	کو	کی	
۴۵	۹۵	۱۱	چھوٹے	چھوٹے	
۴۶	۹۶	۷	کہتے ہیں	کہنے میں	
۴۷	۱۱۰	۳	کی د	کی ×	
۴۸	۱۱۴	۲	مین	میں	
۴۹	۱۲۰	۱۰	کوکیا	کیا	
۵۰		۱۰	ہیں	ہے	
	۱۲۰	۱۹	فلین	فیلن	
۵۱	۱۲۳	۱۱	ساعی	مساعی	
۵۲	۱۲۸	۱۰	توتعجبات	تعجبات	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۵۳	۱۳۵	۱۱	نکمت	نکہت	
۵۴	۱۳۶	۱۳	آبیے	آب ہے	
۵۵	۱۴۰	۴	زلف	زلف و	
۵۶	۱۴۱	۵	سن وہ	سن کے وہ	
۵۷	۱۴۳	۴	مری	میری	
۵۸	۱۴۵	۶	اٹھاسے	اٹھا لئے	
۵۹	۱۴۶	۹	سوائے	رسوائے	
۶۰	۱۵۳	۴	ناز	تا نہ	
۶۱	۱۶۳	۷	کا	گا	
۶۲	۱۶۵	۱۴	سو	ہو	
۶۳	۱۶۹	۱۰	و	ودجگر	
۶۴	۱۷۰	۵	اہور	لاہور	
۶۵	"	۱۸	کو	لو	
۶۶	۱۸۰	۷	پھیرلے	پھیرلیے	
۶۷	۱۹۱	۶	نوجوان	نوجوانی میں	
۶۸	۱۹۲	۸	ملاکر	جلاکر	
	۱۹۳	۱۱	ہاں	ا	
۶۹	۱۹۵	۱۱	سبزا	سبزا	
۷۰	۱۹۹	۵	جرت	جرأت	
۷۱	"	۱۳	لکے	لگے	
۷۲	۲۰۱	۸	سے	کے	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۵۴	۴۳۵	۱۴	دردوں	دردِدل	
۱۵۵	۴۳۶	۹	کیا	کہا	
۱۵۶	۴۳۸	۹	بھڑ	شر	
۱۵۷	۴۳۹	۱	سنا	سا	
۱۵۸	۴۴۲	۱۸	زرانگا	ذرانگاہ	
۱۵۹	۴۴۳	۱۸	اٹھلے	اُٹھکے	
۱۶۰	۴۴۴	۱۴	سرنپا	سراپا	
۱۶۱	۴۴۵	۹	الیسا	رسا	
۱۶۲	〃	۱۲	کمی	نکیلی	
۱۶۳	〃	۰	وست	وشت	
۱۶۴	〃	۱۸	نالہ	نالے	
۱۶۵	۴۴۸	۲۰	منبجہ	منبجے	
۱۶۶	۴۵۲	۱۱	ہمعصر میں	ہمعصروں میں	
۱۶۷	۴۶۳	۱۴	نکلتی جسکے	نکلتی ہیں جسکے	
۱۶۸	۴۶۵	۹	خارہا	خارپا	
۱۶۹	۴۶۶	۱۰	جمکا	جُھمکا	یعنی جگمگاتا تیز جلوہ
۱۷۰	۴۷۱	۳	سنے	سکے	
۱۷۱	۴۷۷	۹	یاس	پاس	
۱۷۲	۴۸۰	۷	آسے	آسنے	
۱۷۴	۴۸۴	۵	کھاپنے	کچھ اپنے	
۱۷۵	〃	۱۱	حصہ	حصّہ	
۱۷۶	۴۹۲	۲	ہمت بے	تہمت سے	
۱۷۷	۵۰۴	۹	جاتی جنت	جاتی ہیں جنت	
۱۷۸	۵۰۵	۱۱	کوبچپ	بچا	
۱۷۹	۵۰۷	۴	آپ یہ	〃	
۱۸۰	۵۱۲	۱۸	عرض	غرض	
۱۸۱	〃	۱۹	خوب چھپاتی	چھپاتے	
۱۸۲	۵۱۸	۱۶	سی	اُسی	
۱۸۳	۵۱۹	۱۴	کیت	کبت	
۱۸۴	۵۲۴	۱	تیلا	نیلا	
۱۸۵	۵۳۵	۹	عالم	عالم نما	
۱۸۶	۵۳۷	۱۹	ماہروی	مارہروی	
۱۸۷	۵۴۱	جدول از نو میں	پرانسکا	پیرانسکا	
۱۸۸	۵۴۲	۲	ستارآ	ستارآیا	
۱۸۹	〃	۷	پہ	پہ نہ	
۱۹۰	۵۴۳	۱۳	سے	اُسے	
۱۹۱	〃	۲۱	اٹھائے	اُٹھائے	
۱۹۲	۵۴۴	۴	ہتوں	بتوں	
۱۹۳	〃	۵	بروا	پُروا	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۱۴	۳۰۹	۶	تفنا	تفنا	
۱۱۵	۳۱۲	۱۵	آتا	آتی	
۱۱۶	۳۱۳	۱۴	روندھ	روند	
۱۱۷	۳۱۵	۱۹	سہے	سے	
۱۱۸	۳۲۰	۱۶	فی زمانہ	فی زماننا	
۱۱۹	۳۲۵	۱	غلام یحیے	غلام یحییٰ	
۱۲۰	۳۲۶	۱۷	میں بہت	بہت	
۱۲۱	۳۳۵	۱۳	سہے	رہے	
۱۲۲	۳۳۹	۱۰	نہ کرتا	کرتا	
۱۲۳	۳۴۳	۹	پیدا ہونا	پیدا ہو	
۱۲۴	۳۴۳	۹	نزکت	نزاکت	
۱۲۵	۳۴۴	۱۹	گناہ	گنہ	
۱۲۶	۳۴۵	۱۱	ہونی	ہوئی	
۱۲۷	۳۴۶	۱	برسے	برسے	
۱۲۸	۳۴۹	۹	ہوکا	ہوگا	
۱۲۹	۳۵۱	۸	سینے	آپ نے	
۱۳۰	۳۵۳	۱۰	بچنے	بچپنے	
۱۳۱	〃	۱۴	علمانہ	عالمانہ	
۱۳۲	〃	۱۴	ان والد	ان کے والد	
۱۳۳	۳۶۰	۷	گر	اگر	
۱۳۴	۳۷۱	۱۷	بستیوتین	بستیونمیں	
۱۳۵	۳۷۹	۷	مرے حق	میرے حق	
۱۳۶					
۱۳۷	۴۰۷	۱۶	دیکھے	دیکھتے	
۱۳۸	۴۰۸	۲	ڈھونڈا	ڈھونڈتا	
۱۳۹	۳۸۲	۱۱	نغزہ	نغز	
۱۴۰	۴۰۲	۱۰	تمام کلام دیوان	کلام	
۱۴۱	۴۰۹	۸	کر	گر	
۱۴۲	۴۱۰	۳	چوسگے	چوسکے	
۱۴۳	۴۱۱	۱۱	باریہ	بارہ	
۱۴۴	〃	۱۵	مزید عنایت	یہ مزید عنایت	
۱۴۵	۴۱۳	۲۱	سرا	سر	
۱۴۶	۴۱۶	۹	ہستی	مستی	
۱۴۷	〃	۱۱	کھینچے	کھینچ	
۱۴۸	۴۱۷	۱۱	عادت ہے مجھے	عادت پہ مجھے	
۱۴۹	۴۱۹	۱۷	مثل آج	مثل باد	
۱۵۰	۴۲۴	۲۰	جبے	جیسے	
۱۵۱	۴۲۶	۱۳	رگڑواسے	رگڑاسے	
۱۵۲	۴۳۵	۱	کدو	کھدو	
۱۵۳	〃	۹	کر	کبھی	

فہرست اسمائے شعرا مندرجۂ تذکرۂ خمخانۂ جاوید

جلد اول

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۱	آباد	مرزا مہدی حسن خاں لکھنوی	۲۰	آرزو	مرزا علاؤالدین [illegible] دہلوی
۴	"	شیخ علی باقر	۲۱		منشی سید محمد رضا
۵	"	یعقوب علی دہلوی	۲۲	"	نواب جعفر علی خاں
"	"	سید تہذیب حسین	۲۳	"	منشی مرزا واحد لکھنوی
۶	آبرو	شاہ نجم الدین دہلوی	"	"	صاحبزادہ محمد [illegible] خاں
۹	"	سید اصغر علی	۲۴	"	منشی سید انوار حسین لکھنوی
"	آتش	خواجہ حیدر علی لکھنوی	۲۵	آزر	حافظ محمد [illegible]
۱۵	آثم	شاہ عنایت اللہ	۲۶	آزاد	میر فقیر اللہ
"	"	مرزا والا بخت دہلوی		"	منشی رام سنگھ دہلوی
۱۶	"	حافظ منصور احمد خاں	"	"	سید غلام علی
"	آرام	منشی لچھمن لال دہلوی	۲۸	"	کپتان الگزنڈر ہدرلی دہلوی
۱۷	"	راے پریم ناتھ دہلوی	۳۱	"	مرزا اعظم شاہ دہلوی
"	"	راے بہادر منشی شیو نراین	۳۲	"	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد
۱۸	"	حکیم امام الدین			دہلوی -
"	آرزو	سراج الدین علیخاں	۴۲	"	سید محمد امیر الدین لکھنوی

نمبر شمار	نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۹۴	۵۴۴	۹	طلمہ	طعمہ	
۱۹۵	۵۴۵	۸	رہے	رکھتے	
۱۹۶	۵۵۱	۶	شمشیر باہر	شمشیر بے باہر	
۱۹۷	۵۵۵	۵	مجھے کرتا	مجھ سے کرتا	
۱۹۸	〃	۷	دو	وہ	
۱۹۹	〃	۸	غیر	عنبر	
۲۰۰	〃	۱۱	جس سے	جس میں سے	
۲۰۱	〃	۱۵	اُڑی	اُٹھی	
۲۰۲	〃	〃	اسی	ایسی	
۲۰۳	۵۷۷	۱۸	ایزا	ایذا	
۲۰۴	〃	۲۱	راحت ہیں	راحت میں	
۲۰۵	۵۸۲	۱۹	انھن	انہیں	
۲۰۶	۵۸۴	۱۴	لا ئیے	لائے	
۲۰۷	۵۸۷	۱۸	دل کے	دل لے کے	
۲۰۸	۵۸۹	۱۰	یہ	پہ	
۲۰۹	۵۹۲	۶	کھتیا	کنھیا	
۲۱۰	۵۹۴	۲۱	اکھکر	اکھٹکر	
۲۱۱	۵۹۵	۱	بار	بار بار	
۲۱۲	۵۹۵	۱	دیا دل	یا درد	
۲۱۳	۵۹۵	۱۲	آلٰی	الٰی	

نمبر شمار	نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
صفحہ کے اوپر			۶۹۶ / ۶۹۸	۵۹۶ / ۵۹۸	
۲۱۴	۵۹۶	۲۱	ترک	تزک	
۲۱۵	۵۹۹	۶	اذکار	مگر افگار	
۲۱۶	۶۱۶	۸	دولہی	داری	
۲۱۷	〃	۱۶	چل دیا	چل دئے	
۲۱۸	۶۱۸	۲	کاگڑے	گرپے	
۲۱۹	۶۲۰	۱۵	ہولی	ہوتی	
۲۲۰	۶۲۷	۹	حسکی	جسکی	
۲۲۱	۶۳۲	۱	کھوڑا	پھوڑا	
۲۲۲	۶۷۱	۲	اپنا کا	اپنا	
۲۲۳	۶۷۳	۱۷	گرز	گداز	
۲۲۴	۶۷۶	۶	جبھتی	چبھتی	
	〃	۱۵	تیر	ٹیر	
	〃	۲۱	دکھاتی	دکھلاتی	
	۶۸۱	۱	تمر	ثمر	
	۶۸۲	۲۱	کاستھ	کالیستھ	

یائے مجہول و معروف اور ہائے دوچشمی اور اعراب و اضافت وغیرہ کی غلطیاں نظر انداز کی گئی ہیں۔

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۷۹	آشنا	مولوی عبدالکریم خاں	۱۰۸	آگاہ	میر حسن علی دہلوی
"	آشوب	میر امداد علیخاں دہلوی	۱۰۹	"	نورجہان
۸۰	"	راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب	"	"	پنڈت جوالا ناتھ
		دہلوی۔	"	"	نواب سید محمد رضا دہلوی
۸۴	آصف	نواب آصف الدولہ لکھنوی	۱۱۱	آہ	نامعلوم
۸۷	"	حضور نظام شاہ دکن	"	"	شیخ فریدالزماں
۹۸	"	حکیم سید محمد آصف	"	"	میر اکبر علیخان لکھنوی
"	آصفی	مرزا عبدالرحمن بیگ	۱۱۲	"	مولوی عبدالعزیز
"	آغا	مرزا آغا جان دہلوی	"	"	منشی ممتاز علی
۹۹	"	مرزا آغا حسین	۱۱۴	"	منشی غلام یسین دہلوی
۱۰۱	"	مرزا آغا حسن لکھنوی	۱۱۵	"	لالہ رام کشن لکھنوی
۱۰۱	"	مرزا عبدالقادر خان	"	"	منشی یعقوب علی لکھنوی
۱۰۲	"	منشی عبدالاحد خان	۱۱۶	آہی	میر عبدالرحمن دہلوی
"	آغاز	منشی امداد حسین	۱۱۷	"	سرسید احمد خان دہلوی
۱۰۳	آفاق	میر فریدالدین دہلوی	۱۱۵	"	مرزا داود خان دہلوی (۱۰۰)
"	"	منشی غلام حسین	۱۲۰	ابجدی	گمنام
.	آفت	مرزا منیر بیگ	۱۲۱	ابد	نواب فیض اللہ خان
۱۰۵	آفتاب	شاہ عالم ثانی	"	ابر	سید تفضل حسین
۱۰۸	آفریں	شیخ قلندر بخش	"	"	حکیم سید علی محسن لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۴۳	آزاد	منشی امجد علی
″	″	خواجہ ضیاء الدین دہلوی
۴۴	″	حکیم غلام حسین خان
″	″	مولوی ابو الحمید
۴۶	″	مولوی سید محمود
۴۷	″	حافظ سید فضل حق
۴۹	″	منشی صدیق حسن
″	″	بابو کالی چرن
″	″	منشی الطاف احمد
″	″	منشی افتخار عالم
″	″	مولوی احمد ابو محمد
۵۰	″	سید محمد نذیر احمد
″	″	مولوی نعیم الحق
″	″	گمنام
۵۲	آزر	نواب ذوالفقار علیخاں دہلوی
″	″	پنڈت جوالا پرشاد
۵۳	″	منشی لچھمن پرشاد
″	آزردہ	مفتی صدر الدین خاں دہلوی
۶۱	آس	منشی للن میاں

صفحہ	تخلص	نام
۶۲	آسان	منشی سید محمد جعفر
۶۴	آسی	مولانا شاہ عبد العلیم (۵۰)
۶۷	آشفتہ	منشی عنبر شاہ خاں
″	″	حکیم مرزا رضا علی بیگ
″	″	عظیم الدین خاں دہلوی
″	″	منشی گلاب سنگھ دہلوی
۷۲	″	حکیم منور علی خاں دہلوی
۷۳	″	جنرل الدولہ ہادی علیخاں لکھنوی
۷۴	″	پنڈت امرناتھ دہلوی
۷۶	″	حاجی عبد اللہ
۷۷	″	شیخ نصیر الدین
″	″	خواجہ محی الدین
۷۸	آشنا	مرزا محمد اکرام
″	″	میر زین العابدین
″	″	منشی متا سنگھ دہلوی
″	″	حکیم میر علی
″	″	مرزا جگن
۷۹	″	میر امیر علی
″	″	سید محمد لکھنوی

صفحہ	تخلص	نام
۱۶۷	احسان	منشی عبدالرحیم خان دہلوی
"	"	میر احسان علی
۱۶۸	"	مولوی احسان حسن
"	"	گمنام رامپوری
"	احسن	محمد احسن
۱۶۹	"	مرزا احسن علی
۱۷۰	"	احسن خان
"	"	مرزا احسن بخت دہلوی (۱۵۰)
۱۷۱	"	حسین علیخان
۱۷۲	"	حکیم مظہر حسن خان
۱۷۳	"	حکیم محمد احسن خان دہلوی
"	"	مولوی محمد احسن
۱۷۴	"	سید مہدی حسن لکھنوی
۱۷۶	"	مولوی محمد احسن
"	"	سید علی احسن
۱۷۸	"	حافظ آغا جان دہلوی
۱۷۹	"	مرزا احسن بخت دہلوی
"	"	میر باقر حسن دہلوی
"	"	مولوی نظیر الحسن

صفحہ	تخلص	نام
۱۸۰	احسن	میر گوہر علی
"	احقر	مرزا جواد علی
"	"	منشی محمد ملوک
۱۸۱	"	منشی سید غلام نبی دہلوی
"	"	راجہ سری پرشاد
۱۸۲	"	منشی احمد جان دہلوی
"	"	سید محمد حسن
"	"	نواب غوث محی الدین
۱۸۳	"	حافظ شاہ رحمت اللہ
۱۸۴	"	میرزا امیر الملک دہلوی
۱۸۵	"	سید یعقوب علی دہلوی
"	احمد	گمنام گجراتی
۱۸۶	"	مولوی احمد خان
"	"	احمد خان
"	"	منشی صمصام الدین دہلوی
۱۸۷	"	مرزا احمد شاہ دہلوی
"	"	مرزا احمد بیگ دہلوی
"	"	احمد بیگ دہلوی
۱۸۸	"	سید احمد علی

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۱۲۲	〃	منشی واحد علی	۱۴۱	اثر	منشی حبیب الحق
۱۲۳		منشی غلام دستگیر	۱۴۲	〃	مرزا احمد اللہ بیگ
۱۲۴	〃	منشی بلدیو پرشاد	〃	〃	منشی اصطفےٰ خان لکھنوی
〃	〃	پنڈت بشن نراین ور لکھنوی	〃	〃	منشی ظفر حسنخاں بی-اے
۱۲۵	آل	شیخ عبدالجلیل	〃	〃	نواب عبدالجلیل خان
۱۲۶	اثر	سید محمد نذیر دہلوی	۱۴۳	〃	مرزا احمد شاہ
۱۳۱	〃	نواب حسین علیخان لکھنوی	〃	〃	منشی رادھے لال
۱۳۲	〃	منشی عبدالرزاق دہلوی	۱۴۴	〃	خواجہ حسین خان
〃	〃	قاضی حبیب حسن	〃	اثیم	منشی محمد [illegible]
۱۳۴	〃	شمس العلما سید امداد امام	〃	〃	خواجہ عبدالرحیم خان
۱۳۵	〃	خواجہ امام الدین	۱۴۵	〃	حافظ شیخ محمد ابراہیم
۱۳۷	〃	منشی بیجے نراین لکھنوی	۱۴۶	احد	مولوی عبدالاحد
۱۳۸	〃	سید مخدوم عالم	۱۴۸	احسان	حافظ عبدالرحمن خان دہلوی
۱۳۹	〃	سید حسین الدین احمد	۱۵۶	〃	گمنام
۱۴۰	〃	مولوی افتخار علی	۱۵۷	〃	منشی احسان علیخان رامپوری
〃	〃	حکیم محمد مہدی لکھنوی	۱۶۰	〃	حاجی احسان اللہ
〃	〃	منشی الٰہی بخش	〃	〃	منشی احسان علیخان
۱۴۱	〃	شیخ فیض الدین	۱۶۵	〃	شیخ احسان الٰہی دہلوی
〃	〃	مولوی جلال الدین	۱۶۶	〃	صاحبزادہ احسان اللہ خاں

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۲۳۹	اخگر	فتح یاب خان	۲۵۰	ادیب	منشی تفضل حسین
"	"	صاحبزادہ ہادی یار خان	"	"	مولوی رستم علیخان
"	"	حکیم اصغر حسین	۲۵۲	"	مولانا سیف الحق دہلوی
۲۴۰	اخگر	منشی امداد حسین	۲۵۲	"	منشی محمد کرم احمد خان
۲۴۱	"	نواب شمشیر بہادر	"	ارشاد	شیخ ارشاد نبی
۲۴۲	"	منشی عبد المجید خان	۲۶۲	"	محمد قاسم علی
"	"	منشی شہاب الدین دہلوی	"	"	چودہری ارشاد حسین
۲۴۳	"	مولوی عبد الحمید	"	ارشد	مرزا عبد الغنی دہلوی
۲۴۴	"	منشی عبد القادر	۲۸۱	"	منشی غلام حسین
"	اخلاص	قاضی شمس الضحیٰ بی۔ اے	"	ارم	مرزا مرتضیٰ حسین لکھنوی
۲۴۵	"	حافظ عبد الشکور	"	ارمان	شاہ علی ارمان
"	اخلاق	شیخ نور الحسن	۲۱۲	"	راجہ جنم جی
۲۴۶	"	سید اخلاق حسین دہلوی	۲۸۳	"	منشی عبد العزیز خان (۲۵۰)
"	"	منشی سید نذیر احمد	"	"	منشی سید باقر حسین
۲۴۷	"	منشی ہاشم علیخان	"	"	مولوی سید محمد حسن
"	اخی	گمنام	"	"	پنڈت راج نراین دہلوی
۲۴۷	ادب	سید حیدر مرزا لکھنوی	۲۹۵	"	میر سرفراز حسین خان
۲۴۸	"	نواب فیاض الملک	"	ازل	حکیم مرزا آغا حسین لکھنوی
	ادہم	شیخ الاسلام	۲۹۷	"	حکیم شیخ حسن مہدی

صفحہ	تخلص	نام
۱۸۰	احمد	حافظ میر احمد علی
〃	〃	سید عین الدین احمد
۱۸۹	〃	منشی سید احمد حسین
〃	〃	منشی سید محمد
〃	〃	منشی علی الدین احمد
۱۹۰	〃	منشی احمد علی
〃	〃	مولوی شیخ محمد احمد خاں
〃	〃	شیخ احمد علی
〃	〃	مرزا احمد اللہ خاں
۱۹۱	〃	منشی سید احمد دہلوی
۱۹۳	〃	منشی احمد حسین خان بی۔اے
۱۹۵	〃	حاجی سید احمد
〃	احمدی	خواجہ احمد علی دہلوی
۱۹۶	〃	شیخ احمد
۱۹۷	〃	گمنام
〃	〃	نواب غلام احمد خان بہادر
۱۹۹	اختر	میر اکبر علی
۲۰۰	〃	قاضی محمد صادق خان
۲۰۴	〃	مرزا وجیہ الدین دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۲۰۴	اختر	سلطان العالم واجد علی شاہ (۲۰۵)
۲۲۱	〃	مرزا احمد اختر دہلوی
۲۲۲	〃	خواجہ عبد الغفار
〃	〃	شیخ محمد رفیع دہلوی
۲۲۴	〃	راجہ ٹپن پرتاب سنگھ
۲۲۵	〃	منشی لطیف احمد لکھنوی
۲۲۹	〃	منشی سید محمد اختر نگینہ
۲۳۱	〃	سید امراؤ علی
〃	〃	منشی نذیر علی
〃	〃	منشی رمضان علی
۲۳۳	〃	منشی محمود اختر
۲۳۴	〃	منشی ظہور احمد بدایونی
۲۳۵	〃	منشی عبد الغفور
۲۳۶	〃	نواب عبد القادر خان
〃	〃	منشی موسیٰ حسین
۲۳۷	〃	منشی عبد الغفار خان بی۔اے
۲۳۸	〃	منشی ذاکر حسین
۲۳۹	〃	منشی علی اختر
〃	انگر	دیوان ٹیک چند دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۳۲۶	اصغر	منشی اصغر علی خان
۳۲۸	"	منشی اصغر حسین
"	"	کنور اصغر علی خان
"	اصفر	منشی فیاض احمد
۳۲۹	اطہر	سید احمد علی
"	"	منشی غلام مصطفےٰ (۳۰۰)
۳۳۰	"	سید معشوق حسین
۳۳۱	"	سید اعظم اللہ
"	اظفری	مرزا ظہیر الدین علی بخش گورگانی دہلوی
۳۳۲	اظہر	مولوی کرامت علی
"	"	مولوی میر اظہر علی
"	اعجاز	شیخ عبدالعزیز
۳۳۳	"	منشی الٰہی بخش لکھنوی
۳۳۴	"	منشی عبدالحی
"	"	منشی عبدالقادر
۳۳۵	"	مرزا اعجاز حسین
۳۳۶	"	ٹھاکر امین بخش سنگھ
۳۳۸	اعظم	منشی اعظم خان دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۳۳۸	اعظم	شیخ اعظم حسین
"	"	مرزا اعظم علی
۳۴۱	"	مولوی عبدالصمد
"	افروز	مولوی عبدالرزاق
"	افسر	نواب احمد یار خاں
۳۴۳	"	شیخ غلام اشرف
"	"	مرزا محمد عثمان گورگانی دہلوی
۳۴۴	"	نواب غلام ربانی
۳۴۵	"	راجہ بدیانند سنگھ بہادر
	"	منشی اعظم علی
۳۴۶	"	منشی سید [illegible]
"	"	منشی میر معشوق حسین
	"	حکیم حافظ محمود حسین
۳۴۷	"	منشی بشیر الدین
۳۴۸	"	مولوی سید عزیز الدین حیدر
۳۵۰	"	منشی عزادار حسین
۳۵۱	"	منشی احمد حسین
۳۵۲	افسردہ	قاضی فضل حسین دہلوی
۳۵۲	افسوس	منشی شیر علی دہلوی

صفحہ	تخلص	نام
۲۸۷	ازل	منشی نعمت علیخان
۲۸۸	ازہر	سید علی احمد شاہ
"	اسحاق	اسحاق علیخان لکھنوی
"	"	منشی محمد اسحق
۲۸۹	اسد	میر امانی دہلوی
۲۹۰	"	نواب سلیمان خاں لکھنوی
۲۹۴	"	اسد یار الدولہ
"	"	سید شبیر علی
۲۹۵	اسرار	مرزا سپہر شکوہ گورگانی دہلوی
"	"	بابو نادر مرزا
"	"	منشی فدا علی لکھنوی
۲۹۶	اسلم	حافظ محمد اسلم
"	"	منشی سلامت اللہ
۲۹۷	اسیر	منشی ہدایت علی
"	"	تلبزار نصرانی
"	"	سید نہال بنی دہلوی
۲۹۸	"	خلیفہ میر گلزار علی
۲۹۹	"	تدبیر الدولہ سید مظفر علیخان دہلوی
۲۹۹	"	مولوی علی احمد خان

صفحہ	تخلص	نام
۳۰۷	اسیر	منشی محمد سمیع اللہ
"	"	منشی سید سجاد مرزا دہلوی
۳۰۸	اشتیاق	شاہ ولی اللہ دہلوی
۳۰۹	اشرف	حافظ غلام اشرف دہلوی
۳۱۰	"	شیخ اشرف علی لکھنوی
۳۱۳	"	نواب مظفر یار جنگ
"	اشک	حاجی مولوی ہادی علی لکھنوی
۳۱۴	"	مولوی محمود رضا
"	"	میر قطب الدین دہلوی
۳۱۸	"	منشی ضیاء الدین دہلوی
"	"	مولوی سید علی لکھنوی
۳۱۹	"	ابو المنیر شیخ ضمیر الدین
"	"	مولوی محمد صادق
"	اشکی	مرزا غلام محی الدین گورگانی دہلوی
۳۲۰	اشہری	مولانا سید امجد علی اشہری
۳۲۴	اصغر	صاحبزادہ اصغر علیخان
"	"	ظفر الدولہ علی اصغر خان
۳۲۵	"	میر اصغر علی لکھنوی
۳۲۶	"	شیخ اصغر علی

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۴۹۰	انور	سید انور علی			
״	״	منشی محمد انور لکھنوی	۵۲۰	ادیس	میر ناصر علی
۴۹۱	״	منشی گل محمد	۵۲۱	اویسی	منشی غلام محی الدین
״	״	مولوی نور محمد	۵۲۲	ایاز	منشی عبد العلی
״	انیس	امیر الدولہ نوازش خان (۴۵۰)	״	ایجاد	مرزا رحیم الدین دہلوی
۴۹۲	״	میر ببر علی لکھنوی	۵۲۳	״	شیخ الٰہی بخش
۵۰۶	״	منشی امین الدین احمد	۵۲۴	״	منشی سرفراز علی
״	انیق	حافظ محمد یعقوب	۵۲۵	״	مولوی قمر الدین
۵۰۷	اوباش	شیخ امیر الزمان	״	ایرن	مسٹر ایرن جیک
״	اوج	منشی عبداللہ خان	״	ایما	میر عاشق علی خان
۵۰۹	״	آغا اشرف علیخان لکھنوی	۵۲۶	״	میر حسین علیخان
״	״	مرزا جعفر بیگ	״	״	حکیم سید حسین دہلوی
״	״	مرزا محمد حسین	۵۲۷	ایمان	شیر محمد خان
۵۱۰	״	مولوی سید عابد حسین رامپوری	״	״	منشی محمد علیخان
۵۱۳	״	منشی میر محمود جان	۵۲۸	״	نواب تجمل حسین خان
۵۱۵	״	مرزا محمد جعفر لکھنوی	״	امین	حکیم حافظ محمد احمد
۵۱۷	״	منشی محمد یعقوب	״	ب	
۵۱۸	اوحد	مولانا عبدالودود	۵۲۹	بادشاہ	میر بادشاہ علی دہلوی
״	اوستاد	میر یار علی	״	باران	منشی ولایت علی
۵۱۹	اوگسٹ	اوگسٹ شاہ	״	بارق	مرزا مظفر حسین بیگ

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۴۴۵	امیر	نواب جعفر علیخان لکھنوی	۴۶۵	اندوہ	نواب علی حسین خان دہلوی
۴۴۶	״	نواب میر حسن علیخان	״	انس	میر مہر علی لکھنوی
۴۴۷	امین	میر علی دہلوی	۴۶۶	انسان	اسد اللہ نواب اسد یار خان
״	״	مرزا محمد اسمعیل	״	انسب	انسب لکھنوی
״	״	میر محمد امین	״	انسخ	مولوی عصمت اللہ
۴۴۸	״	خواجہ قاضی امین الدین خان دہلوی	۴۶۷	انشا	سید انشا اللہ خان دہلوی
״	״	نواب امین الدولہ مرزا سنید مولکھنوی	۴۷۵	انعام	حافظ انعام اللہ دہلوی
۴۴۹	״	خواجہ امین الدین	״	״	منشی انعام اللہ دہلوی
۴۵۱	״	حافظ محمد امین	״	״	منشی انعام اللہ بیگ دہلوی
۴۵۲	انتخاب	گمنام دہلوی	۴۷۶	״	گمنام لکھنوی
״	انتظار	علی نقی خان دہلوی	״	״	سید انعام اللہ
״	״	حکیم عطاء اللہ	״	انور	شیخ حافظ انور الدین
۴۵۴	انجام	عمدۃ الملک نواب میر خان دہلوی	۴۷۷	״	مولوی انعام الدین خان رامپوری
۴۵۵	انجم	نواب ہمایوں قدر سید محمد علی مرزا	۴۷۸	״	شیخ ولی محمد خان دہلوی
۴۵۶	״	صاحب عالم مرزا آسمان جاہ لکھنوی	״	״	میر انور علی
۴۶۰	״	مرزا بہادر حسین خان لکھنوی	״	״	منشی سید محمد کاظم لکھنوی
۴۶۴	״	مرزا ذاکر حسین	۴۸۰	״	نواب سید محمد سعید علیخان بہادر
״	انداز	میر غلام حسین دہلوی	۴۸۱	״	سید امراؤ مرزا دہلوی
۴۰۵	״	حافظ نظام احمد	۴۸۹	״	حافظ سید انور احمد دہلوی

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۵۷۱	برق	منشی محمد یعقوب	۵۸۶	بسمل	شیخ محمد زماں
”	برکت	منشی برکت علیخان	۵۸۹	”	مولوی رضی الدین
۵۷۲	برہم	حکیم عبد الکریم	”	”	حافظ محمد حسین خیرآبادی
۵۷۴	برہمن	پنڈت چندر بھان	۵۹۰	”	منشی غلام اللہ
۵۷۵	”	گمنام	۵۹۱	”	منشی واحد علی
”	بریاں	گمنام	”	”	مولوی فتح الدین
”	بزم	مرزا عاشق حسین	۵۹۲	”	صاحبزادہ محمد مرتضیٰ خان رامپوری
۵۷۷	”	میر عباس حسین خان	۵۹۳	”	منشی سید احمد شاہ الہ آبادی
۵۷۸	”	شیخ خورشید حسین قدوائی	”	”	سید بنے میاں رامپوری
”	”	سید محمد یعقوب علی دہلوی	۵۹۴	”	منشی عبد الرحیم
”	بزرت	مرزا محمد اشرف دہلوی	۵۹۵	”	منشی عبد الرحمن (ز ۵۵۰)
۵۷۹	بسمل	مولوی محمد دہلوی	۵۹۶	”	منشی اشرفی لال رامپوری
۵۸۰	”	منشی سید جبار علی	”	بشاش	آغا کلب عابد خاں بہادر
۵۸۱	”	مرزا عنایت علی	”	”	منشی دیبی پرشاد
”	”	پنڈت سندر لعل	۵۹۷	بشیر	شیخ بشیر احمد سرہندی
۵۸۲	”	حافظ محمد حسین دہلوی	”	”	میر بشارت علی دہلوی
”	”	مولوی عبد الحکیم دہلوی	۵۹۸	”	محمد بشیر خان رامپوری
۵۸۵	”	پنڈت موتی لال دہلوی	۵۹۹	”	شاہ بہار الدین دہلوی
۵۸۶	”	خواجہ فضل الرحمن دہلوی	۶۰۲	”	منشی بشیر احمد خاں ملیح آبادی

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
۵۳۱	بارق	میر عنایت حسین لکھنوی	۵۴۸	بدر	نواب مرزا ہدایت علیخان لکھنوی
"	بازغ	محمد عبد الحی	۵۴۹	"	میر امیر حسین
"	باسط	سید باسط علی	"	"	سید مصطفےٰ حسین
۵۳۲	باطن	حکیم میر قطب الدین	۵۵۰	"	حسن افضل
۵۳۳	باقر	میر باقر علی	"	برتر	نواب حامد الدولہ سید محمود علیخان
"	"	اعتقاد الدولہ سید باقر علی خان لکھنوی	۵۵۱	"	مولوی نادر علی
			۵۵۳	"	مولوی امین الدین
"	"	نواب باقر خان لکھنوی	"	برجیس	صاحب عالم مرزا برجیس قدر لکھنوی
"	"	باقر خان	۵۵۵	برشتہ	آغا حسین علی
۵۳۴	"	باقر علیخان	"	برق	میان شاد جی
	"	گمنام	"	"	فتح الدولہ محمد رضا لکھنوی
"	باقی	راجہ گردھاری پرشاد	۵۶۳	"	قاضی نجم الدین دہلوی
۵۳۷	بالا	سید رحم رسول	۵۶۸	"	منشی منظور احمد
۵۴۱	بحر	شیخ امداد علی لکھنوی	"	"	منشی ہری شنکر سہائے لکھنوی
۵۴۶	بہجت	حکیم قیام الدین	۵۶۹	"	منشی محمد اسحق
"	"	سید امیر حیدر	۵۷۰	"	منشی محمد باقر
۵۴۷	بخشی	میر محمد علی	"	"	منشی محمد الیاس
"	"	منشی خاکسار حسین (۵۰۰)	"	"	منشی مہاراج بہادر دہلوی
۵۴۸	بدر	مرزا بلاقی دہلوی	۵۷۱	"	نواب سید عبد الحسین خان

صفحہ	تخلص	نام
٦٣٩	بیتاب	محمد بشارت اللہ
٦٤١	″	سید علی جان
″	″	پنڈت نراین پرشاد
٦٤٣	بیجان	عزیز خاں
٦٤٦	بیخبر	مرزا محمد بیگ
٦٤٧	″	ذوالقدر غلام غوث
٦٤٩	بیخود	منشی نراین داس
″	″	منشی انتظام الدین خاں
″	″	منشی ہادی علی
٦٥٠	″	مولوی عبدالحی
٦٥٤	″	منشی وحید الدین دہلوی
٦٦١	″	حکیم احمد علی خاں
٦٦٢	″	سید شاہ محمد فاخر
″	″	منشی احمد
″	″	اکرام اللہ خاں
٦٦٣	بیدار	میر محمدی دہلوی
٦٦٦	″	رئیس الدولہ علی حسن
″	″	بیربر راجہ ہرکشن سنگھ
٦٦٨	″	خواجہ بیدار بخت
٦٧٠	بیدل	مولانا عبدالقادر

صفحہ	تخلص	نام
٦٧١	بیدل	خواجہ غلام حسین
٦٧٢	″	مولوی حبیب الرحمن
٦٧٤	″	مولانا عبدالرحیم خان دہلوی
″	″	منشی مرزا بیگ خاں
٦٧٧	″	حاجی واحد نور خاں
٦٧٨	″	لالہ منگل سین
٦٧٩	بیدم	مولوی غلام جیلانی
٦٨٢	بیرنگ	دلاور خاں دہلوی
″	بیصبر	منشی بالمکند
٦٨٣	بیفکر	منشی ہرپرشاد
٦٨٤	بیقرار	میر کاظم حسین
″	بیکل	سید عبدالوہاب
″	بیمار	شیخ علی بخش
٦٨٦	″	حکیم مراد علی
٦٨٧	″	حکیم جعفر علی
″	بینوا	مقبول شاہ
٦٨٨	″	گمنام
″	″	گمنام
٦٨٩	بیہوش	لالہ گردیال
		تمام شد

صفحہ	تخلص	نام	صفحہ	تخلص	نام
٦٠٣	بشیر	منشی محمد بشیر	٦١٥	بہار	منشی سید علی مدراسی
"	بقار	بقاء اللہ خان اکبرآبادی		"	نواب سید جعفر حسین لکھنوی
٦٠٥	"	خواجہ محمد مرتضیٰ خان دہلوی	"	بہجت	منشی عبد المجید
٦٠٦	"	میر بادشاہ علی لکھنوی	"	"	منشی خیر اللہ پنجابی
"	"	مولوی عبد الرحمن	٦١٦	"	منشی نہتن لال
٦٠٧	"	شاہ عبد الغفور فریدی مانک پوری	٦١٧	بہرام	نواب خسرو قدر بہادر
٦٠٨	بلاغت	منشی علی احمد حیدرآبادی	"	بیان	خواجہ احسن اللہ دہلوی
"	بلند	مرزا صفدر علی بیگ دہلوی	٦٢٤	"	سید محمد مرتضیٰ
٦٠٩	بلیغ	منشی قدرت اللہ بلیغ	٦٢٠	بیباک	حکیم میر نجف علی
"	"	منشی سید عسکری لکھنوی	٦٢٨	"	مولوی سید حسین احمد
٦١٠	بہا	حکیم بہاء الدین خان باشندہ جاورہ	٦٣٠	بیتاب	مولوی محمد اسمعیل
			"	"	گمنام
٦١١	بہادر	راجہ بینی بہادر صوبہ بہار	"	"	لالہ سیوک رائے
"	"	راجہ بہادر سنگھ	"	"	افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں
"	"	بابو بہادر سنگھ	٦٣١	"	مرزا خدا وردی خاں دہلوی
"	"	منشی راج بہادر مرزاپوری	"	"	لالہ کشن نراین
٦١٢	بہار	لالہ ٹیک چند کھتری دہلوی	٦٣٤	"	صاحبزادہ عباس علیخاں
٦١٤	"	سوامی پرمانند سرستی	٦٣٧	"	منشی دوست محمد خاں دہلوی
"	"	حاجی مرزا علی لکھنوی	"	"	میر سید حسین لکھنوی

تقاریظ و قطعات تاریخ تذکرہ خمخانۂ جاوید

تقریظ و قطعۂ دلپسند یر از نتیجۂ فکر ارجمند آسمان پیوند مہر سپہر نکتہ دانی ماہ منیر آسمان شیریں مقالی سلطان قلمرو فصاحت فرمانروائے اقلیم بلاغت فخر طالب و اسیر نظیری نظیر راقم الدولہ مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی یادگار حضرت خاقانی ہند ذوق مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنام خدائے کہ جان آفرید
سخن آفرید و زبان آفرید

حمد و ثنائے بے منتہا اس ذات بے ہمتا کو سزاوار ہے کہ جسکی تصانیف شریف پر کتب اربعہ ملل و مذاہب مختلفہ افراد عالم دال ہیں۔ زبان مقربین و متکلمین ملاء اعلےٰ توصیف فصاحت و بلاغت میں لال۔ ناطقہ انسان خاکی نہاد کو کیا حوصلہ نطق و یارائے دم زدن ہے کہ زبان چون و چرا وا کرے۔ اُسکے اوصاف لاتعد و لاتحصٰی سے ایک حرف حمد و ثنا ادا کرے

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ	آثار پدید است صنادید عجم را

غیر اس فضول سے کیا حصول۔ باز آمدم بر سر مطلب۔ اب سنئے اُس بازار کے باشندے
چونکہ اہل لشکر تھے اور مختلف اللسان اور اب اگر باہم اتفاق زبان ہوا تو اسکا نام اُردوے معلی
قرار دیا اور روز بروز اسکی ترقی اور تراش خراش چھانٹ چھنٹ ہوتی چلی گئی اور الفاظ
ثقیل اور کریہ اور بعید الفہم کے عوض محاورات اور الفاظ شستہ و رفتہ قریب الفہم مستعمل
ہوتے چلے گئے۔ ہر زمانے میں رنگِ دگر پیدا ہوتا رہا حتیٰ کہ نوبت شعرا تک پہونچی اور قدما
نے زبانِ اُردو میں سخنگوئی اختیار کی اور شعراے اس خوان الوان نعماے ابدی
اور دولتِ سرمدی کو لوث و آلایش خار و خس ستم اور دُرد اغلاط و سخت و درشت الفاظ غیر مربوط
و نالایم سے پاک و صاف کر کے مثل زر بیغش و قندِ نبات شیریں و خوشگوار کر دکھایا۔ اب
بجاے خود یہ ایک چیز ہر دلعزیز ایسی ہو گئی کہ بلبلان شیراز کو رشک آیا اور طوطیان
شکر خاے عرب و عجم نے زہر کھایا۔ سبحان اللہ اُردوے معلے کی فصاحت بلاغت شستگی
الفاظ رنگینی بیان شیرینی زبان کثرت محاورات تراکیب ارتباط لطافت ظرافت اسکی اسی کو
سزاوار ہے کہ منصف مزاجان ممالک غیر کو بھی اقرار ہے آفرین صد آفرین ہمت والا ہمت اُن
برگزیدگان پیشین پر کہ جو موجد اور بانی مبانی اور مشاطہ اس شاہد طناز کے ہوئے اور کلام بلاغت
نظام اُن ذو احترام کا صفحۂ روزگار پر تا روز شمار باقی و یادگار ہے۔ ہزار ہزار تحسین اُن والا نظران
پاک گوہر پر کہ جن ارباب فہم و ذکا نے از راہِ قدر دانی و ہمدردی اُس کلام معجز نظام کو فراہم
کر کے انتخاب کیا اور پس ماندگان کے واسطے سرمایۂ دولت بے زوال چھوڑ کر اپنا رستہ لیا
تا کہ متاخرین اُسکو سند گردانکر بہرہ وافی و کافی اُٹھاویں دعاے خیر سے یاد فرمائیں ؎

نام نیکو رفتگاں ضایع مکن	تا بماند نام نیکت برقرار

تذکرہ شعراے قدما اکثر میری نظر سے گذرے ہیں اُنکی حلاوت دل ہی جانتا ہے زبان سے
بیان نہیں ہو سکتی مگر فی زمانا محقق والا نظر معدن علم و ہنر مدقق باریک بین سخن فہم نکتہ چین

بالغ کلامان مدرسۂ سخندانی و شہسواران عرصۂ نکتہ رانی بزمزمہ ما ہذا کلام البشر رطب اللسان
میں و فصحا و بلغاء عرب و عجم بکلمۂ طیبہ لا الٰہ الا ہو معترف و عذب البیان
الحمد لواجب الوجود ہے۔ مستوجب و طاعت و سجود ہے۔ یکتا و یگانہ زمانہ۔ بیگانہ و با ہمہ یگانہ
آگاہ درونی و برونی بیچون و چگونگی و چونی۔ الواحد لا شریک ثانی و دانائے حقیقت نہانی۔ درود
نامحدود اُسکے رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر کہ عالم ناخواندگی میں
دولتِ علم لدنی حاصل کرکے تمام علوم دینی و دنیوی ہجدہ ہزار افراد عالم کو دریا برد کر دیا۔

بیتیمے کہ ناکردہ قرآں درست		کتب خانۂ چند ملت بشست	

ہیچمدان فقیر حقیر سید ظہیر الدین حسین ظہیر خوشہ چینِ اربابِ سخن خدمت بابرکت زباندانان
فصیح البیان میں گذارش پرداز ہے کہ زبانِ اُردو کا آغاز سلاطینِ افاغنہ کے زمانہ سے ہوا
ہے یعنے جس وقت شہاب الدین غوری نے راجہ پرتھی راج پر فتحیاب ہو کر ملکِ ہندوستان
پر قبضہ کیا و شہر دہلی کو دار الخلافہ ٹھیرایا اور لشکریان سلطان نے سکونت ہند اختیار کی
اور فریقین ہنود و مسلمان میں باہم اختلاط و آمیزش پیدا ہوئی تو ہر دو زبان مروج تھیں مگر بباعث
ناواقفیت لسانین بہت بہت دقتیں پیدا ہوتی تھیں۔ مگر بعد چندے نوبت بانیجا رسید کہ ہر دو
فریق ناواقف لسانین سے بہرہ اندوز ہونے لگے اور کچھ سمجھنے لگے اور بولنے لگے اب آمیزش
شروع ہوئی اور یوماً فیوماً وقتاً فوقتاً ترقی ہوتی چلی گئی مگر چونکہ لشکر سلاطین پیشین میں ہر ملک
و دیار و ہر اقوام و ہر زبان کے اشخاص شامل تھے تو الفاظ مختلفۃ اللسانین اسمیں شامل
ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ نوبت سلطنت مغلیہ کی پہونچی اور بادشاہِ شاہجہاں نے حصار کھینچکر
شاہجہان آباد کو آباد فرمایا اور جامع مسجد اور لال قلعہ تعمیر کرکے قلعہ معلی میں جلوس فرماکر
دار الخلافہ ٹھیرایا اور بیرون قلعہ اہلِ لشکر کی سکونت کے لئے حکم دیا اور بازار آباد کیا وہ بازار
اُردو بازار کے نام سے موسوم ہوا چنانچہ تا زمانِ غدر انگریزان وہ بازار موجود تھا اور بعد زمانۂ
غدر وہ منہدم و مسمار کیا گیا تا الی الاعلان کچھ کچھ نشانات اوسکے موجود ہیں

علوم و فنون سے کے فی نفسہ بھی لالہ صاحب موصوف ایک شخص ہر دلعزیز ہیں کہ جن کے لطف ملاقات سے ہرگز ہرگز انسان کا دل سیر نہیں ہوتا ہے۔ خوش صورت خوش سیرت خوشرو خوشخو خوش تقریر خوش گفتار خوش کردار جوانِ رعنا سراپا فہم و ذکا سلیم الطبع حلیم المزاج بامروت باحیا سراپا خلق وسیع الاخلاق عمیم الاشفاق یار باش مہماں نواز دوست صادق یار موافق غرضکہ بہمہ صفت موصوف یگانۂ آفاق ہر علم و ہنر میں طاق ہیں اور کیوں نہو لالہ صاحب کے آباؤ اجداد کیسے لایق و فایق اولوالعزم ذی حوصلہ عالی پایہ یگانہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ زمانۂ سلطنت جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ دہلی میں جد امجد لالہ صاحب ممدوح راجہ ٹوڈرمل بہادر ٹنڈن کھتری امرا عظام اراکین بادشاہی سے تھے کہ جن کا ذکر خیر کتب تواریخ میں مرقوم ہے اور فی زماننا عموی بزرگوار جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب کیسے نامی نامدار یگانۂ روزگار مشاہیر آفاق ہیں کہ بجلدوی خدمات تعلیم مدارس و فنِ ترجمہ نگاری بپیشگاہ دولت انگلشیہ سے خطاب رائے بہادری حاصل کیا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس والد بزرگوار لالہ صاحب عالی جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹر لاہور کہ جن کا شہرۂ لیاقت انگریزی ہندوستان سے لیکر انگلستان تک اظہر من الشمس و ابین من الامس سے موجود ہے حق تو یوں ہے کہ مصرعہ ہذا اسی خاندانِ والاشان کی شان میں صادق آتا ہے

ایں خانہ تمام آفتابست

جناب لالہ صاحب ممدوح ازبسکہ حال فقیر پر غایت درجے کی عنایت فرماتے رہتے ہیں بارہا متقاضی اسکے تھے کہ تو چند سطریں اس حدیقہ نوبہا سخن کے لکھدے ہرچند ہیچمیرز عذرات ہیچمدانی میں پیش کرتا رہا مگر وہ مقبول نہ ہوئے ناچار فقیر ظہیر نے یہ چند سطریں بمقتضائے الامر فوق الادب بطور تقریظ تحریر کرکے ارسال خدمت کردیں اللہ تعالےٰ اس ریاض پربہار لالہ صاحب موصوف کو سرسبز و شاداب فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

واقفِ رموز نکتہ دانی کاشف غوامضِ معانی عالم علوم متکاثرہ ماہر فنون متباحرہ نثار بے مثال
جامع الکمال چاشنی گیر مذاقِ سخن نثر نگار کاملِ فن ماہر زبان انگریزی و فارسی لالہ سری رام صاحب
ایم۔اے منصف عدالت خفیفۂ دہلی خلف الصدق جناب کمالاتِ اکتساب عالم متبحر زبانِ
انگریزی و فارسی آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا ایم۔اے۔ مقیم لاہور
نے بکمال عرقریزی و جانفشانی و بہزار محنت و مشقت عرصۂ گیارہ سال[۵] میں ایک تذکرۂ کلام
شعراء ماضی و حال منتظم فرمایا ہے تذکرہ کیا اپنا جوہر فطری دکھایا ہے واقعی عجب
کارِ نمایاں کیا ہے کہ احاطۂ طاقت و قدرتِ بشری سے باہر ہے اس محل پر یہی کہا
جا سکتا ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کیا ہے دو ہزار شعراء نامدار کا کلام معہ حالات تمام نام بنام
قلمبند کیا ہے اگر بنظر سیر دیکھا جائے تو ایک تاریخ معتبر ہے اگر بطور مشاہدہ حسن کلام نظر ڈالی
جائے تو نقش ارژنگ و نگار خانۂ چین و فرنگ ہے کہ قسم قسم کے شاہدانِ طناز سرگرم
عشوہ و ناز ہیں جنکے مشاہدے سے نظر کو نور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے خود بخود دل مائل ہوتا
ہے اگر انشا پردازی و عبارت طرازی پر غور کیجاتی ہے تو ویسی ہی بے نظیر ہے اگر
انتخابِ اشعار کو دیکھا جاتا ہے تو وہ لاجواب ہے غرضکہ ہر نہج انتخاب ہی اپنا آپ جواب ہے
زیادہ لکھنا فضول ہے طول کلام سے کیا حصول ہے۔ میں بلا تصنع یہ بات کہہ سکتا ہوں
کہ اگر تمام ہندوستان کے شعراء محققین یکجا ہو کر انتخاب فرماتے تو ہرگز ہرگز گوئے سبقت
نہ لیجاتے حق تو یوں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انواع انواع طرح کے کمالات صوری
و معنوی ذات ستودہ صفات بابو صاحب مسبوق الذکر میں عطا فرمائے ہیں خیاط ازل نے
جامۂ اہلیت و خلعت قابلیت اسی قامتِ راست استقامت پر قطع فرمایا ہے اور قطع نظر

۵؎ یہ تقریظ حضرتِ ظہیر نے سنہ ۱۹۱۰ء میں تحریر فرمائی تھی۔ صرف قطعات اب لکھے۔

اسکی لذت جانتے ہیں خوش مذاق
واقعی یہ تذکرہ ہے بے مثال
جمع ہیں اشعار کل ہر رنگ کے
دیکھکر اسکو کہیں گے حق پرست
کم نظر آئے گا ایسا تذکرہ
تذکروں سے ہے الگ اسکا جو رنگ
کیجئے شامل سر طوطی اگر

جسقدر دیکھو بڑھیگا اشتیاق
صاحب تالیف ہے نازکخیال
ہیں شگفتہ پھول گل ہر رنگ کے
ہر گلی را رنگ و بوئے دیگر است
ہے یہ اسم بامسمیٰ تذکرہ
ہو جدا تاریخ کا بھی رنگ ڈھنگ
سنہ فصلی ہوں برآمد بے کسر

نام سے روشن ہے سال تذکرہ
تذکرہ ۔ تاریخ وسال ۔ تذکرہ
۱۳۲۵ھ　۱۳۱۶ف

ط

ثانی

مرے مخدوم ہیں لالہ سریرام
مذاق شعر ہے کچھ حد سے بڑھکر
کئے ہیں جمع وہ اشعار چنکر
وہ گلزار ارم اب چھپ رہا ہے
ظہیر اس گلکدہ کا سال تاریخ

اُنہیں اشعار پر کامل نظر ہے
اسی کا مشغلہ شام و سحر ہے
بجائے خود ہر اک لعل و گہر ہے
کہ مشتاق اُسکا ہر فرد بشر ہے
بسا دلچسپ غایت مختصر ہے

سر اعجاز سے نکلی ہے تاریخ
نہیں یہ تذکرہ بحر گہر ہے

تقریظ ریختۂ کلک جواہر سلک نخلبند گلزار معانی طوطیٔ شکرستان شیوا بیانی نظیری نظیر عرفی ثانی مولانا نجم الدین احمد ثاقب

ہیں ظہیر بیگ کے اک مہربان — شہرۂ آفاق و یکتائے جہان
بحر علم و منبع فضل و ہنر — عالم و منشی ہیں وہ والا گہر
نکتہ دان و ناظم و نثار ہیں — ماہر فن واقف ہر کار ہیں
علم انگریزی پہ قدرت خوب ہے — الغرض جو کچھ ہے خوش اسلوب ہے
عالم و فاضل ہیں اور قانون داں — فرد ہیں بیشک وہ عالی خاندان
ہر ہنر میں لایق و فایق ہیں وہ — جان و دل سے شعر کے شایق ہیں وہ
نام نامی ہے سریرام آپ کا — جانتا ہے اک جہاں نام آپ کا
ہیں نسب میں بھی وہ عالی خاندان — شہرۂ آفاق والا دودمان
آپ پر فہم و فراست ختم ہے — اس گھرانے پر لیاقت ختم ہے
باپ دادا نام آور سب ہوئے — اہل دولت صاحب منصب ہوئے
آپ کو شعر و سخن کا شوق ہے — نثر لکھنے کا نہایت ذوق ہے
تذکرہ لکھا ہے خود اک لاجواب — منتخب اشعار کا لب لباب
صفحۂ اوراق گلشن کر دیا — شاعروں کا نام روشن کر دیا
ہے عبارت خاص دہلی کی زباں — جان اردو صاف و شیریں ہے بیان
خوش بیانی پر ہے تحسین آپ کی — جانفشانی پر ہے تحسین آپ کی
استداد سالہائے سال میں — ختم کو پہونچا ہے سال حال میں
اس برس چھپکر ہوا تیار ہے — تذکرہ کیا ہے کہ اک گلزار ہے
دیکھنے سے جسکے ہوتی ہے نظر — شاعروں کا خاص ہے تعلیم گر
تذکرہ کیا شاعروں کی جان ہے — شایقوں کا دین ہے ایمان ہے
تذکرہ کیا ہے کہ ہے آب حیات — روح افزائی کی ہیں جس میں صفات
دیکھکر ہوتا ہے جسکو غم غلط — ہیچ ہے جتنا لکھے سب یکدم غلط

بلبلوں کے وہ ترانے وہ ترنم خیزیاں — باغ کو سر پر اٹھا رکھا ہے اللہ وغنی
چھیڑ رکھا ہے مہوکوں نے کیسی جنگل — اک طرف میرا شونکو دیتن ہی پیلو کی بندگی
شام سے دیپک کی لو ہے کرکٹ شب تا بکو — جسطرف دیکھو اودھر ہے آگ پانی میں لگی
آشیا تو نہیں ہمی غافل کب ہیں غان چمن — چھیڑ دینے کیلئے کافی ہیں تانیں دیس کی
صبح گلشن میں نمایاں ہے بہار صبح عید — خندۂ گل کی ہی نوبت شاہنائی ہر کلی
کون طوطی کی صدا نقار خانے میں سُنے — کر چکی ہے مست سبکو اپنی اپنی راگنی
رکھتے ہی سر پر شگوفوں نے بھی تاج زرنگار — بول بولے توڑی لیکے گت کہر دیکی بھری
جوڑے ارباب طرب کے خود بسائی آئی ہے — طبلۂ عطار بنکر مشکدانی کی کلی
نور کا تڑکا سہانا وقت وہ ٹھنڈی ہوا — بھیروں کی دُہن میں گلچیں نے غزل اک چھیڑ دی

غزل

میکشو مژدہ کہ پھر آئی گلستاں میں بہار — لائی پھر رحمت کی کلیاں چمن کے دامنیں بہار
اے زلیخا کیا مزہ دیگی شبستاں میں بہار — پہلے کچھ دن لوٹتی تھی یوسف کے زنداں میں بہار
لے اوڑی توبہ کو رندو موسم گل کی ہوا — آئیگی ساقی سے اب کچھ عہد وپیماں میں بہار
جا پہونچ اے وحشت دل بنکے مہمانِ عزیز — سنتے ہیں آئی ہوئی ہے کوئے جاناں میں بہار
بانو نکے چھپائے وہاں بھی گل کھلائینگے نئے — ساتھ چھوڑے گی نہ دم بھر کنج زندانیں بہار
جاتے ہیں بھٹی پہ بانکے اسحہ میرو دامن لئے — آئی ہے اگلی برس فصل زمستاں میں بہار
پھر مئے انگور پر ہے محتسب کی فاتحہ — پھر نمک بھرتی ہے میرے زخم پنہاں میں بہار
کوچۂ دشمن میں شب باشی مبارک ہو اُسے — گھر مرا کیوں گھیرتی ہے روز ہجراں میں بہار
پھر وہی مُنہ لیکے آئی میرے دلکے سامنے — سر تو ڈالے اک ذرا اپنے گریباں میں بہار
لنک چٹکی میں کھلا ہر غنچۂ زخم کہن — کس قیامت کی ہے قاتل کے نمکداں میں بہار
نام لے لیکر بس اب خالی ورق الٹا کرو — لیلی ومجنوں کے دم سے تھی دبستاں میں بہار

بدایونی المخاطب بہ پہلوان سخن از ارشد تلامذہ حضرت مولانا ظہیر دہلوی

یا خدا آمد ہے کس مستِ شرابِ ناز کی
مچ رہی ہے آج کیوں صحنِ چمن میں کھلبلی

کون مہمانِ عزیز آتا ہے جسکی راہ میں
چشمِ نرگس صورتِ چشمِ زلیخا وا ہوئی

شور ہے کسکی سواری کا یہ کیسی دھوم ہے
سروِ قد استادہ ہیں گلشن میں شمشاد و سہی

نامیہ نے سبزۂ خوابیدہ کو چونکا دیا
ہر چمن کی ہر روش انگڑائیاں لیتی اٹھی

گھاس لہرانے لگی موجِ نسیمِ صبح سے
بن گئی تختِ رواں ایک ایک کیاری باغ کی

چھاؤں میں سبزے کی ہریالی کی موجیں خال خال
آ رہی ہے ناز سے رکتی ہوئی نیلم پری

سبع سیارہ نے کیں ہر ہفت کی تیاریاں
ہوگیا ترکِ فلک آمادۂ مشاطگی

موتی شبنم کے بنفشے نے پروئے بال بال
چوٹی سنبل کی بھی موبافِ زرِ گل سے سجی

ہوگئی بزمِ شہانہ سربسر آراستہ
بابِ گلشن پر صلائے عام کی نوبت بجی

لولیانِ باغ کی وہ پیشوازیں سبز سرخ
ہر گلی میں جنکی مہک زیرۂ گل کی ٹکی

سازِ غنچے تار پھولوں کی رگیں مضراب خار
چھیڑ کر سننے سنانے کی صبا کو دھن بندھی

کھول دی غنچوں کی گٹھری باندھ لی اپنی کمر
ہر نہالِ تازہ کو سوجھا تماشا دلگی

خشک پتوں نے چھما چھم بوندیوں کے گھونگرو
کونے کونے وہ مجیروں کی کھنچ وہ کنگری

بوئے گل کہنے لگی تازہ شگوفہ دیکھکر
خیر ہے اب تک کہاں بیٹھے ہیں استاد جی

تالیاں دو ہاتھ سے بجتی ہیں سنتے تھے مگر
پتے پتے نے ہوا میں بھر کے دستک آج دی

خود بخود دو دو لگی انگلوں سے جوانانِ چمن
جوشِ مستی میں بنے جو آمادۂ خنیاگری

ہر کنارِ حوض پر وہ دادرو نکلے دادرے
جنکی لے میں لغزشیں چڑھاؤ اتار میں دلکشی

گولونکی وہ ملہاریں جھولکر شوق کے ساتھ
جنکی سب تانیں رسیلی اور چل پھرہ بھری

وہ غضب قمری کے ملنے سرو کی ہر شاخ پر
اونچے سُر میں وہ الاپیں دمبدم طاؤس کی

اپنی حالت سے گزر کر ایک مطلع وہ پڑھیا　　نقد نقد عجب کا دے ارباب معنی کو گھڑی

مطلع ثالث

شرم ہے اچھا برا سچا سننے کو منصفی　　یوں تو ہونے کو زمانہ سے ہے سخن کا مدعی

کیا ستم ہے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں　　کسکا دعویٰ ہے مدلل کسکی حجت ہے قوی

صاف ہے کسکا بیاں گنجلک ہے کسکی دلیل　　کسکے اظہار و نہیں لغزش کسکے لکھے میں کمی

کیجیے کسکی وکالت ہوجئے کسکے گواہ　　مدعی سست اور شاہد چست کا ہے پاس بھی

چھیر لیے اپنی صفائی پھر بھی کہکر یا نصیب　　فیصلے کی ہاں مگر امید باقی ہی نہ تھی

حق بجانب ہے کسی عادلکو جا کر کیوں کہیں　　اپنے ہاتھوں اپنے پیروں میں کلہاڑی مار لی

مدعی سے کیا شکایت آسماں سے کیا گلہ　　آپ اپنی قدر کرنی تھی جو کچھ ابتک نہ کی

جب دکھائے اپنے جوہر عیب کی ٹھوکر کھائے　　عمر بھر بے وقت کی گایا کیے ہم راگنی

راستی پر بھولکر آیا نہ اکدم بھی مزاج　　بڑھ گئی دو ہاتھ قسمت سے طبیعت کی کجی

واہ وا شانِ تبختر مرحبا شانِ غرور　　اپنے آگے بات ناصح کی کبھی جمنے نہ دی

اپنے منہ سے خود میاں مٹھو بنے ہر شاخ پر　　ٹانگ سیدھی سی نئی جو بھی کی کیا آگئی

گانٹھ ہلدی کی جو ہاتھ آئی پساری بن گئے　　ہم پہ یہ پھبتی کہی اچھی کسی نے واقعی

جان کیا آنکھیں چرائیں جانفشانی کی جگہ　　کی تن آسانی جہاں کرنی تھی پوری تندہی

گلیوں گلیوں خوب بھٹکے صاف رستے چھوڑ کر　　رہبری کا ذکر کیا آئی نہ سیدھی رہروی

بن گئے ہر راہبر کے حق میں قطاع الطریق　　جو ذرا آگے چلا کی بڑھکے اسکی رہزنی

الغرض اعمال میں افعال میں اقوال میں　　ہے وہی ابتک خرابی یا کمی یا کوتہی

داد دینی بھی نہ آئی داد لینی تو کجا　　یہ طبیعت ہے ہماری یہ ہماری شاعری

اہل فن کو اہل فن سے رشک ہو یہ بھی تو ہو　　عشق کی دنیا میں ہے یہ شیوۂ مردانگی

داد داد اے گردشِ گردونِ گرداں داد داد　　اٹھ گئی کیا دہر میں تیرے دلوں سے منصفی

آشیاں ہے کہکر وہ اڑے قفس لانا جواب
بات اتنی ہے اگر ہو تیرے امکاں میں بہار

ہوا اہرِ غنچے کے دل پریشاں ہو گئے
کس نے بھر دی کوٹ کر قاتل کے پیکاں میں بہار

عیش کا کیا ذکر غم سے بھی طبیعت بھر چکی
اب کہاں صبحِ وطن شامِ غریباں میں بہار

پھر ہوا لے میکدہ کہانی ہے ثاقب کوئی دم
پھر سمائی ہے نئی طبعِ غزلخواں میں بہار

مطلع ثانی

اور بھی دانا فقیروں سے کہا سنکر دل لگی
کوئی چلو ڈیرہ چلو ہے ہمارے نام کی

ساقیا ہر دم تری بھٹی سلگتی ہی رہے
اور بھی رات دونی دن سوائی بکری

بھولے بسرے تو دعا دے فاقہ مستو بھی تم
بہتی گنگا میں ارے کم ظرف ہو گی کیا کمی

کب سے دستک دے رہا ہے دل درِ میخانہ پر
کب سے کنڈی کھڑکھڑاتی ہے پریشاں خاطری

کھینچتے ہی کھینچتے آخر سویرا ہو گیا
مندھے جاگے نہ چشمِ مست ساقی کی کھلی

جاگنا کس کا دلی کروٹ زمانے کی طرح
رات گذری اور دن بھی چڑھ کے آیا دو گھڑی

یا خدا اب ہم صبوحی نوش آخر کیا کریں
حلق میں پھندے زباں بھی سوکھ کر کانٹا ہوئی

بے سبب اتنا سکوت ہمیں ممکن نہیں
یاد ہی بدمست ہیں یا کچھ خطا ہی ہم نے کی

منہ بچے ساقی رہے بدمست یہ مانا مگر
وہ جو شب بیداریِ پیرِ مغاں کی دھوم تھی

لو رضا اسکو بھی حفظِ مراتب کا تھا پاس
اہلِ حلقہ کو ہوا کیا کر گئے کیوں ان سنی

کیا قیامت ہے کسی کے کان پر رینگی نہ جوں
کیا مصیبت ہے کہ سب نے آنکھ ہم سے پھیر لی

آؤ اک آواز دیکر آزمائیں پھر نصیب
پھر ہلائیں میکدے کا باب کہکر یا علی

کھولڈالیں کہہ کے یا فتاح قفلِ در بھر
پڑھ کے بسم اللہ بے پر کی اڑائیں دو گھڑی

اب کھلی رہے آنکھ اور چوکتی نظر
ہو کسی کونے میں شاید اور بوتل بھی بھری

پھر تمتم کیلئے وہ بھی صاف کردیں خیر سے
دور میں آئے نظر کے جو چھپی اور بے چھپی

پی پلا کر دیں دعائیں خمخانۂ جاوید کو
جسکی خاطر یہ مے و معشوق کی شادی رچی

اپنے اپنے رنگ خیال اور اپنی اپنی دوڑ ہے
باب خلاقِ سخن پر ول سے ہو یوں تر زباں
تذکرے کو بخشدے خلعت قبول عام کا
اور کر اِسکے مولف کی بھی پوری ہر مراد

چھوڑ دو ہر ایک کی مرضی پہ جسکی جو خوشی
اے مرے گویائی دینے والے قادر یا قوی
تا قیامت ہو نہ اِسکے قدر دانوں کی کمی
عام اس سے اب ہوا جب جو خفی ہو یا جلی

اب ثاقب سننے والے بھی پریشاں ہو گئے
اور لکھتے لکھتے اپنی بھی طبیعت بھر گئی

اک فقط تاریخ باقی ہے تو قصہ مختصر
تذکرہ بےمثیل میں ہے سال ہجری عیسوی

تقریظ از نتائج افکار گہربار ارسطوے دوراں جالینوس زماں فخر اطبائے ہندوستان حاذق الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالے

خمخانۂ جاوید

اس زمانے میں جبکہ پرانے آثار مٹتے جاتے ہیں اور ہوائے مخالف کے جھونکے ہمارے اسلاف کے نشانوں کو روز بروز پامال کرتے جاتے ہیں میرے دوست جناب لالہ سری رام صاحب رئیس دہلی خلف الصدق جناب رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب سرگباشی نے جو کام شروع کیا ہے وہ ہندوستان کی اردو داں پبلک کے لئے علی العموم اور اہل دہلی کے لئے علی الخصوص باعثِ شکر گذاری ہے۔ بے شک انھوں نے اردو پر احسان کیا ہے۔ اور اُسکے اگلے پچھلے کارفرماؤں (شاعروں) کو پبلک سے روشناس کرنے میں روپیہ اور وقت کے صرف کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ جو اُردو کے سرمایۂ ناز اس وقت خواب

کون اِسکا میرِ منشی ہے کہ جسکی ہر رپورٹ
مستند ہے کون اس دفتر کا حاکم کون ہے
منصفِ دہلی ہیں وہ لالہ سری رام ایم اے
ذی ہنر ذی علم ذی فن ذی خرد ذی حوصلہ
نکتہ داں و نکتہ بیں و نکتہ فہم و نکتہ رس
پاک باطن پاک ظاہر پاک طینت پاک دل
صاحبِ طبعِ فہیم و صاحبِ ذہنِ سلیم
خوش بیاں خوش لہجہ خوش اخلاق خوش رو خوش ادا
ہاتھ ڈالا آجتک جس کام میں پورا کیا
کیوں نہ میزانِ عدالت میں گہر تولا کریں
شعر گوئی کیطرف رغبت نہیں اچھا نہو
سیکڑوں دیوان اُردو اور گلدستے ہزار
چھان مارا قریہ قریہ قصبہ قصبہ شہر شہر
خود ملے ہر ایک شاعر سے جہانتک ممکن تھا
منتخب ایسے کئے اشعار ہر ہر رنگ کے
پتی پتی ڈالی ڈالی غنچہ غنچہ پھول پھول
پہلے ہر شاعر کا لکھا حال پھر اُسکا کلام
گنگا جمنی ہار گوندھا بہرِ طبعِ نکتہ رس
واہ وا اے شہسوارانِ معانی داد داد
داد دیکر داد لینی ہو تو آؤ شوق سے
تذکرہ کیا ہے یہ جولانگاہ خاص و عام ہے

فقروں فقروں میں ہے رنگ آمیز حسنِ شاعری
جسکی ہر ہر شان میں پیدا ہے شانِ منصفی
جنکی تصنیفِ خفیفہ کی گراں قیمت ہوئی
ذی دول ذی مرتبت ذی منزلت زیرک ذکی
ختم جن پر نکتہ سنجی اور نکتہ پروری
کینہ و بغض و حسد حرص و تعصب سے بری
جنمیں فطرت نے بھری ہے کوٹ کر معنی رسی
اور پھر سونا کہ خوشبو کی خوشی خوش قسمتی
حق تو یہ ہے قول ہے ہاری اُنکی عالی ہمتی
قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری
شعر فہمی کس بلا کی اُنکی گھٹی میں پڑی
دیکھنے میں چھاننے میں عمر اپنی صرف کی
جستجوئے اہلِ فن کی وہ ہوا سر میں بھری
حال کی تحقیق کامل کی جہانتک ہو سکی
روح گویا صاف اُردو شاعری کی کھینچ لی
چن لئے ہر ہر باغ سے طبعِ رسا لاتی رہی
اور پھر ہر اک طبیعت کے مناسب رکھ دی
یوں پروئیں نثر کے رشتے میں کلیاں نظم کی
آکے میداں میں دکھاؤ کچھ تو کرتب گدھری
جمع ہیں سب مردِ میدان بھیڑ بھی وسعت بڑی
سخت کم ہمت ہے جسنے باگ اس سے موڑ لی

چونکہ یہ تذکرہ معنوی لحاظ سے ایک قیمتی گلدستہ ہے۔ اس لئے اگر کاغذ چھپائی اور خط کے اعتبار سے وہ اپنے معنوی حسن کی مشاطہ گری کرے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔
آخر میں اپنے مہربان لالہ سری رام صاحب کا اُنکی اس خدمت پر جو انھوں نے اُردو کے علم ادب کی کی ہے۔ خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اُردو بولنے والے اُردو لٹریچر کے اس قیمتی اضافہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

حکیم محمد اجمل

۲۴ نومبر ۱۹۰۸ء

تقریظ رقمزدۂ فاضل عصر یگانۂ دہر خانصاحب پیرزادہ محمد حسین ایم۔ اے۔ المتخلص بہ عارف چیف جج عدالت عالیہ ہائیکورٹ قلمرو جموں و کشمیر

تذکرہ خمخانۂ جاوید

اُردو شاعری کا دور اول فی الواقع بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا ہے یعنی طرز قدیم کو روز بروز اہل سخن چھوڑتے جاتے ہیں اور اُسکے قدردان بھی کم ہوتے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُسکا جائزہ لینا اور جھٹ پٹیا کرنا بہت ضروری تھا تاکہ دکھایا جاوے کہ ان گزشتہ دو صدیوں میں اُسنے کس قدر اور کس رتبہ کا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ اس کام کے لئے اُسی لیاقت اور دماغ کے آدمی کی ضرورت تھی جسکے تین سو سال پہلے شہنشاہ اکبر کو اپنے دیوانی دفتر کے تدوین کروانے کے لئے ضرورت پڑی تھی خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کو بھی اب ایک لائق ہونہار نوجوان نے جسکو اکبری دیوان کے اولاد میں ہونے کا فخر حاصل

عدم میں ہیں۔ اور جو اِسکے اہل کمال آجکل ہندوستان کے مختلف شہروں میں خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں اُنکے ہنر و کمال کے ظاہر کرنے میں "خمخانۂ جاوید" نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔

وہ خاندان جن کے اسلاف کو "خمخانۂ جاوید" نے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جو اپنی کوشش میں کامیابی کا تمغہ حاصل کرچکا ہے خصوصیت کے ساتھ میرے دوست لالہ سری رام صاحب کے شکر گزار ہوں گے کیونکہ انکے فرض کو اُنہوں نے ادا کیا ہے اور اِن کے بار دوش کو انھوں نے اپنے کندھوں پر لیا ہے۔ یہ ایک ایسی جوانمردی اور عالی ہمتی کا کام ہے کہ جسکا معاوضہ صرف احسنت نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی قدر دانی دلی شکر گزاری کے ساتھ کرنی چاہئے۔

خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کو جسکے صفحات کی تعداد ۰۰ ، کے قریب ہے میں نے جستہ جستہ دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولف نے انتخاب کے کام کو جو درحقیقت ایک مشکل کام ہے بہت قابلیت کے ساتھ انجام دے کر اپنی سخن فہمی کی وقعت کو ناظرین کی نگاہوں میں بلند کر دکھایا ہے۔

مختلف شعرا کے کلام کا انتخاب کبھی تو صرف اِس غرض سے کیا جاتا ہے کہ گو شاعر فن شعر کا ماہر نہیں ہے لیکن علم و فضل یا دوسری حیثیت سے اِسے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور کبھی اِس مدعا سے اُسکے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ اُسکے خیالات اور افکار اُسکے اشعار سے معلوم ہوسکیں۔ اِن دونوں باتوں کے علاوہ کبھی اِسکے فن ادب کی مہارت کا اظہار انتخاب کرنے والے کو مدنظر ہوتا ہے اور کبھی اُسکے طرز ادا کا اظہار مرکوز خاطر ہوتا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات اقسام شعر پر شاعر کی قدرت اور دستگاہ دکھانی ایک تذکرہ نویس کا میرے خیال میں سب سے بڑا اور اہم فرض ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ "خمخانۂ جاوید" ان تمام باتوں کو سخن فہم ناظرین کے سامنے پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

شاگرد خاندان فخر الشعرا میر ممنون مغفور

تقریظ خمخانۂ جاوید

نام نیک دیگراں ضایع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

حکیم ارسطاطالیس کا قول ہے کہ اگر دنیا میں بعض لوگوں کی کمی ہو جائے تو مخلوق خدا کو اپنی احتیاجوں کے رفع ہونے میں سخت تکالیف اٹھانی پڑیں گی لیکن شعرا کا گروہ اسقدر بیکار اور زاید نظر آتا ہے کہ اگر سرے سے یہ طبقہ زمین کو خالی کر دے تو بظاہر کوئی نقصان انتظام دنیوی میں عاید نہیں ہو سکتا اسی آواز کی صداے بازگشت تھوڑائی ہزار برس کے بعد مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کی مقبول انام مسدس میں قریب قریب اسی جوش کی سنائی دیتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

جو سقے نہوں جی سے جائیں گذر سب	ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب	جو مر جائیں ہنگی تو گندے ہوں گھر سب

یہ گر جائیں تجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

ایسی زبردست شہادتوں کے مقابلہ میں دلیلیں پیش کرنا آسان نہیں لیکن اس عالم میں خدا کے بندے ایسے بھی موجود ہیں جو اس بیکار فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ ایک قدرتی اثر ہے جو نہ ارسطاطالیس کے حکیمانہ اقوال سے مفقود ہو سکتا ہے نہ مادی طور پر منفعت بخش نہونے سے نیست و نابود مانا جا سکتا ہے طبیعت کی موزونیت اسکا منشا اور منبع اور زمانے کی دلچسپیاں خواہ وہ حسن انسانی کی شکل میں جلوہ گر ہوں خواہ گل بلبل کا رنگ و بو کریں اس کا لازوال ماخذ ہیں دنیا کے کاروبار بند نہیں ہو سکتے خلق خدا اپنی ضروریات

ہے اپنے ذمہ لیا اور اگر اس کام کی عظمت اور اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جاوے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مصنف نے اپنے کام کو بہت محنت اور خوش اسلوبی سے پورا کیا ہے۔ سترہ سال تک شب و روز ایک کام کے پیچھے پڑ جانا اور اپنی صحت اور جوانی اور دولت کو قربان کرنا سوائے محب قوم اور عاشق علم ادب کے اور کسی کا کام نہیں۔ مصنف کو جو اس مضمون سے دل بستگی ہے یا کہنا چاہئے جو عشق ہے اسکی شہادت کتاب کے ہر صفحے سے مترشح ہوتی ہے انتخاب اشعار میں جو کمال کیا ہے وہ اس سے مصنف کی صحت مذاق اور نکتہ رسی کا پتہ ملتا ہے۔ سچ پوچھو تو مصنف نے اپنے دوست سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے کچھ کم کام نہیں کیا ہے بلکہ اس کتاب کو اس ڈکشنری کا ایک ضروری جوڑ سمجھنا چاہئے۔ خوبی قسمت سے اردو زبان کے جسقدر یہ دو بڑے کام تھے اُنکے کرنے والے بھی اُسی قدر مناسب اور موزوں زمانے سے پیدا کئے اور ان دونوں کو سرپرست بھی اقلیم سخن کا وہ فرمانروا نصیب ہوا ہے جسکو اگر اردو زبان بولنے والوں کا بادشاہ کہیں تو کچھ بیجا نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جامع تذکرہ اردو زبان کے علم ادب کے لئے آیندہ زمانہ میں اسکا سرمایہ ناز سمجھے جانے کے قابل ہے اور ان تین ہزار حضرات میں سے جنکا تذکرہ میں حال بیان کیا گیا ہے دو ہزار نو سو پچاس کو مصنف کا خصوصاً ممنون ہونا چاہئے کہ انکا نام اور کلام ساقی خمخانہ کے فیاضی کی بدولت جریدۂ جاوید پر ثبت ہو کر نسلہائے آیندہ کے گوش زد ہو جائیگا۔

راقم عارف از جموں

۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

تقریظ و تاریخ رشحۂ خامۂ نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان خوش بیانی شاعر عدیم المثال قاضی غیاث الدین احمد صاحب خورشید دہلوی

ہوتا ہے جسپر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں جسقدر شعرا کی حالات اور اُنکے کلام کے نمونہ اس بیش بہا تالیف میں جمع کئے گئے ہیں اُنکی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے گویا ہزاروں کمالوں کے حق میں جنکی نام کچھ دنوں کے بعد صفحہ ہستی سے مٹجاتے مؤلف نے مسیحائی کا کام کر کے اردو زبان پر اک ایسا احسان کیا ہے جس کی شکرگزاری سے دنیا اور اہل دنیا کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہم قابل مؤلف کو اس بڑی کامیابی پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اُن کی تالیف مقبول انام ہو جس سے اُنکی تمنائے دلی اور ملک و قوم کی تمنائیں برآئیں۔

سلامت رہے تیرا خمخانہ ساقی	دعا دے رہا ہے یہ مستانہ ساقی

اب ہم اس اظہار سپاس کو ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتے ہیں جو ہمارے قلب مشتاق سے نکلا پڑتا ہے

قطعہ تاریخ

میرے محب مصدر لطف و کرم نے اک	شعرائے ریختہ کی لکھی ہے کتاب آج
برسوں کی کاہشوں میں کیا تذکرہ رقم	بدلا ہے عہد پیری سے عہد شباب آج
اک عمر دور دور سخنداں کئے تلاش	ہیں مدت مدید میں وہ کامیاب آج
خورشید فکر ختم میں کل سے جو محو تھا	تاریخ سال ایسی لکھی لاجواب آج

آیا زبان پہ مصرع سالم یہ غیب سے
عالم کے شاعروں کا کیا انتخاب آج
۱۹۰۸ء

تقریظ ریختہ کلک گوہر سلک شاعر بے نظیر ناثر پر تاثیر مشتاق طرز قدیم و نوی مشفقی پنڈت برجموہن وتاتریہ کیفی دھلوی۔

کا انصرام و تکملہ کرتی رہتی ہے مگر بازاروں کی زیب و زینت تجارت گاہوں کا شور و شغب انجمنوں
کی گہما گہمی اُس حسن داد و دہش پر ہرگز غالب نہیں آسکتی جو قلب انسانی سے نکلکر اور روح انسانی
پر موثر ہوکر اُسی وجد میں لاتی ہے اور جس کا جوش غیر منطقی انسان کی دم کے ساتھ ساتھ ہے
عالی دماغ فلسفیوں کے غل غپاڑے سے ہم تو سہم گئی تھی اور سوچتی تھی کہ ہماری تو عمر اسی بیکار فن کی
تحصیل میں صرف ہوئی ہے اب ہم کہاں سے گئے ہوئے وقت کو واپس لائیں جو دیگر کمالات
کی تحصیل میں صرف کریں صرف اتنی امید کے سہارے پر جیتے تھے کہ اگر خدا تعالی کی بیشمار مخلوق
میں سے ایک شخص کے دلمیں بھی ہماری ہزاروں سرائی گدگدی پیدا کردے گی تو ہماری
ساری محنت رفتہ وصول ہوجائے گی مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ زمانہ کا ہاتھ ہر وقت ایسی
شے کو مٹانے کے لئے مستعد ہے جس کی حفاظت کا کافی انتظام نہ کیا گیا ہو الحمدللہ کہ خدا
کی دانشمند بندوں میں سے ایک شخص لایق منشی بابو سری رام منصف لاہور ایسی تلی ہوئی اور شعرا
کے نام اور اُنکے کلام کی حفاظت کے لئے بالکل سنجی ہوئی جہان آفرین نے پیدا کی کہ خمخانۂ جاوید
کی ترتیب اور تالیف میں لایق مولف کو جو دقتیں اور دشواریاں پیش آئی ہونگی اُنکا اندازہ صرف اسی بات
سے ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے بعض نادر الوجود دواوین وہ مہیا کی ہیں جو ہندوستان میں نایاب
تھی اس اہم اور مشکل کام میں اُنہوں نے اپنی عمر عزیز صرف کی اور بڑی محنت اور عرق ریزی سے
اپنی جمع کی ہوئی دولت کا کثیر حصہ اسمیں کھپایا ہے بیس برس کی متواتر محنتوں اور صرف کثیر کے بعد
خدا نے آج وہ دن دکھایا کہ ہم سات سو صفحہ کی ایک جلد ضخیم شعراء ماضی و حال کی یادگار مرتب
پاتے ہیں اور خداوند تعالے سے دعا کرتے ہیں کہ وہ لایق و مستعد مولف کی سعی و کوشش
کو مشکور فرمائے اور اس خمخانہ کو جس کی ساقی نے حریفان سخن سنج کو بادۂ سخن سے سرمست
کرنے میں کوئی کوشش اوٹھا نہیں رکھی ہے خلق خدا کو بے انتہا فیوض کا منبع ثابت کرے
اُردو زبان میں تذکرے کے ایسی ضخامت کی مثال شاید مشکل سے دستیاب ہوگی اور ہم اپنی اہل
ملک کو مژدہ دیتے ہیں کہ آج ہماری غریب زبان کے خزانہ میں بھی ایک ایسی لازوال دولت کا اضافہ

برعکس اسکے کیوں یہ تذکرہ جامع اور "آج کی تاریخ تک" مکمل ہے۔ کیوں اس میں خسرو اور ولی سے لیکر آغا شاعر دہلوی۔ اور اقبال کشمیری تک درج ہیں۔

(۲) معروف مثل "کل امر مرھون باوقاتہ" کے خلاف کیوں اسمیں ہر دور اور طبقہ کے شاعر اور پھر انکا ہر رنگ کا کلام درج ہے۔ کیوں اس فونوگراف میں ہیں اور سرود کے ساتھ ہارمونیم اور پیانو کی آوازیں بند ہیں۔ کیوں اسمیں دُھرپد کے ساتھ ٹھمری اور غزل کے ساتھ مسدس اور ترکیب بند موجود ہیں۔ کیوں اسمیں غزل اور واسوخت کی پرانی شاعری کے پہلو بہ پہلو نئی نیچرل شاعری (جیسی کہ وہ اسوقت ہے) کے نمونے ملتے ہیں۔

(۳) کیوں اسمیں کسی مذہب یا تبدیل مذہب یا حسب نسب کے متعلق غلط یا دلخراش مندرجات نہیں پائے جاتے۔

(۴) کیوں اس میں شعرا کے حالات اس شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں کہ اور جگہ ایک مجموعی صورت میں فراہم نہیں کئے گئے۔

(۵) کیوں یہ تذکرہ مقامی تعصب اور ذاتی پسند کی جنبہ داری سے پاک و صاف ہے چونکہ یہ نفسانیت سے بری ہے لہذا کوئی شخصیت نہیں رکھتا ہیچ در پوچ ہے۔

(۶) کیوں تذکرۂ ہزار داستان نہ صرف تواریخی و شاعرانہ اہمیت بلکہ ضخامت میں آجتک کے تذکروں کو منزلوں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اور (۷) کیوں مؤلف کی اپنی زبان جس میں اسنے شعرا کے حالات لکھے ہیں زور دار پرتاثیر۔ فصیح۔ دہلی کی ٹکسالی زبان۔ رنگین اور پرشکوہ ہے۔

اب تصویر کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے۔

لارڈ میکالے کا یہ مقولہ خواجہ حالی بھی اقتباس کر چکے ہیں کہ اصلی شاعری جادو کی لالٹینیں (میجک لینٹرن) کی مثال تاریکی میں اپنا رنگ جما سکتی ہے۔ یعنی شاعری اور شاعرانہ انشا پردازی تاریکی کے زمانے میں یعنی جب محض تخیل اور زبان کا ہی سکہ جاری

پرائیویٹ سکرٹری آنریبل کنور پرتاب سنگھ بہادر آف کپورتھلہ۔

مصنف مسدس بھارت درپن وغیرہ

جس طرح ایک شخص اپنے یا اپنے پیارے دوست کے بچے کا نشوونما دیکھتا ہے اسکی ہر چیز کو منہ میں لیجانے کی بالطبع کوشش۔ اسکا گھٹینوں چلنا۔ پھر لڑکھڑاتی ٹانگوں سے گر گر اُٹھنا۔ اور پھر سرو کی طرح رواں ہونا۔ اول اسکا غٗں غٗں کرنا۔ بیوجہ ہنسنا اور رونا۔ پھر کچھ مدت بعد تتلاہٹ سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور پھر سن تمیز کو پہنچکر معقول اور سلسلہ وار گفتگو کرنا غرضکہ جس طرح ہم ایک دوست کے بچے میں دیکھ رہا ہوں جو آج خمخانۂ جاوید کے نام سے آپ کی ملاقات کو آیا ہے۔ اسکے نوٹوں کے پرچے۔ اسکے اوراق پریشاں۔ اسکے مختلف جز۔ اسکے مسودوں کے مشقے۔ کٹے پھٹے جزا ور صاف شدہ مسودہ اور اب اتراش خراش اور آب و تاب کے ساتھ اسکی جامۂ طبع سے آراستہ شکل دیکھی۔ اسوجہ سے مجھے حق ہے کہ میں اس تذکرے کی نسبت وضاحت سے لکھ سکوں خواہ وہ تقریظ کہلانے کی مستوجب ہو یا تنقید کہلانے کی اُردو کا ایک محاورہ ہے "اپنے بچھڑے کے دانت کون نہیں جانتا" یعنی اپنے بچے کے دانت کون نہیں جانتا۔ یعنے اپنے بچے کے حسن و قبح سے اسکے والدین یا بزرگ ضرور واقف ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے دوست مؤلف تذکرہ ہذا تو اپنے اس اللہ آمین سے پالے پوسے سپوت کی فرطِ محبت کیوجہ سے اسپر نقادانہ نظر نہ ڈال سکیں۔ لیکن میں اس جذباتی نقص سے بری ہوں کہ میں ہمیشہ بچپن اور لڑکپن میں بھی اس بچہ کو ڈانٹتا ڈپٹتا رہا ہوں۔ لیجیے سب سے پہلے میں اس تذکرے کے نقائص آپ کو گنائے دیتا ہوں۔

(۱) اگلے کہہ گئے ہیں۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد		ہر چہ گیرید مختصر گیرید	

ہونگے۔ نہ کوئی اُس شاخ کو ہرا کر سکیگا۔ نہ تم سے بڑھکر پھل پھول لگا سکے گا۔ ہاں تمہاری لکیروں کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال کے مضمون لینگے۔ انہیں لفظوں کو اُلٹیں پلٹیں گے اور تمہارے چبائے ہوئے نوالوں کو مُنہ میں پھراتے رہینگے۔

اگرچہ زیادہ تر عمارتیں تمہارے حُسن و عشق کے جلوس کے لئے ہیں مگر انہیں بھی تمنے ایسے سامان اور مصالح لگا دیئے ہیں کہ آیندہ نسلیں جس غرض سے چاہیں گی عمارتیں بنائیں گی۔ اور تمہاری صنعتوں سے بہت کچھ مدد پائیں گی۔ جن پتھروں کو تمنے محنت اور گلکاری سے تراش کر فقط خوشنمائی کے لئے لگایا تھا ہم اُسے وہاں سے نکال لیں گے شکریہ کے ساتھ آنکھوں سے لگائیں گے۔ اور اس سے کسی ایسی محراب کو زینت دینگے جو اپنی مضبوطی سے ایک ایک ملکی ایوان کو استحکام دے۔ اور دلوں کو خوشنمائی سے شگفتہ کرے"۔

مولانا آزاد کی یہ پیشین گوئی یا ہدایت یا کنایہ کس قدر راست ثابت ہوئی یا عمل میں آئی۔ اقبال۔ چکبست۔ چودھری خوشی محمد ناظر۔ میر نیرنگ۔ سرور جہان آبادی۔ افق اور برق لکھنوی۔ تمنا۔ اور مولانا شبلی۔ مرزا ارشد مرحوم اور سب سے اخیر بلکہ سب سے زیادہ خواجہ حالی کے کلام کے ملاحظہ سے ثبوت کو پہنچتی ہے۔ ان سب اصحاب اور اس قسم کے دوسرے سخنگویوں کے کلام وحالات بھی اس تذکرے میں غالب و ذوق۔ ناسخ و آتش۔ نسیم و سالک۔ مجروح و داغ۔ امیر و اسیر کے حالات اور کلام کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ان کا کلام بھی ملتا ہے۔ جنھیں مولانا آزاد نے افسوس مگر صحت کے ساتھ چبائے ہوئے نوالوں کو منھ میں پھرانے والا کا خطاب دیا ہے۔

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس تذکرہ کا ملاحظہ ایک زباندان کو خوشنوایان بزم سخن کے

ہو پبلک مذاق پر حاوی رہتی ہے۔ سائنس یا علوم۔ فلسفہ اور سیاسات کے عہد میں اسکی دال نہین گلتی۔ اگر ہم میکالے کے اسی قول کو لیں تو گویا براؤننگ اور ٹنی سن۔ مثل ملٹن۔ اور بائرن کے شاعر کہلانے کی شان نہیں رکھتے۔ لیکن تاج فلاسفہ ہربرٹ سپنسر نے واقعات اور دلائل سے میکالے کو اس قول کو کاٹ دیا ہے۔ اور واقعہ میں ملٹن اور بائرن کیا شکسپیر۔ لانگ فیلو۔ بلکہ ا یڈ منڈ سپنسر کا تخیل اور شاعرانہ بلند پروازیاں اگر انسے بڑھکر نہیں۔ براؤننگ اور ٹنی سن میں موجود ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غالب کا تخیل اور آتش وانیس کی نغز گفتاری کا چسکا میرے محبان ذیشان محمد اقبال اور پنڈت برجنرائن چکبست کی نظموں میں نہیں پایا جاتا۔

میں مانتا ہوں کہ تغزل کا وہ چٹخارا جو میرے معصر شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہو جو طرز جدید میں لکھتے ہیں۔ آنے والے" تین قرنوں کے شاعروں میں شاید نہ ملے۔ جن لوگوں نے غزل گوئی سے شعر گوئی کی ابتدا کی تھی۔ حالی۔ امیر۔ داغ اور آزاد کی آنکھیں دیکھیں تھیں انکے متقدمین کے ساتھ ہم صحبت ہوجانے پر اُردو کی شاعری خوف ہے کہ کپلنگ کی شاعری کی طرح ؎

دندانِ توجملہ در دھان اند
چشمانِ تو زیر ابروان اند

کا چربہ رہجائے۔ اگر یہ خوف معرض امکان میں جار کھتا ہے تو میرے خیال میں یہی ایک وجہ کافی ووافی ہے کہ ہم خمخانۂ جاوید کی قدر کریں۔ اسے اُردو شاعری کا ایک جا مع انسائیکلوپیڈیا اور شاعروں کے حالات کا مکمل تواریخی دفتر تسلیم کریں۔

مولانا آزاد نے آب حیات کو اسطرح ختم کیا ہے۔

اے باقبال بزرگو۔ افسوس کہ تمہاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے تمہیں ایسے سامان دیئے ۔ ۔ ۔ ۔ اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدردان

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند	تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند
ہنوز آں ابر رحمت دُرفشانست	خم و خمخانہ با مہر و نشانست

اُن مایۂ ناز کارناموں میں جو ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں فلسفہ کے بعد تاریخ کو بہت بلند مرتبہ حاصل ہے اگر مورخ کا قلم اپنی روانی طبع سے صفحۂ عالم کو بوقلموں نکرتا تو آج مشاہیر عالم کے کارنامے ہمارے لئے خیالی تصویریں ہوتیں اُنکی ہستی جاوید پر گمنامی کا تاریک پردہ پڑا ہوتا اور دستبرد زمانہ ان جواہر کو خاک میں چھپائے رکھتا۔

خوش نصیبی سے "بلبل ہزار داستاں" کی شیوا بیانیوں اور نغمہ سنجیوں سے لطف اُٹھانے میں اپنے وقت کا کچھ حصہ مینے بھی صرف کیا و اقعاً جس "توجہ" "دلچسپی" اور "خوش اسلوبی" سے اس تذکرہ کی تدوین و ترتیب ہوئی ہے اُس سے جناب لالہ سریرام صاحب کے "دلی شوق" "عمدہ واقفیت" اور "ذاتی تجربہ" کا پتہ لگتا ہے۔ علاوہ اور خصوصیتوں کے اس تذکرے میں "سلاست بیان" اور "لطف زبان" کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ تحقیق کی داد دی ہے اور اپنے قلم جادو رقم سے جام جہاں نما کے مرقع میں خوب خوب گلکاریاں کی ہیں۔

خدایا اس "خمخانہ" پر قبولیت عام کا ابر برسا رہے! رندان قدح نوش اسکے کیف سے سرشار رہیں۔ پرستاران عروض اسکے فیض صحبت سے طرب اندوز ہوں اور اپنے لئے دستور قرار دیکر اس سے بصیرت حاصل کریں۔ قدر دانان عروس سخن اسے ہاتھوں ہاتھ لیں۔ ایسا قابل قدر تذکرہ ملک و قوم کی طرف سے دلی مبارکباد کا مستحق ہے اسلئے کہ جناب لالہ صاحب کی مستعدی "عرق ریزی" اور "جانفشانی" کی کوئی نظیر ہمکو نہیں مل سکتی۔

راقم اثم
سید علی اصغر بلگرامی

۱۵ جولائی ۱۹۰۸ء

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار پر بہار صاحب عالم مرزا مجاہد الدین بہادر شاہی خلف الرشید

گوناگوں ترانوں اور بوقلموں نغموں کا لطف دیتا ہے تو ایک ژرف نگاہ فلسفی کے سامنے تہذیب معشرت اور وضع روزگار کی تغیر و انقلاب کے نو بر نو دفتر کھولتا ہے۔ جسکے معرض اس وقت نہ صرف اُردو زبان و شاعری بلکہ کل ہندوستان ہے۔ اسکے پرغور مطالعہ سے واضح ہوگا کہ غزل گوئی اگرچہ رفتار زمانہ موجودہ کی لتاڑ میں ہے اور حسن و عشق کی داستانیں اگرچہ داستانِ پارین کا حکم رکھتی ہیں لیکن اُردو زبان کے جدید تدوین کے کارکن کس قدر نغزیت زبان اور نیچرل کلام یعنی تغزل معتدل کے والہ و شیدا ہیں۔

میرے دوست منصف دہلوی نے نہ صرف یہ زنگارنگ مرقع شاہدان کلام کا پیش کر کے زبان کی بے بہا خدمت کی ہے بلکہ اُن کی خاص اپنی جادو نگاری اور فسونکاری جو انہوں نے شعرا کے حالات لکھنے میں دکھلائی ہے نہ صرف صاد بلکہ داد کے قابل ہے۔ آپ کے قلم کا زور۔ بیان کی سلاست۔ کلام کی فصاحت۔ روزمرہ کی صفائی۔ بالمقابلہ امتحان کی عمیق نگاہی بصیر نقادی اور کامل مبصری ایسے اوصاف ہیں کہ انکی عالمگیر واقفیت اور اُردو شاعری کے تواریخی تجربے کے ساتھ ملکر آجکل کے اُردو نویسوں میں انہیں بہت اونچے پایہ پر جگہ دیتے ہیں۔

اب میں اس الزام سے بچنے کے لئے کہ:۔

بہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی وکاں نمی باید

اس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور مولف اور تالیف کے لئے دعائے خیر کے ساتھ ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں۔

برجموہن دتاتریہ کیفی

از رشحۂ خامۂ سحر طراز شعلہ باز رعنائی خیال ہم آغوش عروس کمال منشی سید علی اصغر صاحب بلگرامی بی اے

صاحبعالم مرزا شاہرخ بہادر خلف حضرت بہادر شاہ ثانی از تلامذہ میرزا قادر بخش صابر گورگانی

اے مشفق صمیمی اے ایم اے سریرام
کیا ریختہ پہ ڈالی بنیاد نظم اُردو
دعوے پہ جو دلائل لائے وہ خوب محکم
وہ آپ کی عبارت اور اُسمیں نظم شاعر
جو لفظ تمنے لکھا بیشک عجب تلا ہے
تعریفِ نامناسب لکھی نہ شاعروں کی

کیا خوب تمنے وصفِ اہل کمال لکھا
تحقیق سے نہایت ہر اک کا حال لکھا
جو لکھدیا مثالاً وہ بے مثال لکھا
پردہ میں حال سکے ہنر گویا کہ قال لکھا
مضمون خوبصورت اور پر جمال لکھا
اور ہجو سے بچا کر ہے بال بال لکھا

اس تذکرہ کو سنکر اِس تذکرہ کو پڑھکر
گلزارِ[1] عشرت افزا ہے جو وہ سال لکھا
سنہ ۱۳۱۰ ہجری

قطعہ تاریخ ریختۂ قلم جادو رقم نواب سید بہادر حسین خانصاحب انجم لکھنوی از تلامذہ حضرت امیر مغفور

بس یہ انجم خامے کا چھپ گیا ہی تذکرہ
جسمیں لفظ تذکرہ سے سال پیدا ہو گیا

یہ اسی میں ہے صفت بتلا رہا ہے اپنا عہد
تذکرہ خود مشعرِ تاریخ اپنا ہو گیا
سنہ ۱۳۲۵ ہجری

قطعہ تاریخ ریختۂ قالب طبع فصاحت منبع بزم آرائے خوش بیانی مولوی منشی

[1] یہ قطعہ بھی اسی زمانہ کا ہے۔

میرزا مغل بہادر خلف حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی - از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر گورگانی ؒ

لکھا ہے تذکرہ جو سری رام آپ نے
مصرع ہر اک سرو ہے ہر بیت باغ ہے
شاعر کی شان کھلتی ہے اشعار دیکھکر
اہل سخن کے حال کی تحقیق خوب کی
اک شان نظم میں ہے تو اک آن نثر میں
جانکاہیوں پہ آپ کی ڈالیں اگر نظر

کیا پر فضا ہے یہ گل اشعار کا چمن
ہر نقطہ یاسمیں ہے تو ہر لفظ یاسمن
معنی کی نہر ہوتی ہے مضموں سے موجزن
تصویریں آئینہ میں ہوئیں شعشہ فگن
دیتا ہوں داد آپ کو اے مہربان من
ممکن نہیں کہ شاد نہوں ماہران فن

شاہی کو اسکے چھپنے کا جب آگیا خیال
خامہ نے سال طبع لکھا - منظر سخن
سنہ ۱۹۰۰ء

سری رام ایم - اے - جو مخلص ہیں میرے
اُنھوں نے لکھا تذکرہ شاعروں کا ؎
محبت سے حالات وہ سب کے لکھے
فصاحت بلاغت کی نہریں معانی
اُسے دیکھکر میرے دل میں یہ آئی

یہ مخلص کہ ہیں ۔ وزیر کان محبت
ہر اک نقطہ ہے جس کا جان محبت
نمایاں ہوئی جس سے شان محبت
مضامین بحر روان محبت
کہ تم بھی دکھا دو نشان محبت

لکھی مجھسے ہاتف نے تاریخ شاہی
لکھو چشمہ بوستان محبت
سنہ ۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ از نتیجہ رف صاحبعالم مرزا سکندر شاہ بہادر جودت خلف الرشید

له سنہ ۱۹۰۰ء میں تذکرہ کی اشاعت کا ارادہ تھا اسی زمانہ میں یہ قطعہ صاحبعالم نے ارسال کیا تھا لیکن مکروہات نے مہلت نہ دی اور سات برس گذر گئے

قطعۂ تاریخ از نتایج افکار موردِ مراحم صمد حافظ سید وکیل احمد صاحب وکیل فرزند حضرت جمیل سہسوانی

سخن سنجِ کامل سری رام نے ۔ عجب شاعروں کا لکھا تذکرہ
ہوئی جب مجھے فکرِ تاریخِ طبع
زباں پر مرے آگیا تذکرہ ۱۳۲۵ھ

تاریخ طبعزاد حافظ محمد عبد المجید صاحب مجید راجگڈھی ملازم ریاست بھوپال تلمیذ جمیل سہسوانی

موجِ فیضاں میزند ایں تذکرہ ۔ ہاں بیا اے تشنہ کامِ ریختہ
بہرِ سالِ طبعِ آن کلکِ مجید
زد رقم جوئے کلامِ ریختہ ۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ ریختۂ کلک جواہر سلک سرگروہ اربابِ صفا معدنِ صدق و وفا شاعرِ نکتہ پرور حکیم معشوق علیخان جوہر شاہجہانپوری وکیل عدالت ہائے ریاست بھوپال از تلامذہ مرزا غالب مرحوم

مذاق سخن ہندوستان سے اوٹھتا جاتا ہے اسکے ماہر اسکے قدردان جسقدر رہتے وہ چل بسے جو فرقہ آب شباب کے عالم میں ہے وہ اس کوچہ سے نابلد محض ہے طرز تعلیم کو زمانہ کی رفتار نے بدلدیا اور ملکی زبان انگریزی قرار پا گئی اس واسطے تعلیم یافتہ وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جو انگریزی کے ماہر ہیں۔ مشہور ہے کہ جن بزرگوں نے زبان اردو کی

سید جمیل احمد صاحب جمیل سہسوانی منشی روبکاری رئیسہ معظمہ ریاست بھوپال دام اقبالہا

این تذکرہ کہ کلک سر ایام زد رقم	شد از وفور شوق خریدار آن جہاں

تاریخ طبع جلد نخستین جمیل گفت
گنجینۂ کلام لطیف سخنوراں ۲۲
۱۳۲۵ھ

قطعہ تاریخ از خوش فکری ہا سخنور باکیاست منشی محمد شاکر حسین صاحب سہسوانی متخلص بہ نکہت سر رشتہ دار محکمہ نیابت وزارت مال ریاست موصوف

آن سر ایام سخن گستر کہ ہست	واقف اسرار و آئین سخن
داد از ذکر جمیل شاعراں	خانہ او دا و تزئین سخن

کلکِ نکہت بہر تاریخش نوشت
یادگار بزم رنگین سخن
۱۳۲۵ھ

در سلکِ نظم تازہ سر ایام باکمال	چوں گوہر کلام سخن پروراں بہ سفت

نکہت چو فکر کرد پے سال عیسوی
ہاتف زچرخ تذکرہ بیشباں گفت
۱۹۰۸ء

تاریخ طبع از منشی محمد مقبول احمد صاحب مقبول ملازم ریاست کوٹہ تلمیذ جمیل سہسوانی

نفیس تذکرہ مقبول شاعروں کا چھپا	سخنوروں کے لئے ناز کا مقام ہے یہ
زباں پہ ہے مری تاریخ طبع برجستہ	حیات ریختہ گویوں کی لا کلام ہے یہ

۱۹۰۸ء

میں سلگئے اسمیں شک نہیں ہے کہ منشی صاحبِ موصوف نے اندازۂ ہمت سے زاید کام کیا ہے جسکے داد دینے کی قابل نہ زبان میں طاقت ہے نہ قلم کو قدرت ہے یعنی دل ہی اُسکے لطف اور ذایقہ کو جان سکتا ہے اور اپنے بے زبان ہونے سے گھٹ گھٹ کر رہجاتا ہے خمخانۂ سخن کی میگسار جلد آئیں اور اسکے دو چار جام چڑھائیں جو حشر تک خمار ہی نہو بلکہ سرمستی کے عالم میں دو دو باتیں روزِ حساب کے معرکہ میں داورِ محشر سے بھی کرلیں تذکرہ ہے کہ کارنامۂ شعرا ہے جسکو دیکھئے وہ موجود زندہ فرد بھی تو اس تذکرہ کے صفحات کے میدان میں اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں پھر کیوں نہ ایسا تذکرہ مطبوعِ طبعِ خلایق اور مقبولِ عالم ہو یہ تقریظ نہیں ہے بلکہ سچا واقعہ ہے تعریف نہیں بلکہ اصل معاملہ ہے دیدہ ور جنس کاسد و بے غش میں امتیاز کرسکتے ہیں تذکرہ جنکی نظر سے گذرے گا وہ اس تقریظ کا مصداق پائیں گے - جو جو خوبیاں اُس تذکرہ میں ہیں اُسنے خط اُٹھائیں گے - اہلِ مذاق دونوں کی قدر کرینگے حاسد دونوں کو دیکھ دیکھ کر جل جل مرینگے میں تو اس تقریظ کو صرف ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتا ہوں اور دعاء مقبولیت میں مصروف ہوتا ہوں کہ اے سخن آفرین اس تذکرہ کو اربابِ بصیرت کی پتلی کا نور بنا آمین ثم آمین -

قطعہ

خوب تالیف کیا تذکرۂ اصلِ سخن
جس کا ثانی نہیں عالم میں نظر آتا ہے

ہے مواہب بھی تو یکتائے زمانہ اسکا
آج سحباں کو فصاحت میں جو شرماتا ہے

دہلوی مولد و مسکن ہے مولف اسکا
جس جگہ سے کہ سخن اپنی سند لاتا ہے

آج اُس خاک میں پنہاں ہیں وہ اربابِ ہنر
جنکا مرتبہ لفظ بھی تو نہیں آتا ہے

میر و مرزا و ولی و قائم و مضمون معروف
نام اب لینے سے دل سینہ میں ملجاتا ہے

مصحفی حسرت و جرأت ہوئے نامی یاں سے
جنکا ہر شعر سند ہی میں پڑھا جاتا ہے

درد و تاباں حسن و سوز و شہنشاہ و نصیر
کوئی انسا بھی زمانے میں نظر آتا ہے

آرزو اختر و آزردہ و مومن غالب
ان کا غم پہلو میں دل تنگ کو ہلاجاتا ہے

ذوق و صہبائی نہ تھا جنکا زمانہ میں عدیل
یاد سے جنکی کلیجہ تو پھٹا جاتا ہے

آراستگی کی اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسکو صاف کیا اور اسکو ایک زبان کی حد تک پہونچایا
وہ لوگ نہ اب ہیں نہ آیندہ اُنکے اِس عالم میں آنے کی اُمید ہے پس اونکا نام اور نشان
دونو مٹ جانا کچھ تعجب نہیں بلکہ یقینی ہے اور اسمیں بھی شک نہیں ہے کہ وہ زبان اُردو کے
محسن اور زبان دانوں کے مربی و منعم ضرور تھے اور زبان کی سند جہانتک اس دور میں جو لب
خاتمہ پر ہے شعر سے لیجاتی ہے تو وہ لوگ اس دور کے جسکا اختتام ہو رہا ہے ارباب
سخن تھے جو ہر طرح پر زبان اُردو کو فخر و مباہات کے درجے پر پہونچا گئے ہر شعر اون کا
مشعل تاریکی زبان سمجھا جاتا ہے۔ کسی زبان میں اعتبار پیدا نہیں ہو سکتا ہے جب تک
کہ اسکے جاننے والے کے اقوال سند میں نہ پیش کئے جاویں۔ محاورات اُردو کی اسناد
میں اشعار اُن بزرگوں کے جنکو دنیا نے شاعر مانا ہے لائے جاتے ہیں جس سے تکملہ زبان
کا ہوتا ہے۔ پس ایسے فرقے رہنماے زبان اُردو کا دُنیا سے بے نام و نشان ہو جانا
کتنا قلق ناک واقعہ ہے جسکے بقا کے واسطے منشی سری رام صاحب دہلوی نے سترہ برس
محنت شاقہ اختیار کر کے ایک تذکرہ تیار کیا ہے۔ جسکے جلد اول میں صرف اُن شعرا کے
حالات و منتخب کلام درج ہیں جنکے تخلص کو بقید ردیف الف اور ب سے شروع ہوئی اصطلاح پر ہر حرف تخلص کو متعدد جلدوں میں
قلمبند فرما کر اُن تمام شعرا پر وہ احسان کیا ہے۔ جو تشنہ ہاے تاک پر ابر نیساں اور سوکھے دھانوں پر ابر باراں
موسم میں کرتا ہے بلکہ یوں کہنا بھی نازیبا نہو گا کہ احیار اموات معنوی طور پر کیا ہے۔ اور زیادہ
تعجب خیز اور حسرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ منشی صاحب موصوف اس زمانہ کے تعلیم یافتہ
علم انگریزی کے قابل شخص ہیں جنکا مذاق بالکل اسکے خلاف ہوتا ہے اور پھر تعلقات ملازمت
ایسے ہیں کہ جن سے اور اس کام سے کمال درجہ کا تخالف مگر یہ کون سا امر ہے جس نے
منشی صاحب کو اس بات پر متوجہ کیا ہے وہ دہلی کی خاک ہے اُنکے نشو و نما جہاں اُردو
کی شاعری پیدا ہوئی اور جہاں اُسنے اپنے لڑکائیں اور جوانی اور بوڑھاپا سب گذارا اور
وہیں جام اجل نوش کر کے اوسی سرزمین میں اپنے شیدائیوں کے خاک کے ساتھ خاک

بحمد للہ کہ از خاکدان دہلی گوہر یکتاے قابلیت مہر منیر سماے اہلیت جلوہ وجود بہ ظہور آورد کہ عدیلش در عالم مثال پیدا نیست۔ اعنی گوہر گرانمایۂ سخندانی و سخن سنجی منشی سریرام صاحب مصنف تذکرۂ خمخانۂ جاوید کہ بہزار کشایش انجام کار بعد استغنی و ضروریات دنیوی و علایق زمانہ کتاب عجیب تالیف نمود شعراے ماضی و حال راجام حیات جاوید بخشید طبعش بہ طبایع عالم جہاں مقبول کہ بہر دیدہ مشتاق جلوہ اوست - حبذا بخت شعرا گذشتہ و موجودہ کہ در صفحات خمخانۂ جاوید جا یافت گویا کہ آب بقا یافت - خداوند عالم تذکرہ خمخانۂ جاوید را توتیاے چشم قبول گردانا د آمین۔

احقر

جوہر شاہجہاں پوری

قطعۂ تاریخ از نتائج طبع نقاد ذہن نقاد سرآمد شعراے آذی کمال طلسم آرا بزم خیال منشی سید جلیل حسن صاحب جلیل جانشین حضرت امیر مینائی مغفور

دے جزاے خیر اس قابل مصنف کو خدا		خوب لکھا تذکرہ نام آوران دہر کا

مصرع تاریخ لکھکر داد دیتا ہے جلیل
یہ کھنچا زیبا مرقع شاعران دہر کا
۱۳۲۲ھ

کم نہیں جام جہاں بیں سے یہ کامل تذکرہ	ولہ	وہ جسمیں اہل فن کا پورا پورا حال ہے

فکر سال طبع کرتا ہوں تو کہتا ہے جلیل
فکر ہے کیوں سال کے یہ تذکرہ خود سال ہے
۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ طبع زاد مجموعۂ فصاحت و بلاغت گلدستہ ذہانت و ذکاوت منشی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی ایڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

سبعۂ سیارۂ گردون سخن تھے یہ لوگ
انھیں سے ایک کو بھی کوئی کہیں پاتا ہے

تھی وہ دہلی کہ ہوئی سبکی ہیں نشوونما
ہے وہ دہلی کہ نہیں کوئی نظر آتا ہے

سب کے سب آہ وہیں خاک کے پیوند ہوئے
ذکر انکا جو زباں پر کبھی آجاتا ہے

دل پہ قابو نہیں رہتا ہے جگر جلتا ہے
آنکھوں میں آنسوؤں سے بھی نہ تھما جاتا ہے

بے تحاشی ہی نکل پڑتے ہیں اس صدمہ سے
رخ پہ ہر قطرۂ اشک آپ ڈھلا جاتا ہے

جوشش گریہ ذرا تھم تو کہ لکھوں کچھ اور
ذکر اوروں کا بھی کمبخت رلا جاتا ہے

شیفتہ آہی و تسکین سے سخن سنج کہاں
قول کی جنکے ہر اک شخص سند لاتا ہے

سالک و عارف و ثاقب سے کہاں اہل سخن
آنکھیں رو دیتی ہیں جسدم کہ خیال آتا ہے

نیر و بسمل و مجروح و طلب اور ویراں
دھیان ایک ایک کا ہمدم مجھے رلواتا ہے

میکش و تشنہ و آزاد و طرب تفتہ نسیم
یاد کرکے انھیں دل ہائے تڑپ جاتا ہے

تھی انھیں لوگوں سے دہلی کی جہاں میں شہرت
اب کوئی واں پہ نظر ایسا نہیں آتا ہے

خاک دہلی کو شرف حق نے عطا ہے یہ کیا
کہ وہاں اب بھی کوئی ایسا نکل آتا ہے

جسکا ثانی ہو عالم میں نہ مثال و نظیر
خطۂ دہلی انھیں لوگوں سے کہلاتا ہے

کیوں نہ پھر کہیے کہ اس وقت مولف اسکا
یادگار اگلوں کی اک ہمکو نظر آتا ہے

تذکرہ ایسا لکھا ہے کہ لکھے کا کوئی کیا
لطف تاریخ کا ہر ذکر میں آجاتا ہے

وہ عبارت ہے کہ دیکھی نہ سنی آجتلک
طبع کا سال لکھوں دل مرا للچاتا ہے

فکر تاریخ ہوئی اسلئے جوہر مجھکو
اک نئے ڈھنگ سے ہاتف مجھے سمجھاتا ہے

تذکرہ خود ہی سن طبع ہے دیکھو تو ذرا
عدد تذکرہ سے سال نکل آتا ہے
۱۳۲۵ھ

تقریظ پارسی از حکیم معشوق علی خان جوہر شاہجہانپوری

لیکن ابھی بالکل ہی نہ مایوس ہوں شاعر
اب بھی اس اندھیرے میں ہے تھوڑا سا اجالا

اس وقت بھی موجود ہے اک بندہ خدا کا
ہے مرتبہ جس کا مری تعریف سے بالا

میں نام تو اُس کا ابھی ظاہر نہ کروں گا
ہاں کام کا اُس کے تمہیں دیدونگا حوالا

یہ تذکرہ اس وقت جو تم دیکھ رہے ہو
ہمت سے اُسی شخص نے چھپوا کے نکالا

مصروف تھا برسوں سے وہ ترتیب میں اسکی
اس بات سے واقف ہے ہر اک جاننے والا

شاعر کبھی ہو سکتے نہیں جس سے سبکدوش
احسان کا وہ بارِ گراں سر پہ ہے ڈالا

ہے اُسکی شب و روز کی محنت کا نتیجہ
ہر رات سفید اس میں ہوئی دن ہوا کالا

اِسکے لئے اُردو کا ہر اک پرچہ خریدا
باقی نہیں چھوڑا کوئی گلدستہ رسالا

اس کام کا بیڑا جو اُٹھاتا کوئی شاعر
گھر بار کا لکھ دیتا مہاجن کو قبالا

خمخانۂ جاوید وہ ہے سیر سے جس کی
ہو جاتا ہے رنج و الم و غم کا ازالا

اس شخص نے احسان کیا بے غرضی سے
خالص یہ عنایت ہے نہیں دال میں کالا

اب جان پڑی قالبِ بے جاں میں سخن کے
بروقت خبر لی بخدا خوب سنبھالا

زندہ تو ابھی زندہ ہیں ان کا نہیں کچھ ذکر
مُردوں کو بھی زندہ کیا مٹی سے نکالا

تحریر کیا حال گذشتہ شعرا کا
یوں انکا وجود اس نے نئے سانچے میں ڈھالا

یہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جس کا تعلق
اس عالمِ خاکی سے ہے تا عالمِ بالا

زندوں کے دل اور مُردوں کی روحیں ہوں شاداں
اس تذکرہ نے سب کا غرض کام نکالا

کاغذ بھی لکھائی بھی چھپائی بھی ہے نادر
ہر ایک طرح جیت لیا علم کا پالا

نایاب ہے بے مثل ہے کاغذ کی سفیدی
دیکھا نہ سفید ایسا کبھی روئی کا گالا

پھر اُس کی چمک میں ہے کچھ اس قسم کی تیزی
کٹ جائیگا بدبیں کی بھی اب آنکھ کا جالا

کیا لالۂ سریرام سے واقف نہیں شاعر
محسن کوئی ایسا تو کبھی دیکھا نہ بھالا

احسان کیا آپ نے یہ تذکرہ لکھ کر
سب مل کے کہو سلمہ اللہ تعالیٰ

شاگرد فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم

خمخانۂ جاوید کا ہے نشہ نرالا — پہنچا ہے کہیں سے کہیں ہر جھومنے والا

ہے اسکی مئے ناب میں تاثیر کچھ ایسی — وہ مست ہوا جس نے پیا ایک پیالا

ہو جاتے ہیں چودہ طبق اک آن میں روشن — کھل جاتی ہیں آنکھیں نظر آتا ہے اُجالا

جو رند ہیں اسکے وہ نیارا رکھتے ہیں مشرب — کر دیتے ہیں مذہب کو تو بالکل تہ و بالا

پینے سے انہیں کام ہے تلچھٹ ہو کہ خالص — ساغر کو انہوں نے کبھی دھویا نہ کھنگالا

رکھتے نہیں دونوں سے سروکار یہ کچھ بھی — مسجد ہے مسلمان کی ہندو کا شوالا

ہے اور ہی تمرن یہ جیا کرتے ہیں جبکو — تسبیح کی حاجت ہے نہ درکار ہے مالا

سچ ہے کوئی مذہب نہیں ہوتا شعرا کا — کعبے میں بھی پڑتا ہے بتوں سے انہیں پالا

اک وقت بتوں کو بھی سمجھ لیتے ہیں پتھر — ہے مذہب و دیں انکا زمانے سے نرالا

خمخانۂ جاوید سے ساقیٔ ازل نے — مدہوش بنا کر انہیں دنیا میں نکالا

ان لوگوں کے حالات بھی دلکش ہیں سخن بھی — دیکھے مری آنکھوں سے کوئی دیکھنے والا

لکھ سکتا ہے مشکل سے کوئی تذکرہ ان کا — کس طرح فراہم ہو بھلا اتنا مسالا

اسکے لئے ہے کوشش و محنت کی ضرورت — دشوار ہے یہ کام نہیں منہ کا نوالا

لائیگا کہاں سے کوئی مال و زر و دولت — قارون کا بھی اسمیں تو نکل جائے دوالا

ہو مال تو پھر خرچ کی بھی چاہئے ہمت — سب اپنے خزانے کو لگا دیتے ہیں تالا

اس کام میں جو چیز ضروری ہے خصوصًا — وہ شوق طبیعت کا ہے اے حضرت والا

اب دیکھو یہ سب باتیں ہیں پوری بھی کسی میں — ہیں سیٹھ ہزاروں تو یہاں لاکھوں ہیں لالا

نفرت ہے انہیں مشغلۂ شعر و سخن سے — وہ روگ سمجھ کر اسے پالیں گے نہ پالا

کیا خاک ترقی ہو اب اس فن کی جہاں میں — کوئی بھی سخنور کا نہیں پوچھنے والا

نگینہ۔ جسنے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اس سرمایہ کے جمع کرنےمیں صرف کیا ہے ہزار روپیہ لگا کر کتابوں کا انبار لگایا ہے دو کون تذکرہ ہوگا جو یہاں نہیں اس پر اوصاف جامع تذکرہ کا شہرہ کہاں کہاں نہیں۔ برسوں کلام غیر مطبوع کی تلاش میں سرگرم جستجو رہا۔ کون سا شہر۔ کون سا قصبہ۔ ہندوستان میں ایسا ہے جہاں یہ خریدار سخن نقاد معانی نہ گیا۔ سالہا سال کی محنت۔ اسپر صرف ہمت و دولت۔ اب کہیں خدا خدا کرکے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ ایک حصّہ اس جواہر گراں بہا کا چھپ کر طیار ہوا ہے۔ چار ابھی ایسے ہی اور باقی ہیں۔ دیکھئے انکو خدا کب دکھاتا ہے۔ گر اس اب اسکی سرپرستی حضرت بندگان عالی۔ اعلیٰ حضرت۔ قدر قدرت۔ دارا حشم۔ نوشیرواں معدلت۔ سنور نظام سریر آرائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و اقبالہ نے منظور فرمالی ہے۔ مولف کو ہر طرح آسانی ہوجائے گی۔ اللہ تعالےٰ اس کارنامہ کو قبولیت اور زمانے کو اسکی دید کی مہلت۔ مؤلف کو عیش کامرانی۔ اور اس ذرہ بےمقدار خورشید کو گردش روزگار سے امن و امان عطا فرمائے۔ این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد۔

محمد خورشید عالم مرزا گورگانی

۱۶ فروری ۱۹۰۸ء

تقریظ طبعزاد جامع کمالات صوری و معنوی منبع لیاقت و ذکا صاحب فکر رسا نواب مرزا اکبر علیخاں صاحب اختر رئیس دہلی

ہمہ در گفتگوئے آید
آب جو در سبوئے آید

ہرچند دنیا خود نگارخانہ طلسم وجادو ہے اُسمیں بقا کسکو ہے ہزاروں باکمال دیکھتے دیکھتے پریشان ہوگئے لاکھوں نام آور بےنشان ہوگئے دگرگوں ہر دم رنگ زمانہ ہے سچ ہے دنیا طلسمات کا کارخانہ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دل سے غم بےحساب کیا کیا دیکھے	آنکھوں نے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھے

تاریخ نکالی ہے وجاہت نے نرالی | یہ تذکرہ چھاپا گیا لاریب نرالی

تقریظ ریختہ کلک گہر سلک شمع انجمن صاحبقرانی فروغ دودۂ گورگانی صاحب عالم مرزا محمد خورشید عالم بہادر یادگار مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی

کیا خدا کی شان ہے معشوق عاشق بن گئے | ہر حسین کہتا ہے میں اس کا خریدار ہوں

زمزمہ سنجی حمد و نغمہ سرائی نعت کے بعد میخانۂ سخن کے متوالوں کو مژدہ اور ساغر نشانِ عشق و محبت کو نوید کہ یہ جامِ مے ارغوانی سہ آتشہ یعنی شعرا کے تینوں دوروں کا لب لباب پھر وہ بھی چھنا۔ نتھرا۔ صاف شفاف۔ تذکرہ کی صورت میں جلوہ گر ہو یوسفِ کنعاں کی طرح زمانے کا دل لبھا رہا ہے جو ایک نگاہ دیکھتا ہے ہزار جان سے اسکا خریدار اور شیدا بنجاتا ہے۔ شاہ و وزیر۔ امیر و فقیر۔ سب اسکے جلوہ دلکش کے تماشائی۔ اُف رے اس معشوق خیالی کی دلستانی و دلربائی۔ حف نظر اس شاہدِ رعنا کی تجلی اور زیبائی جس نے ایک بار آنکھیں کھول کر اسکا تماشا دیکھا۔ اُس نے جان بیچکر یہ سودا مول لیا۔ کلام ہے جادو ہے۔ کرامت ہے اعجاز ہے۔ ہر مضمون کا نیا پہلو۔ ہر شعر کا نیا انداز ہے۔ تذکرہ نہیں سراپا جیتی جاگتی تصویروں کا مرقع۔ معشوقان طناز۔ یعنی شاہدانِ خیالی کا گلدستۂ ناز ہے۔ ہر نقطہ آنکھ کا تارا۔ ہر لفظ دیدۂ بینا۔ ہر سطر سرمۂ دنبالہ دار۔ ہر صفحہ ید بیضا۔ ہر ورق دل کا ورق ہے۔ بیان میں نہ گنجلک۔ نہ روزمرہ میں غلطی۔ نہ کوئی مضمون ادق ہے۔ کیوں نہو آخر ان پھولوں کا گلچیں۔ اس چمن کا بانی اس باغ کا رکھوالا۔ کون ہے۔ رونق افزائے گلزار معانی۔ زینت بخش گلستان سخندانی علامۂ روزگار و زبان زد کاملان ہر شہر و دیار۔ خمخانۂ جاوید کا ساقی سے آشام۔ راے سری رام صاحب ایم اے ہی نہیں بلکہ خاندانی امیر زادہ۔ راجہ ٹوڈرمل کا نبیرہ۔ شہنشاہِ اکبر کے نورتن کا قیمتی سچا

قطعات تاریخ طبع تذکرۂ شعرا از نتائج افکار گہربار سخنور بے مثال شاعر نازک خیال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی خلف الصدق سرآمد سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی و حال جناب حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

علم کا دریا ہیں مولانا سری رام ایم۔ اے — موج کیسی آگئی برسا دیئے درِ خوش آب
تذکرہ لکھا ہے یا آئینۂ حالات ہے — بے نظیر و بے مثال و یادگار و لاجواب
کیا دکھائی ہے ترقی معانی و بیان — آشکارا ہے بہارِ فکر سے رنگِ شباب
یہ تعلّی و تسلّی مضامیں دیکھئے — آسمانِ فکر سے اترا ہیں پر آفتاب

ایک مصرع سے عیاں ہوں تین رنگ اب اے کمال
تذکرہ - خمخانۂ زیبا - گرامی انتخاب
سنہ عیسوی — سنہ فصلی — سنہ ۱۳۲۵ ہجری

ایضاً

عاقل و منصف ہیں مولانا سری رام ایم اے — عادل و منصف مزاج و ذی مراتب ذی وقار
رہنما کی عالی دماغی خوب نعمت تذکرہ — اہلِ دانش پر کیا زورِ قلم کو آشکار
روئے روشن کی طرح ہیں صاف کیا آب و تاب — صورتِ گیسو مضامیں کچھ نہیں ہیں پیچدار
ہر جگہ رنگِ عبارت میں بھری انشا گری — لوٹ اس تحریر پر کیونکر نہ ہوں جادو نگار
مژدہ اے اہلِ سخن یہ حسن کی تصویر ہے — ہے یہی زیبا کہ دل اس پر کئے جائیں نثار
کیا بیاں زینت نے کیا زبانیں ہر مزہ — آپ نے گفتار صدق نطق خود کرتا ہے پیار
یہ مضامینِ سخن کا ایک دلکش باغ ہے — الغرض دل سے ہے فدا اس رنگ پر رنگِ بہار

طفلی و شباب عیش و پیری و راحت	اس عمر میں انقلاب کیا کیا دیکھے

غرضکہ ہر بہار کے لئے خزاں اور ہر بقا کے لئے فنا ہے۔ ہائے ایک روز ہم بھی خواب و خیال ہو جاینگے گل کی طرح با دمرگ سے فنا ہو جاوینگے۔ بعد کو کہانی ہوگی۔ اور وہ زبانی ہوگی۔ البتہ جو کچھ قلمبند ہو گیا وہ حال ہمیشہ تازہ ہے۔ اُسکا حرف حرف دیکھنے والوں کو نیا اندازہ ہے۔ یہ کام میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ منصف و رئیس دہلی خلف الرشید آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی سے ہوا ہے۔ کہ نسخۂ لاجواب تذکرۃ الشعرا موسوم بہ خمخانۂ جاوید اسم با مسمی تذکرہ کا نام رکھکر ملک پر احسان کیا ہے۔ میدان سخن میں نام کیا ہے۔ کتاب تالیف کیا کی ہے۔ داد سخنوری دی ہے۔ نسخہ کیا ہے حرز دل تعوید سینہ ہے۔ شعرا کی جان سخنوروں کا ایمان ہے۔ تمام شعرائے جہاں ماضی و حال کا سچا فوٹو کھینچکر تذکرہ کو نگارخانۂ چین و فرنگ بنا دیا ہے۔ مردہ شعرا کو زندہ۔ زندوں کا نام کیا ہے۔ آجکل نقش اُمید ہے بعد کو آثار صنادید ہے۔ عجیب دلپسند کام کیا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ باوجود اختصار ۵۰۰ صفحہ پر کتاب کو ختم کیا ہے۔ میں نے صرف الف سے بے کی ردیف کو اکثر جگہ سے دیکھا نظم و نثر قابل تعریف۔ زبان بامحاورہ۔ باوجود اختصار حرف حرف و لفظ و الفاظ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی ہے کیوں نہو بابو صاحب دہلی کے نامی لوگوں سے ہیں زبان اُردو انکے گھر کی لونڈی۔ شاعری انکی جاگیر۔ المختصر علاوہ ناظم و ناشر ہونیکے خدا تعالے نے صورت ظاہری و سیرت باطنی ایسی دی ہے جسکی نظیر بمصداق اس شعر کے خود ہی ہیں۔ **بیت**

اُسکی تعریف یہی ہے کہ جہان میں یکتا	اُسکی توصیف یہی ہے کہ نہیں ہے ہمسر

ہرچند میں نہ ناظم ہوں نہ ناشر الا اس تذکرہ کی خوبی اور بابو صاحب کے اصرار سے یہ چند سطریں لکھکر اپنا نام بھی پانچوں سواروں میں لکھواتا ہوں اور دعائے خیر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

چوں رقم خمخانۂ جاوید شد
خامہ حیراں در بیان وصفِ او

بے عدیل و بے نظیر و لاجواب
حرف حرف و نقطہ نقطہ انتخاب

از پئے تاریخ طبعش گفت اُمید
گشت مطبوع جہاں باب و تاب
۱۳۲۶ھ

ایضاً

لکھے شاعروں کے یہ حالات خوب
دکھاتی ہے تحریر حسن شباب

عجب تذکرہ یہ ہوا دلپذیر
نہ کیونکر ہوں مشتاق برنا و پیر

رقم کردہ اُمید یوں سال طبع
کہ اچھا چھپا نسخۂ بے نظیر
۱۹۰۸ء

قطعات تاریخ طبع خمخانۂ جاوید از نتائج افکار محمد نور الحسن فروغ خلف جناب شیخ محمد علیم الدین صاحب علیم پیشکار ریاست ترواضلع فرخ آباد شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست ترواضلع فرخ آباد

واہ کیا بے مثل لکھا تذکرہ
ہر طرف برپا ہے اسکی دھوم دھام
بن سنورتے ہیں عروسانِ سخن
سامع و قاری کو کر دیتا ہے مست

شاعروں کا دلکش افسانہ ہے یہ
کیا مثالِ جشن شاہانہ ہے یہ
خوب اُنکی زلف کا شانہ ہے یہ
کچھ عجب تاثیر میخانہ ہے یہ

طبع کے دو مادے لکھو فروغ
ساغرِ دلخواہ ۔ خمخانہ ہے یہ
۱۹۰۷ء ۱۳۲۵ھ

جو سخنور ہیں سوانح اونکے ہیں اسمیں رقم
پھر نہ کیوں شان سخن ہو نہ ہی شرف ذی اعتبار

خوب اک مصرع میں تاریخیں ہوئیں دولے کمال
"بے بہا خمخانہ" ہے یہ "انتخاب لاجواب"
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء

ایضاً

سحر ہے افسوں ہے یا تسخیر ہے
حسن سے حالات اُنکے لکھ دئے
صفحۂ قرطاس پر نقاش نے
سال ہجری سے ملادے عیسوی

دیکھیں اس تحریر کو جادو مقال
جو سخنور ہیں بہت نازک خیال
نقش کھینچے ہیں عجیب و بے مثال
ایک مصرع میں ہوں دو رنگ کمال

کاملین فن کو یوں مسرور کر
تذکرہ - تصویر حیرت بے مثال
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء

ایضاً

ہے یہ خیالات کا ایک عجیب آئینہ
کھینچی ہے دلکش شبیہہ خوب کمالات کی
اہل سخن کا ہے ایک تذکرہ لاجواب

دیکھے ہوں کیوں نہ دنگ جتنے ہیں نازک خیال
شوق سے رکھیں نہ کیوں آنکھوں پر اہل کمال
یا ہے نئے رنگ کا قصہ ماضی و حال

ولیں اگر ہے خیال طبع کا لکھوں میں سال
کیوں نہیں کہتے کمال "تذکرہ بے مثال"
۱۹۰۷ء

قطعات تاریخ طبع "خمخانۂ جاوید" از نتائج طبع سید رشید الزماں امید ردولوی شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست تروا ضلع فرخ آباد

زہے نیابے دانشور سخن را حامی و یاور
سرایم آنکہ نبود مثل او والا نژاد اینجا

چہ خوش خمخانہ یا بزمِ جہان آرا کہ می بینم
سخن سنجانِ والا گوہر انداز ہر سواد اینجا

چہ بزمِ بوستانِ عندلیبانِ نوا سنجاں
بیا بنگر کہ ہرگز نیست دخل بوم و خاد اینجا

تعالی اللہ چہ بزمِ دلکشا کز دشمناں خالی
بہر سو پر طرب بنشستہ اند اہل وداد اینجا

حسودان گر نمی سازند تحسیں نیست پروائے
برآمد از سخن سنجانِ عالم شور داد اینجا

زر و مالِ جہاں ہرگز وفا با کس نمی سازد
سخن باشد متاعِ نغز نبود بر کساد اینجا

بہ نقاشانِ اول گو کہ نقشِ خویش را شویند
نشستہ دہ جہا اے دوستان نقشِ مراد اینجا

بوقتِ نیک چوں گردیدہ چاپ ایں نامۂ نگیں
علیما از پئے تاریخ طبعم رو نہاد اینجا

کہ گفتہ زود تر در صنعت ہجری بگوشِ من
سنش خمخانۂ جاوید با آبِ او ستاد اینجا ۱۳۲۶ھ

پس تاریخ ہجری ہر سال عیسوی اکنوں
کتابِ عمر و اطرفہ طلسم آمد بیاد اینجا ۱۹۰۸ء

سنِ فصلی قلم ذکرِ محبانِ فرید آورد ۱۳۲۵ھ
بحالِ مامت ہر دم منت کلک و مداد اینجا

کتابِ تذکرۂ آئینۂ عالم نسبت گفت
سروشِ ایزدی در وقتِ فکرم با مداد اینجا

بالطافِ الٰہی یافتہ انجام نظمِ من ۱۹۶۵
کمیتِ فکرم از جولاں نمودم ایستاد اینجا

بدنیا تا بود نامِ خم و خمخانہ ہا باقی
خدایا بانیِ خمخانہ دائم شاد باد اینجا

ریویو رقم زدہ جامع کمالات صوری و معنوی فضیلت مآب کمالات انتساب شمس العلماء خان بہادر پروفیسر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب رئیس دہلی۔ ریویو تذکرہ ہزار داستان خمخانۂ جاوید

میں شاعر نہیں ہوں کہ شاعروں کے تذکرہ کی پوری داد دے سکوں۔ مگر اردو کے شاعروں

ہیں جو اک منصف سر رام - ایم - اے
ایک تحفہ ہے عجیب و یادگار
کیا زباں مطبوع طبع و دلپسند
تذکرہ لکھا نہایت خوب ہے
طالبوں کے واسطے مطلوب ہے
کیا بیان دلکش و محبوب ہے

یوں سنین طبع لکھوا ے فروغ
تذکرہ - یہ بے بدل مرغوب ہے
۱۳۲۵ھ ۱۳۲۶ھ

ایضاً

کیا ہوا ہے تذکرہ یہ بے مثال
کس جگہ ہیں جوہری و قدر داں
جو ہیں منصف داد وہ کیونکر نہ دیں
گوہر نایاب کو آنکھوں سے لیں

دو ہوئیں تاریخیں یکجا اے فروغ
تذکرہ بے مثل ہے تاریخ میں
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء

تقریظ ریختۂ کلک جادو رقم سخنور فہیم صاحب طبع سلیم قاضی محمد علیم الدین صاحب علیم سررشتہ دار محکمۂ پنچایت رزیڈنسی جےپور

در خمخانۂ جاوید را ساقی کشاد اینجا
نہ ہے خمخانہ پر از بادہ مستی فزا باشد
دریں خمخانہ ہر کس بادۂ پر زور را خوردہ
چہ خمخانہ کہ باشد استوار بہر جاویدان
چہ خمخانہ کہ وقف اہل ذوق و شوق می باشد
چہ خمخانہ کہ مامن از برائے اہل عشرت ہست
بنازم بے نہایت ہمت فیاض نبّا را

صلای الصبوح از بہر خاص و عام داد اینجا
کسی ناشاد اگر آمد بدم گردیدہ شاد اینجا
چو اشک نامراداں بر زمیں زود اوفتاد اینجا
ہمانا زوار در بر زمیں سبع شداد اینجا
بجز احباب اصلا نیست بر غیر اعتماد اینجا
بنا شد ہیچ باک از فتنۂ و شر و فساد اینجا
کہ کسب فیض ہا ساز ند جمشید و قباد اینجا

شعرا کے دواوین اور کلیات کے پڑہنے سے مستغنی کرتا ہے۔ اسکو پڑہکر کہنا پڑیگا کہ گویا کل شاعروں کے کلام کا لُبّ لباب نظر سے گذر گیا۔ شاعروں کے اکثر حالات مصنّف نے نثر میں ایسی فصاحت وبلاغت وسلاست سے لکھے ہین کہ اونمیں بھی عمدہ نظم کا لطف آتا ہے۔ غرض یہ مصنف کا بڑا احسان اہلِ زبان پر ہے کہ اوسنے اُردو لٹریچر پر اپنے اس تذکرے کی تصنیف سے ایسا بیبہا اضافہ کیا ہے کہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اسکی یہ ہزار داستان سخن کے بوستان جاوید میں ہمیشہ چہچہاتی اور اُسکے نام کی مدح سرائی کرتی رہے گی۔ ذکاء اللہ

تقریظ منظوم طبعزاد بلبل گلزار سخن طوطی شکرستان علم وفن سخنور نکتہ سنج سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی

بہار آئی مئے گلفام دینا — لبالب بھر کے ساقی جام دینا
پیاسے ہیں بہت دن کے مے آشام — شراب روح پرور کا پلا جام
پڑے ہیں دیکھیے کانٹے زباں پر — گھٹا گھنگھور چھائی آسمان پر
وہ مے دے جو نشے میں چور کر دے — وہ مے جو بے پیے مسرور کر دے
چمن پر آج رنگت آرہی ہے — کچھ آنکھوں میں تراوٹ آرہی ہے
کہیں بلبل کے لب پر ہے ترانا — کہیں کلیوں کے ڈر سے سہم جانا
سخن رنگیں کوئی ایسا سنا دے — کہ جو رنج والم دل سے بھلا دے
برس کر ابر جب سے کچھ کھلا ہے — چمن کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے
قیامت ڈہائی غنچے نے چٹک کر — گری ہے دل پہ بجلی سی کڑک کر
وہ شوخی سے صبا کا گدگدانا — وہ پھولوں کا ادا سے مسکرانا

کے تذکروں کی میری جتنی واقفیت ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ سب سے اول اُردو کے شاعروں کا تذکرہ قاسم نے لکھا اگرچہ وہ چھپا نہیں لیکن اُسکے قلمی نسخے بہت دور دور شایع ہوئے پھر اس تذکرے کو نواب مصطفےٰ خان شیفتہ وحسرتی نے زیر نظر رکھکر تذکرہ گلشن بےخار لکھا جو چھپا اور بہت مقبولِ انام ہوا۔ اسکے بعد صہبائی نے تذکرہ گلستانِ سخن لکھا جو مرزا صابر کی تصنیف سے مشہور ہوا اور چھپا ان تذکروں کے علاوہ اور پانچ چھ تذکرے چھپے مگر ان سب تذکروں پر شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کے تذکرہ آبِ حیات نے پانی پھیر دیا۔ اب اس تذکرہ کے آگے اور کوئی تذکرہ نہیں پوچھا جاتا اسکے بعد تذکرہ ہزارداستان معروف بہ خمخانۂ جاوید کے ۴۴ صفحے میرے مطالعہ میں آئے جسمیں اُن شاعروں کا کلام اور حال لکھا ہے۔ جنکے تخلص کے اول الف ممدودہ والف مقصورہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کا حجم اور سب تذکروں کے مجموعی حجم کے برابر ہوگا۔ اسکے مصنف رائے سری رام ایم۔اے۔ فرزند خجستہ خصال آنریبل رائے بہادر مدن گوپال۔ ایم۔اے بیرسٹرایٹ لا ہیں بظاہر اسپر تعجب ہوتا ہے کہ اس لایق بیٹے نے اپنے لایق باپ کی طرح قانون میں فرد کامل ہونے میں سعی نہ کی فقط سرکاری قانونی امتحان میں پاس ہونے پر بس کی۔ لیکن انگریزی میں ضرب المثل ہو

(شاعر بنانے سے نہیں بنتا وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے) انکی طبیعت قدرت ہی نے شاعری کے لئے وضع کی تھی۔ وہ دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس خداداد فہم مستقیم اور مذاق سلیم کے سبب سے انہوں نے ادنیٰ اور متوسط شاعروں کے کلام میں سے ایسے تھوڑے اشعار منتخب کئے کہ اُستادوں کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ شاعروں کے کلام میں سے بہت بہت سے اشعار ایسے منتخب کئے کہ انسے بہتر اور اشعار ان کے کل کلام میں نہیں پائے جاتے۔ قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی اچھا شاعر نہیں ہوتا کہ اساتذہ سابقہ کے کلام پر اُسکی نظر نہ ہو اور وہ اُسکے ذہن میں محفوظ نہ ہوں پس یہ مطلب فقط اس تذکرے کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہے کہ اچھا شاعر بننے کے لئے

بیاں کی میرے آگے اک کہانی — سنائی شعر بھی کچھ منہ زبانی

مجھے تو عشق ہے شعر و سخن کا — ہوا وہ زور کم دیوانہ پن کا

مرے دل کو کیا قابو میں کیسا — دکھایا معجزہ جادو میں کیسا

مجھے سنبھلا ہوا جب اُسنے پایا — خزانہ اک معانی کا دکھایا

سنا کر ذکر کچھ اک تذکرے کا — کیا تقریظ لکھنے کا اشارا

کتاب اک ایسی رکھدی لا کر آگے — کہ وحشت جس سے کوسوں دور بھاگے

اگر ہر موے تن میرا زباں ہو — تو ہاں کچھ اُسکی خوبی کا بیاں ہو

کہیں سادہ کہیں ہے طرز رنگیں — چُنے چھٹکے ہوئے سارے مضامیں

جہاں تعریف ہے زلفِ دوتا کی — وہاں پیچیدگی ہے کس بلا کی

کسی نے شوخیاں بھر دیں زباں میں — کسی نے گرمیاں کی ہیں بیاں میں

کسی کی سادگی ہے قابلِ داد — کسی نے طرزِ نو کر لی ہے ایجاد

کسی کو ہے ادا بندی کا لپکا — کوئی تشبیہ کی جانب ہے لپکا

کسی کو استعارہ بھا گیا ہے — کوئی ڈھل کر زباں پر آ گیا ہے

معانی پر نگاہیں ہیں کسی کی — جگر کے پار آہیں ہیں کسی کی

کہیں شوخی کا ہے عالم نرالا — کہیں ہے سادگی کا بول بالا

تصوف میں کسی نے نام پایا — کسی نے مدح میں انعام پایا

کوئی الفاظ کی شوکت کا عادی — کسی کی بندشیں ہیں سیدھی سادی

کوئی نازک خیالی پر مٹا ہے — تو کوئی روزمرہ پر فدا ہے

کہیں ہے فارسی ترکیب ساری — کہیں اُردو زباں ہے پیاری پیاری

نئی ترکیب کا ہے کوئی موجد — پُرانی طرز کا کوئی مقلد ہو

کہیں الفاظ کی جادوگری ہے — کسی نے گود پھولوں سے بھری ہے

ہوا ہے سبزہ کا وہ لہلہانا | طیورِ خوش نوا کا چہچہانا
وہ مشتاقِ ستم سروِ لبِ جو | تڑپ کر درد سے قمری کی کوکو
وہ ہر سو جلوہ فرمائی قدرت | تماشا دیکھ کر نرگس کو حیرت
وہ نہروں میں رواں آبِ مصفّا | خراماں ہر طرف طاؤس زیبا
وہ زیبائی وہ رعنائی گلوں کی | بھرائیں پر خوشنوائی بلبلوں کی
ہوا سے ہر طرف بادل کا پھٹنا | شبِ مہتاب سونے پر سہاگا
یہ گذری سیر جب میری نظر سے | لہو جاری ہوا زخمِ جگر سے
ابھر آئیں وہ دل کی ساری چوٹیں | کبھی کھائیں تھیں جتنی کاری چوٹیں
کسی کی وہ جفائیں یاد آئیں | مجھے اپنی وفائیں یاد آئیں
وہ اپنی اشکباری یاد آئی | وہ دل کی بیقراری یاد آئی
کسی کا مسکرانا یاد آیا | وہ ہنس ہنس کر رلانا یاد آیا
وہ یاد آئی کبھی کی اپنی حالت | نظر میں پھر گئی اس بت کی صورت
وہ شوقِ وصل نے پھر گدگدایا | وہ یادِ یار نے پہلو دبایا
کھلا سینے میں پھر باغِ تمنا | ہرے پھر ہو گئے داغِ تمنا
جدائی سے کلیجہ شق ہوا پھر | بنا سینہ مرا ماتم سرا پھر
لہو پھر ہو گیا آنکھوں سے جاری | تڑپ کر پھر گذاری رات ساری
گریباں کو کیا پھر چاک میں نے | اڑائی سر پہ اپنے خاک میں نے
نگاہوں نے ادھر صحرا کو تاکا | ادھر تلووں نے خاروں کو ٹٹولا
بن آئی پھر سپہرِ فتنہ زا کی | سرِ شوریدہ نے دیوار تاکی
جب اس درجہ کو نوبت اپنی پہنچی | تو پھر عقلِ مآل اندیش چونکی
تسلی دی مجھے دلکو دلاسا | پلائی کچھ دوا صدقے اتارا

کہاں تقدیر نے پہونچا دیا ہے
نظر تک حضرتِ آصف کی پہونچا
قلم نے کی ہے برسوں جبہ سائی
یہ ہیں مشکل سے ہے شہ کی مدح خوانی
فریدوں فر بھی ہے معجز رقم بھی
اُسی کی سلطنت ملکِ دکن ہیں
اُسی کا کام ٹھہرا حکمرانی
دعاگو یا بعالی کے ہزاروں
قلمداں اُسکا دُکانِ جواہر
اُٹھا کر ہاتھ بعجز اب دعا کر
الٰہی شاہ کو دلشاد رکھنا
اُسے حاصل ہو عیشِ کامرانی
مؤلف کا رہے نام اس سے قائم

معنوں نام نامی سے ہوا ہے
بہت دن میں نصیبا اسکا جاگا
جب اس در تک ہوئی حاصل رسائی
بھر اُسپر خسروِ ملکِ معانی
ملا ہے اُسکو نیزہ بھی قلم بھی
اُسی کا راج اقلیمِ سخن میں
اُسی کا شغل ہے شیریں بیانی
ثنا خواں خوش مقالی کے ہزاروں
غزل ہے اُسکی یا کانِ جواہر
اثر بخشنے خدا سے التجا کر
دکن کی سلطنت آباد رکھنا
عطا کر اُسکو عمرِ جاودانی
مزہ لیں پڑھ کے اسکو شاہ دائم

تقریظ از نتیجہ افکار گہربار ناشر یگانہ منشی بدیع نگار شیریں گفتار منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد و ظیفہ خوار سرکار نظام

اس تذکرے کی کیفیت جیسی ہمیں بالتفصیل معلوم ہے۔ شاید دوسرے کو نہو گی کیونکہ زمانۂ تدوین سے اسپر ہماری نظر پڑتی رہی ہے۔ اور جو جو دل چھیڑا دینے والے موقعے اُس زمانہ میں اسکے مدّوں کو پیش آئے ہیں وہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑے ہیں۔
ہمارے دوست لالہ سری رام صاحب نے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس بار دوش کو

کسی نے تیر کر جیتا ہے پالا / کسی نے ڈوب کر موتی نکالا
کسی نے چوٹ کھا کر آہ کی ہے / کسی نے دل کے اندر راہ کی ہے
کسی نے چٹکیاں لیں ہیں جگر میں / سمایا ہے کوئی ظاہر نظر میں
ستم کے ٹکڑے روئے ہیں کسی نے / کہیں موتی پروئے ہیں کسی نے
کسی نے پھول توڑے ہیں چمن سے / کسی نے لعل اُگلے ہیں دہن سے
غرض ہر شعر جوئی کا چُنا ہے / سُنا جس نے اُسی نے سر دُھنا ہے
کسی نے تذکرہ لکھا ہے ایسا / کبھی تم نے سُنا دیکھا ہے ایسا
کسی سے ہو سکے کب ایسی محنت / پھر اُس پر صرفِ دولت صرفِ ہمت
مؤلف اِسکے ہیں لالہ سری رام / خلائق کے زبانزد اِنکا ہے نام
بھرے ہیں اُنمیں اوصافِ حمیدہ / لکھے ہیں شعر سارے چیدہ چیدہ
ہزاروں پر پھرا ہے اِنکے پانی / کھچی ہے جب یہ تصویرِ معانی
کوئی شاعر نہیں چھوڑا ہے باقی / ہوئے جس سے نہ جا کر یہ ملاقی
مہینوں بلکہ برسوں خاک چھانی / گنوادی عشق میں اِسکے جوانی
کیا ہے کام یہ اِک عمر بھر میں / سفر برسوں کیا ہے بحر و بر میں
جہاں قلمی کوئی دیوان دیکھا / ہزاروں دیکے ظالم نے خریدا
کتابوں کی یہاں تعداد کیا ہے / زمیں سے چھت تک اِک کمرہ بھرا ہے
ہزاروں ہیں کہیں دیوان اسمیں / کہیں ہے تذکرے کی کان اسمیں
کتاب اِنسے بچی ہے کب جہاں میں / نہیں اصلا غلو میرے بیاں میں
خریدی جو جہاں سے ہاتھ آئی / یہی دولت یہ ہے اِنکی کمائی
لکھا ہے تذکرہ جادو کیا ہے / زمانے سے نرالا ہے نیا ہے
زمانہ ہے خریداروں میں اِسکے / جسے دیکھو طلبگاروں میں اِسکے

اور ہا اہلِ تذکرہ احوال بہم پہونچا کر لائے۔ کبھی کلکتہ کا سفر کیا۔ کبھی بنارس اور لکھنؤ کا دہاوا مارا۔ کبھی آگرہ پہنچے۔ کبھی بمبئی۔ کبھی اجمیر کبھی جے پور۔ کبھی بریلی۔ پنجاب کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو چھان مارا۔ جن نازک خیالوں کا کلام اُنکے خاندانی افلاس نے طاق نسیاں پر رکھ دیا تھا۔ اُن سے لیا۔ اور چھپوا کر اُن ازجہاں رفتہ کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ گویا اپنے آپ کو مسیحا ٹھہرا دیا۔

اس تذکرے میں جب کسی نامی شاعر کے حال پر نظر پڑے گی تو خاص خاص خاندانوں کا حال دیکھکر اُس خاندان کے لوگ خود چونک پڑیں گے۔

یہ لالہ سری رام ہی کے حصّے کا کام تھا۔ اور انہیں کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ بھلا دوسرا آدمی انکا سا حوصلہ انکی سی ذہانت۔ انکی سی سخن فہمی۔ انکی سی سخن شناسی۔ انکی سی نکتہ رسی تا وقتیکہ ایسی ہی امدادِ غیبی اور خداداد لیاقت نہو۔ کبھی حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ حافظہ اور ذہانت انکا خاندانی ورثہ ہے۔ راجہ ٹوڈرمل اکبری نورتن کے گوہر شب چراغ کو کون نہیں جانتا۔ آپ بھی اُسی خاندان کے نام لیوا ہیں بلکہ روشن چراغ ہیں۔ آپکے خاندان نے ایام غدر تک شاہانِ دہلی سے توسل رکھا۔ اور اخیر وقت تک خاندانی اعزاز کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ کے والدِ بزرگوار آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ لا بھی کچھ کم ذکی و فہیم نہ تھے۔ انکا تبحر علمی پنجاب میں ضرب المثل اور قانونی قابلیت مسلم تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے رکن اعظم اور علوم مشرقی و مغربی کے زبردست ماہر تھے۔ آپ متواتر ۶ سال تک پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے اور اپنی حسنِ کارگذاری سے رعایا اور حکام دونوں کو رضامند رکھا۔ افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی ورنہ چیف کورٹ کی ججی کے علاوہ عنقریب امپریل کونسل کے ممبر نامزد ہوتے۔ آپ کی قانونی کتابیں پنجاب کی عدالتوں میں رائج اور وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ ہی کے ہونہار فرزند نے تذکرہ لکھکر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور زندوں کو عمرِ جاوید کا پٹہ لکھدیا۔ یعنی وہ اس خمخانۂ جاوید میں آئے۔ اور مستِ ازل کے لقب سے ملقب ہوگئے۔

اُٹھایا تھا۔ یعنی ایّامِ طالبعلمی سے ہی اسکا ذکر چھیڑ ڈالا تھا۔ اور اپنے آپ کو اجتماعِ سخن و اہلِ سخن کا متوالا بنایا تھا۔ ادھر انٹرنس کے امتحان کی تیاری تھی اُدھر یہ بیماری تھی۔ کہ اس تیاری کے تمام اوقات وقفِ تذکرہ تھے۔ دیکھنے میں بی۔ اے کی امتحانی کتابوں کا مطالعہ تھا۔ مگر درحقیقت وہ اساتذۂ ماضی وحال کے تذکروں انکے دیوانوں اور چیدہ کلام کا انتخاب تھا۔ گو ایم۔ اے کا امتحان سر پر تھا۔ مگر تذکرہ کا پشتارہ بغل میں۔ غرض علمی امتحانوں سے لیکر قانونی امتحان تک یہی حالت رہی۔ کھانے کی سُدھ نہ پینے کی بدھ اسکے علاوہ اور بھی سیکڑوں مکروہاتِ زمانہ سدِّراہ ہوئے۔ مگر اس دُھن کے پکے نے اپنی دُھن نہ چھوڑی۔ راے بہادر اس شوق سے ناراض رہے۔ تمام بزرگ مانع ہوئے۔ مگر لالہ سری رام صاحب نے ہی یہ کام نہ چھوڑا۔ سب بگاڑی مگر یارانِ تذکرے سے بنائے رکھی۔ اور اسے انجام پر پہونچا کر چھوڑا۔

خمخانۂ جاوید کی تدوین میں جیسی جیسی دقتیں پیش آئیں اور جو جو مزاحمتیں دامنگیر ہوئیں انہیں کوئی مدون کے دل سے پوچھے۔ یہ استقلال بے زوال ہی کا تصدق تھا۔ کہ اس خمخانۂ جاوید میں آج نوید کے شادیانے بج رہے ہیں۔ جس انہماک کو غفلت سمجھ رکھا تھا۔ وہ عین ہوشیاری اور کامل مسرت نکلی۔ بملالالہ سری رام سے زیادہ کون سراہا ہوسکتا ہے جنہوں نے اجتماعِ ضدین کو ثابت کر دکھایا۔ انٹرنس سے ایم۔ اے تک پاس کرتے چلے گئے۔ یاس کو پاس نہ آنے دیا۔ یہانتک کہ قانون پر بھی ہاتھ مارہی دیا۔ یہ خداداد ملکہ تھا جس نے تمام ہمچشموں میں تہلکہ ڈالدیا تھا۔ اِسکی بدولت منصفی ہتھکاری۔ اور علمی کامیابیوں کے طفیل خاندانی ناموری کو سنبھالا۔

اگلے تذکرہ نگاروں نے صرف گزشتہ تذکروں۔ بیاضوں اپنے وقت کے روشناس شاعروں کے حالات گھر بیٹھے لکھکر تذکرہ نویسوں میں اپنا نام شمار کرالیا۔ لالہ سری رام نے نامی شعرا کے خاندانوں کا پتا لگایا۔ اُنکی ذریات سے ملے۔ اور وہ حالات حاصل کئے۔ جو اہلِ خاندان کو سینہ بسینہ پہنچے تھے۔ موجودہ مشہور شاعروں کے گھروں پر پہنچے۔ انکا کلام اُنکے بزرگوں کا کلام

کوئی فصاحت پر مٹا ہوا ہے۔ تو کوئی بلاغت پر فریفتہ۔ کسی نے سیدہی سیدہی بول چال اپنا وتیرہ ٹھہرالیا ہے۔ تو کسی نے خاص خاص اصطلاحات و محاورات کا نقشہ جمایا ہے۔ کوئی فلسفیانہ مسائل پر جھکا ہے۔ تو کوئی منطقیانہ دلائل پر مائل۔ گو شکلیں مختلف ہیں۔ مگر نتیجہ کلام ایک ہی ہے یعنی ہر ایک شخص اپنے ملک کی زبان کے قیام پر بطیب خاطر مائل اور اُسکی ترقی کا اپنے ہر ایک ہمعصر سے سائل ہے۔ چنانچہ ہم بھی اس امر کے ثبوت میں چند شعرا کے کلام کا انتخاب کر کے اُنکے رجحان طبع کو دکھاتے اور کچھ کچھ حالات سُناتے ہیں۔

سب سے پہلے خواجہ حیدر علی آتش کے حال کو لیجیے اور حضرت ناسخ سے جس قسم کا برتاؤ تھا۔ اُسے دیکھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب آتش بیان ہی نہ تھے۔ بلکہ آتش مزاج اور نازک طبع بھی تھے۔ باوجودیکہ دونوں صاحبوں کی باہمی نوک جھونک رہتی تھی۔ لیکن حضرتِ ناسخ کا دنیا سے گزرنا اور آتش کا ترک سخن گوئی کرنا ایک عجیب پاس وضع اور انصافِ قلبی ظاہر کرتا ہے۔ آتش کا کلام صاف ہے پاکیزہ ہے۔ مگر وہ بات کہاں جو ناسخ کو حاصل تھی۔ وہ تشبیہ و استعارہ کا بادشاہ تھا یہ میدانِ فصاحت کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا ایک ہی شعر ایسا ہے۔ جو آتشیں طبیعت کا نمونہ اور صاف گوئی کا چربہ ہے ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

علی ہذا شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کے حال پر نظر ڈالیے۔ تخلص کے ساتھ کلام اور طبع میں بھی وہ آزادی ہے۔ کہ اچھے اچھے وارستہ مزاجوں کو پرے بٹھاتی ہے۔ جس بات کی ابتدا کی انتہا پر پہنچایا۔ اُستاد ذوق کی محبت۔ ایام غدر کی مصیبت سُن سنکر سنگدل لوگوں کے پتھر دلوں کو موم بنا دیتی ہے۔ نثر میں وہ کمال ہے کہ صوفی صافی تک سر دھنتے ہیں۔ موسم زمستاں کا بیان۔ ابر کرم۔ شب قدر کی مثنوی پڑھو اور بے اختیار اس جدت کی واہ واہ۔ کلام سنو اور فصاحت پر میر مٹو ؎

ہاتھ جو میں گے مرے گبر و مسلماں دو دو	ایک میں دستِ صنم ایک میں قرآں ہو گا۔

آپ کے عموی نامدار راے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے جو اپنی لیاقت کے آپ ہی نظیر ہیں۔ اپنی غیر معمولی لیاقت اور علمی سرپرستی سے عموماً ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کو بہت بڑا فیض پہنچایا۔ سینکڑوں کتابیں سررشتۂ تعلیم میں انہی کی تجویز اور راے پر تصنیف و تالیف ہو کر مروج کی گئیں۔ خود بھی لکھیں۔ اور اس سررشتہ کے اراکین کو بھی رستہ بتایا۔ غرض اس خاندان سے جو کچھ ہوا کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہے۔ جیکا جس طرف شوق ہوا۔ اُس نے اُسی میں ادنی توجہ سے وہ کمال کر دکھایا۔ کہ ابناے زمانہ عش عش کرتے رہ گئے۔

بھلا جو تذکرہ اتنی مدت میں اسقدر تحقیقات اور اخراجات سے لکھا جاے کہ ایک ذات کا روپیہ اُسکی اغراض بہم پہنچانے میں ٹھیکری کر دیا جاے۔ وہ کیوں نہ سب تذکروں سے بہتر اور افضل ہو۔ یہ تذکرہ تجارت کی غرض سے نہیں لکھا گیا۔ صرف شوقِ زبان۔ شوقِ سخن فہمی و ابقاے نام شعراے ہند بلکہ قیام زباں کی وجہ سے تدوین ہوا۔ اور اُسکا منافع کسی مفید عامہ امور کے واسطے وقف کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

یہانتک تو ہمنے اپنی ذاتی واقفیت کا خلاصہ لکھا تھا۔ اب ہم تذکرہ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ یہ تذکرہ بارہا نظر افروز مطالعہ ہو چکا ہے۔ مگر جب دیکھا ہے جب ہی ایک نہ ایک جدت پائی۔ پس اس لحاظ سے یہ نظر اور ہے اور وہ نظر اور تھی

اس تذکرے کے اول حصے میں الف سے لیکر بے تک کے بلبلانِ ہزار داستان جمع ہو کر اپنی اپنی روش نغمہ سنجی اور خاص خاص بولیوں سے دل لبھا رہے ہیں۔ ہر ایک کا انداز جدا ہے۔ گو جدا جدا بظاہر ایک ہی باغ کے فدائی ہیں۔ مگر دراصل عجیب عجیب نیرنگیوں کے شیدائی ہیں۔ کوئی حُسن پرستی پر لوٹ ہے۔ تو کوئی خدا پرستی پر غش۔ کوئی کارخانۂ قدرت کی حکمتوں کا دلدادہ تو کوئی روزمرہ دہلی کی سخن سنجی پر دل و جان سے آمادہ۔ کوئی اپنے وقت کی ابتدائی زبان کو فخریہ کلام میں ظاہر کر رہا ہے۔ تو کوئی اُسی زبان کو اصلاح دے کر دوسرے پیرایہ میں نیا رنگ اور نیا انداز دکھا رہا ہے۔ کسی کا کلام دلمیں بیٹھا جاتا ہے۔ تو کسی کا عرشِ بریں تک پہنچا دینے کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔

بڑے شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
چکے گا رو برو کس کے معاملہ دل کا

اکیدن یار سے یہ میں نے کہا (ق)
ابتو ہم طاقت و تواں سے گئے

ہنس کے کہنے لگے کہ اے آصف
یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جان سے گئے

حضور نظام آصف ؎

آصف سے یہ چھٹا ہے نہ ہرگز کبھی چھٹے
لپکا ہے اسکو دید کا چسکا ہے چاہ کا

میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح
تو نہ ہوتا مرا اللہ نگہباں ہوتا

مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تم نے
آن سے تیغ کبھی ناز سے خنجر نکلا

میخانے میں کیا لطف ہے کیا مانگ ہے ساقی
آواز چلی آتی ہے لا اور پلا اور

ان حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نکرے
خونبہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں

بے وفا ایک تیری خاطر سے
سُن رہا ہوں ہزار کی باتیں

ادھر میں ہوں اُدھر محشر میں تو ہو
جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزہ ہے
یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

کریں بتکدے سے عبث قصدِ کعبہ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

بتکدے میں جو دیکھی ہے صورت
وہ بھلے کو خدا کے گھر نہوئی

افتاب۔ یعنی فردوس منزل ابو المظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی کے اردو اشعار اور انکی تصنیف پر ہی نظر نہ ڈالئے۔ بلکہ انکی مختصر ہسٹری کو ملاحظہ فرمائیے۔ تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ تذکرہ تاریخی حالات کا بھی ذخیرہ ہے۔ بادشاہ موصوف نے جو اپنی ایک فارسی غزل میں اسوقت کی مصیبت۔ یعنی اونکی کیفیت نابینا کئے جانے کی کیفیت بیان کی ہے۔ قابلِ عبرت ہے۔

یوں تو آفتاب کی روشنی ایک عالم پر پڑتی ہے مگر حضرت کے اردو اشعار۔ زبان کے روزمرے اور متوکلانہ طبیعت سے ایک اور جھلک دکھاتے ہیں جس سے عیش پرستی امن پسندی اور ذاتی آرام کیطرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

مثنوی زمستان میں کہتے ہیں ؎

ساون گیت اٹھا رہے طوفاں دلونمیں ہیں	پردیسیونکی یاد سے ارماں دلونمیں ہیں
ہر تان میں ملہار کی مستی کا شور ہے	بادل گرج کے پردے میں وتیا ٹلکو رہے

غرض یہی حال شب قدر کے بیان میں ہے۔

اسی طرح مولوی مفتی صدر الدین خانصاحب آزردہ کے حال میں جو خاص خاص واقعات درج ہیں۔ وہ الگ ہی اپنا پرلطف سماں باندہ رہے ہیں جس عاشقانہ مناسبت سے آزردہ تخلص کیا ہے۔ اسی شیدایانہ رعایت سے اکثر کلام بھی موزوں فرمایا ہے ؎

اس درد جدائی سے کہیں جان نکلجائے	آزردہ مرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر
ہو نہ دامنگیر کوئی جانکر قاتل تجھے	تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر
یہ کہکے رخ ڈالے انکے حجاب میں	اچھے برے کا حال کھلے کیا نقاب میں
عشق بازی کا منہ چڑانا ہے	اب وہ موسم نہیں شباب نہیں
مختصر حال چشم و دل یہ ہے	اس کو آرام اسکو خواب نہیں
ہے روز عید رنجش خاطر کو دو سلام	آؤ گلے لگو مرے کیسی نہیں نہیں

اس تذکرے کے آصفوں میں قابل ذکر دو آصف ہیں ایک نواب آصف الدولہ والئے اودہ جنکے ہاں دہلی کے اہل زبانوں نے جاکر پناہ لی۔ اور انھوں نے اس زبان میں شعرگوئی اختیار کرکے روزافزوں رفعت سے گرنے نہ دیا۔ دوسرے حضور پر نور میر محبوب علیخان بہادر نظام بالقابہ سلطان دکن جنھوں نے اس زبان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دیکر ابھارا اور اپنے اس کلام سے جو کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔ چار چاند لگا دیئے۔ زبان کی فصاحت دونوں حضرات کے کلام سے ٹپکتی ہے۔ مگر حضور نظام نے میر تقی کی روش پر بے تکلفانہ اشعار کہکر استاد ذوق اور حضرت داغ کو زندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ تیمناً و تبرکاً دونوں حضرات کے دو دو چار چار اشعار زیب ریویو کئے جاتے ہیں۔ آصف الدولہ آصف ؎

ریویو میں اتنی گنجایش کہاں کہ اُنکا شمہ بھی درج ہو سکے ہاں شاعرانہ طبیعت کا کسی قدر ذکر کر دیتے ہیں آپ پُرگو شاعر اور ہر ایک فن سے کچھ نہ کچھ ماہر تھے۔ مرثیہ گوئی میں بھی کچھ کم نہ تھے۔ سلام بھی خوب کہتے تھے۔ مثنویاں بھی اچھی لکھتے تھے ناول بھی بنائے۔ فسانے بھی تیار کرائے۔ رقص وسرود کا بھی شوق رکھا اور خود بھی اس فن میں طاق بلکہ یگانۂ آفاق ہوئے۔ یہ اُنکے کوتہ اندیش ندیموں و بدخواہ مقربوں کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ جنھوں نے اپنی خودغرضی کو مدنظر رکھکر اس بادشاہِ وقت کو ایسے رنگ میں رنگا کہ رنگ رلیوں کے سوائے کسی کام کا نہ رکھا اس شوق نے کلام میں سوز وگداز پیدا کر دیا تھا۔ مختلف تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہاتھوں سے دل نکلکر بالشتوں اچھل پڑا ہے	ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھو گیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جا سب جانتی ہے دنیا	مظلوم ومضطر اختر کہ پر پتہ ہے میرا
مرے داغ دل کا لگے داغ اسکو	رُخِ ماہ پر ہو نشانی ہماری
رندانہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں	پابند رہا میں نہ کبھی دیر وحرم کا
بولتا ہے بادشاہ اردوے بازار خاص	اختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبانِ بے مثال

ہمارے یار مرزا عبدالغنی گورگانی بھی اس تذکرے میں موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ اپنے فن میں لاثانی تھے۔ جنکے آگے خوش بیانی نے ہار مانی تھی۔ انہیں دوہری بادشاہی نصیب تھی۔ ایک خاندانی دوسری شاعری سخن پناہی۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ مرزا ارشد ایک طفلانہ مشاعرے میں جو اُن کے گھر سے چھ سات کوس دور بندے کے غریب خانہ پر کبھی کبھی ہوا کرتا تھا۔ تشریف لاکر دادِ سخن لیتے تھے پھر وہ زمانہ ہوا کہ اُستادِ سخن مانے جانے لگے۔ طبیعت میں تیزی۔ جدت پسندی۔ خداداد بلکہ پروازی ابتدا سے تھی۔ ذکاوت۔ رسائی فکر انتہا کی تھی۔ آمد کا یہ حال تھا کہ سو سو دو دو سو شعر کی غزل لکھ ڈالنی کچھ بات ہی نہ تھی سب مجھے اُس زمانہ کا ایک شعر ابتک یاد ہے ؎

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر	ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

صبح تو جام سے گزرتی ہے	قطعہ	شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے		اب تو آرام سے گذرتی ہے
چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو		بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
خوب ہی سیدھا بنے گا دیکھیو اے سرو چمن		اُسکی رعنائی سے مت تو اپنی رعنائی ملا
اسقدر افسردہ دل کیوں ان دنوں ہے آفتاب		دیکھکر ہوتا ہے تجھکو تنگدل گلزار کا

ادیب۔ سیف الحق ادیب دہلوی کے حالات اس شرح وبسط سے لکھے ہیں۔ کہ اُن کے کسی ہمصفیر اور گہرے دوست کیا رشتہ دار کو بھی لکھنے نصیب ہوتے۔ ادیب کی چلبلی طبیعت صحت الفاظ کی حد سے زیادہ مزاولت۔ جودت طبع اور رنگینی مزاج کو انکے برتاؤ اور کلام سے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے۔ ادیب ہمارے لنگوٹئے یار تھے۔ ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ خداداد ذہانت نے آتش کا پرکالہ بنا دیا تھا۔ تاریخ گوئی میں وہ ملکہ تھا۔ کہ یاروں سے گفتگو کرنے میں چاہتے تو تاریخی جملوں میں باتیں کئے چلے جاتے۔ کلام کی ندرت اشعار ذیل سے ظاہر ہے ؎

چشم آئینہ سے بچنا کہ مجھ سے بچ جاؤ	آجکل شوق تو ہے تمکو خود آرائی کا
موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں	کاش ہو نام قضا تیری مسیحائی کا
موت آ گئی مجھے سر شام فراق ہی	دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا
گر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب	لپکا بڑا پڑا ہے تجھے انتظار کا
جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا	ہاتھ ہلکا ہے میرے قاتل کا
منہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن پیراہنا	مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

اختر۔ کون سے اختر حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ رنگیلے والئے اودھ۔ آپکے تاریخی حالات شاید اس تذکرہ سے زیادہ دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئیں۔ کیونکہ اس کے مدون نے کوشش بلیغ سے اُس زمانے کے پرچہ نویسوں سے اصلی پرچے حاصل کئے اور اُن سے یہ حالات اخذ فرمائے۔ علے ہذا اسی طرح کلام کے بہم پہنچانے میں بھی کسر نہ رکھی۔ ہمارے

شوخ چشمی ایک ادنیٰ بات میں سے بات پیدا کرنی آپ ہی کا حصہ ہے۔ باقی سب قصہ ہے۔ نمونۂ کلام خود شاہدِ واجب الاحترام ہے۔ کلام اکبر ملاحظہ ہو

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا		بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش		طالبِ زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ		مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر
لا کہ نعمت ہے اتنی آزادی		سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
بیڈ صب ہے جھوٹ سچ کی جھڑی بحث ہند میں	قطعہ	سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو روسیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہمیں ہیں حکمراں		جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

غرض اس گلستانِ ہزار داستان میں جسقدر نامی شعرا ہیں۔ اُن کے حالات اس انداز سے درج تذکرہ فرمائے ہیں۔ گویا سوانح عمری لکھکر دکھا دی ہے۔ ہم کہاں تک انتخاب کر کے لکھیں خود تذکرہ ہی ہمارے بیان کا شاہد ہے۔ آباد۔ آشفتہ۔ محمد میر اثر۔ احسان دہلوی۔ انشاء اللہ خاں۔ اسیر قطب الدین رشک۔ شاہ محمد اکبر ابو العلائی۔ اکبر حسین خان اکبر۔ امیر مینائی۔ نجم الدین برق۔ لکھنوی برق۔ انیس۔ الوز دہلوی۔ بحر لکھنوی۔ وغیرہ وغیرہ جسکے حال پر نظر ڈالتے ہیں بِن دیکھے چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مجلسِ شعرا ہے جس میں صرف مشاعرہ ہی نہیں ہو رہا۔ بلکہ اُن کے جوہروں اور قابلیتوں کا بھی سین دکھایا جا رہا ہے اب دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اِس تذکرے کو مقبولِ خاص و عام فرمائے۔ اور اُسکے مدون کو عمر طبعی تک پہنچائے فقط

سید احمد دہلوی مؤلفِ فرہنگ آصفیہ و رسوم دہلی وغیرہ وغیرہ

۳ مارچ ۱۹۰۸ء روز دوشنبہ

قطعہ تاریخ مع التقریظ طبع تذکرہ شعرا موسوم بہ "خمخانۂ جاوید" از خامۂ عنبر بیان

تم جان سکتے ہو جسکی ابتدا میں یہ طبیعت ہو۔ اُسکی انتہا میں کس درد کی فصاحت و بلاغت ہوگی اُستاد کو ان پر ناز تھا۔ اور اس شاگرد کو بدستور اُنکی خدمت میں سرنیاز۔ پڑھنے کا وہ انداز تھا کہ شعر کی صورت بندھ جاتی تھی۔ جس بات کا ذکر ہوتا۔ اُسکی تصویر آنکھوں کے آگے پھر جاتی تھی۔

مزاج میں وارفتگی۔ استغنا اور پریشانی اول سے کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ظرافت اور بذلہ سنجی اُنکے گھر کی لونڈی تھی۔ مرزا ارشد سا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔ میرے ساتھ جو خصوصیت تھی۔ وہ فرہنگ آصفیہ کی برجستہ تقریظوں سے ظاہر ہے۔ ہرچند اس تذکرے میں سے اُنکا حال لکھنا چاہتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ دل قابو سے نکلا جاتا ہے اور قلم ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے پس ان چند اشعار پر اُنکی طبیعت کی کیفیت قوف رکھتا ہوں ؎

نیند آپ کی اُڑے مرے اوسان کیطرح
کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے
بتوں کا ستم رہ نما ہو گیا
اجی شیخ جی زر سے ہے بیکشی
نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے
میکش ہوں وہ گردور میں بھولے مجھے ساقی
مانا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو
وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئیں
کعبے میں بھی دیکھو لو ارشد کو بتخانے میں بھی

افسانہ گر سنو مرے حال تباہ کا
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا
کہ رخ اپنا سوئے خدا ہو گیا
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا
کہ کچھ رک رک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر
آپڑتی ہے منہ میں مرے ساغر سے نکلکر
دھبا لگایا تو نے قیامت کے نام کو
کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو
پوچھتے ہو کیا حقیقت اُس خدائی خوار کی

اگر خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی کے حال اور اُن کے کلام کو ملاحظہ فرمائیے تو اللہ اکبر عجیب چلبلی طبیعت اور خوبی خیالات کی بطور جدت و چاشنی پائیگا۔ نتیجہ خیز ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دلچسپی ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ مضمون آفرینی گھر کی لونڈی ہے۔ اور

میری ابتدائی عمر میں قلعہ دہلی کا چراغ گُل ہو چکا تھا۔ اُردوئے معلیٰ کا نشان گر گیا تھا۔ دلّی کے آخری تاجدار ابوظفر رنگون کو اور لکھنؤ کے آخری نواب واجد علی شاہ کلکتہ کو جا چکے تھے۔ ہاں اُن کے درباروں کے بازاری حسن پرستیوں کے گرے ہوئے نشان دلّی کے چاندنی چوک اور لکھنؤ کے امین آباد وغیرہ میں باقی تھے۔ اُنہیں کی پرواز پر میری مشقِ سخن شروع ہوئی۔

اسوقت میرزا غالب کی اُردوئے معلّٰے کو قبولیت عام حاصل تھی۔ اور لکھنؤ میں مرزا رجب علی بیگ سرور کے فسانۂ عجائب اور امانت کی اندر سبھا کا زور شور تھا۔ دلی کے آخری بادشاہ اور لکھنؤ کے آخری تاجدار کی حسرتناک غزلیں۔ ٹھمریاں۔ ہولیاں جلسوں میں گائی جاتیں تھیں۔

اسکے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ سادہ ململ نے زرتار کی جگہہ حاصل کی۔ جرأت کے کام نے سادہ کاری کے ہاتھوں مات کھائی۔ یہ دور دو حصوں میں منقسم رہا۔ ایک حصہ نیچرل نگاروں سے مخصوص رہا۔ اس وادی میں آنریبل سر سید احمد خان بہادر۔ سید محمود۔ مولانا نذیر احمد۔ نواب محسن الملک۔ علامہ شبلی۔ مولانا حالی۔ مولوی ذکاء اللہ نے شہرت حاصل کی۔ دوسرے حصے میں پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی سجاد حسین مالک اودھ پنچ۔ مولوی عبدالحلیم شرر۔ حکیم محمد علی ناولسٹ ہردوئی۔ حضرت ریاض خیرآبادی۔ خان بہادر منشی ناصر علی دہلوی سخن کی بگڑی بات بناتے رہے۔ شاعروں میں۔ داغ و امیر مرثیہ گوؤں میں میر انیس و دبیر کے ڈنکے بجتے رہے اور آسمانِ سخن پر شاعری کے بادل گرجتے رہے۔ نیو فیشن والوں کے لئے مولانا حالی نے نظمِ جدید کی نئی بنیاد قائم کی۔

مجھکو زمانہ کی ضرورتوں نے دونوں گروہوں سے وابستہ رکھا۔ کبھی ایک غزل لکھکر اولڈ فیشن والوں کا شریک ہو گیا۔ کبھی ایک نظم لکھکر نیو فیشن والوں کے ساتھ ہولیا۔ یہ تو عامیانہ حالت تھی۔ آگے بڑھکر کلام الملوک ملوک الکلام کے ساتھ سابقہ پڑا۔ بائیس برس نواب سکندر بیگم صاحبہ

شمامۂ سر آمد سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی و حال حضرت حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

خمخانۂ جاوید مطبوع　　شد فیض رسانِ بزم سخن
حقا کہ عجائب تذکرہ ایست　　در ذکر و بیانِ بزم سخن
ہر کس ز سروش نعرہ زناں　　مستانہ میانِ بزم سخن
سرگرم سخن در تحسینش　　ہر پیر و جوانِ بزم سخن
از کیفِ معانی و مے سرخوش　　پیمانہ کشانِ بزم سخن
در لطف مذاقش وجد کناں　　لب ہا و زبانِ بزم سخن
بر خوبی و حسن مضامینش　　قربان دل و جانِ بزم سخن
القصہ چو نقشے گشت عیاں　　از نام و نشانِ بزم سخن
تاریخ طبعش گفت جلال　　یادِ دستانِ بزم سخن
۱۳۲۵ھ

ایضاً

خمخانہ نام تذکرہ فی الحال طبع شد　　از دستے کہ داشت جہاں آرزوئے دید
پرسید سالِ طبع چو از طبع خود جلال　　گفت ایں سخن بگو کہ "خمخانۂ جدید"
۱۳۲۵ھ

تقریظ از افکار دربار جانِ بلاغت کانِ فصاحت ناثر عدیم المثال ناظم نظامی خیال مولانا سید امجد علی صاحب اشہری متوطن اٹاوہ۔

ناظرین۔ راقم کو چالیس برس فن ادب کے مشغلہ میں گذری ہیں۔ ع
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔

اس کہنے سے میری مراد اپنی معلومات کا اظہار کرنا نہیں بلکہ اس سے اس بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ میں نے چالیس برس میں تین دور دیکھے۔ اور ہر صنف سخن کے دیکھنے کا موقع پایا۔ اسلئے اگر میں فنِ سخن کے متعلق کوئی راے قائم کروں تو وہ میرا نادیدہ خیال نہ ہوگا۔

تذکرہ

فارسی اور اُردو میں تذکرہ اُس جامع کتاب کو کہتے ہیں جسمیں گذشتہ یا موجودہ یا دونو زمانے کے قابلِ قدر اور نامور لوگوں کا ذکر کیا جاے۔ جو کسی ایک صنف سے متعلق ہو۔ جیسے صنف علمار یا صنف شعرار یا صنفِ امرا وغیرہ فارسی میں میر غلام علی آزاد نے امرا اور شعرار کے تذکرے نہایت عمدہ لکھے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم نے علمار کا تذکرہ موسوم بہ اتحاف النبلار بڑی جامعیت سے تحریر فرمایا ہے۔ اور شعرار فارسی کا ایک تذکرہ شمع انجمن۔ نام لکھا ہے۔ قاضی محمد صادق خاں اختر کا تذکرہ آفتاب عالمتاب اتنا بڑا تذکرہ ہے جسمیں ہزاروں شعراے فارسی کو جگہ دیگئی ہے اور بھوپال ہی سے شمع انجمن صبح گلشن۔ روز روشن نام کے تین بڑے بڑے ضخیم تذکرے لکھے گئے اور چھپ گئے ہیں۔ لیکن اُردو میں کوئی مبسوط تذکرہ شایع نہیں ہوا بعض تذکرے جو ہیں وہ نہایت محدود ہیں۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں صرف چند شاعروں کو آبِ حیواں پلایا باقی کو پیاسا چھوڑا ہے اور یہ کام آسانی سے پورا ہو بھی نہیں سکتا۔ اسکے لئے ہر طرح کی لیاقت۔ فرصت دولت اور معلومات وسیعہ کی ضرورت ہے۔ یہ سب بھی جمع ہو جائیں تو سالہا سال تک ایک کام کو استقلال سے کرتے رہنا ہماری موجودہ طبایع کے حسب حال نہیں۔ لیکن جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے۔ تو اُسکے لئے غیر متوقع اسباب اور غیر معمولی سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس تذکرے کی تالیف اور اشاعت سے ظاہر ہے۔

تالیف و اشاعت

خلد نشین والیہ بھوپال اور نواب شاہجہان بیگم صاحبہ جنت آرام کے قرب حضوری میں گذرے نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے شعر و سخن سے روز کا سروکار رہا۔

ابو ظفر بادشاہِ دہلی اور نواب یوسف علی خان فرمانفرماے رامپور کے دواوین کا مطالعہ کیا۔ جانعالم محمد واجد علیشاہ بادشاہِ اودھ کا دیوان منشی امیر علی خانصاحب وزیر السلطان نے عنایت فرمایا۔ نواب کلبِ علیخاں بہادر خلد آشیان فرمانفرماے ریاست رامپور نے اپنے چار دیوان مرحمت کیے۔ اعلیحضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخان بہادر کے کلام معجز نظام سے وقتاً فوقتاً آگاہ ہوتا رہا۔ رزم و بزم میں میر انیس اور مرزا دبیر کی معجز بیانیوں نے اُردو میں شاہنامہ کی تصویریں سامنے دکھائیں۔

بیگمات اور خواتین میں نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے علاوہ ایران کی فرخندہ بیگم۔ جاورہ کی ضیا۔ لکھنؤ کی خاص محل دلّی کی چھوٹی بیگم اور بڑی بیگم (نزیل بھوپال) کے دیوان دیکھے۔

طبقہ شعرا میں میرزا غالب۔ میر انیس۔ میرزا دبیر۔ نواب میرزا داغ۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی۔ منشی اسمعیل حسین منیر۔ جیسے لاثانی سخن طرازوں کے دیکھنے اور اُنکی زبان سے اُنکے کلام سننے کا فخر حاصل ہوا۔ اور یہ دور اِن کی معجز بیانیوں پر تمام ہوگیا۔

زاں بعد اُردو کا تیسرا دور شروع ہوا جس کی ابتدا اعلیحضرت اڈورڈ ہفتم دربار تاجپوشی دہلی سنہ ۱۹۰۳ء سے قرار دیتا ہوں یہ دور تصنیف کی حیثیت سے نگاہ میں نہیں جچتا۔ لیکن تالیف اور ترجمہ کی حیثیت سے اُردو میں جان ڈال رہا اور زبان میں وسعت پیدا کر رہا ہے۔ شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹر و اڈیٹر رسالہ مخزن۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ عصر جدید مسٹر ظفر علیخانصاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ دکن ریویو۔ مسٹر محمد اقبال صاحب وغیرہ وغیرہ کی سخن آرائیوں سے اِس دور کی جھولی دامن گلچیں بن رہی ہے۔ ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اُردو کے ابتدائی زمانہ میں رزم و بزم کے جو مناظر تھے وہ خواب و خیال ہو رہے ہیں محلات شاہی کا نام و نشان نہیں جو اُردو کی تراش و خراش کا معدن تھے۔ امرا کے جلسے بھی بھولا ہوا افسانہ ہیں۔ اب تو لے دے کر سالانہ میلوں پرایویٹ جلسوں بازاری حُسن فروشوں کے بالاخانوں کے مناظر ہماری شاعری کے معراج سمجھے جاتے ہیں۔ ان مقامات کا پہونچا ہوا ایک رعنا نگار ہر منظر کی تصویر یوں کھینچتا ہے۔

میلہ کا منظر

ساون کا مہینہ ہے۔ سہ پہر کا وقت ہے۔ پانی برس کے کھُل گیا ہے۔ بلند دیواروں پر جابجا دھوپ ہے۔ ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادھر اُدھر جاتے نظر آ رہے ہیں سکے۔ گاڑیاں۔ ٹمٹمیں۔ ڈولیاں۔ پالکیاں۔ چلی آتی ہیں۔ رنڈیوں کی ساری بہار ہے گوری رنگت ململ کے دھانی ڈوپٹے سے پھوٹی نکلتی ہے۔ اودے گرنٹ کا پائجامہ بڑے بڑے پائنچوں کا سنبھالے سے نہیں سنبھلتا۔ ہاتھ گلے میں ہلکا ہلکا زیور ہے۔ ناک میں ہیرے کی کیل کانوں میں سونے کی انتیاں۔ ہاتھوں میں کڑے گلے میں موتیوں کا کنٹھا۔ ایک ایک پر نظر ڈالنا چاہتی ہیں۔ مگر جب وہ دیکھنے لگتا ہے تو منہ پھیر لیتی ہیں۔

جابجا کھلونے والوں مٹھائی والوں کی دوکانیں۔ خوانچے والے میوہ فروش۔ ہار والی تنبولی ساقنیں نظر آتی ہیں تماشائیوں میں مفلس۔ مالدار بیوقوف عقلمند۔ شریف۔ رذیل۔ سخی بخیل سب اپنے عادات اور خصائل سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں کہ وہ اپنے تنزیب کے انگرکھے۔ اور اودی صدری۔ نکّہ دار ٹوپی چست گھٹنے اور مخملی چڑھویں جوتے پر اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ کوئی صاحب صندلی رنگا ہوا ڈوپٹہ سر سے آڑا باندھے ہوئے رنڈیوں کو گھورتے پھرتے ہیں۔ کوئی صاحب اپنے چھوٹے سے لڑکے کی انگلی پکڑے اُس سے باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب بازاری منظر کا حال سنئے۔

سترہ سال ادھر دلّی کے مشہور اور نامور رئیس آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب ممبر کونسل واضع آئین لاہور آنجہانی کے لایق فرزند جناب رائے سر رام صاحب ایم۔ اے منصف دہلوی کے دل میں خیال آیا کہ اُردو کا ایک مبسوط تذکرہ قلمبند کرنا چاہیئے۔ اُسکے لئے اونہوں نے مواد جمع کرنا شروع کیا۔ دلی کا کونہ کونہ چھانکر سیکڑوں دیوان اور مثنویاں اور ہزاروں غزلیں اور بیاضیں اور متفرق اوراق معقول قیمت دیکر خرید کئے۔ اونمیں کتنے دیوان ایسے ہیں جنکا دوسرا نسخہ موجود نہیں اور کسی کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بعض ایسے ہیں جن سے بازاری اور درباری بول چال کا فرق علاحدہ ممیز ہوتا ہے۔ پھر دلّی کے علاوہ لاہور۔ اگرہ۔ لکھنو۔ الہ آباد۔ پٹنہ۔ کلکتہ۔ حیدر آباد وغیرہ وغیرہ میں جہاں کہیں ایسے ذخیرۂ سخن کے ملنے کی اُمید تھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعرا گذشتہ و موجودہ کے کلام حاصل کئے اور اٹھائیس حرفوں کے حساب سے کاغذ سادہ کے اٹھائیس مجلّد بنواکر ایک ایک جلد کو ایک ایک ردیف سے متعلق کیا۔ اور ہر ردیف کے شاعر کا کلام معہ اُسکے حالات کے اُس ردیف کے مجلد میں ٹانکتے گئے۔ اور سالہا سال اس دیدہ ریزی کو جاری رکھا۔ جب اسطور پر ایک وسیع ذخیرہ جمع ہوگیا تو اُسکو تالیف کی صورت میں لانے اور مسلسل قلمبند کئے جانے اور ہر ایک کے مناسب حال و قال رائے دیئے جانے پر توجہ مبذول کی۔ اور خدا کے فضل سے یہ مشکل کام ایک بڑی حد تک آسان ہوا۔ اُسکا ابتدائی حصہ یہ مجموعہ ہے جو تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کے نام سے سات سو صفحوں پر چھپوا کر شایع کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اگر یہ تذکرہ اُمید کے موافق تمام ہو جاسے تو اسکو اُردو شاعروں کی انسائی کلوپیڈیا کہنا چاہیئے۔ اب میں اُردو شاعری کے متعلق ایک اجمالی اور مختصر کیفیت پیش کرتا ہوں۔ اُس سے آگے چلکر نتیجہ نکالونگا۔

شاعری کے موجودہ مناظر

زرنگار مسند بچھی اور مخملی گاؤتکیہ لگا ہے۔ اُس سے لگی ہوئی ایک ماہ لقا بیگم جلوہ فروز ہے
مانگ نکلی ہوئی۔ چوٹی کمر تک پڑی ہوئی۔ سرخ و سفید رنگت۔ اونچا ماتھا کھنچی ہوئی بھویں۔ بڑی بڑی
آنکھیں۔ گال جیسے گلاب کی پتیاں۔ لمبوئی ناک۔ چھوٹا سا دہانہ۔ پتلے پتلے نازک ہونٹ
نقشے بھر میں کوئی چیز ایسی نہیں جس سے بہتر خیال میں آسکتی ہو۔ اُس پر امیرانہ رعب۔ بات
کرنے میں مُنہ سے پھول جھڑتے معلوم ہوتے ہیں۔ لباس اور زیور بھی اس صورت کے لائق
ہے۔ مہین دوپٹہ کندھوں سے ڈھلا ہوا کیچلی کا شلوکہ پھنسا پھنسا سرخ گرنٹ کا پائجامہ کانوں
میں صرف یاقوت کے آویزے۔ ناک میں ہیرے کی کیل۔ گلے میں سونے کا طوق۔
ہاتھوں میں موتیوں کی سمرنیں۔ بازوؤں پر نورتن۔ پانوئیں سونے کی بیڑیاں۔ چہرے کی خوبصورتی
لباس کی سادگی اور زیور کی مناسبت ہر چیز دلفریب۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

ان محدود مناظر کو دیکھکر عام نگاہیں خیال کر سکتی ہیں کہ ہمارے مشرقی شاعر ان مناظر کو دیکھکر
کیا بات پیدا کر سکتے ہیں لیکن جب آپ گہری نگاہ ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ جیسے ایک
فلسفی کو خوردبین کے ذریعہ سے ایک کائی کے ٹکڑے یا ریت کے ذرے اور پانی
کے قطرے میں ایک نئی دنیا آباد نظر آتی ہے اور وہ اپنی معلومات سے دوسروں کو مستفید
کرتا ہے ایسے ہی ان حقیر اور معمولی مناظر میں شاعر کی نگاہ خوردبین کو وہ پوشیدہ رموز و لطائف
دریافت ہوتے ہیں جو اُسکا حصہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اُنکو طرح طرح کے معنی آفرینیوں سے
عام میں جلوہ گر کرتا ہے جسکو دیکھکر سخن شناس طبیعتیں اُسکے حسن بیان کی داد دیتیں اور اُسکی
معنی آفرینی پر عشعش کرتی ہیں۔
چنانچہ آپ اسی تذکرے میں دیکھینگے کہ ان مشرقی شعرا نے اس بے بضاعتی پر کیا کمال
دکھایا ہے اور معمولی مناظر سے کیا کیا باتیں پیدا کی ہیں۔

بازاری منظر

چوک کے بالاخانے آباد۔ زمین پر دری کا فرش اوسپر چاندنی بچھی ہے۔ نواڑ کا پلنگ ڈوریوں سے کسا ہوا ہے بڑے بڑے نقشی پاندان۔ مقابے۔ حسن وان۔ اوگالدان۔ اپنے اپنے قرینے سے رکھے ہوئے ہیں دیواروںپر تصویریں اور آئینے لگے۔ چھت پر چھت گیری بندھی ہے۔ اوسمیں چند ہانڈیاں لگی ہیں۔ سامنے دیواریں ولایتی لیمپ روشنی دے رہا ہے نوجوان رئیس زادے دل بہلانے کو حاضر ہیں۔ سامنے پاندان کھلا ہوا ہے۔ ایک ایک کو پان لگا کے دئے جاتے ہیں۔ جو ہے انکے حکم کا تابع ہے۔ بن مانگے لوگ کلیجہ نکالے دے دیتے ہیں کوئی دل ہتیلی پر رکھے ہے۔ کوئی جان قربان کر رہا ہے۔ یہاں کسی کی نذر ہی قبول نہیں ہوتی۔ کوئی بات نظر میں نہیں سماتی سب بے پروائی یہ کہ کوئی جان بھی دے تو انکے نزدیک کوئی مال نہیں محفل بھر میں سب کی نگاہ اُنکی طرف ہے یہ آنکھ اُٹھا کے بھی نہیں دیکھتیں۔ اور جسکو دیکھ لیا اُس پر سیکڑوں نگاہیں پڑنے لگتی ہیں۔

تمکو تیر اندازی آتی ہے سنئے انداز کی	جس کو تاکا بچ گیا چوکے جسے مارا اُسے

یہ منظر کم وبیش دلّی کے چاندنی چوک۔ لکھنو کے امین آباد۔ آگرے کے کناری بازار لاہور کی انارکلی۔ حیدرآباد کے چارمینارے میں سب جگہ یکساں پایا جاوے گا۔ قدم قدم پر آپ کو دل پامال ہوتے ہوئے ملیں گے۔ اور آپ کہتے نکلیں گے۔

ہر طرف کہ نظر میکنم دل افتاد است	مرا بکوئے تو رفتن چہ مشکل افتاد است

عام مناظر کے بعد کبھی خوش نصیب کو یہ منظر نظر آئیگا۔

خاص منظر

ایک پائیں باغ ہے باغ میں محل محل کے اندر کمرہ سجا ہوا ہے۔ اُس کے صدر میں ایک

رہے ہمیشہ ترا دور دورہ اے ساقی
وہ مے پلا کہ اثر سے ہو جسکے پیر جواں

یہ آرزو ہے کہ اسکا کروں میں ذکرِ جمیل
ہوئے ہیں جسکے معرف تمام اہلِ جہاں

بلند مرتبہ عالی ہمم ستودہ صفات
رئیس اعظم و ذی قدر و افتخارِ زماں

سحابِ جود و کرم صاحبِ شکوہ و حشم
سپہرِ عظمت و اجلال کے مہِ تاباں

نہیں کسی پہ ہے پوشیدہ وہاں ایدل
کہ نام اُسکا سری رام ہے جہاں میں عیاں

عجیب ذاتِ خجستہ صفات ہے اُنکی
ثنا و مدح میں قاصر ہوئی ہے میری زباں

کمال رکھتے ہیں ہر علم و فن میں وہ ایسا
کہ خود کمال یہ کہتا ہے مثل اُنکا کہاں

حصول انکو ہے اسدرجہ علم انگریزی
نکات جتنے ہیں اُسکے وہ سب ہوئے ہیں عیاں

خلیق ایسے کہ ملتے ہیں خندہ پیشانی
عزیز جانِ جہاں کی یہ خوبیاں ہیں عیاں

ہوا ہے تیر محبت کا اسکے دل کے پار
بخلق جس سے ملے ہیں وہ جھک کے مثل کماں

ممالغت جو کرے اُنکی دل کی جمعیت
ہوا کرے نہ پریشان زلفِ محبوباں

جو دل کہ مردہ ہیں کرتا ہے اُنکو یہ زندہ
دمِ مسیح کا ہے رشک اُسکا حسن بیاں

گرہ میں نقدِ وفا جسکے ہو وہ لے آکر
متاعِ حسن محبت کی کھول دی ہے دکاں

کتاب عمدہ و نادر جو اُن کی ہے تصنیف
جواب اسکا نہ ممکن ہوا کسی عنواں

کتاب تذکرہ تو ہے نسخۂ نایاب
کہ سیرِ معنی ہے اسکی مفرح دل و جاں

عجب نہیں ہے کہ رنگینئ عبارت پر
ہزار ہا گلِ باغِ جہانی ہوں قرباں

ہزار طرح کی رنگینئ عبارت ہے
کریں جو سیر تو سیری نہو کسی عنواں

لکھی ہے اسکی عبارت بہت فصیح و بلیغ
فریفتہ ہوئے ہیں دل سے اُسپہ اہل جہاں

کتاب کے ہیں جو بین السطور روشن تر
بیاضِ صبح دل و جاں سے اُسپہ ہیں قرباں

دلوں کو اُسکے مضامیں نہ کیوں کریں تسخیر
کتاب اُنکی ہے تصنیف جو ہیں سحر بیاں

سبب مجھے بھی فکر لکھوں اُسکی معنوی تاریخ
اگرچہ شاعر ناقص ہوں اور ہیچمداں

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو | ذی فہم سے لطف نکتہ دانی پوچھو
توقیر کلام حق سمجھتا ہے کلیم | موسیٰ سے رموز لن ترانی پوچھو

یہ بات خاص مسرت کی ہے کہ اس تذکرے کو اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخاں بہادر فرمانروائے حیدرآباد نے اپنے نام نامی سے معنون ہونے کا افتخار بخشا ہے۔ اور مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر مدار المہام سلطنت آصفیہ حیدرآباد نے اسکی نسبت خاص قدردانی کا اظہار کیا ہے۔ امید کہ گورنمنٹ پنجاب اور ہندوستان کی سب گورمنٹیں اور لائبریریاں اسکو خاص قدردانی کا مستحق تصور فرماوینگی اور مغربی لائبریریوں میں بھی عزت سے دیکھا جاویگا۔

میں آخر میں جناب رائے سر رام صاحب ایم۔ اے منصف چیف کورٹ لاہور کو مبارکباد دیتا ہوں۔ کہ اون کی ساقی گری سے یہ خمخانہ وقف عام ہوا۔ اور جرعہ نوشان سخن کو بادۂ سرجوش کی کیفیتیں حاصل ہوئیں اسکے بعد دعا کرتا ہوں کہ اس خمخانہ کے جو خم باقی ہیں وہ بھی جلد لنڈھائے جائیں۔

ساقی باقی جو کچھ ہے دیدے | باقی ساقی جو کچھ ہے لے لے

تاکہ جو لوگ پی چکے ہیں وہ اور نشہ تیز کرلیں اور جنکو ابھی ایک بوند نہیں ملی وہ پورے طور پر چھک جائیں اور اسیر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے اٹھیں۔

خالی خالی تھے جو یوں میکدۂ و جام و سبو | ساقیا ایک نظر میں تری سب بھر پائے

سید امجد علی اشہری

قطعہ تاریخ چکیدۂ خامۂ عنبر شمامہ معدن صدق و صفا منبع فہم و ذکا

مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب حامد بیرسٹر لکھنؤ رئیس امروہہ

پلادے ساقی مہوش شراب ناب و تواں | کہ اسکے نشے سے ہو طبع زار میری رواں

تقریظ طراویدۂ خامہ جادو طراز سحر پرداز بلبلِ گلزار شیوا بیانی و طوطی چمنستان شیریں زبانی مخلصی و محبی نواب میرزا سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی نبیرہ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیّر رخشاں جاگیردار لوہارو و داماد نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

ایک میرے دوست نے یہ مجھ سے کہا
نظر آتا ہے تیرا رنگ نیا

آج کچھ انبساط کی حد ہے
جانتا ہوں میں تجھکو تو بد ہے

وعدہ وصل دلربا ہے آج
بہجت اس سے بھی کچھ سوا ہے آج

مفت کا تو نے مال مارا ہے
کوئی جادو جمال[1] مارا ہے

کوئی ہتّے چڑھا ہے کشمیر
چال کا چل گیا کسی پر تیر

زعفراں زار ہو کے آیا ہے
بے تردد خزانہ پایا ہے

کوئی منت تری بر آئی ہے
ایسی کیا چیز تو نے پائی ہے

کیا نرینہ ہوا کوئی فرزند
بے طرح ہو رہا ہے تو خورسند

مے انگور مفت ہاتھ لگی
آج کچھ روز سے سوا پی لی

کسی دشمن پہ ہاتھ صاف کیا
منہ سے کچھ پھوٹ تو ہوا تجھے کیا

خیر مقدم ہے یار جانی کا
کیا سبب اتنی شادمانی کا

یار کو گھر میں[2] ڈال کر آیا
اپنے دشمن پر جال کر آیا

زاہد خشک کو پلائی ہے
بول کیا تجھ پہ آفت آئی ہے

در جاناں سے اٹھ گئے درباں
پھوٹ کمبخت کچھ نہیں یا ہاں

---

[1] جادو جمال مارا ہے۔ زبان کے اعتبار سے اسکے یہ معنی ہیں کہ کسی جادو جمال پر قبضہ کر لیا ہے۔

[2] گھر میں ڈالنا مراد حبالہ نکاح میں لانا۔

ندائے غیب ہوئی سال عیسوی یہ لکھہ
کتابِ نو میں مضامین ہیں سراجِ جہاں
سنہ ۱۹۰۸ء

قطعات از فکرِ محقق فنِ تاریخ ماہرِ عروض مشاق قدیم منشی رام پرشاد صاحب ظاہر دہلوی از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر

بطبعِ جلیلہ بسالِ مسیح — طبعِ تذکرہ شد بحسبِ مراد
بزبر و بیّن سنش خواستم — بحالتِ مسرت بدل شاد شاد

بظاہر ندا شد بپاسِ ادب
کہ یا پسندِ خلایق بباد
سنہ ۱۹۰۸ء

دیگر

تذکرۂ نادرِ مصنفانِ نظیر — در سنِ ہجری طبع شد بیگماں

سالِ او گفتم بصوری معنوی
سیزدہ صد بست و شش زیبِ جہاں
سنہ ۱۳۲۶ ہجری

دیگر

بماہِ فروری در سالِ فصلی — بطبعِ ایں کتابِ شاد گشتم

بنا در صنعتِ سالِ طبعِ او
چہ عمدہ نادرِ سالش بگفتم
۱۳۱۶ف

دیگر

ہوا شوق تحریرِ تاریخ کا — کتابِ مسجل سے جسدم چھپی

لکھی میں نے تاریخ یہ بر ملا
مصفا ہے گلدستۂ شاعری
۱۳۲۶ھ

شو بھنم[51] پتر[52] ثی میں تارا ہے
تیرا مقبول کچھ کلام ہوا
قید خانے سے چھوٹ کر آیا
نوجوانی نے کیا اعادہ کیا
پرورش کچھ نظام نے کر دی
کوئی منصب ہوا ترا جاری
ہوئی صادر عطائے سلطانی
جنگ و دولہ کا مل گیا ہے خطاب
شاہِ آصف نے دی کوئی جاگیر
ہفت سالہ امید بر آئی
سرفرازی شہِ دکن نے کی
آصفی بذل کا نزول ہوا
تیرے منہ سے سنے ترے اشعار
یا سفارش تری کسی نے کی
قصد بیت الحرام تو نے کیا
شادمانی کے ہیں یہی اسباب
پھر سبب کونسا وہ ایسا ہے
چیستاں بن گیا ہے تیرا سرور
عرض کی اُس نے بینے مشفقِ من
کھل گئے بکتے بکتے سب بھیجا

یا کوئی تو نے شیر مارا ہے
داغ کی طرح تیرا نام ہوا
خندہ کیوں لب پہ ٹوٹ کر آیا
روز سے شغلِ مے زیادہ کیا
یا مدار المہام نے کر دی
عامرہ[53] سے کوئی رقم ماری
عنایات و فضلِ ربانی
ہو گیا تو بھی شہ کا رکنِ رکاب
کی دعا نے سحر نے کچھ تاثیر
داغ کی طرح آبرو پائی
سحر سازی ترے سخن نے کی
اجرِ امید کا حصول ہوا
بندگانِ حضور نے دو چار
بولی تجھ پہ خدا کی ہو نیکی
ایسا کیا نیک کام تو نے کیا
سب سے انکار تجکو خانہ خراب
جس سے تو بے ہنسائے ہنستا ہے
تجکو کہنا پڑیگا حال ضرور
عاجز آئے تمہاری عقل و فطن
یہ نہ دیکھا کہ سامنے ہے کیا

۵۱ سنسکرت میں نیک اور سعید کو کہتے ہیں۔ ۵۲ مراد زائچہ سے ہے۔ ۵۳ عامرہ نام خزانہ نظام دکن۔

محفل یار کا بلاوا ہے — پاسخِ خط شوق آیا ہے
خواب دیکھا ہے کوئی خوش تعبیر — کوئی سوجھی فلاح کی تدبیر
تجکو ڈگری ملی عدالت سے — کہ رہائی ہوئی ندامت سے
حورِ وش کوئی تجھپہ ریجھا ہے — کسی ظالم کا دل پسیجا ہے
رنج عقبیٰ سے ملگئی ہے نجات — چیز کیا آگئی ہے تیرے ہاتھ
جلوۂ برق طور دیکھ لیا — کچھ نہ کچھ تو ضرور دیکھ لیا
خواب میں شکل مصطفیٰ دیکھی — سچ بتا چیز ایسی کیا دیکھی
کسی خدمت پہ ہوگیا مامور — رنج و کلفت کے دن ہوئے سب دور
کوئی پر زر خزانہ ہاتھ آیا — آب وجد کا خزانہ ہاتھ آیا
کوئی بدظن ہوا ترا منقاد — کوئی حاصل ہوئی ہے تری مراد
رہ میں دیکھی ہے میت دشمن — کیا ہوا تجکو آج او پُرفن
یار و اغیار میں فساد ہوا — تیرا دل اس سے اتنا شاد ہوا
خط روانہ کیا کوئی سوئے دوست — تکیۂ سر بنا ہے زانوے دوست
یار نے کچھ تسلیاں دی ہیں — دل نوازی سے چٹکیاں لی ہیں
نسخۂ اکسیر کا ملا ہے کوئی — اس خوشی کا سبب بتا کوئی

دو شعر کا قطعہ

بعیت پیر سے فروش ہوئی — کہ فراموش فکر دوش ہوئی
غم فردا نہ پاس پھٹکے گا — ابتو ساقی نہ ہاتھ جھٹکے گا
ڈاربی[۱] کا ستار[۲] نکلا — یہ ٹکٹ[۳] وس کا کار گر نکلا

[۱] ولایت میں اک گھوڑ دوڑ کا نام ہے۔ [۲] ستار اس گھوڑے کا نام ہے جو ڈاربی میں شریک ہوتا ہے۔
[۳] اس شرط کا ٹکٹ دس روپے کو فروخت ہوتا ہے جس خریدار کے ٹکٹ کے ساتھ کسی ستار کا نام نکل آتا ہے وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہوجاتا ہے

آشنا سامنا جہاں ہو گا
دو پہر وقت رائگاں ہو گا

ہے تقاضا کہ کچھ سناؤ کلام
عوضِ شعر ہوں اگر دشنام

وہ بھی سُن سُنکے دل سے ہیں خورسند
دوست اور دوست کے ارادتمند

بس چلے تو مجھے رکھیں دل میں
میں رہوں تو ہیں یہ محفل میں

شاعروں کے توت رواں یہ ہیں
اہلِ دہلی یہ نکتہ داں یہ ہیں

شمع اہلِ سخن یہ ہیں پروانہ
سب ہے عادل زمانہ فرزانہ

عمر پینتیس تیس کے اندر
صاحبِ علم و فضل و فن و ہنر

دیکھئے گر نصاب کی تعلیم
ہے ام اے کی سند بفضلِ کریم

عہدۂ منصفی کے کار گذار
جس کا قانون پر ہے دار و مدار

قابلِ رشک ہے دماغ رسا
تذکرہ وہ ضخیم لکھ ڈالا

جسکے دیکھے سے عقل حیراں ہے
بس یہ حدِ کمالِ انساں ہے

صاحبِ فنِ شعر ماضی و حال
اسمیں موجود ہیں تمام و کمال

تذکرے پہلے اسنے گرد کیے
گرم بازار سب کے سرد کیے

ریختہ گو ہیں جتنے اہلِ سخن
یہ پھلا پھولا انکا ہے گلشن

اسمیں ہے درج حمدِ ربِ علا
اسمیں نعتِ حبیبِ پاکِ خدا

اسمیں شامل مناقبِ شہدا
اسمیں داخل صفاتِ آلِ عبا

رہروانِ طریقِ عشق کے ذکر
عاشقانِ خدا کے رنج و فکر

میگسارانِ معرفت کا حال
جنکی تصریح وجہ طولِ مقال

برقِ ایمن کی کار پردازی
خود نمائی و عاشق اندازی

چاہِ کنعاں کا قصہ دردانگیز
تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیز

مصر کی داستان پُر عبرت
منتہا عیش مبتدا حسرت

یہ سری رام کا ہے خمخانہ — تذکرہ با ہزار افسانہ
تم سری رام کو بھی کچھ سمجھے — خاندانی رئیس دلی کے
انکے گھر کے ہیں جتنے چھوٹے بڑے — کوئی بی۔اے ہے کوئی ہے ایم۔اے
قدردان کمال و فضل و ہنر — صاحب عزت و فضیلت و زر
ذات کے کھتری ہیں نیک صفات — دوست سب دوستی میں انکے مات
خوبصورت جوان خوش تقریر — نیک رائی میں اپنی آپ نظیر
نیکیاں کر کے بھول جاتے ہیں — منتیں کر کے بھول جاتے ہیں
لوگ کہتے ہیں انکو دوست نواز — دل میں سبے انتہا ہے سوز و گداز
بات کرنے میں سحر کا ہے اثر — ملکے۔ پڑتا ہے جانا انکے گھر
گھر گئے اور گھر گئے بالکل — یاد ہیں انکو مہر و لطف کے حل
شہر دہلی کی جان ہیں تو یہ ہیں — آدمیت کی شان ہیں تو یہ ہیں
آنکھ سے دل کا حال پہچانیں — یہ قیافے کی انکے ہیں شانیں
سرمۂ چشم دلربا تحریر — رنج و اندوہ و غم زدا تقریر
دوست انکے شمار سے زائد — کوئی دشمن نہیں بجز حاسد
ملنے والے ثناگر انکے ہیں — خوبیاں انمیں یہ ہیں۔ ایسی ہیں
بھولپن وہ مزاج میں ہے دخیل — رحم ہوتا ہے وقت قہر و کیل

دو شعر کا قطعہ

ایسی دیتے ہیں یہ سخن کی داد — کہ مصنف کا دل ہوا بس شاد
شکر دکھیا زبان پر ان کا — بار احسان کان پر ان کا

پانچ شعر کا قطعہ

اسنے شکوہ ہے مجھے ہے اپنے سوا — ان کا ستائی کوئی نہیں دیکھا

جھیل جاتا ہے ایسی دشواری | جس سے وہم و قیاس ہیں عاری
تیغ کے منہ پہ چڑھ کے رہتا ہے | ایسی ایسی کڑی یہ سہتا ہے
عشق کے اسمیں داغ ہوتے ہیں | جیسے روشن چراغ ہوتے ہیں
زخم و ناسور اسمیں پڑ جائیں | عشق و الفت کے خیمے گڑ جائیں
ابتلا کے مواد اسمیں سب | الغرض ہے یہ دل بڑا بیڈھب
کھیل اسکا ہے جان دے دینا | اپنے اوپر عذاب لے لینا
اسمیں رنگینیاں قیامت کی | سادگی ہے تو وہ بھی آفت کی
خارِ غم کی کھٹک رہے اسمیں | دشمنوں کی لٹک رہے اسمیں
نالہ و آہ کا یہی گھر ہے | اسکا منقاد دیدہ تر ہے
اسکے کہنے میں عاشقِ ناکام | دلربا ہیں اسی کے بسمیں تمام
وصل کا شوق و ابتہاج اسے | بات کا پاس اسے ہے لاج اسے
دشمنی پر اگر یہ آجائے | خشم کی بوٹیاں چبا جائے
دوستی پر اگر کمر کس لے | بات کی پیچ میں جان تک دیدے
چشمِ زخمِ رقیب کا مسکن | ہے تصور میں یار کا مامن
نرمیاں اسمیں موم سے بھی زیاد | سختیوں میں ہے آہن و فولاد
اسکی گرمی کا نام سوزِ دروں | گر الٹ جائے تو ہو جوشِ جنوں
یہ نہیں آدمی کے قابو کا | آدمی بلکہ اس کا کٹ پتلا
عشق و الفت کے سارے رازِ نیاز | پائیگا رقم بسوز و گداز
مختصر یہ کہ وہ کتاب لکھی | دل یہ کہتا ہے لاجواب لکھی
مجھسے اصرار ہے کہ لکھو تقریظ | ایسی خدمت مجھے ہوئی تفویض
اولیں تھا زبان سے ایما | پھر یہ تحریر میں پیام آیا

قیس و لیلیٰ کے مندرج احوال
کوہکن کا تمام ہو جانا
خسرو پرویز غرض کی مکاری
پیرزن کا پیام مرگ انجام
وامق بدنصیب کا احوال
فصل گل کی بہار سامانی
دستبرد خزاں کے افسانے
داغ لالے کے دل میں پنہاں ہیں
ایک دل میں ہزار ہا باتیں
دل کا نور صفا ہے برق طور
دل میں ہے جان مہر والفت کی
وہم ہیں اسمیں لاکھ صورت کے
بدگمانی کا ہے گزار اس میں
اسمیں تشویش بھی ہے لاتحال
شادمانی کا ہے قیام اسمیں
اسمیں پنہاں صفات شاہیں
حسرت قتل و آرزوے قید
منبع کینہ و حسد یہ ہے
اسکے بسمیں تباہ کر دینا
ساری دنیا سے بڑھکے راحت جو
ضبط و تمکیں میں بھاری پتھر ہے

از الف تا بہ یا تمام و کمال
عشق شیریں میں نام ہو جانا
آجتک ہے زبان پر جاری
کر دیا جس نے کوہکن کو تمام
عشق عذرا نے کیسلے کیا کیا جال
خوش نصیبوں کی گل بدامانی
جنکی تفصیل کو خدا جانے
یعنی گل چند روزہ مہماں ہیں
سینکڑوں خوبیاں کراماتیں
شکل سے آدمی کی جسکا ظہور
کینہ و بغض کی عنایت کی
سامنے ہیں ہزار آفت کے
خوش یقینی کا ہے ہزار اسمیں
مطمئن بھی ہے یہ بحد کمال
رنج و غم کا ہے ازدحام اسمیں
اس سے پیدا سخاوتی آئیں
ناامیدی اسے اسے امید
نیک تر یہ ہے سب سے بد یہ ہے
سب سپید و سیاہ کر دینا
بیشتر از قیاس محنت خو
بیقراری میں برق مضطر ہے

اُسکو اُس آزادی سے ظاہر کروں جس میں غیر واقعیت کا شائبہ نہو اور اُن تقریظ نویسوں کے مقصد و طرز سے علیحدہ ہو جن کا ابھی ذکر ہوا تاکہ اصلیت کا انکشاف ہوجائے میرے اس خیال کے مُصدق چند دلائل ہیں اولاً یہ تذکرہ بہ سبب اپنی اجماعی خوبیونکے جو علاوہ امعان وغور کے نظر سے دیکھنے کے بادی النظر میں نمایاں ہوتی ہیں اپنی توصیف میں مبالغہ کا محتاج نہیں ثانیاً میرے معزز دوست مؤلف تذکرہ خود صاحب شہرت و دولت ہیں انکو اس کے ذریعہ سے نہ عرصہ نام آوری میں آنے کی ضرورت ہے نہ جلب منفعت کی احتیاج برسوں کی عرق ریز مساعی ہیں جس کی محنت کا حال اُنہیں کے دل و دماغ سے پوچھا جائے ہزار ہا روپیہ صرف کر کے ایک ایسی بے نظیر تالیف کی ہے جس میں ہمارے ملکی زبان کی عہد بعہد تبدیلیوں۔اہل ملک کی اختلاف مذاق طبایع۔فطرتی جذبات۔اکتسابی قوت مشق۔قادر الکلامی۔وغیرہ وغیرہ کا روشن اور صاف آئینہ پیش کیا ہے اور جس سے اہل نگاہ کو وہ خط و خال نظر آتے ہیں جنکے دیکھنے کی اسوقت ضرورت ہے۔تذکرہ اپنی معنوی زبان سے کہہ رہا ہے لیس کمثلی۔ثالثاً میں خودکسی کی ہجا ستایش یا خودستائی پسند نہیں کرتا اُسکو ممدوح و مداح دونوں کے لیے مستلزم منقصت خیال کرتا ہوں اس لئے جن لفظوں میں اپنا خیال اس مجلد کی نسبت ظاہر کرونگا وہ واقعیت سے محیط ہونگے اور بالکل غیر دل خوش کن۔سادے اور حتی الامکان سچے۔

میں اس امر کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ تذکرہ نویسی کس قدر مشکل کام ہے یا اُس کے لئے کیسی مختص قابلیت کی ضرورت ہے جو ہر شخص کا حصہ نہیں انتخاب کلام کے لئے کیسے بالغ نگاہی غائر نظری درکار ہے اور سلامتی طبع کے ساتھ کیا سامان فراہم ہونا چاہیٔے مگر اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ ان صفتوں میں مؤلف نے ایسا امتیازی پایہ حاصل کیا کہ اُنہوں نے خمخانۂ جاوید جیسے تذکرہ کی تدوین کا بار اہتمام اپنے فرط لیاقت سے اُٹھایا۔

مؤلف اعلےٰ مغربی تعلیم یافتہ ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اونہیں ایم۔اے کی ڈگری کے ساتھ

تاربرقی کی آگئی نوبت
دوست کا امتثال امر کیا
ہر زہ گوئی قبول ہوجائے
لکھتے لکھتے مرا قلم جو تھما
اسم تاریخ طبع ہے درکار

ایک ہفتے کی میں نے لی مہلت
مجھسے جو کچھ ہوا برا اچھا
تو یہ محنت وصول ہوجائے
ہمنشیں دوست سے نے یہ فرمایا
کیوں خموشی ہے یہ خدا کی سنوار

سائل اب وقت کو نہ ہاتھ سے دو
باغ مینو طراز تم لکھدو
۱۳۲۶ھ

تقریظ از رشحات قلم جناب حاذق الزمان حکیم رضی الدین احمد خانصاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ دہلی آنریری فیلو پنجاب یونیورسٹی

میرے دلی دوست و کرمفرما لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی منصف پنجاب نے اپنا مولفہ تذکرہ میرے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اُسکے متعلق اپنی ناچیز رائے ظاہر کروں یا بہ تبدیل الفاظ اُسپر تقریظ لکھوں۔

تقریظ لکھنے اور لکھوانے سے میرا یا اُنکا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ طلائی حرفوں سے انواع نثر کی کسی قسم میں رنگین عبارت لکھکر غیر واقعی تعریف کے ساتھ اصل کتاب میں ایک ضمیمہ اُسکی ضخامت کے لئے بڑہایا جاوے جیسا کہ بہتیر ریو کرنے والے اکثر تصانیف پر تکلف کی میناکاری کرکے خوبصورت ٹائٹل چڑہا دیتے ہیں تاکہ عام مبصرین کی نظروں میں خاص قبولیت و دل پسندی کا محرک ہو اور اس پیرایہ میں اس کتاب کی اشاعت بڑھے۔

مولف کا قصد اور میرا ارادہ یہ ہے کہ اس جدید تالیف کی نسبت جو رائے میں رکھتا ہوں

نسبت دیتے ہیں اور بعض مہلمل سے فارسی زبان کا پہلا شاعر بہرام گور بتایا جاتا ہے جو وسیع سلطنت کا حکمراں تھا۔ اُسکے بعد یعقوب بن لیث یا ابوحفص سغدی کو اسکا مالک بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلاطین سامانیہ کے دور حکومت میں رودکی نے زبان فارسی کی شاعری کو کمالیت کے مرتبہ پر فائز کیا بعدازاں وقتاً فوقتاً مختلف اساتذہ کی مختلف موشگافیوں سے کمال کو پہونچی انگریزی زبان کی نظم گوئی میں چاسر کی اقدمیت کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ ہندی زبان میں والمیک اور کالیداس کو خالق نظم کہا جاتا ہے اُردو زبان میں ولی نظم کلام کی درگاہ کے پہلے سجادہ نشین مانے جاتے ہیں۔ ان تمام بزرگواروں کی فلسفیانہ فکر اور دوربین نگاہ نے اصل مقصد کلام کے حاصل کرنے میں کامیابی پائی اور دنیا کو دکھایا کہ کلام کی زبردست تاثیر زہر۔ وتریاق کے اثر سے زیادہ فوری قوت رکھنے والی ہے اور جس سے قوی وارواح میں تحریک۔ قدرتی واردات کے اظہار سے کیفیت۔ مشاہدہ ومناظر پر قوت غور۔ خیال میں استقلال پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ کی گردش سے جب انسانی مذاق کے سالک تبدیل ہوئے تو ایشیا میں یہ عمدہ وبرگزیدہ مقصد بھی محض حسن وعشق کے منحوس وخیالی تصویروں کے دائرہ میں محدود ہو گیا اور فرقت کے صدمہ وصل کی لذت کا مفسر رہ گیا لیکن باایں‌ہمہ علوم کے خزانوں پر کسی قدر اُسکو قبضہ باقی یا زبان کی دار السلطنت پر پورا اقتدار قایم رہا اور نیز ہر زمانہ کی مذاق طبیعت اور اہلِ زمانہ کے خاص حالات زندگی کے مُشعر ہونے کا وصف رکھیا۔

فرضی حسن وعشق کے جھگڑوں نے اگرچہ اسکو اپنا مرکز بنا لیا مگر پھر بھی دلی جذبہ۔ فطرتی میلان طبعی جوش کے اظہار کے آلہ ہونے کی صفت اسمیں ایسی قائم رہے جو گزشتہ سلسلوں کو توضیح حال وخیال کے لئے ایک بہترین نمائشگاہ ہے۔

انھیں اصلی باتوں کو ملحوظ رکھکر لائق مؤلف نے ایسے تذکرے کی ضرورت کا ادراک کیا اور اپنے بلند خیالی سے اُسکے پورا کرنے کی کوشش کی۔

خود میرے دعوے کے ثبوت کی محکم حجت ہے ایسے مشتعل ہوئے کہ مناظرہ کو مجادلہ بنا دیتے ہو اس مقولہ کو سنکر اُسکے مخاطب کو انفعال ہوا اور اُسنے تسلیم کر لیا کہ اسمار فی الحقیقت موثر ہیں یہ ایک حکایت تھی جو بسبیل ذکر تمثیلاً زبانِ قلم سے نکلی ورنہ شب و روز کے واقعات ہی اس امر کی بین دلیل ہیں کہ دوستی۔ دشمنی۔ قرب۔ بُعد۔ مغایرت۔ مقارنت۔ وغیرہ جملہ نسبتوں اور تعلقات میں کلام کے تاثیر کو بڑا دخل ہے۔

ما وا ایسکے سبزہ زار تاریخ کے اوراق ان تذکروں سے گلزار بنے ہوئے ہیں کہ ہر دور و عہد میں کلام کی آبیاری سے رنگارنگ کے انقلاب۔ قوموں۔ دولتوں۔ میں پیدا ہوئے۔ ایک ایک لکچر و خطبہ نے ممالک ہلا دیئے ایک ایک نظم و مرثیہ نے غافلوں کو بیدار بزدلوں کو شجاع بنا دیا۔ کہیں مذہبی مصالح پورا کرنے میں کلام نے دخل پایا اور اپنے قوی تاثیر سے عالم روحانیات میں انفعال پیدا کرنے کے لئے مندروں میں بھجن اور گیت بنکر اور مجالس سماع میں غزل وغیرہ وغیرہ کا لباس پہنکر انسانی ہستی میں غیر متوقع اور قابلِ حیرت تغیر پیدا کرنیوالا ثابت ہوا جس سے روحانی کمالات میں نمایاں ترقی ہوئی۔

جب دور اندیش اور مصلح دماغوں نے اوسکی تاثیر کی بالبداہت ثبوت دیکھے تو اُسکی فصیح بلیغ کرنے میں ساعی ہوئے حتیٰ کہ اوسکو ایسی موزونیت کا خلعت پہنایا جو آجتک نظم کے نام سے موسوم چلا آرہا ہے۔

اس بات کا تحقق نہایت مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس صواب اندیش دماغ نے کلام کے اس اصلی مفہوم کو سمجھا اور اُسکی موزونیت کی داغ بیل دنیا میں ڈالی اگرچہ مورخوں نے قلم تحقیق اٹھائے ہیں اور لکھا ہے مگر اختلاف کی جزئیات نے تحقیق میں اہمیت پیدا کر دی ہے جس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ اس ایجاد کا فخر کسکو ہے ابن اثیر اور بعض اُن کے متبع مورخ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس اختراع کو منسوب کرتے ہیں قاسم ابن سلام بغدادی شعر عربی کا یعرب بنِ قحطان کو موجد بتاتے ہیں۔ بعض اہلِ تاریخ اشعر بنِ سبا سے یمنی سے

ہے جو اس تذکرے کے خصوصیت سے لایق ذکر صفت ہے ۔
مجموعۃً یہ تذکرہ تالیفی عالم میں بے مثل کہے جانے کا مستحق اور اُسکے مؤلف اُردو زبان کے مربی سمجھے جانیکے اہل ہیں جنکا پبلک کو شکر گذار ہونا چاہیئے کہ کیسے خوش اسلوب تالیف اُسکی کتب خانۂ زبان میں بڑہی جو اپنے محاسن سے نہ اہل سخن یا مشتاقانِ فن شعر کو ہی فائدہ پہونچانیوالی ہے بلکہ اُردو زبان کے مفید تر کتاب ہے۔
میں خمخانۂ جاوید کے مؤلف اپنے معزز دوست لالہ سری رام صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنکی کوشش مشکور ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس شاقہ محنت اور سخت ترد د سے مؤلف نے اپنے تذکرے کو لکھا ہے ایسے ہی مفرط شوق سے ملک اسکی منزلت کرے اور یہ عمدہ تالیف اُردو زبان کی ذخیرہ کتب میں ایسا ہی مکمل و دلفریب اُنکا اور کلام کا جاودانی تذکرہ و یادگار سمجھا جاوے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔

وکم للہ من لطف خفی	یدق خفاہ عن فہم الذکی
وکم ہم تعانیہ صباحاً	فتعقب المسرۃ بالعشی

خاکسار
رضی الدین احمد عفی عنہ
از دہلی
۲۸- مارچ ۱۹۰۸ء

ہمارے ملکی زبان کی نظم کی بہت سے قابل قدر تذکرے لکھے گئے اور اہل ملک نے اُنکو عزت کے ہاتھوں میں لیا۔ شوق کی آنکھوں سے دیکھا لیکن یہ تذکرہ اپنی مخصوص خوبیوں کی وجہ سے اپنے طرز اور ایفائے ضرورت میں ایسی قیمتی اور قابل پسند چیز ہے جسکو ہماری زبان کی تصنیفات میں ایک مفید اضافہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔

اس تذکرے میں مؤلف نے اصل مقصد نظم کی رعایت سے جسکو ظاہر کیا گیا ہے منتخب شعرا کے کلام کے انتخاب ہی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ نہایت فیاضی سے ملک کے اُن تمام شاعروں کے کلام کو درج کیا جنکے کلام تک اُنکی آگاہی کا ہاتھ پہونچا اس کے انصرام میں اُسکو بلیغ سعی کرنی پڑی یا کثیر صرف سے کام لینا پڑا اگر وہ مدعا ضرور حاصل ہوا جو اس تذکرہ کا موضوع ہے اس تذکرے نے ایسی سہولت پیدا کر دی کہ ہر شخص مختلف اقطاع و امصار کے باشندوں کی زبان اور خیالات سے بآسانی واقف ہو سکے گا اور اُسکو زمانۂ ماضی و حال کے تبادلہ خیالات و زبان کی واقفیت کا موقع ملیگا۔

ہجر و مواصلت کے شرمناک قصوں کو چھوڑ کر خذ ما صفا دع ما کدر کی رعایت سے اہل ملک کے طبعی حالات۔ خصائل۔ عادات۔ روحانیت۔ زبان کی روداد معلوم کرنے کا فائدہ مندکارنامہ ہے۔

سخن فہمی کے قدرتی انصاف سے انتخاب کلام میں کیا بہ حیثیت کو الف ذاتیہ شاعر کیا بہ اعتبار زبان کیا بہ صورت ادائے مقاصد ایسے شائستگی و تسلسل سے مولف نے کام لیا ہے کہ اُسکا عدیل آئندہ کبھی ایسے اور انتخاب کیلئے ملنا سہل نہیں معلوم ہوتا اہل کمال کے اندراج حالات میں جہانتک مؤلف کو علم ہوا ہے کمی نہیں کی اور نہایت صداقت سے بغیر رنگ آمیزی مدح و ذم اونکو قلم بند کیا گیا ہے جس سے ایک تذکرہ نویس کے پورے فرض کا ادا ہونا تسلیم ہوتا ہے۔

حسن ترتیب خوبی التقاط۔ مؤلف کے بے انتہا تہذیب۔ سلیقہ مندی۔ سخن شناسی پر دال

اعلان

حضرات شعرا اور دیگر ناظرین تذکرہ کی خدمت میں التماس ہے کہ تذکرہ خمخانۂ جاوید کے بقیہ چار دفتر جو زیر ترتیب ہیں حتی الوسع جلد شایع ہونگے۔ جلد ثانی کی نظر ثانی ہو رہی ہے اور اس کی کاپی عنقریب شروع ہو جائیگی۔ جو حضرات اپنا یا اپنے بزرگوں کا غیر مطبوعہ کلام اور حالات درج تذکرہ کرانا چاہیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

تذکرہ کی خریداری کے لئے بھی اسی پتے سے درخواستیں آنی چاہئیں چونکہ درخواستیں کثرت سے آ رہی ہیں۔ تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں شائقین جلد درخواستیں بھیجیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت فی جلد صہ

تذکرہ کی رجسٹری موافق قانون کرا دی گئی ہے۔ کوئی صاحب قصد طبع نہ کریں۔

دفتر خمخانۂ جاوید۔ کوٹھی آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب مرحوم بیرسٹر

لاہور